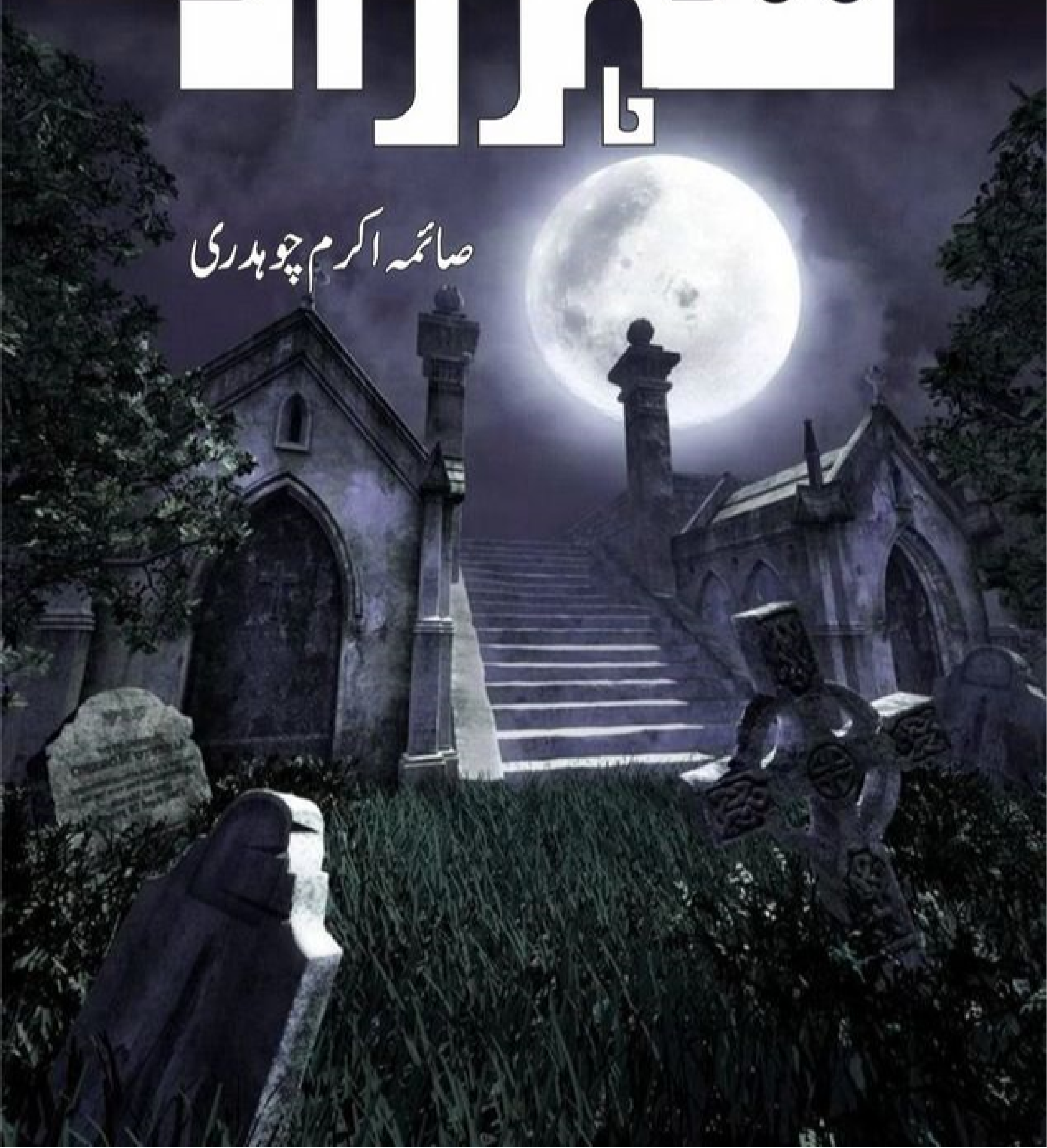
شہرزاد

صائمہ اکرم چوہدری



شہزاد

صائمہ اکرم چوہدری

kitaabghar.com ebooks publishers

مجھے کچھ کہنا ہے

شہرزاد۔۔۔میرا پہلا طویل سلسلے وار ناول۔۔۔!!!

جسے میں نے پورا ایک سال سردیوں کی طویل راتوں اور گرمیوں کی تپتی دوپہروں میں بیٹھ کر سوچا۔دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کا پہلا سین میں نے دو سال پہلے لکھا اور پھر فائل طویل عرصے کے لیے بند کردی۔میں نے آج تک جتنے ناول لکھے ان کا محرک کوئی نہ کوئی دل دکھاتا جملہ،سانس روکتا لہجہ،اپنی طرف متوجہ کرتا چہرہ یا کوئی تلخ منظر ہی بنا تھا۔۔۔

لیکن۔۔۔!!!

شہرزاد میرا ایک ایسا ناول ہے جسے لکھنے کی تحریک مجھے ملکہ کوہسار ''مری'' شہر کے ایک خوبصورت گھر کو دیکھ کر ملی۔مال روڈ سے واک کرتے ہوئے کشمیر پوائنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اس گھر نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔مری کی بعض سڑکیں کافی بلندی پر اور اکثر گھر ڈھلوانی سڑک سے گذر کر نیچے ہموار میدانوں میں بنے ہوئے ہوئے ہیں جس وجہ سے سڑک سے گذرنے والے لوگوں کو کم از کم صحن یا لان کے مناظر دیکھنے کے لیے کسی دقت کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔۔میں بھی چلتے چلتے ایک دم رک کر اس کی چاردیواری پر اپنی کہنیاں جمائے اسے غور سے دیکھنے لگی۔

اچانک دل میں ایک سودا سمایا اور میں اپنی ہی دھن میں کھلے گیٹ سے اس خالی گھر کے اندر داخل ہوگئی اور اس کے سرسبز لان کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر میں نے ایک کہانی بنی اور پھر اسے لفظوں کی مالا میں پرونے کا عہد بھی وہیں کیا اور اسکے بعد اس گھر کی تصویر کو محض اپنی یادداشت کے لیے سیل فون کے کیمرے میں محفوظ کرلیا۔

قارئین۔۔۔!!!میں نہیں جانتی،اس گھر کے مکین کون تھے؟ان کا ماضی،حال یا مستقبل کیا تھا لیکن اینٹوں کی اس بنی عمارت میں بہت سی کہانیاں مجھے اپنے کانوں میں سرگوشیاں کرتی محسوس ہوئیں۔یہ وہ کہانیاں تھیں جنہیں میرے ذہن نے خود تخلیق کیا۔ان کا اس کے مکینوں سے کوئی لینا دینا نہیں۔

مجھے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ کچی پکی مٹی کی بنی اینٹوں،گارے اور سیمنٹ سے بنی عمارتیں بھی بولتی ہیں۔وہاں رہنے والوں کے دکھ اور غم ان پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں اور جب مکینوں کے دکھ بولتے ہیں تو یہ گھروں کے در و بام کو وقت سے پہلے بوسیدہ کردیتے ہیں اور وہاں رہنے والے لوگوں کی خوشیاں در و دیوار کو بھی ہمیشہ جوان اور ترو تازہ رکھتی ہیں۔

اس ناول میں ماضی کے ایک ٹریک کو چھوڑ کر باقی سارے ٹریک فرضی اور میرے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں،ان کی کسی بھی

واقعے، منظر یا مشاہدے سے مماثلت محض اتفاقیہ ہوگی۔ اس کے لیے میں یا ادارہ قطعاً ذمے دار نہیں۔

میں اس ناول کے ذریعے نہ تو اپنی قابلیت یا گوگل سے لی گئی معلومات کے ذریعے اپنے معصوم قارئین پر کوئی دھاک جمانا چاہوں گی اور نہ ہی میرا مقصد اپنے کرداروں کا شاہانہ قسم کا لائف اسٹائل دکھا کر کسی کے خود ساختہ احساس کمتری کو پروان چڑھانا ہے۔ کہانیوں کے کردار، کسی بھی معاشی طبقے سے ہو سکتے ہیں۔ آپ ان کے رہن سہن پر غور و فکر کرنے کی بجائے، اس تحریر میں چھپے اصل مقصد کو کھوجنے کی کوشش کیجیے گا۔

آخر میں صرف اتنا کہنا ہے کہ شہزاد میرا پسندیدہ کردار ہے اور مجھے یقین ہے اس ناول کے اینڈ تک یہ سب کے دلوں میں اپنی جگہ بنا لے گا اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو میں پیشگی معذرت خواہ ہوں۔۔۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا کیونکہ میرا دعاؤں پر یقین ہے۔

والسلام

صائمہ اکرم چوہدری۔

اسلام آباد

شہزاد

وہ شہزاد تھی۔۔۔!!!

شہرِ ستمگر میں پلنے والی۔۔۔

زمستان کی سنہری دھوپ جیسی لڑکی۔۔۔!!!

جس کی دلکش آنکھوں پر جھیل سیف الملوک کا گماں ہوتا۔۔

وہ اس ادا سے چلتی کہ زمانے کی سانس رک جاتی۔۔۔

وہ نگاہ اٹھا کر دیکھتی تو قافلے راستہ بھول جاتے۔۔۔

وہ الف لیلہ کی کہانیوں کا طلسماتی کردار نہیں تھی۔۔۔

لیکن۔۔۔!!!!

وہ بولتی تو، وقت کی گردشیں تھم سی جاتیں۔۔

وہ حقیقتوں کی تلخ دھوپ میں پل کر اپنی شناخت کے موسموں کی تلاش میں تھی۔۔۔

اس کے ارادے آہنی، نگاہیں پختہ۔۔۔

وہ اک آتش کم رو تھی۔۔۔

جس کی اسرار میں ڈوبی ہوئی خاموشی میں۔۔۔کئی لمحے سلگتے تھے۔۔۔

اُس کے سینے میں کئی راز پلتے تھے۔۔۔!!!

وہ شہزاد جس نے داستان ہزار میں کئی کرداروں کو زندگی بخشی اپنے لفظوں سے۔۔

وہ اپنی کہانی میں، خود کو ڈھونڈنے نکلی تو اجنبی راستوں کی مسافر بن گئی۔

وہ شہزاد، اپنے ہی گھر کا رستہ بھول گئی۔۔۔!!!

☆......☆......☆

اوائل دسمبر کی وہ خنک رات تھی، چاند بھی کہر میں ڈوبا ہوا اونگھ رہا تھا۔ جاڑے کی سردیوں میں ہر چیز اپنے اپنے ٹھکانوں میں دبکی بیٹھی تھی۔ ایسی گھور سمے کی تاریکی میں خیبر میل ٹرین پوری رفتار سے ریل کی پٹریوں پر ایسے بھاگ رہی تھی، جیسے کوئی آسیب اسکے تعاقب میں ہو۔

اسی ٹرین کی بزنس کلاس کے ایک کیبن میں موجود دو مکینوں کو تھکن، پریشانی اور خوف نے کسی اژدہے کی مانند اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ دونوں میاں بیوی کی سوجن زدہ سرخ آنکھیں بے خوابی کی غماز تھیں۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے نظریں چرائے یوں بیٹھے تھے، جیسے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا بھی گناہ کبیرہ ہو۔

چھ لوگوں کے اس کیبن میں اس وقت صرف دو لوگ تھے۔ تین مسافروں کی منزل پچھلا اسٹیشن تھی، ان کے گاڑی سے اترنے کے بعد مرد نے سانس کھینچ کر افسردگی کے اس سحر سے نکلنے کی شعوری کوشش کی اور بوگی کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

کیبن میں موجود واحد کھڑکی کے پاس اسٹینڈ والا میز تھا جس پر ان کا تھرماس، پانی کی بوتل اور بچے کے دودھ کا سامان رکھا ہوا تھا۔ پاس ہی کھانے کا ٹفن تھا جسے ان دونوں میں سے کسی نے بھی کھول کر نہیں دیکھا تھا حالانکہ انہیں سفر کرتے ہوئے کئی گھنٹے گذر چکے تھے۔

انہیں معلوم تھا رات کے اس پہر اب شاید ہی کوئی نیا مسافر اس ڈبے میں داخل ہو۔ لڑکی نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہی آنکھیں بند کیں اور ایک سلگتا ہوا منظر اسکے دماغ کی سلیٹ پر ابھرا۔

”مار دو، ختم کرو، اللہ کا عذاب نازل ہوا ان مردود لوگوں پر، قرآن پاک کی بے حرمتی کی ہے انہوں نے۔۔۔“ مسجد کے مائیک سے پورے گاؤں میں گونجنے والی مولوی صاحب کی اشتعال انگیز آواز نے معصوم لوگوں کے جسموں میں گویا کوئی بارود بھر دیا۔

”خداوند یسوع، رحم کر، رحم۔۔۔“ بوڑھی عورت خوفزدہ آنکھوں سے بدلے کی آگ کے شعلوں میں جلتا ہوا اپنا گھر دیکھ کر بین کرنے لگی۔ اسکی آواز دل چیر دینے والی تھی لیکن وہاں موجود زمینی خدا اسکی ایک سننے کو تیار نہ تھے۔

”سب کو مار دیا، ختم کر دیا ظالموں نے۔۔۔“ دل دہلا دینے والی آواز میں صدیوں کا کرب شامل ہوا۔ اسے لگا جیسے اس کے ذہن کی طنابیں چٹخنے لگیں ہوں۔ وہ لب بھینچ کر اپنے دل کو بکھرتا ہوا محسوس کرنے لگی۔

”خدیجہ۔۔۔!!!“ اس کے شوہر کی آواز اسے حقیقت کی دنیا میں لے آئی۔

”ہوں۔۔۔“ وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھی۔ اس نے بے اختیار اپنی نم آلود آنکھوں کو انگلیوں کی پوروں سے صاف کیا۔ وہ شخص نظریں چرا کر اس کے سامنے والی خالی سیٹ پر بیٹھ گیا، ایسا لگتا تھا جیسے لڑکی کے آنسوؤں نے اسکی قوت گویائی سلب کر کے رکھ دی ہو۔

اس دراز قد مرد نے براؤن کلر کی جینز پر چاکلیٹ کلر کی شرٹ کے ساتھ لیدر کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ جب کہ اس کی جوان بیوی

سیاہ رنگ کے عبایہ میں تھی۔

اس کا چہرہ غم کی جا گیر بنا ہوا تھا اور آنکھیں شدت گریہ کی وجہ سے سوج چکی تھیں۔

مرد کا دل تاسف کے گہرے احساس سے بھر گیا۔ اُس نے افسردہ نگاہوں سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا جو نیلے رنگ کے کمبل میں لپٹا ہوا ماں کی گود میں گہری اور پرسکون نیند سو رہا تھا۔

''محمد احمد سو گیا کیا۔۔۔؟؟؟'' مرد نے اپنی بیوی کو مخاطب کیا جو ہونٹ کچلتے ہوئے آنکھوں میں تنی دھند کی چادر کو ہٹانے میں کوشاں تھی۔

''ہاں۔۔۔'' وہ بمشکل زور لگا کر بولی، لفظ اسکے تالو سے چمٹ گئے۔

''تم بھی سو جاؤ۔۔۔'' بے خوابی کے عطا کردہ بوجھل پن نے مرد کو نڈھال کر رکھا تھا لیکن اسے پھر بھی اپنی شریک سفر کی فکر تھی۔

''میں جاگ رہی ہوں، آپ برتھ پر جا کر تھوڑا ریسٹ کر لیں۔'' وہ ہاتھ میں پکڑے فیڈر کی سطح کو ناخنوں سے کھرچتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولی۔ اُسے معلوم تھا آج کی رات رت جگا اسکا مقدر ہے۔

''ٹھیک ہے۔۔۔'' وہ ہی اسکی بات سے متفق ہوا اور کمبل اٹھا کر برتھ پر جا کر لیٹ گیا۔ ایک گھنٹہ کروٹیں بدلنے کے بعد کیبن میں اسکے خراٹے گونجنے لگے تو اسکی بیوی کا دل ایک دفعہ پھر کرب کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے لگا۔۔

وہ کھڑکی کے شیشے سے پار تاریکی میں باہر کے مناظر کو کھوجنے لگی۔ ایسی ہی تیرگی نے اسکے مقدر کو بھی اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔۔۔ اُسے پتا ہی نہ چلا آنسوؤں کے پرحدت قطرے مسلسل اسکے گالوں پر لڑھک رہے تھے، آج ان پر اسکا کوئی زور نہیں چل رہا تھا۔

دل و دماغ میں ایک حشر برپا تھا، ہر طرف دل کو چیر دینے والی آہیں اور سسکیاں تھیں۔۔۔

وہ رات بھی اسکا دکھ سمجھ چکی تھی۔۔۔ تبھی تو ایک محسوس کی جانے والی اداسی نم آلود ہواؤں کے ساتھ فضا میں بین کرنے لگی۔ بے ہنگم سوچوں نے اُس کے وجود کا حصار کر رکھا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لامتناہی گردش کے کسی بھنور میں پھنس چکی ہو۔۔۔

اس وقت ٹرین کے اس کیبن میں بچے سمیت تین مسافر تھے اور چوتھا مسافر جسے صرف وہ لڑکی ہی دیکھ سکتی تھی اسکا نام تھا اجل۔۔۔

ہاں اجل یعنی موت۔۔۔

جو پر پھیلائے ان تینوں میں سے کسی ایک کو اپنی بانہوں میں سمیٹنے کو بے تاب تھی۔

ٹرین کی رفتار میں ایک دم ہی کمی آ گئی، ایسا لگتا تھا جیسے کوئی ماہر رقاصہ تھک کر آہستہ آہستہ زمین پر گرنے کی تیاری کر رہی ہو۔ اُس لڑکی نے اپنی گود میں موجود ننھے فرشتے کو دیکھا، جسے کچھ دیر پہلے ہی اس نے اپنے شوہر سے نظر بچا کر کھانسی کا شربت پلایا تھا جس کے زیر اثر وہ گہری نیند مزید کئی گھنٹے تک سو سکتا تھا۔

''آئی ایم سوری بیٹا۔۔'' وہ اسکی پیشانی، آنکھوں، ہونٹوں اور رخساروں کو دیوانہ وار چوم کر آہستگی سے بولی۔ وہ نیند میں ہلکا سا کسمسایا۔

''تمہاری ماں کے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا۔۔'' بے بسی کے احساس کے زیر اثر اسکی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

گاڑی چلتے چلتے ایک جھٹکے سے رکی، اُس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا، اسکی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی پھیل گئی۔ اسکے دماغ نے سیکنڈوں میں ایک فیصلہ کیا اور اس سوچ نے اس کے اندر توانائی کا ایک جہان بھر دیا۔

ریلوے اسٹیشن پر لگے زرد رنگ کے بلب کی روشنی میں اُس نے دیکھا، وہ کوئی بیوہ کی مانگ کی طرح اجڑا ہوا اسٹیشن تھا، جس پر اکا دکا گاڑیاں ہی رکتی ہونگیں لیکن شاید اس وقت دوسری طرف سے آنے والی گاڑی کا کوئی کراس تھا، جبھی ڈرائیور نے ٹرین یہاں روک دی تھی، اسی وجہ سے یہاں نہ تو کوئی مسافر موجود تھا اور نہ ہی کوئی نیچے اترا تھا۔

ریلوے اسٹیشن کی چھوٹی سی عمارت خاصی خستہ حال تھی اور اس کا فرش بھی جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ کمروں کو زنگ آلود تالے لگے ہوئے تھے۔ جیسے انہیں کھولے ہوئے صدیاں گذر چکی ہوں۔

اُس لڑکی کا دل ایسے ڈوب کر دھڑکا جیسے آخری بار دھڑکا ہو، اس نے کنکھیوں سے اپنے شوہر کو دیکھا جو برتھ پر لیٹا ہوا تھا اور کمبل میں اسکے خراٹے بلند آواز میں گونج رہے تھے۔ اُس نے بچے کو ایک ہاتھ سے نرمی سے اٹھایا اور دوسرے ہاتھ میں باسکٹ پکڑی جس میں بچے کی ضرورت کا سارا سامان تھا۔

اس کے ہاتھوں کی لرزش اس کے اندرونی خلفشار کی عکاسی کر رہی تھی۔۔۔ جیسے ہی وہ ٹرین کے کمپارٹمنٹ کی گیلری میں آئی اُسے لگا جیسے وہ ایک پل میں صدیوں کا سفر طے کر آئی ہو۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا، سب مسافر خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے، اُس نے باسکٹ نیچے رکھ کر ٹرین کا بھاری بھر کم دروازہ زور لگا کر کھولا۔

بزنس کلاس کی وجہ سے اس بوگی میں مسافروں کی تعداد خاصی کم تھی، اکثر کیبن خالی ہی تھے۔۔ سخت سردی میں پوری ٹرین کی کھڑکیاں بند تھیں۔

وہ خوفزدہ انداز میں ٹرین سے نیچے اتری، یخ بستہ ٹھنڈی ہوا نے بدن کو چھوا تو اسے جھرجھری سی آ گئی۔ اس نے ہراساں چہرے کے ساتھ دائیں بائیں دیکھا

اور پھر اسکی نظر شیشم کے درخت کے نیچے رکھے سنگ مرمر کے بینچ پر پڑی۔ وہ سرعت سے اس جانب بڑھی اور چلتے چلتے رکی اور خوفزدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

دور کہیں کوئی آوارہ کتا بھونکا تھا۔اس کا دل کانپ اٹھا لیکن جلد ہی اس نے خود کو حوصلہ دیا۔اُسے ہر قیمت پر اپنے فیصلے پر عمل درآمد کرنا تھا۔

اُس لڑکی کی عقابی نظریں کسی محفوظ ٹھکانے کی تلاش میں تھیں، اچانک ہی اسکی نظر سنگِ مرمر کے بینچ کے نیچے بنی ایک محفوظ جگہ پر پڑی، جہاں وہ اپنے جگر گوشے کو اس کہر جماتی سردی کی ٹھنڈک سے بچا سکتی تھی۔

اُس نے جلدی سے بینچ کے نیچے جھانکا اور تھوڑا سا جھک کر ٹوکری کو بینچ کے نیچے گھسایا اور سلیپنگ بیگ میں لپٹے بچے کو احتیاط سے لٹاتے ہوئے اسکا دل ایک لمحے کو ڈگمگایا۔

"مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔۔۔" وہ کسی جذباتی رو میں بہنے ہی لگی تھی کہ دماغ نے دل کو دھکا دے کر اوندھے منہ گرا دیا۔

"اپنے ہاتھوں سے مارنے سے بہتر ہے، اسے زندہ چھوڑ دو۔" دماغ نے اُسے ایک نئی راہ دکھائی۔

اسی لمحے رات کے ہیبت ناک سناٹے میں ٹرین کی سیٹی کی آواز گونجی۔۔۔اس کے اندر کرنٹ سا دوڑا۔

اُس نے جلدی سے ہاتھ میں پکڑا چھوٹا کمبل بھی اس سلیپنگ بیگ کے اوپر ڈال دیا تھا۔۔۔پہلی نظر میں اب کسی کو بھی یہ احساس نہیں ہو سکتا تھا کہ اس بینچ کے نیچے کوئی جیتا جاگتا وجود سو رہا ہے۔

چند ہی سیکنڈ بعد گاڑی ہلکی سی رینگی، وہ لڑکی بھاگ کر دوبارہ ٹرین میں سوار ہوئی وہ اب دروازے میں کھڑی انتہائی صدمے بھرے انداز سے اپنے دل کے ٹکڑے کو خود سے دُور ہوتا دیکھ رہی تھی۔۔۔

اسکی رنگت خطرناک حد تک سپید پڑ گئی اور اسکا سارا وجود کانپنے لگا اور اسے لگا جیسے اسکی سانسیں حلق میں اٹک کر رہ گئیں ہوں۔ گاڑی پوری قوت سے ریل کی پٹریوں پر دوڑ رہی تھی۔وہ ٹرین کے دروازے میں ایسے کھڑی تھی جیسے کسی نے وہاں کوئی سنگی مجسمہ نصب کر دیا ہو۔

جیسے جیسے ٹرین آگے بڑھ رہی تھی اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اسکا دل کسی اندھی کھائی میں ڈوب رہا ہو۔۔۔

سرد ہوا کے ٹھنڈے یخ جھونکے اسکے وجود سے ٹکرا رہے تھے لیکن وہ اس وقت موسم کی سختیوں سے بے نیاز ہو چکی تھی۔

اُسے دروازے میں کھڑے تقریباً بیس منٹ ہو چکے تھے اور اسکے شوہر کو ابھی تک اسکی غیر موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔اس وقت وہ اذیت کی انتہا پر تھی۔بیس منٹ کے اندر ہی پچھتاووں کے چالیس ناگ اسکے وجود کے گرد لپٹ چکے تھے۔

"یہ میں نے کیا کیا۔۔۔؟" اس کا سر چکرانے لگا۔

"اسکے باپ کو میں کیا جواب دوں گی کہ اسکی اولاد کو میں کس ویرانے میں پھینک آئی۔" اندر سے اٹھنے والی اس خوف کی لہر نے اسے چکرا کر رکھ دیا، وہ جذبات کی رو میں بہہ کر ایک غلط فیصلہ تو کر آئی تھی اور اب اسکے مضر اثرات اسے ساری زندگی بھگتنے تھے۔

اس گاڑی کی مخالف سمت سے دوسری پٹری پر ایک ٹرین کا انجن دُور سے کسی عفریت کی مانند آ رہا تھا۔ وہ اس وقت ہوش و حواس سے بیگانہ بس ایک ہی سوچ میں مگن تھی کہ اسے اپنے بچے کو اس ویران اسٹیشن سے اٹھا کر واپس لانا ہے۔

''مجھے زنجیر کھینچ کر گاڑی روکنی چاہیے۔۔۔'' اس سوچ نے اسکے اندر توانائی کا ایک جہان بھر دیا، وہ جو دروازے کا ہینڈل مضبوطی سے پکڑے کھڑی تھی، اسکے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑی، دماغ چکرایا، اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، لیکن مخالف سمت سے آتی طاقتور ہواؤں کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور اسکا پاؤں پھسلا اور وہ چلتی گاڑی سے بہت بے رحم انداز میں گری۔

''محمد احمد۔۔۔'' اسکے حلق سے چیخ نکلی، وہ مرنا نہیں چاہتی تھی لیکن مخالف سمت سے آتی ٹرین اس کے وجود کو روندتی چلی گئی۔

دُور کہیں ویرانے میں اجل نے حلق پھاڑ کر قہقہ لگایا اور اس لڑکی کا وجود سینکڑوں پرخچوں کی صورت فضا میں بکھر گیا۔ موت اس معصوم لڑکی کو بہت ظالمانہ انداز میں اپنے پنجوں میں دبوچ کر لے جا چکی تھی۔

☆......☆......☆

''میر ہاؤس'' کے ہال کمرے میں لگے گھڑیال کا گجر بلند آواز میں بجا۔۔۔

ٹن کی آواز نے سناٹے کے تالاب میں لمحے بھر کو گرداب پیدا کیا اور پھر ایک بھید بھری خاموشی نے پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ طوفانی بارش رک چکی تھی لیکن درختوں کی ٹہنیوں سے الجھتی شائیں شائیں کی آواز عجیب سا تاثر دے رہی تھی۔

رات کا پچھلا پہر تھا اور ماحول میں پر ہول سناٹا چھایا ہوا تھا۔ درشہوار نے زبردستی اپنی چچا زاد بہن طوبیٰ کا یخ ٹھنڈا ہاتھ پکڑا اور بالائی منزل سے گولائی کے رخ میں آتی سیڑھیاں اترنے لگی۔ اس وقت مری کی فضاؤں میں سرد رات تاریکی کا کمبل اوڑھے گہری نیند سو رہی تھی۔

''درشہوار۔۔۔ پلیز۔۔۔'' طوبیٰ نے اسکا ہاتھ دبا کر التجا کی۔ وہ بادل نخواستہ اسکے ساتھ چل رہی تھی۔

''ہرگز نہیں۔۔۔'' درشہوار کے انداز میں عجیب سی سرکشی اور بلا کا اعتماد تھا۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔۔۔'' طوبیٰ کی آواز ہلکی سی کانپی۔

''کچھ نہیں ہوتا۔۔۔'' درشہوار نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ویسے بھی وہ کچھ ٹھان لیتی تو اس پر عمل درآمد کرنے سے اسے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ وہ میر ہاوس کی سب سے ضدی لڑکی مشہور تھی۔

طوبیٰ دل ہی دل میں آیت الکرسی کا ورد کرتے ہوئے اس کے ساتھ گھر کے پچھلی سائیڈ پر بنے کوریڈور کی طرف نکل آئی جہاں پچھلے لان کا دروازہ تھا۔

درشہوار نے چنیوٹی لکڑی کے بنے دروازے کے سنہری ہینڈل میں ہاتھ میں پکڑی چابی گھمائی اور تھوڑا سا زور لگانے سے زنگ

آلودتالاٹھک کر کے کھل گیا

دونوں نے گھبرا کر اپنے لبوں پر ہاتھ رکھ لیے لیکن خیریت رہی، اس وقت میر ہاؤس کے مکین اپنے اپنے کمروں میں گہری نیند سوئے تھے۔

دروازہ کھول کر وہ جیسے ہی باہر نکلیں، مری کی یخ ہوا کا ایک نم آلود جھونکا انہیں کپکپی میں مبتلا کر گیا۔ رات کا آسمان بارش کے بعد اب ستاروں سے مزین تھا اور اجلی ہوئی چاندنی کی روشنی میں ہر چیز بہت پراسرار اور کسی حد تک ہیبت ناک لگ رہی تھی۔

"درشہوار۔۔۔" طوبیٰ کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

"خبردار، واپسی کی بات مت کرنا۔" درشہوار کی آنکھوں میں محسوس کی جانے والی ناراضی در آئی۔

"لیکن۔۔۔" طوبیٰ نے خوفزدہ نگاہوں سے میر ہاؤس کے لان سے پار کچھ فاصلے پر گہرائی میں موجود گھنے جنگل کو دیکھا۔ اگرچہ لان کی دیوار پر ایک اور باڑ لگا کر اسے جنگلی جانوروں سے محفوظ بنانے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن طوبیٰ اور درشہوار نے اس کا بھی حل ڈھونڈ رکھا تھا۔

پائن، شاہ بلوط، شیشم، صنوبر اور چیڑ کے گھنے درختوں والا یہ جنگل دن کی روشنی میں ہی خاصا خوفناک لگتا تھا اور چاندنی رات میں تو اس پر عجیب دل دہلا دینے والا رنگ چھایا ہوا تھا۔

"طوبیٰ جلدی چلو۔۔۔" درشہوار نے ٹارچ کی روشنی میں اپنی چچازاد کزن کو اشارہ کیا۔

"یار دفع کرو، واپس چلتے ہیں، میرا دل سخت گھبرا رہا ہے۔" طوبیٰ نے خوفزدہ نگاہوں سے سامنے لگے شیشم کے درخت کو دیکھا، جسکی ٹہنیوں کا سایہ زمین پر خوفناک قسم کے نقش و نگار بنا رہا تھا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔۔" درشہوار نے مڑ کر کھا جانے والی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ پھر ایک دم وہ ہو گیا، جس کی ان دونوں کو ہی توقع نہیں تھی۔ مری کی خاموش فضا میں گویا کسی نے صور پھونک دیا تھا۔

"دماغ ٹھیک ہے تم دونوں کا۔۔۔"

میر ہاؤس کا پچھلا دروازہ کھلا اور شاہ میر کا غصّے سے بھرپور چہرہ نمودار ہوا۔ آدھی رات کی خاموشی میں شاہ میر کی جھنجلائی ہوئی آواز نے ان دونوں کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی۔

طوبیٰ کو مری کے سارے پہاڑ اپنے اوپر گرتے ہوئے محسوس ہوئے، رنگ فق تو درشہوار کا بھی ہو گیا تھا لیکن اس نے بڑی مہارت سے خود پر قابو پا لیا، ویسے بھی شاہ میر تو اس کا سگا بھائی تھا۔ اصل شامت تو طوبیٰ کی آنے والی تھی، جو اسکی چچازاد کزن ہونے کے علاوہ پکی حریف بھی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو بے عزت کروانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

"اب کیا سکتہ ہو گیا ہے تم دونوں کو۔۔؟" ان دونوں کی خاموشی پر وہ ہلکا سا چڑ کر گویا ہوا۔

''درشہوار۔۔۔میرو۔۔۔'' طوبیٰ کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''خبردار، کچھ بھی مت بتانا۔۔۔'' درشہوار نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تنبیہ کی۔

''کیا بھنگ پی رکھی ہے تم دونوں نے۔؟عقل گھاس چرنے چلی گئی ہے۔؟ چلواندر، جا کر بتاتا ہوں میں سب کو۔'' شاہ میر کی دھمکی پر طوبیٰ اور درشہوار کا دل دھک کر کے رہ گیا۔وہ دونوں ہراساں نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔

''اب کیا داجی کی مرسڈیز منگواؤں تم دونوں شہزادیوں کے لیے۔'' شاہ میر انہیں اپنی جگہ کھڑے دیکھ کر سخت کوفت کا شکار ہوا۔

''آرہے ہیں بھائی۔۔۔'' درشہوار نے تھوک نگل کر اپنے خشک حلق کو تر کیا۔

''آئے دن ایڈونیچر سوجھتے ہیں مہارانیوں کو۔۔۔'' وہ بالکل خواتین کی طرح طعنے دیتا ہوا ان کے آگے چل رہا تھا اور طوبیٰ اس لمحے کو کوس رہی تھی جب اس نے درشہوار کی باتوں میں آکر ''مشن امپاسیبل'' پر کام کرنے کی حامی بھری تھی۔

میر ہاؤس، کشمیر پوائنٹ سے کچھ فاصلے پر ایک خوبصورت بنگلہ تھا۔اس کی زمین میر حاکم علی کے آباؤاجداد کو انگریز حکومت نے اپنی خاص وفاداری کے انعام کے طور پر تحفتاً دی تھی ،جس پر حاکم علی کے والد میر مراد علی نے گھر کی تعمیر کروائی تھی۔

بہت سال بعد جب مراد علی کا انتقال ہوا تو ان کے چالیسویں والے دن اس بنگلے میں اچانک ہی آگ بھڑک اٹھی اور کئی ملازم زندہ جل مرے۔اُس کے بعد ان کے بیٹے میر حاکم علی نے اسے گرا کر دوبارہ سے تعمیر کروایا اور اب وہاں میر حاکم کے دو بیٹوں محتشم علی اور خاقان علی کا خاندان آباد تھا۔جب کہ میر حاکم کی دو بیٹیاں بھی تھیں جن میں سے فوزیہ کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کے دو بچے نمیرہ اور ارسل اسی گھر میں پل کے جوان ہوئے تھے،جبکہ دوسری بیٹی فائزہ اپنی فیملی کے ساتھ ملک سے باہر مقیم تھیں۔

حاکم علی کے بڑے بیٹے محتشم علی کے آگے تین بیٹے وہاج، برہان، شاہ میر اور ایک بیٹی درشہوار تھی اور ان کی بیوی تاجدار بیگم ان کی فرسٹ کزن اور حاکم علی کی سگی بھتیجی بھی تھیں۔

جب کہ محتشم سے چھوٹے خاقان علی کی دو شادیاں تھیں۔پہلی بیوی شارقہ بیگم سے دو بیٹیاں انابیہ اور طوبیٰ تھیں،طوبی کی پیدائش پر کوئی پیچیدگی ہونے کی وجہ سے مزید اولاد نہیں ہو سکتی تھی اس لیے انہوں نے بیٹے کے لیے دوسری شادی ندرت بیگم سے کی۔خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ان کی دوسری بیوی ندرت بیگم سے بھی ان کی کوئی بھی اولاد نہ ہو سکی۔

میر حاکم علی کی بڑی بیٹی فوزیہ اور اس کے شوہر کی اچانک فضائی حادثے میں موت کے بعد ان کے دونوں بچوں نمیرہ اور ارسل کو'' میر ہاؤس'' میں ندرت بیگم کی گود میں ڈال دیا گیا،ان کی پرورش انہوں نے کی تھی۔

اس طرح اس گھر میں چار لڑکیاں اور چار لڑکے تھے جن میں سے وہاج بھائی اپنے داجی اور والد محتشم علی کے ساتھ سیاست میں اور برہان ڈاکٹریٹ کر کے قائداعظم یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر اور شاہ میر پاک آرمی میں کیپٹن رینک پر آجکل اپنی یونٹ کے ساتھ

کھاریاں کینٹ میں پوسٹڈ تھا، جبکہ ارسل یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔ برہان کا نکاح اس وقت اپنی چچازاد کزن انابیہ سے کر دیا گیا تھا جب وہ پی ایچ ڈی کرنے کے لیے ملک سے باہر جا رہے تھے۔

☆......☆......☆

''میر ہاؤس'' کے ہال کمرے میں اس وقت ایک عدالت سجی ہوئی تھی۔۔

عدالت میں جج کے فرائض درشہوار اور شاہ میر کی والدہ تاجدار بیگم سرانجام دے رہی تھیں۔ جنہیں سب تائی امی کہتے تھے، وہ میر حاکم کی چہیتی بہو اور میر محتشم صاحب کی بیگم تھیں، میر ہاؤس میں زیادہ تر انہی کی حکمرانی چلتی تھی۔

ہال کمرے میں بہت قدیم اور قیمتی شاہ بلوط کی لکڑی کا بنا فرنیچر رکھا ہوا تھا، دیواروں پر بیش قیمت فریموں میں جڑی میر حاکم علی کے خاندان کے اباء اجداد کی شاہانہ تصویروں سے جھلکتا غرور، اس گھر کے اکثر مکینوں کی آنکھوں میں بھی نظر آتا تھا۔ برٹش انڈیا کے دور کے فوجی یونیفارم میں حاکم علی کے بزرگوں کی کچھ تصاویر بھی موجود تھیں۔

ہال کمرے کے سینٹر میں ایرانی قالین بچھا ہوا تھا اور ایک سائیڈ پر شیشے کی بڑی سی ڈائننگ میز کے اردگرد بارہ کرسیاں ترتیب سے رکھی ہوئیں تھیں، یہ کمرہ لاونج اور ڈائننگ روم دونوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی تھا۔

ہال کے ایک سائیڈ پر چنیوٹی لکڑی کا بنا ایک بڑا شاندار سا تخت رکھا ہوا تھا جس پر ویلوٹ کی پوشش کی گئی تھی۔ اسی تخت پر اس وقت تاجدار بیگم اپنی دونوں دیورانیوں شارقہ بیگم اور ندرت بیگم کے ساتھ موجود تھیں، شارقہ بیگم کا انداز برہم اور ندرت بیگم کے انگ انگ سے بے چینی اور تجسس ٹپک رہا تھا۔

ایرانی قالین پر دو مجرم، درشہوار اور طوبیٰ کی شکل میں موجود تھے اور عینی گواہ کیپٹن شاہ میر اس وقت ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر آلتی پالتی مارے مزے سے ٹھنڈا ٹھار تربوز کھاتے ہوئے طوبیٰ کا سرخ چہرہ اپنی شوخ نظروں کے حصار میں لیے ہوا تھا۔

''سچ سچ بتاؤ، کیا کرنے گئیں تھیں وہاں آدھی رات کو۔۔؟'' تاجدار بیگم نے سلگ کر اپنی صاحبزادی درشہوار کو دیکھا۔

''ذرا سوچیں امی، اگر میری آنکھ نہ کھلتی تو صبح ان کی لاشیں ہی ملتیں اس جنگل سے۔۔۔'' شاہ میر کی شرارتی آنکھوں میں چمکتے جگنوؤں اگر اس سمے طوبیٰ کے ہاتھ آ لگتے تو وہ ان کی گردن مروڑ کر کسی گہری کھائی میں پھینک آتی۔

''اچھا ہے آپ لوگوں کا جہیز کا خرچہ بچ جاتا۔۔۔'' ایسی سچوئشن میں اتنا جذباتی اور بے باک جملہ اس گھر کی ایک ہی لڑکی کی طرف سے آسکتا تھا اور وہ تھی وہاج، برہان اور شاہ میر کی اکلوتی بہن درشہوار۔۔۔

اسکی بھوری آنکھوں سے جھلکتی ذہانت اور شوخی کے ساتھ ساتھ بغاوت کے رنگ تاجدار بیگم کی راتوں کی نیند حرام کرنے کے لیے کافی تھے، وہ جانتی تھیں کہ اس کا ہر معاملے میں بے دھڑک رویہ کسی دن گھر کے مردوں کو بُری طرح کھٹکنے لگے گا۔ ابھی تک تو وہ اپنے تین

بھائیوں، باپ، چچا اور دا جی سب کی ہی لاڈلی تھی، اور اس چیز کا ناجائز فائدہ بھی اکثر اٹھاتی رہتی۔

''اچھا تو ہمارا جہیز کا خرچہ بچانے کے لیے خودکشی کرنے جا رہیں تھیں آپ، وہ بھی اپنی مشیر خاص طوبیٰ محتشم علی کے ساتھ۔'' شاہ میر نے اپنا قہقہہ حلق میں دبایا کیونکہ نقص امن کا اندیشہ تھا۔

''آپ تو چپ رہیں، سارا فساد ہی آپکا پھیلایا ہوا ہے، ایسے ہوتے ہیں بھلا بڑے بھائی، اونہہ۔۔'' درشہوار نے اپنے سے پانچ سال بڑے بھائی کی طبعیت صاف کی، اس کی اس بدتمیزی پر تاجدار بیگم نے بے چینی سے پہلو بدلا اور ان کی دیورانی ندرت بیگم نے طنزیہ فوراً سے اپنی سوتن شارقہ بیگم کو دیکھا، جو اس وقت کھا جانے والی نگاہوں سے اپنی بیٹی طوبیٰ کو دیکھ رہیں تھیں جو ہر معاملے میں درشہوار کی ''کرائم پارٹنر'' کہلاتی تھی۔

درشہوار اور طوبیٰ ہم عمر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ہی کالج میں پڑھتی تھیں، دونوں میں ہی بلا کی دوستی اور انڈراسٹینڈنگ تھی۔ میر ہاؤس کی خواتین کو ان کی آئے دن کی شرارتوں نے سخت بیزار کر رکھا تھا۔

''ہائے ہائے بھابھی، دیکھیں ذرا درشہوار کو، اسے تو چھوٹے بڑے کسی کا بھی لحاظ نہیں۔'' خاقان علی کی دوسری بیگم ندرت چچی نے فوراً ہی لبوں پر ہاتھ رکھ کر مصنوعی حیرانگی کا اظہار کیا۔ ان کی اوور ایکٹینگ درشہوار کو سخت ناگوار گزری لیکن یہ موقع اپنی زبان کے جوہر دیکھانے کا نہیں تھا۔

''بہت زبان چلتی ہے تمہاری۔۔'' تاجدار بیگم نے جھنجلا کر اپنے سامنے رکھا پاندان زور سے بند کیا۔

''اب بندہ اپنے حق کے لیے بولے بھی ناں۔۔'' اس دفعہ صاحبزادی کی آواز میں ذرا دم کم تھا۔

''یہ تقریر اپنے دا جی اور باپ کے سامنے کرنا، مال روڈ پر پھانسی کے پھندے سے لٹکا دیں گے۔'' وہ تڑخ کر بولیں۔

''نہیں اس کے لیے ایوبیہ، بہتر جگہ ہے، مال روڈ پر رش بہت ہوتا ہے۔'' درشہوار کی زبان پھر پھسلی اور اپنی دونوں دیورانیوں کے سامنے اکلوتی بیٹی کی زبان درازی نے تاجدار بیگم کو سخت خفت میں مبتلا کیا۔

''دیکھو شاہ میر، کیسے پٹر پٹر جواب دے رہی ہے ماں کو، یہ طوبی بھی تو ہے مجال ہے بچی نے پلٹ کر ایک لفظ بھی کہا ہو۔'' تاجدار بیگم کا پارہ ہائی ہوا۔ شاہ میر مسکراتا ہوا جھٹ سے طوبیٰ کے بالکل سامنے آن کھڑا ہوا۔ طوبی کا بے اختیار دل چاہا کہ وہ اس فسادی کو مکھی بنا کر دیوار پر چپکا دے۔

''خیر یہ بچی بھی کسی سے کم نہیں، یاد نہیں وہاج بھائی کے پالتو کتے کی ٹانگ زخمی کر دی تھی اس نے پتھر مار کر۔۔'' شاہ میر نے کچھ عرصے پہلے کا واقعہ ہنستے ہوئے یاد دلایا تو طوبیٰ نے بے اختیار اسے دل میں تین چار ناقابل اشاعت گالیوں سے نوازا۔

''ہاں تو پیٹ پر چودہ ٹیکے لگوانے سے اچھا ہے، بندہ اس کتے کے ساتھ ہی کتے والی کر دے۔'' درشہوار نے اپنی کزن کی بیسٹ

فرینڈ ہونے کا حق ادا کیا۔

''درشہوار، زبان بند کرو اپنی۔۔۔!!!'' تاجدار بیگم کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہوا۔

''توبہ توبہ بھابھی، میں تو اس وقت سے سوچے جا رہی ہوں، اس جنگل میں تو کوئی دن کی روشنی میں بھی جانے کی ہمت نہیں کرتا، ان لڑکیوں کو بھلا سوجھی کیا، جو وہاں چل دیں منہ اٹھا کر۔۔۔؟ ندرت چچی نے اسٹار پلس کی کسی کٹنی ساس کی طرح ہاتھ مل کر سب کی توجہ ایک دفعہ پھر اسی جانب مبذول کروادی جہاں سے درشہوار اپنی ذہانت سے انہیں ہٹا چکی تھی۔

''اب منہ میں زبان نہیں ہے تم لوگوں کے، آخر ایسی کون سی موت پڑ گئی تھی۔؟'' پان کے پتے پر چونا لگاتیں شارقہ بیگم بھی کار خیر میں اپنا حصّہ ڈالنے کو بول پڑیں، ویسے بھی جہاں ان کی سوکن ندرت بیگم اظہار خیال فرما دیتیں، وہاں ان کا بولنا بھی واجب ہو جاتا تھا۔

''آپ لوگ تو پیچھے ہی پڑ گئے ہیں چچی جان۔۔۔'' درشہوار نے بُرا سا منہ بنایا۔

''دیکھیں لیں بھابھی۔۔۔'' ندرت چچی کا انداز سراسر آگ لگانے والا تھا۔

''اپنی اولاد تو ہے نہیں اور دوسروں کے بچوں کو ذلیل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔'' درشہوار نے دل ہی دل میں ندرت چچی کو خراج تحسین پیش کیا، جبکہ طوبیٰ تو ہراساں نگاہوں سے اپنی والدہ شارقہ بیگم کے ماتھے پر پڑے بل گننے میں مصروف تھی۔

''آلینے دو ذرا تمہارے داجی کو، تمہاری تو اچھی ٹیوننگ کرواؤں گی۔'' تاجدار بیگم نے اپنے سسر کا نام لے کر ڈراوا دیا۔

''بس فیصلہ ہو گیا، ایک دفعہ انہی کے ہاتھوں بے عزت کروا لیجئے گا، ابھی تو سکون سے ناشتہ کرنے دیں۔'' درشہوار بے تکلفی سے شاہ میر کا ہاتھ پکڑ کر ڈائننگ ٹیبل پر لے آئی اور مزے سے بھائی کے ساتھ مل کر تربوز کھانے لگی۔

درشہوار کی اس حرکت پر تاجدار بیگم کھسیا کر رہ گئیں، لیکن دل ہی دل میں وہ صاحبزادی کی علیحدگی میں جھاڑ پٹ کرنے کا عہد کر چکیں تھیں، اس موقعے پر اپنی دونوں دیورانیوں کے سامنے مزید تفتیش کرنا خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کا مترادف تھا، اس لیے وہ کڑوا گھونٹ بھر کر رہ گئیں۔

''بھئی میرا تو دماغ چٹ کر دیا ہے اس لڑکی نے، اسکا باپ ہی پوچھے گا اسے۔۔'' انہوں نے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف سے معاملے پر مٹی ڈالی اور بیزاری سے ملازمہ کو آوازیں دیتیں ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئیں، ندرت بیگم سخت بے مزا ہوئیں۔

''درشہوار تو ہے ہی ازل سے لاپرواہ، کم از کم طوبیٰ تمہیں ہوش کے ناخن لینے چاہیے۔'' ندرت بیگم نے اپنی سوتن کو تپانے کے لیے سارا ملبہ طوبیٰ پر ڈالا، جو کینہ توز نگاہوں سے درشہوار اور شاہ میر کی طرف دیکھ رہی تھی، اس حملے پر بوکھلا گئی۔

''خاقان صاحب کو پتا چلا تو بہت خفا ہونگے۔۔'' ان کی اگلی بات پر طوبی سے زیادہ اسکی والدہ شارقہ بیگم کا رنگ فق ہوا۔

''آپکے علاوہ اور کون بتائے گا انہیں، بارہ مصالحے کی چٹ پٹی چاٹ بنا کر۔'' درشہوار تربوز کھاتے ہوئے منہ میں بڑبڑائی تو

شاہ میر کو ہنسی آ گئی۔طوبیٰ کو لگا جیسے دونوں بہن بھائی اس پر ہنس رہے ہوں، وہ دل ہی دل میں درشہوار سے سخت خفا ہو گئی۔

''تم چلو ذرا کمرے میں ۔۔'' شارقہ بیگم کا لہجہ سخت اور آنکھوں سے ناراضی چھلک رہی تھی۔وہ مرے مرے قدموں سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی اور دل ہی دل میں آل تو جلال تو کا ورد کرنے لگی۔

اسے معلوم تھا درشہوار ہمیشہ کی طرح دودھ سے مکھی کی طرح نکل جائے گی اور حسب سابق پھندہ طوبیٰ کی پتلی گردن میں ہی پھنسے گا کیونکہ شارقہ بیگم، اپنی بیٹیوں کو کسی قسم کی رعایت دینے کے حق میں نہیں تھیں اور خاقان صاحب کی دوسری شادی کے بعد ان کا مزاج تو ویسے ہی عجیب سا ہو گیا تھا۔ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتیں اور پھر بلند آواز میں رونے لگتیں۔وہی ہوا، کمرے میں پہنچتے ہی ان کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔

''کون سا خزانہ چھپا ہوا تھا اس جنگل میں، جسکی تلاش میں آدھی رات کو نکلیں تھیں باہر۔''انہوں نے اسکا بازو جھنجھوڑ کر ناراضی سے پوچھا۔وہ شرمندگی سے سر جھکا کر دبک کر بیٹھ گئی، کمرے میں موجود انابیہ نے اپنی واڈروب سیٹ کرتے ہوئے گھبرا کر ماں کا مشتعل انداز دیکھا۔

''دیکھنا وہ شاطر عورت کیسے بھڑکائے گی تمہارے باپ کو، وہ تو پہلے ہی چار چار دن حال نہیں پوچھتے ہمارا۔'' شارقہ بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ گھما کر دو چار تھپڑ رسید کر دیتیں اسے۔

''پتا نہیں کس دن عقل آئے گی تمہیں، اللہ نے بھی بیٹیوں کی کھیپ اٹھا کر ڈال دی میری جھولی میں، کیا تھا ایک بیٹا ہی دے دیتا۔'' ہمیشہ کی طرح وہ گرجتی برستی اسی تلخ موضوع کی طرف آ گئیں جو بہت سالوں سے ان کی دکھتی رگ بنا ہوا تھا۔

''ہزار دفعہ بتایا ہے، جیٹھانی صاحبہ تو سسر کی ناک کا بال بنی رہتیں ہیں اور درشہوار دادا کی چہیتی، ہمیں کون گھاس ڈالتا ہے اس گھر میں، جس دن غصّہ آیا نا ں انہیں، ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کریں گے ہم تینوں ماں بیٹیوں کو۔'' شارقہ بیگم اتنی جذباتی ہوئیں کہ آنسوؤں سے انکا گلا رندھ گیا، طوبیٰ کو یوں لگا جیسے کسی نے اسکے منہ پر طمانچہ دے مارا ہو۔انابیہ نے ایک ملامتی نگاہ چھوٹی بہن پر ڈالی اور واڈروب کا پٹ بند کر کے پریشانی سے ماں کی طرف بڑھی۔

''آپ کیوں ہلکان کر رہیں ہیں خود کو، سمجھا دوں گی میں اسے۔'' اس نے ہمیشہ کی طرح انہیں دلاسا دینے کی کوشش کی۔

''کچھ عقل دے دو اسے، ورنہ کہہ دوں گی میں تمہارے باپ کو، کہیں رشتہ دیکھ کر رخصت کریں اسے، میری جان کی تو خلاصی ہو۔'' وہ ٹھیک ٹھاک گرج برس کر کمرے سے نکلیں تو طوبیٰ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

''سچ سچ بتاؤ، وہاں جانے کا مشورہ درشہوار نے دیا تھا ناں۔۔؟۔'' انابیہ کے درست اندازے پر طوبی رونا بھول گئی، ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے ناک کو رگڑا دیا۔اس وقت دنیا جہاں کی معصومیت اسکے چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔

''ہاں۔۔۔''اس کے حلق سے پھنسی ہوئی آواز نکلی۔

''اسکی بے وقوفیوں کے قصّے تو پورے مری میں مشہور ہیں،تم کیوں آنکھیں بند کر کے چل پڑتی ہو اسکے پیچھے۔'' انابیہ کو اس پر غصّہ آیا۔''اب شرافت سے بتاؤ، کیا کرنے گئیں تھیں وہاں۔؟؟؟''

''برگد کے درخت پر منت کا دھاگہ باندھنے۔۔۔'' طوبیٰ نے ہلکا سا جھجک کر بتایا۔ویسے بھی سگی بہن سے کیا پردہ تھا اس کا۔

''اوہ میرے خدایا۔۔۔وہ سو سالہ پرانا آسیب زدہ درخت۔۔۔؟'' انابیہ کی آنکھیں خوف سے پھٹنے کے قریب آ گئیں۔

''تم لوگ آدھی رات کو وہاں جا رہیں تھیں۔۔؟''اُسے ابھی تک یقین نہیں آیا۔

''ہاں ناں،درشہوار کہتی ہے،چاند کی چودھویں کو وہاں دھاگہ باندھنے سے دل کی ہر مراد پوری ہو جاتی ہے۔'' طوبیٰ کا معصومانہ انداز اسے سلگا کر رکھ گیا۔

''شرم کرو،ایک مسلمان لڑکی ہو کر ایسا غلط عقیدہ، بھلا درختوں پر دھاگے ٹانکنے سے بھی دل کی مرادیں پوری ہوتی ہیں،ان کو پورا کرنے والی ذات تو انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔بہت افسوس ہوا،تم ایسی فضول چیزوں پر یقین کرتی ہو۔۔''انابیہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''مجھے تو درشہوار نے کہا تھا۔۔۔'' اس نے گھبرا کر اپنی صفائی دی۔

''بائی داوے،کون سی دل کی مراد تھی وہ،جس نے تمہیں جان ہتھیلی پر رکھنے پر مجبور کر دیا،اور تم اس بے وقوف کا ہاتھ پکڑ کر چل دیں۔''انابیہ نے محض اپنی معلومات میں اضافے کے لیے پوچھا۔

''پتا تو ہے،ایف ایس سی کا رزلٹ آنے والا ہے۔۔۔''اس نے نظریں چرا کر مزید کہا۔''کیمسٹری کا پرچہ بھی تو بہت بُرا ہوا تھا۔'' اسکے رنجیدہ لہجے پر انابیہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔

''تم نے اور درشہوار نے پڑھا بھی کب تھا۔''انابیہ نے یاد دلایا۔''یاد نہیں کیمسٹری کے پرچے سے ایک دن پہلے تو تم دونوں بندر پکڑنے کی مہم پر نکلیں ہوئیں تھیں پنڈی پوائنٹ پر۔'' انابیہ کی یاداشت بہترین تھی اور اس دن کا قصہ تو اسے ازبر تھا،کیونکہ ڈرائیور نے گھر آ کر ان کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔

''وہ تو شاہ میر کے ساتھ شرط لگی تھی ہماری۔۔۔''اس نے جھٹ سے صفائی پیش کی۔

''وہ کون سا کسی سے کم ہے،اُس بندر والی بات کا جب تائی اماں کو پتا چلا تھا تو صاف مکر گیا کہ اس نے ایسی کوئی شرط لگائی ہی نہیں۔''انابیہ نے اس کے پرانے زخم تازہ کیے۔

''وہ تو ہے ہی خبیث روح۔۔۔''طوبیٰ کو ایک دم ہی غصّہ آ گیا۔

''دونوں بہن بھائی ہی ایک نمبر کے فسادی، اور سازشی ہیں، اب آج کا ہی واقعہ دیکھ لو، درشہوار کو کوئی کچھ نہیں کہے گا اور سارا نزلہ گرے گا تم پر، اس لیے بار بار سمجھاتی ہوں، ان دونوں بہن بھائیوں کی باتوں میں آنے کی ضرورت نہیں۔ انابیہ نے ایک دفعہ پھر اسے لمبا لیکچر دیا۔

''برہان بھائی تو ایسے نہیں ہیں۔۔'' طوبیٰ کے منہ سے نکلنے والے اس بے ساختہ جملے پر وہ ایک دم بلش ہوئی۔ طوبیٰ نے دلچسپی سے بہن کے چہرے پر اترتی دھنک دیکھ کر شوخی سے آنکھیں مٹکائیں۔ ''وہ بھی تو شاہ میر اور درشہوار کے ہی بھائی ہیں، لیکن کوئی فالتو بات نہیں کرتے۔''

''وہ تو خیر ''فالتو'' کیا ''ضروری'' بات بھی نہیں کرتے کیونکہ انہیں اس گھر میں کوئی اپنے لیول کا لگتا ہی نہیں۔۔'' انابیہ کو نکاح کے بعد برہان کا سرد رویہ بہت دکھی کرتا تھا۔ اسکا اظہار وہ اکثر ہی اٹھتے بیٹھتے نادانستگی میں بھی کر جاتی۔

''تو پھر کیا خیال ہے، ایک دھاگہ ان کیلئے بھی باندھ آئیں، برگد کے درخت پر۔'' طوبیٰ نے شرارتی انداز سے انابیہ کو چھیڑا۔

''فضول باتیں مت کرو طوبیٰ، میرے عقائد الحمدللہ بالکل ٹھیک ہیں، تم اپنا قبلہ درست کرو،، ورنہ ندرت امّی، بابا کو بھڑکاتی رہیں گی اور ہماری امّی بیچاری کی شامت آتی رہے گی۔ انابیہ کی حساس طبعیت کو اپنی ماں کا دکھی ہونا گوارہ نہیں تھا۔

''ہاں بابا کو بھی تو پوری دنیا میں نیک، شریف اور ستی ساوتری قسم کی مخلوق بس ندرت امّی اور ان کی لے پالک اولاد، نمیرہ ہی لگتی ہے۔'' طوبیٰ اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں ناک چڑھا کر بولی۔

''بہت بُری بات ہے طوبیٰ، نمیرہ ہماری بھی تو سگی پھپھو کی بیٹی ہے۔۔'' انابیہ نے اسے یاد دلایا۔

''کاش جس حادثے میں فوزیہ پھپھو اور ان کے شوہر کا انتقال ہوا، اس جہاز میں یہ کم بخت نمیرہ بھی ساتھ ہوتی۔'' اس کے حسرت بھرے انداز پر انابیہ کو ہنسی آ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ درشہوار اور طوبیٰ، دونوں کی نمیرہ سے بالکل نہیں بنتی تھی، اسکی بڑی وجہ اس کی لگائی بجھائی کی عادت تھی، اوپر سے وہ اپنے دونوں ماموں اور نانا کی بھی چہیتی تھی، یہ اور بات کہ درشہوار کے سامنے اکثر اسکا پتا بھی کٹ جاتا تھا۔

''ابھی تک پہنچی نہیں وہ ''بی بی سی مری'' چسکے لینے۔۔'' انابیہ نے حیرانگی کا اظہار کیا ہی تھا کہ اسی لمحے ان کے کمرے کا دروازہ دھڑ کر کے کھلا اور نمیرہ کا پرجوش چہرہ سامنے دیکھ کر دونوں بہنوں کے ارمانوں پر اوس گر گئی۔

''سنا ہے، بہت بے عزتی خراب ہوئی ہے آج ''کچھ'' لوگوں کی۔'' نمیرہ نے چیونگم چباتے ہوئے طنزیہ انداز میں طوبیٰ کا خفت زدہ چہرہ دیکھا۔

''تمہیں کس نے کہا۔۔؟'' وہ صاف مکر گئی اور فوراً وظیفوں کی کتاب کھول کر خود کو مصروف ظاہر کرنے لگی۔

''شاہ میر بتا رہا تھا۔۔'' نمیرہ نے کنکھیوں سے اسکے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر چٹخارہ لیا۔

''ایک نمبر کا جھوٹا اور فسادی ہے وہ، اسے تو انڈیا کی سرحدوں پر چھوڑ آنا چاہیے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔'' وہ حسب عادت بھڑک اٹھی۔

''اوں ہوں۔۔۔'' انابیہ نے ہلکا سا ہنکارہ بھر کر اسے زبان بندی کا اشارہ کیا۔

''ویسے کرنے کیا گئیں تھیں تم دونوں وہاں۔۔؟'' اس نے دائیں بائیں دیکھ کر رازداری سے پوچھا۔

''تمہارے لیے رنگ گورا کرنے والی جڑی بوٹیاں لینے۔۔۔'' طوبیٰ کے بے ساختہ انداز پر نمیرہ اچھی خاصی جھینپ گئی، اسے گھر کی باقی لڑکیوں کے مقابلے میں اپنی گندمی رنگت کا کمپلیکس بہت رہتا تھا۔

''اچھا بکو مت۔۔۔'' وہ ایک دم جھینپ گئی۔

''تمہارے سر کی قسم۔۔۔'' طوبیٰ نے فوراً ہی جھوٹی قسم کھالی۔ ''خیر چھوڑو امتحان میں کامیابی کا وظیفہ ملا ہے مجھے، کرو گی۔؟ اس نے فوراً ہی نمیرہ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور وہی ہوا، اسے اپنے آنے کا مقصد بھول کر رزلٹ کی فکر پڑ گئی۔

''قسم سے جلدی بتاؤ، میرا تو کیمسٹری کے ساتھ ساتھ پاک اسٹڈیز کا پرچہ بھی سخت بُرا ہوا تھا۔'' وہ بے چینی سے اسکے بالکل پاس آکر بیٹھ گئی۔

''میں تو ابھی تک حیران ہوں، تم قائداعظم کے چودہ نکات کی بجائے اٹھارہ کیسے لکھ آئیں۔'' طوبیٰ نے ہنس کر اسکا مذاق اڑایا، وہ درشہوار اور نمیرہ تینوں کلاس فیلوز تھیں، جبکہ انابیہ ان سے دو سال سنئیر تھی۔

''مسئلہ چودہ نکات کا نہیں ان زائد چار نکات کا تھا، جو مجھے پتا ہی نہیں چل رہے تھے کہ میرے کون سے ہیں اور قائداعظم کے کون سے۔؟'' نمیرہ کے خجالت بھرے انداز پر دونوں بہنوں کے حلق سے نکلنے والا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔

''اچھا، اچھا، اب تم دونوں مذاق مت اڑاؤ، اور وظیفہ بتاؤ جلدی سے، آج ہی شروع کرتی ہوں۔'' وہ منہ بنا کر گویا ہوئی۔

''رہنے دو، مشکل ہے، تم نہیں کرسکو گی۔'' طوبیٰ کے چیلنج دلاتے انداز پر نمیرہ پرجوش ہوئی۔ ''کیوں نہیں کرسکوں گی، تم بتاؤ تو سہی۔''

''درود شریف کی روزانہ پانچ سو دفعہ تسبیح، کرلوگی ایک ہی جگہ بیٹھ کر۔۔۔'' طوبیٰ نے لاپرواہی سے بتاتے ہوئے کتاب بند کی۔

''پانچ سو تسبیح۔۔۔ روزانہ۔۔۔؟؟؟'' نمیرہ کے غبارے سے ہوا نکل گئی اور اس نے بوکھلا کر اپنی کزن کی شکل دیکھی۔

''میں نے کہا تھا ناں، تم نہیں کرسکو گی۔۔۔'' ایک کمینگی سے بھرپور مسکراہٹ طوبیٰ کے چہرے پر ابھری، اس نے بھی نمیرہ کی نفسیات پر پی ایچ ڈی کر رکھی تھی، اور وہی ہوا جس کا اسے یقین تھا۔۔

''ایسی بھی کوئی بات نہیں، ابھی جا کر شروع کرتی ہوں میں۔'' وہ پرعزم انداز کے ساتھ اٹھی اور سرعت سے کمرے سے نکل گئی، اسکے نکلتے ہی طوبیٰ نے ایک آنکھ دبا کر انابیہ کی طرف شوخی سے اشارہ کیا، جو اسکی شرارت سمجھ چکی تھی۔

''اب تم بھی یہیں وظیفہ کرو گی کیا۔۔۔؟انابیہ پریس کیا ہوا سوٹ واڈروب میں ہینگ کرتے ہوئے شرارت سے بولی۔

''جی نہیں،اپنے لیے تو کوئی آسان سا ڈھونڈوں گی۔۔''وہ مسکراتے ہوئے ایک دفعہ پھر کتاب پر جھک گئی اور انابیہ کو اسکی بات پر نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔

☆......☆......☆

رومیصہ ٹی وی لاؤنج میں رکھے کاؤچ پر افسردہ انداز میں لیٹی ایکوریم میں گولڈ فش کو تیرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

اس کی نظریں ایکوریم کی لال پیلی روشنیوں پر اور دماغ کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔گولڈن فش پرسکون ماحول میں قلابازیاں کھا رہی تھی ،اور کچھ ایسی ہی اچھاڑ پچھاڑ رومی کے دماغ میں جاری تھی۔اس کے ماتھے کی ابھری ہوئی رگ اس کی اندرونی خلفشار کی عکاسی کر رہی تھی۔ ایک بے چارگی آمیز کرب اسکی نیلگوں آنکھوں سے صاف چھلک رہا تھا۔

یہ اسلام آباد کے ایف سیون سیکٹر میں واقع ایک اسٹائلش سے بنگلے کا اندرونی منظر تھا۔اسکا انٹیرئیر منفرد،دلکش اور دوسروں کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کروانے تھا۔لاؤنج کی ایک دیوار شیشے کی تھی،جس سے لان میں بنائی گئی مصنوعی آبشار،سوئمنگ پول اور بے تکلفی سے گھومتا ہوا مور ہر وقت نظر آتا تھا۔اس بنگلے کے سیکنڈ فلور پر رومیصہ کی مام ٹینا بیگم کا مشہور معروف بیوٹی سیلون،سپا اور جم تھا،جسکا راستہ پچھلے لان کی جانب تھا،ساری آمدورفت وہیں سے ہوتی تھی۔فیشن انڈسٹری میں ٹینا بیگم کا نام کسی تعارف کی محتاج نہیں تھا،ان کے بیوٹی سیلونز کی ایک چین''ٹیناز'' کے نام سے مختلف شہروں میں موجود تھی اور حال میں انہوں نے ایک ڈیزائنر لان بھی مارکیٹ میں متعارف کروا کر دھوم مچا دی تھی۔

رومیصہ نے سائیڈ میز پر رکھے فیشن میگزین کو اٹھا ایک دفعہ پھر مجروح نگاہوں سے دیکھا،اس کے ایک سیگمنٹ شوبز مصالحہ میں ٹینا بیگم اور مشہور و معروف بیوروکریٹ سیف الرحمٰن کے تازہ ترین اسکینڈل کو بڑا ہائی لائٹ کیا گیا تھا اور تجزیہ نگار کا کہنا تھا ٹینا بیگم عنقریب اپنے تیسرے شوہر ہارون رضا سے جان چھڑا کر سیف الرحمٰن سے چوتھی شادی کرنے کے چکر میں ہیں۔۔

اس خبر نے رومیصہ کی روح تک کو زخمی کر دیا تھا،پانچ فٹ سات انچ ہائیٹ کے ساتھ ٹینا بیگم ماڈلز والا فگر رکھتیں تھیں،چھیالیس سال کی عمر میں بھی ایک چلتی پھرتی قیامت تھیں۔فیشن میگزین میں ان کی کچھ تصاویر کو بڑے نمایاں انداز میں شائع کیا گیا تھا جس میں ٹینا بیگم کے سلیولیس بلاؤز اور شیفون کی ساڑھی میں جسم کے دلکش پیچ و خم بالکل نمایاں تھے۔

پہلے شوہر سے ٹینا بیگم کی دو بیٹیاں،شیری اور رومی تھیں اور اسکے بعد انہوں نے اولاد کے نام پر کوئی اور بچہ پیدا کرنے کی غلطی نہیں کی۔ان کی بڑی بیٹی شیری او لیولز کے بعد لاء کی ڈگری لینے ملک سے باہر چلی گئی تھی اور چھوٹی رومیصہ عرف رومی ان کے ساتھ تھی۔جس کے ساتھ ان کے تعلقات سخت کشیدہ رہتے تھے۔اسکا اندازہ شیری کو پاکستان سے آنے والی فون کالز سے ہوتا رہتا۔

ٹینا بیگم، رومیصہ کو بھی ہائر اسٹڈیز کے لیے باہر بجھوانا چاہتیں تھیں اور رومی پاکستان چھوڑنے کے لیے کسی قیمت پر بھی تیار نہیں تھی۔ رات اسی بات پر پھر ماں بیٹی کے درمیان سخت جھگڑا ہوا، جس کے نتیجے میں رومی نے ان کا فرانس سے لایا گیا قیمتی ڈنر سیٹ توڑ دیا اور انہوں نے غصّے میں رومی کی گاڑی کی چابی چھین لی۔ اس کے بعد جو ہنگامہ ہوا، وہ بنگلے میں موجود نوکروں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا اور توبہ توبہ کی۔

اس وقت رومی انتہائی مضطرب انداز میں کاؤچ پر لیٹی مختلف زہریلی سوچوں سے نبرد آزما تھی۔ اس کے اندر گویا غصّے کی آگ دہک رہی تھی۔ ٹینا بیگم کے آئے دن کے اسکینڈلز اور منفی شہرت نے اس کے مزاج پر عجیب سا اثر ڈالا تھا۔ ایک دن پہلے بھی اس کا اپنی کالج فرینڈز کے ساتھ اسی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا جو اس کی مدر کے نئے اسکینڈل کو مزے سے سر عام ڈسکس کر رہیں تھیں۔

پچھلے کچھ دنوں سے اس خبر نے اس کا سارا سکون درہم برہم کر رکھا تھا اور اسی وجہ سے وہ ٹینا بیگم سے لڑنے کے بہانے ڈھونڈتی، آئے روز کی اس خانہ جنگی سے گھر کے ملازم تک بیزار ہو چکے تھے۔

رومی نے کچھ سوچ کر اپنی بڑی بہن سے صاف صاف بات کر لینے کا ارادہ کر ہی لیا۔۔ اسکائپ پر کی جانے والی یہ کال شیری نے تیسری گھنٹی پر ریسیو کر لی۔

وہ اس وقت نیلگوں پانیوں کے شہر وینس میں اپنی کچھ فرینڈز کے ساتھ لندن سے چھٹیاں گذارنے آئی ہوئی تھی اور اس وقت سان مارکو چوک میں چہل قدمی کر رہی تھی۔۔

"کہاں ہو تم۔۔؟" رومی کا لہجہ سپاٹ اور قدرے بے رخی لیے ہوئے تھا۔

وہ اپنے سے چار سال بڑی بہن کو یوں مخاطب کرتی جیسے وہ اس سے آٹھ سال چھوٹی ہو۔ دونوں میں بے تکلفی نہ ہونے کے برابر تھی۔ شاید اسکی وجہ دونوں کے درمیان موجود ہزاروں میل کا فاصلہ تھا یا پھر شیری کی محتاط طبعیت اور کچھ خود ساختہ اصول تھے۔

وہ شروع ہی سے کم گو، ریزرو، اور مضبوط اعصاب کی حامل اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی تھی، جب کہ رومی اسکے بالکل برعکس سوشل، آؤٹ اسپوکن اور شارٹ ٹیمپرڈ تھی۔

"وینس میں ہوں میں آجکل۔۔" شیری نے مختصراً جواب دیا۔

"کیا تم پاکستان آسکتی ہو۔؟" رومی کی اس غیر متوقع بات پر وہ ایک دم گھبرا گئی۔

"کیوں، کیا ہوا۔؟ تم ٹھیک ہو ناں۔"؟ شیری فکر مند ہوئی۔ اس کے لہجے میں چھپی محبت اور پریشانی کو محسوس کر کے رومی کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں، کچھ بھی تھا وہ اسکی سگی بہن تھی۔ دونوں کا خون کا رشتہ تھا۔

"رومی، کچھ تو بولو، سب کچھ ٹھیک ہے ناں۔؟" وہ اپنی فرینڈز کے گروپ سے تھوڑا علیحدہ ہوئی۔

''میں ٹھیک نہیں ہوں۔۔'' رومی کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہوا اور وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

''کیا ہوا؟ مام تو ٹھیک ہیں ناں۔۔۔؟'' وہ بوکھلا گئی۔

''ان کو کیا ہونا ہے، دوسروں کی زندگیاں حرام کر کے زیادہ خوش رہتی ہیں۔'' رومیصہ کا لہجہ بھیگا ہوا، لیکن شکایتوں سے لبریز تھا۔ شیری کو کچھ نہ کچھ معاملے کی سمجھ آ گئی تھی۔

''تمہارا مام کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا ہے۔؟؟؟'' اس نے ہزاروں میل کے فاصلے پر اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

''تم اس بات کو چھوڑو، واپس آ سکتی ہو تو آ جاؤ، ورنہ۔۔۔'' اس نے ایک افسردہ سانس کھینچتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

''ورنہ کیا۔۔۔؟'' شیری کو اسکا انداز غیر معمولی محسوس ہوا۔

''میں ''سوسائیڈ'' (خودکشی) کرلوں گی۔۔۔'' رومی کے دوٹوک انداز پر وہ دم بخود رہ گئی، اسکا دماغ ماؤف ہو گیا۔

دوسری طرف سے کال کاٹ دی گئی تھی لیکن شیری کا سارا سکون درہم برہم ہو گیا۔ وہ ایک دم ہی شہر رومان ''وینس'' کے حسن سے بیزار ہو گئی اور اسے اب ہر حال میں اپنا ٹرپ کینسل کر کے پہلی فلائیٹ سے پاکستان پہنچنا تھا۔ وہ فیصلہ جو وہ کافی عرصے سے نہیں کر پا رہی تھی، رومی کی ایک کال نے کروا دیا تھا۔

☆......☆......☆

بلیو جینز پر سفید رنگ کا ٹاپ پہنے کندھے پر اپنا لیپ ٹاپ بیگ لٹکائے، دوسرے ہاتھ سے بریف کیس کو گھسیٹتی ہوئی وہ بے نظیر بھٹو انٹرنیشنل ائیر پورٹ سے باہر نکلی ہی تھی کہ گھنگھور گھٹائیں موتی نما بارش کے قطروں کے ساتھ چھم چھم برسنے لگیں۔

اس نے ایک لمبا سانس لے کر اپنے وطن کی مٹی کی خوشبو کو اپنے اندر سمیٹا، اور دل کے آخری کونے تک سکون اور اطمینان پھیلتا چلا گیا۔۔ وہ پورے آٹھ سال بعد لندن سے بار ایٹ لاء کی ڈگری کے ساتھ واپس لوٹی تھی۔

''کیسے ہو احمد بخش۔۔۔؟'' پارکنگ میں کھڑی سیاہ ہنڈا سوک کی طرف بڑھتی ہوئی وہ اپنائیت سے بولی۔

''بالکل ٹھیک ہوں بی بی جی۔۔۔'' احمد بخش کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ شیری بی بی کو ابھی تک اسکا نام یاد تھا۔

پنڈی ائیر پورٹ سے اسلام آباد ایف سیون سیکٹر تک کے درمیانی فاصلے میں وہ ٹینا بیگم کے متوقع شدید ردعمل کے بارے میں سوچتی رہی، اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ گاڑی جیسے ہی ''ٹینا ہاؤس'' کے پورچ میں داخل ہوئی مام کی غصّے سے چنگھاڑتی ہوئی آواز نے اس کا استقبال کیا، ان کا حسب معمول رومی کے ساتھ بلند آواز میں کوئی جھگڑا چل رہا تھا۔ وہ دونوں ہی غصّے میں اردگرد کے ماحول سے بے نیاز ہو جاتیں اور ان کی یہ عادت شیری کو سخت ناپسند تھی۔

اس نے خفت زدہ انداز سے ڈرائیور کی طرف دیکھا، جو لا پرواہی سے کان لپیٹے اسکا سامان اتار رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی

تاثر نہیں تھا۔شاید ایسی آوازیں اس کی روٹین کا حصہ بن چکی تھیں۔وہ مرے مرے قدموں سے اندر کی جانب بڑھی۔

''تمہیں کچھ احساس ہے، ماں کس طرح اپنی ہڈیاں گھسا گھسا کر تم دونوں بہنوں کی پرورش کر رہی ہے۔'' ٹینا بیگم کی مشتعل آواز لاؤنج کے کھلے دروازے سے ہوتی ہوئی شیری کی سماعتوں سے ٹکرائی اور اس کے قدم زمین نے جکڑ لیے۔

''بیٹیاں ہیں آپ کی، فرض بنتا ہے آپ کا۔۔۔'' رومی نے انتہائی بدتمیزی سے جواب دیا۔

''یہ فرض تو تمہارے باپ کا تھا، جو تمہاری پیدائش پر تین حرف طلاق کے بھیج کر چلتا بنا۔'' وہ تڑخ کر بولیں۔

''تو بتا دیں ان کا نام و پتا، جا کر گریبان سے پکڑ لیتی ہوں انہیں بھی۔'' رومی کا لب ولہجہ شیری کے لیے اچھنبے کا باعث بنا۔وہ تو بچپن میں انتہائی شرمیلی اور سوفٹ اسپوکن تھی۔

''ہاں، وہ خبیث تو جیسے پکڑنے دے ہی دے گا اپنا گریبان۔۔'' وہ استہزائیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''تو آپکو ایسے خبیث انسان سے شادی کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔'' رومی کے بدلحاظ لہجے نے انہیں مزید اشتعال دلایا۔

''اب تم مجھے بتاؤ گی، مجھے کس سے شادی کرنی چاہیے تھی اور کس سے نہیں۔۔'' وہ پھر سے بھڑک اٹھیں۔

''نہیں یہ فرض تو نانو کا بنتا تھا، جو انہوں نے بالکل بھی اچھے طریقے سے سرانجام نہیں دیا۔'' رومی کے تلخ جملے پر باہر کھڑی شیری کا جو حال ہوا تھا، اس سے دگنی بُری حالت ٹینا بیگم کی ہوئی ۔

''شرم آنی چاہیے تمہیں اپنی ماں سے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔'' انہوں نے صدمے بھرے انداز سے اپنی سب سے چھوٹی اولاد کو دیکھا جو اس وقت لاؤنج کی گلاس وال کے پاس رکھے کاؤچ پر بے تکلفی سے نیم دراز چیونگم چبا رہی تھی۔

شیری نے ہلکا سا جھجک کر دروازہ کھولا۔ٹینا بیگم پنک کلر کی نائٹی میں بالوں کو رول لگائے انتہائی غیر مناسب حلیے میں لاؤنج میں کھڑی تھیں۔ایک تو وہ انتہاء کی حسین تھیں اور اوپر سے باقاعدگی سے جم اور ایکسرسائز نے ان کے جسم کو انتہائی متناسب شیپ میں رکھا ہوا تھا۔وہ کہیں سے بھی دو جوان بیٹیوں کی ماں نہیں لگتیں تھیں۔

''السلام علیکم۔۔۔'' شیری کی خفت زدہ آواز پر ٹینا بیگم پلٹیں اور ان کے ہاتھ میں پکڑا کارڈلیس چھوٹ کر کارپٹ پر جا گرا۔

وہ منہ کھولے شاکڈ نظروں سے اپنی بڑی بیٹی کو دیکھ رہی تھیں جو بغیر بتائے پاکستان آ چکی تھی جبکہ رومی کا چہرہ سپاٹ تھا، وہ بڑے سکون سے چیونگم چبا رہی تھی جیسے یہی کام سب سے زیادہ اہم ہو۔

''مبارک ہو، کورم پورا ہو گیا۔آپکی بڑی صاحبزادی بھی پہنچ گئیں۔ویلکم شیری۔۔۔'' رومی نے ماں کو چڑانے کے لیے زوردار تالی بجائی اور اٹھ کر بیٹھ گئی اور مسکرا کر اپنی ماں کا ہراساں چہرہ دیکھنے لگی۔جیسے سرکس کا کوئی دلچسپ شو شروع ہونے والا ہو۔

''شیری تم، یہاں، کیسے۔۔۔؟'' ٹینا بیگم ایک دم بوکھلا گئیں۔

''آئی ایم سوری مام، آپکو اور رومی کو بہت مس کر رہی تھی میں۔۔۔'' شیری نے خفت زدہ انداز میں ایسے کہا جیسے وہ لندن سے نہیں راولپنڈی سے اٹھ کر اسلام آباد آ گئی ہو۔

''تو بے وقوف لڑکی بتایا کیوں نہیں۔۔۔؟'' ان کے لہجے میں جھنجھلاہٹ پیدا ہوئی ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں اسکی آمد پر قطعاً کوئی خوشی نہ ہوئی ہو، الٹا وہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گئیں تھیں۔

''میں نے رومی کو بتایا تھا رات۔۔۔'' اُس نے سر جھکا کر شرمندگی سے اپنی صفائی دی۔

رومی کا نام سنتے ہی ٹینا بیگم جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں۔ انہوں نے دانستہ اس بات پر تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا، ورنہ ایک اور عالمی جنگ کا آغاز ہو جاتا اور ان کے اعصاب تو آج ویسے ہی تھکے ہوئے تھے۔

''اٹس، اوکے۔۔۔ کتنے دن کے لیے آئی ہو۔'' ان کے اگلے سوال پر وہ سٹپٹا گئی اور گھبرا کر رومی کی طرف دیکھا۔

''یہ انوسٹی گیشن بعد میں بھی ہو سکتی ہے، اپنے ہی گھر میں آئی ہے وہ، آپ کا تو بس نہیں چل رہا، ہاتھ پکڑ کر اسے دوبارہ واپس بھجوا دیں۔'' وہ اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں گویا ہوئی، ٹینا بیگم نے جھنجھلا کر اسے دیکھا، جس نے انتہائی بدتمیزی سے ببل کا ایک اور غبارہ بنا کر فضاؤں میں پھوڑا تھا۔

''بی ہیو یور سیلف۔۔۔'' وہ ایک دم چڑ گئیں، جبکہ رومی نے استہزائیہ انداز سے انکی جانب دیکھا۔

''اب پتا چل گیا ناں، ڈرائیور کہاں گیا تھا، خوامخواہ سے لیکچر جھاڑ رہیں تھیں پچھلے ایک گھنٹے سے۔'' وہ ایک ہوش ربا انگڑائی لے کر کاؤچ سے اٹھی اور شیری سے ملے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ شیری کو ایک دم دھچکا سا پہنچا۔

''اُس وقت سے فضول بحث کیے جا رہی تھی اسٹوپڈ اور یہ نہیں بتایا کہ ڈرائیور تمہیں لینے گیا ہے۔'' انہوں نے بھی شکایتوں کی پوٹلی کھولی۔

''اٹس اوکے مام، پلیز بی ریلکس۔۔۔'' وہ زبردستی ان کے گلے لگی، جبکہ دوسری طرف ہنوز سرد مہری تھی۔

''اب آ ہی گئی ہو تو تھوڑا ریسٹ کرو، آئی ایم گیٹنگ لیٹ، مجھے ریڈی ہونا ہے۔'' انہوں نے کھڑے کھڑے اپنے بالوں سے رول اتارے۔

''کہاں جا رہیں آپ۔۔۔؟''

''اپنے آفس۔۔۔'' انہوں نے عجلت بھرے انداز سے وال کلاک کی طرف دیکھ کر شیری کو شرمندہ کر دیا۔

''جانا ضروری ہے کیا۔۔۔؟'' اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا اس کی امید بھری نگاہیں ماں کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ جو اس وقت خاصی بے چینی کا شکار لگ رہیں تھیں۔

''یس، آف کورس بیٹا، بحریہ والی برانچ میں ورکرز کا کوئی ایشو چل رہا ہے۔تم سے رات ڈنر میں تفصیلی بات ہوگی۔'' وہ رسمی سے انداز میں اس کا دایاں گال ہلکا سا سہلا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

ان کے لاؤنج سے نکلتے ہی شیری، کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا۔۔ بہت سالوں بعد بھی وہ اپنی ضرورت سے زیادہ حساسیت کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی، اس نے بھیگی پلکوں کے ساتھ کھڑکیوں کے سلائیڈز کھولے اور ٹینا ہاؤس کا آسٹریلین گھاس والا باغیچہ اس کے سامنے تھا۔رومی کو گارڈننگ کا بے تحاشا شوق تھا اور وہ اکثر مالی کے سر پر سوار رہتی تھی۔

شیری تھکے تھکے انداز میں کاؤچ پر آ کر لیٹ گئی۔ پاس رکھی سائیڈ میز پر ایک فریم میں رومی اور شیری کی اپنی ماں کے ساتھ ایک تصویر تھی، جو پچھلے سال ان دونوں کی لندن آمد کے موقعے پر بنائی گئی تھی۔ وہ فریم اٹھا کر غور سے دیکھنے لگی۔

رومیصہ، شکلا اور عادتاً بالکل اپنی ماں ٹینا بیگم کا پرتو تھی۔انہی کی طرح دراز قد، شہابی رنگت اور براؤن سلکی بالوں کے ساتھ نیلگوں آنکھیں۔جو بھی ایک دفعہ دیکھ لیتا تو ضرور پلٹ کر دیکھتا۔

ان دونوں کے برعکس شیری کی آنکھوں کا رنگ ہلکا سنہری تھا جن پر کسی ٹھہری ہوئی جھیل کا گماں ہوتا۔وہ اپنی ماں اور بہن کی طرح بہت خوبصورت نہیں لیکن جاذب نظر خدوخال کی حامل تھی۔رنگت سپید، اور بال سنہری مائل بھورے تھے، جو اکثر اسٹیپ کٹنگ کی صورت میں اسکے کندھوں پر بکھرے رہتے۔اسکی سحر انگیز شخصیت میں ایک محسوس کی جانے والی بے نیازی اور وقار تھا۔

شیری میں اپنی نانی ماہ پارہ بیگم کی طرح ایک گریس تھی اور اسکا نام بھی انہوں نے رکھا تھا۔وہ علی گڑھ کی پڑھی ہوئیں ایک مہذب اور نفیس خاتون تھیں۔جبکہ رومیصہ کا نام ٹینا بیگم نے خود لڑ جھگڑ کر رکھا تھا لیکن دونوں کی پرورش بچپن میں نانی کی گود میں ہی ہوئی تھی اور ان کے مرنے کے بعد ٹینا بیگم کو احساس ہوا کہ دونوں بیٹیوں کے مزاج میں زمین و آسمان کا فرق تھا اور یہ ماہ پارہ بیگم کا ہی حوصلہ تھا جو رومی جیسی ضدی لڑکی کو سنبھالے رکھتیں تھیں۔

وہ کاؤچ پر لیٹی قدرے فاصلے پر رکھے ایکوریم میں گولڈ فش کو تیرتے ہوئے دیکھنے لگی۔اچانک اسکے بالکل پاس رکھے کارڈلیس فون کی گھنٹی بجی اور اس نے بادل نخواستہ کال اٹینڈ کی، اسکا دل اس وقت اس قدر بوجھل تھا کہ وہ کسی سے بھی بات کرنے کی ہمت نہیں پا رہی تھی۔

''ہیلو۔۔۔'' انتہائی بیزار لہجے میں وہ گویا ہوئی۔

''شہزاد۔۔۔'' ریسیور کے اندر سے نکلنے والی سرگوشی سن کر وہ یکدم نرم گداز کاؤچ سے ایسے اچھلی، جیسے زوردار کرنٹ لگا ہو۔اسے پورے بنگلے کی چھت اپنے سر پر گرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''ویلکم بیک۔۔۔'' مردانہ وجاہت سے بھرپور اس آواز نے اسکا سارا سکون تہس نہس کر دیا۔

''آپ کون۔۔۔؟'' اُس کی آواز ہلکی سی لڑکھڑائی۔

''پوری دنیا میں صرف ایک میں ہی تو ہوں، جو تمہیں شیری نہیں، تمہارے اصل نام ''شہرزاد'' سے پکارتا تھا، بھول گئیں کیا۔'' اس کی سحر پھونکتی آواز سن کر شیری کا ریسیور پر جما ہاتھ ہلکا سا کانپ اٹھا۔

''آپ ہیں کون۔۔۔؟'' اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے دانستہ بے نیاز لہجے میں پوچھا۔ جیسے اسے بالکل نہ جانتی ہو۔

''تمہارا ہم زاد۔۔۔'' اسکا لہجہ دل چرانے والوں جیسا تھا، شہرزاد سن ہوگئی۔

''اچھا کیا، تم واپس آگئیں، انسان کب تک اپنی بنیادوں سے دور بھاگ سکتا ہے۔'' اس نے بے تکلفی سے ایسے تبصرہ کیا جیسے دونوں کے درمیان خاصے گہرے مراسم رہے ہوں۔

''کون ہیں آپ۔؟؟؟'' اس نے اس دفعہ اپنا لہجہ دانستہ سخت کیا۔

''بتایا ناں، تمہارا ہم زاد۔۔۔'' وہ ابھی بھی غیر سنجیدہ تھا۔ وہ اسکو دیکھے بغیر بھی سمجھ سکتی تھی کہ اسکے لبوں پر کوئی شرارتی مسکراہٹ ہوگی۔

''کس نے بتایا، آپکو میرے آنے کا۔۔۔'' وہ ہلکی سی جھنجھلاہٹ کا شکار ہوئی۔

''میرے دل نے۔۔۔'' وہ شرارت سے قہقہہ لگا کر ہنسا اور شہرزاد کو خوفزدہ کر گیا۔ اسی آواز سے ڈر کر تو وہ یہاں سے بھاگی تھی۔

شہرزاد نے گھبرا کر کال کاٹ دی اور بے اختیار اپنے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے دل پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا، اس نے پورے آٹھ سال کے بعد یہ آواز سنی تھی، وہ آج بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کون تھا۔ جو اس سے محبت نہیں عشق کا دعویٰ کرتا تھا۔ جس کے معنی خیز جملے، چین چراتا لہجہ اور وقت بے وقت رانگ نمبرز سے آنے والی کالز نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ تبھی ٹینا بیگم کے ایک دفعہ کہنے پر ہی وہ لندن آنے کے لیے تیار ہوگئی تھی کیونکہ اسے ڈر تھا کہ اس سحر انگیز آواز کا جادو اس پر نہ چل جائے۔

لیکن لندن آنے کے صرف آٹھ دن بعد ہی شہرزاد کو احساس ہوگیا تھا کہ وہ بھی اس ان دیکھے، انجان شخص کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے، جو اس کا ہم زاد ہونے کا دعوی کرتا تھا، مگر اسکے پاس اس سے رابطہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

آنے والے دنوں میں وہ اپنی اسٹڈیز میں مگن ہوگئی تھی لیکن ٹین ایج کی اس محبت کی کسک کبھی نہ کبھی اسے بے چین ضرور کرتی تھی اور وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ پاکستان آنے کے بعد وہ سب سے پہلی کال اسی شخص کی اٹینڈ کرے گی، جس سے خوفزدہ ہو کر وہ یہاں سے بھاگی تھی۔

☆......☆......☆

گہرے سبز رنگ کے قد آور، گھنے اور شاداب درختوں میں گھری ملکہ کوہسار ''مری'' کا جوبن آجکل عروج پر تھا۔

جی پی او چوک کی بیک سائیڈ پر اوپر کی طرف جاتی روڈ جو کشمیر پوائنٹ سے جا ملتی تھی، اسی روڈ پر دو ڈھائی کینال پر بنا ''میر

ہاؤس'' آنے جانے والوں کی توجہ کا مرکز بنے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

سڑک پر لگے سیاہ رنگ کے گیٹ سے گھر کی طرف جاتی سڑک ڈھلوان کی صورت میں خاصی نیچے جاتی تھی، لان چونکہ سڑک سے چند فٹ نیچے اور گھر کی عمارت اس سے بھی کافی زیادہ نیچے تھی۔

اس لیے سڑک سے گذرنے والے گھر کی چھوٹی دیواروں کے اوپر لگی گرل سے ٹکڑیوں کی صورت میں بنے تین چار وسیع وعریض لان، صحن اور گھر کا پورچ بڑے آرام سے دیکھ سکتے تھے۔

گھر کے باہر کے صحن میں سرخ رنگ کی ٹائلیں لگی ہوئیں تھیں اور دو تین سیڑھیوں کے اسٹیپ کے بعد برآمدہ تھا جس میں دو دروازے کھلتے تھے، ایک دروازہ اندر کی طرف جانے والے کوریڈور میں اور دوسرا ڈرائینگ روم کی طرف جاتا تھا۔ سڑک پر بہت زیادہ آمدورفت ہونے کی وجہ سے اس گھر کی خواتین سامنے کا حصّہ کم اور گھر کی بیک سائیڈ پر موجود لان زیادہ استعمال کرتی تھیں، جہاں درشہوار نے ایک درخت پر جھولا بھی ڈال رکھا تھا۔

میر ہاؤس کے دائیں جانب چھوٹے چھوٹے دو سرونٹ کوارٹرز بھی بنے ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک چوکیدار اور اس کے خاندان کے لیے تھا۔ وہ لوگ میر فیملی کے خاندانی ملازم تھے۔

''آج مابدولت اپنی تین عدد کنیزوں کے ہمراہ سامنے والے لان میں شام کی چائے پئیں گے۔'' درشہوار نے کچن سے چائے کی ٹرے لاتے ہوئے شاہانہ انداز میں اعلان کیا تو کنیزوں کا تازہ تازہ خطاب ملنے والی تینوں لڑکیاں تڑپ کر اٹھ بیٹھیں۔ وہ سب اس وقت نچلے پورشن کے لاؤنج میں موجود تھیں اور ان کی مائیں دوپہر کی نیند پوری کر کے ابھی بیدار نہیں ہوئیں تھیں۔

''کیا کہا تم نے۔۔۔؟'' انابیہ کو اپنی سماعتوں پر شک ہوا۔

''مابدولت آج چائے سامنے والے لان میں بیٹھ کر پئیں گے۔'' اُس نے ایک دفعہ پھر شاہانہ انداز میں اپنے فرضی کالر اٹھائے۔

''وجہ۔۔۔؟'' نمیرہ نے شیشے کے بھاری بھرکم ایش ٹرے سے اخروٹ توڑ کر منہ میں ڈالا اور بھنوئیں اچکا کر پوچھا۔

''بہت دن ہو گئے، نئے شادی شدہ جوڑوں کی چھچھوری حرکتیں نہیں دیکھیں مال روڈ پر، آج مابدولت کا فل ٹائم ''بھونڈی'' پروگرام ہے اور عوام الناس کو دعوت عام ہے۔۔۔'' درشہوار نے کمال بے نیازی سے جواب دیا۔

''تمہیں پتا ہے ناں، سڑک سے ہمارے گھر کا پورا لان نظر آتا ہے۔۔۔'' انابیہ نے اسے یاد دلایا۔

''اسی لیے تو ہم وہاں تشریف آوری کا ٹوکرا رکھیں گے، تاکہ ہر ''رنگین'' اور ''سنگین'' منظر اپنی ان گناہ گار آنکھوں سے دیکھ سکیں۔'' درشہوار نے شرارتی انداز میں آنکھیں مٹکائیں۔

"مجھے تو معاف ہی رکھو، ہر دفعہ مجھے پھنسوا کر خود نکل جاتی ہو۔" طوبیٰ نے کشن سر کے نیچے رکھا اور بے تکلفی سے کارپٹ پر لیٹ گئی۔

"جو ڈر گیا، وہ مر گیا۔۔۔" درشہوار نے اس کو غیرت دلانے کی کوشش کی۔

"سمجھو میں تو مر ہی گئی۔۔۔"طوبی نے اپنی ٹانگیں پھیلا کر ایک کشن آنکھوں پر بھی رکھ لیا۔

"طوبیٰ ٹھیک کہہ رہی ہے، داجی اور تایا ابا کا کچھ پتا نہیں، اگر آ گئے تو بھری جوانی میں مرحوم کر دیں گے ہمیں۔" انابیہ نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔ ویسے بھی وہ ان سب کے مقابلے میں تھوڑا سمجھدار اور محتاط طبعیت کی حامل تھی۔

"وہ ویک اینڈ کے درمیان میں کبھی نہیں آتے۔۔۔" درشہوار کی بھی داجی کے شب و روز پر کی گئی ریسرچ مکمل تھی۔

"وہ تو شاہ میر بھی گھوڑے گدھے بیچ کر سوتا تھا، یاد نہیں کل رات کیسے آنکھ کھل گئی تھی اسکی۔" طوبیٰ نے فوراً کشن منہ سے اٹھا کر درشہوار کو یاد دلایا۔ جنگل کے ناکام مشن پر جو عزت افزائی ہوئی تھی، اس کے زخم بھرنے میں ابھی کئی دن اور لگنے تھے۔

"تو ٹھیک ہے پیاری بہنو، میں یہ فرنچ فرائز، نگٹس اور پکوڑے اکیلے ہی بیٹھ کر کھا لیتی ہوں۔۔۔" درشہوار کی بات پر ان تینوں کو ایک دم سکتہ ہوا، جو لان میں جا کر ہی ٹوٹا تھا۔

درشہوار بڑے مزے سے سڑک کے بالکل ساتھ والے لان میں بیٹھی چائے پیتے ہوئے وہاں سے گذرنے والے لوگوں پر دلچسپ کمنٹس پاس کر رہی تھی، جس پر نہ چاہتے ہوئے بھی ان تینوں کو بار بار ہنسی آ رہی تھی۔

"شرط لگا لو، یہ سبز رنگ کے طوطیا سوٹ والی باجی کی شادی، بڑی ہی مشکلوں سے ہوئی ہے۔" لان کی تین فٹ اونچی دیوار پر لگی گرل سے باہر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

"تم کیسے کہہ سکتی ہو۔۔۔؟"طوبیٰ نے ڈھیر سارے نگٹس اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔ وہ تو شکر ہے درشہوار کی نظریں اس کپل پر جمی ہوئیں تھیں جو اس وقت ان کے گھر کی دیوار کی گرل سے ٹیک لگائے بڑے رومینٹک انداز میں تصویریں بنوا رہا تھا۔

"جتنے اوچھے انداز سے یہ جڑ جڑ کر اپنے زرافے کی گردن والے میاں کے گلے میں بانہیں ڈال کر فوٹو بنوا رہی ہے، اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔" درشہوار نے بڑے ماہرانہ انداز سے تجزیہ کر کے اپنی کزنز کی طرف دیکھا جو دعوت شیراز اڑانے میں مصروف تھیں۔

"ہائے اللہ، میرے نگٹس کہاں گئے۔۔۔" درشہوار کو خالی پلیٹ دیکھ کر اچھا خاصا دھچکا لگا۔

"ہمارے پیٹ میں۔۔۔"نمیرہ نے انتہائی بدتمیزی سے ڈکار لیا۔

"اور کچھ میری پلیٹ میں۔۔۔"طوبیٰ نے شرارت سے اپنی پلیٹ اسکے سامنے لہرائی۔

"اللہ کرے مر جاؤ، تم لوگ ساری کی ساری، تمہارے دانتوں میں کیڑا لگے۔" وہ غصّے سے کھڑی ہوئی۔

"تمہیں کس نے کہا تھا بیٹھ کر مخلوق خدا کا مذاق اڑاؤ۔ نابیہ نے سب سے بڑی کزن ہونے کا فائدہ اٹھا کر اسے ڈانٹنے کی کوشش کی۔

''شرافت سے میری پلیٹ واپس کرو۔۔۔'' درشہوار خطرناک ارادوں کے ساتھ طوبیٰ کی طرف بڑھی، جو اس کے عزائم بھانپ کر فوراً دوسری طرف بھاگی اور درشہوار نے اس کا تعاقب کیا۔ طوبیٰ کو جلد ہی احساس ہوا کہ وہ عجلت میں غلط ڈائریکشن کی طرف مڑ گئی ہے۔ ان کے لان کی دیوار ساتھ والے گھر کے لان کی دیوار کے ساتھ جڑی ہوئی تھی اور چھوٹی سی منڈیر کوئی بھی بچہ چھلانگ کر با آسانی دوسرے گھر میں جا سکتا تھا۔ طوبیٰ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اس خالی گھر کی طرف چھلانگ لگا دی۔

اس گھر کا لان ''میر ہاؤس'' کے بالکل برابر میں تھا اور جہاں سے سیڑھیاں نیچے گھر کی طرف جاتی تھیں۔ یہ گھر بھی خاصی ڈھلوان پر میر ہاؤس کے بالکل برابر میں بنا ہوا تھا اور پچھلے ایک ماہ سے خالی تھا۔

''میں تمہیں کہہ رہی ہوں شرافت سے واپس کر دو میرے نگٹس۔۔۔'' درشہوار نے دیوار کودتے ہوئے منہ پر ہاتھ پھیر کر دھمکی دی۔

''نہیں دیتی، جو کرنا ہے، کر لو۔۔۔'' طوبیٰ نے جواباً اسے منہ چڑایا اور ایک ساتھ دو نگٹس منہ میں ڈال لیے۔

''تمہاری تو ایسی کی تیسی۔۔۔'' درشہوار اسکے پیچھے سیڑھیوں کی طرف بھاگی تو طوبیٰ نے سیڑھیوں سے آگے لمبی ساری روش کی طرف دوڑ لگائی اور جیسے ہی وہ گھر کے پاس پہنچیں۔ اندر کا دروازہ کھلا، بلیک جینز پر گرے رنگ کی ٹی شرٹ پہنے گھریلو سے حلیے میں محمد ہادی باہر نکلا۔ دراز قد، صاف رنگت کے ساتھ شہد رنگ آنکھوں والا یہ نوجوان اچھا خاصا ہینڈسم تھا۔

درشہوار اور طوبیٰ دونوں کو ہی حیرت کا شدید جھٹکا لگا جب کہ دوسری طرف اوپر گرل سے جھانکتی نمیرہ اور رانا بیہ گھبرا کر مزید گرل پر جھک کر نیچے دیکھنے گئیں، وہ درشہوار اور طوبیٰ کی بے عزتی کا منظر لائیو دیکھنا چاہتی تھیں۔

''جی فرمائیے۔۔۔'' ناگواری کا ایک ہلکا سا تاثر محمد ہادی کی آنکھوں میں ابھرا۔

وہ انہیں کوئی ٹورسٹ سمجھا تھا جو اکثر تصویریں بنانے کے چکر میں اکثر ہی کھلے گیٹ سے نیچے جاتی سیڑھیوں کا پرکشش منظر دیکھ کر نیچے آ جاتے تھے۔

''وہ۔۔۔ یہ۔۔۔ ہم لوگ پڑوس سے آئے ہیں۔'' طوبیٰ نے بوکھلا کر اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا۔

''فرمائیے، کیسے آنا ہوا۔؟ محمد ہادی کے لہجے میں چھلکتی بے رخی پر وہ دونوں ہی سٹپٹا گئیں۔

''یہ نگٹس، میری امّی نے بھجوائے ہیں۔۔۔'' طوبیٰ نے گڑبڑا کر ہاتھ میں پکڑی پلیٹ ہادی کی طرف بڑھائی۔

''یہ۔۔۔'' اُس نے سخت حیرانگی سے پلیٹ میں رکھے چار پانچ چھوٹے چھوٹے نگٹس کو دیکھا۔

''جی۔۔۔ جی۔۔۔'' طوبیٰ ڈھٹائی سے مسکرا دی۔

''تھینکس۔۔۔'' اس نے سنجیدگی سے پلیٹ پکڑی، درشہوار کا دل بیٹھ گیا۔

''ٹھہریئے، ابھی خالی کر کے لا دیتا ہوں ہوں آپکو۔۔۔'' وہ سنجیدگی سے پلیٹ اٹھا کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔

''اللہ کرے مر جاؤ تم۔۔۔'' درشہوار نے غصّے سے طوبیٰ کو بددعا دی۔

''ویسے بندہ شاندار ہے۔۔۔''طوبیٰ نے شرارت سے ایک آنکھ دبا کر لوفرانہ سا اشارہ کیا۔ محمد ہادی دو ہی منٹ کے بعد باہر تھا۔

''تھینک یوسسٹر۔۔۔'' اس نے خالی پلیٹ طوبیٰ کی طرف بڑھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو سسٹر کے الفاظ پر طوبیٰ کے چہرے پر پھیلنے والے تاثرات دیکھ کر درشہوار نے بمشکل پنی ہنسی کو حلق میں ہی دبایا۔

''کم بخت رف اینڈ ٹف حلیے میں بھی کسی ہیرو سے کم نہیں لگ رہا۔'' درشہوار نے دل ہی دل میں سوچا۔

''اب میں جاؤں۔۔۔؟'' اسکی بات پر وہ دونوں گڑبڑا گئیں۔

''ایک منٹ پلیز، یہ بتایئے گا کہ یہ گھر تو پچھلے ایک ماہ سے خالی پڑا تھا، آپ کب آئے۔؟'' درشہوار کی بات پر وہ ہلکا سا الجھا۔

''تین دن پہلے۔۔'' اُس نے نپے تلے انداز میں جواب دیا۔

''تو کیا اب یہیں رہیں گے آپ۔۔۔؟''طوبیٰ نے خاصے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

''ظاہر ہے، میرا گھر ہے تو یہیں رہوں گا۔'' محمد ہادی نے بیزاری سے اپنے سامنے کھڑی دونوں لڑکیوں کو دیکھا، جن کی آنکھوں میں شرارت ٹپک رہی تھی اور ہادی کو ایسی شوخ و چنچل لڑکیوں سے بڑی الجھن ہوتی تھی۔

''میرا یہ مطلب تھا، کیا آپ یہاں سیر و سیاحت کے لیے آئے ہیں۔'' طوبیٰ نے کسی ٹی وی اینکر کی طرح پوچھا۔

''نہیں، پوسٹنگ ہوئی ہے میری۔۔'' محمد ہادی نے اس دفعہ ذرا روکھے لہجے میں جواب دیا۔

''کس ڈیپارٹمنٹ میں۔۔۔؟''درشہوار کی زبان پھسلی۔

''فارسٹ ڈیپارٹمنٹ میں۔۔۔'' اس نے بادل نخواستہ جواب دیا، جیسے کہنا چاہ رہا ہو کہ اب جان چھوڑو۔

دوسری طرف خلاف توقع میر ہاؤس میں داجی کی لینڈ کروزر اندر داخل ہو چکی تھی۔ جو کسی ضروری میٹنگ کے سلسلے میں اپنے پی اے کے ساتھ اچانک ہی وہاں پہنچے تھے۔ انہوں نے گھر میں داخل ہوتے ہی خاصی ناگواری کے ساتھ نمیرہ اور انابیہ کو دوسرے گھر میں جھانکتے ہوئے دیکھا۔ پورچ چونکہ نیچے تھا، اس لیے انہیں سر اٹھا کر اوپر دیکھنے میں ذرا دقت ہو رہی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔۔؟'' وہ پورچ میں کھڑے بلند آواز میں دھاڑے اور انابیہ اور نمیرہ کی روح فنا ہو گئی۔

''مارے گئے۔۔۔'' انابیہ کا رنگ فق ہو گیا۔

جب کہ نمیرہ نے بوکھلاہٹ میں ہاتھ میں پکڑا پکوڑا کھینچ کر درشہوار کے سر کا نشانہ لے کر مارا جو ایک دم ٹھک کر کے درشہوار کی گردن سے ٹکرایا۔

''کیا مصیبت ہے۔۔۔؟'' درشہوار ایک دم اچھلی اور سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

جب کہ محمد ہادی نے بھی اس حرکت پر ناگواری سے کھڑے کھڑے پہلو بدلا اور درشہوار کی نظروں کے تعاقب میں اوپر دیکھا، جہاں نمیرہ اور انابیہ دیوار پر لگی گرل پر جھکی ہوئیں تھیں۔

''بھاگو۔۔۔داجی آگئے۔۔۔'' نمیرہ کی آواز نے گویا مری کی فضاؤں میں صور پھونک دیا۔

''اوہ نو۔۔۔'' درشہوار اور طوبیٰ دونوں کو چار سو بیس والٹ کا جھٹکا لگا۔

''اب کیا کریں۔۔۔؟'' طوبیٰ نے ہراساں نگاہوں سے اپنی تایازاد کزن کو دیکھا۔

ایسی سچویشن میں درشہوار کی عقل خاصی تیزی سے کام کرنے لگتی تھی۔اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور طوبیٰ کا ہاتھ پکڑا اور محمد ہادی کے گھر کے پچھواڑے کی طرف دوڑ لگا دی۔

''ارے رے یہ کہاں جارہیں ہیں آپ۔۔۔؟'' وہ ایک دم بوکھلا گیا۔

جب کہ وہ دونوں دیکھتے ہی دیکھتے چیتے کی سی رفتار سے بھاگتی ہوئیں اسکے گھر کے پچھلے لان کی طرف گئیں اور دونوں نے جمپ لگا کر مشترکہ چھوٹی دیوار عبور کی، اور چھلاوے کی طرح غائب ہوگئیں۔جب کہ وہ اپنی جگہ پر ہکا بکا رہ گیا۔

☆......☆......☆

مری کے سرسبز پہاڑوں پر رقص کرتے بادلوں کو ایک دم ہی جوش آیا اور بارش کی بوندیں چھتوں پر جلترنگ بجانے لگیں۔محمد ہادی کا ملازم گل خان ٹرے میں کافی کے دو بڑے کپ اور سینڈوچ رکھے لاؤنج میں داخل ہوا۔جہاں وہ اپنے بیسٹ فرینڈ سعد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

محمد ہادی کا تعلق بہت ویل اسٹیبلش اور ویل ایجوکیٹڈ گھرانے سے تھا۔وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔اس نے ایم ایس سی فارسٹری (Forestry) پاکستان فارسٹ انسٹیوٹ پشاور سے اور ایم ایس کی ڈگری یوکے کی ایک مشہور یونیورسٹی سے کر کے کمیشن کا ایگزام پاس کیا اور اس کی پہلی پوسٹنگ مری میں تھی جہاں اسکا بیسٹ فرینڈ سعد پہلے سے پوسٹڈ تھا۔

''بس تم اپنا بوریا بستر اٹھاؤ، اور شفٹ ہو جاؤ یہاں، میں اتنے بڑے گھر میں اکیلا نہیں رہ سکتا۔ہادی کی بات پر وہ مسکرایا۔

''ویسے انکل نے گھر تو زبردست بنا رکھا ہے، اور ہے بھی مین روڈ پر۔'' سعد نے توصیفی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔

''ہاں پچھلے کئی سالوں سے تو رینٹ پر تھا اور اب پاپا نے میرے لیے خالی کروایا ہے اسے۔'' وہ لاپرواہی سے فلور کشن پر بیٹھ گیا۔

''بہت لکی ہو یار، ادھر میں ایک گندے سے ایک کمرے کے فلیٹ میں سڑ رہا ہوں۔''

''اسی لیے تو گدھے کہہ رہا ہوں، آجاؤ یہاں، تین بیڈ رومز بالکل خالی ہیں۔'' محمد ہادی نے اسے کھلے دل سے آفر کی۔

''شادی کیوں نہیں کر لیتے تم، آنٹی کی بھی خواہش پوری ہو جائے گی۔'' سعد ملکے سے توقف کے بعد گویا ہوا۔

''ڈفر انسان، میں تمہیں شفٹ ہونے کا کہہ رہا ہوں اور تم الٹے مشورے دے رہے ہو مجھے۔'' وہ ہلکا سا چڑ گیا۔

''یار اس مہینے کا کرایہ پورا دے چکا ہوں فلیٹ کا۔'' سعد نے اپنی مجبوری بتائی۔

''تو کیا ہوا، کسی غریب کا بھلا بھی ہو جانے دیا کرو، میں بتا رہا ہوں، آ جاؤ، ورنہ میں اپنی پوسٹنگ کے لیے بھاگ دوڑ کرنے لگا ہوں۔'' محمد ہادی نے اس دفعہ اسے ڈاریکٹ دھمکی دی، جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔

''اچھا اچھا ویک اینڈ پر اٹھا کر لاؤں گا اپنا جہیز، ابھی تو آفس سے آنے کے بعد ہمت ہی نہیں ہوتی، اوپر سے ڈی ایف او اتنا اکھڑ مزاج ہے، اسے صبح وشام آفس وزٹ کرنے اور نئے نئے کام کرنے کے دورے پڑتے رہتے ہیں۔'' سعد نے ابھی اپنی بات مکمل کی ہی تھی کہ بجلی چلی گئی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا ویسے بھی پہاڑوں پر سورج جلد غروب ہو جاتا تھا۔

''لو پھر لائٹ چلی گئی۔۔۔'' کافی پیتے ہوئے محمد ہادی ایک دم بیزار ہوا۔

''گل خان پلیز جنریٹر چلاؤ۔'' اسکی آواز پر گل خان بھاگتا ہوا کچن سے نکلا۔

''جی صاحب جی۔۔۔'' گل خان ادھیڑ عمر مرد تھا اور بہت سالوں سے اس گھر کی چوکیداری اور دوسرے کاموں پر معمور تھا۔

''لیکن اس سے پہلے، یہ کھڑکیاں بند کرو، بارش کی بوچھاڑ ڈاریکٹ اندر آ رہی ہے۔'' ہادی کو بارش سے بڑی کوفت ہوتی تھی۔

''جی صاحب۔۔۔'' گل خان نے لپک کر حکم کی تعمیل کی۔

''زہر لگتی ہے مجھے جنریٹر کی آواز، پتا نہیں یہاں کے لوگ کیسے رہ لیتے ہیں ایسے موسم کے ساتھ، جب دیکھو بارش، جب دیکھو سرد ہوائیں۔'' محمد ہادی کو مری کا موسم بالکل پسند نہیں تھا۔

''تو یار یو پی ایس لگوا لو ناں، پرابلم کیا ہے۔'' سعد نے شرارت سے ایک اخروٹ اسکی طرف اچھالا۔

''ہاں، کوئی پکا بندوبست ہی کرنا پڑے گا اس فضول جگہ پر رہنے کے لیے۔'' اُس نے بُرا سا منہ بنایا۔

''ابھی تو میرے جگر کو یہاں آئے صرف تین دن ہوئے ہیں، کیسے گذارا ہو گا تمہارا۔'' سعد نے اسے شوخ لہجے میں چھیڑا۔

''سوچ رہا ہوں پاپا سے کہہ کر واقعی پوسٹنگ کروا لوں ادھر سے اپنی۔'' اسکی بات پر سعد کو کرنٹ لگا۔

''خبردار ایسا سوچا بھی، اٹھا کر پھینک دیں گے تمہیں کسی اور ریجن میں۔'' سعد نے اسے ڈرایا۔

''کم از کم یہاں سے تو اچھا ہو گا۔۔'' وہ بیزاری سے ایک تسلسل سے برستی مینہ کی بوندوں کو دیکھنے لگا۔

''تم نے ابھی دیکھے کہاں ہیں یہاں کے دلکش نظارے، میں ایسے ہی تو نہیں ٹکا ہوا یہاں۔'' سعد ایک آنکھ میچ کر شرارت سے ہنسا۔

''سخت الرجک ہوں میں ان چیزوں سے، مجھ پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا۔'' ہادی نے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

''پتا ہے مجھے اسی لیے تو ڈیپارٹمنٹ میں arrogant man کا ٹائٹل ملا تھا تمہیں۔'' سعد قہقہہ لگا کر ہنسا، اُسے وہ منظر یاد آ گیا جب فیئرویل فنکشن پر وہ اپنا ٹائٹل لینے اسٹیج پر گیا اور بغیر تھینکس کہے واپس لوٹ آیا تھا۔

"ساری فضول اور بے ہودا باتیں چن چن کر یاد ہیں تمہیں، یہ بتاؤ، ساتھ والے بنگلے میں کون رہتا ہے۔؟" ہادی کو ایک دم وہ اول جلول لڑکیاں یاد آئیں تو یونہی پوچھ بیٹھا۔

"دائیں یا بائیں۔۔؟" سعد نے شرارتی لہجے میں پوچھا اور اسی وقت لائٹ آ گئی۔

"رائٹ سائیڈ پر۔۔؟" اُس نے دانستہ اپنے لہجے کو انجان بنایا۔

"ادھر تو کبھی بھول کر بھی نہ دیکھنا، پتھر کے ہو جاؤ گے۔۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہوا۔

"کیوں، آسیب بستا ہے وہاں یا جن بھوت رہتے ہیں وہاں۔" ہادی نے منہ بنا کر اسکی طرف دیکھا۔

"ایسا ہی سمجھو، میر حاکم علی کے دو بیٹے اور ان کا خاندان آباد ہے یہاں۔" اس نے سنجیدگی سے اسکی معلومات میں اضافہ کیا۔

"وہ جو ایم این اے میر محتشم کے والد ہیں اور جنوبی پنجاب کی سیٹ پر الیکشن لڑتے ہیں۔" محمد ہادی نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ہاں ہاں وہی۔۔۔" سعد نے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی کی آواز کم کی۔

"تو یہاں سے لڑیں نہ الیکشن، وہاں کی سیٹ پر کیوں قبضہ جما رکھا ہے۔" ہادی کو ویسے ہی پولیٹکس سے شدید نفرت تھی اور حاکم علی کے خاندان کی کرپشن کے قصّے بھی آئے دن سننے کو ملتے تھے۔

"یہاں سے حاکم صاحب اپنے پوتے وہاج کو لڑائیں گے اس دفعہ الیکشن۔۔" سعد نے سنجیدگی سے مذید بتایا۔ "اور تمہیں پتا ہے، بہاولپور اور ملتان میں بے تحاشا زمینیں ہیں ان کی۔"

"جانتا ہوں سب کی سب ان کے آباؤ اجداد کو انگریزوں کی غلامی اور چمچہ گیری کرنے پر ملیں تھیں اور وہی جائیداد وراثت میں چلی آ رہی ہے ان کے پاس" ہادی کو بھی اچھی خاصی معلومات تھیں۔

"لیکن بیٹا جی، کمیشن کا اگزام پاس کر کے اور فارسٹ آفیسر بن کر یہ مت سمجھ لینا کہ تم پنگا لے سکتے ہو اس خاندان سے۔" سعد نے ڈھکے چھپے انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"کیا مطلب۔۔؟" ہادی نے الجھ کر اپنے بیسٹ فرینڈ کا چہرہ دیکھا۔

"مری میں بھی ٹمبر مافیا کے پیچھے محتشم صاحب کے چھوٹے بھائی خاقان صاحب کا نام لیا جاتا ہے، لیکن آج تک کوئی بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکا" سعد نے اس دفعہ ذرا کھل کر بتایا کیونکہ بات اب ان کے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی تھی۔

"اس سے پہلے کوئی میرے جیسا آفیسر پوسٹڈ بھی نہیں ہوا ہو گا یہاں۔" وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"میری تین سالہ سروس میں کئی آئے اور کئی گئے یہاں سے۔" سعد نے بھی اس کی غلط فہمی دور کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

"چلو دیکھتے ہیں، کس میں ہے کتنا دم۔۔۔" محمد ہادی نے اٹھ کر کھڑکیوں کے بھاری پردے آگے کیے تو وہ اسے دیکھتا رہ

گیا، اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ محمد ہادی ایک دفعہ جو ٹھان لیتا تھا اس سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔

☆......☆......☆

''ہم چاروں ہی بہت غلط گھرانے میں پیدا ہوئیں ہیں۔''

درشہوار نے دنیا جہاں کا غم اپنے لہجے میں سموتے ہوئے انتہائی مشکل سے رنجیدہ شکل بنا کر اپنی تینوں کزنز کو دیکھا۔اس وقت وہ سب داجی سے جھاڑ کھانے کے بعد اپنا غم غلط کرنے کے لیے ٹی وی لاؤنج میں موجود تھیں، جو اوپر والے پورشن میں تھا۔

اس تعزیتی اجلاس کا انعقاد درشہوار نے ہنگامی بنیادوں پر کیا تھا اور ویسے بھی ہر شرارت اور الٹے کام میں وہ سب کی لیڈر رہوتی تھی اس لیے وقتاً فوقتاً دلجوئی کا اہم فریضہ بھی اسے ہی سرانجام دینا پڑتا۔

اس وقت انابیہ صوفے پر نیم دراز اور نمیرہ نے کرسی سنبھال رکھی تھی جبکہ درشہوار اور طوبیٰ دونوں غم سے نڈھال فلور کشن پر بیٹھیں ہوئیں تھی، اسی کمرے کے ایک کونے میں خاندانی ملازمہ رشیدہ کی سولہ سالہ بیٹی صندل بھی موجود تھی، جسکا اہم کام، کھانے پینے کی اشیاء کی ترسیل نچلے پورشن سے اوپر والے پورشن میں کرنا اور میر ہاؤس کی چاروں باجیوں کی دلچسپ گفتگو سننا تھا۔

''آئے ہائے بُرے نصیب ہمارے۔۔۔'' درشہوار نے انگڑائی لیتے ہوئے ملازمہ صندل کو دیکھا جو مسکرا رہی تھی، اسے ایک دم تپ چڑھ گئی۔

''تمہارے بڑے دانت نکل رہے ہیں صندل صاحبہ، خیر تو ہے۔؟'' اس نے طنزیہ نگاہوں سے صندل کو دیکھا، جو اسکا ہی پرانا سوٹ پہنے اسی پر ہنس رہی تھی اور اس بات نے درشہوار کے تن بدن میں آگ لگا دی۔

''ارے نئیں نئیں بی بی جی، میں تو بس آپکی باتیں غور سے سن رہی تھی۔۔۔'' اُس نے بوکھلا کر اپنے دانت چھپانے کی کوشش کی۔

''تو ہم کون سا کسی خزانے کا راز بتا رہے ہیں ایک دوسرے کو۔۔۔'' طوبیٰ نے بُرا سا منہ بنا کر ناک سے مکھی اڑائی۔

''جاؤ اپنے ابا سے کہو گیٹ پر جیسے ہی پزا ہٹ سے ڈلیوری آئے تو وہیں سے نقارہ نہیں بجانا، بلکہ صندل شہزادی کو بلوانا ہے۔''

درشہوار کی بات پر سب کزنز کے کان کھڑے ہو گئے۔صندل کے والد اس گھر کے چوکیدار کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔

''مجھے کیا کرنا ہوگا ابا کے پاس جا کر۔۔'' صندل کے ہونق انداز پر وہ جھنجلا گئی۔

''تمہارا کام ہے کتھک ڈانس کرنا، وہ بھی پزا سر پر رکھ کر۔'' درشہوار کے چڑنے پر وہ تینوں بے ساختہ ہنس پڑیں۔

''لیکن، مجھے تو وہ نہیں آتا۔۔۔'' صندل کی سادگی میں پریشانی کا عنصر نمایاں ہوا۔

''زیادہ اوور ایکٹنگ کرنے کی ضرورت نہیں، جاؤ اور پزا کی پیمنٹ کر کے اوپر لاؤ، سمجھی۔'' درشہوار نے منہ بنا کر اپنا پرس اٹھایا۔

''آدھے پیسے میں ہرگز نہیں دوں گی۔۔۔'' انابیہ نے فوراً لقمہ دیا۔

''اور میری طرف سے بھی انکار ہی سمجھو۔۔۔'' نمیرہ کا موڈ شام والے واقعے کے بعد خاصا بگڑا ہوا تھا۔

''اور میرا تو تمہیں پتا ہی ہے آجکل ہاتھ کتنا تنگ ہے۔'' طوبی نے اپنے لہجے میں دنیا جہاں کا درد سمویا۔

''عوام تسلی رکھے، اس ڈلیوری کا بوجھ ہم غریب عوام پر نہیں ڈالیں گے، بلکہ شاہی خزانے سے ادا کیا جائے گا'' درشہوار نے شاہانہ انداز سے کہتے ہوئے اپنے والٹ کی زپ بڑی ادا سے کھولی اور ہزار کا کڑکتا ہوا نوٹ باہر نکالا اور اپنے سر سے وارنے ہی لگی تھی کہ صندل ایک دفعہ پھر کفن پھاڑ کر حیران لہجے میں بولتی ہوئی ان سب کے چھکے چھڑا گئی۔

''لیکن بی بی جی، یہاں کس کی ''ڈلیوری'' ہو رہی ہے، آپ میں سے تو کسی کی بھی شادی نہیں ہوئی۔'' ان پڑھ، سیدھی سادھی صندل کی بات پر نمیرہ کے حلق سے ایک چھت پھاڑ قسم کا قہقہہ برآمد ہوا۔ طوبی اور انابیہ بھی ہنس پڑیں جبکہ درشہوار کا منہ سرخ ہو گیا۔

''کم بخت صندل چار جماعتیں پڑھ لیتی تو کم از کم ہم چار حسیناؤں کی زندگی تو آسان ہو جاتی ہے۔ اب مزید بونگی مارنے سے بہتر ہے، گیٹ پر جاؤ اور سنو چھاتہ ساتھ لے لینا بارش ہو رہی ہے، تمہاری تو خیر ہے ہمارا پزا نہ بھیگ جائے کہیں۔'' درشہوار نے اسے جھاڑتے ہوئے باہر کی طرف جانے کا اشارہ کیا جسے سنتے ہوئے اسکا منہ بن گیا۔

''بی بی جی، بڑے ہال سے چلی جاؤں، جلدی پہنچ جاؤں گی۔'' صندل کو رات کے وقت پچھلے لان سے لمبا چکر کاٹ کر آگے جاتے ہوئے ہمیشہ ڈر لگتا تھا۔

''وہاں تمہارے کچھ لگتے برہان لالہ بیٹھے ہیں، پزا دیکھ کر تمہیں جلدی پہنچا دیں گے اور وہ بھی اوپر۔ سمجھی۔'' درشہوار نے کھا جانے والی نگاہوں سے چوکیدار بہادر علی کی بزدل بیٹی کو دیکھا جس کا سارا خاندان سرونٹ کوارٹر میں مقیم تھا۔

''اچھا اچھا بی بی جی، جاتی ہوں۔۔۔'' صندل با دل نخواستہ پچھلے کوریڈور کی طرف جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

''ہاں تو بہنو، میں کیا کہہ رہی تھی کہ ہم چاروں ہی غلط گھرانے میں پیدا ہو گئیں ہیں۔'' درشہوار نے تعزیتی اجلاس دوبارہ شروع کیا۔ اوپر والے پورشن کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے شاہ میر نے اپنی بہن کا یہ دکھی جملہ سن کر بمشکل اپنے قہقہے کو دبایا۔

''اگر تم ''چار'' کی بجائے ''دو'' لڑکیاں کر لو تو بات ذرا زیادہ واضح ہو جائے۔'' شاہ میر کی اچانک انٹری پر وہ چاروں ہڑبڑا کر اٹھیں اور اپنے اپنے ڈوپٹے ڈھونڈنے لگیں جو دائیں بائیں لڑھکتے پھر رہے تھے۔

''آپ اپنے اس بیان پر روشنی ڈالنا پسند کریں گے۔'' درشہوار نے ہاتھ کا مائیک بنا کر شاہ میر کے آگے کیا۔

''بیا آپی کو تو تم نکال دو اس فہرست سے، وہ بیچاری تم لوگوں کا ساتھ دینے کے چکر میں ماری جاتیں ہیں اور جہاں تک بات نمیرہ کی ہے تو وہ اس گھر میں پیدا نہیں ہوئی، اور پیچھے رہ گئیں تم اور طوبی، تم دونوں کو تو اصل میں پیدا ہونا ہی نہیں چاہیے تھا۔'' شاہ میر کی بات پر وہ دونوں تڑپ اٹھیں۔

''بھائی کیا آپ بتا سکتے ہیں، کہ آپ اس گھر سے کب تشریف لے جا رہے ہیں۔؟'' درشہوار کا طنز سمجھ کر وہ مسکرا دیا۔

''خیریت۔؟ کھاریاں سے کچھ منگوانا تھا کیا۔؟'' اس نے انجان بن کر پوچھا۔

''جی ہاں ایلفی۔۔۔اور وہ بھی آپ کے ہونٹوں پر لگانے کے لیے۔'' طوبی نے جل کر کہا اور شاہ میر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

وہ اس گھر کا واحد مرد تھا، جسکا رویئہ سب خواتین سے بڑا دوستانہ اور شرارتی تھا، ورنہ وہاج بھائی کے ماتھے کے بل اور برہان کی سرد مہری کبھی کم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس بات پر تبصرہ کرتا، دروازہ دھڑ کر کے کھلا اور صندل حواس باختہ انداز میں اندر داخل ہوئی۔

''ہائے ہائے بی بی جی، غضب ہو گیا۔۔۔'' صندل کی سانسیں پھولی ہوئیں تھیں۔

''جب بھی آنا، کسی منحوس خبر کے ساتھ ہی آنا۔۔۔'' نمیرہ نے بیزاری سے ناک چڑھائی۔

''فرمائیے، کون سی نیوز بریک کرنی ہے آپ نے۔'' طوبی نے طنزیہ انداز سے صندل کو دیکھا جو شاہ میر کو سامنے دیکھ کر بُری طرح گڑبڑا گئی تھی۔

''وہ بی بی جی، آپ کا پزا۔۔۔'' وہ ہلکا سا ہکلائی۔

''وہ پزا۔۔۔'' شاہ میر نے ''وہ'' کو لمبا کیا۔

''ہاں ہاں وہی۔۔۔'' چاروں یک زبان گویا ہوئیں۔

''وہ تو برہان بھائی کے کولیگس کھا گئے، کیا تم لوگوں نے منگوایا تھا'' شاہ میر کی بات پر ان چاروں کو کرنٹ لگا۔

''اوہ نو۔۔۔'' ان سب کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ انہوں نے صدمے بھرے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے ان کی کوئی کمپنی تازہ تازہ ہی دیوالیہ ہوئی ہو۔

''لیکن صاحب جی۔۔۔'' صندل ہلکی سی تذبذب کا شکار ہوئی۔

''کہا ناں، وہ برہان بھائی کے مہمانوں کے آگے رکھ دیا گیا تھا، چلو صندل اب کھسکو یہاں سے۔'' شاہ میر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں صندل کو کوئی بات سمجھانے کی کوشش کی جو طوبی کی زیرک نگاہوں سے چھپی نہ رہ سکی۔

''صندل جھوٹ بولنے والا سیدھا جہنم میں جاتا ہے۔'' طوبیٰ نے اسے ڈرا وادے کر سچ اگلوانے کی کوشش کی۔

''اور بی بی صندل یہ بھی یاد رکھنا، ایسا سچ جس سے شر پھیلنے کا اندیشہ ہو، اللہ کے ہاں اسکی بھی معافی نہیں، پورے سو سال جہنم کا عذاب بھگتو گی۔'' شاہ میر کی بات پر صندل بیچاری کا رنگ فق ہو گیا۔

''جی مجھے نہیں پتا، مجھے تو ابا نے یہی کہا تھا۔۔۔'' وہ بھی صاف مکر گئی۔

''ویسے ہیں تو برہان بھائی میرے ہی سگے بھائی، لیکن کی انہوں نے گھٹیا حرکت ہے۔۔۔'' درشہوار جل کر بولی۔

''اچھا بابا بس کردو، ذرا سی چیز کے پیچھے اپنے بھائی کو ایسے کھوگی کیا۔'' انابیہ کے بے اختیار بولنے پر شاہ میر شرارت سے کھنکھارا ،اور وہ ایک دم جھینپ گئی جب کہ باقی سب کو بھی ہنسی آ گئی ،انابیہ، نکاح کے بعد برہان کی طرفداری کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔

''چلو بھئی صندل گرما گرم چائے بنا کر لاؤ سب باجیوں کے لیے، میں ان کے لیے فرائی فش کا آرڈر کرتا ہوں، آخر کو ان کا غم غلط کرنے میں مجھے بھی کچھ ہاتھ بٹانا چاہیے۔'' شاہ میر ریموٹ اٹھا کر وہیں جم کر بیٹھ گیا۔

''میرے لیے چکن کارن سوپ کا بھی آرڈر دے دیں۔۔'' درشہوار نے فوراً اپنی فرمائش نوٹ کروائی۔

''اور میرے لیے فرنچ فرائز کا۔۔۔'' طوبیٰ کی بھی زبان پھسلی۔

''میرا قیمے والا نان کھانے کو دل کر رہا ہے۔۔۔'' نمیرہ نے بھی شرارت سے آنکھیں مٹکائیں۔

''ایسا کرو، تم سب لوگ آج ''خیالی پلاؤ'' ہی کھالو، میں چلتا ہوں۔'' شاہ میر منہ بنا کر ایک دم کھڑا ہوا۔

''اوفوہ بھائی، اتنی بھی کنجوسی اچھی نہیں، فوراً جائیں اور خود لے کر آئیں۔'' درشہوار نے لاڈ سے اپنے بھائی کا بازو پکڑا تو شاہ میر کو نہ چاہتے ہوئے بھی بات ماننا ہی پڑی۔

''تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو، جا کر چائے کا پانی رکھو۔'' انابیہ نے صندل کو گھورا تو وہ بوکھلا کر باہر نکلی۔

''صندل، صندل، کہاں مرگئی ہو۔'' اپنی اماں کی پاٹ دار آواز سن کر وہ سیڑھیوں کی طرف بھاگی اور سامنے سے آتے وہاج صاحب سے بُری طرح ٹکرائی جو بڑی تیزی سے اوپر والے پورشن کی طرف آ رہے تھے۔

''سنبھل کر۔۔۔'' انہوں نے ایک دم ہی اسے بازوں سے پکڑ کر گرنے سے بچایا اور اس طرح نامحسوس انداز سے اپنے ساتھ لگایا کہ صندل نے خوفزدہ ہو کر سیڑھیوں پر لگی گرل کو تھام لیا۔

صندل کو گھر کے مردوں میں وہاج صاحب کی نظروں سے سخت الجھن ہوتی۔ ان کا دیکھنے کا انداز بہت عجیب تھا، ایسے لگتا جیسے آنکھوں میں کوئی ایکسرے مشین فٹ کروا رکھی ہو۔ وہ ان کی آمد پر چھپتی پھرتی تھی لیکن آج شاید اسکے ستارے گردش میں تھے۔

''کسی دن کوئی بچانے والا نہ ہوا تو ہاتھ پیر تڑوا لوگی لڑکی۔۔۔'' ان کا لہجہ معنی خیز اور بے باک نگاہیں محسوس کر کے صندل کا چڑیا جیسا دل ایک دم سہم گیا۔

''ارے وہاج بیٹا تم۔؟ فارحہ کو کیوں نہیں لائے ساتھ۔'' تاجدار بیگم ہاتھ میں ایک شاپر اٹھائے اسٹور سے نکلیں تو صندل کی جان میں جان آئی، وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر کر کچن کی طرف بھاگی۔

''آپکی بہو صاحبہ آجکل میکے گئیں ہوئیں ہیں اور ویسے بھی میں تو چند ہی گھنٹوں کے لیے آیا تھا کسی کام سے۔'' وہاج کو اس موقعے پر انکی آمد نا گوار لگی تھی لیکن انہوں نے زبردستی مسکرا کر جواب دیا۔

''کچھ دن کے لیے چھوڑ جاؤں ناں اسے، بچیاں بہت یاد کرتی ہیں۔'' انہوں نے محبت بھرے لہجے میں فرمائش کی۔ وہ تاجدار بیگم کی سگی بھتیجی ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی بہو بھی تھی، انتہائی سلجھی ہوئی اور محبت کرنے والی لڑکی، جو شادی کے چار سال بعد بھی اولاد جیسی نعمت سے محروم تھی۔ وہ وہاج کے ساتھ اسلام آباد والے بنگلے ''نور محل'' میں رہتی تھی جہاں حاکم علی، اور میر محتشم کے ساتھ خاقان صاحب اکثر ہی پائے جاتے۔

''جی جی بھجوادوں گا، لیکن آپکو پتا ہے ناں، نور محل میں بھی کسی خاتون کا ہونا بہت ضروری ہے۔'' انہوں نے بادل نخواستہ حامی بھری۔

''ہاں ہاں سب پتا ہے مجھے، اب تو الیکشن کا جھنجھٹ بھی شروع ہونے والا ہے۔'' وہ ہلکی سی بیزار ہوئیں۔ جب کہ وہاج سر ہلاتے ہوئے اوپر والے پورشن کی طرف بڑھ گئے، لیکن وہ دل ہی دل میں تہیہ کر چکے تھے کہ کس طرح فارحہ کے اکیلے پن کا بہانہ بنا کر صندل کو یہاں سے نور محل منتقل کرنا ہے۔

☆......☆......☆

آج پھر اسلام آباد کے ایف سیون سیکٹر میں واقع ''ٹینا ہاؤس'' میں ناشتے کی ٹیبل پر ایک طوفان آیا ہوا تھا۔

ٹینا بیگم ابھی ابھی جوگنگ کر کے واپس لوٹیں تھیں۔ تنگ سے ٹراؤزر میں سلیولیس شرٹ کے ساتھ انہوں نے اپنے اسٹیپ کٹنگ بالوں کی اونچی سے پونی بنا رکھی تھی، یوگا، جم اور ایکسرسائز کی وجہ سے ان کی فٹنس قابل رشک تھی۔ رومیصہ نے ناک چڑھا کر مام کے حلیے کو دیکھا اور بیزاری سے سر جھٹک کر ہاتھ میں پکڑا سلائس کترنے لگی۔ وہ آج کسی گہری سوچ میں مگن تھی۔

''شیری، کیا پروگرام ہے تمہارا۔۔۔؟'' انہیں دو دن بعد شہزاد سے بات کرنے کا ٹائم مل ہی گیا۔

''کیا مطلب۔۔۔؟'' اسکے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہوئیں۔

''واپسی کی ٹکٹ کب کی کنفرم کرواؤں تمہاری۔۔۔؟'' انہوں نے تھرماس سے شوگر فری چائے اپنے کپ میں انڈیلی۔ رومی نے چونک کر بہن کی طرف دیکھا، جو تذبذب کا شکار لگ رہی تھی۔

''سوچ رہی ہوں، یہیں پریکٹس اسٹارٹ کر دوں، میرا تو واپس جانے کا کوئی پروگرام نہیں۔'' شہزاد کی اطلاع پر ٹینا بیگم کا دماغ بھک کر کے اڑا۔

''تمہارا دماغ خراب ہے، تم بار ایٹ لاء کی ڈگری لے کر یہاں پریکٹس کرو گی۔۔۔؟ پاکستان میں۔۔۔؟'' ٹینا بیگم کی آنکھوں میں نا گواری در آئی اور انکی خوبصورت پیشانی پر ایک شکن ابھری۔

''مام، ہرج ہی کیا ہے۔؟'' اُس نے سلائس پر جیم لگاتے ہوئے خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کی پوری کوشش کی۔ وہ لمحہ آچکا تھا، جس کا اسے خوف تھا۔

اسے معلوم تھا ٹینا بیگم کو اپنی بیٹیوں کا پاکستان میں رہنا سخت ناپسند تھا۔ اس بات کے پیچھے کیا لاجک تھی، یہ بات ان کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، انہوں نے آنکھ کھولنے کے بعد دو ہی رشتے دیکھے تھے، ایک نانو کا اور دوسرا ماں کا۔ ان کے باپ کے متعلق بات کرنا ٹینا بیگم کو سخت ناپسند تھا اور شہرزاد نے اس معاملے میں کبھی کھوج لگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن رومیصہ اکثر و بیشتر ماں کی اس دکھتی رگ پر ضرور ہاتھ رکھتی۔

''تمہیں اندازہ ہے، تمہاری اس مہنگی ایجوکیشن پر کتنا پیسہ خرچ ہوا ہے میرا؟۔'' ٹینا بیگم کے لہجے میں نخوت در آئی اور وہ کروفر سے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ شہرزاد نے اپنا سر شکستگی سے جھکا دیا۔ اسکی سنہری آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

''تو کیا اب آپ ہم سے حساب کتاب لیں گی اپنی پرورش کرنے کا۔'' رومی کے لبوں پر زہر آلود تبسم ابھرا۔

''تم چپ رہو، ہزار دفعہ کہا ہے میرے معاملات میں مت بولا کرو۔'' وہ تلملا کر رومی کی طرف متوجہ ہوئیں، جسکا چہرہ ماں کی اس بات پر ایک دم سرخ ہوا اور اس نے ہاتھ میں پکڑا سلائس بدتمیزی سے ٹیبل پر پٹخا۔

''ایکسکیوز می۔۔۔'' وہ بھڑک کر کھڑی ہوئی۔

''اگر آپ کو اپنے معاملات میں دخل اندازی پسند نہیں تو فار گاڈ سیک، ہم دونوں بہنوں کو بھی چھوڑ دیں ہمارے حال پر اور جا کر ایک اور شوہر ڈھونڈیں چوتھی شادی کے لیے۔۔۔'' رومی بولی نہیں متنفر لہجے میں پھنکاری تھی۔

ٹینا بیگم کا دماغ لمحے بھر کو چکرا سا گیا۔ ان کا چہرہ فق ہوا، جب کہ رومی پاؤں پٹختی ہوئی ڈائننگ روم سے نکل گئی۔ شہرزاد نے خوفزدہ نظروں سے ماں کا ہراساں چہرہ دیکھا۔ انہوں نے اپنی کرسی کے بازو کو مضبوطی سے پکڑ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''آئی ایم سوری مام۔۔۔'' شہرزاد لپک کر ان کے پاس آئی اور نرمی سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔

''تم نے دیکھا، یہ مجھے کیا کہہ کر گئی ہے۔۔'' وہ صدمے بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔

''مام، پلیز ڈونٹ ٹیک ٹینشن، میں سمجھاؤں گی اسے۔۔۔'' وہ یوں شرمندہ تھی جیسے بدتمیزی رومی نے نہیں اس نے خود کی ہو۔

''اتنا تو علم تھا مجھے کہ یہ نفرت کرتی ہے مجھ سے، لیکن اس حد تک کرتی ہوگی یہ اندازہ نہیں تھا۔'' وہ میز کا سہارا لے کر بمشکل اٹھیں، اور مرے مرے قدموں کے ساتھ کمرے سے نکل گئیں۔ جب کہ شہرزاد کو اب گھنٹوں بیٹھ کر اس بات پر کڑھنا تھا۔ وہ حیران تھی کہ رومی نے اسے پاکستان تو بلوا لیا تھا لیکن ابھی تک وہ بات نہیں کی جسکی وجہ سے وہ ڈیپریس تھی۔ کالج سے آنے کے بعد وہ اپنی فرینڈز کے ساتھ نکل جاتی اور رات گئے ہی لوٹتی تھی۔

''مجھے رومیصہ سے کھل کر بات کرنی چاہیے۔۔۔'' وہ یہ سوچ کر اسکے بیڈ روم میں پہنچ گئی۔اندر داخل ہوتے ہی اسے شاک لگا۔رومی اپنے کمرے میں موجود نہیں تھی لیکن وہاں تو لگتا تھا جیسے بھوت ناچ کر گئے ہوں۔ ہر چیز الٹ پلٹ تھی۔

اسکی ڈریسنگ ٹیبل کا شیشہ کرچیوں کی صورت میں براؤن کارپٹ پر بکھرا ہوا تھا اور پاس ہی سنگ مرمر کا گلدان ٹوٹا ہوا تھا۔یقیناً شیشہ توڑنے کے لیے اسے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔بیڈ شیٹ آدھی زمین پر اور اسٹڈی میز کی کرسی اوندھی پڑی تھی۔دیوار پر لگی پینٹنگ کا بھی حشر نشر کر دیا گیا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ۔۔۔'' شہرزاد کو اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔

وہ نڈھال قدموں سے چلتی ہوئی اس کی اسٹڈی ٹیبل کے قریب پہنچی تو ایک اور شاک اسکا منتظر تھا۔رومی نے بچپن کی بے شمار تصویروں کا تیا پانچہ کر دیا تھا۔

ان تصویروں میں جہاں جہاں مام ان کے ساتھ کھڑی تھیں انہیں قینچی سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا تھا۔ ہر طرف تصویروں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ایسا لگتا تھا جیسے کاٹنے والے نے اپنا سارا غصّہ اور نفرت بیدردی سے ان پر اتارنے کی کوشش کی ہو۔

ایک درمیانی سائز کی تصویر اسے کارپٹ پر گری ہوئی ملی،اس تصویر میں شہرزاد اور رومیصہ کے درمیان میں کھڑیں ٹینا بیگم کے چہرے پر اس نے سیاہ رنگ کے مارکر سے کالک بھر دی تھی۔

وہ سیاہی، مایوسی کے رنگ میں ڈھل کر شہرزاد کو اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی،رومیصہ کی شخصیت کا یہ منفی رخ تو آج اس کے سامنے آیا تھا اور اسے پہلی ہی دفعہ اس حقیقت کا ادراک ہوا کہ وہ مام کو ناپسند ہی نہیں کرتی بلکہ ان سے بے تحاشا نفرت کرتی ہے۔اس سوچ نے شہرزاد کی زندگی کا رہا سہا سکون بھی غارت کر دیا۔مام کی کچھ چیزیں اسے بھی ناگوار گزرتیں تھیں لیکن وہ شخصی آزادی کی قائل تھی۔اس لیے اس نے ان کی پرسنل لائف میں مداخلت کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی،یہی وجہ تھی کہ اسکے ٹینا بیگم کے ساتھ تعلقات نسبتاً بہتر تھے۔

''ہمیں رومی کو کسی سائیکاٹرسٹ کو دیکھانا چاہیے۔'' وہ اسکے بیڈ روم سے نکل کر سیدھی لاؤنج میں ٹینا بیگم کے پاس پہنچی۔جو چہرے پر کھیرے کا ماسک لگائے

کاوچ پر لیٹی ہوئیں تھیں،اسکی بات پر وہ ہلکی سی بے چین ہوئیں اور اپنا چہرہ واش کر کے واپس آئیں تو شہرزاد وہیں کھڑی تھی۔

''ایک دفعہ لے کر گئی تھی میں اسے ایک سائیکاٹرسٹ کے پاس۔۔۔'' وہ بڑی نفاست سے ٹاول سے اپنا چہرہ صاف کر رہیں تھیں۔

''پھر،کیا کہا انہوں نے۔۔۔؟'' شہرزاد حیران ہوئی۔

'' نیکسٹ سیشن پر بلوایا تھا لیکن اس نے جانے سے صاف انکار کر دیا۔''انہوں نے ٹاول لاپرواہی سے صوفے پر اچھالا۔

''آپ نے زبردستی لے کر جانا تھا۔''شہرزاد اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

''یہ بھی کیا تھا۔۔۔'' ٹینا بیگم طنزیہ انداز میں مسکرائیں۔

''تو۔۔؟'' اس نے بھنویں اچکا کر تعجب کا اظہار کیا۔

''اس نے اپنی کلائی کی رگ کاٹ کر سوسائیڈ (خودکشی) کرنے کی ناکام کوشش کر ڈالی۔'' وہ استہزائیہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

''واٹ۔۔۔؟؟؟'' شہزاد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

وہ سخت حیرت اور بے یقینی سے ٹینا بیگم کا افسردہ چہرہ دیکھنے لگی، پہلی دفعہ اسے احساس ہوا کہ وہ اتنی بھی ینگ نہیں لگتیں، بڑھاپا تیزی سے اپنے قدم ان کی جانب بڑھا رہا تھا۔ رومیصہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی ٹینشن تھی۔

''کیوں، کر رہی ہے وہ ایسا۔۔۔؟'' شہزاد نے ان کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کچھ کھوجنے کی کوشش کی۔

''مجھے لگتا ہے کہ کوئی اسے میرے خلاف بھڑکاتا ہے۔'' وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائیں۔

''لیکن کون۔۔۔؟'' وہ تشویش میں مبتلا ہوئی۔

''ایک خوبصورت، کونفیڈنٹ اور کامیاب ورکنگ وومن کے ایک سو ایک دشمن ہو سکتے ہیں۔'' انہوں نے ملازمہ کے ہاتھ سے فریش اورنج جوس پکڑتے ہوئے شہزاد کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''لیکن اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہونا چاہیے مام، وہ خود کو بُری طرح spoil (تباہ) کر رہی ہے۔'' وہ اچھی خاصی پریشان تھی۔

''ہاں، میں سوچ رہی ہوں اسکا کوئی روحانی علاج کرواؤں، اور تم کل میرے ساتھ چلو گی۔'' انکی بات پر شہزاد نے سوالیہ نگاہ سے انکی جانب دیکھا۔

''پیر مراد علی شاہ کے مزار پر۔۔۔'' انکی اگلی بات نے شہزاد کا دماغ بھک سے اڑا دیا، وہ سخت حیرت اور بے یقینی سے مام کی طرف دیکھنے لگی، تنگ جینز کے ساتھ سلیولیس شرٹ پہنے اپنی بیٹی کے علاج کے لیے کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس جانے کی بجائے مزار پر جانے کی بات کر کے وہ اپنی لندن پلٹ بیٹی کو اپنی بھی ذہنی حالت کے بارے میں مشکوک کر چکیں تھیں۔

☆......☆......☆

صبح آٹھ بجے کا وقت تھا، طوبی اور درشہوار گھوڑے بیچ کر سوئیں ہوئیں تھیں، ویسے بھی ان دونوں کا ایف ایس سی کا رزلٹ کچھ ہی دنوں میں متوقع تھا اور اسی وجہ سے تاجدار بیگم بھی آجکل ان پر روک ٹوک نہیں کر رہیں تھیں۔ ورنہ تائی امی کو لڑکیوں کا دیر تک سوئے رہنا سخت ناپسند تھا۔

انابیہ نے سستی سے کمرے کے پردے ہٹائے، سامنے مری کے پہاڑوں پر ایک چمکتی ہوئی صبح طلوع ہو چکی تھی۔ ساری رات بارش برسنے کے بعد موسم اب تھوڑا کھل چکا تھا۔

انابیہ اور طوبی کے بیڈروم کی کھڑکیاں سامنے والے لان کی طرف کھلتیں تھیں۔اس وقت وہ سب کی نظروں سے چھپ کر برہان کو یونیورسٹی جاتے ہوئے دیکھا کرتی تھی، بی اے کے رزلٹ کے بعد اسکا ارادہ بھی اسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کا تھا۔جہاں برہان اسسٹنٹ پروفیسر تھے۔

برہان نے داجی اور محتشم علی کی سخت مخالفت کے باوجود یہ ملازمت جاری رکھی تھی۔وہ مزاجا اس گھر کے مردوں سے تھوڑا مختلف تھے۔اسی وجہ سے انابیہ بہت سال پہلے ہی خود کو ان کی محبت میں گرفتار ہونے سے نہیں روک پائی، جبکہ اس معاملے میں برہان نے کبھی بھی اسکی پذیرائی نہیں کی۔

اس نے کھڑکی سے دیکھا، وہ اپنا لیپ ٹاپ بیگ اٹھائے پورچ میں کھڑی گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔بلیک جینز پر انہوں نے ایک اسٹائلش اور اسمارٹ سی جیکٹ پہن رکھی تھی اور آنکھوں پر ان کا مخصوص سلور کلر کا چشمہ تھا۔

انہیں پورچ میں بڑھتے دیکھ ایک دم اسکے ذہن میں خیال آیا اور وہ دبے قدموں سیڑھیاں اتر کر ہال کمرے میں پہنچ گئی۔چھوٹے سے کوریڈور کے اینڈ میں انکا بیڈروم تھا۔وہ دائیں بائیں دیکھتے ہوئے دھڑکتے دل سے ان کے کمرے میں داخل ہوئی، گرے اور سفید رنگ کے کمبنیشن کے ساتھ کمرے کی سیٹنگ میں نفاست کا عنصر غالب تھا۔جیسمین سپرے کی خوشبو پورے کمرے میں رقص کر رہی تھی۔

اسے اپنے تایا زاد کزن برہان شروع ہی سے اچھے لگتے تھے لیکن نکاح کے بعد تو اسکے دل میں چھپا محبت کا ننھا پودا ایک تنا آور درخت کی صورت اختیار کر چکا تھا جسے برہان نے کبھی اپنی توجہ یا چاہت کا پانی دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ بے اختیار چلتی ہوئی ان کی اسٹڈی ٹیبل کے پاس آ کر رک گئی۔جہاں ان کے سبجیکٹ کی کتابیں ایک ترتیب کے ساتھ رکھی ہوئیں تھیں۔دائیں طرف ایک خوبصورت قلم ہولڈر تھا اس نے پین نکال کر سامنے رکھی نوٹ بک کھولی اور مسکرا کر اپنا اور ان کا نام لکھنے لگی۔

اچانک اس کی نظر سائیڈ میز پر رکھی ان کی کونووکیشن کی تصویر پر پڑی، کیمرے کی آنکھ میں محفوظ بے ساختہ مسکراہٹ نے ان کی اس تصویر کی دلکشی کو مزید بڑھا دیا تھا، وہ شیشے کے نفیس سے فریم میں مقید تھی۔انابیہ نے بڑی محبت سے اپنے دوپٹے کے آنچل سے اس فریم کا شیشہ صاف کیا۔اسے علم نہیں تھا کہ برہان کسی کام سے اپنے کمرے میں واپس لوٹ آئے تھے اور اب ناگواری سے انابیہ کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔۔؟" ان کا ناراض لہجہ انابیہ کی سماعتوں سے ٹکرایا، اور وہ جو اس اچانک چھاپے کے لیے تیار نہیں تھی، اس آواز پر اچھلی اور اسکے ہاتھ سے فریم پھسلا اور فرش پر کرچیوں کی صورت میں بکھرتا چلا گیا۔

برہان نے ناگواری سے پہلے زمین پر پھیلی کرچیوں کو اور پھر اپنی چچا زاد کزن کو دیکھا جس کا چہرہ فق ہو گیا تھا اور وہ خوفزدہ انداز میں اپنے لبوں پر ہاتھ رکھے سر جھکائے کھڑی تھی، برہان کی غیر متوقع آمد نے اسکے اوسان خطا کر دیئے تھے۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔۔؟" وہ بیزاری سے گویا ہوئے۔

"وہ میں، انگلش کی ڈکشنری لینے آئی تھی۔۔" انابیہ نے بوکھلا کر بہانہ بنایا۔

''نہیں ہے میرے پاس، جاؤ یہاں سے، اور اس بے وقوف صندل کو بھیجو، یہ کچرا سمیٹے یہاں سے۔'' انہوں نے سائیڈ میز پر رکھا اپنا فولڈر اٹھایا، جسے لینے کے لیے ہی وہ آئے تھے۔

انابیہ گھبرا کر ان کے کمرے سے نکلی اور باہر قدم رکھتے ہی اس کا دل دھک کر کے رہ گیا۔ سامنے داجی سفید کلف لگے شلوار قمیض میں کشمیری چادر کندھے پر رکھے اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑے، سخت ناگواری سے اسے برہان کے روم سے نکلتا دیکھ چکے تھے۔ آج انابیہ کی قسمت کا ستارہ گردش میں تھا۔

وہی قسمت جس پر اسے کچھ دیر پہلے رشک آ رہا تھا۔

''تم برہان کے کمرے میں کیا کر رہی تھیں۔؟'' ان کے کرخت لہجے نے انابیہ کی ٹانگوں کی جان نکال دی۔

داجی کے غصّے سے تو پورا جہان کانپتا تھا اور گھر کی خواتین میں سے سوائے تاجدار بیگم کے کوئی بھی ان سے بات کرنے کی ہمت نہیں کرتا تھا اور ویسے بھی وہ خاندان کی خواتین کو زیادہ لفٹ کروانے کے قائل نہیں تھے۔ ان کا زیادہ وقت اسلام آباد اور ملتان میں گذرتا تھا۔

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں، کیا کر رہی تھیں تم۔۔؟'' بڑھاپے میں بھی ان کی آواز کی گرج اچھے خاصوں کا دل دہلا دیتی تھی، انابیہ دکھ اور صدمے سے رو دینے کو تھی۔

برہان کے بھی مقدر کی خرابی، وہ بھی اسی لمحے اپنا فولڈر اٹھائے عجلت بھرے انداز میں کمرے سے نکلے اور سامنے داجی کی شکی نگاہوں سے نکلتے شعلوں نے انہیں سسپٹا کر رکھ دیا۔

''میر برہان محتشم، مانا کہ نکاح ہو چکا ہے تمہارا، لیکن شریف گھرانوں کی بھی کچھ روایات اور طور طریقے بھی ہوتے ہیں۔'' ان کا سفاک لہجہ، برہان کو اپنی ہی نظروں میں گرا گیا ضبط کی کوشش میں ان کا چہرہ لال ہوا لیکن انہوں نے اپنے لب سی لیے۔

وہ جانتے تھے داجی اپنے سامنے کسی اور کو صفائی کا موقع ذرا کم ہی دیتے تھے اور برہان سے تو باہر جا کر پڑھنے اور سیاست میں نہ آنے کی وجہ سے پہلے ہی خفا رہتے تھے، ان کے اس سرد رویئے کی بناء پر برہان بھی ان سے دُور دُور ہی رہتا تھا۔

''جو کچھ فرنگیوں کے ملک سے سیکھ کر آئے ہو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں، سمجھے، جاؤ دونوں یہاں سے۔'' الفاظ کا یہ چابک ان کے اعصاب پر کسی بلڈوزر کی طرح گرا، داجی کا یہ انداز سراسر تضحیک آمیز تھا۔ ذلت کے گہرے احساس کے ساتھ برہان تقریباً اڑتا ہوا کمرے سے نکلا تھا، اس کا دھواں دھواں چہرہ انابیہ کو دائمی خلش میں مبتلا کر گیا۔

وہ کرب سے لب بھینچ کر رہ گئی۔ اس کی شہد رنگ آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گرنے لگے۔ وہ نم آلود آنکھوں سے بمشکل ٹانگیں گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں پہنچی تو طوبیٰ کو وہاں نہ پا کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ واش روم میں جا کر وہ اب کھل کر رو سکتی تھی۔

☆......☆......☆

''ماما کیا ہوگیا ہے آپ کو۔؟ اتنا بچّی تو آپ اس وقت نہیں ہوئیں جب میں یوکے گیا تھا۔'' ہادی نے بوکھلا کر کمبل ہٹایا اور ذرا محتاط انداز میں ماں کو دلاسا دینے کی کوشش کی، جو اس وقت اسلام آباد میں موجود اپنے گھر میں رو رو کر ایک چھوٹا سا ڈیم بنا چکیں تھیں۔ صبح صبح آنے والی ان کی کال نے ہادی کی نیند بھک کر کے اڑا دی تھی۔

''ہاں تو اس وقت تو درمیان میں سات سمندر حائل تھے، اب تو ایک گھنٹے سے بھی کم کا سفر ہے، لیکن تمہیں اتنی توفیق نہیں ہوتی، آ کر بوڑھی ماں سے مل جاؤ''

وہ رونا بھول کر اسکی کلاس لینے لگیں تو ہادی کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''بوڑھے ہوں آپکے دشمن، آپ تو اچھی خاصی انرجیٹک اور ینگ وومن ہیں۔'' اس نے ماں کو بہلانے کی کوشش کی۔

''بس بس رہنے دو۔ زیادہ مسکا بازی کرنے کی ضرورت نہیں، اپنے باپ کی طرح۔'' ان کی جھاڑ سن کر ہادی کی طبعیت ایک دم فریش ہوگئی۔

''باپ بیچارے کا تو خوامخواہ سے نام بدنام کر رکھا ہے لوگوں نے۔۔'' عبداللہ صاحب کی بھی کمرے میں انٹری ہو چکی تھی، ان کی آواز ریسور میں سے ہادی کی سماعتوں تک پہنچی تو وہ مسکرا دیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب کون سی جنگ عظیم شروع ہونے والی ہے۔

''دنیا میں دو ہی تو معصوم اور بھولے بھالے ہیں، ایک آپ اور ایک آپکا بیٹا۔۔'' عالیہ بیگم طنزیہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

''بھئی اب تم کہیں اور کا غصّہ مجھ پر تو نہ نکالنے کی کوشش کرو۔'' عبداللہ صاحب گھبرا گئے۔

''سارا کیا دھرا آپکا ہے، اللہ نے تیرہ سال بعد اولاد دی، اسے بھی اٹھا کر پہلے باہر بھجوا دیا پڑھنے کو، اور اب نوکری پر ٹنگا دیا اتنی دور۔ آگ لگے اس کڑوڑوں کی جائیداد کو، جس کے ہوتے ہوئے ماں بیٹے کے درمیان اتنی دوری ڈال دی۔'' عالیہ بیگم ایک دم پھٹ پڑیں۔

''توبہ توبہ، آج تو سرحدوں پر سخت کشیدگی ہے، بیٹا جی پہلی فرصت میں سیز فائر کروانے پہنچیں یہاں۔'' عبداللہ صاحب نے بیوی کے ہاتھ سے سیل فون پکڑا اور اسپیکر آن کر کے ہادی کو مخاطب کیا۔

''جی جی پاپا۔۔اس ویک اینڈ پر آتا ہوں۔۔'' وہ خود بھی ماں کے جذباتی انداز پر بوکھلا گیا، اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ وہ اس طوطے کی طرح تھا، جس میں اس کی ماں کی جان قید تھی۔

''یقین مانو بیٹا صبح و شام، نیناں بہائے جاتے ہیں، مکیش اور رفیع کے گانے سنے جاتے ہیں، ایسا کوئی دکھی قسم کا ماحول بنا ہوا ہے گھر کا، کہ سارے ملازم، چرند پرند ہر کوئی صبح و شام روتا دکھائی دیتا ہے۔۔'' عبداللہ صاحب کا شرارتی لہجہ عالیہ بیگم کو مزید تپا گیا۔

''سن رہے ہو اپنے باپ کی باتیں، ایک ماں کی محبت کا ایسا مذاق اڑاتے ہیں۔۔'' عالیہ بیگم بیزاری سے گویا ہوئیں۔

''کیا ہو گیا ہے ماما، اتنا تو پیار کرتے ہیں پاپا آپ سے، اسی وجہ سے تو ایک منٹ بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل ہونے نہیں دیتے، ورنہ کتنا کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ آ کر رہیں یہاں مری میں۔۔'' اسے ہمیشہ کی طرح ثالثی کا کردار نبھانا پڑا۔

''بس بیٹا، تم دنیا کے واحد شخص ہو جو میرے جذبات سمجھ سکتے ہو، کچھ اپنی ماں کو بھی سمجھا دیا کرو۔'' عبداللہ صاحب ابھی بھی غیر سنجیدہ تھے۔

''بابا، آپ بھی ذرا کم تنگ کیا کریں ماما کو۔'' ہادی نے مسکرا کر سعد کو اندر آنے کا اشارہ کیا، جو کافی کے دو بڑے مگ اٹھائے دروازے میں کھڑا تھا۔

وہ کل ہی اسکے گھر میں شفٹ ہوا تھا اور آج تھکن کی وجہ سے دونوں نے ہی آفس سے چھٹی کر لی تھی۔ سعد نے ٹرے ایک طرف رکھ کر بیڈروم کی کھڑکی کا پردہ ہٹایا تو سامنے میر ہاؤس کے پچھلے لان کا منظر بالکل صاف تھا۔ ہادی کا بیڈروم فرسٹ فلور پر تھا اور کمرے کے دو اطراف میں کھڑکیاں تھیں جن میں سے دو پچھلے لان کی سائیڈ پر اور دو میر ہاؤس کی گیلری کی جانب کھلتی تھیں۔

میر ہاؤس کے پچھلے لان میں اس وقت درشہوار اور طوبیٰ نے خوب طوفان برپا کر رکھا تھا۔ درخت کے مضبوط تنے سے باندھے گئے جھولے پر بیٹھی درشہوار کی بلند آواز میں کی جانے والی شاعری سعد کو بغیر کسی دقّت کے سنائی دے رہی تھی۔

فصل گل آئی، کھلے باغ میں خوشبو کے علم

دل کے ساحل پر ترے نام کا تارہ چمکا

''دو منٹ کے اندر نیچے اتر جاؤ جھولے سے، ورنہ دن میں تارے دکھا دوں گی تمہیں۔'' طوبیٰ نے منہ پر ہاتھ پھیر کر درشہوار کو دھمکی دی تو سعد کو ہنسی آ گئی، اسے ہنستا دیکھ کر ہادی بھی اسکے پیچھے آن کھڑا ہوا، وہ بابا سے بات کر کے فون بند کر چکا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔۔'' اس کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری جھلکی۔

''بڑی مزے کی اور زندہ دل لڑکیاں ہیں یار۔۔'' سعد سامنے کا منظر دیکھ کر کھل کر مسکرایا، کیونکہ طوبیٰ نے ہاتھ میں پکڑا کشمیری سیب کھینچ کر درشہوار کی کمر پر دے مارا تھا اور وہ تڑپ کر جھولے سے اتری اور جوابی حملہ کرنے کے لیے دائیں بائیں سے کوئی ہتھیار ڈھونڈنے لگی۔

''بُری بات ہے یار، اپنے لان میں وہ جو مرضی کریں۔۔'' محمد ہادی کو سعد کی تانک جھانک ایک آنکھ نہیں بھائی، ویسے بھی وہ میچورڈ، سلجھا ہوا اور اپنے کام سے کام رکھنے والا بندہ تھا۔

''بے فکر رہو، فوجیں اپنی حدود سے نکل کر ہماری حدود میں داخل ہو چکی ہیں۔'' سعد کے شوخ لہجے پر اس نے بیزاری سے نیچے جھانکا۔

درشہوار بڑی مہارت سے درمیانی باڑ پھلانگ کر اسکے لان میں لگے خوبانی کے درخت پر چھلاوے کی طرح چڑھی اور اب وہاں سے پکی ہوئی خوبانیاں توڑ توڑ کر طوبیٰ پر حملے کرنے لگی۔

''بہت ہی ڈفر اور بدتمیز لڑکی ہے، اسکا تو میں دماغ درست کرتا ہوں۔'' ہادی کا دماغ گھوما۔ وہ میزائل کی طرح اڑتا ہوا اپنے پچھلے لان میں پہنچا، تب تک درشہوار اس کے آدھے درخت کی تباہی پھیر چکی تھی۔

محمد ہادی کو سامنے دیکھ کر طوبیٰ جو خوبانیاں اپنی جھولی میں ڈال رہی تھی، ہرنی کی طرح فراٹے بھرتی اندر کی جانب دوڑ گئی، جبکہ درشہوار درخت پر ٹنگی کھسیانی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا کان کھجانے لگی، یہ اسکا مخصوص اسٹائل تھا جو وہ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر بناتی تھی۔

''محترمہ، ذرا نیچے اتریں شرافت سے۔۔۔'' محمد ہادی کے دھمکی آمیز لہجے پر وہ ڈرتے ڈرتے چھلانگ مار کر نیچے اتری اور اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور دھڑم کر کے لان میں سجدہ ریز ہوگئی۔

''ارے رے، چوٹ تو نہیں لگی آپکو۔۔۔'' سعد جو ہادی کو منع کرنے کیلئے اسکے پیچھے وہاں پہنچا تھا، سامنے کا منظر دیکھ کر بوکھلا گیا۔

درشہوار خجالت بھرے انداز سے بمشکل اٹھی اور اپنے کپڑے جھاڑنے لگی، جس پر مٹی اور گھاس کے تنکے چپک گئے تھے جبکہ اسکی کمر علیحدہ دہائی دے رہی تھی، جس پر زمین پر پڑے کسی پتھر کی نوک ٹھیک ٹھاک چبھی تھی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہو رہی تھی یہاں۔۔۔؟'' ہادی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک آدھ تھپڑ جڑ دیتا۔

''کچھ نہیں، خوبانیاں توڑ رہے تھے۔'' اسکی بے نیازی ہادی کا دل جلا گئی جبکہ سعد کے ہونٹوں پر بڑی بے ساختہ مسکراہٹ دوڑی۔

''کیوں، یہ میر حاکم علی کے باپ کی جاگیر ہے۔۔؟ جہاں جب چاہے منہ اٹھا کر چلی آتیں ہیں آپ۔'' ہادی کا تلخ لہجہ سن کر درشہوار اور سعد کا دماغ بھک کر کے اڑا جبکہ وہ مذید کہہ رہا تھا۔ ''آئندہ ایسا کیا تو میں ڈائریکٹ انہی کے پاس جاؤں گا کہ اپنی زبان میں سمجھا لیں اپنے گھر کی خواتین کو۔ محمد ہادی کا دھمکی آمیز انداز درشہوار کے تن بدن میں آگ لگا گیا، وہ کہاں عادی تھی اس قسم کے لہجے کی۔ تذلیل کا گہرا احساس خنجر کی طرح اسکے وجود کو کاٹنے لگا۔

''اچھا تو یہ کس کی جاگیر ہے، ذرا روشنی ڈالنا پسند کریں گے آپ۔'' آگے بھی درشہوار تھی، آسانی سے ہار نہ ماننے والی۔

''جس کی بھی ہو، آپکو اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے اور برائے مہربانی اپنی آمدورفت اپنی سائیڈ پر ہی محدود رکھیں۔'' خوبانیوں کا حشر نشر دیکھ کر ہادی کا خون کھول اٹھا تھا۔

''ایسا کریں، اپنی حدود کے اندر برقی رو دوڑا دیں، کیونکہ اسکے علاوہ تو کوئی اور چیز درشہوار کو یہاں آنے سے روک سکتی نہیں۔'' دو قدم آگے بڑھ کر ہادی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ پاس کھڑے سعد کے تو چھکے چھڑا گئی، البتہ محمد ہادی ایک دم تلملا اٹھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا، درشہوار نے انگلی اٹھا کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

''اور جہاں تک بات میر حاکم علی کو بتانے کی ہے تو یہ شوق بھی پورا کر لیں، لیکن اس سے پہلے یہ ضرور دیکھ لیجئے گا کہ مری کے کس قبرستان میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔۔۔'' درشہوار کی بھوری آنکھوں میں غصّہ اور تراشیدہ ہونٹوں کے خم پر ایک زہریلی مسکراہٹ ابھری۔

''دھمکی دے رہیں آپ مجھے اس شخص کے نام کی، جسکی اوقات پورا پاکستان جانتا ہے۔''اس نے ایک دم مشتعل انداز میں بے اختیار ہی درشہوار کا بازو پکڑا جو وہاں سے جانے کے لیے پر تول رہی تھی۔ اسکی مضبوط انگلیاں، درشہوار کے نرم بازو پر کسی گرم سلاخ کی مانند گھستی ہوئی محسوس ہوئیں تھیں۔ اس کی آنکھوں میں اس قدر سفاکی تھی کہ ایک لمحے کو درشہوار بھی گڑبڑا گئی۔

''کیا ہو گیا ہادی، چھوڑو ان کا بازو۔۔۔'' سعد نے بوکھلا کر مشتعل ہوتے ہادی کو اپنی طرف کھینچا۔ جسکی آنکھوں سے اس وقت آگ کے گولے نکل رہے تھے، جیسے سامنے والے کو زندہ جلا کر بھسم کرنے کا ارادہ ہو۔

درشہوار نے جھٹکے سے اپنا بازو اس سے چھڑایا، اور متنفر انداز میں اسکی طرف دیکھتے ہوئے بڑے سکون سے اپنے لان کی طرف چل دی، اسکے اندر ایک حشر برپا تھا لیکن وہ اپنے اندر ہونے والی اچھاڑ پچھاڑ کو باہر کی دنیا کے لوگوں پر ذرا کم ہی ظاہر کرتی تھی، یہ اسے اپنی ذات کی سب سے بڑی توہین محسوس ہوتی تھی، لیکن اس وقت تو داجی کے بارے میں کہے ہوئے جملے نے اسے سلگا کر رکھ دیا تھا۔

''مسٹر ہادی۔۔۔آپکو اندازہ نہیں ہے، کس طوفان کو خود سے دعوت دے چکے ہیں آپ۔''واش روم میں پورا آدھا گھنٹہ اپنی کلائی ٹھنڈے پانی کے نل کے نیچے رکھنے کے بھی وہ اپنے اندر بدلے کی آگ کو کم نہیں کر سکی۔

''کیا کہہ رہا تھا وہ سڑیل، کہیں خوبانیوں کے پیسے تو نہیں مانگ لیے۔۔۔''وہ جیسے ہی واش روم سے باہر نکلی، طوبیٰ بڑے مزے سے اسکے بیڈ پر بیٹھی، وہی خوبانیاں مزے سے کھا رہی تھی۔ پاس ہی درشہوار کا لیپ ٹاپ رکھا ہوا تھا۔

''کچھ نہیں۔۔۔'' درشہوار نے بیزاری سے ہاتھ میں پکڑا تاول اسٹینڈ پر پھینکا اور کمرے میں آتی ہوئی دھوپ کو کم کرنے کے لیے جیسے ہی پردے کی طرف ہاتھ بڑھایا، اسے جھٹکا لگا۔

درشہوار کے کمرے کی بائیں دیوار کے عین سامنے محمد ہادی کے کمرے کی دائیں سائیڈ والی دو کھڑکیاں تھیں اور درمیانی فاصلہ صرف چند فٹ کا تھا۔۔۔ان دونوں کمروں کے درمیاں میں چھوٹی سی گیلری اور چند فٹ کی مشترکہ دیوار تھی جو خاصی نیچے تھی۔

ہادی کے کمرے کی شیشے کی دونوں کھڑکیاں اس وقت بند تھیں لیکن پردے ہٹے ہونے کی اور لائیٹ جلنے کی وجہ سے اندر کا منظر بالکل صاف دیکھائی دے رہا تھا۔ اس وقت وہ اپنے سامنے کھڑے ملازم کے اوپر برس رہا تھا، ان دونوں کے چہروں کے تاثرات سے درشہوار کو اندازہ ہوا کہ دونوں کے درمیان گفتگو کوئی خوشگوار نہیں تھی، گرج برس کر وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

درشہوار کے چہرے پر ایک زہریلی مسکراہٹ دوڑی، وہ تیزی سے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر نکلی اور عجلت بھرے انداز میں سیڑھیاں اتر کر ڈرائینگ روم کی میز پر رکھا سنگ مرمر کا بھاری ایش ٹرے اٹھا کر لے آئی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں، کیوں شرلاک ہومز کی طرح پورے گھر میں گھوم رہی ہو۔؟ یہ ایش ٹرے کیا کرنا ہے کہیں خدانخواستہ اسموکنگ تو نہیں شروع کر دی۔''

لیپ ٹاپ پر اپنا فیس بک اکاونٹ کھولے طوبیٰ نے نظریں اٹھا کر حیرت سے درشہوار کا خفا چہرہ دیکھا۔

''طبعیت سیٹ ہے تمہاری۔۔؟'' اسکی معنی خیز خاموشی طوبیٰ کے لیے الجھن کا باعث بنی، وہ جانتی تھی درشہوار کے لیے خاموش بیٹھنا دنیا کا مشکل ترین کام تھا، جو وہ مشکل ہی سے سرانجام دیتی تھی۔

''میری طبیعت تو ٹھیک ہے، لیکن کسی اور کی سیٹ کرنے لگی ہوں۔'' درشہوار نے غصّے سے اپنی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر اسے کھولا اور پوری قوت سے اپنے ہاتھ میں پکڑا ایش ٹرے گھما کر ہادی کی کھڑکی پر دے مارا۔ فضا میں شیشہ ٹوٹنے کی بلند آواز گونجی، اور طوبیٰ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''پاگل ہو گئی ہو گیا۔۔؟'' وہ اچھل کر بیڈ سے اتری اور متاسفانہ انداز میں کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

سامنے محمد ہادی کا کمرہ اس وقت خالی تھا لیکن شیشہ ٹوٹنے کی آواز یقیناً نیچے موجود مکینوں تک بھی گئی ہو گی۔ طوبیٰ نے بوکھلا کر پردے برابر کیے اور درشہوار کا بازو پکڑ کر زبردستی اسے بیڈ پر بیٹھایا۔ جسکا چہرہ سرخ اور آنکھوں میں خفگی کا ایک جہان آباد تھا۔

''یہ کیا بے ہودا حرکت کی ہے تم نے۔۔۔؟'' طوبی نے غصّے سے اسکا کندھا ہلایا۔

''ابھی تو آغاز ہے، بڑا دردناک انجام ہو گا۔۔۔'' درشہوار کے ماتھے کی پھڑکتی رگ اسکے اندرونی خلفشار کی بھرپور عکاسی کر رہی تھی۔ اسکی آنکھوں میں رینگتی انتقامی مسکراہٹ دیکھ کر طوبیٰ الجھ گئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس پر مذید غور و فکر کرتی، کمرے میں اچانک ایک دھماکہ ہوا اور دونوں کا دل بھی دھک کر کے رہ گیا۔ درشہوار کی کھڑکی کا شیشہ بھی شہید ہو چکا تھا۔ اسٹیل کا ایک بھاری سا گلدان اڑتا ہوا کارپٹ پر آ گرا۔

دونوں خوفزدہ انداز میں اچھل کر پیچھے ہٹیں، اور حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات سے گولڈن کلر کے اس قدیم گلدان کو دیکھنے لگیں، جو حجم میں چھوٹا لیکن وزن میں کسی طور بھی تین چار کلو سے کم نہیں تھا۔

''یہ کیا ہوا ہے۔۔۔؟'' طوبیٰ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''جوابی حملہ۔۔۔'' درشہوار بڑے مزے سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑا ہو۔

''اس کا کیا مطلب ہے۔۔۔؟'' طوبیٰ جھنجھلا گئی۔

''اسکا مطلب ہے حریف، خاندانی اور ٹکر کا ہے، اور مقابلہ تو ایسے ہی لوگوں کے ساتھ جچتا ہے۔'' درشہوار کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ نے احاطہ کیا اور طوبی یوں تعجب سے اسے دیکھنے لگی جیسے اس کی خرابیِ دماغ کا یقین آ گیا ہو۔

☆......☆......☆

آستانہ مراد علی شریف پر آج آنے والوں کا تانتا باندھا ہوا تھا۔مزار کے احاطے میں لگے کیکر کے درخت پر منت کے رنگ برنگے کپڑوں کی ٹلیاں لٹک رہی تھیں اور ایک دو ٹہنیوں پر تو بے اولاد عورتوں نے چھوٹے چھوٹے پنگوڑے لٹکا رکھے تھے۔مری کے اس گاوں میں واقع اس مزار پر موجود خواتین میں تعلیم اور شعور کی کمی اور عقیدت کی فروانی تھی۔

اسی مزار کے صحن میں بنے چبوترے پر شیشم کے درخت کا گھنا سایہ تھا اور میلی سی دری پر بیٹھا سائیں بابا کا سر وقفے وقفے سے جھولتا رہتا۔گلے میں رنگ برنگے موتیوں کی ڈھیروں مالائیں اور سبز رنگ کا چوغہ جو جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا۔

"مام کو پتا نہیں کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی۔"شہرزاد نے کوفت بھرے انداز میں ٹیٹنا بیگم کی طرف دیکھ کر سوچا،جو مزار کے احاطے میں رکھے لکڑی کے باکس میں اچھی خاصی رقم ڈالنے میں مصروف تھیں۔

خواتین کا ایک گروپ سائیں بابا کے ارد گرد گھیرا ڈالے بیٹھا اپنے لیے دعا کرنے کی التجائیں کرنے میں مصروف تھا۔شہرزاد کو یہاں آکر عجیب سا احساس ہوا،وہ ٹیٹنا بیگم کے ایک دفعہ کہنے پر ہی ان کے ساتھ چلی آئی تھی،لیکن اس قسم کی صورتحال کا اندازہ نہیں تھا اسے۔

"حق مولا۔۔۔"سائیں بابا کو ایک دم جوش آیا اور وہ بلند آواز میں نعرہ لگا کر مزار کے احاطے میں گول گول چکر کاٹنے لگا۔جب کہ مزار میں موجود مریدنیاں عقیدت بھری نگاہ سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"بہت پہنچی ہوئی ہستی ہیں سائیں بابا۔۔۔" ایک خاتون کا جملہ شہرزاد کی سماعتوں میں پہنچا اور اس نے ناگواری سے کھڑے کھڑے پہلو بدلا۔

"مام پلیز چلیں۔۔۔" شہرزاد کی برداشت کی حد ختم ہوگئی۔

"مسز بخاری بتا رہی تھیں،بڑی متبرک جگہ ہے،یہاں سے کوئی نامراد نہیں جاتا۔"ٹیٹنا بیگم پسینے سے شرابور مڑ کر بولیں۔اچھے خاصے سرد موسم میں بھی کچھ دیر دھوپ میں کھڑے رہنے کی وجہ سے دونوں کو پسینہ آگیا تھا۔

"مرادیں پوری کرنے والی ذات اوپر ہے،آپ لوگ خوامخواہ اسے زمین پر ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔"وہ اپنے خیالات کا اظہار ذرا بلند آواز میں کر گئی،اتنے سال ملک سے باہر رہنے کے باوجود اسکے عقائد خاصے پختہ تھے۔

سائیں بابا جو وجد کے عالم میں گول گول چکر کاٹ رہے تھے،ان کو کرنٹ سا لگا اور ان کے متحرک قدموں کی گردش ایک لمحے میں رکی،اور وہ بڑی سرعت سے شہرزاد کے عین سامنے جا کر کھڑے ہوگئے۔وہ خوفزدہ ہو کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"یہ سارا ڈھونگ اوپر والے کا ہی ہے پتر،ہم تو اسکے ہاتھ کی بنائی وہ کٹھ پتلیاں ہیں جنہیں وہ آسمانوں پر بیٹھ کر انگلی کے اشارے سے چلاتا ہے۔خود کو اس کے اشاروں پر چلنا سیکھا،ورنہ دنیا تیری ڈگڈگی بجادے گی۔"وہ اسکے پاس آکر پراسرار انداز میں گویا ہوا،بدبو کا ایک بھبھوکا شہرزاد کی ناک سے ٹکرایا اور وہ بے اختیار پیچھے ہٹی۔

''منہ کی بدبو سے نہیں اندر کی غلاظت سے ڈر، جو قبر میں بچھوؤں کو اپنی طرف راغب کرتی ہے۔'' سائیں بابا نے پوری قوت سے ہاتھ میں پکڑا ڈنڈا زمین پر مارا اور اللہ ہو کا نعرہ لگاتے ہوئے ایک دفعہ پھر عالم وجد میں رقص کرنے لگا۔

شہزاد کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا، وہ اڑتی ہوگی اپنی گاڑی تک پہنچی اور جھٹ سے دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ اسکے دل کی دھڑکنیں ابھی بھی بے ربط تھیں۔

''اوہ مائی گاڈ، بہت رش تھا آج۔'' ٹینا بیگم بھی اسکے پیچھے ہی گاڑی تک پہنچ گئیں، انہوں نے بڑی مشکل سے لی ہوئی چادر لاپرواہی سے اتار کر سیٹ پر پھینکی اور منرل واٹر کی بوتل کھول کر پانی پینے لگیں۔

''کون سی دعا کرنے آئیں تھیں آپ۔۔'' شہزاد نے ہلکی سی ناگواری سے اپنا بیگ کھول کر سن گلاسز نکالے۔

''رومی کی مینٹل کنڈیشن میں بہتری لانے کی۔۔'' انہوں نے ڈرائیور کو گاڑی چلانے کا اشارہ کیا۔

''واٹ۔۔۔؟'' شہزاد کو جھٹکا لگا اور وہ مڑ کر مام کا چہرہ حیرانگی سے دیکھنے لگی۔

''مجھے یقین ہے، اسکا دل میری طرف پلٹ آئے گا، ماں ہوں میں اسکی، دل دکھتا ہے میرا اسکی حالت دیکھ کر۔'' ٹینا بیگم کی آواز بھرا گئی۔

''آپ کو اسے کسی اور اچھے سائیکاٹرسٹ کو دکھانا چاہیے۔۔'' شہزاد نے محتاط انداز میں مشورہ دیا۔

''وہ کہیں نہیں جائے گی میرے ساتھ۔'' ان کی صاف گوئی میں دل دکھاتی رنجیدگی شامل تھی۔

''اوکے، میں کوشش کر کے دیکھتی ہوں۔۔'' شہزاد نے مام کو دلاسا دینے کے لیے نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑا، لیکن انہوں نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

وہ دونوں جیسے ہی گھر پہنچیں تو ایک اعصاب شکن مرحلہ ان کا منتظر تھا۔ گیٹ سے پورچ کی طرف جانے والی روش پر دو بڑے سرخ رنگ کے گملے ٹوٹے ہوئے پڑے تھے اور مالی منہ بناتے ہوئے سارا کچرا اسمیٹ رہا تھا۔

''یہ کس نے توڑے ہیں۔۔۔؟'' ٹینا بیگم اپنی گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے مالی پر برسیں۔

''ہارون صاحب نے۔۔۔'' مالی نے ہلکا سا جھجک کر جواب دیا۔

''اس باسٹرڈ کا دماغ خراب ہے کیا، آج پھر کچھ چڑھا آیا ہو گا احمق انسان۔'' ٹینا بیگم سلگ کر بولیں جبکہ شہزاد ایک متاسفانہ سانس بھر کر رہ گئی، اسکی مام کے اس شوہر کے ساتھ ایک سرسری سی ملاقات ہوئی تھی لندن میں اور وہ اسے پہلی ہی نظر میں اچھے نہیں لگے تھے۔

''اللہ نے بھی چن چن کر نمونے لکھ دیئے ہیں میری قسمت میں۔۔۔'' ان کے چہرے کے زاویئے بگڑے۔ بیزار انداز سے پاؤں پٹختی ہوئیں وہ اندر کی جانب بڑھیں اور شہزاد کو بھی مجبوراً ان کی پیروی کرنی پڑی۔

ٹینا بیگم نے جیسے ہی لاؤنج میں قدم رکھا، ہارون رضا مشتعل انداز میں ان کی جانب لپکے، وہ شہزاد کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ ویسے بھی ٹینا بیگم کی موجودگی میں ان کا سارا دھیان انہی کی طرف رہتا تھا۔

''بلاؤ اپنی اس گندی اولاد کو، جس نے پورے شہر میں بے غیرتی اور بے حیائی کی ایک داستان رقم کر دی ہے۔'' ہارون رضا نے ہاتھ میں پکڑا پیپسی کاٹن پیک بڑے غصے سے دروازے کی طرف اچھالا جو شہزاد کے عین قدموں میں آن گرا۔

''کس کو رومیصہ کو۔۔۔؟'' ٹینا بیگم کا دل دھک کر کے رہ گیا۔ ابھی تو انہیں مزار پر چڑھاوا چڑھائے ہوئے دو گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے۔

''ظاہر ہے، وہی تو ہے جس نے تمہارا سکون برباد کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔'' وہ بیزاری سے گویا ہوئے۔

''کیا، کیا ہے اس نے۔۔۔؟'' ٹینا بیگم کی آواز قدرے مدھم ہوئی۔

''دیکھو ذرا، اپنی ولگر (بے حیا) بیٹی کا کارنامہ۔۔۔'' ہارون رضا، شہزاد کی موجودگی سے بے خبر اپنے ہاتھ میں پکڑی ٹیب پر تیزی سے انگلیاں چلانے لگے۔ شہزاد کو اپنی بہن کے لیے ہارون کا جملہ اور لہجہ سخت بُرا لگا لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہی۔

''کچھ پتا بھی تو چلے، کیا دیکھانا چاہ رہے ہیں آپ۔۔۔؟'' ٹینا بیگم کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہوا۔

''وہ دیکھاؤں گا، جسے دیکھ کر ہوش اڑ جائیں گے تمہارے اور اگلے کئی سال تک تم دنیا والوں سے منہ چھپاتی پھرو گی۔'' ہارون رضا کے متنفر لہجے میں کچھ تھا، جو شہزاد کا دل بھی دہلا گیا۔ وہ بھی چند قدم آگے بڑھ آئی۔ ٹینا بیگم کی نظر ٹیب پر کھلے فیس بک کے پیج پر پڑی اور ان کا دماغ بھک کر کے اڑ گیا، وہ لبوں پر ہاتھ رکھ کر خوفزدہ انداز میں ایسے پیچھے ہٹیں، جیسے کوئی بہت بڑا عفریت دیکھ لیا ہو۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول شہزاد ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گھن گھرج میں دیوتاؤں کا سا غضب تھا۔ موسلا دھار بارش لگتا تھا آج اپنے ساتھ ہر چیز کو ہی بہا کر لے جائے گی۔ شہزاد کے دل نے شدت سے تمنا کی کہ یہ طوفان اپنے ساتھ اس ساری ذلت اور رسوائی کو بھی بہا کر لے جائے، جو اسکے خاندان کا مقدر بننے والی تھی۔

وہ سر اٹھائے گلاس وال سے بارش میں شور مچاتے درختوں اور جھومتی ہوئی شاخوں کو دیکھ رہی تھی، اسکی نگاہیں باہر کے مناظر پر اور ذہن کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔ وقت جیسے ٹھہر گیا تھا۔

کمرے میں موت کا سا سناٹا تھا۔ ہر طرف خوف کے نادیدہ سائے رقصاں تھے۔ شہزاد اور ٹینا بیگم کے وجود کو آنے والے لمحوں کا خوف کسی دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا۔ وہ دونوں کبھی بے چین انداز سے ٹہلنے لگتیں اور کبھی سر تھام کر صوفے پر بیٹھ جاتیں۔

کلاک کی ٹک ٹک ان کے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی، شام کے سات بجنے والے تھے اور رومی کا دُور دُور تک کچھ پتا نہیں تھا۔ عموماً اس کی آنے جانے کی کوئی ٹائمنگ نہیں تھی لیکن پھر بھی وہ زیادہ تر گھر میں ہی پائی جاتی تھی، اور آج تو اس نے اپنا سیل فون بھی پاورڈ آف کر رکھا تھا۔

''کہاں رہ گئی ہے وہ۔۔۔'' شہزاد بے چین ہوئی۔

''کہیں بیٹھ کر پھر کوئی اور نیا بے ہودا کارنامہ سرانجام دے رہی ہوگی۔۔'' ٹینا بیگم کا تلخ لہجہ، اسکی کنپٹیوں میں گرم سیال مادہ دوڑا گیا۔

''میں سمجھاؤں گی اسے۔۔۔'' شہزاد دھیمے سے شکست خوردہ لہجے میں گویا ہوئی۔

''اور وہ تو جیسے سمجھ ہی جائے گی۔۔۔'' انہیں رومی کے متعلق ایسی کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔

اسی وقت ٹینا بیگم کے سیل فون کی مترنم گھنٹی بجی، وہ دونوں خوف سے ایسے اچھلیں، جیسے کمرے میں کسی نے بم کی موجودگی کی اطلاع دے دی ہو۔

''ہیلو۔۔۔'' انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی مرے مرے انداز میں کال اٹینڈ کر لی۔

''ٹینا، کہاں ہو تم۔؟ دوسری جانب مسز افتخار کے بے چین انداز پر ان کا دم بُری طرح دھڑکا۔

''یہیں ہوں، خیریت۔۔۔؟'' انہوں نے دانستہ محتاط انداز اپنایا۔

''سماول تو بہت ہی عجیب بات بتا رہی ہے مجھے رومیصہ کے متعلق، سچ پوچھو مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔۔'' دنیا کے منہ کھل چکے تھے اور مسز افتخار کی کال اس بات کا پہلا ثبوت تھی۔ انکی بیٹی سماول، رومیصہ کی کلاس فیلو تھی اور دونوں فیملیز کا اچھا ریلیشن شپ تھا آپس میں۔

''کیا۔۔'' اذیت سے ٹینا بیگم کا چہرہ تاریک ہوا، اسکا مطلب تھا کہ یہ بات انکے سوشل سرکل میں پھیل چکی تھی۔

''کیا تمہیں، نہیں پتا۔۔۔؟'' دوسری طرف وہ حیران ہوئیں۔

''نہیں۔۔۔'' انہوں نے بُری طرح دھڑکتے دل پر قابو پر کر بمشکل کہا۔

''یہی کہ رومیصہ نے فیس بک پر''رومی سہگل'' کے نام سے کوئی پیج بنایا ہے اور۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھجک کر رکیں۔

''اوہ اچھا، مجھے علم نہیں۔کیا ہوا؟'' وہ صاف مکر گئیں۔

''تمہیں فوراً دیکھنا چاہیے ٹینا، وہ تو لگتا ہے اس لڑکی سے بہت انسپائر ہے، کیا نام تھا اسکا بھلا سا، جس کا اس کے بھائیوں نے مرڈر کر دیا تھا، وہ جو سوشل میڈیا کوئین بنی رہی تھی بہت عرصہ۔۔۔'' مسز افتخار جسکا نام لینا چاہ رہی تھیں، ٹینا بیگم جانتے ہوئے بھی وہ نام اپنے لبوں پر لانا نہیں چاہتیں تھیں۔

''اوکے، میں دیکھتی ہوں۔۔۔'' انہوں نے اپنی طرف سے بات ختم کرنی چاہی۔

''تمہیں لازمی دیکھنا چاہیے، سہگل فیملی کا ایک نام ہے شہر میں، رومی کی اس حرکت سے بہت بُرا امپریشن جائے گا۔'' مسز افتخار نے اس دفعہ کھل کر کہا۔

''تمہیں پتا تو ہے وہ ہمیشہ سے پرابلم چائلڈ بنی رہی ہے میرے لیے، انتہا کی ضدی ہے۔۔''وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئیں۔

''اینی ہاؤ، وہ اگر شوبز میں آنا چاہتی ہے تو اس کو کسی اچھے پراجیکٹ کے ذریعے لاؤنچ کر دو، تمہارے لیے تو یہ بائیں ہاتھ کا کام ہے، لیکن اس طرح کی بولڈ وڈیوز کے ذریعے دوسروں کی توجہ حاصل کرنا کسی طور بھی مناسب نہیں، اور ویسے بھی شہر میں تمہارا ایک نام ہے، بلکہ تم تو ایک برینڈ نیم بن چکی ہو۔۔''

ان کی بات سن کر ٹینا بیگم کو یوں لگا جیسے کسی نے ان کے وجود میں چنگاریاں بھر دی ہوں۔

''جی جی۔مسز افتخار۔۔دیکھتی ہوں، کیا معاملہ ہے، اس وقت ایک ضروری میٹنگ کے لیے نکلنا ہے مجھے، کل کلب میں ملاقات ہوگی۔'' انہوں نے بمشکل جان چھڑا کر فون بند کیا، لیکن ان کا دھواں دھواں چہرہ شہرزاد کو ساری ان کہی کہانیاں سنا گیا تھا۔

''مام، کیا ہوا۔۔؟'' وہ فوراً اٹھ کر ان کے قریب آن بیٹھی۔

''مائی گاڈ۔۔کیسے فیس کروں گی میں دنیا کو۔۔؟'' اسے لگا جیسے وہ ابھی اپنے بال نوچنے لگیں گی۔

''ٹیک اٹ ایزی مام۔۔'' شہرزاد ان کے یخ بستہ ہاتھوں کو اپنے نرم گداز ہاتھوں میں لے کر سہلانے لگی۔

''اس قدر ڈی گریڈ کرے گی وہ خود کو، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' ٹینا بیگم کے لبوں سے ایک سلگتی ہوئی سانس نکل کر دم توڑ گئی۔

''میں نے کہا تھا ناں اسے کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے۔۔۔''اس نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

''اور مجھے لگتا ہے اب اس سے زیادہ مجھے ضرورت ہے، دماغ گھما دیا ہے میرا، اللہ جانے کس گناہ کی سزا ہے۔''شہرزاد کو بے ساختہ ان پر رحم آیا۔

''باپ تو مر گیا اس کا، اور عذاب ڈال گیا میرے سر پر۔۔۔''وہ سر پکڑے ایک دفعہ پھر گلاس وال کے پاس آن کھڑی ہوئیں۔

''لیکن مام اب طریقے سے ہینڈل کرنا ہوگا اسے۔۔۔''

''ایسا ہینڈل کروں گی کہ یاد رکھے گی ساری زندگی۔'' وہ تلخ لہجے میں مزید گویا ہوئیں۔''میری دی گئی ڈھیل کا ہی نتیجہ ہے یہ سب، جی چاہتا ہے ٹانگیں توڑ کر بستر پر ڈال دوں اسے، تاکہ ایسی حرکتیں کرنے کے قابل ہی نہ رہے۔''

''مام پلیز۔۔۔۔''ان کے لہجے سے چھلکتی سفاکی، شہرزاد کو دہلا گئی۔

اسی وقت ٹینا ہاؤس کے گیٹ پر رومی کی گاڑی کا ہارن تیز آواز میں بجا اور بجتا ہی چلا گیا، اس کی پارہ صفت طبعیت کسی کام میں تاخیر برداشت نہیں کرتی تھی۔ چوکیدار نے بڑی مستعدی سے گیٹ کھولا اور رومی کی ہنڈا سوک میزائل کی طرح اڑتی ہوئی اندر داخل ہوئی اس نے ہمیشہ کی طرح بڑی قوت سے بریک لگائی اور فضاؤں میں ٹائروں کے چرچرانے کی آواز دور تک گونجتی چلی گئی۔

''اُلو کی پٹھی۔۔۔''ٹینا بیگم غصّے میں وہ سارے مینرز بھول جاتیں جو وہ اکثر و بیشتر رومی کو یاد کروانے کی کوشش کرتی تھیں۔

''مام، پلیز ڈونٹ لوز یور ٹیمپر۔۔۔''شہرزاد کی سرگوشی نما آواز ابھری۔

''شٹ اپ۔۔۔''وہ اسی پر برس پڑیں۔''دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے اس پاگل لڑکی نے میرا، اور تم کہہ رہی ہو میں نارمل رہوں، ہاؤ از اٹ پاسیبل۔؟''وہ زہرخند لہجے میں گویا ہوئیں۔

''سچوئیشن مزید خراب ہو جائے گی۔۔۔''وہ حتی الامکان انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''سو واٹ۔۔۔؟'' ان کے لہجے میں بیزاری در آئی۔

سیٹنگ روم کا دروازہ کھلا، رومی اندر داخل ہوئی، ایک لمحے کو تو دونوں کو لگا کہ وہ اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔ متورم، سوجی ہوئی آنکھیں، ملگجی ہوئی شرٹ کے ساتھ اس نے کئی دن پرانی جینز پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں قیمتی امپورٹڈ ڈن ہل (Dunhill) برینڈ کا سگریٹ تھا۔

شہرزاد کو اسکا حلیہ دیکھ کر دھچکا لگا جبکہ ٹینا بیگم کا دل چاہا کہ اسے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دے۔ اس نے سوئی سوئی آنکھوں سے اپنی ماں اور بہن کو دیکھا اور ہاتھ میں پکڑا کی چین سامنے صوفے پر اچھال دیا۔ ٹینا بیگم کے تو گویا تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''کہاں سے آ رہی ہو۔۔۔؟'' ان کا لہجہ درشت اور جھنجھلایا ہوا تھا۔

''جہنم سے۔۔'' اس نے ایک گہرا کش لے کر دھواں بدتمیزی سے ٹینا بیگم کے چہرے پر پھینکا۔

''شٹ اپ۔۔۔'' وہ اتنی زور سے دھاڑیں کہ ایک دفعہ تو شہزاد کا دل بھی دہل گیا۔جب کہ رومی بے خوفی سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''آپ کا کیا خیال ہے اس طرح شاؤٹ کر کے آپ دبالیں گی مجھے۔؟''اسکا انداز سراسر چڑانے والا تھا۔

''بکواس بند کرواپنی۔'' غصے کی شدت ان کے پورے جسم کو جھلسا رہی تھی۔

''چچ چچ۔۔۔ایسے غصہ کریں گی تو وقت سے پہلے بوڑھی ہو جائیں گی۔۔۔''وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی اور ٹینا بیگم کے ضبط کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔وہ تیر کی طرح رومی کی طرف بڑھیں اور ایک زوردار تھپڑ گھما کر اسکے چہرے پر رسید کر دیا۔شہزاد نے خوفزدہ انداز سے اپنا ہاتھ لبوں پر رکھ لیا۔

جب کہ رومیصہ پر اس تھپڑ کا ذرا برابر بھی اثر نہیں ہوا تھا وہ اسے طنطنے کے ساتھ انہیں نفرت آمیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔جیسے تھپڑ اس کے نہیں، سامنے والی دیوار پر مارا ہو،وہ اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہلی تھی۔

''بس۔۔۔یا کچھ اور۔۔؟'' وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

''تم۔۔۔''ان کے لب خفیف سے انداز میں کانپے اور لفظوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔

''کوئی حسرت رہ گئی ہے تو وہ بھی پوری کر لیں۔''وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ٹینا بیگم کو ایک دم یوں لگا جیسے کسی نے ان پر سرد پانی انڈیل دیا ہو۔وہ سن ہو کر رہ گئیں۔ان کے چہرے کے تنے ہوئے تاثرات اور بھینچے ہوئے لبوں کو دیکھ کر رومی کو عجیب سی خوشی محسوس ہوئی۔۔

''کیوں کر رہی ہو تم ایسا۔۔؟'' وہ پورا زور لگا کر صدمے بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔

''میری مرضی۔۔'' وہ سپاٹ لہجے میں اس طرح بولی کہ شہزاد کو اس پر سرد خانے میں رکھی کسی بے جان اور بے حس و حرکت لاش کا گمان ہوا اس لیے وہ اسے پلک جھپکے بغیر دیکھنے لگی۔

''تم شوبز میں آنا چاہتی ہو تو مجھے بتاؤ، میں تمہیں اچھے اور باوقار طریقے سے کسی مووی یا سیریل میں لے آؤں گی۔''انہوں نے اسے لالچ دیا۔

''یہ باوقار طریقہ کیا ہوتا ہے۔۔'' اس نے استہزائیہ انداز میں قہقہہ لگایا۔

''کم از کم وہ نہیں ہوتا، جو تم اپنی ولگر ویڈیوز کے ذریعے دیکھانا چاہتی ہو دنیا کو۔'' وہ خود پر قابو پا کر دانستہ تحمل بھرے انداز میں بولیں، اتنا تو انہیں بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اسکی آنکھوں اور لہجے سے چھلکتی بغاوت کو غصّے کی چھڑی سے قابو نہیں کیا جاسکتا۔

''فرق کیا ہے ماما، وہی حرکتیں آپ اپنے سوشل سرکل میں کرتی ہیں، جو میں نے ساری دنیا کے سامنے کر دیں، میں آپکی طرح ڈبل اسٹینڈرڈ لائف نہیں گذار سکتی، مجھے جو اچھا لگے گا، وہی کروں گی، اگر زیادہ پرابلم ہے آپکو تو بتا دیں، میں یہ گھر چھوڑ دیتی ہوں۔''

ٹینا بیگم نے ایک دفعہ پھر خود کو ضبط کے پل صراط سے گذارا، لیکن شہزاد کے اعصاب آج جواب دے گئے تھے۔اسکی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔اس نے رومیصہ کی گاڑی کی چابی صوفے سے اٹھائی اور مضبوط قدموں سے چلتی ہوئی اسکے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''دوسروں کی توجہ حاصل کرنے کا بہت اچھا طریقہ ڈھونڈا ہے تم نے، کیپ اٹ اپ۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولتی ہوئی ملامت آمیز نگاہوں سے اسے دیکھ کر سیٹنگ روم سے نکل گئی۔رومیصہ بُری طرح سے گڑبڑا گئی۔اسے شہزاد سے اس ری ایکشن کی ہرگز توقع نہیں تھی۔

☆......☆......☆

نیلا آسمان، سرمئی بادلوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔مغرب سے آنے والی سیاہ گھٹاوں کو ایک دم ہی جوش آیا اور کالی سیاہ بدلیاں کھل کر برسنے لگیں۔۔۔بارش کی جلترنگ، مری کی فضاوں میں کانوں میں رس گھولتی موسیقی کی صورت محسوس ہو رہی تھی۔

ہادی اور سعد موسم کی دلفریبی سے لطف اٹھانے کی بجائے پچھلے ایک گھنٹے سے ایک پراجیکٹ پر مغز ماری کرنے میں مصروف تھے۔سعد کی انگلیاں لیپ ٹاپ کے کی پیڈ پر بڑی سرعت سے چل رہی تھیں اور محمد ہادی اپنی ڈائری پر کچھ نوٹس اتارنے میں مصروف تھا۔

''گھوڑے جیسی چال، ہاتھی جیسی دُم۔۔۔'' میر ہاؤس کی جانب سے ایک دم میوزک بجا، اور دونوں نے کوفت بھرے انداز میں بے ساختہ کمرے کی کھڑکی کی طرف دیکھا۔

''یار ونڈو بند کرو، لگتا ہے کسی سنی پلکس (Cineplex) سینما میں آن بیٹھے ہیں۔۔'' ہادی کے چہرے پر بیزاری ٹپکی، سعد نے فوراً اٹھ کر کھڑکیاں بند کیں، لیکن دوسری طرف سے ساؤنڈ سسٹم کی آواز فل کر دی گئی تھی۔

''واٹ دا ہیل یار۔۔۔'' محمد ہادی نے ہاتھ میں پکڑا بال پوائنٹ پاس رکھی ڈائری پر پٹخا۔

گانے کے بول اس کے اعصاب پر کسی چابک کی طرح برس رہے تھے، اور اس سے بھی زیادہ جھنجھلاہٹ اسے اس وقت ہوئی جب ایک ہی گانا دوسری سے تیسری دفعہ پھر فضاؤں میں گونجنے لگا۔

گھوڑے جیسی چال، ہاتھی جیسی دم۔۔۔

او ساون راجا، کہاں سے آئے تم۔۔۔؟

چک دُھم دھم۔۔۔ چک دھم دھم۔۔۔

''یار کیا مصیبت ہے۔۔۔'' ہادی نے جھنجھلا کر اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

''لگتا ہے ان آفتوں نے پھر لان پر یلغار کر دی ہے۔'' سعد کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔۔

''چک دھوم دھوم، چک دھوم دھوم۔۔۔'' گانے کے بولوں نے ہادی کا دماغ مزید خراب کیا۔

''تم مانو یا نہ مانو، چوتھی دفعہ ایک ہی گانا لگانے کے پیچھے ان لڑکیوں کی کوئی نہ کوئی شرارت ہے۔'' سعد نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

''یہ شرارت نہیں، خباثت ہے اس گینگ کی، قسم سے ایک سے بڑھ کر ایک چھچھوری لڑکیوں سے بھرا ہوا ہے میر ہاؤس۔'' محمد ہادی ضرورت سے زیادہ ہی تپا ہوا تھا لڑکیوں کی اس فوج پر۔

''اس نقار خانے میں کام تو ہونا نہیں، ذرا دیکھیں تو سہی، آخر کس ساون راجا کو بلا رہی ہیں میر ہاؤس کی شہزادیاں۔۔'' سعد ہنستے ہوئے اٹھا اور کھڑکیوں کے کرٹن پیچھے ہٹائے۔

''یہاں تو باقاعدہ فلم کا شوٹ چل رہا ہے، ذرا آ کر دیکھو۔۔'' سعد منہ پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار ہنسا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں۔۔'' اس نے اٹھ کر الیکٹرک کیٹل جلائی، گرین ٹی کی شدید طلب ہو رہی تھی۔

''کم آن یار۔۔'' سعد نے زبردستی اسکا بازو پکڑ کر کھڑکی کے پاس گھسیٹا۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کا شدت سے دل چاہا کہ وہ میر ہاؤس کی لڑکیوں کو کشمیر پوائنٹ پر کھڑا کر کے زور سے نیچے دھکا دے دے، تاکہ وہ ساری لولی لنگڑی ہو کر اپنے کمروں تک محدود ہو جائیں۔

درشہوار اپنے دونوں بازو فضاؤں میں پھیلائے، آسمان کی برستی بوندوں کے نیچے گول گول دائرے میں گھومتی ہوئی خود کو کسی ہیروئن سے کم نہیں سمجھ رہی تھی۔ بارش کے قطرے ایک تواتر کے ساتھ اسکے شفاف چہرے پر سفید موتیوں کی صورت میں برس رہے تھے۔ اس کی کزن طوبیٰ اپنے سیل فون کے ذریعے اسکی وڈیو بنا رہی تھی اور نمیرہ چھتری کھولے، ایک اسٹول بیٹھی تھی اور برآمدے میں چھوٹے میز پر ساؤنڈ سسٹم رکھا ہوا تھا فضاؤں میں بلند آواز میں بجنے والے گانے کو گویا اس وڈیو میں بیک گراؤنڈ میوزک کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔

کوئی لڑکی ہے، جب وہ ہنستی ہے۔۔۔

بارش ہوتی ہے، چھنک چھنک چھم چھم۔۔۔

''کیا چیزیں ہیں یہ۔۔'' محمد ہادی کی شریانوں میں خون کھولنے لگا۔

''فل ٹائم انٹرٹینمنٹ۔۔۔'' سعد قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''اور اس کے دادا کے بکواسی بیانات سنا کرو ذرا ٹی وی پر، جیسے شرافت اور عزت کے سارے پیمانے انہی کے خاندان سے شروع ہو کر انہی پر ختم ہو جاتے ہوں۔'' محمد ہادی جل کر بولا۔

''خیر ایسا بھی کوئی حاجیوں کا خاندان نہیں، میر خاقان کی عشق و عاشقی کی داستانیں اکثر ہی میڈیا کی زینت بنتی رہتی ہیں، پچھلے

دنوں ایمرٹس ائیر لائن کی ائیر ہوسٹس کی زلفوں کے اسیر ہو گئے تھے موصوف۔۔'' سعد نے اسے تازہ ترین معلومات سے آگاہ کیا۔

''یہ ایف سکسٹین ان کی کیا لگتی ہے۔۔؟'' ہادی نے بیزاری سے درشہوار کی طرف اشارہ کیا، جو اس وقت پنا سیاہ رنگ کا گھیر دار فراک لہرا لہرا کر خود کو مادھوری ڈکشٹ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی۔

''اللہ ہی جانتا ہے یار۔۔'' سعد نے لاعلمی سے کندھے اچکائے۔ دوسری طرف نمیرہ نے اٹھ کر میوزک کی آواز مذید بلند کر دی۔

کوئی لڑکا ہے، جب وہ گاتا ہے۔۔۔

ساون آتا ہے، گھمر گھمر گھم گھم۔۔۔

چک دھوم دھوم، چک دھوم دھوم۔۔۔

نیچے لان میں درشہوار کی پرفارمنس میں تیزی آ گئی۔ وہ سب آج داجی اور میر محتشم کے ملتان جانے کی خوشی میں پچھلے لان میں جشن منا رہیں تھیں، اس وقت گھر میں کوئی بڑا موجود نہیں تھا اس لیے راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔

''دل تو کر رہا ہے ویڈیو بنا کر ان کے دادا حضور کو واٹس ایپ کر دوں۔'' سعد کو شرارت سوجھی اور اس نے واقعی کیمرہ آن کر لیا۔۔

''لیو اٹ یار، اچھی بات نہیں ہے یہ۔۔'' ہادی کو بُرا لگا۔

''بے فکر رہو، نہیں بجھواتا انہیں، اب میرے کون سا والی وارث تمہارے پیرنٹس جیسے تگڑی پوسٹس پر بیٹھے ہیں، جو ان سے بغیر سوچے سمجھے پنگا لے لوں۔''

وہ ہادی کے منع کرنے کے باوجود ویڈیو بنانے لگا۔ جب کہ ہادی اکتا کر گرین ٹی بنانے لگا۔

سعد کی بد قسمتی کہ اس گینگ کی ہیڈ درشہوار کی اس پر نظر پڑ گئی۔ جس کی آئی سائٹ ویسے ہی سکس بائے سکس تھی، سونے پہ سہاگہ وہ سعد کے ہاتھ میں سیل فون بھی دیکھ چکی تھی۔

''شیم آن یو۔۔'' وہ نیچے سے چیخی تو سعد کو معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا۔

''مارے گئے یار۔۔'' سعد اسکے دھمکی آمیز لہجے پر بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔

''ان کی تو ایسی کی تیسی میں پھیر کر آتی ہوں۔۔'' اس سے پہلے کہ طوبیٰ اور نمیرہ اسے منع کرتیں، اس نے کسی چھلاوے کی طرح مشترکہ منڈیر عبور کی اور کسی میزائل کی طرح اڑتی ہوئی ہادی کے سیٹنگ روم تک پہنچ گئی۔

''شرافت سے وہ سیل فون دیں مجھے، جس میں تصویریں یا ویڈیو بنا رہے تھے ہماری۔'' وہ کمر پر ہاتھ رکھے کینہ توز نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی، جو اس وقت لاونج کی سیڑھیاں اتر رہے تھے۔

''آپکو غلط فہمی ہوئی ہے، میں تو کال سن رہا تھا وہاں کھڑے ہو کر۔۔'' سعد فوراً مکر گیا۔

''شرم آنی چاہیے، آپ لوگوں کو شریف گھرانوں میں تانک جھانک کرتے ہوئے۔''اس کا کٹیلا سا جملہ سن کر ہادی کا دماغ گھوم گیا۔

''محترمہ شریف گھرانے کی لڑکیاں کھلے آسمانوں کے نیچے فل میوزک کے ساتھ پرفارمنس نہیں دیتیں۔'' ہادی کون سا کسی سے کم تھا۔

بے تحاشا غصّہ، ضبط، اشتعال، اور غصّہ پینے کی کوشش میں درشہوار کی آنکھوں میں لاوا اتر آیا۔''ہم اپنے گھر میں اچھلیں، کودیں ناچیں، گائیں، آپ سے مطلب۔۔۔؟'' وہ بے باکی سے گویا ہوئی۔

''اور ہم بھی اپنے گھر کی کھڑکی، میں کھڑے ہوں یا ٹیرس پر، آپ سے مطلب۔۔۔؟'' ہادی سیڑھیاں اتر کر بالکل اسکے مدمقابل آن کھڑا ہوا۔

''کسی خوش فہمی میں مت رہیے گا، یہ تانک جھانک مہنگی بھی پڑ سکتی ہے۔''اسکے دھمکی آمیز انداز پر ہادی کے کان کی لوئیں سرخ ہوئیں۔

''محترمہ، یہ دھمکیاں کسی اور کو جا کر دیجئے گا، ہمارا ٹائم ویسٹ مت کریں، باہر کا راستہ سامنے ہے۔'' ہادی کا سرد انداز درشہوار کو سلگا گیا۔

''دوبارا یہ شکلیں مجھے اپنی سائیڈ پر نظر آئیں تو داجی سے کہہ کر بوریا بستر ہی گول کروا دوں گی مری سے۔۔'' وہ انگلی اٹھا کر وارننگ کے انداز میں بولی۔

''مری آپکے دادا کی جاگیر نہیں ہے۔۔'' وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔

''لگتا ہے اس شہر میں نئے آئے ہیں آپ، ورنہ ایسی بات کرنے سے پہلے ہزار دفعہ سوچتے۔''وہ طنزیہ انداز میں گویا ہوئی۔

''اور لگتا ہے آپ بھی جانتی نہیں ہیں مجھے۔دوبارا میرے گھر میں قدم رکھنے سے پہلے انشورنس کروا لیجئے گا یا پھر اپنے ہمراہ کوئی وہیل چیئر لے آیئے گا، کیونکہ میں بھی زیادہ دیر تک لحاظ کرنے کا قائل نہیں۔۔'' اس نے آگے بڑھ کر سیٹنگ روم کا دروازہ کھولا اور انتہائی بے رخی سے اُسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔توہین کے گہرے احساس سے درشہوار کا چہرہ سرخ ہوا۔

''درشہوار، دوستی نبھائے یا نہ نبھائے، دشمنی بہت اچھی طرح نبھاتی ہے۔'' وہ جاتے جاتے پلٹی اور متنفر لہجے میں کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

''یار یہ اچھی بات نہیں ہوئی۔۔۔''سعد سچ مچ پریشان ہو گیا۔

''تو تمہیں بھی وہ فضول حرکت کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔۔''ہادی نے اسکی کلاس لی۔

''مجھے کیا پتا تھا اسکی اتنی عقابی نگاہیں ہونگی۔۔۔'' وہ خفت زدہ انداز میں کہتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔

''اسکی نگاہیں ہی عقابی نہیں بلکہ زبان کی دھار بھی وزیرآباد کی چھریوں کو مات دیتی ہے۔۔۔'' ہادی نے مذید اضافہ کیا۔

''اگر اس نے اپنے داداجی کو بتا دیا تو۔۔؟'' اس کو ایک نئی فکر لاحق ہوگئی۔

''اب اتنی بھی بے وقوف نہیں ہے وہ، جو پہلے انہیں بتائے کہ وہ لان میں کیا کارنامہ سرانجام دے رہی تھی اور پڑوس کے لڑکے اس وجہ سے تانک جھانک کر رہے تھے۔ بے فکر رہو، کچھ نہیں پھوٹے گی وہ۔۔'' ہادی کی بات اسکے دل کو لگی تھی، پہلی دفعہ اس کے حلق سے ایک پرسکون سانس خارج ہوئی۔

''بائی داوے تم اتنے خلاف کیوں ہو اس کے۔۔'' سعد مسکرایا۔

''مجھے ایسی مردمار لڑکیاں ایک آنکھ نہیں بھاتیں، جو خوامخواہ دوسروں کے حواسوں پر سوار ہونے کی کوشش کریں۔'' اس نے کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا تو سعد نے شرارتی نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔۔

''خیر تم تو لڑکوں کے معاملے میں بھی ایسے ہی ہو۔'' اس نے کشن اٹھا کر اپنے سر کے نیچے رکھا اور صوفے پر دراز ہو گیا۔

''ایسی بھی کوئی بات نہیں، اپنا تو ایک ہی نظریہ ہے۔۔'' ہادی نے ہاتھ میں پکڑا کپ میز پر رکھا۔

''وہ کیا۔۔؟''

''ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم۔۔'' اسکے ہلکے پھلکے لہجے پر سعد بے ساختہ ہنسا۔

''اور تمہارا تو حلقہ یاراں ہی مختصر ترین ہے۔۔'' سعد نے اسے چھیڑا۔

''ہاں گنتی کے صرف تین یا چار لوگ، زیادہ بھیڑ بھاڑ سے کوفت ہوتی ہے مجھے۔۔'' ہادی نے سنجیدگی سے جواب دیا، وہ واقعی محدود حلقہ احباب رکھتا تھا اور زیادہ تر لوگ اسے کم گو، ریزرو اور کسی حد تک روڈ سمجھتے تھے۔ جب کہ حقیقتاً وہ ایسا نہیں تھا۔

''ویسے تم کچھ بھی کہو، لڑکی مزے کی ہے۔۔'' سعد کے چہرے کی معنی خیز مسکراہٹ پر محمد ہادی کے اندر خطرے کی گھنٹی بہت تیزی سے بجی اور بجتی ہی چلی گئی کیونکہ سعد سیل فون پر بنائی ہوئی وڈیو، بڑے ذوق و شوق سے دیکھنے میں مگن تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی قوس و قزح اس کے اندرونی جذبات کی بھرپور عکاسی کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

رات سرد اور سانپ کی طرح بل کھاتی سڑک بالکل ویران تھی۔۔۔

شہرزاد کی اسٹیئرنگ پر جمی گرفت خاصی مضبوط تھی لیکن اس کے دل و دماغ میں ایک حشر برپا تھا۔ گھر میں ٹینا بیگم اور رومیصہ کے زوردار معرکے کے بعد اسکا دل ایک دم ہی اچاٹ ہو گیا۔ وحشت اور بے چینی کسی صورت بھی کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

وہ دو گھنٹے بے مقصد مختلف سڑکوں پر گاڑی گھماتے گھماتے کسی لنک روڈ سے بالکل انجان راستے پر نکل آئی اور اسے پتا ہی نہیں چلا کہ ریزرو پٹرول کا اشارہ دینے والی گاڑی اب فیول ختم ہونے کے بعد احتجاجاً رک گئی تھی۔

شہرزاد کی نظر جیسے ہی فیول کی سوئی پر پڑی اسکا دل دھک کر کے رہ گیا۔ وہ گاڑی کے رکنے کی اصل وجہ سمجھ چکی تھی اور اس سڑک پر

کوئی پٹرول پمپ تو دور کی بات کوئی چرند پرند بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

سردیوں کی رات کا گہرا سناٹا اور خاموشی اس ویران راستے پر کسی آسیب کی مانند پھیلی ہوئی تھی، اس نے خوفزدہ انداز سے دائیں بائیں دیکھا، سڑک کے دائیں طرف ایک چھوٹا سا قبرستان اور بائیں طرف گھنا جنگل تھا اور ٹریفک نہ ہونے کے برابر۔

چاند کی چاندنی میں ہر چیز پر اسرار لگ رہی تھی، اور دُور دُور تک نظر آتی قبریں، شہزاد کے مضبوط اعصاب کے لیے ایک کڑا امتحان بنی ہوئیں تھیں۔

''اوہ مائی گاڈ، اب کیا ہوگا۔۔۔؟'' وہ گھبرا گئی کیونکہ گاڑی کی فرنٹ لائیٹ کی روشنی میں اسکی نظر ایک ٹوٹی ہوئی قبر پر پڑ گئی۔

جنگلی گھاس اور خودرو پودوں کے درمیان گھرے قبرستان میں جھینگروں اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں عجیب سا دہلا دینے والا تاثر پیدا کر رہی تھیں۔ سناٹا اس جگہ کی ہر چیز کو اپنے پنجوں میں دبائے ہوئے تھا۔

اس نے گھبرا کر اپنا سیل فون اٹھایا اور بٹینا بیگم کا نمبر ڈائل کیا، وہ پاورڈ آف جا رہا تھا۔ اس نے تیزی سے رومی کو کال ملائی اور اسکا سیل فون ناٹ رسپانڈنگ تھا، اسکے کونٹیکٹس میں گنتی کے صرف دو چار نمبر تھے۔ وہ بُری طرح خوفزدہ ہوگئی۔

سیاہ رات کے اندھیرے میں اسکی نظر ایک ہیولے پر پڑی، اسکا دل دھک کر کے رہ گیا۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں وہ دیکھ سکتی تھی کہ ایک سادھوؤں کے سے حلیے والا شخص لالٹین اٹھائے اسی کی گاڑی کی طرف آ رہا تھا۔ وہ متوحش نگاہوں سے اسکی طرف دیکھنے لگی۔

اتنے سرد موسم میں اس نے دھوتی باندھ رکھی تھی اور اسکا اوپر والا دھڑ ننگا اور گلے میں ریٹھوں والی مالا تھی اس کے غیر معمولی لمبوترے چہرے کی ابھری ہوئی نوکیلی ہڈیاں اس کے چہرے کو عجیب سا تاثر بخش رہی تھیں۔ جبکہ سر گنجا اور آنکھوں میں بڑی پراسراری چمک تھی۔

وہ چلتا چلتا شہزاد کی گاڑی کے بالکل پاس آ کر رکا اور اپنے گلے میں پہنی ہوئی مالا میں سے ایک ریٹھے کو ہاتھ کی انگلیوں سے گھمانے لگا۔ شہزاد کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا، چاند کی پراسرار چاندنی میں یہ منظر خاصا دہلا دینے والا تھا۔

شہزاد کو پہلی دفعہ یہاں کا اندھیرا اور خاموشی غیر فطری محسوس ہوئی۔ اس سادھو نے انگشت شہادت سے گاڑی کا شیشہ ناک کرتے ہوئے اس خاموشی کی چادر میں شگاف ڈالا۔ دہشت کی لہریں شہزاد کے وجود میں سرایت کر گئیں، اس نے چیخنا چاہا مگر آواز گلے میں ہی دم توڑ گئی۔

وہ اسے کچھ کہہ رہا تھا مگر گاڑی کے شیشے بند ہونے کی وجہ سے وہ اسکی بات سمجھنے سے قاصر تھی۔ شہزاد نے کنکھیوں سے اسکی جانب دیکھا، اسکی آنکھوں سے نکلنے والی تیز روشنی میں اسے اپنی ٹانگیں بے جان ہوتی محسوس ہوئیں۔

فضا کے گھمبیر تا، بوجھل سناٹے میں آئی فون کی گھنٹی کی آواز اسے کسی مسیحا کی مانند اپنی سماعتوں میں اترتی محسوس ہوئی۔ اس نے نمبر دیکھے بغیر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے فوراً ہی کال اٹینڈ کی، وہ شخص اب اس کی گاڑی کے شیشے پر جھکا اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا

تھا۔شہزاد کو اپنے دل کے بُری طرح سے دھڑکنے کی آوازیں اپنی کنپٹیوں میں محسوس ہو رہی تھیں۔

''شہزاد۔۔!!!'' دوسری طرف وہی دل چراتا لہجہ تھا جو آج اسے زندگی بخش گیا تھا۔۔

''ہم زاد۔۔۔'' اسکے منہ سے نکلنے والا یہ نام دوسری جانب موجود شخص کو ڈھیروں توانائی بخش گیا۔

''کیسی ہو۔۔؟'' وہ مسکرایا۔

''میں گھر سے باہر راستہ بھول چکی ہوں اور کوئی شخص خوفزدہ کر رہا ہے مجھے۔۔''اس کے منہ سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔

کہاں ہو تم، لوکیشن بتاؤ مجھے، کون ہے تمہارے ساتھ۔۔'' اسکی نرم آواز میں ایک فطری سی پریشانی چھلکی۔

''آئی ڈونٹ نو، میری گاڑی کا فیول بھی ختم ہو چکا ہے اور وہ مسلسل میری گاڑی کا شیشہ ناک کر رہا ہے۔''خوف سے اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

''بی بریو۔۔دروازہ مت کھولنا۔۔'' وہ دوسری طرف اب ذرا بلند آواز میں بولا۔''تم ہو کہاں۔۔؟''

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی، یہ کون سا راستہ ہے۔۔؟'' شہزاد کا چہرہ دہشت سے لٹھے کی طرح سپید پڑتا جا رہا تھا۔دوسری طرف وہ اسکی سچویشن سمجھ چکا تھا۔

''ڈونٹ ووری، وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اپنی گاڑی کا دروازہ کسی قیمت پر مت کھولنا، میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' اس نے دلاسا دیا۔

''پلیز ہیلپ می۔۔'' اس کے لہجے میں خوف ہی خوف تھا۔''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔۔''

''اپنے سیل فون کا نوی گیشن سسٹم (navigation) آن کرو، ہری اپ۔اسے دیکھ کر لوکیشن بتاؤ اپنی، اور پلیز گاڑی کا دروازہ نہیں کھولنا۔'' وہ فکرمند انداز میں بولا۔اس نے بڑی تیزی سے گوگل میپ آن کیا اور سامنے ہی اسکی لوکیشن کیانی روڈ کوٹ ہتھیال کے طور پر آ رہی تھی۔

''اوہ تو تم لنک روڈ پر ہو، ڈونٹ ووری میں ریسکیو کرواتا ہوں تمہیں۔'' وہ سیکنڈوں میں اسکی لوکیشن سمجھا تھا۔

''فون بند نا کرنا پلیز۔۔' شہزاد کے التجائیہ لہجے پر اسکا اپنی کال ڈسکنٹ کرتا ہاتھ رک گیا۔وہ اب شاید پی ٹی سی ایل فون پر انگلش میں کسی کو عجلت بھرے انداز میں ساری سچوئشن بتا رہا تھا۔دوسری طرف شہزاد پر ایک ایک لمحہ قیامت بن کر گذر رہا تھا۔

''شہزاد، ڈونٹ ووری، میرا ایک فرینڈ پولیس موبائیل بھیج رہا ہے، جسٹ ٹین منٹ لگیں گے۔''وہ اب اسے تسلی دے رہا تھا۔

''ٹین منٹ۔۔۔'' شہزاد نے خوفزدہ نگاہوں سے باہر کھڑے شخص پر نظر ڈالی، جو اس وقت انتہائی بے چین انداز میں ایک دفعہ پھر اسکی گاڑی کے شیشے پر زور زور سے ہاتھ مار رہا تھا۔شہزاد کی دھڑکنوں میں ایک طوفان سا برپا ہو گیا۔

''ڈونٹ ڈسٹرب می۔۔۔''اس نے ہمت کر کے چیخ کر کہا، گاڑی کے باہر کھڑا شخص چونک گیا، جیسے اسکی بات سمجھ گیا ہو۔

''کیا ہوا شہزاد۔۔۔؟'' وہ ریسیور کے دوسری جانب پریشان ہوا۔

''کچھ نہیں، یہ شخص خوامخواہ سے میرے نروز پر سوار ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔''وہ کھڑکی کی طرف سے تھوڑا رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔

''ڈونٹ ووری، پولیس آتی ہی ہوگی، بی بریو۔۔''وہ فکر مند لہجے میں اسے حوصلہ دے رہا تھا۔

جب کہ شہزاد کو اسکی کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی، اسکا سارا دھیان باہر کھڑے شخص کی جانب تھا۔ جسے نظر انداز کر کے وہ خود کو مصروف ظاہر کر رہی تھی۔

اچانک بجلی کے کڑکنے کی آواز پر اس نے دہل کر دوبارا شیشے کی طرف دیکھا اور اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا، وہ شخص جا چکا تھا۔

''چلا گیا وہ۔۔۔'' شہزاد کے حلق سے ایک پرسکون سانس خارج ہوئی۔

''جہاں ''ہم زاد'' آ جائے، وہاں کوئی دوسرا کتنی دیر تک ٹھہر سکتا ہے۔۔۔''اتنے اعصاب شکن لمحات میں یہ بات وہی کر سکتا تھا۔

''وہ لوگ آ کیوں نہیں رہے۔۔؟'' اس نے اسکی بات سن ان سنی کر کے پوچھا، ویسے بھی اسے قبرستان اور ارد گرد کے ماحول سے وحشت ہو رہی تھی۔

''اتنے کمزور نروز کی حامل تو نہیں تھیں تم۔۔۔''اسکی بات پر وہ خفت کا شکار ہوئی۔

''تم کیسے جانتے ہو مجھے۔۔۔''یہ سوال بے ساختہ اسکے ذہن میں ابھرا اور اس سے پہلے کہ وہ اس سے استفسار کرتی۔ پولیس موبائیل کے تیز ہارن کی آواز نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروالی۔

اس نے لاشعوری طور پر کال ڈسکنکٹ کی اور اپنی گاڑی کی طرف آنے والے پولیس آفیسر کی طرف متوجہ ہوگئی۔ جو اسکی گاڑی کا شیشہ نیچے کرنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

پولیس اسٹیشن سے گھر اور گھر سے بیڈروم تک پہنچنے کے دوران اس کے اعصاب اچھے خاصے مضمحل ہو چکے تھے۔ گھر میں طوفان گذرنے کے بعد کی بوجھل خاموشی کا راج تھا۔ رومی کے بیڈروم کا دروازہ بند تھا۔ وہ تھکے تھکے قدموں کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی آئی، اور ایک پین کلر کھانے کے بعد اس نے اسٹرونگ سی کافی بنائی اور اپنے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر دن بھر کی روداد کو ذہن میں دہرانے لگی۔

''مجھے کم از کم اسکا شکریہ تو ادا کرنا چاہیے۔۔۔''اس نے جلدی سے اپنا سیل فون اٹھایا اور ریسیوڈ کالز میں اسکا نمبر تلاش کرنے لگی۔

آج کی تاریخ میں مطلوبہ وقت پر آنے والی کال دیکھ کر اسے جھٹکا لگا، اس وقت تو وہ سخت پریشانی میں یہ دیکھ نہیں سکی تھی لیکن اب ریسیوڈ کالز میں ''ہم زاد'' کے نمبر کی جگہ unknown لکھا ہوا تھا، اور اس بات نے اسے اچھی خاصی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

''کوئی دیکھے نہ دیکھے شاہ میر تو دیکھے گا۔۔'' طوبیٰ نے ہاتھ میں پکڑا کیلا مزے سے کھاتے ہوئے عوام الناس کو آگاہ کیا۔

اس وقت درشہوار کے بیڈروم میں انتقامی ایجنڈے پر ایک گول میز کانفرنس جاری تھی جس میں ایک فول پروف پلان ترتیب دیا گیا تھا، اور اس وقت اس پر بحث جاری تھی کہ طوبیٰ کے بیان کردہ خدشے کے بعد ایک لمحے کو کمرے میں مایوسی میں لپٹی ہوئی خاموشی پھیل گئی۔

''ہاں میرو بھیا کی طرف سے تو مجھے بھی خطرہ ہے ۔۔۔'' درشہوار نے کافی کا آخری کڑوا گھونٹ پیتے ہوئے پریشانی سے کہا۔

''اس کو تو آج چائے میں کوئی ٹرینکولائزڈال کر دے آؤ'' نمیرہ نے مونگ پھلی سے انصاف کرتے ہوئے مفت مشورہ دیا۔

''کوئی فائدہ نہیں، وہ نیند میں بھی اٹھ کر چل پڑے گا کمینہ۔۔۔''طوبیٰ نے بُرا سا منہ بنایا۔

''اوں ہوں۔۔۔'' درشہوار کے سسٹرانہ جذبات انگڑائی لے کر بیدار ہوئے۔

'مانا کہ میرا بھائی واقعی بہت کمینہ ہے لیکن پلیز اس کے بارے میں منفی رائے کا اظہار یوں منہ پھاڑ کر سرعام نہ کیا جائے تاکہ ان کی اکلوتی بہن کے جذبات مجروح نہ ہوں۔'' سیاہ کارڈیگن کے ساتھ میرون شال اوڑھے درشہوار شرارتی لہجے میں گویا ہوئی۔

''زیادہ ملکہ جذبات بننے کی ضرورت نہیں، تم اچھی طرح جانتی ہو، ہم تمہارے بھائی کے بارے میں جو کہتے ہیں وہ روزِ ازل کی طرح روشن اور کسی بھی قسم سے شک وشبے سے بالاتر ہوتا ہے۔'' نمیرہ کے طنزیہ لہجے پر درشہوار کے جذباتی غبارے سے ساری ہوا نکل گئی۔

''اسکی کمینگیوں پر تو پی ایچ ڈی کا پورا تھیسس لکھا جاسکتا ہے۔۔۔'' طوبیٰ کے بھی سارے پرانے زخم ایک ساتھ جاگ اٹھے۔

''وہ تو بالکل ٹھیک ہے پیاری بہنو، لیکن تم لوگ بھی ذرا ہاتھ ہولا رکھو، میں بھی بندہ بشر ہوں اور تین بھائیوں کی اکلوتی بہن والی میری گم شدہ غیرت جاگ اٹھی تو نقصان تو ہم تینوں کا ہی ہوگا ناں۔۔۔'' درشہوار کی بات پر ان دونوں کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔

''تین سے مجھے یاد آیا، بیا آپی کہاں غائب ہیں صبح سے۔۔؟'' نمیرہ نے کسی چالاک لومڑی کی طرح آنکھیں گھما کر طوبیٰ کی طرف دیکھا۔

''وہ داجی سے تازہ ترین بے عزتی کروانے کے بعد تین روزہ سوگ پر ہیں، صبح ہی یہ پریس ریلیز جاری کیا تھا انہوں نے۔'' طوبیٰ نے پھلوں کی ٹوکری سے چن کر ایک موٹا تازہ کینو چھیلتے ہوئے اطلاع دی۔

''فی الحال تم یہاں سے نکلو اور جا کر میرو بھیا کے بارے میں تازہ ترین اپ ڈیٹ لے کر آؤ، تاکہ مشن زیرو زیرو سیون پر کام شروع کیا جاسکے۔'' درشہوار نے اس کے ہاتھ سے مالٹا چھینا اور واپس پھلوں کی ٹوکری میں رکھ دیا۔

''کیوں تمہیں جاتے ہوئے موت پڑتی ہے کیا۔۔۔'' وہ طنزیہ لہجے میں گویا ہوئی۔

''مجھے تو اس وقت دیکھتے ہی وہ سمجھ جائیں گے کہ آج پھر کسی خفیہ مشن پر ہوں کیونکہ پوری دنیا جانتی ہے کہ مجھے نیند کتنی پیاری ہے اور میں وہ صرف اسی صورت میں قربان کرتی ہوں جب میرے اندر کوئی کھلبلی مچی ہوئی ہو۔'' درشہوار اپنی ننھی سی خوبصورت ناک سکوڑ کر بولی۔

''ہاں تو میرا چہرہ مبارک دیکھ کر کون سا نہیں لگے گا کہ میں تہجد کے نفل پڑھنے کے لیے اٹھی ہوں۔'' طوبیٰ کون سا کسی سے کم تھی

''نمیرہ تم چلی جاؤ پلیز۔۔۔'' درشہوار نے دنیا جہاں کی معصومیت اپنے لہجے میں سمو کر اپنی کزن کی طرف دیکھا، جو ہنوز مونگ پھلی کے لفافے میں اس امید پر ہاتھ مار رہی تھی کہ شاید کچھ ہاتھ لگ ہی جائے۔

''توبہ کرو، ندرت امی کی نظر پڑ گئی تو اپنے گھٹنوں کی مالش کا آرڈر دے دیں گی، ویسے بھی آدھی رات کو ان کے سارے نامعلوم درد جاگ اٹھتے ہیں۔'' نمیرہ کے صاف انکار پر درشہوار کا منہ بن گیا۔

''اب یہ کسی یتیم خانے کے مینیجر جیسی شکل مت بناؤ، جاتی ہوں میں، اور یاد رکھنا نیکسٹ ٹائم میں ہرگز نہیں جاؤں گی شیر کی غار میں ہاتھ ڈالنے۔'' طوبیٰ کو اس پر ترس آ گیا، اور اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر درشہوار مسکرا دی۔

''شاباش میری بہن، تم ''میر ہاؤس'' کا فخر ہو، آنے والی نسلوں کے لیے ''بہادری''، ''بے باکی''، ''ہمت'' اور ''جرائت'' کا سمبل ہو۔'' درشہوار نے لہک لہک کر اس کے گن گانے شروع ہی کیے تھے کہ نمیرہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے زبردستی روکا۔

''بس بس بہن، آدھی رات کو اتنے جھوٹ بولنے پر کہیں کوئی زلزلہ نہ آ جائے مری میں، باقی تقریر پھر کسی اور دن کر لینا۔''

''تم سب لوگ انسانوں کی طرح بیٹھ کر آیت کریمہ کا ورد کرو، میں ذرا نیچے کے حالات کا جائزہ لے کر آتی ہوں اور خبردار تم میں سے کسی نے میری پھلوں کی ٹوکری پر ہاتھ صاف کیا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق طوبیٰ نے پہلے سر نکال کر باہر جھانکا اور پھر دبے پاؤں درشہوار کے بیڈروم سے نکلی۔

وہ دھڑکتے دل اور لرزتی ٹانگوں کے ساتھ دل ہی دل میں آل تو جلال تو پڑھتی ہوئی فرسٹ فلور کی سیڑھیاں اترنے لگی، اور آج تو ویسے بھی داجی اور تایا ابا کی غیر موجودگی میں امن شانتی کا دور دورہ چل رہا تھا۔

''اُف۔۔۔'' چلتے چلتے اسکا پاؤں سیڑھیوں میں رکھے آرائشی گملے سے ٹکرایا اور وہ لڑکھڑا گئی اور گرل کو پکڑ کر اس نے خود کو گرنے سے بچایا۔

''اُف یہ کم بخت درشہوار کی انٹرئیر ڈیزئننگ۔۔'' اس نے غصّے میں گملے کو ٹھوکر ماری، جو خاصی مہنگی پڑی۔ اس کے پیر کا ناخن ہلکا سا ٹوٹ گیا۔

''یہ تم کیا آدھی رات کو گملوں اور دیواروں سے ٹکراتی پھر رہی ہو۔'' شاہ میر کی آواز نے گویا صور اسرافیل پھونک دیا تھا۔

ایک ہاتھ میں کافی کا مگ پکڑے اور دوسرے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ میں فرنچ فرائز کا پہاڑ بنائے وہ کچن سے نکلتے ہوئے اس کی یہ حرکت نہ صرف دیکھ چکا تھا بلکہ اسکے چہرے پر وہی دل جلاتی مسکراہٹ تھی جس سے طوبیٰ سخت خار کھاتی تھی۔

''خبیث، ابھی تک الوؤں کی طرح جاگ رہا ہے۔۔'' اس نے دل ہی دل میں شاہ میر کو کوسا۔

''یہ دل ہی دل میں کون سا ڈھائی کا پہاڑ ادھرا رہی ہو۔'' وہ اسکی خاموشی پر اکتا کر بولا۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے۔۔۔'' طوبیٰ کے سارے موڈ کا ستیاناس ہو گیا۔

''تکلیف مجھے نہیں، تمہیں ہو رہی ہے، جو اس طرح لنگڑا لنگڑا کر چل رہی ہو۔ ''حال'' تو خیر پہلے ہی خراب تھا تمہارا اب تو ''چال'' کی بھی بُری حالت ہو گئی ہے، اف کیا بنے گا تمہارا۔۔۔'' شاہ میر کی زبان پھسلی۔

''آج تک کالا باغ ڈیم کا کچھ بنا ہے پاکستان میں۔۔۔'' طوبیٰ نے کھا جانے والی نگاہوں سے اپنے تایا زاد کی طرف دیکھا، جس کی بولتی نگاہیں اور شرارتی لہجہ اسے سلگا کر رکھ دیتا۔

''ایک دفعہ مجھے حکم کرو، کالا باغ ڈیم کیا، طوبیٰ ڈیم بھی بنا دوں گا۔'' وہ شرارتی نظروں سے اسے دیکھتا ہوا چائے کا کپ سائیڈ میز پر رکھ کر خود مزے سے فرنچ فرائز کھانے لگا، گرما گرم فرنچ فرائز پر کیچپ کے نقش و نگار دیکھ کر طوبیٰ کے منہ میں بھی پانی آ گیا۔

''اے طائرِ لاہوتی، اس رزق سے موت اچھی۔۔۔'' اس نے دل ہی دل میں یہ مصرعہ یاد کر کے اپنی ہمت خود بندھائی اور منہ میں آئے پانی پر بمشکل بند باندھ ہی لیا، اگرچہ یہ انتہائی مشکل کام تھا۔

''ویسے آج کیا جنگل میں اکیلے ٹہل قدمی کا ارادہ ہے تمہارا، اگر تم کہو تو میں ساتھ دینے کو تیار ہوں۔۔'' شاہ میر کے لبوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ کھیل رہی تھی جبکہ طوبیٰ کی نظریں ہال کمرے میں لگے وال کلاک پر تھیں، ٹائم ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسلتا ہی جا رہا تھا۔

''تمہاری یونٹ والے والے بلاتے کیوں نہیں ہیں تمہیں، عورتوں کی طرح آ کر بیٹھ گئے ہو گھر میں۔'' وہ تیکھے لہجے میں ابرو چڑھا کر بولی تو شاہ میر کے حلق سے نکلنے والا قہقہہ خاصا بلند تھا۔

''اللہ کے فضل سے میرا تو آئی سی بہت مہربان ہے مجھ پر۔ سوچ رہا ہوں جوائننگ دے کر پھر کسی بہانے آ جاؤں واپس۔'' وہ اسے چڑانے کو بولا۔

''پتا نہیں کون سے پاک فوج کے جوان ہوتے ہیں جنہیں محاذ پر جانے کا شوق ہوتا ہے، ادھر ایک ہی نمونہ ہے ہمارے گھر میں، جو ہر وقت یہیں محاذ آرائی کھولے بیٹھا رہتا ہے۔۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف واپس بڑھی، اور شاہ میر اسکا ارادہ بھانپ کر بڑی تیزی سے اسکے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''کیا، کہا تم نے۔۔۔؟'' اس نے لاشعوری انداز میں طوبیٰ کا بازو پکڑا، وہ سسپٹا گئی۔

''بازو چھوڑو میرا۔۔۔'' اسکے بوکھلانے اور نظریں چرانے پر وہ ہلکی سی خوشگوار حیرت کا شکار ہوا۔

''میری طرف دیکھ کر بات کرو۔۔۔'' اس کے لہجے کی تپش پر ایک پل کو طوبیٰ کا دل بھی جیسے بھنور کھا کر رہ گیا۔

''بولتی کیوں نہیں ہو اب۔۔۔'' شاہ میر کے گھمبیر لہجے پر طوبیٰ کے صبیح چہرے کی رنگت ایک پل کو متغیر ہوئی۔

''ہاں بولو، میں نے کون سا قرضہ لے رکھا ہے تم سے۔۔۔'' وہ جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا کر اب اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسکے ضبط کا کڑا امتحان لے رہی تھی۔شاہ میر کے اندر چھن کر کے کچھ ٹوٹا۔

''کیا واقعی چلا جاؤں واپس۔۔۔؟؟؟'' شاہ میر نے سرگوشی کی۔

''میری بلا سے۔'' اس نے بیزاری سے کندھے اچکا کر کہا۔''پہلے کون سا میں نے دعوت دے کر بلوایا تھا۔۔'' اسکے ہر انداز میں اکتاہٹ تھی۔

''ایک وقت آئے گا کہ تم خود منتیں کیا کرو گی میری، کہ واپس آجاؤ، اور میں نہیں آؤں گا۔'' وہ گہری نظروں سے اسے تکتا ہوا سنجیدہ ہوا۔

''اور یہ وقت انشاء اللہ کبھی نہیں آئے گا۔۔'' طوبیٰ جبراً مسکرائی تو اسکے گالوں پر بڑے گہرے ڈمپل بنے اور شاہ میر کو اپنا دل ان گڑھوں میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جا چکی تھی اور شاہ میر کا میز پر رکھا کافی کا کپ ٹھنڈا ہو کر بدذائقہ ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

سرد موسم کی شدت سے زیادہ اس دن کی تلخی نے شہرزاد کو تھکا دیا تھا۔اسے لگ رہا تھا جیسے آنے والے لمحوں کا خوف کسی زہریلے سانپ کی صورت میں کنڈلی مار کر اس کے کمرے میں آن بیٹھا ہو۔رومیصہ کے کارنامے کے اثرات پوری سہگل فیملی کو بھگتنے تھے۔

اسکے اندر حبس اور گھٹن کا احساس ایک دم ہی بڑھ گیا تھا۔اس نے بے اختیار اٹھ کر کھڑکیوں کے بلائنڈز ہٹا کر شیشہ پیچھے کر دیا تھا۔باہر ہلکی ہلکی کن من کے ساتھ موسم سرما کی ٹھنڈی یخ ہواؤں نے اسکا استقبال کیا۔وہ کچھ دیر آسمان کی تاریکیوں میں اپنی قسمت کے روشن ستارے کو کھوجنے کے بعد تھک ہار کر اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی اور اسکے کراؤن سے ٹیک لگالی۔۔

سائیڈ میز پر رکھا آئی پیڈ اٹھا کر اس نے اپنی فیس بک آئی ڈی آن کی اور رومی سہگل کے نام سے بنے پیج کو سرچ کیا، جو تھوڑی سی تلاش کے بعد اسے مل گیا تھا۔اس پر رومی کی پوسٹ کردہ خرافات جوں کی توں موجود تھیں، جس کے لیے وہ دل ہی دل میں ڈھیروں دعائیں کر چکی تھی کہ کاش رومی خود اسے ڈیلیٹ کر دے۔چند گھنٹوں میں اس پیج پر ہزاروں کی تعداد میں لائیکس اور بیشمار فضول کمنٹس کی بھرمار تھی۔

''ہم بھی بیمار ذہنیت کے لوگ ہیں جن چیزوں کو اخلاقیات کے دائرے سے باہر دیکھتے ہیں اس پر غیر اخلاقی کمنٹس کرنا بھی اپنا قومی فریضہ سمجھتے ہیں۔''

شہرزاد نے بیزاری سے وہ پیج بند کر کے اپنی پروفائل اوپن کر لی۔

اچانک اسکی نظر اپنی فرینڈ لسٹ پر پڑی، اس لسٹ میں ہم زاد کا نام دیکھ کر اسے شاک لگا۔، وہ رک گئی۔یہ آئی ڈی اس نے مری

کانونیٹ کے زمانے میں بنائی تھی اور لندن جانے کے بعد بند کر دی تھی، بیچ میں وہ کبھی کبھار اسے اوپن کر کے سرسری نظر ڈال لیتی لیکن اسے اچھی طرح سے یاد تھا کہ اس نے ہمزاد نام کی کسی آئی ڈی کو اپنے پاس ایڈ نہیں کیا تھا، اسکا مطلب تھا کہ وہ جو کوئی بھی تھا، پہلے اپنے اصل نام سے اس کی فرینڈ لسٹ میں ایڈ ہوا تھا اور پھر اس نے اپنی پروفائل کا نام تبدیل کر دیا تھا۔

اس نے جلدی سے اسکی وال چیک کی، وہ کبھی کبھار سوشل ایشوز اور ملکی حالات پر انتہائی دلچسپ اسٹیٹس لگاتا تھا اور اسکے پاس تقریباً سات سال پہلے ایڈ ہوا تھا۔ اسی فرینڈ لسٹ میں اس کے سکول کے زمانے کے کئی کلاس فیلوز موجود تھے۔ جن کے نام اسکے ذہن سے نکل چکے تھے لیکن کسی کسی کی شکل تھوڑی بہت یاد تھی۔

''کیا یہ لوگ جانتے ہیں کہ ''ہم زاد'' نام کے پیچھے کون ہے۔۔۔؟'' اس کے ذہن کی سلیٹ پر ایک سوال ابھرا۔

''یقیناً جانتے ہونگے۔۔۔'' اس سوچ نے اس کے اندر توانائی کا ایک جہان بھر دیا۔

اس نے کچھ سوچ کر اپنی مری کانوویٹ کے زمانے کی فرینڈ رودابہ کا نمبر ملایا، جس سے اس کی کسی زمانے میں اچھی فرینڈ شپ تھی، اور لندن جانے کے بعد بھی کچھ عرصہ سوشل میڈیا پر رابطہ رہا اور پھر دونوں اپنی اپنی دنیاؤں میں مگن ہو گئیں۔

''شیری، تم زندہ ہو ابھی۔۔۔؟'' دوسری طرف رودابہ اسکی آواز سن کر خوشگوار حیرت کا شکار ہوئی۔

''زندہ ہوں تو بات کر رہی ہوں ناں۔۔'' وہ اسکے والہانہ انداز پر مسکرائی۔

''کب آئیں پاکستان، او بے وقوف لڑکی، آ کر رابطہ کیوں نہیں کیا۔؟'' وہ اپنے ازلی بے تکلفانہ انداز میں گویا تھی۔

''ابھی آئے ہوئے ٹوٹل تین چار دن ہی تو ہوئے ہیں مجھے۔۔۔'' وہ چاہ کر بھی ویسی فرینکنیس کا مظاہرہ نہیں کر پائی۔ ریزرو تو وہ شروع ہی سے تھی لیکن اب ضرورت سے زیادہ محتاط ہو گئی تھی۔

''چلو پھر کل کا لنچ میری طرف، بیٹھ کر کہیں کانووینٹ دور کی یادیں تازہ کرتے ہیں۔'' رودابہ نے فوراً نے ہی اسے دعوت دی جو اس نے کچھ سوچ کر قبول کر لی۔ دس پندرہ منٹ پرانی یادیں دہرنے کے بعد شہرزاد نے اچانک وہ سوال پوچھ ہی لیا، جسکے لیے اس نے اسے کال کی تھی۔

''یہ فیس بک کے میچوئل فرینڈز میں ''ہم زاد'' کے نام کی آئی ڈی کس کی ہے۔۔؟''

''شیطان کی۔۔۔'' وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''مطلب۔۔؟'' وہ الجھ گئی۔

''آئی ڈونٹ نو یار، کوئی کلاس فیلو لگتا ہے، سبھی کے بارے میں جانتا ہے، لیکن اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتا، بہت مزے مزے کی پوسٹس لگاتا ہے اس لیے ابھی تک ان فرینڈ نہیں کیا۔۔'' رودابہ بڑی لاپرواہی سے بتا رہی تھی۔

"لیکن اس طرح اپنی شناخت چھپانے کا فائدہ۔۔؟" شہزاد کو مایوسی ہوئی۔

"ہوسکتا ہے اسے ہو، ویسے بھی ہر کسی کو اپنی لائف اپنے طریقے سے گذارنے کا حق ہے، ہم کسی کو اپنے رولز اینڈ ریگولیشنز کے پابند تو نہیں کر سکتے، تم بتاؤ، کب پریکٹس اسٹارٹ کر رہی ہو۔" رودابہ نے اپنے مخصوص لا پرواہ انداز میں بات کو چٹکیوں میں اڑایا۔

"ہاں، سوچ رہی ہوں کوئی فرم جوائن کرلوں۔۔۔" شیری نے سنجیدگی سے بتایا۔

"اگر ایسا کوئی پروگرام بن رہا ہے تو مجھے بتانا، ہوسکتا ہے میں تمہاری کچھ ہیلپ کرسکوں۔" رودابہ کے خلوص پر اسے کبھی کوئی شک نہیں ہوا تھا۔اسی وقت شہزاد کے روم کا دروازہ ہلکا سا ناک ہوا، رومیصہ تھکے تھکے سے انداز سے اندر داخل ہوئی۔

"شیور، وائے ناٹ، اوکے رودابہ، کل ملتے ہیں، پھر بات ہوگی، ٹیک کیئر، بائے۔۔۔"اس نے جلدی سے کال ڈسکنکٹ کی۔

"کیسے آنا ہو۔۔۔؟"شہزاد نے دانستہ سپاٹ نظروں سے رومیصہ کی طرف دیکھا۔

"تم خفا ہو مجھ سے۔۔۔" رومی نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں چٹخاتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں۔۔۔؟" شہزاد کا پرسکون انداز اسے مزید اضطراب کا شکار کر گیا۔

"اسی بات پر جس پر مام خفا ہیں۔۔۔" وہ ہلکا سا جھجک کر بولی۔

"تمہیں پتا ہے رومی، میں کسی کی پرسنل لائف میں اس وقت تک انٹرفیئر نہیں کرتی، جب تک وہ چیز کم از کم میری لائف پر effect (اثر انداز) نہ کرے، تمہاری زندگی ہے، تم اگر ایسی ہی گذارنا چاہتی ہو تو ایز یو وش، میں تمہیں منع نہیں کروں گی، جیسے میں مام کو نہیں کرتی۔"شہزاد نے اس دفعہ کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا، اسکا دوٹوک انداز، اور سنجیدہ لہجہ رومیصہ کے لیے خاصی مایوسی کا باعث بنا۔

"تمہیں ماما کی چیپ حرکتوں پر ہرٹ نہیں ہوتی ہو۔؟ کیا انہیں یہ سب سوٹ کرتا ہے۔۔؟" وہ متنفر لہجے میں گویا ہوئی۔

"کیا تمہیں سوٹ کرتا ہے وہ سب، جو تم کر رہی ہو۔۔؟"شیری کے الٹا سوال کرنے پر وہ سپٹا گئی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔۔۔" وہ بُرا مان گئی۔

"انہوں نے بھی ایسا کچھ نہیں کیا۔۔۔"شیری نے ان کا دفاع کیا۔

"اس ایج میں آئے دن کے اسکینڈلز اور شادیاں، تمہارے نزدیک کچھ نہیں ہیں۔" وہ ہلکا سا جھنجلائی۔

"لائف پارٹنر کی ضرورت تو انسان کو ہر عمر میں رہتی ہے، اور ان کی بدقسمتی کہ ان کی پہلی اور دوسری شادی کامیاب نہیں ہوسکی، دنیا میں بہت سے لوگوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے، تو کیا اسکا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ وہ دنیا سے کنارہ کشی کر کے ساری خوشیوں کو اپنے اوپر حرام کر لیں۔"

"وہ جان بوجھ کر ایسے کرپٹ لوگوں کا انتخاب کرتی ہیں۔۔۔"رومی تلخ لہجے میں گویا ہوئی۔

''کوئی بے وقوف انسان ہی جان بوجھ کر اپنے لیے کوئی بُرا انتخاب کر سکتا ہے اور کم از کم مام جیسی پریکٹیکل اور پروفیشنل وومن سے میں ایسی چیز کی توقع نہیں کرتی، یہ الگ بات ہے کہ اس معاملے میں ان کی قسمت ان کا ساتھ نہیں دیتی۔'' شہرزاد نے اس دفعہ کھل کر کہا۔

''تم مام کو ڈی فینڈ (دفاع) کر رہی ہو۔'' وہ بیزار ہوئی۔

''نہیں میں تمہیں حقیقت بتا رہی ہوں۔۔۔'' وہ اپنے ازلی پرسکون انداز سے گویا ہوئی۔

''تمہیں نہیں پتا ان کے یہ فیصلے کتنے بُرے رہے ہیں میرے لیے۔۔۔'' وہ ان سے حد درجہ خفا تھی۔

''انسان کے اپنے فیصلے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں اپنے لیے۔۔۔'' شیری نے اس کی تصیح کی۔

''مام نے اپنی جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر تمہیں بھی اپنی طرف مائل کر لیا ہے، میں اچھی طرح جانتی ہوں، انہیں دوسروں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کا فن آتا ہے۔'' وہ اب شہرزاد کی طرف سے بھی بدگمان ہوئی۔

''تم بھی مجھ سے شیئر کر سکتی ہو، ٹرسٹ می، میں تمہیں بھی کبھی بُرا نہیں کہوں گی۔'' شہرزاد نے اسے اب نرمی سے گھیرنا چاہا۔

''مجھے ضرورت نہیں ہے۔۔۔'' وہ ناراضگی سے پاؤں پٹختی ہوئی اسکے کمرے سے نکل گئی، لیکن شہرزاد کو اس احساس نے طمانیت بخشی تھی کہ کم از کم اس کے دل میں اسکے لیے کوئی نرم گوشہ موجود تھا۔ وہ اب رومیصہ کو اپنے طریقے سے ہینڈل کرنے کا تہیہ کر چکی تھی۔

☆......☆......☆

ڈانسنگ فلور تیز جلتی بجھتی بتیوں کے حصار میں تھا۔۔۔

انگلش میوزک کا تیز اور بے ہنگم شور، سماعتوں میں پہنچ کر ینگ جنریشن کے جوش و جنون اور ولولے میں اضافہ کر رہا تھا۔

فلور پر تھرکتی، نامناسب لباس میں موجود لڑکیاں، دیکھنے والوں کے صبر کا امتحان بن رہی تھیں وہاں موجود سبھی لوگوں کو اپنے اندر ایک ہیجان سا برپا ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ یہاں سکون کی تلاش میں آئی تھی۔

شہرزاد کا مام کو اسپورٹ کرنا اسے بُری طرح سے چبھا تھا، اسکا ذاتی خیال تھا کہ اسکی بہن کو بھی اس معاملے میں اسی کا ساتھ دینا چاہیے، لیکن اس کے رویئے نے اسے نہ صرف مایوس کیا تھا بلکہ اچھا خاصا ڈیپریشن میں مبتلا کر دیا تھا۔ تبھی وہ رات کے اس پہر اپنی فرینڈ کنزہ کے ساتھ اس کلب میں موجود تھی۔ یہاں آ کر بھی وہ انتہائی ذہنی خلفشار کا شکار تھی۔

اسکن ٹائیٹ جینز پر پنک شرٹ کے ساتھ اس نے ایک چھوٹا سا مفلر گلے میں لٹکا رکھا تھا۔ اسکی آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے، وہ پچھلے دو دن سے بالکل نہیں سو سکی تھی، اور اس وقت کنزہ اسے چھوڑ کر فل انجوائے منٹ کے موڈ میں تھی، تبھی اسے ایک کونے میں اکیلے بیٹھنا پڑا۔

''ہائے ہنی۔۔۔'' ایک چوبیس پچیس سال کا لڑکا لڑکھڑاتا ہوا اسکے بالکل پاس آن کھڑا ہوا اور اسکے چہرے پر گری لٹ کو چھو کر

بدتمیزی سے بولا۔

''ہائے۔۔۔'' رومی نے بیزاری سے اسے دیکھا، وہ یقیناً نشے میں تھا۔

''آؤ، جوائن کرو مجھے۔۔۔''وہ زبردستی اسکا بازو پکڑ کر ڈانسنگ فلور پر لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔

''مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں۔۔۔''رومیصہ کا چہرہ سرخ ہوا اور وہ جھنجھلا کر اپنا بازو اسکی مضبوط گرفت سے چھڑانے لگی۔

''تو پھر یہاں کیا جھک مارنے آئی ہو۔۔۔'' اسکا طنزیہ لہجہ رومیصہ کو آؤٹ کر گیا، اس نے گھما کر ایک تھپڑ اسکے چہرے پر دے مارا۔

''یو بچ (Bitch)۔۔۔'' وہ لڑکا مشتعل ہوا۔

''آئی ول کل یو۔۔۔''وہ خطرناک ارادوں کے ساتھ رومیصہ کی طرف بڑھا، لیکن اس سے پہلے ہی اسکے دو فرینڈ درمیان میں آ گئے۔

''روحیل، ڈونٹ لوز یور ٹیمپر۔۔۔'' اسکے ایک فرینڈ نے زبردستی اسے پکڑا۔

''اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا، جسٹس محمود کے بیٹے پر، اوقات کیا ہے اس کی۔''اسکا لہجہ درشت اور جھنجھلایا ہوا تھا، سارا نشہ بھی ہرن ہو گیا تھا۔

''آپ پلیز جائیں یہاں سے۔۔۔'' اس کے اسی دوست نے التجائیہ لہجے میں رومیصہ سے کہا۔

''نہیں جاتی، کیا کرلیں گے آپ۔۔۔'' اس نے بھی ہٹ دھرمی دکھائی، لیکن اس وقت کنزہ کو ساری سچویشن سمجھ میں آ چکی تھی۔

''آر یو میڈ۔۔۔؟'' رومیصہ کی فرینڈ کنزا اسٹیج سے بوکھلا کر اتری اور اسکا بازو پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی باہر لے آئی۔

''جانتی ہو، وہ جسٹس محمود کا بیٹا ہے، روحیل محمود۔۔۔'' کنزہ نے کھا جانے والی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''جسٹس کا بیٹا ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے پاس ہر بے ہودا حرکت کرنے کا پرمٹ ہے۔۔''رومیصہ کی آواز کے اتار چڑھاؤ سے اسکی دماغی کھولن کا اندازہ ہو رہا تھا۔وہ تیز بارش میں بغیر کسی سویٹر یا کوٹ کے پارکنگ میں کھڑی تھی۔

''میں گھر جا رہی ہوں۔۔۔''اسکا دل ایک دم ہی یہاں کے ماحول سے بھی اچاٹ ہو گیا۔

''ادھر دو گاڑی کی کیز، آدھی رات کو مار دو گی کہیں۔ویسے بھی موسم اتنا خراب ہے۔'' کنزہ نے اسے فرنٹ سیٹ کی طرف دھکیلتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور برق رفتاری سے گاڑی مین روڈ پر لے آئی۔

تیز بارش کے تسلسل میں کچھ کمی آ گئی تھی لیکن اب ژالہ باری کا سلسلہ بھی ساتھ شروع ہو گیا تھا۔رات کی تیرگی میں، اس موسم میں ڈرائیو کرنا واقعی مشکل تھا، لیکن کنزہ بڑی مہارت سے گاڑی چلا رہی تھی۔

موسم سرما کی سخت اور کہر جما دینے والی سردی کو انجوائے کرنے کے لیے چند منچلے بھی میدان میں اتر آئے۔اسلام آباد ایکسپریس وے پرون ویلینگ کا سلسلہ شروع ہو گیا،رات کے اس پہر ان منچلوں نے پٹرولنگ پر موجود پولیس والوں کو ایکدم ہی پریشان کر دیا تھا،یہ سب بڑے گھرانوں کی بگڑی ہوئی اولادیں تھیں،جن کو منع کرنا بھی ایک دردسری تھی۔

رومیصہ بیگ سے لائٹر نکال کر سگریٹ سلگانے لگی۔اسکے اندر اپنی ہی سوچوں کا ایک جہنم آباد تھا،جس نے اسے باہر کے موسموں سے لاتعلق کر دیا تھا۔اس نے ایک دم ہی گاڑی کا شیشہ نیچے کیا،اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کنزہ کو کپکپی میں مبتلا ہو گئے۔

"پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔۔۔" کنزہ نے اپنی سائیڈ پر لگے بٹن سے گاڑی کا شیشہ فل اوپر کر کے ہیٹر جلایا۔

"مجھے suffocation (گھٹن) فیل ہو رہی ہے۔۔۔" اسکا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔

"کیا پرابلم ہے تمہارے ساتھ رومیصہ،جو چاہتی ہو،کر لیتی ہو،پھر بھی ریلیکس نہیں ہوتی ہو۔" وہ حیران ہوئی۔

کنزہ کے ساتھ اسکی فرینڈ شپ کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا اور ویسے بھی رومیصہ لونگ ٹرم ریلیشنز پر یقین نہیں رکھتی تھی۔وہ چیزوں کے ساتھ ساتھ بہت جلد لوگوں اور رشتوں سے بیزار ہو کر انہیں چھوڑ دیتی۔یہ اس کی شخصیت کی سب سے بڑی خامی تھی۔جو چیز اسے بہت زیادہ اٹریکٹ کرتی،وہ کچھ ہی دن کے بعد بے قدری سے اسکے کمرے میں رل رہی ہوتی۔

"پتا نہیں،کچھ کمی ہے،کچھ نہ ہونے کا احساس ہے،جو مجھے کھل کر خوش ہونے نہیں دیتا۔۔۔"اس نے پہلی دفعہ بے تکلفی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"مثلاً۔۔۔؟" کنزہ نے جیسے ہی گردن موڑ کر رومیصہ کی طرف دیکھا،اسے جھٹکا لگا،کیونکہ اسکی نظر رومیصہ کی سائیڈ کے کھڑکی کے شیشے سے ہوتی ہوئی باہر سڑک پر جسٹس محمود کے بیٹے کی ہیوی بائیک پر پڑی۔وہ نہ جانے کب سے ان کے تعاقب میں تھا۔اس نے رومیصہ کو بتائے بغیر گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔وہ اسے پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"کیا کہہ رہی تھیں تم۔۔۔" کنزہ نے خود کو نارمل ظاہر کے لیے یونہی پوچھا۔وہ بیک مرر سے روحیل کو دیکھ رہی تھی،جو تھوڑا پیچھے رہ گیا تھا۔

"تقدیر کا ہاتھ بہت بے رحم ہوتا ہے،وہ جن لوگوں پر بے دریغ دونوں ہاتھوں سے لٹاتی ہے،ان کو بھی مکمل خوش ہونے نہیں دیتی،ان کی زندگیوں کا بھی کوئی نہ کوئی ایک کونہ تشنہ رکھتی ہے،تا کہ لوگ بھکاریوں کی طرح سر جھکائے اس کے سامنے گڑگڑاتے رہیں،ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اس سے مانگتے رہیں لیکن پھر بھی خواہشوں کی تکمیل کے زم زم ہر کسی کے لیے جاری نہیں ہوتے۔" کنزہ گاڑی چلاتے ہوئے اس کی بھڑاس سن رہی تھی۔

روحیل محمود اپنی بائیک کو دوبارا اس کی گاڑی کے عین برابر لے آیا تھا،کنزہ نے کنکھیوں سے دیکھا،وہ اپنی لیدر کی جیکٹ سے ایک

چھوٹا، اور جدید قسم کا پسٹل نکال رہا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ، یہ باسٹرڈ تو وہی ہے، اور اسکے ہاتھ میں پسٹل ہے۔۔۔'' رومیصہ کی بھی اچانک اس پر نظر پڑی اور وہ بوکھلا گئی۔

''ٹیک اٹ ایزی۔۔۔'' کنزہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں اسے تسلی دینا چاہی۔

''گاڑی روکو۔۔'' روحیل بلند آواز میں چیخا۔ وہ اپنا پسٹل والا ہاتھ فضا میں لہرا رہا تھا۔

کنزہ نے ایک دم خوفزدہ ہو کر بریک لگائی اور روحیل جو اچانک ہی اپنی بائیک انکے سامنے لے آیا تھا، تیز بارش اور پھسلن زدہ سڑک پر اس کی بائیک آوٹ آف کنٹرول ہو کر ان کی گاڑی سے ٹکرائی اور وہ اچھل کر بُری طرح سڑک پر جا گرا۔

بارش سے زیادہ تیز اس کے سر سے نکلنے والا خون کا فوارہ تھا۔ اس کا سر بہت بُری طرح زمین سے ٹکرایا تھا اور کچھ دیر تڑپنے کے بعد اسکا جسم بالکل ساکت ہو گیا۔ اسکی ہیوی بائیک بھی دور جا گری تھی۔

کنزہ اور رومیصہ کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی، اور ان کی بدقسمتی تھی کہ پولیس کی پٹرولنگ پر موجود گاڑی لنک روڈ سے اچانک ہی مین روڈ پر آن نکلی اور انہوں نے روحیل محمود کو اپنی آنکھوں سے ان کی گاڑی سے ٹکرا کر بہت بُری طرح سڑک پر گرتے دیکھا تھا۔

دو پولیس آفیسرز جلدی سے گاڑی سے اترے اور بڑی سرعت سے روحیل کی طرف پہنچے، کنزہ اور رومیصہ بھی گاڑی سے باہر نکل چکیں تھیں، ٹھنڈا یخ موسم ان کی رگوں میں خون جما رہا تھا لیکن وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہیں تھیں۔

''آئی تھنک He is no more.۔۔'' پولیس آفیسر کے منہ سے نکلنے والے اس فقرے کو سن کر ان دونوں کو لگا، جیسے مارگلہ کی ساری پہاڑیاں ان کے وجود سے ٹکرا کر ان کے پرخچے اڑا گئیں ہوں اور وہ دونوں منہ پر ہاتھ رکھے سخت صدمے سے روحیل کی تیز بارش میں زمین پر پڑی ڈیڈ باڈی کو دیکھ رہیں تھیں۔ وہ ان کے پیچھے تھا اور موت اسکے تعاقب میں تھی اور جیت اجل ہی کی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

مری کے بادلوں کے ساتھ فضاؤں میں رقص کرنے والے اولے، اب روئی کے گالوں کی صورت میں ہر چیز پر سفید چادر بچھا رہے تھے، ایسا لگ رہا تھا جیسے پورے شہر نے چاندی کا لباس زیب تن کر لیا ہو۔ سڑکوں، عمارتوں، درختوں اور ہر چیز پر برف ہی برف تھی۔

میر ہاؤس کا پچھلا دروازہ کھلا اور برساتیاں پہنے وہ تینوں لڑکیاں اپنے مشن کی تکمیل کے لیے باہر نکلیں، موسم کی شدت بھی ان کے آہنی ارادوں میں کوئی دراڑ نہیں ڈال سکی۔ وہ زمین پر بچھے برف کے فرش پر احتیاط سے چل رہیں تھیں۔

درشہوار کے ہاتھ میں چھاتا، جبکہ طوبیٰ نے ہاتھ میں ایک ٹارچ اٹھا رکھی تھی اور نمیرہ کے پاس ایک شاپر تھا، جس میں اس مشن کی تکمیل کا سامان موجود تھا۔ ان تینوں نے بڑی احتیاط سے محمد ہادی کے گھر کی چھوٹی سی دیوار پھلانگی، وہ تینوں اب اس کے گھر میں موجود تھیں۔

''جلدی کرو۔۔'' سردی کی شدت سے طوبیٰ کے دانت بج رہے تھے۔

''اب کیا اڑنا شروع کردیں۔۔'' درشہوار جھنجھلا گئی۔

''بکومت، جلدی لاک لگاؤ۔۔'' طوبیٰ نے غصّے سے درشہوار کی طرف دیکھا، جو بڑی احتیاط سے محمد ہادی کے گھر کے داخلی دروازے کی کنڈی چڑھا رہی تھی اور منصوبے کے تحت اب اسے باہر اپنا لاک لگانا تھا۔ ہادی کے گھر میں داخل ہونے کا واحد یہی دروازہ تھا، جس پر لگا بھاری بھرکم قفل، اب گھر میں موجود مکینوں کو اندر قید کر چکا تھا۔

''پوسٹر نکالو۔۔'' درشہوار نے مشن کی کمانڈ سنبھالتے ہوئے اگلا آرڈر جاری کیا۔

طوبیٰ نے شاپر سے ایک درمیانی سائز کا پوسٹر نکالا اور دروازے پر چسپاں کر دیا۔ جس پر بڑے بڑے حروف میں ''گوانتا ناموبے'' لکھا ہوا تھا۔

''نمیرہ باہر کے گیٹ پر لگے تالے میں ایلفی ڈال کر آؤ جلدی سے۔۔'' درشہوار نے سرگوشی میں اگلا حکم جاری کیا۔

''یار'' اسنوفالنگ'' بہت زیادہ ہے۔۔'' ہادی کے برآمدے میں کھڑی نمیرہ جھجک کر بولی۔

''بےفکر رہو، یہ برف، تمہارے بھاری بھرکم جسم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، ہم لوگ اپنا کام کر چکے ہیں۔'' طوبیٰ نے غصّے سے کہا۔

''بکواس مت کرو، جاتی ہوں، تم دونوں سب سے اوکھا کام مجھے دیتی ہو۔۔'' رات کے اندھیرے میں برف کے فرش پر احتیاط سے قدم رکھتی ہوئی نمیرہ بڑی مشکل سے ہادی کے گیٹ تک پہنچی اور اندر کی طرف لگے تالے میں ایلفی ڈال کر جیسے ہی پلٹی، اسکا پاؤں پھسلا اور وہ بڑی سرعت سے لان کے نچلے حصّے میں جا گری، درشہوار اور طوبیٰ نے اپنے حلق سے نکلنے والے قہقہوں کو بمشکل لبوں پر ہاتھ رکھ کر اندر ہی دبایا۔

''ہائے منحوسو، تم لوگوں کی انتقامی کاروائیاں مروا گئیں مجھے۔۔'' وہ زمین پر لیٹی دہائیاں دے رہی تھی۔

''ہمت کرو، ورنہ برف کی قبر میں دفن ہو جاؤ گی۔۔'' طوبیٰ اور درشہوار نے بمشکل اسے اٹھایا اور کمرے تک پہنچا کر ان کی اپنی حالت بُری ہو گئی لیکن وہ منظر یاد کرتے ہی ان دونوں کے منہ سے دوبارا ہنسی کا فوارا پھوٹ پڑا، جو نمیرہ کو سخت ناگوار گزرا۔

''اللہ کرے تم دونوں کی داڑھ میں درد ہو۔۔'' آتشدان کے عین سامنے بیٹھی نمیرہ بلند آواز میں انہیں بددعائیں دے رہی تھی۔

''ایک تو اتنی بڑی لاش کو ہم اتنی مشکل سے گھسیٹ کر کمرے تک لائے ہیں، اوپر سے تم ہمیں ہی بددعائیں دے رہی ہو۔'' طوبیٰ نے اپنے بازو دباتے ہوئے اپنی کزن کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا۔ جو دو کمبل لیے بھی ابھی تک کانپ رہی تھی۔

''ہاں تو تم دونوں کے انتقام کی جھلستی بھٹی کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کون ساتھ دیتا ہے تمہارا۔'' نمیرہ غصّے سے بولی۔

''چلو اس خوشی میں یہ گرما گرم چائے پیئو۔۔'' درشہوار نے الیکٹرک کیٹل سے بنائی چائے کا بھاپ اڑاتا کپ اس کے سامنے رکھا۔

"میں ساتھ تین بوائل انڈے بھی کھاؤں گی۔" نمیرہ کی اگلی فرمائش پر درشہوار کا دماغ گھوما۔

"میں نے کون سی مرغیاں پال رکھیں ہیں کمرے میں۔۔۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"تھوڑا انتظار کرلو، رزلٹ آنے والا ہے، بہت انڈے مل جائیں گے فری میں۔" طوبیٰ نے چائے کی بلند آواز میں چسکی لی۔

"دوبارا چائے پیتے ہوئے یہ شوں کی آواز نکالی تو گلا دبا دوں گی تمہارا۔۔۔" درشہوار جھنجھلا کر طوبیٰ کی طرف پلٹی۔

"گلا تو تمہارا صبح وہ ہیرو دبائے گا، جب "گوانتانا موبے" جیل کا دروازہ توڑ کر باہر نکلے گا۔۔" طوبیٰ نے مسکرا کر یاد دلایا۔

"ہاں تو پنگا کس سے لیا تھا اس نے۔۔۔" درشہوار اب چائے میں رس بھگو بھگو کر مزے سے کھا رہی تھی۔

"گونتانا موبے، دنیا کی خطرناک جیل۔۔۔۔۔" طوبیٰ یاد کر کے بلند آواز میں ہنسی۔

"ایسے انتقامی منصوبے تمہارے ذہن میں خود سے آجاتے ہیں یا کوئی اسپیشل آن لائن کورس کیا ہے تم نے۔۔" نمیرہ نے اپنی کہنی پر لگی رگڑ پر کریم لگاتے ہوئے یونہی پوچھا۔ اس سے پہلے کہ درشہوار اس کی بات کا کوئی تیکھا سا جواب دیتی۔ اس کے کمرے کا دروازہ ناک ہوا، تینوں کی روح فنا ہوگئی، وال کلاک کی گھڑی رات کے ڈھائی بجا رہی تھی۔

"کون۔۔۔؟" درشہوار نے انہیں چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے نیند بھری آواز نکالی۔

"ارسل۔۔" نمیرہ کے بڑے بھائی کی سنجیدہ آواز سن کر تینوں نے سکون کا سانس لیا۔

"توبہ ہے ڈرا ہی دیا، آپ کب آئے اسلام آباد سے۔۔؟" درشہوار نے منہ بناتے ہوئے دروازہ کھولا، اندر داخل ہوتے ہی وہ سامنے کا منظر دیکھ کر حیران ہوا، نمیرہ کارپٹ پر کمبل اوڑھے نیم دراز تھی اور اسکے ساتھ فلور کشن پر طوبیٰ براجمان تھی۔

"شام میں ہی آگیا تھا، یہ بتاؤ، میری یو ایس بی تھی تمہارے پاس۔" ارسل قائد اعظم یونیورسٹی سے فزکس میں ایم ایس کر رہا تھا اور زیادہ تر نور محل میں وہاج بھائی اور فارحہ بھابھی کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ دوستانہ مزاج کا حامل ارسل، اپنی بہن نمیرہ کے برعکس بہت نرم فطرت کا حامل تھا۔

"ہاں ہاں میرے ہی پاس ہے، لیکن آپکو کیسے پتا چلا کہ ہم لوگ جاگ رہے ہیں۔" درشہوار حیران ہوئی۔

"تم لوگوں کے کمرے سے آنے والی آوازیں سن کر اندازہ ہوگیا تھا، ساری فوجیں ہیڈ کوارٹر میں اکٹھی ہیں۔" ارسل نے درشہوار کے روم کو ہیڈ کوارٹر کا نام دے رکھا تھا، کیونکہ شرارتوں کے سارے منصوبے یہیں بیٹھ کر بنتے تھے۔

"آجائیں آپ بھی، چائے پئیں گے۔۔۔" نمیرہ نے کہنی کے بل اٹھتے ہوئے اپنے بھائی کو دعوت نہیں۔

"نہیں، تم لوگ انجوائے کرو، مجھے اپنی ایک اسائمنٹ مکمل کرنی ہے، درشہوار کہاں ہے میری یو ایس بی۔۔" ارسل کو یاد آیا کہ وہ کس کام سے آیا تھا۔

''اس کے لیے تمہیں میرو بھیا سے کونٹیکٹ کرنا ہوگا کیونکہ انہی کے لیپ ٹاپ پورٹ میں لگی ہوئی ہے۔'' درشہوار نے مسکرا کر بتایا۔

''اوہ نو، لیپ ٹاپ تو لے گیا وہ کھاریاں۔۔۔'' ارسل ہلکا سا مایوس ہوا۔

''کھاریاں، کیا مطلب۔۔۔؟ ابھی دو ڈھائی گھنٹے پہلے تو نیچے ملاقات ہوئی ہے ان کی طوبی سے، کیوں طوبی۔؟'' درشہوار کے ایک دم پوچھنے پر وہ ہلکا سا اگڑ بڑا گئی۔

''ہاں، ہاں بالکل۔۔۔'' طوبیٰ نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا۔

''آئی ڈونٹ نو، میرے ساتھ بھی اسکی دو گھنٹے پہلے ہی بات ہوئی تھی اور تب وہ مری سے نکل رہا تھا۔'' ارسل نے انکی معلومات میں اضافہ کیا۔

''لیکن اس طرح اچانک کیوں۔؟ انہوں نے تو سنڈے کو جانا تھا۔۔'' درشہوار پریشان ہوئی اور جسے اصل میں فکر مند ہونا چاہیے تھا وہ مزے سے بیٹھی ڈرائے فروٹس کھا رہی تھی۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے کچھ نہیں بتایا اس نے۔۔۔'' ارسل نے اپنا دامن بچایا۔

''یہ کیسے ممکن ہے، آپکو نہ بتایا ہو۔۔۔'' درشہوار کو بالکل یقین نہیں آیا کیونکہ وہ جانتی تھی شاہ میر اور ارسل ایج فیلوز ہونے کے ساتھ ساتھ بیسٹ فرینڈز بھی تھے اور ایک دوسرے کے گہرے راز دان بھی۔

''بھئی میں اسکا پرسنل اسسٹنٹ تھوڑا ہوں۔ طوبیٰ سے پوچھو، شاید اسے کچھ بتایا ہو۔'' ارسل کے شرارتی انداز پر طوبیٰ بوکھلا گئی، اسکے ہاتھ میں پکڑی چلغوزوں کی پلیٹ چھوٹ کر نیچے کارپٹ پر جا گری۔ ارسل اور درشہوار کے ساتھ ساتھ نمیرہ نے بھی چونک کر اسکی طرف دیکھا۔ جس کے چہرے پر ایسے ہوائیاں اڑ رہی تھیں جیسے وہ چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔

☆......☆......☆

مری میں محمد ہادی کی صبح کا آغاز بڑے ہنگامہ خیز انداز سے ہوا تھا۔

ملازم گل خان نے انہیں بتایا کہ باہر کا دروازہ کسی نے لاک کر رکھا ہے۔ کچن کی کھڑکی کی سلاخ توڑ کر گل خان باہر نکلا تو ایک موٹا تازہ تالا اسکا منہ چڑا رہا تھا اور جب اس نے گھر کے گیٹ کو کھول کر باہر جانا چاہا تو معلوم ہوا کہ پہلے سے اندر لگے لاک کے ساتھ بھی کوئی کارستانی ہو چکی ہے۔

اس برفانی موسم میں دو دو تالوں کو توڑنا اور پھر گیٹ کی کنڈی ہی اکھڑ گئی تھی، گل خان بڑی مشکل سے کسی بندے کو ڈھونڈ کر لایا تھا جس نے گیٹ کی کنڈی کو دوبارا اسکی اصلی حالت میں جوڑا تھا۔ دوسرا گل خان رات کو گیزر جلانا بھی بھول گیا تھا اور اس سارے چکر میں دن کے بارہ بج چکے تھے اور اس وقت آفس جانا خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف تھا کیونکہ ڈی ایف او کے وزٹ کی اطلاع انہیں آ

چکی تھی۔

''تم مانو یا نہ مانو، ساری بے ہودگی اسی ''درشہوار گینگ'' کی ہے۔۔۔'' محمد ہادی نے غصّے میں بالکل درست اندازہ لگایا۔

''ظاہر ہے اور کون کر سکتا ہے ہمارے ساتھ یہ حرکت۔؟'' سعد کمبل میں بکل مارے دونوں پاؤں صوفے پر رکھے بیٹھا ہاتھوں کو رگڑ رگڑ کر سردی کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''خوامخواہ آفس سے بھی چھٹی کرنا پڑ گئی، اب منڈے کو اس ڈی ایف او کی جھاڑ سننا پڑے گی مفت میں۔'' ہادی بیزاری سے گویا ہوا۔

''ویسے بڑے ہی کوئی شیطانی دماغ ہیں ان لڑکیوں کے۔۔'' سعد نے مسکراتے ہوئے تھرماس سے گرما گرم چائے کپ میں انڈیلی۔

''یہ تو کھلی غنڈا گردی ہے۔۔۔'' ہادی کا چہرہ غصّے کی زیادتی سے سرخ ہوا۔

''غنڈا گیری نہیں دادا گیری۔۔۔'' سعد نے ہنس کر لقمہ دیا۔

''ان کو ذرا بھی کسی کا خوف نہیں۔۔۔'' ہادی نے غصّے میں گرما گرم چائے کا کپ منہ سے لگایا۔

''ویسے گھر کو نام بہت مزے کا دیا ہے، گو انتا نامو بے۔۔۔'' سعد کو ایک دم ہی یاد کر کے ہنسی آ گئی۔

''میں آج ہی میر حاکم علی کو جا کر بتا کر آتا ہوں ان کے گھر کی عورتوں کی کارستانیاں۔۔'' ہادی کا بلڈ پریشر ایک دفعہ پھر ہائی ہوا۔

''لیو اٹ یار، خوامخواہ سے بات بڑھ جائے گی۔۔۔'' سعد نے بوکھلا کر اسکی شکل دیکھی، وہ واقعی سنجیدہ تھا۔

''اگر اس سلسلے کو یہیں نہ روکا گیا تو ان کی بے ہودگیوں کا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا۔'' ہادی نے ناشتے کی ٹرے کو اپنی طرف کیا۔ اس سارے ہنگامے میں صبح کا ناشتہ بھی خاصا لیٹ ہو گیا تھا۔

''ڈونٹ ووری، میں ارسل سے بات کروں گا، اس سے اچھی گپ شپ ہے میری۔۔۔'' سعد نے اسے تسلی دی۔

''اب یہ ارسل صاحب کون ہیں۔۔۔؟'' ہادی نے بیزاری سے ٹوسٹ پر جیم لگایا۔

''میر حاکم علی کا نواسا اور میر محتشم کا بھانجا، اسی گھر میں رہتا ہے اور اکثر واک پر اس کے ساتھ گپ شپ رہتی ہے میری۔'' اس نے تفصیل سے جواب دیا۔

''ضرور بات کرنا، ورنہ میں زیادہ دیر تک لحاظ نہیں کروں گا۔۔۔'' ہادی کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

''اچھا چھوڑو، ذرا ٹی وی اسکرین پر دیکھو، عالیہ آنٹی، کتنی گریس فل لگ رہی ہیں۔'' سعد کے ہلکے پھلکے انداز پر اس نے ٹی وی پر نظریں دوڑائیں اور اپنی پیرنٹس کو سامنے دیکھ کر اس کا سارا اشتعال اور غصّہ جھاگ بن کر فضاؤں میں تحلیل ہو گیا۔

بیرسٹر عالیہ قریشی، گرے کلر کے سوٹ کے ساتھ نیوی بلیو شال میں ڈائس پر کھڑی انتہائی ڈیسنٹ لگ رہی تھیں۔ اسلام آباد

کریسنٹ لائنز کلب میں سیمینار کی فوٹیج چل رہی تھی۔عالیہ قریشی کے بعد کیمرہ عبداللہ قریشی صاحب کو بھی خطاب کرتے ہوئے دیکھا رہا تھا۔۔اسٹیج کے بیک گراؤنڈ میں لگے بینر پر آج کے سیمینار کا ٹاپک تحریر تھا۔

"Role of youth in Eradication of Corruption"

سیمینار کے اختتام کے بعد بھی بے شمار ٹی وی کیمروں کی روشنیوں نے ان دونوں میاں بیوی کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔وہ دونوں ہی بڑی متاثر کن شخصیت کے حامل تھے۔عالیہ قریشی خود تو بیرسٹر تھیں اور ان کے شوہر قومی احتساب بیورو میں ڈائریکٹر جنرل کے اہم عہدے پر فائز تھے،اور دونوں ہی کئی انسانی حقوق کی تنظیموں کے ساتھ کام کر چکے تھے۔

کیمرہ اب عبداللہ قریشی کو فوکس کیے ہوئے تھا۔سیاہ سوٹ میں ان کی کنپٹی سے جھانکتی سفیدی ان کے وقار میں کئی گنا اضافہ کر رہی تھی۔ان کی گفتگو کا انداز اور لہجہ متاثر کن تھا اور ان کے دلائل میں بہتے دریا کی سی روانی ہوتی تھی،اس کی بڑی وجہ ان کا وسیع مطالعہ اور متاثر کن اکیڈمک ریکارڈ تھا۔ہادی نے جلدی سے ٹی وی کی آواز کا والیوم بڑھایا۔اپنے پیرنٹس کو ہمیشہ ایک ساتھ دیکھنا اس کو بڑی فطری سی خوشی کا احساس بخشتا تھا۔

''میم اینٹی کرپشن ڈے پر کیا آپ ہمارے ناضرین کو سادہ اور آسان الفاظ میں بتائیں گی کہ اصل میں کرپشن ہے کیا۔۔؟''

ایک نیوز چینل کی رپورٹر کے سوال پر مسز عالیہ قریشی کے ہونٹوں پر بڑی دھیمی سی مسکراہٹ ابھری۔

''ایک مہذب معاشرے میں رہتے ہوئے آپکا ہر وہ عمل جو قانونی،اخلاقی،معاشرتی،سماجی اور مذہبی حدود سے تجاوز کر جائے ،کرپشن کے زمرے میں آتا ہے۔'' وہ اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''ہم اپنی سوسائٹی سے آخر کیسے کرپشن کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔۔؟''ایک اور نیوز رپورٹر نے ان کے شوہر عبداللہ قریشی کو گھیرا۔

''دیکھیں کرپشن کا خاتمہ کسی ٹارگٹ سے نہیں بلکہ ایک مسلسل عمل سے ہونا چاہیے۔''عبداللہ قریشی کا انداز خاصا بارعب تھا،شاید اسکی وجہ وہ پوسٹ تھی جس پر وہ کافی عرصے تعینات تھے۔

''وہ کیسے۔۔۔آپ اس پر روشنی ڈالنا پسند کریں گے۔؟''

''کرپشن کبھی بھی چند سیاست دانوں یا کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والے کرپٹ لوگوں کو جیل کی سلاخوں میں ڈالنے سے ختم نہیں ہوگی،اس کے لیے ہمیں اپنی اخلاقی اقدار کو فروغ دینا ہوگا۔معاشرتی تفریق کو ختم کرنا ہوگا اور لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال کو سب کے لیے یکساں کرنا ہوگا''اس سوال کا جواب بیرسٹر عالیہ قریشی کی طرف سے بڑے تحمل اور متانت بھرے انداز میں آیا تھا۔

''یہ بات تو طے ہے کہ آنٹی عالیہ جہاں بھی ہوں،پورے ماحول پر چھا جاتی ہیں۔''سعد نے کھلے دل سے انہیں سراہتے ہوئے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی کی آواز کم کی۔''ماشاءاللہ بہت کمپوزڈ اور اسٹرونگ نروز کی حامل ہیں تمہاری مدر۔۔۔''

''یہ اپنی پروفیشنل لائف میں جتنی کمپوزڈ، اور اسٹرونگ نروز کی حامل نظر آتی ہیں، اپنی پرسنل لائف میں اتنی ہی ایموشنل ہیں۔'' ہادی نے ہنس کر تصیح کی۔

''لیکن صرف تمہارے معاملے میں۔۔۔'' سعد نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں میرے معاملے میں تو بہت پوزیسیو ہیں۔'' وہ بڑے دل سے مسکرایا۔

''تمہیں پتا ہے، میں پری میچورڈ بے بی تھا، اور ایک ماہ مجھے نرسری میں رکھنا پڑا اور وہ ایک مہینہ ماما نے پراپر کھانا نہیں کھایا تھا اور میری پیدائش میری سگی پھپھو کے ہاتھوں ہوئی تھی جو بہترین گائناکولوجسٹ تھیں لیکن جب تک میری کنڈیشن اسٹیبل نہیں ہوئی ماما روزانہ، پھپھو سے لڑتی تھیں کہ تم نے میرا کیس خراب کر دیا۔'' ہادی نے ماضی کی چند چیزوں کو پہلی دفعہ سعد سے شیئر کیا۔

''ہاں اتنا تو پتا ہے مجھے، پورے تیرہ سال بعد قدم رنجہ فرمایا تھا تم نے دنیا میں۔۔۔'' سعد نے مسکراتے ہوئے ٹوسٹ پر جیم لگایا۔

''ماما نے میرے ایک ایک دن کی تصویروں کا ایک پورا ریکارڈ مرتب کر رکھا ہے۔'' ہادی کی بات پر وہ خوشگوار حیرت کا شکار ہوا۔ اسی وقت ہادی کے سیل فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف مناہل تھی اسکی پھپھو زاد کزن۔۔

''ہاں بھئی منو، پہنچ گئی ہو گھر۔۔۔'' ہادی نے اسکی کال اٹینڈ کرتے ہی اُسے چھیڑا۔ سعد نے چونک کر اسکی طرف دیکھا۔ وہ بہت کم لوگوں کے ساتھ اتنی بے تکلفی سے بات کرتا تھا۔

''جی جناب، میں تو پہنچ گئی ہوں، تم اپنی خیر مناؤ'' مناہل کھلکھلا کر ہنسی۔

''کیا مطلب۔۔۔؟'' وہ اسکی شرارت بھری ہنسی پر الجھا۔

''عالیہ ممانی کا موڈ سخت آف ہے، پتا ہے ناں آج ویڈنگ اینورسری ہے ماموں، ممانی کی۔'' مناہل کی بات پر وہ ہلکا سا بوکھلایا۔

''اوہ مائی گاڈ، میرے تو ذہن ہی سے نکل گیا تھا، ابھی پہنچتا ہوں میں گھر، تم ماں کو ذرا ریلیکس کرو۔۔''

''میں تو کر لوں گی لیکن تم ان کے لیے گفٹ لینا مت بھولنا۔۔۔'' اسکی اگلی بات پر وہ ہلکا سا پریشان ہوا۔

''تمہیں پتا ہے ناں، مجھے لیڈیز شاپنگ کا کوئی ایکسپیرینس نہیں، گھر پہنچ کر میں تمہیں بیل دوں گا، فوراً باہر نکل آنا، سوپر مارکیٹ سے کچھ لے آئیں گے'' اس نے جلدی جلدی پلان بنایا۔

''اوکے، جلدی پہنچو، میں نے کیک بیک کر لیا ہے۔۔۔'' مناہل نے مسکراتے ہوئے کال بند کی۔

''کیا ہوا۔۔؟'' سعد نے پریشانی سے پوچھا۔

''یار ماما، پاپا کی ویڈنگ اینورسری تھی اور میرے ذہن ہی سے نکل گیا، اب بھی منو نہ بتاتی تو ماں تو مجھے سچ مچ قتل کر دیتیں۔''

''منو۔؟ یہ کون ہے، پہلی دفعہ سنا ہے یہ نام۔۔۔'' سعد نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

''میری کویت والی پھپھو کی بیٹی ہے، اکنامکس میں ماسٹرز کر رہی ہے، اور بچپن سے ہمارے ہی گھر میں رہ رہی تھی لیکن اب کچھ عرصے سے ہوسٹل شفٹ ہوگئی ہے، لیکن آنا جانا لگا رہتا ہے۔۔'' ہادی کی اطلاع پر وہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

''خاصی فرینکنیس لگتی ہے تمہارے ساتھ۔۔''اس نے شرارت سے آنکھیں گھمائیں۔''کوئی چکر، وکر تو نہیں۔۔۔؟''

''گدھے، رضاعی بہن ہے میری۔۔۔'' ہادی نے اس کے سر پر بم پھوڑا۔

''رضاعی بہن، وہ کیسے۔۔۔؟''

میری پیدائش پر ماما بہت بیمار ہوگئیں تھیں اور باہر کا دودھ سوٹ نہیں کر رہا تھا مجھے تو میری پھپھو نے پورے دو ماہ اپنے بیٹے کے ساتھ ساتھ مجھے بھی فیڈ کروایا تھا اپنا۔۔'' ہادی نے اس بار ذرا تفصیل سے بتایا۔

''اوہ سوری یار۔۔''سعد ایک دم شرمندہ ہوا۔

''اب تم بیٹھ کر شرمندہ ہوتے رہو، مجھے فوراً نکلنا ہے، ورنہ ماما کا پارہ مہنگائی کی طرح بڑھتا جائے گا۔۔'' وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں پہنچا، اسکے کمرے کی کھڑکی کا پردہ ہٹا ہوا تھا اور دوسری طرف درشہوار کے کمرے کی کھڑکی بھی کھلی ہوئی تھی۔ ساؤنڈ سسٹم پر بلند آواز میں پھر وہی منحوس گانا گونج رہا تھا۔ جس سے ہادی کو چڑ ہوگئی تھی۔

گھوڑے جیسی چال، ہاتھی جیسی دم۔۔۔

او ساون راجا، کہاں سے آئے تم۔۔۔؟

''مجھے روم تبدیل کر لینا چاہیے۔۔۔''اس نے بیزاری سے کھڑکی بند کرتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا اور واپسی پر اس پر عمل درآمد کرنے کا بھی تہیہ کر لیا کیونکہ درشہوار کے کمرے کی کھڑکی سے اسے بہت سی ان کہی کہانیوں کی سرگوشیاں آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اور وہ ایسی کسی داستان کا مرکزی کردار نہیں بننا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

ایف ایٹ سیکٹر میں واقع نور محل کے اندر کا موسم آج باہر کے موسم سے زیادہ سرد تھا۔ وہاج کا موڈ انتہائی بگڑا ہوا تھا اور فارحہ بھابھی، سہمے ہوئے انداز میں اپنی واڈروب کے اندر سے ان کی پرپل کلر کی شرٹ ڈھونڈ رہیں تھیں جس کی آج ان کے مزاجی خدا کو اچانک ہی یاد ستانے لگی تھی۔

''آج کی تاریخ میں ملے گی شرٹ یا فاتحہ پڑھ لوں اس پر۔۔۔''ان کا تلخ لہجہ فارحہ کے ہاتھ پیر پھلا رہا تھا۔

''یہیں رکھی تھی میں نے۔۔۔'' وہ خوفزدہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''پیچھے ہٹو، تم سے کوئی کام ڈھنگ سے ہوتا ہے بھلا، عجیب نحوست پھیلا رکھی ہے میری زندگی میں پچھلے چار سال

سے۔۔۔" وہاج نے غصّے سے اپنی بیوی کا بازو پکڑ کر پیچھے دھکیلا اور خود واڈروب میں ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگا۔

"امی نے بھی ملازموں کی ساری فوج اکھٹی کر رکھی ہے مری میں، یہ نہیں ہوتا کہ دو چار ڈھنگ کے نوکر یہاں بھی بھجوا دیں، بہوتو ان کی دنیا جہان کی سست اور بیمار روح ہے، اس سے تو اپنا آپ نہیں سنبھالا جاتا، مجھے اور گھر کو کیا خاک سنبھالے گی۔" وہاج کا فشار خون بلند ہوتا جا رہا تھا۔

"آپ دوسری شرٹ پہن لیں۔۔۔" فارحہ نے ہلکا سا جھجک کر مشورہ دیا۔

"بکواس بند کرو اپنی، ورنہ منہ توڑ دوں گا تمہارا۔۔" انہوں نے پلٹ کر غضب ناک نظروں سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا جس پر آجکل انہیں کچھ زیادہ ہی غصہ آنے لگا تھا۔ وہ سر جھکا کر خاموشی سے بیٹھ گئی۔

فارحہ ظہیر کو چار سال پہلے جاننے والا کوئی بھی شخص اب دیکھتا تو شاکڈ رہ جاتا، پنجاب یونیورسٹی کے کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ کی گولڈ میڈلسٹ لڑکی کا سارا اعتماد اس کے شوہر وہاج نے شادی کے پہلے چار مہینوں میں ہی ختم کر دیا تھا۔ بات بے بات لڑائی جھگڑے، طنزیہ لہجہ اور چار لوگوں میں بیٹھ کر اس کی عزت نفس کو مجروح کرنا، اسکے شوہر کا مرغوب مشغلہ تھا۔

شادی کے چھے ماہ بعد ہی فارحہ کو پتا چل گیا تھا کہ اسکے ہاں اولاد نہ ہونے کی اصل وجہ وہ خود نہیں اسکے شوہر کی میڈیکل رپورٹس تھیں، اس بات کے بعد تو وہاج نے اسے اس قدر دبا دیا تھا کہ میر فیملی کی سبھی خواتین اسکی ذمے دار فارحہ کو ہی ٹھہراتی تھیں، کیونکہ اس کے بولنے سے پہلے ہی وہاج ایک ایک بندے کو پکڑ کر اپنی بیوی کو موردالزام ٹھہرا چکا تھا، اور فارحہ کے ہونٹوں پر ٹھہری خاموشی نے خود بخود اس بات کی سچائی پر اپنی مہر ثبت کر دی تھی۔

فارحہ کی کمزوری اور خاموشی کی ایک وجہ اسکے میکے کے حالات تھے۔ اس کے والد نے بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی ایک ادھیڑ عمر ایکٹریس سے کر لی تھی اور وہ خاتون اپنے تین بچوں کے ساتھ اس کے گھر پر قبضہ جما چکی تھی، چنانچہ اسکے والد نے افراتفری میں اپنی دونوں بیٹیوں کو کسی بوجھ کی طرح سر سے اتار پھینکا اور بیٹے کو باہر پڑھنے کے لیے بھجوا دیا۔ اس کی دوسری بہن بھی اپنے گھر میں خوش نہیں تھیں لیکن دونوں کو گلے میں پڑا ڈھول ہر حال میں بجانا تھا، کیونکہ میکے میں واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا اور یہ بات وہاج بہت اچھی طرح سے جانتا تھا اور اسی کا فائدہ اٹھاتا تھا۔

"جاہل عورت، یہ ہے وہ شرٹ، جو تم گولا بنا کر واڈروب میں پھینک چکیں تھیں۔" وہ اپنی مطلوبہ شرٹ نکال کر سامنے لے آیا، فارحہ نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"کرتا ہوں تمہارا بھی علاج۔۔۔" اس نے سیل فون پر اپنی والدہ تاجدار بیگم کا نمبر ملایا۔

"امی یا تو اپنی اس پھوہڑ اور دنیا جہان کی سست بہو کو مری بلوا لیں اپنے پاس، یا پھر صندل کو شام سے پہلے بھجوا دیں یہاں۔" وہ

اپنے منصوبے کی راہ کامیابی سے ہموار کر چکا تھا۔

''کیا ہوا بیٹا، کیا پھر کوئی جھگڑا ہو گیا تمہارا فارحہ سے۔۔۔'' دوسری طرف وہ گھبرا گئیں۔

''اس سے پہلے کہ کوئی لمبا پنگا ہو جائے اور واپسی کی کوئی راہ نہ بچے، اس منحوس عورت کو سمجھا دیں اپنی زبان میں، اگر اس سے گھر نہیں سنبھلتا تو چلی جائے اپنے باپ کے گھر، مجھے اسکی ضرورت نہیں۔۔۔'' وہاج کا مشتعل لہجہ تاجدار بیگم کے ہاتھ پیر پھلا گیا۔

''آخر ہوا کیا ہے، کچھ پتا بھی تو چلے۔۔۔''

''اس عورت سے میری چیزیں تک سنبھال کر نہیں رکھی جاتیں، ہر تیسرے دن کوئی نہ کوئی چیز گم کر دیتی ہے، سارا دن اسے کیبل اور ٹی وی دیکھنے سے فرصت نہیں ملتی، اور آخر کام ہی کیا ہے اسے۔۔'' وہ متنفر لہجے میں مزید گویا ہوا۔

شکر نہیں کرتی، کہ میر وہاج علی کی بیوی ہے یہ، پیر دھو دھو کر بھی پیے تو تب بھی کم ہے، ابھی تین حرف بھیج کر اسکے باپ کے گھر بھجوا دوں تو اسکی ایکٹریس ماں تین دن میں دماغ درست کر دے گی اسکا۔'' اسکا زہر آلود لہجہ فارحہ کے دل کو آری کی طرح کاٹ رہا تھا۔

''اچھا اچھا، تم بھی تھوڑا تحمل سے کام لیا کرو، بجھواتی ہوں صندل کو شام تک، بہت پھرتیلی لڑکی ہے، سارا کام سنبھال لے گی۔'' ارجمند بیگم کے منہ سے نکلنے والی اس بات نے وہاج کی روح کو اندر تک سرشار کر دیا تھا لیکن یہ موقع نرمی دیکھانے کا نہیں تھا۔

''اس صندل کو بھی اپنی زبان میں سمجھا کر بجھوایئے گا، ذرا سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کروں گا میں۔۔' وہاج نے ابھی بھی اپنی ٹانگ اوپر ہی رکھی تھی۔

''تم خود بھی تھوڑا سمجھ جاؤ تو بہتر ہے۔ ہر وقت اپنے داجی کی طرح توپ کے دہانے پر بیٹھے رہتے ہو۔'' ارجمند بیگم اپنی اولاد کی زیادہ طرفداری کی قائل نہیں تھیں۔ ''فارحہ کہاں ہے، فون دو اسے۔۔''

''بات کروامی سے۔۔۔'' اس نے بدتمیزی سے اپنا سیل فون بیڈ پر اسکی طرف پھینکا۔

''جی پھپھو۔۔۔'' فارحہ نے گرم گرم آنسوؤں کے گولے کو بمشکل نگلا۔ دوسری طرف ہمیشہ کی طرح تاجدار بیگم نے اسے نرمی سے سمجھانا شروع کر دیا تھا اور یہ وہی باتیں تھیں جو وہ پچھلے چار سال سے سنتی آ رہی تھی۔ ان میں کچھ بھی نیا پن نہیں تھا۔

☆......☆......☆

قریشی ولا، بوگن ویلیا کی گلابی بیلوں سے ڈھکا ایک خوبصورت بنگلہ تھا۔ جو اسلام آباد کی مارگلہ کی پہاڑیوں کے عین سامنے واقع تھا۔ اس گھر کے وسیع وعریض لان کے عین درمیان میں ایک چھوٹا سا سوئمنگ پول تھا۔

اس گھر میں مقیم تین افراد، محبت کی ایک مضبوط ڈور میں بندھے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے یہاں آنے والا کوئی بھی نیا بندہ ان کی آپس کی انڈراسٹینڈنگ اور بے تکلفی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

سیاہ گیٹ سے باہر عبداللہ قریشی کی ہنڈا اکارڈ گاڑی کا ہارن بجا، چوکیدار نے بڑی مستعدی سے گیٹ کے دونوں پٹ وا کیے۔گاڑی سبک رفتاری سے سرمئی تارکول کی سڑک پر گویا بہتی ہوئی پورچ تک پہنچی، اور وہاں پہلے سے موجود ہنڈا سوک کو دیکھ کر ان کے چہرے پر بڑی پدرانہ شفقت بھری مسکراہٹ دوڑی تھی۔ان کا پی اے جلدی سے ان کا بریف کیس اور فائلیں گاڑی سے نکالنے لگا۔

''خاور، گاڑی کی بیک سائیڈ پر رکھا فولڈر بھی میری اسٹڈی میں رکھ دینا۔۔۔''انہوں نے بغیر مڑے اپنے پی اے سے کہا اور شاہ بلوط کی لکڑی کا بنا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے، سامنے انکی بھانجی مناہل، ملازمہ سے کھانے کی ٹیبل سیٹ کروا رہی تھی۔

''السلام علیکم ماموں۔۔۔'' وہ بڑے پرجوش انداز میں انکی طرف بڑھی۔

''وعلیکم السلام، کیسی ہے میری منو۔۔؟'' انہوں نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

''فائن، آپکو پتا ہے، محمد ہادی صاحب بھی تشریف لا چکے ہیں۔۔۔''اس نے اپنی طرف سے انہیں اطلاع دی۔

''دیکھ چکا ہوں اس نالائق کی گاڑی، بمپر تھوڑا ٹوٹا ہوا ہے، لگتا ہے پھر کہیں سے ٹھکوا لایا ہے۔''ان کے لہجے میں بیٹے کے لیے محبت ہی محبت تھی۔وہ تیز تیز چلتے ہوئے لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھے، اور جیسے ہی بیڈ روم کا دروازہ کھولا، اندر وہی منظر ان کا منتظر تھا، جو وہ پچھلے کئی سالوں سے دیکھتے آرہے تھے۔

''جنٹل مین، خیال آ گیا تمہیں اپنی ماں کا۔۔۔''

قریشی صاحب نے کمرے میں داخل ہوئے اسے چھیڑا، ہادی کی یہ بچپن کی عادت تھی، وہ ہر وقت اپنی ماں کے ساتھ چمٹا رہتا تھا، اور وہ بھی جاب سے آنے کے بعد ایک لمحے کو بھی اسے اکیلا نہیں چھوڑتی تھیں۔

''اپنی پیاری ماں کا خیال بھولتا ہی کب ہے مجھے۔۔۔''اس نے بھی دوبدو جواب دیا۔ویسے بھی قریشی ولا وہ واحد جگہ تھی جہاں محمد ہادی کو دیکھنے والے کبھی اس بات کا یقین نہ کرتے کہ وہ اس قدر ہنس مکھ، شرارتی اور نرم دل بھی ہو سکتا ہے۔باہر کی دنیا میں اسکا امیج بہت سنجیدہ اور کسی حد تک روڈ مشہور تھا اور اس نے کبھی اس کی تصیح کرنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔

''عالیہ مسکا لگا رہا ہے تمہیں، پتا ہے ناں پورے سات دن بعد آیا ہے یہ گھر۔۔۔''قریشی صاحب نے کوٹ اتارتے ہوئے شرارتی انداز سے اپنی بیگم کو بھڑکانے کی کوشش کی۔

''بابا، ویسے، بڑے ہی کوئی افسوس کی بات ہے۔''وہ فوراً اٹھ کر تاسف بھری نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''خود آپ اینٹی کرپشن ڈیپارٹمنٹ میں جاب کرتے ہیں، اس طرح کسی کے جذبات کو مشتعل کرنا بھی جذباتی کرپشن کے زمرے میں آتا ہے۔''اس نے سائیڈ میز پر رکھی پھلوں کی ٹوکری سے سیب نکالا اور مزے سے کھانے لگا۔

''لو میں نے کون سا غلط بات کی، آخر مری ہے ہی کتنا دور، تمہیں اپنی ماں کی فیلنگس کا خیال ہونا چاہیے، آخر کو اکلوتی اولاد ہو

اسکی۔" وہ بظاہر عالیہ بیگم کی طرفداری کر رہے تھے لیکن وہ مسکراتے ہوئے ان کی شرارت سمجھ چکی تھیں۔

"ماما، آپ کو شر پسند عناصر کی باتوں میں آنے کی قطعاً ضرورت نہیں، آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ "کچھ" لوگ ماضی میں بھی ایسی حرکتیں کر کے ہمارے تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش کر چکے ہیں۔۔" اس نے ماں کا ہاتھ مضبوطی سے دبا کر شوخی سے کہا۔

"میں سب جانتی ہوں بیٹا۔۔۔"انہوں نے محبت سے اسکے ماتھے کا بوسہ لیا۔

"خواتین و حضرات، کھانا لگ چکا ہے ٹیبل پر، آپ لوگ تشریف لا سکتے ہیں۔" مناہل نے ہلکا سا اندر جھانک کر بلند آواز میں اعلان کیا۔

"دیکھ لو منو، آج اپنا بیٹا آیا ہے تو آپ کو بھی کوئی لفٹ ہی نہیں۔۔۔" قریشی صاحب کا موڈ آج خاصا فریش تھا۔

"ماما، آپ کے شوہر نامدار گھر کا ماحول خراب کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔" ہادی نے عالیہ بیگم کو بھڑکایا اور اس میں کافی کامیاب بھی رہا۔

"عبداللہ صاحب اپنی عمر دیکھیں اور حرکتیں دیکھیں۔۔۔" وہ مسکراتے ہوئے بیڈ سے اٹھیں۔

"کیوں، کیا ہوا ہے میری عمر کو، کل تمہارے چیمبر میں تمہارے کلائنٹ کے ساتھ آنے والی بچی بھی کتنے غور سے دیکھ رہی تھی مجھے۔"

"ماموں آپکی شکل ملتی ہوگی اسکے فادر سے۔۔۔" مناہل نے اپنا نچلا ہونٹ دبا کر شرارت سے کہا تو ہادی اور عالیہ بیگم بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"بھانجی، آپ سے مجھے اس طوطا چشمی کی امید نہیں تھی۔۔۔" وہ مصنوعی ناراضگی سے گویا ہوئے۔

"سوری ماموں۔۔۔" مناہل نے کان کھجاتے ہوئے معذرت کا اظہار کیا۔

وہ قریشی صاحب کی کویت میں مقیم اکلوتی بہن کے تین بچوں میں سب سے چھوٹی اور لاڈلی تھی، اور پڑھائی کے سلسلے میں گذشتہ بہت سالوں سے پاکستان میں مقیم تھی، قریشی صاحب اور عالیہ بیگم نے پوری کوشش کی وہ انہی کے ساتھ اس گھر میں رہے لیکن وہ دونوں ہی اپنی جابز اور پروفیشنل مصروفیات کی بنا پر مصروف رہتے تھے، اس لیے کچھ عرصہ یہاں رہنے کے بعد وہ بور ہو کر ہوسٹل میں مقیم ہوگئی تھی، اس کی ہادی کے ساتھ بے تحاشا دوستی تھی، حالانکہ وہ اس سے دو تین سال چھوٹی تھی لیکن اسے دھڑلے سے صرف ہادی کہتی تھی، اب تو اس کی والدہ نے بھی اس بات پر اسے ٹوکنا چھوڑ دیا تھا۔

"ہاں بھئی منو، کیا کیا بنایا ہے۔۔۔؟" ہادی ڈونگے اٹھا اٹھا کر اندر جھانکنے لگا۔

"تمہارا فیورٹ حلیم، قیمہ مٹر اور نہاری۔۔" مناہل کی بات پر وہ مسکرایا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ جب بھی گھر ہوتی، اسکی پسند کی

کوکوکنگ کرنا اس پر واجب ہو جاتا تھا۔

"چلو پھر اس خوشی میں ڈنر کے بعد آئس کریم اور پھر لونگ ڈرائیو پر چلتے ہیں۔۔" ہادی نے مسکرا کر سالن اپنی پلیٹ میں ڈالا۔

"اور ہم بوڑھے لوگ۔۔۔" قریشی صاحب نے مسکرا کر بیچ میں لقمہ دیا۔

"آپ کی آج ویڈنگ اینورسری ہے بابا، لے کر جائیں ناں ماما کو کوئی مووی شووی دیکھانے یا لونگ ڈرائیو پر، کم از کم آپ کو آج کے دن تو ماما کو امپورٹینس دینی چاہیے، ویسے تو پورا سال ذرا خیال نہیں ہوتا آپکو ان کا۔" ہادی نے انہیں چھیڑا، اور وہ اسکی شرارت سمجھ کر قہقہ لگا کر ہنسے۔

"ہاں ہنس ہنس کر ٹال دیا کریں ایسی باتوں کو، بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے وہ۔۔" عالیہ بیگم حقیقتاً بُرا مان گئیں۔

"بہت خبیث روح ہو تم۔۔۔ لگا دیا ناں اپنی ماں کو میرے پیچھے۔۔۔"

"الحمداللہ۔۔۔ اپنی صلاحیتوں پر کبھی غرور نہیں کیا، آخر کو بیٹا کس کا ہوں۔" ہادی نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا، جو کھانا بھول کر اب عالیہ بیگم کو منانے میں لگے ہوئے تھے۔ جب کہ مناہل بھی مزے سے عبداللہ صاحب کو منتیں کرتا دیکھ رہی تھی

☆......☆......☆

طوبیٰ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

سامنے آتشدان کے قریب رکھی راکنگ چئیر پر انابیہ اپنی گود میں مظہر السلام کی کتاب "محبت مُردہ پھولوں کی سمفنی" رکھے ،آنکھیں بند کر کے کسی گہری سوچ میں گم تھی، اسے طوبیٰ کی آمد کا پتا نہیں چلا تھا۔ اس نے چپکے سے کتاب اٹھائی، سامنے چند لائنوں کو انڈر لائن کیا ہوا تھا۔ اس نے خاموشی سے انہیں پڑھنا شروع کر دیا۔

"محبت بڑی شفاف چیز ہے کسی آئینے کی طرح، اس پر ہلکا سا ناگواری کا کوئی میلا چھینٹا بھی فوراً دیکھائی پڑ جاتا ہے، ہر سچی اور خالص چیز کے ساتھ یہی مسئلہ ہے تھوڑا سا نا خالص احساس بھی یکدم بُرا لگنے لگتا ہے۔ اس لیے کسی بھی میلے لفظ، جملے، کج ادائی، یا دل کی کسی غافل دھڑکن کی وجہ سے محبت کے سیب کو کیڑا لگ جاتا ہے۔"

طوبی نے سر اٹھا کر اپنی بہن کے افسردہ چہرے کو غور سے دیکھا، وہ ابھی تک آنکھیں بند کیے دنیا و مافیہا سے بے نیاز گہری سوچوں کے سمندر میں غلطاں تھی۔

"بیا۔۔۔!!!" اس نے آہستگی سے اسے پکارا۔

"ہوں۔۔۔" انابیہ نے آنکھیں کھولیں، جو دہکتے ہوئے کوئلے کی طرح سرخ تھیں۔

"یہ اتنی مشکل چیزیں کیسے سمجھ آجاتی ہیں آپ کو۔۔۔" اس نے مظہر الاسلام کی کتاب کی طرف اشارہ کیا۔

''اس میں مشکل کیا ہے۔۔۔؟'' وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

''مجھے محبت کے اتنے پیچیدہ فلسفے سمجھ نہیں آتے۔۔۔''

''محبت جس کو سمجھ میں آجائے ،اسے کچھ اور سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔۔''

''ذرا اس پر روشنی ڈالنا پسند کریں گی۔۔۔؟'' طوبیٰ نے منہ بنایا۔

''جب محبت کسی دل پر وحی کی طرح اترتی ہے تو کائنات کے سارے راز اس پر آشکار ہونے لگتے ہیں۔ان کہی کہانیوں کے رمز سمجھ میں آنے لگتے ہیں،افسانوی کرداروں کی حقیقتیں کھلنا شروع ہو جاتی ہیں،محبت میں کیا،کیوں اور کب نہیں ہوتا،صرف ''ہاں'' اور ''جی'' کی گردان ہوتی ہے۔محبت ''انا'' کے مقبرے پر بیٹھ کر ہر وقت خود کو مٹانے کا نام ہے۔'' وہ خلا میں کسی نادیدہ نقطے پر آنکھیں جمائے کسی اور جہان میں پہنچی ہوئی تھی۔

''برہان بھائی سے محبت کرتی ہیں ناں آپ۔۔۔؟'' طوبیٰ نے اس دفعہ براہ راست اسکی آنکھوں میں جھانکا۔

''کیا اب بھی اس سوال کے جواب کی ضرورت ہے۔۔''انابیہ نے اسے لاجواب کیا۔

''اور وہ کرتے ہیں آپ سے۔۔۔؟''طوبی کا عجیب سا لہجہ اسے وہ بات سمجھا گیا، جسے وہ جان بوجھ کر سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

''مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔۔'' اس نے نظریں چرا کر کہا۔

''کس دور میں رہتی ہیں بیا آپ،اب یکطرفہ محبتوں کا زمانہ گذر گیا،محبت کچھ دو اور کچھ لو کی پالیسی پر چلتی ہے۔'' طوبیٰ اس سے چھوٹی لیکن زیادہ پریکٹیکل اپروچ رکھتی تھی۔

''کیا اب مجھے جا کر ان سے چاہت کی بھیک مانگنی چاہیے۔۔؟'' ایک استہزائیہ مسکراہٹ اسکے لبوں پر ابھری۔

''بھیک کیوں،اپنا حق مانگیں،آخر کو نکاح ہوا ہے آپ کا ان کے ساتھ۔۔۔'' اسے بہن کی حالت دیکھ کر برہان پر غصّہ آیا۔

''نکاح کے چند بولوں سے اگر دلوں میں چاہتوں کی فصل اگ آتی تو آج دنیا کے سارے شادی شدہ جوڑے بڑی خوشگوار زندگی گذار رہے ہوتے۔''انابیہ پھیکے سے انداز میں زبردستی مسکرائی۔

''تو پھر چھوڑ دیں انہیں، اپنی زندگی کو پرسکون بنائیں،قریب رہ کر سلگنے سے بہتر ہے بندہ کسی مقام پر بچھڑ جائے۔''طوبیٰ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، جو اسے خاصی مہنگی پڑی۔

''جب خود اس سچوئشن سے گذرو گی تو تب پوچھوں گی۔'' وہ بُرا مان گئی تھی۔

''کیا مطلب۔۔۔؟''

''ترک محبت کا مشورہ دینا بہت آسان ہوتا ہے،لیکن اس پر عمل درآمد کرنے سے پہلے ہی بندہ کوئلوں کے دہکتے فرش پر ننگے پاؤں

آن کھڑا ہوتا ہے، محبت سے جتنا دور بھاگو، وہ اتنا ہی آپ کے تعاقب میں آتی ہے، تھک ہار کر کہیں بیٹھ جاؤ، تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنستی ہے، اپنے دل میں اسکی قبر بنالو، تو ہر روز پہلے خود مرنا پڑتا ہے۔" انابیہ تلخ لہجے میں گویا ہوئی۔

"بے فکر رہیں، میں ان چیزوں پر یقین نہیں رکھتی، کیا فائدہ ایسی ان دیکھی آگ میں سلگنے کا۔" وہ بے فکری سے مسکرائی۔

"تم کہہ سکتی ہو، کیونکہ تم خود ابھی اس اسٹیج سے نہیں گذریں، برہان کی طرح تم بھی کسی اور کے تڑپنے کا تماشا دیکھ رہی ہو ابھی۔" انابیہ کی بات پر اسے کرنٹ لگا۔ وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر لڑاکا انداز میں بالکل اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"کس کے تڑپنے کا تماشا دیکھ رہی ہوں میں۔۔۔؟"

"شاہ میر کے۔۔۔" انابیہ کے منہ سے نکلنے والے ان الفاظ سے طوبیٰ کو لگا جیسے میر ہاؤس کی چھت اس پر آن گری ہو۔ وہ بات جو اس نے اپنی طرف سے زمانے بھر سے چھپا رکھی تھی، وہ اسکی ماں جائی کو نہ صرف معلوم تھی، بلکہ اس حوالے سے پہلا طعنہ بھی اسی کی طرف سے مل چکا تھا اسے۔

☆......☆......☆

خنک ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکے نے اس کے چہرے کو چھو کر طمانیت کا احساس بخشا۔

شالیمار کرکٹ گراؤنڈ میں بنے جوگنگ ٹریک پر بھاگتے ہوئے شہرزاد نے ہینڈ فری کانوں سے لگا رکھا تھا۔ اس کا سیل فون اسکی جیکٹ کی جیب میں تھا۔ یہ اسکا چوتھا چکر تھا جب اسے احساس ہوا کہ وہ کسی کی گہری نظروں کے حصار میں ہے۔

وہ چلتے چلتے رکی اور اس نے متلاشی نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھا، صبح کے اس وقت کافی لوگ یہاں موجود تھے اور ہر کوئی اپنی دھن میں ٹریک پر بھاگ رہا تھا، اور کسی کی بھی توجہ اپنی طرف نہ پا کر وہ سنگ مرمر کے بینچ پر بیٹھ گئی۔

جیکٹ کی جیب سے پانی کی چھوٹی بوتل نکال کر گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔ اسی وقت اسکے سیل فون کی مترنم گھنٹی بجی۔۔۔

اس نے فون نکال کر دیکھا، فیس بک میسنجر سے آنے والی "ہم زاد" کی کال دیکھ کر اس کے لبوں پر ایک جاندار مسکراہٹ ابھری۔ اسے نہ جانے کیوں یقین تھا کہ یہ کال اسی کی ہوگی۔

"آپ تو لڑکیوں سے بھی زیادہ محتاط ہیں۔۔۔" شہرزاد نے کال اٹینڈ کرتے ہی طنزیہ لہجے میں کہا۔

"سیدھا سادا بزدل بھی کہہ دیتیں تو میں مائنڈ نہ کرتا۔۔۔" وہ قہقہہ لگا کر اپنی بات پر خود ہی ہنسا تھا۔

"ہاں وہ تو اندازہ ہو رہا ہے مجھے، ورنہ اپنے ڈائریکٹ نمبر سے کال کرتے۔" وہ مسکرائی۔

"ڈائریکٹ ڈائلنگ بھی کر لیں گے، جس دن کوئی گرین سگنل ملے گا۔" وہ معنی خیز لہجے میں گویا ہوا۔

"ہاں خوش فہمی اچھی چیز ہوتی ہے، کم از کم اسکی وجہ سے زندگی تو آسان لگنے لگتی ہے۔"

''کہہ سکتی ہیں آپ۔۔۔'' وہ اسکا طنز سمجھ کر مسکرایا۔

''اچھا تو شالیمار کرکٹ کلب بھی آتے ہیں جوگنگ کرنے۔۔۔'' شہزاد نے اس دفعہ ڈاریکٹ حملہ کیا۔

''ایک باولر وہاں نہیں آئے گا تو اور کہاں جائے گا۔'' دوسری طرف وہ اسکے اندازے کی درستگی پر دل سے مسکرایا۔

''پوچھیں گے نہیں، کہ کیسے پتا چلا مجھے۔۔۔'' شہزاد کو حیرانگی ہوئی۔

''ایک انٹیلی جنٹ، ذہین بیرسٹر سے ایسا سوال کرنے کی حماقت کم ازکم میں نہیں کرسکتا۔'' اس دفعہ اس نے شہزاد کو لا جواب کیا۔

''تو کونے کھدروں میں چھپ کر گھورنے کی بجائے سامنے آکر بات کریں، اتنی بھی خوفناک نہیں ہوں میں۔'' وہ ہلکا سا چڑ کر بولی۔

''میرے فیورٹ فان کلر میں کوئی لڑکی بھلا کیسے خوفناک لگ سکتی ہے۔۔'' اسکے شرارتی انداز پر شہزاد نے چونک کر دیکھا، وہ اس وقت نیوی بلیو کلر کی جینز پر فان کلر کی جیکٹ پہنے ہوئی تھی۔

''بہت خوب، اسکا مطلب ہے کہ میرا اندازہ درست تھا۔۔'' وہ تھوڑا سنجیدہ ہوئی۔

''جناب، آپ اندازوں کی درستگی کو چھوڑیں، اور اپنی گاڑی کی ہیڈ لائٹس بند کردیں، ورنہ بیٹری ختم ہونے کے بعد پرابلم ہوگی۔'' اسکی بات پر وہ فوراً بوکھلا کر کھڑی ہوئی، صبح جب وہ گھر سے نکلی تھی تو ملگجا سا اندھیرا تھا، اور گاڑی کی لائٹس جلانے کے بعد وہ شاید بند کرنا بھول گئی تھی۔

''بائی داوے، یہ میری نہیں میری مام کی گاڑی ہے۔۔'' وہ بات کرتے کرتے پارکنگ کی طرف چل پڑی۔

''جی مجھے پتا ہے، دو گاڑیاں ہیں آپکے گھر میں، ایک مسز ٹینا کے استعمال میں ہوتی ہے اور دوسری آپکی چھوٹی سسٹر رومیصہ کے پاس، اگر کہیں تو رومیصہ کی گاڑی کا نمبر بھی بتادوں۔۔'' اسکے لہجے میں شرارت کی فراوانی تھی۔

''اسکی ضرورت نہیں، آپ صرف اپنی گاڑی کا نمبر بتادیں۔۔'' شہزاد کی فرمائش پر وہ بے ساختہ انداز میں ہنسا۔

''میں تو غریب سا بندہ ہوں، کہاں افورڈ کرسکتا ہوں گاڑی، چھوٹی موٹی بائیک ہے میرے پاس۔۔'' اس نے صاف ٹالا تھا۔

وہ بات کرتے کرتے اپنی گاڑی کے پاس آن رکی، اس کے بونٹ پر ایک ایک سفید رنگ کا کھلتا ہوا گلاب پڑا تھا۔ اس نے پھول اٹھاتے ہوئے چاروں طرف گھوم کر دیکھا، پارکنگ میں کافی گاڑیاں تھیں اور زیادہ تر لوگ واپس جارہے تھے۔

''یہ پھول آپ نے رکھا ہے میری گاڑی پر۔۔؟'' اسکے لہجے میں ہلکی سی ناگواری در آئی۔

''معذرت خواہ ہوں، آپکی آمد کنفرم نہیں تھی، ورنہ بکے لے کر آتا، یہ بھی یہیں سے توڑا ہے، آفٹر آل روٹین لائف کی طرف پہلا دن تھا آپکا۔'' اس سے پہلے کہ وہ اسکی بات کا جواب دیتی، ٹینا بیگم کی صبح صبح آنے والی کال نے اسے حیران کیا، کیونکہ ان کی صبح بارہ بجے

سے پہلے نہیں ہوتی تھی۔

"ایکسکیوزمی، میری مام کی کال آرہی ہے، بائے۔۔۔"

شہزاد نے جلدی سے ٹینا بیگم کی کال اٹینڈ کی، جو حواس باختہ انداز میں بول رہی تھیں۔ "شیری، تم کہاں ہو۔ فوراً پہنچو گھر۔"

"مام، خیریت تو ہے ناں۔۔۔" وہ ہلکا سا بوکھلائی۔

"تمہیں پتا ہے رومی کو پولیس نے اریسٹ کرلیا ہے بیرسٹر محمود کے بیٹے کے مرڈر کے جرم میں۔" ٹینا بیگم کی بات پر اسکا دماغ بھک کر کے اڑا۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

اس خبر کو سننے کے بعد وہ انتہائی پریشانی سے کسی میزائل کی طرح اپنی گاڑی اڑاتی ہوئی شالیمار کلب سے نکلی۔ غائب دماغی کے عالم میں اس نے گاڑی کی ہیڈ لائٹس تک آف نہیں کیں، دماغ میں بگولے کی طرح ایک ہی فقرہ گردش کر رہا تھا۔

''رومی کو پولیس نے اریسٹ کر لیا ہے مرڈر کے جرم میں۔۔۔''

''وہ کسی کا قتل کیسے کر سکتی ہے۔۔۔؟ شہرزاد کا دل یہ بات ماننے کو تیار نہیں تھا۔

''پولیس کو یقیناً کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوگئی، ورنہ رومی اتنی بہادر تو نہیں ہے۔'' اس نے خود کو تسلی دینا چاہی۔

''لیکن پولیس شک کی بنا پر کسی لڑکی کو کیوں گرفتار کرے گی۔۔؟ دماغ میں ایک اور سوچ نے احاطہ کیا۔

''یقیناً کچھ نہ کچھ ضرور ہوا ہوگا۔۔'' اس سوچ کے آتے ہی اس نے گاڑی کی اسپیڈ لاشعوری طور پر بڑھا دی۔

ایک سو دس کی اسپیڈ سے گاڑی چلاتی وہ ایک چوک پر پہنچی، اس نے دُور سے دیکھا سگنل کھلا ہوا تھا، اسکا خیال تھا وہ بجلی کی سی تیزی سے وہاں سے گذر جائے گی، لیکن ابھی وہ کچھ فاصلے پر ہی تھی کہ سبز سگنل، زرد ہو گیا اور اسکے آگے موجود گاڑی ایک دم رک گئی، اور وہ جو ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں تھی، ایمرجنسی بریک کے باوجود اسکی گاڑی ٹھاہ کر کے اگلی گاڑی سے ٹکرائی۔

''اوہ نو۔۔'' شہرزاد نے انتہائی شرمندگی سے اپنا سر پکڑا۔

وہ جانتی تھی غلطی سراسر اسی کی اپنی تھی، زیادہ اسپیڈ کی وجہ سے وہ گاڑی پر اپنا کنٹرول نہیں رکھ پائی، جس کی وجہ سے یہ حادثہ ہو گیا۔ آگے والی گاڑی سے کوئی فکرمند انداز سے نیچے اترا، اسکی نئی کار کا بمپر ٹوٹ چکا تھا۔

''محترمہ، اپنی گاڑی ایک سائیڈ پر کریں۔۔'' ٹریفک وارڈن بھاگ کر اس کے پاس آیا۔

''آئی ایم سوری، میں مینٹلی کچھ ڈسٹرب تھی، اس لیے بروقت بریک نہیں لگا سکی۔۔۔'' اس نے نیچے اترتے ہی اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

وہ کوئی چھبیس ستائیس سال کا نوجوان تھا، اس نے بڑے تحمل سے اسکا ایکسکیوز سنا تھا۔ اس نے ایک نظر میں شہرزاد کی گاڑی کا بھی معائنہ کیا، وہاں بھی اچھا خاصا ڈنٹ پڑ چکا تھا۔

''آپ لوگ طے کر لیں، اب کیا کرنا ہے۔'' پولیس کانسٹیبل اپنی جان چھڑا کر دوبارہ چوک میں جا چکا تھا۔

''ایکسٹریملی سوری، میری وجہ سے آپ کی گاڑی کا بمپر ٹوٹ گیا۔'' شہرزاد نے دل ہی دل میں نقصان کا تخمینہ لگایا۔

''اٹس اوکے۔۔'' دوسری جانب کمال بے نیازی کا مظاہرہ ہوا، شہرزاد نے الجھ کر اسکا چہرہ دیکھا، وہ اسکا مطلب سمجھ نہیں پائی تھی۔

''پلیز ڈونٹ ووری، آپکا جتنا نقصان ہوا ہے، میں ابھی پے کر دیتی ہوں۔ شہرزاد نے اپنی گاڑی کی اگلی سیٹ پر رکھا ہینڈ بیگ

اٹھایا۔

"اسکی ضرورت نہیں، نقصان تو کسی سے، کہیں پر بھی ہو سکتا ہے۔ میں ٹھیک کروالوں گا خود ہی۔ ٹیک کیئر۔" وہ برٹش انگلش لہجے میں بڑی روانی سے انگلش بولتا ہوا اسے حیران کر گیا، اس سے پہلے کہ وہ اس سے مزید ایکسکیوز کرتی، ٹینا بیگم کی سیل فون پر آنے والی کال نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ سیل فون کان سے لگا کر تھوڑا سائیڈ پر ہوئی۔

"شیری کہاں ہو تم۔۔۔" دوسری طرف ٹینا بیگم سخت جھنجھلائی ہوئیں تھیں۔

"مام، آئی ایم جسٹ کمنگ۔۔۔۔ پلیز ویٹ۔۔۔" اپنی پیشانی مسلتے ہوئے، اس نے انہیں دلاسا دیا۔

"ہری اپ، گاڑی کی ضرورت ہے مجھے۔۔۔" ان کے لہجے میں پریشانی کا عنصر نمایاں تھا۔

"ڈونٹ ووری مام، بی ریلکس، آئی ایم کمنگ۔۔" اس نے بہت دھیرج سے کہا اور کال ڈسکنکٹ کر دی۔

"دیکھیں مسٹر۔۔" وہ جیسے ہی کال بند کر کے مڑی، اسے دھچکا لگا، وہ اسے حیران کر کے کسی ہوا کے جھونکے کی طرح جا چکا تھا۔ خفت کی ایک لہر لمحے بھر کو ابھری اور پھر فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ وہ پیشانی پر آئے پسینے کے نادیدہ قطروں کو صاف کرتی ہوئی دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"بھلا مانس انسان تھا، جو ایسے ہی چھوڑ گیا۔۔" وہ دل ہی دل میں مشکور ہوئی۔

بیس منٹ کے بعد اسکی کار اپنے بنگلے کے پورٹیکو میں داخل ہوئی جہاں پہلے سے دو گاڑیاں کھڑیں تھیں۔ وہ اتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے نیچے اتری اور گھر میں ہونے والی غیر معمولی ہلچل سے اسے اندازہ ہوا، گھر کے سبھی مکین، اس خبر سے آگاہ ہو چکے تھے۔ ورنہ یہاں اتنی صبح سویرے جاگنے کا کوئی رواج نہیں تھا، سردیوں کی نرم دھوپ بنگلے پر پھیل چکی تھی۔

وہ لاؤنج کا گلاس ڈور دھکیل کر اندر داخل ہوئی، کچن میں کھڑے کک نے جھانک کر باہر دیکھا اور اسے سلام کر کے واپس مڑ گیا، اسی وقت ملازمہ چائے کی ٹرالی لیے کچن سے نمودار ہوئی۔

"کون آیا ہے۔۔۔" شہرزاد نے لوازمات سے لدی ہوئی ٹرالی کو دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔

"ہارون صاحب۔۔۔" ملازمہ کی اطلاع پر اسکے اعصاب تن گئے۔

"اور دوسری گاڑی کس کی ہے۔۔؟" اسکے چہرے پر بیزاری کے تاثرات نمودار ہوئے۔

"کوئی وکیل صاحب ہیں شاید۔۔۔"

"اچھا، ٹھیک ہے، جاؤ تم، مام کو بتا دینا، میں آ گئی ہوں۔" وہ مضطرب انداز میں سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

جیسے جیسے وقت گذر رہا تھا۔

اسکی پریشانی بڑھتی ہی جا رہی تھی، وہ ڈریس چینج کر کے بالوں میں برش کرنے لگی۔

''مجھے مام سے ملنا چاہیے، پتا نہیں رومی کی کیا سچوئشن ہوگی۔'' اس نے ہیر برش بیڈ پر پھینکا اور تیزی سے کمرے سے نکلی۔

ابھی وہ لاؤنج کی سیڑھیوں پر پہنچی ہی تھی کہ ڈرائینگ روم کا دروازہ کھلا، ٹینا بیگم کے پریشان چہرے کے پیچھے ہارون رضا ہاتھ میں سگار پکڑے ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ برآمد ہوئے۔ انہیں دیکھ کر شہرزاد کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''کہا تھا ناں، تمہاری یہ بیٹی کوئی نہ کوئی کارنامہ ضرور سرانجام دے گی، دیکھ لو ویسا ہی ہوا۔'' اعصاب شکن خاموشی میں ہارون کا تمسخرانہ لہجہ، ٹینا بیگم کو بہت ناگوار گذرا، شہرزاد نے بھی انہیں سخت ناپسندیدگی سے دیکھا۔

''تو کیا کروں، شوٹ کر دوں اسے یا پھانسی پر چڑھا دوں۔'' انہوں نے ضبط و برداشت کی آخری حدوں کو عبور کرتے ہوئے تلخی سے کہا۔

''جان چھڑاؤ اپنی، شادی کر کے اسکی۔۔۔'' شہرزاد کو اس بے وقت کی راگنی پر کوفت ہوئی۔

''فار گاڈ سیک ہارون، یہ کوئی موقع ہے ایسی باتیں کرنے کا۔۔۔'' وہ بُری طرح جھنجھلا گئیں۔

''باتیں تو ابھی بہت ہوں گی ہمارے سوشل سرکل میں، میڈیا تک خبر پہنچنے دو ذرا۔'' ان کا چہرہ اس سے پہلے اتنا بدصورت نہیں لگا تھا شہرزاد کو۔

''واٹ دا ہیل ہارون، اگر کوئی اچھی بات نہیں کر سکتے تو منہ بند رکھو اپنا۔۔۔'' ٹینا بیگم نے بھی بدلحاظی کے سارے ریکارڈ توڑے۔ وہ اس سچوئشن میں بھی انتہائی تک سک سے تیار تھیں۔ شہرزاد سیڑھیاں اترتے ہوئے ان کی تیاری نوٹ کر چکی تھی۔ ہارون رضا نے انہیں جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ شہرزاد کو دیکھ کر لحاظ کر گئے۔ ویسے بھی ٹینا بیگم کی اس بیٹی کا سرد انداز انہیں اپنی حد میں رہنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

''السلام علیکم۔۔۔'' شہرزاد نے سر کو ہلکی سی جنبش دے کر انہیں بادل نخواستہ سلام کیا۔

''والسلام۔۔۔'' وہ بھی مختصراً جواب دے کر سگار پینے لگے۔

''تھینکس گاڈ، شیری تم آ گئیں، چلو ذرا میرے ساتھ۔'' انہوں نے ہینڈ بیگ سے اپنے بے حد قیمتی گوگلز نکال کر بڑی نفاست سے ٹشو پیپر سے اسکا شیشہ صاف کیا۔ ان کی بات پر ہارون رضا ایک دم بے چین ہوئے۔

''اب کہاں جا رہی ہو صبح صبح چھاپہ مارنے۔۔۔؟'' ان کی مسکراہٹ طنزیہ اور لہجہ آگ لگانے والا تھا۔

''قریشی لاء ایسوسی ایٹس کے آفس۔'' انہوں نے بڑی تمکنت سے کسی راج ہنس کی طرح گردن اٹھا کر جواب دیا۔ اس وقت سیاہ رنگ کے سادہ سوٹ پر ہلکی بادامی رنگ کی شال اوڑھے وہ خاصی ڈیسنٹ لگ رہی تھیں۔

''واٹ۔۔۔؟'' وہ انتہائی خفگی اور بیزاری سے کھڑے ہوئے۔

اور وہ جو بابر خاقان آیا بیٹھا ہے ڈرائینگ روم میں۔'' بے حد کٹیلی نظروں کے ساتھ انہوں نے اپنی بیگم کو دیکھا، جو انہیں اس وقت جوتے کی نوک پر بھی رکھنے کو تیار نہیں تھیں اور کسی زمانے میں ٹینا بیگم کی اسی ادا پر فریفتہ ہو کر انہوں نے اپنے تین جوان بچوں کی موجودگی میں نہ صرف ان سے شادی کی بلکہ جوش جذبات میں ایک ماربل فیکٹری بھی حق مہر میں لکھ دی تھی، جس پر وہ اب اکثر پچھتاتے تھے۔

''یہ بابر خاقان، یہ لڑے گا میری بیٹی کا کیس۔۔؟'' انہوں نے سلگتی نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھا اور چیخ کر بولیں۔

''ہاں، اچھا خاصا تو ہے۔۔۔'' خود پر قابو پا کر وہ ذرا تحمل سے گویا ہوئے۔

''یہ اچھا خاصا ہے۔؟'' انہوں نے طنزیہ انداز میں اپنی بھنویں اچکائیں۔'' مجھ سے بات کرتے ہوئے بیس دفعہ اٹکا ہے یہ ڈفر، کورٹ میں جا کر کیا خاک دفاع کرے گا رومی کے کیس کا۔''

''تو پھر بلوایا کیوں تھا اسے۔'' ہارون رضا کا مزاج بگڑا۔

''مجھے کیا پتا تھا اتنا ایڈیٹ ہو گا تمہارا بابر خاقان، چائے پلا کر فارغ کرواسے۔'' ٹینا بیگم نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

''جب سبھی کچھ تم نے خود کرنا تھا تو میری نیند کیوں برباد کی صبح صبح۔۔۔'' ان کے ضبط کا پیمانہ چھلک گیا اور ویسے بھی وہ مزاجاً خاصے شارٹ ٹیمپرڈ تھے تبھی تو ان کی اور ٹینا بیگم کی ہر وقت ٹھنی رہتی تھی۔

''مجھے کیا پتا تھا، تم اپنے جیسا نمونہ اٹھا کر لے آؤ گے میرے پاس۔'' شہرزاد نے اس فضول بحث پر کوفت بھرے انداز میں وال کلاک کی طرف دیکھا۔ ٹائم تیزی سے گذرتا جا رہا تھا۔

''اب سیف الرحمٰن جیسے اسٹرونگ سورسز تو ہیں نہیں میرے پاس۔۔۔'' ان کے طنزیہ انداز پر ٹینا بیگم کے چہرے پر خون چھلکا۔

''وہ تو پوری ایک لاء فرم ہائر کر لے گا کھڑے کھڑے تمہاری بیٹی کے لیے۔'' ہارون کی طرف سے اس قدر براہ راست حملے کی توقع نہیں تھی انہیں اور شہرزاد کی موجودگی میں تو یہ فقرہ ایک کوڑے کی طرح ان کے اعصاب پر برسا تھا۔

''میرا خیال ہے مجھے بھی کسی ''کام'' کے بندے سے ہی رابطہ کرنا چاہیے، تم جیسے تو محض اپنا اور دوسروں کا ٹائم ہی ویسٹ کر سکتے ہیں۔'' ان کی جوابی کاروائی نے ہارون رضا کو مشتعل کیا۔

''شٹ اپ۔۔۔'' وہ ایک دم دھاڑے۔ شہرزاد نے ناگواری سے ہارون رضا کی طرف دیکھا، انکی خوابیدہ آنکھیں غصّے کی زیادتی سے مذید سرخ ہوئیں اور ویسے بھی ''عادی'' پینے والوں کی طرح ان کی آنکھوں میں ہر وقت ہی گلابی پن تو ویسے ہی جھلکتا تھا۔ اس وقت تو وہ کسی کوئلے کی طرح دہک رہے تھے۔

''یو ٹو شٹ اپ۔۔'' وہ اسی طنطنے سے گویا ہوئیں، جو ان کے مزاج کا حصّہ تھا۔

''گو ٹو داہیل۔۔۔'' وہ بیزاری سے ڈرائینگ روم کی طرف بڑھے۔

''اپنے اس گدھے کو بھی لے جاؤ ساتھ، جسے ہانکنے کے لیے لے آئے تھے صبح صبح۔'' ٹینا بیگم نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

''مام پلیز۔۔۔کول ڈاؤن۔۔۔'' شہرزاد نے بے تاثر انداز میں انہیں مخاطب کیا، وہ لاپرواہی سے کندھے اچکا کر گلاس ڈور کھول کر باہر نکلیں۔ پورٹیکو میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھیں، ابھی ان کی نظر اس ''ڈنٹ'' پر نہیں پڑی تھی، جو آج ہی شہرزاد باہر سے تمغے کی طرح سجا کر لائی تھی۔

☆......☆......☆

مری ایکسپریس وے پر اس وقت بے تحاشا رش تھا۔ ایک گھنٹہ ٹریفک جیم میں پھنسنے کے بعد محمد ہادی کی گاڑی جیسے ہی شہر میں داخل ہوئی اس نے سکون کا سانس لیا۔ مری میں عام دنوں میں ہی گاڑیوں کا کافی ہجوم رہتا تھا لیکن ویک اینڈ پر تو یہ صورتحال خاصی گھمبیر ہو جاتی تھی۔ اس کے سیل فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف مسز عالیہ قریشی تھیں۔

''جی ماما۔۔۔'' اس نے فوراً ہی کال اٹینڈ کی۔

''گھر پہنچ گئے ہو تم۔۔۔؟''

''نہیں، پندرہ سے بیس منٹ لگیں گے مزید۔'' اس نے رسٹ واچ دیکھ کر اندازہ لگایا۔

''دیکھو، گھر پہنچتے ہی گل خان کو کہنا، لنچ باکس سے سارے سالن نکال کر فریز کر دے۔'' ان کے محبت بھرے انداز پر وہ مسکرایا۔

''اور کوئی حکم۔۔۔؟؟؟'' وہ شرارتی انداز سے گویا ہوا۔

''نیکسٹ ویک اینڈ بھی ضرور آنا، میں اپنے ہاتھوں سے کوکنگ کر کے دوں گی تمہیں۔''

''انشاء اللہ، اب فون بند کریں، سامنے ٹریفک وارڈن کھڑا ہے، چالان کر دے گا میرا۔'' اس نے جلدی سے فون بند کیا اور سی ڈی پلیئر چلایا۔ اپنی پسند کا میوزک سنتے ہوئے وہ جیسے ہی اپنے گھر کے سامنے پہنچا، اسکا دماغ بھک کر کے اڑ گیا۔

کوئی سیاح اپنی گاڑی عین اسکے گیٹ کے سامنے پارک کر کے جا چکا تھا۔ کوفت اور بیزاری کا اس پر بڑا بھرپور حملہ ہوا تھا۔ اس نے ایک سائیڈ پر گاڑی کھڑی کی اور سامان باہر نکالا، ماما نے اچھا خاصا بڑا ٹفن اسکے ہمراہ کر دیا تھا۔

وہ جیسے ہی اپنے گھر کے چھوٹے گیٹ سے سیڑھیاں اتر کر نیچے جانے لگا اسکی نظر میر ہاؤس پر پڑی، جہاں کرکٹ کا میچ زوروں پر تھا۔ در شہوار گینگ نے ایک طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا تھا۔ وہ اتنا کھیل نہیں رہیں تھیں جتنا شور مچا رہیں تھیں۔

''ان لڑکیوں کو بھی سکون نہیں ہے۔۔۔'' وہ بیزاری سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

''اوہ چھکا۔۔۔!!!'' ساتھ والے لان سے ایک دم شور برپا ہوا۔

اس سے پہلے کہ ہادی سر اٹھا کر شاہد آفریدی کی جانشین کو دیکھتا، ایک بھاری بھرکم سی گیند اڑتی ہوئی آئی اور میزائل کی طرح اسکے ہاتھ میں پکڑے ٹفن سے ٹکرائی اور ٹفن ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے لان میں جا گرا۔ سرسوں کا سگ، کھیر اور حلیم تینوں کے ڈبے زمین بوس ہو کر اب آپس میں شیر و شکر ہو چکے تھے۔

''اوہ نو۔۔۔'' ہادی کا صدمے سے بُرا حال ہوا۔ ماما کی سارے دن کی محنت اس وقت مٹی میں مل چکی تھی۔

''مارے گئے۔۔۔'' درشہوار، طوبیٰ اور نمیرہ دیوار سے جھانکتے ہوئے یہ منظر دیکھ چکیں تھیں۔ اسی لمحے ہادی نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

''ذرا نیچے تشریف لائیں۔۔۔'' اسکی پیشانی کی عمودی لکیریں گہری ہوئیں۔ اس نے اپنے اندر کے ابلتے ہوئے لاوے کو بمشکل دباتے ہوئے ہاتھ سے درشہوار کو نیچے آنے کا اشارہ کیا۔

''سوری، ٹائم نہیں ہے ہمارے پاس۔۔۔'' وہ منڈیر سے جھانکتے ہوئے شوخی سے گویا ہوئی۔

ایک ان دیکھی غصّے کی آگ نے ہادی کے وجود کا احاطہ کیا۔ اسے لگا جیسے اس نے مزید ضبط کی کوشش کی تو یہ آگ اس کے سارے وجود کو جلا کر بھسم کر دے گی، وہ کچھ سوچ کر پلٹے اور اب تیز تیز چلتے ہوئے ان کے قدم میر ہاؤس کی طرف تھے۔

درشہوار کو پہلے تو سمجھ ہی نہیں آئی اور جیسے ہی اس نے ہادی کو اپنے گیٹ کی طرف جاتے دیکھا، اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی۔ وہ ہرنی کی سی تیزی سے قلانچیں بھرتی ہوئی نیچے اتری۔

''بھاگو، وہ سڑیل آرہا ہے اپنے گھر۔۔۔'' درشہوار کی بات پر ان دونوں کو کرنٹ لگا اور اگلے ہی لمحے وہ بجلی کی سی سرعت سے اندر کی طرف بھاگیں لیکن آج شاید ان کے ستارے گردش میں تھے۔

محمد ہادی جیسے ہی ان کے گیٹ پر پہنچا، برہان کی لینڈ کروزر وہاں آکر رکی، انہوں نے حیرانگی سے سامنے کھڑے لڑکے کو دیکھا، جسکا چہرہ غصّے کی زیادتی سے تمتما رہا تھا۔ وہ انتہائی مناسب لفظوں میں اپنا شکایت نامہ جما کروا کر دوبارا گھر پہنچا، تو سامنے ٹفن کی بربادی کا منظر دیکھ کر اسکا خون دوبارا سے کھول اٹھا، لیکن اب وہ مطمئن تھا کہ اسکی کاٹی ہوئی ایف آئی آر پر کوئی نہ کوئی عمل درآمد ضرور ہوگا۔

ہال کمرے میں تاجدار بیگم نے ایک دفعہ پھر عدالت سجا رکھی تھی، درشہوار، طوبیٰ اور نمیرہ ایک لائن میں سر جھکائے کھڑی تھیں اور تاجدار بیگم کے ساتھ بیٹھے برہان لالہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان تینوں کو پنکھے سے لٹکا دیتے۔

''توبہ توبہ قربِ قیامت کی نشانیاں ہیں، اب گھر کی جوان جہان بچیوں کی شکایتیں لے کر لڑکے آئیں گے اڑوس پڑوس سے۔'' تاجدار بیگم انتہائی غصّے سے انہیں گھورتے ہوئے بولیں۔

''پرابلم کیا ہے، تم لوگوں کے ساتھ۔۔۔؟'' برہان دبی آواز میں غرائے۔

''آئی ایم سوری لالہ، ہم نے جان بوجھ کر نہیں کیا تھا ایسا۔۔۔'' درشہوار نے ان کی ملامتی نظروں سے گھبرا کر جواب دیا۔

''ضرورت کیا تھی بھلا، مسٹنڈوں کی طرح یہ گیند بلا کھیلنے کی۔۔۔'' تاجدار بیگم چڑ کو بولیں۔

''اتنی شرم آ رہی تھی مجھے، اپنے گھر کی خواتین کا ذکر کسی غیر مرد کے منہ سے سن کر۔۔'' برہان غصّے سے ٹہلنے لگے۔

''منہ توڑ دینا تھا اس شکایتی ٹٹو کا۔۔۔'' درشہوار کی زبان پھسلی۔

''تم تینوں کی ٹانگیں نہ توڑ دوں، تاکہ ارد گرد کے لوگوں کی زندگیاں سکون سے گذریں۔'' وہ اپنے غصیلے جذبات پر قابو پا کر ٹھہر ٹھہر کر بے لچک لہجے میں بولتے ہوئے ان تینوں کی روح فنا کر گئے۔

''میری تو زندگی عذاب کر رکھی ہے ان لڑکیوں نے، آج تو صاف صاف بات کروں گی ان کے دا جی سے، نور محل میں رکھیں نہیں پاس، پتا چلے انہیں بھی انسانوں کی طرح کیسے رہتے ہیں۔'' تاجدار بیگم کی دھمکی نے ان تینوں کا رہا سہا سکون بھی برباد کر دیا۔

''کیا سوچتا ہوگا وہ بھلا مانس، شتر بے مہار کی طرح چھوڑ رکھا ہے اپنے گھر کی خواتین کو۔'' برہان غصّے سے ٹہلنے لگا۔

''اور جو ہم سوچتے ہیں اس کمینے کے بارے میں، اسے یہ پتا چلے تو گولی مار لے خود کو۔'' درشہوار نے دل میں سوچا۔ یہ شر انگیز جملہ وہ کم از کم رہان لالہ کے سامنے بولنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی، اتنی تو عقل تھی اس میں۔

''دوبارا تم تینوں میں سے کوئی مجھے سامنے والے لان میں نظر آیا تو نور محل نہیں بڑی حویلی بجھوا دوں گا بابا سے کہہ کر۔'' برہان کے دھمکی آمیز انداز پر ان تینوں نے دہل کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، بڑی حویلی جانے کا تصور ہی ان تینوں کے لیے بڑا خوفناک تھا۔ ایک تو ملتان کی گرمی اور اوپر سے اپنے فارم ہاؤس کے پاس بنی حویلی کے آس پاس کوئی چرند پرند نظر نہیں آتا تھا۔ اس لیے بڑی حویلی ان سب کے لیے کسی قید خانے سے کم نہیں تھی۔

اسی وقت انابیہ چائے کی ٹرے لیے ہال کمرے میں داخل ہوئی، اس نے کنکھیوں سے سامنے کرسی پر بیٹھے برہان کو دیکھا، سرمئی کلر کے کرتا شلوار میں، وہ قمیض کی آستینوں کو کہنیوں تک موڑے، گھنی مونچھوں کے نیچے خفا خفا سے لبوں کے ساتھ بہت شاندار لگ رہے تھے۔

''چائے۔۔۔'' وہ اتنی آہستگی سے بولی تھی کہ برہان بمشکل ہی سن پائے۔

''میرا موڈ نہیں ہے۔۔۔۔'' وہ درشتی سے کہتے ہوئے کھڑے ہوئے اور کسی سے بھی مخاطب ہوئے بغیر کمرے سے نکل گئے۔ اس بے رخی پر انابیہ کا دل ایک دم ٹوٹا اور آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔

''بیدردی پیا، بڑا ظلم کیا۔۔۔'' درشہوار نے ہلکا سا گنگنا کر چائے کا کپ اٹھایا۔

''الائچی نہیں ڈالی اس میں۔۔۔'' اس نے پہلا گھونٹ بھرتے ہی بُرا سا منہ بنایا۔ طوبیٰ اور نمیرہ نے بمشکل اپنی ہنسی کا گلا گھونٹا۔

''چٹکی بھر زہر ڈال دو اس میں، ہماری تو جان چھوٹے اس سے۔۔۔'' تاجدر بیگم گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھیں اور کھا جانے والی نگاہوں سے اپنی اکلوتی دختر نیک اختر کو گھورتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئیں، ان کے جانے کے بعد وہ تینوں کھلکھلا کر ہنسیں۔

''اس شکایتی ٹٹو کو تو نہیں چھوڑوں گی میں۔۔۔'' درشہوار نے بلند آواز میں اپنے عزائم سے آگاہ کیا۔

''چغل خور نہ ہو تو۔۔۔'' طوبیٰ نے تاجدار بیگم کا چائے کا کپ اٹھایا۔

''ویسے چھکا شاندار لگایا تھا تم نے، اس کے لنچ باکس کے تو بخیے ادھڑ گئے۔'' نمیرہ گلا پھاڑ کر ہنسی۔

''شرم کر لو تم تینوں۔۔۔'' انابیہ نے خود کو سنبھال کر ملامتی نگاہوں سے ان تینوں کی طرف دیکھا۔

''اب نہیں آتی تو کیا کریں۔۔۔'' نمیرہ، طوبیٰ کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسی۔

''ویسے بیا آپ سوچیں، اس بیدردی پیا کے ساتھ گذارہ کیسے کرنا ہے۔'' درشہوار نے شرارتی نظروں سے اسے اپنے بھائی کے حوالے سے چھیڑا۔ انابیہ کا چہرہ شرم سے گلابی ہوا۔

''فضول باتیں، جتنی مرضی کروا لو تم لوگوں سے۔۔۔'' انابیہ نے ہنس کر بات ٹالی۔

اسی لمحے برہان دوبارا کمرے میں داخل ہوئے، ایسا لگا جیسے کسی نے پھونک مار کر ہر چیز کو پتھر کا کر دیا ہو۔ ان تینوں کی مسکراہٹیں گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہوئیں۔ انہوں نے اندر داخل ہوتے ہی تینوں کو سخت نظروں سے گھورا۔

''رزلٹ آ گیا ہے تم تینوں کا۔۔۔'' درشہوار کو ایسے لگا جیسے کسی نے کمرے میں صور پھونک دیا ہو۔

''اچھا، کب۔۔۔؟؟؟'' درشہوار نے خشک حلق کو تر کر کے پوچھا۔

''جس وقت آپ دوسروں کے چھکے اڑا رہی تھیں، شاہ میر کی کال آئی ہے ابھی۔'' ان کے طنزیہ انداز پر ان تینوں سے سر جھکا لیا۔

''کیسا رہا۔۔۔؟'' نمیرہ نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا، حالانکہ برہان کے چہرے پر چھائی ناراضگی کے بعد اس سوال کی کوئی تک نہیں بنتی تھی۔

''جیسے پیپرز دیئے تھے، ویسا ہی رہا۔۔۔'' برہان تلخ نداز میں گویا ہوئے۔

''لالہ، پلیز بتائیں ناں۔۔۔۔'' درشہوار نے بے صبری سے انکی بات کاٹی۔

''الحمداللہ تم نے اور طوبیٰ نے کیمسٹری میں اور نمیرہ صاحبہ نے پاک اسٹڈیز میں جھنڈے گاڑ دیئے ہیں، مبارک ہو، بڑا شاندار رزلٹ آیا ہے۔'' برہان کے طنزیہ لہجے پر انہیں لگا جیسے میر ہاؤس کی چھت ان کے سر پر آن گری ہو۔ وہ سب اپنی جگہ پر منجمند ہو گئیں۔ ان سب کو شدید صدمہ پہنچا تھا۔

''اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔۔'' انابیہ نے مسکراتے ہوئے ان کے زخموں پر مزید نمک چھڑکا، وہاں رکھی چائے کی ٹرے اٹھائی اور کمرے سے نکل گئی، جب کہ وہ تینوں حواس باختہ چہروں کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔

☆......☆......☆

رومیصہ نے چوبیس گھنٹوں میں زندگی کا انتہائی تلخ، اور رونگھٹے کھڑے کردینے والا روپ دیکھا تھا۔

حوالات کے پیچھے کھڑے اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے اسکے اعصاب شکنجے میں کس دیئے ہوں، اس غیر متوقع خوفناک واقعے نے اس کے حواس شل کر دیئے تھے۔ وہ شدید قسم کی ذہنی پژمردگی کا شکار تھی۔ اس حادثے نے اسکے سارے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

وہ تو آزاد فضاؤں کا پرندہ تھی، جسمانی قید تو دور کی بات وہ تو اپنے خیالات پر بھی کسی قسم کی بندش پسند نہیں کرتی تھی، لیکن قسمت نے اسے عجیب طریقے سے سلاخوں کے پیچھے لا پٹخا تھا۔ وہ شدید پریشانی میں ہیجانی انداز کے ساتھ مسلسل ٹہل رہی تھی۔

آنکھوں میں پھیلی سرخی اور وحشت اسکی بدترین ذہنی کیفیت کی غماز تھی، خشک ہونٹ، بے رونق جلد اور لب بھینچے، سر جھکائے وہ ایسے کھڑی تھی جیسے اسکا سارا طنطنہ اور سارا غرور چند گھنٹوں میں ختم ہو گیا ہو۔

اس کے لیے سب سے بڑی صدمے کی بات یہ تھی کہ اس حادثے میں موجود اسکی دوست کنزہ کو اسکے والد بریگیڈیئر وقار درانی نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے نہ صرف چند گھنٹوں میں ضمانت پر رہا کروالیا تھا بلکہ ایف آئی آر سے اسکا نام تک نکلوالیا تھا۔ وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ ٹینا بیگم کے تعلقات بھی خاصے ہائی لیول پر تھے لیکن جسٹس محمود کی فیملی کے ساتھ پنگا لینا بھی کوئی آسان کام نہیں تھا۔

ٹینا بیگم ابھی ابھی شہرزاد کے ہمراہ پولیس اسٹیشن پہنچی تھیں، اگرچہ ایس پی نیاز جنجوعہ کی کال کی وجہ سے انہیں بھی اسپیشل پروٹوکول دیا جا رہا تھا اور پھر اس تھانے کے انچارج کے پاس آنے والی فون کالز سے ڈیوٹی پر موجود آفیسرز کو اندازہ ہو گیا تھا کہ دوسری طرف بھی خاصی تگڑی پارٹی تھی۔ ٹینا بیگم کا بات کرنے کا انداز بھی کچھ ایسا تھا کہ اگلا ایک لمحے کو جواب دینے سے پہلے ضرور سوچتا تھا۔

سیاہ رنگ کے تنگ ٹراوزر کے ساتھ شارٹ شرٹ پہنے انہوں نے ہلکا سا اسکارف گلے میں لٹکا رکھا تھا، سر پر قیمتی گاگلز ٹکائے، ہائی ہیل کے ساتھ ٹک ٹک کرتی وہ جب سیف الرحمٰن سے گفتگو کرتے وہ پولیس اسٹیشن کے اس حصّے کی جانب آئیں جہاں رومیصہ قید تھی۔

انہیں اپنی بیٹی کا اجڑا حلیہ، زرد رنگت اور وحشت زدہ آنکھیں دیکھ کر ایک دم دھچکا لگا۔

"واٹ دا ہیل یار، نکالو اسے باہر، یہ کیا حالت کر رکھی ہے میری بیٹی کی۔۔۔" وہ دبنگ لہجے میں ایک دم چیخیں۔

"مام۔۔۔فار گاڈ سیک، مجھے بچالیں۔۔۔" رومیصہ کی آنسوؤں میں ڈوبی نمکین آواز انکی سماعتوں سے ٹکرائی، ٹینا بیگم کے مضبوط اعصاب ایکدم ڈھے گئے۔ رومیصہ کے ساتھ ان کے لاکھ اختلافات سہی لیکن اسے اس حالت میں دیکھنا ان کے لیے کسی بڑے امتحان سے کم نہیں تھا۔

"سیفی فوراً پہنچیں آپ، ان باسٹرڈ نے میری بیٹی کو اتنی گندی جگہ پر قید کر رکھا ہے، ان کی ہمت کیسے ہوئی۔" ان کے لہجے میں چھپی صدمے کی کیفیت اب غم و غصّے میں تبدیل ہو گئی تھی۔

اگلے ایک گھنٹے میں ٹینا بیگم اپنا سارا اثر ورسوخ استعمال کر کے رومیصہ کی ضمانت کروانے میں تو کامیاب ہو گئیں تھیں لیکن اس

عرصے میں انہیں بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کیس انکی بیٹی کے گلے پڑنے والا ہے۔اس کی سب سے بڑی وجہ رومیصہ کی گاڑی تھی، جس کے ساتھ ٹکرا کر روحیل محمود کو حادثہ پیش آیا تھا اور جسٹس محمود کی فیملی یہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھی کہ اس وقت گاڑی رومی نہیں کنزہ جبار چلا رہی تھی۔

''آپ لوگوں نے کنزہ وقار کا نام کیوں نکالا ہے ایف آئی آر سے۔۔۔'' ٹینا بیگم درشتی سے گویا ہوئیں۔

''انہوں نے ایف آئی آر میں صرف آپ کی بیٹی کا ہی نام لکھوایا تھا'' ایس ایچ او نے نظریں چرا کر دیکھا۔

''چلیں ٹھیک ہے یہ مان لیا، لیکن اس وقت پیٹرولنگ پر موجود پولیس آفیسرز یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ گاڑی کون ڈرائیو کر رہا تھا''

''دیکھیں، وہ کہتے ہیں، انہوں نے اس چیز کی طرف دھیان نہیں دیا'' ایس ایچ او کی بات پر ٹینا بیگم جھنجھلا سی گئیں۔

''ان سے کہیں پولیس ڈیپارٹمنٹ چھوڑ کر کوئی ٹھیلہ لگا کر بیٹھ جائیں، اگر وہ ان چیزوں پر دھیان نہیں دیں گے تو کون دے گا''

دیکھیں مسز سہگل، آپ اچھی طرح جانتی ہیں، ہم لوگ بے بس ہیں، اور وہی کرنا ہوتا ہے جسکے آرڈرز ملتے ہیں، آپ پلیز کوئی اچھا وکیل ہائر کر کے اپنی بیٹی کا دفاع کر لیں۔'' ایس ایچ او نے نرمی سے انہیں مشورہ دیا، ویسے بھی ٹینا بیگم کے اختیارات کا اندازہ انہیں بھی ہو گیا تھا۔

''مام، یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں، ہمیں نکلنا چاہیے۔۔۔'' شہزاد نے میز پر رکھا اپنا سیل فون اٹھایا اور فیصلہ کن انداز میں کھڑی ہوئی۔

ٹینا بیگم پولیس اسٹیشن سے نکلیں تو اچھی خاصی فکرمند تھیں۔شہزاد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی بیک مرر سیٹ کیا، رومیصہ خوفزدہ انداز میں بالکل سکڑی ہوئی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔

مام کو کافی کالز آ رہی ہیں اور چونکہ شہزاد انہیں اچھی طرح سمجھا کر لائی تھی اس لیے ان کا رومی کے ساتھ انکا رویہ خاصا بہتر تھا۔

انہوں نے جیسے ہی اپنی کال بند کی، شہزاد نے رومیصہ کو مخاطب کیا۔

''تم کیا پہلے سے جانتی ہو روحیل محمود کو۔۔۔''؟

''نہیں۔۔۔'' وہ اضطراری کیفیت میں اپنے ہاتھوں کے ناخن چبا رہی تھی، شہزاد کو ہلکی سی گھن محسوس ہوئی۔

''پھر، وہ تمہارے پیچھے کیوں آیا۔۔۔؟'' وہ حیران ہوئی۔

''میرا جھگڑا ہو گیا تھا اس کے ساتھ کلب میں۔'' اس نے سر جھکا کر شرمندگی سے کہا۔

''تمہیں ضرورت کیا تھی کلب جانے کی۔۔'' ٹینا بیگم نہ چاہتے ہوئے بھی بول پڑیں اور ان کی دخل اندازی شیری کو سخت ناگوار گزری تھی۔

''مام پلیز۔۔۔'' شہزاد کے تنبیہی لہجے پر وہ سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

''جھگڑا کس بات پر ہوا تھا۔۔؟''اس نے اگلا سوال کیا۔

''وہ بدتمیزی کر رہا تھا میرے ساتھ۔''

''پھر تم نے اسے کیا کہا۔۔۔؟''

''غصّے میں آ کر تھپڑ مار دیا تھا۔۔۔''اس نے ہلکا سا جھجک کر کہا اور ٹینا بیگم نے غضب ناک نگاہوں سے اسے گھورا لیکن منہ سے خاموش رہیں۔

''اس کے بعد کیا ہوا۔۔؟''شہزاد بالکل پرسکون انداز میں اس طرح پوچھ رہی تھی جیسے وہ اسے کسی فلم کی کہانی سنا رہی ہو۔

''پھر وہ ہمارے پیچھے آ گیا، اسکے ہاتھ میں پسٹل تھا اور اس نے مجھے مارنے کی کوشش کی۔''رومی کا لہجہ بھرا گیا۔

''اوہ نو۔۔۔پھر۔۔؟''وہ ہلکی سی بے چین ہوئی۔

''وہ مجھے اور کنزہ کو فالو کرتے ہوئے اچانک ہی ہماری گاڑی کے سامنے آ گیا اور ٹرسٹ می شیری، ہم نے جان بوجھ کر ہٹ نہیں کیا اسے، وہ خود اپنی غلطی سے ٹکرایا تھا۔''رومیصہ نے گھبرا کر اپنی بہن کو صفائی دی۔

''کنزہ، جانتی ہے اسے پہلے سے۔۔۔''اس نے کچھ سوچ کر اگلا سوال کیا۔

''ہاں۔۔۔بیکن ہاؤس میں کلاس فیلو رہ چکا ہے وہ اس کا۔''رومیصہ نے سر جھکا کر شرمندگی سے کہا۔

''اور تم اس کے باپ کی کمینگی دیکھو، کیسے اپنی بیٹی کو مکھن میں سے بال کی طرح نکال کر لے گیا۔''ٹینا بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کنزہ اور اسکے باپ کو شوٹ کر دیتیں، جن کی اس حرکت نے رومیصہ کا کیس خاصا کمزور کر دیا تھا۔ دوسری صورتحال میں کوئی نہ کوئی بچ نکلنے کی راہ نکل ہی آتی۔

''اب تم کیا کہتی ہو۔۔۔؟''ٹینا بیگم نے سوالیہ نظروں سے اسکی طرف دیکھا۔

''ڈونٹ ووری مام، انشاءاللہ کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی۔''شہزاد کے پرسکون انداز پر ٹینا بیگم کے اعصاب بھی کچھ ریلکس ہوئے۔

☆......☆......☆

سرمئی بادلوں کی ٹولیاں، بڑے مست انداز سے مری کے پہاڑوں پر رقص کرتی پھر رہی تھیں۔ قدرے تیز اور خنک ہوا انہیں اپنے بانہوں میں لیے ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔ لان کی باونڈری وال کے ساتھ لگے پودے عجیب سرمستی کے عالم میں جھوم رہے تھے۔

میر ہاؤس میں اس وقت خلاف معمول بڑی خاموشی طاری تھی۔ تاجدار بیگم اپنی ملازمہ صندل کو چھوڑنے نور محل گئی ہوئیں تھیں اور شارقہ بیگم صبح سے انابیہ کے ہمراہ ملازمین سے اسٹور کی تفصیلی صفائی کرنے میں مگن تھیں۔ اس وقت سبھی کی شامت آئی ہوئی تھی، پرانا کاٹھ کباڑ، غیر استعمال شدہ برتن، اور پرانے اخبارات کے بنڈل سبھی کچھ وہاں بکھرا ہوا تھا۔

''اللہ معاف کرے دنیا جہان کا گند کر رکھا ہے یہاں۔'' شارقہ بیگم نے گرد سے بچنے کے لیے دوپٹہ ناک پر رکھا ہوا تھا۔

''آدھا گند تو ان رسالوں اور اخباروں کا ہے۔۔'' ملازمہ رشیدہ نے ایک بنڈل لا کر زمین پر رکھا۔

''استغفراللہ۔۔۔یہ کیا ہے۔؟'' شارقہ بیگم منہ بنا کر پیچھے ہٹیں۔

''درشہوار، اور طوبیٰ کے ڈائجسٹ اور فیشن میگزین۔۔'' انابیہ نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

''شکر ہے میری نمیرہ کو ایسا کوئی چسکا نہیں۔ ویسے تو ساری بات تربیت کی ہوتی ہے۔'' ندرت امّی اللہ جانے کس کونے سے نکل کر سامنے آ گئیں تھیں۔

''ہاں تبھی پوزیشنیں لے لے کر پنڈی بورڈ کی چھت پھاڑ رکھی ہے اس نے۔'' ان کی سوکن جل کر بولیں۔

''انشاءاللہ رزلٹ آنے والا ہے، دیکھ لیجئے گا، اچھے نمبروں سے پاس ہوگی۔'' انابیہ کو ندرت امّی کی لاعلمی پر رشک آیا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی انہیں نہیں بتا سکی کہ رزلٹ آ چکا ہے کیونکہ اسکی اپنی بہن اسی مضمون میں اڑ گئی تھی۔

''رشیدہ، اٹھاؤ یہ سب، اور پھینکو ردی میں۔۔'' شارقہ بیگم کے اگلے حکم پر انابیہ بوکھلا گئی۔ وہ جانتی تھی کہ درشہوار اور طوبیٰ کی ان رسالوں میں جان تھی اور انہوں نے اپنی پسندیدہ تحریروں والے شمارے سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔

''امّی، درشہوار بہت شور مچائے گی۔۔'' انابیہ نے محتاط انداز میں کہا۔

''مچاتی رہے۔۔۔'' انہوں نے کمال بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔ ''ویسے خیر ہے یہ لڑکیوں کی بولتی کیوں بند ہے آج۔۔۔'' انہیں گھر میں پھیلے غیر معمولی سناٹے کا احساس ہوا۔

''درشہوار کے روم میں ہیں شاید۔۔۔''

''پھر کوئی نئی کھیر پک رہی ہوگی وہاں، ان کو کون سا سکون ہے۔'' ان کے جل کر بولنے پر انابیہ کو ہنسی آ گئی۔

''میں ذرا دیکھوں، خاقان صاحب نے دوپہر میں فون کرنے کا کہا تھا۔'' ندرت امّی، اپنی سوکن شارقہ بیگم کو سنانے کے لیے دانستہ اونچی آواز میں بولتی ہوئیں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

''اس عورت کا گھٹیا پن ساری زندگی ختم نہیں ہوگا۔۔۔'' شارقہ بیگم کو غصّہ آ گیا۔

''آپ چھوڑیں انہیں، جا کر کچن دیکھیں، تائی اماں آنے والی ہونگیں۔'' انابیہ نے ان کی توجہ دوسری جانب مبذول کی۔

''تم یہ سارا گند اٹھواؤ، ورنہ گھر آتے ہی جیٹھانی صاحبہ کا موڈ آف ہو جائے گا۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر نیچے چلی گئیں۔

انابیہ نے سکون کا سانس لیا اور سب سے پہلے ان ڈائجسٹوں کے لیے ایک محفوظ ٹھکانہ تلاش کرنے کے لیے ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ اس کے بعد اسے تعزیاتی اجلاس میں شرکت کرنا تھی جو اس وقت درشہوار کے کمرے میں بڑی دھوم دھام سے منایا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

میر ہاؤس کے فرسٹ فلور پر واقع درشہوار کے کمرے میں اس وقت واقعی ''شام غریباں'' منائی جا رہی تھی۔ کمرے میں زیرو واٹ کا زرد بلب جل رہا تھا اور کارپٹ پر سفید چادریں بچھا کران پر گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ سائیڈ میز پر اگربتی دہک رہی تھی، جس نے کمرے کی فضاؤں کو اپنی خوشبو سے معطر کر رکھا تھا۔ گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے وہ تینوں سیاہ رنگ کے سوٹ پہنے غم کا اشتہار بنی بیٹھیں تھیں۔ سی ڈی پلئیر میں حامد علی بیلا کی آواز میں ''کافی'' کے بول کمرے کے ماحول میں اداسی کے مزید رنگ بھر رہے تھے۔

مائے نی میں، کنوں اکھاں۔۔۔۔

دردو چھوڑے دا حال نی۔۔۔۔۔

دھواں دکھے، میرا مرشد والا۔۔۔۔

جاں پھولاں تاں لال نی۔۔۔۔۔۔

مائے نی، میں کنوّں اکھاں۔۔۔۔۔

دردو چھوڑے دا حال نی۔۔۔۔۔۔

دُکھاں دی روٹی، سولاں دا سالن۔۔

آہیں دا بالن، بال نی۔۔۔۔۔

مائے نی میں، کنوں اکھاں۔۔۔۔۔

سفید رنگ کی چاندنیوں کے عین درمیان میں درشہوار کے لیپ ٹاپ پر ایف ایس سی کے رزلٹ کی ویب سائٹ کھلی ہوئی تھی، جسے وقفے وقفے سے اس امید پر چیک کیا جا رہا تھا کہ شاید امتحانی نتائج میں کوئی معجزانہ تبدیلی آ جائے۔ یہ ''شام غریباں'' ان تینوں کی کمپارٹ آنے کے غم میں منعقد کی گئی تھی۔

''تم مانو یا نہ مانو، اس کمینے کی بددعا لگی ہے ہمیں۔۔۔'' درشہوار نے رنجیدہ لہجے میں انکشاف کیا۔

''کس ''کمینے'' کی۔۔۔'' نمیرہ نے منہ بنا کر ایسے پوچھا، جیسے ان کے پاس کمینوں کی پوری لسٹ موجود ہو۔

''ایک ہی تو ہے وہ خبیث، ہمارا ہمسایہ، چغل خور۔۔۔'' درشہوار تڑپ کر بولی۔ برہان لالہ کی شام میں کی ہوئی بے عزتی کا دکھ بھی تازہ تھا۔

''اللہ کرے وہ بھی فیل ہو جائے اپنے سارے سبجیکٹس میں۔۔۔'' طوبی نے دکھی دل سے بددعا دی۔

''بے وقوف لڑکی وہ اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کر کے آیا ہے جاب میں، بددعا تو کوئی ڈھنگ کی دے دو۔۔'' نمیرہ نے منہ بناتے ہوئے تصیح کی۔

''اللہ کرے اسکی شادی ہو جائے کسی بھینگی لڑکی سے، اور وہ ساری زندگی یہی سمجھتا رہے کہ وہ اسے دیکھ رہی ہے جبکہ وہ اسکے دوست کو لائن مار رہی ہو۔''

طوبیٰ کی اگلی بددعا پر نمیرہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔

''دانت تو ایسے نکال رہی ہو جیسے بورڈ ٹاپ کیا ہو۔'' طوبیٰ نے جل کر بالکل تائی اماں کے اسٹائل میں طعنہ دیا۔

''تم اپنے کمپیوٹر کا ''کی بورڈ'' رکھو یہاں، میں ابھی ''ٹاپ'' جاتی ہوں۔'' نمیرہ اپنی جگت پر خود ہی ہنسی۔ کسی نے بھی اسکا ساتھ نہیں دیا۔

''ایسے تھرڈ کلاس جوک کرنے کی بجائے اپنے فیل ہونے کی وجوہات ڈھونڈو۔''

''سچی بات تو یہ ہے، مجھے تو بابائے قوم قائداعظم کی آہ لگی ہے، وہ جو چودہ کی بجائے اٹھارہ نکات لکھے تھے ناں، وہ ہی کم بخت گلے پڑ گئے میرے۔'' نمیرہ نے اپنے فیل ہونے کی سب سے بڑی وجہ ڈھونڈ ہی لی۔

''اور مجھے کیمسٹری کی میم ذکیہ کی، جن کی پورا سال نقلیں اتاری تھیں میں نے عینک پہن پہن کر۔'' طوبیٰ نے بھی رنجیدگی سے اپنے گناہ کا اعتراف کیا۔ ان دونوں کی دیکھا دیکھی، درشہوار بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''آپس کی بات ہے، تم لوگ مانو یا نہ مانو، مجھے اس خبیث ہادی کی آہیں لے ڈوبی ہیں۔'' درشہوار نے اپنا ہاتھ ماتھے پر رکھ کر بالکل شمیم آراء اسٹائل میں آہ بھر کر مزید اضافہ کیا۔

''کتنا سوچا تھا یونیورسٹی جائیں گے، ڈیشنگ اور اسمارٹ لڑکوں کے ساتھ پڑھ کر اپنے خاندان کا نام روشن کریں گے، لیکن افسوس صد افسوس دل کے ارمان آنسوؤں میں بہہ گئے۔۔۔'' درشہوار کی ایکٹینگ عروج پر تھی۔

''پیاری بہن، اتنے سرد موسم میں ٹھنڈی آہیں بھر کر مزید ٹھنڈک میں اضافہ مت کرو۔ میری تو پہلے ہی چار پسلیاں ہیں، خدانخواستہ نمونیا نہ ہو جائے۔''

طوبیٰ نے منہ بناتے ہوئے درشہوار کی واڈروب سے ایک شال نکال کر اوڑھی۔

دروازے پر ہلکی سی دستک نے اس لمحے ان تینوں کو بیزار کیا۔ آہستہ سے دروازہ کھول کر ارسل اندر داخل ہوا۔ ٹراؤزر کی جیب میں ہاتھ ڈالے اس نے انتہائی حیرانگی سے کمرے کا ناقدانہ انداز میں جائزہ لیا۔

''یہ کس فلم کا سیٹ لگا رکھا ہے یہاں۔۔۔'' اس نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''دل جلے کا۔۔۔'' طوبیٰ نے جل کر جواب دیا۔

''چلو پھر اس خوشی میں شاہ میر سے بات کرو، کیونکہ تم تینوں کے نمبر بند جا رہے ہیں۔'' ارسل نے اپنا سیل فون اسکی طرف

بڑھایا۔طوبیٰ کو کرنٹ لگا، وہ جانتی تھی کہ اس موقعے پر اسکا فون زخموں پر مزید نمک چھڑکنے کے لیے آیا ہوگا۔

''بھئی بات کرو ناں، سکتہ کیوں ہوگیا ہے۔۔۔'' ارسل کی آنکھوں کی شوخی اس بات کی گواہ تھی کہ وہ اس کال کے سیاق و سباق سے واقف تھا۔

''ہاں ، ہاں بات کرو طوبیٰ، میرا پوچھیں تو کہہ دینا، ٹرینکولائز لے کر سو گئی ہے۔'' درشہوار نے جلدی سے کشن آنکھوں پر رکھ لیا۔اس نے دل ہی دل میں اسے سو گالیاں دیتے ہوئے کال اٹینڈ کی۔

''فرمایئے۔۔۔؟'' وہ منہ کر بولی۔

''سنا ہے تندی باد مخالف نے سارے ہی عقاب اڑا دیئے ہیں۔۔۔'' دوسری طرف وہ بڑے معنی خیز انداز میں قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''گرتے ہیں شاہ سوار ہی میدان جنگ میں۔۔۔'' طوبیٰ نے بھی ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا۔

''لیکن یہ شاہسوار تو ایسے گرے ہیں کہ گوڈے گٹے ہی تڑوا لیے۔۔۔ چچ چچ چچ۔۔۔'' شاہ میر کی شرارتی آواز اسکے تن بدن میں آگ لگا گئی۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے۔۔۔؟'' اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹا۔

''میں نے تو افسوس کے لیے فون کیا ہے اور ایک درخواست بھی دی ہے اپنے ''ٹو آئی سی'' کو کہ میرے گھر میں خواتین کی ایک کثیر تعداد با جماعت فیل ہوگئی ہے، اس سلسلے میں ایک تعزیتی اجلاس میں شرکت کے لیے مجھے تین دن کی چھٹی دے دی جائے۔'' دوسری طرف اسکا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔

''اللہ کرے چھٹی کی بجائے تمہیں انڈیا کے بارڈر پر بجھوا دیں۔'' طوبیٰ جل کر بولی۔

''تم اگر ساتھ دینے کا وعدہ کرو، تو یقین مانو سات سمندر پار تیرتا ہوا چلا جاؤں۔'' شاہ میر نے اسے شوخی سے مزید چڑایا۔

''دفع ہو جاؤ تم، اپنی منحوس شکل لے کر۔۔۔'' اس نے غصّے میں فون بند کر دیا۔

''کیا ہوا؟ کیا کہہ رہا تھا۔۔۔؟'' ارسل نے انجان بن کر پوچھا۔

''ایک خبیث انسان اپنی خباثت ہی دیکھا سکتا ہے۔بائے گاڈ، درشہوار، اتنا کمینہ اگر میرا بھائی ہوتا تو میں پہلی فرصت میں خودکشی کر لیتی'' طوبی نے کہیں کا غصّہ کہیں اتارا۔

''میں بھی سیریسلی یہی سوچ رہی ہوں، آج برہان لالہ نے اور اب میرو بھیا نے بہت مایوس کیا ہے مجھے۔'' اس نے اپنی تیکھی ناک چڑھا کر طوبی کے ساتھ یک جہتی کا عظیم مظاہرہ کیا۔

''سنا ہے، رزلٹ آ گیا ہے تم لوگوں کا۔۔۔'' ارسل کے لبوں پر پھیلی جاندار مسکراہٹ ان تینوں کا دل جلا گئی۔

''ہاں آپکی کسر رہ گئی تھی، آپ بھی پوری کر لیں، فیل بھی تو انسان ہی ہوتے ہیں، ایسا کون سا گناہ کر دیا ہے ہم نے، جو آپ لوگ ہاتھ منہ دھو کر با جماعت پیچھے پڑ گئے ہیں ہمارے۔۔'' درشہوار بازو چڑھا کر میدان میں اتر آئی۔

''ارے رے۔۔۔۔میں نے تو کچھ نہیں کہا۔۔'' ارسل ایکدم بوکھلا گیا۔

''ارادہ تو یہی لے کر آئے تھے ناں۔'' درشہوار نے ناک چڑھا کر کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''ارادہ تو میرا یہ تھا کہ دکھی لوگوں کا غم غلط کرنے کے لیے مال روڈ سے جا کر گرما گرم ہاٹ اینڈ سار سوپ پیا جائے۔'' ارسل کی بات پر ان تینوں نے مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔

''کیا ہو گیا ہے، ایک ہینڈسم بندے کو اتنا گھور کیوں رہی ہو۔۔'' اس نے مصنوعی پریشانی سے پوچھا۔

''یقین نہیں آ رہا، اتنا رحم دل، فیاض اور کھلے دل کا بندہ میر ہاؤس میں ہی رہتا ہے۔'' درشہوار کی بات پر وہ بے ساختہ مسکرایا۔

''میرا بھائی ہے تو ادھر ہی رہے گا ناں میرے ساتھ۔ ویسے اللہ کا شکر ہے، میرے بھائی میں دکھی انسانیت کا خاصا جذبہ ہے میری طرح۔'' نمیرہ نے ہمیشہ کی طرح دوسروں کا کریڈٹ لینے کی کوشش کی جو اسے اچھی خاصی مہنگی پڑی کیونکہ درشہوار کا کشن اس کا دماغ اچھا خاصا ہلا کر اپنے ٹھکانے پر واپس لا چکا تھا۔

☆......☆......☆

''بڑی دیر کی مہربان آتے آتے۔۔۔''

وہاج بڑے معنی خیز انداز میں سیل فون پر بات کرتے ہوئے کچن میں داخل ہوئے، برتن دھوتی صندل کا دل بُری طرح سے دھڑکا، اس نے لاشعوری طور پر اپنا دوپٹہ ٹھیک کیا اور بظاہر خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لیے پانی کا نل چلا دیا اور جلدی جلدی پلیٹیں واش کرنے لگی۔

وہ نور محل ہرگز نہیں آنا چاہتی تھی لیکن اس کی مجبوری تھی کہ اسکے والدین اور باقی بہن بھائی بھی میر ہاؤس کے خاندانی ملازم تھے اور وہاں انکار کی تو قطعاً کوئی گنجائش نکلتی ہی نہیں تھی۔

''ابھی ڈھونڈ ہی رہی تھی، تمہیں یہ نظر ہماری۔۔'' وہ ہلکا سا گنگناتے ہوئے فریج کھول کر کھڑے ہو گئے لیکن صندل کو ان کی نظریں اپنے وجود کے آر پار اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

''یہ ایپل دھو دو۔۔'' وہ غیر محسوس انداز میں اسکے بالکل پاس آن کھڑے ہوئے۔ صندل گھبرا کر پلٹی اور ان کے چوڑے سینے سے ٹکرا گئی۔

''ارے رے سنبھل کر۔۔۔''

صندل نے بوکھلا کر ان کے ہاتھ سے سیب پکڑا اور جلدی جلدی دھونے لگی۔ وہاج نے بڑی گہری نظروں سے اسکا جائزہ

لیا۔اسکا گھبرایا ہوا روپ ان کی نہ جانے کون سی حس کی تسکین کرتا تھا۔

''بہت خوبصورت ہاتھ ہیں تمہارے، روئی کے گالوں کی طرح نرم۔۔''ان کے ذو معنی انداز پر صندل کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ان کا شمار اگر اس کے مالکوں میں نہ ہوتا تو شاید وہ اب تک ان کا منہ توڑ چکی ہوتی۔

''یہ لیں۔۔۔''اس نے سیب دھو کر پلیٹ میں رکھے اور انتہائی بیزاری سے انکی طرف بڑھائے۔

''دیکھ مگر پیار سے۔۔۔''وہ ہلکا سا گنگنائے،اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتے، تاجدار بیگم بڑے عجلت بھرے انداز میں اندر داخل ہوئیں۔

''تم یہاں ہو اور میں پورے گھر میں تلاش کر رہی ہوں تمہیں۔۔''

''آپ یہ خالی برتن اٹھائے کیوں لا رہی ہیں، فارحہ مر گئی ہے کیا، اور باقی ملازمیں کہاں ہیں۔؟''ان کا موڈ ایک دم خراب ہوا۔

''وہی بیچاری لا رہی تھی لیکن مجھے کچھ کام تھا صندل سے۔۔''انہوں نے لاپرواہی سے کہتے ہوئے ٹرے شیلف پر رکھ دی۔

''جی بی بی جی۔۔۔''صندل فوراً مڑی تو اس کا ہراساں چہرہ تاجدار بیگم سے چھپا نہ رہ سکا۔

''یہ تمہیں کیا ہوا ہے۔؟ ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں تمہارے چہرے پر۔۔۔''ان کے مشکوک انداز پر وہاج ہلکا سا گڑبڑا گئے۔

''ہوائیاں تو اڑیں گی، ہڈ حرام کی عادتیں جو پڑی ہوئی ہیں ان لوگوں کو، وہاں تو نوکروں کی ایک فوج ہے اور یہاں کام کرنا پڑے گا۔''وہاج نے منہ بناتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''خیر بہادر علی کا خاندان کام چور تو نہیں، سارا گھر سنبھالا ہوا ہے انہوں نے۔۔''تاجدار بیگم نے کھلے دل سے تعریف کی۔

''اچھا، اچھا، زیادہ سر نہ چڑھائیں انہیں، اچھی طرح سے سمجھا دیا ہے ناں اسے، میری چیزوں کا کیسے خیال رکھنا ہے۔''وہ معنی خیز لہجے میں گویا ہوا۔

''ہاں ہاں سمجھا دیا ہے، تم بھی تھوڑا ہاتھ ہولا ہی رکھنا، بچی ہے، جلدی گھبرا جاتی ہے۔۔''وہ لاپرواہ انداز میں کچن کے کیبنٹ کھولنے لگی۔

''بے فکر رہیں، ایسا خیال رکھیں گے کہ میر ہاوس کو بھول جائے گی یہ۔۔''وہ مزے سے سیب کھانے لگے۔اسی وقت کچن کا دروازہ کھلا اور داجی کی شکل دیکھ کر فرہاج نے ہاتھ میں پکڑا سیب جلدی سے پلیٹ میں رکھ دیا۔

''تم عورتوں کی طرح کچن میں گھسے کیا کر رہے ہو۔۔۔''داجی کا سخت لہجہ ان کے ہاتھ پیر پھلا گیا۔

''کچھ نہیں داجی، تھوڑا امّی سے بات کر رہا تھا۔۔''انہوں نے بوکھلا کر صفائی دی، ویسے بھی داجی کے سامنے تو وہ بھیگی بلی بن جاتے تھے۔

''ساری باتیں چھوڑو اور حویلی پہنچو، تھوڑی گڑ بڑ چل رہی ہے وہاں۔۔۔''

''ملتان۔۔۔؟''انہوں نے تصدیق کے لیے پوچھا۔

''ظاہر ہے۔۔۔بڑی حویلی ملتان ہے تو وہیں جانا ہوگا یا اسے اٹھا کر لے آؤ گے ادھر۔۔۔''داجی کی جھاڑ نے ان کی طبعیت ایک لمحے میں درست کردی، کچھ دیر پہلے کا سارا نشہ اڑنچھو ہوگیا۔

''آپ بے فکر رہیں، کل چلا جاؤں گا۔''انہوں نے اپنی طرف سے پھرتی دیکھائی۔

''کل نہیں، آج اور ابھی جانا ہوگا۔۔۔''

''اوہ اچھا۔۔۔میں ذرا ٹکٹ کنفرم کروالوں۔۔۔''انہوں نے وہاں سے کھسکنا چاہا۔

''سب کچھ کنفرم ہو چکا ہے، منشی ٹکٹ لے کر ائیر پورٹ پہنچ جائے گا، کچھ ضروری ڈاکومنٹس بھی ہیں اسکے پاس۔''انہوں نے سنجیدگی سے مذید کہا۔''

اور سنو، سارے معاملات نبٹا کر آنا، یہاں کوئی آگ نہیں لگی ہوئی، جسے بجھانے کو اگلے ہی دن دوڑے آؤ۔''داجی کی بات پر صندل کے حلق سے ایک پرسکون سانس خارج ہوئی۔اس نے دل ہی دل میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

''جی ٹھیک ہے۔۔۔''انہوں نے خفت زدہ انداز میں سر جھکایا۔

''اور تاجدار تم ذرا آؤ میرے کمرے میں، کچھ ضروری بات کرنی ہے۔۔''انہوں نے تاجدار بیگم کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

''کیوں نہیں بابا جان۔۔''انہوں نے فوراً تابعداری کا مظاہرہ کیا اور ان کے پیچھے چل پڑیں۔۔

میر وہاج نے مڑ کر صندل کی طرف دیکھا، جو اس وقت خاصی پرسکون انداز میں کھڑی تھی، وہاج کے اس طرح گھورنے پر وہ وہ بوکھلا کر واش بیسن میں پڑے برتن دھونے لگی۔

''ذرا آ کر پیکینگ کرو، باقی کام بعد میں کر لینا۔''ان کے اگلے حکم پر صندل کی روح فنا ہوئی۔

''جی اچھا۔''وہ دل ہی دل میں آل تو جلال تو پڑھتی ہوئی ان کے بیڈروم میں داخل ہوئی، سامنے فارحہ بھابھی کو دیکھ کر اس نے سکون کا کلمہ پڑھا اور جلدی سے میر وہاج کی واڈروب سے کپڑے نکال کر اٹیچی میں رکھنے لگی۔

☆......☆......☆

''تم بڑی بھابی ہو اسکی۔سمجھاؤ بے وقوف کو، دو دو جوان بیٹیوں کا باپ ہے وہ۔۔۔''

میر حاکم علی کے منہ سے نکلنے والے اس فقرے کو سن کر تاجدار بیگم پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ان کی تو گمان کی آخری سرحدوں پر بھی نہیں تھا کہ وہ ان سے کیا بات کرنے کے لیے اپنے کمرے میں بلا کر لائے ہیں۔

نور محل کا سب سے بہترین کمرہ ان کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔شاہ بلوط کی لکڑی کا بھاری فرنیچر، ایرانی قالین ، دیواروں پر خوبصورت پینٹنگس اور چھت پر لگے قیمتی فانوس ان کے کمرے کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہا تھے۔

اس وقت وہ آج کا تازہ اخبار پکڑے بھاری بھرکم صوفے پر بیٹھے تھے، جب کہ تاجدار بیگم ان کے سامنے والے سنگل صوفے پر سر جھکائے بیٹھی تھیں، وہ میر حاکم کی سگی بھتیجی تھیں اسی لیے سب سے زیادہ ان کے قریب بھی تھیں۔

''بابا جان آپ کیوں ٹینشن لے رہے ہیں۔؟'' وہ ہلکا سا جھجک کر گویا ہوئیں۔

''تنگ آ گیا ہوں میں اس کے آئے دن کے اسکینڈلز سے، بندہ اپنی عمر اور جوان اولاد کا ہی لحاظ کرتا ہے، گھر میں دو دو بیویاں ہیں اسکی۔'' ان کی پیشانی کی لکیریں گہری ہوئیں۔

''ہاں خاقان کو سوچنا چاہیے اس بات پر، ساری زندگی یہی طور طریقے تو نہیں رہ سکتے۔۔۔'' انہوں نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

''اس کے سوچنے سمجھنے والی حس تو عورتوں کے معاملے میں آ کر ختم ہو جاتی ہے، ایسی بھی کیا شوقین مزاجی، بندہ اپنے خاندان کی عزت اور وقار کو ہی داؤ پر لگا دے۔'' وہ غصّے میں آ کر ٹہلنے لگے۔

''تمہیں اس لیے کہا ہے کہ تمہاری بات پھر بھی سنتا ہے اور تھوڑی بے تکلفی بھی ہے، تم بڑی بھابی اور ماں کی جگہ پر ہو، میں اس لیے بات نہیں کرنا چاہتا کہ ہمارے درمیان جو لحاظ کا پردہ ہے وہ سلامت رہے۔'' انہوں نے قدرے خشک انداز سے اپنی بات کی وضاحت کی۔

''جی بابا جان، میں کوشش کروں گی اس سے بات کرنے کی۔۔۔'' تاجدار نے انہیں تسلی دینے کی ناکام کوشش کی۔

''کوشش نہیں کرنی، سمجھانا ہے اس بے وقوف کو، تھوڑا عقل سے کام لے، اب دیکھو ذرا یہ اخبار بھرا پڑا ہے اسکی رنگین داستان سے ، استغفراللہ، اب یہ وقت بھی آنا تھا کہ میر حاکم کا بیٹا، ایک تھرڈ کلاس گلوکارہ کی زلفوں کا اسیر ہو جائے۔۔۔'' ان کا چہرہ غصّے کی زیادتی سے سرخ ہوا۔

''واقعی، یہ تو بڑی غلط بات ہے۔۔'' تاجدار بیگم اپنے سسر کی نبض شناس تھیں اور ان کے موڈ دیکھ کر ہی بات کرتی تھیں۔

''اور کہو اس سے انابیہ کی رخصتی کا کچھ سوچے اور تم بھی بات کرو برہان سے، کیا ٹھان کر بیٹھا ہے وہ دل میں۔'' وہ اپنے مخصوص دو ٹوک انداز میں گویا ہوئے ''برہان ابھی دو سال کی مہلت مانگ رہا ہے۔'' انہوں نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

''دو سال بعد کون سے سینگ اگ آئیں گے اس کے سر پر، ''تب'' بھی تو شادی کرنی ہے تو ''اب' کیوں نہیں۔؟'' وہ ایک دفعہ پھر ٹہلنے لگے، تاجدار بیگم نے دیکھا، اس بڑھاپے میں بھی ان کی چال میں خاصی مضبوطی تھی۔

''آپ پریشان نہ ہوں، میں بات کروں گی برہان سے۔'' انہوں نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

اتنا تو وہ بھی جانتی تھیں کہ برہان کو سمجھانا کوئی آسان کام نہیں تھا، وہ ضد اور ہٹ دھرمی میں بالکل اپنے دا جی پر تھا۔تبھی تو دونوں

کی آپس میں نہیں بنتی تھی۔

اسی وقت میر حاکم کے سیل فون پر کال آ گئی۔

''تم جاؤ، اس ٹاپک پر پھر بات کریں گے۔۔'' ان کے اگلے حکم پر تاجدار بیگم نے سکون کا سانس لیا، ورنہ آج تو سسر جی کے تیور ان کے بھی ہاتھ پیر پھلا رہے تھے۔ وہ جلدی سے ان کے کمرے سے باہر نکل آئیں۔

☆......☆......☆

''ٹینا ہاؤس'' پر لگتا تھا کسی آسیب کا سایہ ہو گیا تھا۔۔۔

نینداس گھر کے مکینوں سے روٹھ گئی تھی اور در و بام پر وحشت میں مبتلا کر دینے والے سناٹے کا راج تھا۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔۔۔ شہرزاد کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی تھی لیکن نیند آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

جسٹس محمود کے بیٹے کی اس اچانک موت نے دونوں گھروں کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ روحیل کا خاندان کسی صورت بھی انہیں بخشنے کو تیار نہیں تھا۔ آنے والے لمحوں کا خوف کسی آکاس بیل کی طرح سب کو جکڑنے کے لیے تیار تھا۔

شہرزاد ٹہلتی ہوئی لاؤنج کی طرف نکل آئی، کاوچ پر نیم دراز ٹینا بیگم کسی سے فون پر بات کر رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر پھیلی پریشانی کو اس نے دُور ہی سے بھانپ لیا تھا۔ وہ جلدی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی، ٹینا بیگم نے اسے دیکھ کر فون بند کر دیا۔

''کیا ہوا مام۔۔؟'' شہرزاد کو ان کی آنکھیں گیلی ہوتی محسوس ہوئیں۔

''محمود احمد تو زخمی شیر کی طرح پورے شہر میں دندناتا پھر رہا ہے اور کسی کی بات سننے کو تیار نہیں۔۔۔''

''ظاہر ہے مام، ان کے ینگ بیٹے کی اچانک ڈیتھ ہوئی ہے، اور یہ بڑا نیچرل ساری ایکشن ہے۔'' شہرزاد خاصی حقیقت پسند تھی، اپنی رائے کا اظہار وہ بڑے مضبوط اور ہموار انداز میں کرتی تھی۔

''میں مانتی ہوں، لیکن یہ ایک حادثہ تھا، اور وہ یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں۔'' انہوں نے اسی بگڑے بگڑے انداز میں کہا۔

''ہمیں کورٹ میں یہ بات ثابت کرنا ہو گی۔۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''اس بے وقوف لڑکی نے تو اچھی خاصی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔۔۔'' ٹینا بیگم ٹھیک ٹھاک آزردہ تھیں۔

''ہمیں کنزہ کے فادر سے بات کرنی چاہیے۔۔۔'' شہرزاد نے محتاط انداز میں کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے وہ ہماری بات سنے گا، اسی کی کمینگی کی وجہ سے سارا الزام میری بیٹی پر آ رہا ہے، ایک نمبر کا خبیث انسان ہے وہ۔'' انہوں نے غصے میں ایک گھٹیا قسم کی گالی دی۔

''ہمیں کنوینس کرنا چاہیے انہیں، اس طرح تو رومی بُری طرح سے پھنس جائے گی۔'' شہرزاد کی بات پر وہ تلخ انداز میں مسکرائیں۔

''تمہارا کیا خیال ہے وہ الو کا پٹھا مان جائے گا، جبکہ اسے پتا بھی ہے کہ گاڑی اسی کی بیٹی ڈرائیو کر رہی تھی۔''

''لیکن وہ اتنا بڑا کیسے جھوٹ بول سکتے ہیں۔۔۔؟'' وہ تنک کر گویا ہوئی۔

''جھوٹ بولنے کے لیے کون سا ہل جوتنے پڑتے ہیں اس نے تو پولیس کی نفری تک تو چند گھنٹوں میں اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ پتا نہیں کیا بنے گا اس کیس کا، سچ پوچھو تو مجھے سخت ٹینشن ہو رہی ہے۔ شہرزاد کو ان سے بے تحاشا ہمدردی محسوس ہوئی۔ اسے پہلی دفعہ احساس ہوا، وہ رومیصہ کے معاملے میں کتنی فکرمند تھیں۔

''آپ نے کسی سے بات کی۔۔۔؟'' شہرزاد چاہتے ہوئے بھی سیف الرحمٰن کا نام اپنے لبوں پر نہیں لا سکی۔

''ہاں۔۔۔'' انہوں نے تھکے تھکے انداز سے اپنے بالوں کا گول مول سا جوڑا بنایا۔

''پھر۔۔۔؟'' شہرزاد نے سوالیہ نگاہوں سے انکی طرف دیکھا۔

''لیکن جسٹس محمود کے ہاتھ بھی چھوٹے نہیں ہیں۔ مجھے تو ڈر ہے رومی کی ضمانت بھی کینسل نہ ہو جائے۔''

''بی ریلیکس، انشاءاللہ ایسا نہیں ہوگا، آپ جائیں اور تھوڑا ریسٹ کریں، اس معاملے کو صبح دیکھتے ہیں۔'' شہرزاد نے نرمی سے ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا، وہ بھی شاید ذہنی طور پر بُری طرح سے تھک چکیں تھیں۔ اس لیے اسکی بات مان کر اپنے بیڈروم کی طرف چلی گئیں۔

کچھ دیر وہ یونہی لاؤنج میں ٹہلتی رہی۔ اس کے اپنے اعصاب بُری طرح تھک چکے تھے۔ وہ اس کیس کے تمام پہلوؤں پر غور و فکر کر چکی تھی۔ کہیں سے بھی نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کاؤچ پر لیٹ گئی، دماغ میں لامتناہی سوچوں کا ہجوم تھا۔

اچانک سیل فون کی گھنٹی کے ساتھ ہی اسکا دل بھی بے ہنگم انداز میں دھڑکا۔ ''ہم زاد'' کالنگ کے الفاظ کم از کم اس وقت بُرے نہیں لگے تھے اسے۔

''کیسی ہیں آپ۔۔۔؟'' وہ اپنے مخصوص بھاری مگر اپنائیت سے بھرپور لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔۔'' اس نے ایک لمبا سانس کھینچ کر کہا۔

''آپ کو اگر پتا چل جائے کہ آپ جھوٹ بولتے ہوئے کتنی ہونق لگتی ہیں، تو یقین مانیں، آپ زندگی میں کبھی ایسی کوشش نہ کریں۔'' اسکے ہلکے پھلکے انداز پر شہرزاد کے ہونٹوں پر ایک مبہم سی مسکراہٹ ابھری۔

''چلیں، آئندہ کوشش کروں گی کہ ایسا نہ کروں۔۔۔'' اس نے بھی فوراً ہی ہتھیار ڈال دیے، ویسے بھی وہ اس وقت بحث کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''اس گاڑی والے کو ٹکر تو بہت زور سے ماری تھی آپ نے۔'' اسکی اگلی بات پر شہرزاد کو کرنٹ لگا، اور وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آپکی گاڑی تھی کیا وہ۔۔؟"

"ہماری ایسی خوش قسمتی کہاں۔۔۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں ہنسا۔

"اسکا مطلب ہے کہ آپ بھی وہیں کہیں آس پاس تھے۔۔۔"اس نے فوراً اندازہ لگایا۔

"ہم زاد تو ہمیشہ انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔۔"اسکا معنی خیز انداز شہرزاد کو ہلکی سی کوفت میں مبتلا کر گیا۔"آپ ہیں کون آخر۔؟"

"اس بات کو کبھی فارغ ہو کر ڈسکس کریں گے یہ بتائیں رومیصہ والے پرابلم کا کیا بنا۔؟"اسکی اگلی بات پر اسے پھر شاک لگا۔

"آپکو کس نے بتایا۔۔؟"اس کے منہ سے پھسلا۔

"آپ نے شاید ٹی وی نہیں دیکھا، جسٹس محمود کی فیملی سارے چینلز پر یہی تو رونا رو رہی تھی۔"اسکی اطلاع شہرزاد کو دہلا گئی۔

"کیا کہہ رہے تھے وہ لوگ۔۔۔؟"اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

"اپنے دنیا جہاں کے کرپٹ بیٹے کی موت کو کیش کروانے کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں وہ۔"ہم زاد کے منہ سے نکلنے والی اگلی بات پر وہ بُری طرح چونکی۔

"آپ جانتے ہیں روحیل محمود کو۔۔۔؟"

"کون نہیں جانتا۔۔۔؟"وہ طنزیہ انداز میں گویا ہوا۔

"بہت نیگٹو ریپوٹیشن تھی اس کی اپنے سوشل سرکل میں، ایک نمبر کا ڈرنکر، جوئے باز، فلرٹ، اور اپنے باپ کے سورسز کا منفی استعمال کرتا تھا، ساری دنیا جانتی ہے یہ بات۔۔۔"وہ شہرزاد کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے اسے مزید پریشان کر گیا۔

"لیکن، رومی نے اسکا مرڈر نہیں کیا، وہ ایک حادثاتی موت تھی۔۔۔"اس نے ہلکا سا جھجک کر اپنی بہن کی صفائی دی۔

"میں جانتا ہوں۔۔۔"اسکے منہ سے نکلنے والے یہ الفاظ شہرزاد کے اندر توانائی کا ایک جہان بھر گئے۔

"لیکن دنیا نہیں جانتی۔۔"وہ مایوسی سے گویا ہوئی۔

"تو یہ ثابت کرنا تو آپ کے بائیں ہاتھ کا کام ہونا چاہیے، رومیصہ سہگل، بیرسٹر شہرزاد کی چھوٹی بہن ہے، کسی عام لڑکی کی نہیں ہے۔"وہ اسے شہہ دینے والے انداز میں بولا تھا۔

"مطلب۔۔۔؟"وہ سمجھ تو گئی تھی لیکن پھر بھی انجان بن گئی۔

"یہ کیس تو آپ کے کیرئیر کا اسٹارٹ ہے، آجائیں میدان میں، بہت سی چیزیں مل جائیں گی۔۔۔"وہ اسے ایک نئی راہ سجھا رہا تھا۔

"لیکن، میں نے ابھی لائسنس کے لیے اپلائی نہیں کیا۔"

"کیا مشکل ہے، اپنے ڈاکومنٹس اسکین کر کے بھیجیں مجھے، ایک ہفتے میں مل جائے گا۔"وہ ہنسا۔

''لیکن اسکا تو ایک باقاعدہ پر سیجر ہوتا ہے، ایک مہینے کا ٹائم لگتا ہے شاید۔''

'جب پاکستان میں، ایک بندہ اپنے سورسز استعمال کر کے ایک اہم کیس میں سے اپنی بیٹی کا نام نکلوا سکتا ہے تو شہرزاد سہگل اپنا ایک لائسنس کیوں نہیں بنوا سکتی، جبکہ اس سے کسی کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچے گا۔'' شہرزاد کو پہلی دفعہ اندازہ ہوا کہ اسکی معلومات بالکل پکی اور ہوم ورک مکمل تھا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، صبح مام سے بات کروں گی۔'' وہ کافی حد تک متفق ہو گئی تھی۔

''میری آفر صبح تک برقرار ہے۔۔'' وہ خوشدلی سے مسکرایا۔

''پہلے، اپنے سیل فون سے بات کرنے کا حوصلہ تو پیدا کر لیں، پھر آفر بھی دے دیجئے گا۔'' شہرزاد کے اس طنز پر وہ ہنسا۔

''اگر اپنے نمبر سے بات کرنے سے آپکو خوشی ہو سکتی ہے تو نیکسٹ کال اسی سے کر لیں گے۔''

''اس کا مطلب ہے نیکسٹ کال کبھی نہیں آئے گی۔۔'' شہرزاد کے جوابی حملے پر اس کے حلق سے نکلنے والا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔

''ہم زاد، سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن بزدل نہیں۔۔۔'' وہ بڑے مزے سے بولا۔

''چلیں اگلی کال بتا دے گی۔۔۔'' شہرزاد نے مسکراتے ہوئے کال ڈسکنکٹ کر دی، وہ اسے جونئی امید دلا چکا تھا، اسے آج رات اس پر تفصیل سے سوچنا تھا۔ کم از کم اسے یہ مشورہ خاصا معقول اور مناسب لگا تھا۔

☆......☆......☆

''ہادی یار، اچھا نہیں کیا تم نے اس گینگ کے ساتھ۔۔۔''

سعد رات کے اس وقت محمد ہادی کے ساتھ مال روڈ پر مٹر گشت کر رہا تھا، دونوں کے ہاتھوں میں کشمیری چائے کے ڈسپوزیبل کپ تھے۔ ہادی اسے اپنی صبح کی کاروائی بتا چکا تھا جو سعد کو بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔

''تمہیں کس چیز کا غم ستا رہا ہے۔۔؟'' ہادی نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے چھیڑا۔

''اچھی خاصی زندگی ''رنگین'' بنی ہوئی تھی، نسوانی ہنسی کی آوازیں، جیسے کلیساؤں میں گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ دل کو چھو لینے والی شرارتیں جس سے کم از کم مجھے تو زندگی حسین لگنے لگی تھی۔'' سعد چلتے چلتے رکا اور ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔

''تو تمہارا کیا خیال ہے، اتنی سی شکایت پر باز آجائیں گی وہ۔۔۔'' ہادی استہزائیہ انداز میں گویا ہوا۔

''تم نہیں جانتے ہو میر ہاؤس کے مرد کتنے کھڑوس ہیں سوائے ارسل کو چھوڑ کر، اس میں پھر بھی کچھ انسانیت نظر آتی ہے مجھے۔''

سعد کی معلومات پر اسے حیرانگی ہوئی۔

''تم نے تو لگتا ہے میر ہاؤس کے مردوں پر تھیسس لکھ رہا ہے۔'' ہادی ایک دفعہ پھر چلنے لگا، مال روڈ پر رات کے اس وقت بھی

خاصا رش تھا، بار بی کیو، آئس کریم، کافی اور فرنچ فرائز کی دکانوں پر لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔

''تمہاری اس شکایت پر ان بیچاریوں پر اچھا خاصا ''بین'' لگ چکا ہوگا اور کیا پتا گھر میں نظر بندی کے احکامات بھی آ گئے ہوں، تبھی تو شام میں اتنی ویرانی تھی لان میں۔'' سعد نے منہ بنا کر چائے کا خالی کپ ڈسٹ بن میں ڈالا۔

''مبارک ہو، ایسا کچھ نہیں ہوا۔'' ہادی کی طنزیہ مسکراہٹ پر اس نے الجھ کر اسکی طرف دیکھا۔

''تینوں محترمائیں، ایک جلوس کی شکل میں آ رہی ہیں سامنے سے۔ یہ شکلیں تمہیں لگتی ہیں گھر میں ٹک کر بیٹھنے والی۔'' ہادی کی بات پر اس نے بے تابی سے سامنے دیکھا، وہ واقعی ارسل کے ساتھ ہنستی مسکراتی ادھر ہی آ رہی تھیں اور ہاتھوں میں بڑے بڑے آئس کریم کے کپ پکڑ رکھے تھے، ارسل کی بھی ان پر نظر پڑ گئی تھی اور اس نے سعد کو دیکھ کر خوشدلی سے ہاتھ ہلایا۔

''کیسے ہو سعد۔۔؟'' ارسل نے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا تھا جبکہ ان تینوں کے چہروں پر بڑی واضح بیزاری پھیلی تھی۔

''فائن، آجکل نظر نہیں آ رہے جوگنگ پر۔'' سعد ایک دم باچھیں پھیلا کر بولا۔ ارسل کا والہانہ انداز اسے بتانے کے لیے کافی تھا کہ ہادی کی شکایت کے اثرات اس تک نہیں پہنچے۔

''آجکل ایگزامز کی وجہ سے اسلام آباد والے گھر میں ہوں۔'' اس نے مسکرا کر وضاحت کی۔

''اس سے ملو، یہ میرا بیسٹ فرینڈ ہے ہادی، فاریسٹ آفیسر کے طور پہ جوائننگ دی ہے اس نے میرے ہی آفس میں۔'' سعد نے جھٹ سے تعارف کی رسم نبھائی، ارسل بڑی خوشدلی سے ہادی سے ملا تھا۔

''تم لوگ چلو، میں آ رہا ہوں۔۔'' اس نے پیچھے مڑ کر ایک سائیڈ پر کھڑی درشہوار، طوبیٰ اور نمیرہ سے کہا، جو اسکی بات مان کر فوراً ہی چل پڑیں تھیں لیکن جاتے جاتے درشہوار، ہادی کو گھورنا نہیں بھولی تھی۔

''آئیں ناں، کہیں بیٹھ کر کافی پیتے ہیں۔۔'' ارسل نے آفر کی۔

''میرا خیال ہے یہ مناسب نہیں ہے، آپ خواتین کو چھوڑ آئیں گھر، پھر کسی دن بیٹھتے ہیں کہیں۔'' ہادی کا مہذب انداز ارسل کو اچھا لگا تھا، تبھی تو وہ جلدی سے اختتامی کلمات کہہ کر ان تینوں کے پیچھے چل پڑا۔

''تمہیں کیا تکلیف تھی، بیٹھنے دیتے، بندے کے تعلقات بڑھتے ہیں۔'' اسکے جاتے ہی سعد اس پر برس پڑا۔

''یار اچھا تھوڑی لگتا ہے رات کے اس وقت خواتین اکیلے جائیں اپنے گھر۔'' ہادی کی بات پر سعد نے مشکوک نظروں سے اسکی طرف دیکھا۔

''ویسے تم ان کی شرارتوں پر شکایتیں لگانے پہنچ جاتے ہو، اب بڑی پریشانی ہو رہی ہے تمہیں۔''

''وہ الگ بات ہے لیکن یوں آدھی رات کو گھر کی عورتوں کو اکیلے بھجوانا کہاں کی عقلمندی ہے، کم از کم میں تو ایسا نہیں کر سکتا، تمہارے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔۔۔'' وہ بے نیازی سے اسے چھیڑتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

''بہت ہی عجیب انسان ہو تم۔۔۔'' سعد تیز تیز چلتا ہوا اسکے برابر آن پہنچا۔

''کہہ سکتے ہو۔۔۔'' اس نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

''کبھی محبت کی ہے کسی سے۔۔۔'' سعد نے سردی کی شدت کو کم کرنے کے لیے ہاتھ رگڑے۔ ہادی چلتے چلتے رکا اور حیرانگی سے اسے یوں دیکھا، جیسے اسکی خرابی دماغ کا یقین آ گیا ہو۔

''نہیں۔۔۔'' اس نے نظریں چرا کر جواب دیا اور تیز تیز چلنے لگا، جیسے اس موضوع پر مزید بات نہ کرنا چاہتا ہو۔

وہ دونوں مال روڈ کی خاک چھان کر دو گھنٹے کے بعد گھر پہنچے تو رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ انہوں نے جیسے ہی داخلی دروازے کو کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، سامنے لگا پرچہ ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

''یہ کیا ہے۔۔۔؟'' سعد نے حیرانگی سے ہادی کی طرف دیکھا، جو آگے بڑھ کر اس پر لکھی تحریر پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''شاید کوئی حدیث ہے۔۔۔'' ہادی نے کاغذ پر نظریں دوڑائیں۔

''کیسی حدیث۔۔۔؟'' سعد حیران ہوا۔

''رسول پاک ﷺ نے فرمایا، چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (بخاری، مسلم) اُس نے مسکراتے ہوئے بلند آواز میں پڑھتے ہوئے وہ پرچہ دروازے سے اتارا جو کہ ٹیپ سے چپکایا گیا تھا۔

''اس کا مطلب۔۔۔؟'' سعد نے الجھن بھرے انداز میں اسکی طرف دیکھا، وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا۔

''مطلب یہ ہے کہ شکایت لگانا بھی چغل خوری کے زمرے میں آتا ہے۔'' ہادی کی وضاحت پر سعد کو ساری بات سمجھ میں آ گئی، وہ قہقہ لگا کر ہنسا۔

''میں نے کہا تھا ناں یہ گینگ کبھی باز نہیں آئے گا۔۔۔'' ہادی منہ بناتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوا۔

''ویسے کہا تو بالکل ٹھیک ہے ان بیچاریوں نے، چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔۔۔'' سعد نے جھٹ سے ان کی سائیڈ لی۔

''کسی دن یہ بیچاریاں ایسا سبق سیکھائیں گی تمہیں، لگ پتا جائے گا۔۔۔'' ہادی کے منہ بنانے پر وہ مسکرایا۔

''اچھا اب اپنا دل مت جلاؤ، جا کر سو جاؤ، پہلے ہی رات بہت ہوگئی ہے۔ سب بخیر۔'' سعد مسکراتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔



انابیہ کی زندگی عجیب دوراہے پر آن کھڑی ہوئی تھی۔۔۔

اسے اپنی زندگی میں دو مردوں سے بے تحاشا محبت تھی اور اسکی بدقسمتی تھی کہ اسے دونوں کی ہی چاہت اور توجہ حاصل نہیں ہو پائی، پہلا مرد اس کا باپ میر خاقان علی تھا جس نے ساری زندگی اپنی پہلی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو اپنی توجہ کے قابل نہیں سمجھا، انکی دلچسپیاں ہمیشہ گھر سے باہر ہی رہیں تھیں، ندرت بیگم سے دوسری شادی کرنے کے بعد بھی ان کے مزاج میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔

دوسرا شخص اسکا تایا زاد کزن برہان محتشم تھا، جس کی محبت اسکے ساتھ ہی پل کر جوان ہوئی تھی، لیکن اسے برہان کی طرف سے ہمیشہ بے رخی کا تحفہ ہی ملا تھا۔ اسکی بے تحاشا چاہت بھی برہان کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکی۔

''شاید تمہیں اس بات کا احساس ہی نہیں، کوئی چوبیس گھنٹوں میں، چوبیس ہزار دفعہ تمہارا نام محبت کی تسبیح کے دانوں پر پڑھتا ہے، تمہاری ایک نظر اسکے اندر سرشاری کا ایک جہان بھر دیتی ہے، اسکی آنکھوں میں امیدوں کے جگنوؤں کے قافلے آن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ تمہاری بے رخی میں لپٹی ایک نظر کسی کو ان دیکھی دلدل میں دھنسا کر اس کی زندگی کو بدصورت بنا دیتی ہے۔ کاش تم جان سکو، محبت کے سفر میں اکیلا ہونے کا احساس دنیا کے ہر احساس سے زیادہ جان لیوا ہوتا ہے لیکن شاید تم اس بات کو کبھی نہ جان سکو۔۔۔'' انابیہ نے ایک لمبا سانس بھر کر اپنی ڈائری بند کر دی۔

محبت کے سفر میں یہ ڈائری اسکی بہترین دوست تھی، اسکے سینے میں اس کی ساری خوشیاں اور سارے دکھ سموئے ہوئے تھے۔ وہ بڑی اعلیٰ ظرفی کے ساتھ اسکے سارے کمزور لمحوں میں بیان کی گئی سچائیوں کو اپنے اندر دفن کیے ہوئے تھی۔

''بھائی کو بلیو کلر بہت اچھا لگتا ہے۔۔۔'' درشہوار کے منہ سے نکلنے والے اس جملے کے بعد انابیہ کی واڈروب نیلے رنگ سے بھر گئی تھی۔

''خدا کا خوف کرو بیا، کبھی کبھی تو تمہیں دیکھ کر میرا دل کرتا ہے ایک گانا زور زور سے گاؤں۔'' ایک دن طوبیٰ غصّے سے واڈروب بند کر کے اسکے بالکل عین سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''کون سا۔۔۔؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔

''میں نیل کرائیاں نیلکاں، میرا تن من نیلو نیل۔۔۔'' طوبیٰ کے ایک دم جل کر بولنے پر وہ بے ساختہ قہقہ لگا کر ہنسی تھی۔

''جب تمہیں محبت ہو گی تو پھر پوچھوں گی۔۔۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی ''عشق کا عین'' کتاب بند کرتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''اللہ بچائے ایسی محبت سے۔۔۔'' اس نے شرارت سے کانوں کو ہاتھ لگایا، جلدی سے انابیہ کا سوٹ نکالا اور واش روم کی طرف بڑھی۔

''یہ میرا سوٹ کس خوشی میں پہن رہی ہو۔'' اس نے منہ بنا کر پوچھا۔

''ویسے ہی، میرا بھی دل کر رہا تھا آج نیلو نیل ہونے کو۔'' وہ شرارتی انداز میں گویا ہوئی۔

انابیہ ماضی کی خوشگوار یادوں کو جھٹک کر کھڑی ہوئی۔رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا اور طوبیٰ کیمسٹری کی کتاب منہ پر رکھے گہری نیند سوئی ہوئی تھی، کمپارٹ آنے کے بعد وہ اور درشہوار اکثر ہی رٹے لگانے میں مگن نظر آتی تھیں۔

انابیہ کو اچانک یاد آیا، دوپہر میں اسکی ایک فرینڈ نے بڑے محتاط انداز میں اسے آج کا نیوز پیپر دیکھنے کی تلقین کی تھی۔اس سوچ کے آتے ہی وہ بے چین ہوگئی اور دبے قدموں کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر ہال کمرے میں آگئی۔سامنے لکڑی کے بنے ریک میں صبح کے اخبارات ایک ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔اس نے ایک نیوز پیپر بڑی احتیاط سے نکالا اور سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔

سامنے کے صفحات میں اسے کوئی خاص خبر نظر نہیں آئی تھی، اس نے درمیان کے صفحات پر سرسری نگاہ ڈال کر جیسے ہی اسے پلٹا۔اسکا دل دھک کر کے رہ گیا آنکھوں کے گرد جالا سا بن گیا۔پتھرائی ہوئی آنکھوں سے وہ اس خبر کو پڑھنے لگی۔

''کیوں کرتے ہیں آپ ایسا۔؟'' انابیہ آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ اس اخبار میں چھپنے والی اپنے والد میر خاقان علی کی تصویر کو دیکھنے لگی، جس میں وہ بڑے بے تکلفانہ انداز سے ایک ابھرتی ہوئی گلوکارہ کے ساتھ کسی فنکشن میں بیٹھے تھے۔

وہ بہت سالوں سے ان کی اس قسم کی دلچسپیوں کے بارے میں سنتی آرہی تھی لیکن اس کے باوجود اسے ہر دفعہ پہلے سے بڑھ کر ہی تکلیف ہوتی۔میر خاقان علی حکومت میں ہوں یا نہ ہوں لیکن ان کی چھوٹی سے چھوٹی خبر بھی میڈیا میں خاصی ہائی لائٹ کی جاتی تھی۔انہیں خبروں میں رہنے کا فن آتا تھا۔

اس عمر میں بھی ڈیشنگ پرسنالٹی کے حامل تھے، باقاعدگی سے جم جانے ایکسرسائز کرنے کی وجہ سے وہ اپنی عمر سے کئی سال چھوٹے ہی لگتے۔انہیں اچھی ڈریسنگ کا کریز تھا، انکی واڈروب برینڈڈ کپڑوں سے لدی ہوئی تھی۔

دراز قد، متناسب جسم اور کنپٹیوں پر ہلکی ہلکی سفیدی کے ساتھ ساتھ ان کے بولنے کا انداز اتنا دلکش تھا کہ کوئی بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

اخبار کی اس خبر میں میر خاقان کے سابقہ اسکینڈلز کو بھی کافی ہائی لائٹ کیا گیا تھا۔انابیہ کا دل دکھ کے گہرے احساس سے بھر گیا، اسے پہلی دفعہ اپنی والدہ شارقہ بیگم اور ندرت امّی کی لاعلمی پر رشک آیا۔وہ دونوں ہی زیادہ سوشل نہیں تھیں اور سونے پہ سہاگہ انہیں ٹی وی اور پرنٹ میڈیا سے بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔اسی وجہ سے یہ خبر ابھی تک ان کی سماعتوں تک نہیں پہنچی تھی۔

''میری ایج فیلو تو ہوگی یہ لڑکی۔۔'' انابیہ دل ہی دل میں اس گلوکارہ کی عمر کا تعین کرنے میں مگن تھی، اسے پتا ہی نہیں چلا، کب دروازہ کھول کر برہان اندر داخل ہوئے اور انہوں نے اپنا لیپ ٹاپ کا بیگ میز پر رکھتے ہوئے وال کلاک پر ٹائم دیکھا۔

''یہ نیوز پیپر پڑھنے کا کون سا ٹائم ہے۔؟'' انکے طنزیہ انداز پر وہ بوکھلا کر کھڑی ہوئی اور گود میں رکھا اخبار اچھل کر برہان کے قدموں میں جا گرا۔برہان کی نظر میر خاقان کی تصویر پر پڑی اور انہوں نے فوراً عجلت بھرے انداز میں اخبار اٹھایا۔

''ویسے ہی دیکھ رہی تھی۔۔۔''انابیہ نے بڑی مہارت سے اپنے آنسوؤں اندر دھکیلے۔

برہان نے تاسف بھرے انداز میں اس خبر کو پڑھتے ہوئے دوسری نظر انابیہ پر ڈالی وہ سر جھکائے اپنے جوتے کی نوک سے کارپٹ کو رگڑتے ہوئے انہیں ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب لگی اور یہ بالکل فطری بات تھی۔کسی بھی بیٹی کے لیے اپنے والد کے رنگین معاشقے کی خبر کو ہضم کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔

''جن چیزوں کو ہم بدل نہیں سکتے،ان کے ساتھ سمجھوتہ کرنے میں ہی عافیت ہوتی ہے۔''انہوں نے ہاتھ میں پکڑا نیوز پیپر میز پر رکھتے ہوئے قدرے نرمی سے کہا،انابیہ کو جھٹکا لگا،وہ ان سے اس انداز کی توقع ذرا کم ہی رکھتی تھی۔

اس نے سر اٹھا کر انکی طرف دیکھا،وہ ہمدردانہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھ رہے تھے۔انابیہ کے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہوئیں۔اپنے والد کے حوالے سے پہنچنے والی آدھی تکلیف تو برہان کے نرم لہجے نے ہی کم کردی تھی۔

''سمجھوتہ کرنے کے لیے بھی تو پہاڑ جتنا حوصلہ چاہیے۔۔۔''اس کے منہ سے بلا ارادہ ہی پھسلا۔

''میرا نہیں خیال،پہاڑوں پر رہنے والی کوئی لڑکی کم ہمت یا کم حوصلہ ہوسکتی ہے۔''انکی اگلی بات نے انابیہ کو ایک دم ہی آسمان پر پہنچایا۔

''میں اتنی بھی بہادر نہیں ہوں،جتنا آپ سمجھتے ہیں۔۔۔''انکی اپنے اوپر جمی نظروں کی تاب نہ لا کر اس نے سر جھکا دیا اور محبوب کے سامنے سر جھکانے میں کتنا لطف آتا ہے وہ ابھی ڈھنگ سے اس محظوظ ہو بھی نہ پائی تھی کہ برہان کے سیل فون کی گھنٹی نے سارا مزا کرکرا کردیا۔

''ہیلو۔۔۔''انہوں نے بڑے محتاط انداز میں کال اٹینڈ کی۔

''السلام علیکم،کیسے ہیں آپ۔۔؟''رات کے سناٹے میں سیل فون کے تیز والیوم کی وجہ سے باہر آنے والی کھنکتی آواز نے انابیہ کے کان کھڑے کردیئے۔اس نے برہان کے چہرے پر پھیلی بے ساختہ مسکراہٹ سے بمشکل نظریں چرائیں۔

''فائن،کیسی ہیں آپ۔؟واپسی ہوگئی آپ کی۔۔؟''وہ لیپ ٹاپ اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھے،ساتھ ہی وہ انابیہ کے دل کا سارا سکون بھی اپنے ساتھ چرا کر لے گئے۔

انابیہ نے بے ساختہ وال کلاک کی طرف دیکھا،رات کے دو بجے آنے والی یہ کال کتنی اہم تھی،اسکا اندازہ اسے برہان کے چہرے پر پھیلی جگمگاہٹ سے ہوگیا تھا اور دل کی اس ویرانی میں اندیشوں کے کئی ناگ نہ جانے کن کونے کھدوروں سے نکل کر سامنے آگئے۔انابیہ کے وجود پر ایک مکمل سناٹا چھا گیا تھا۔

وہ کچھ دیر پہلے میر خاقان کے حوالے سے چھپنے والی اس تلخ خبر کو بھول کر اب اس انجان کھنکتی آواز کے زہریلے پن کو اپنے اندر اترتا ہوا محسوس کررہی تھی۔

☆......☆......☆

دور تا حد نگاہ کسی ذی روح کا نام ونشان نہیں تھا، جنگل کی اس رات پر دل دہلا دینے والا سناٹا اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔دور آسمانوں پر چاند کی مدھم روشنی درختوں کے پتوں سے چھن چھن کر زمین پر عجیب وغریب سے نقش ونگار بنا رہی تھی۔

وہ جنگل میں راستہ بھول چکی تھی اور اس وقت خوفزدہ انداز میں دائیں بائیں گھوم رہی تھی۔اسے یوں لگا جیسے کوئی ہیولہ اسکے تعاقب میں ہو اور ذہن میں اس سوچ کے ابھرتے ہی ریڑھ کی ہڈی میں خوف سرائیت کرنے لگا۔

''مجھے یہاں سے بھاگنا چاہیے۔۔۔''اس سوچ کے آتے ہی وہ ننگے پاؤں اندھا دھند بھاگنے لگی۔

اسی وقت ویران جنگل میں ایک الو کی کریہہ چیخ کی آواز سن کر اسکے سارے وجود میں سنسناہٹ پھیل گئی۔اسے لگا جیسے اسکا دل پسلیاں توڑ کر سینے سے باہر نکل آئے گا۔اسکا گلا خشک ہو گیا اور پیٹ میں اینٹھن ہونے لگی۔اسی وقت درختوں کے جھنڈ سے ایک بڑے پرندے کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ پر اس نے بوکھلا کر مڑ کر دیکھا، وہ ایک موٹا تازہ کریہہ شکل کا الّو تھا جو بجلی کی سی تیزی سے اسکی طرف بڑھ رہا تھا۔

اسکی اوپر کی سانسیں اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئیں۔فضاؤں میں عجیب سا شور بلند ہوا اور اسے لگا جیسے اسکے کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے، وہ اپنی جان بچانے کے لیے پاگلوں کی طرح بھاگی۔

''رک جاؤ۔۔۔''اس خوفناک آواز کے تعاقب میں اس نے بے اختیار اوپر کی طرف دیکھا، جنگل میں موجود درختوں کی شاخوں سے کئی رنگ برنگی کھوپڑیاں لٹک رہی تھیں۔یہ آواز انہی میں سے کسی ایک کی تھی۔

''کون ہو تم۔۔۔؟''اسکے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

''روحیل محمود، جسے مار دیا تھا تم نے۔۔۔''کوئی بلند آواز میں دھاڑا تھا۔اس نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا، وہ خوفناک قسم کا پرندہ منظر سے غائب ہو چکا تھا۔

اور اب اسکی جگہ پر روحیل محمود اسکے تعاقب میں تھا، اسکا دل دھک کر کے رہ گیا، سفید رنگ کے کفن میں اسکی زندہ لاش دیوانہ وار اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔اسکی گردن باہر نکلی ہوئی تھی اور سر سے تازہ خون ٹپک رہا تھا۔

''بائے گاڈ، میں نے تمہیں نہیں مارا۔۔۔''وہ بھاگتے بھاگتے ٹھوکر کھا کر بری طرح گری اور تب تک وہ اسکے سر پر پہنچ چکا تھا۔

''لیکن تمہاری وجہ سے وہ حادثہ ہوا، اب میں تمہیں بھی ویسے ہی ماروں گا۔''اس نے بہت بُرے طریقے سے رومیصہ کو بالوں سے پکڑا اور اسکا سر پٹخ پٹخ کر زمین پر مارنے لگا، رومیصہ کے حلق سے نکلنے والی چیخوں نے ''ٹینا ہاؤس'' کے در و بام کو دہلا دیا۔پورے گھر میں بھاگنے دوڑنے کی آوازیں سن کر رومی کی آنکھ کھلی۔

''کک کیا ہوا رومی۔۔۔؟''سب سے پہلے شیری اسکے کمرے کا دروازہ کھول کر بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر داخل ہوئی۔

اتنے سرد موسم میں بھی رومی کا سارا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ وہ خوفزدہ انداز میں شیری کے ساتھ آ کر لپٹ گئی اور بلند آواز میں رونے لگی۔ ''خدا کی قسم، میں نے اسے نہیں مارا۔۔'' کانپتی ہوئی آواز میں وہ ایک ہی فقرہ دہرائے جا رہی تھی۔

''ٹیک اٹ ایزی، میری جان، کچھ نہیں ہوا۔۔'' شیری نے اسے اپنے ساتھ لگا کر دلاسا دینے کی کوشش کی۔

ٹینا بیگم سیاہ رنگ کے نائیٹ ڈریس میں گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئیں، انہوں نے سخت پریشانی سے اندر کا منظر دیکھا، انہیں ایک لمحے میں سمجھ آ گئی تھی کہ رومیصہ خواب میں ڈر گئی ہے اور اسکی چیخوں نے سبھی کو دہلا دیا تھا۔۔

''مام، ٹرسٹ می، میں نے نہیں مارا اسے۔۔'' وہ خوفزدہ لہجے میں بولی، ایک آنسو اسکی پلک سے ٹوٹ کر رخسار پر کسی موتی کی طرح ٹھہر گیا۔ ٹینا بیگم نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔ ان کا دل تاسف کے گہرے احساس سے بھر گیا۔

''میں جانتی ہوں سویٹ ہارٹ، تم ایسا نہیں کر سکتیں۔'' وہ شل ہوتے ہوئے دماغ کو سنبھالتے ہوئے اسے دلاسا دینے لگیں۔

ماں بیٹی کے درمیان پھیلی سرد مہری کی برف بڑی تیزی سے پگھلنے لگی۔ وہ اپنی ماں سے لپٹی بالکل ننھے بچوں کی طرح رو رہی تھی، ٹینا بیگم کی آنکھیں بھی نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔

''رومی یہ پانی پیو، اور آیت الکرسی پڑھ کر سو جاؤ۔۔'' شہرزاد خود کو سنبھال چکی تھی۔ اس نے گلاس میں پانی ڈال کر اسکی طرف بڑھایا۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔۔'' اسکا وجود ابھی بھی ہلکا ہلکا کانپ رہا تھا۔

''کچھ نہیں ہوگا، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، کوئی بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' وہ تسلی دینے کے انداز میں بولی۔

''وہ لوگ مجھے جیل میں ڈال دیں گے۔۔'' رومیصہ شدید قسم کے خوف میں مبتلا ہو چکی تھی۔

''ایسا نہیں ہوگا، رومی، ہم سب لوگ تمہارے ساتھ ہیں۔ بی بریو۔۔'' ٹینا بیگم نے بھی اسے دلاسا دیا۔

''مام، بائے گاڈ، ہم نے اسے نہیں مارا، وہ خود گاڑی سے ٹکرایا تھا، اسکے ہاتھ میں پسٹل بھی تھا، وہ مجھے مارنا چاہتا تھا۔'' وہ بے ربط انداز میں اپنی صفائی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

''رومیصہ بس کر دو، سب پتا ہے ہمیں، بس آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرو۔'' شہرزاد نے اسکا کمبل ٹھیک کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''آپ لوگ چھوڑ کر تو نہیں جائیں گے مجھے۔'' وہ ہراساں نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

روحیل محمود کی موت نے اسے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا، وہ آنکھیں بند کرتی تو اسکا خون میں لت پت چہرہ اسکی نظروں کے سامنے آ جاتا۔ اس واقعے نے اسے ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب کر دیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں اکیلے لیٹنے سے ڈرنے لگی تھی۔

''آئی تھنک شیری، ہمیں یہیں سو جانا چاہیے آج۔۔۔'' ٹینا بیگم کے سنجیدہ انداز پر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور کشن اٹھا کر سامنے صوفے پر لیٹ گئی جبکہ مام نے رومی کا بیڈ شیئر کر لیا تھا۔

ان تینوں کی ہی آنکھوں سے نیند غائب ہو چکی تھی۔ جسٹس محمود نام کا جن ان سب کے حواسوں پر سوار تھا۔ وہ مشکل رات ان تینوں نے بڑی مشکل ہی سے کاٹی تھی۔ صبح چار بجے کے قریب شہرزاد کی آنکھ لگی اور پھر دس بجے جا کر کھلی، روم خالی تھا۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر فریش ہو کر نیچے آئی تو ملازمہ ڈائننگ روم میں ناشتہ لگا رہی تھی اور وہ دونوں وہیں موجود تھیں۔ رات بھر کی بے خوابی، ٹینا بیگم اور رومیصہ کی سرخ آنکھوں اور مضمحل انداز سے ظاہر تھی۔

''ہیلو مام، ہائے رومی۔۔۔'' وہ دانستہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''کیسی ہو۔؟ میں تو ساری رات نہیں سو سکی۔'' مام کی تھکی تھکی آواز اس بات کی گواہ تھی کہ وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔

''کیوں ٹینشن لیتی ہیں، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''پتا نہیں، کیسے ہوگا۔۔۔'' وہ اچھی خاصی مایوس تھیں۔

''میں نے بہت سوچنے کے بعد ایک فیصلہ کیا ہے مام۔۔۔'' توس پر جیم لگاتے ہوئے وہ آج اپنے مخصوص پر اعتماد انداز میں گویا تھی۔

دونوں نے ہی چونک کر اسکی طرف دیکھا۔ ''کیسا فیصلہ۔۔؟'' ٹینا بیگم نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

''یہی کہ رومی کا کیس میں خود لڑوں گی۔۔۔'' اسکی بات پر رومی کی آنکھوں میں ہلکا سا استعجاب ابھرا۔

''لیکن میں تو بیرسٹر عالیہ سے بات کر چکی ہوں۔'' ٹینا بیگم نے اسکی معلومات میں اضافہ کیا۔

''اٹس او کے لیکن میں ان کے ساتھ انکی اسسٹنٹ کے طور پر ضرور ورک کروں گی۔'' اس نے تھرماس سے اپنے کپ میں چائے انڈیلی۔

''ہاں، اور اس کیس کا فیصلہ آتے ہی میں رومی کو لندن بجھوا دوں گی۔'' ان کی اگلی پلاننگ سنتے ہی شہرزاد نے بلا ارادہ رومیصہ کی طرف دیکھا، اسے یقین تھا۔

وہاں سے صدائے احتجاج ضرور بلند ہوگی لیکن اس سے پہلے ہی ایک اور جگہ سے اعتراض آ گیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے، محمود احمد، اتنا گدھا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی قاتلہ کو ملک سے باہر جانے دے دے گا۔'' ہارون رضا کی اس موقعے پر آمد ان تینوں کو ہی سخت ناگوار گذری، وہ شاید نہیں یقیناً اندر داخل ہوتے ہوئے ان کی گفتگو کچھ حصہ سن چکے تھے۔

''میری بیٹی نے مرڈر نہیں کیا۔۔۔'' ٹینا بیگم ایک دم تپ کر بولیں۔

''یہ فیصلہ کرنا، تمہارا نہیں کورٹ کا کام ہے۔۔۔'' وہ استہزائیہ انداز میں گویا ہوئے۔

''پھر تم بھی اپنی زبان بند رکھو اور عدالتی معاملات میں گھسنے کی کوشش مت کرو۔۔'' ٹینا نے بھی بدلحاظی سے انہیں مشورہ دیا۔

''جانتا ہوں کس کی شہہ پر اتنا اچھل رہی ہو تم۔۔'' ہارون کی بدتمیزی پر رومی اور شیری دونوں کا چہرہ سرخ ہوا۔

''فضول کے اندازے مت لگایا کرو۔'' ٹینا بیگم نے بھنوئیں اچکا کر کوفت بھرے انداز سے کہا۔

''سیف الرحمٰن۔۔۔وہی ہے ناں جو آجکل ''اوپر'' بیٹھا تمہاری ساری ڈوریں ہلا رہا ہے۔'' اپنی بیٹیوں کے سامنے ہارون رضا کا استہزائیہ لہجہ انہیں مشتعل کر گیا۔

''شٹ اپ۔۔۔'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑا جوس کا گلاس ایک دم ہی ٹیبل پر پٹخا، جوس چھلک کر میز کی سطح پر پھیل گیا۔

''کیا انٹرسٹ ہے اسکا اس معاملے میں۔؟ کیوں بھاگتا پھر رہا ہے وہ تمہارے لیے۔۔۔'' ہارون رضا کا زہر آلود لہجہ شہرزاد کو سخت ناگوار گذرا۔

''تمہیں بہت تکلیف ہو رہی ہے تو ڈائیورس دے دو مجھے۔۔۔'' وہ ایک دم چیخیں۔

''اتنی آسانی سے جان نہیں چھوڑوں گا تمہاری، یہ بات یاد رکھنا تم۔۔۔'' انہوں نے انگلی اٹھا کر ٹینا بیگم کو دھمکی دی۔اس کے ساتھ ہی شہرزاد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔

''آپ دونوں کو جو بھی پرابلم ہے جا کر اپنے بیڈروم میں حل کریں، یہاں پر خوامخواہ کا تماشا مت لگائیں۔'' شہرزاد کے سرد لہجے پر ہارون رضا کو ایک دم جھٹکا لگا۔انہوں نے بے یقینی سے اسکی طرف دیکھا۔

''چلو رومیصہ۔۔۔!!!'' شہرزاد نے بالکل بے جان انداز میں بیٹھی رومی کا بازو پکڑا تو اسے احساس ہوا وہ بالکل ٹھنڈی ہو چکی ہے۔وہ اسے زبردستی گھسیٹتی ہوئی لاؤنج میں لے گئی۔وہ دل ہی دل میں سوچ چکی تھی کہ اسے ہارون رضا کے معاملے میں اب کھل کر ماما سے بات کر لینی چاہیے، وہ اس شخص کو اب مزید ڈھیل دینے کے چکر میں نہیں تھی۔

☆......☆......☆

''کیا مصیبت ہے، پریکٹیکل کی کاپی لینے کے لیے خود جانا ضروری تھا کیا۔'' مری کے اونچے نیچے راستوں پر چلتے ہوئے طوبیٰ کا سانس پھول چکا تھا جبکہ درشہوار کینوس شوز پہنے بڑے مزے سے چل رہی تھی۔

''مانو یا نہ مانو، تمہارا وزن بڑھ چکا ہے تبھی تو اتنا سانس پھول رہا ہے تمہارا۔'' درشہوار کے فتوے پر طوبیٰ نے تپ کر اسے دیکھا، جسکا چہرہ اس وقت اسے سخت منحوس لگ رہا تھا، ویسے بھی وہ اپنی اسمارٹنیس کے معاملے میں خاصی حساس تھی۔

''یہ بات اگر تم اس موٹی بھینس نمو کے بارے میں کہتیں تو شاید کوئی یقین کر بھی لیتا۔'' طوبی نے نمیرہ کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''وہ موٹی، اگر اس وقت ساتھ ہوتی تو، تمہارے اگلے دو دانت تو ضرور توڑ چکی ہوتی۔۔۔'' درشہوار چلتے چلتے رکی۔ وہ دونوں اس وقت اپنی ایک مشترکہ فرینڈ کے گھر سے کیمسٹری کی پریکٹیکل کاپی لے کر واپس آ رہیں تھیں۔ اسی وقت فضاؤں میں مغرب کی اذانیں گونجنے لگیں۔

''نمیرہ تو دانت بعد میں توڑے گی، تائی اماں آج ہماری ایک آدھ ٹانگ ضرور توڑ دیں گی۔۔۔'' طوبیٰ نے پہاڑوں پر اترتی تاریکی کو دیکھتے ہوئے خوفزدہ انداز میں کہا، نہ چاہتے ہوئے بھی دونوں خاصی لیٹ ہو چکیں تھیں۔

''تم ہی شامی کباب کھانے بیٹھ گئیں تھیں، ورنہ میں تو کافی دیر سے کہہ رہی تھی کہ گھر چلتے ہیں۔۔۔'' درشہوار نے سارا الزام اسکے سر پر رکھ دیا۔

''ایسی کوئی بکواس تم نے تائی اماں کے سامنے کی تو یقین مانو اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سے عاق کر دوں گی۔'' طوبیٰ تڑپ کر بولی۔

''اچھا اچھا، بعد میں عاق کر دینا، ذرا ادھر دیکھو۔۔'' درشہوار نے خوبانیوں کے ایک درخت کی طرف مسکراتے ہوئے اشارہ کیا۔

''خبردار، ان پر بُری نظر ڈالنے کی ضرورت نہیں، ہم پہلے ہی لیٹ ہو چکے ہیں۔۔'' اس نے فوراً ہی آنکھیں ماتھے پر رکھیں۔

''تمہیں پتا تو ہے خوبانیاں میری کمزوری ہیں۔۔'' درشہوار نے پریکٹیکل کی کاپی اسے پکڑا کر کسی پتھر کی تلاش میں دائیں بائیں دیکھا۔

''درشہوار، بس کر دو، ہم لوگ لیٹ ہو رہے ہیں۔۔۔'' وہ جھنجھلا گئی۔

''لو دو منٹ کا تو کام ہے، راستے میں مزے سے کھاتے جائیں گے۔''

اس نے ایک بڑا سا پتھر گھما کر درخت کی ایک پھل دار ٹہنی پر دے مارا۔ درشہوار کا نشانہ تو بالکل ٹھیک تھا لیکن اسکی بدقسمتی کہ وہ بھاری پتھر موٹے تنے کو چھوتا ہوا، درخت سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھے ایک باولے کتے کو جا لگا۔

وہ کتا مشتعل ہو کر اٹھا اور بھونکتے ہوئے درشہوار پر حملہ کرنے کی نیت سے آگے بڑھا۔ درشہوار کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی۔

''اوہ میرے خدا۔۔۔ طوبی بھاگو۔۔'' اس نے ناگہانی آفت پر بوکھلا کر سڑک پر بھاگنے کی بجائے دائیں طرف بنے واقع جنگل کی طرف دوڑ لگائی۔

''بے وقوف لڑکی، ادھر کہاں جا رہی ہو۔۔'' طوبیٰ نے خوفزدہ نظروں سے اسکی طرف دیکھا، جو تیزی سے ڈھلوانی سطح پر پھسلتی ہوئی نیچے کو جا رہی تھی جبکہ وہ کتا ابھی تک اسکے تعاقب میں تھا۔ درشہوار تیزی سے دوڑنے لگی، اچانک اسکا پاؤں پھسلا اور وہ سیکنڈوں میں جنگل کی ڈھلوان سطح سے پھسلتے ہوئے ہموار زمین پر جا گری، اسکے گھٹنے اور بازو پر خاصی چوٹ لگی تھی۔

وہ اچھل کر کھڑی ہوئی اور اس نے بوکھلا کر اپنے پیچھے دیکھا، وہ کتا لمبی لمبی چھلانگیں لگاتا ہوا اسکے پیچھے تھا۔ درشہوار کو اپنی موت بہت قریب آتی ہوئی محسوس ہوئی اس نے آنا فانا فیصلہ کیا اور پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ ایک اور پتھر اٹھایا اور اپنے دفاع کے لیے گھما کر

دے مارا، جو کتے کی ٹانگ پر جا لگا اور وہ مزید غصّے میں آ کر اسکے پیچھے دوڑنے لگا، درشہوار کا رنگ فق ہو گیا۔

''یا اللہ بچانا۔۔۔'' اس نے پھر نیچے کی جانب دوڑ لگائی، وہ کتا ہانپتا کانپتا اس کے پیچھے تھا۔ اسی دوران درشہوار کے جوتے کا ایک پاؤں بھی وہیں گر گیا تھا اور وہ اب ایک عدد ننگے پیر کے ساتھ ہی بھاگ رہی تھی۔ اسے لگا اسکے بدن سے روح پرواز کرنے لگی ہے۔

''کمینے انسان رکو۔۔۔'' وہ کتے کو دھمکیاں دیتے ہوئے ایک بھاری قسم کے درخت کے پیچھے سے نکلتے محمد ہادی سے بُری طرح ٹکرائی، جو اس وقت اپنے آفس کے کام سے فیلڈ میں نکلا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، اس کتے نے چھلانگ لگا کر درشہوار پر حملہ کیا، وہ سراسیمگہ انداز میں ایک دم زمین پر بیٹھ گئی، وہ کتا اچھل کر اسکے اوپر سے ہوتا ہوا دُور جا گرا۔

درشہوار حواس باختہ انداز میں اٹھی، اسکا دوپٹہ ایک جھاڑی سے الجھا اور وہ اسے چھوڑ کر بوکھلا کر ہادی کے پیچھے جا کھڑی ہوئی، اب سین کچھ یوں تھا کہ ہادی کے سامنے وہ جنونی کتا اور پیچھے درشہوار تھی، جسکا سانس پھولا ہوا اور آنکھوں سے آنسو قطار کی صورت میں بہہ رہے تھے۔ اس صورتحال نے اسے سخت خوفزدہ کر دیا تھا، اوپر سے سورج کے ڈوبتے ہی چاروں طرف ملگجا سا اندھیرا پھیل گیا تھا۔

''پلیز بچائیں مجھے۔۔۔'' وہ ہذیانی انداز میں کہتی ہوئی خود پر قابو نہ پا کر رو پڑی۔

وہ کتا ذرا فاصلے پر کھڑا بھونک رہا تھا، ہادی کو ایک نظر دیکھنے سے ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ اتنی آسانی سے جان چھوڑنے والا نہیں ہے، وہ آہستہ آہستہ پھر ان دونوں کی طرف بڑھ رہا تھا، ہادی نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا اور اپنی جیکٹ کی جیب سے پسٹل نکالا، جو وہ فیلڈ پر جاتے ہوئے جنگلی جانوروں سے بچاؤ کے لیے اپنے پاس رکھتا تھا۔

وہ پاگل کتا، اب ہادی پر حملہ کرنے کی نیت سے آگے بڑھا۔ اس نے فوراً ہی نشانہ باندھ کر گولی اسکی ٹانگ میں دے ماری، وہ تڑپ کر زمین پر گرا اس نے ایک دفعہ پھر اٹھ کر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن اگلے فائر سے وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ جب کہ درشہوار آنکھیں بند کیے بُرے طریقے سے رو رہی تھی۔ ہادی کو ہلکی سی بیزاری ہوئی۔

''مر گیا ہے وہ۔۔۔'' ہادی نے سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے جھاڑیوں میں الجھا ہوا اسکا دوپٹہ اٹھایا۔ وہ سپید پڑتی رنگت کے ساتھ ساکت و جامد تھی۔

یہ دوپٹہ لیں اپنا۔۔۔'' ہادی کے سنجیدہ انداز پر اس نے فوراً چونک کر دیکھا تو اسے احساس ہوا وہ بغیر دوپٹے کے تھے۔ اس نے بوکھلا کر دوپٹہ پکڑا اور فوراً اوڑھ لیا۔ زمین پر گرنے کی وجہ سے اسکی قمیض کا بازو ایک جگہ سے پھٹ چکا تھا اور جلد پر کئی خراشیں آ چکیں تھیں۔ دُور کہیں بلی کے رونے کی آواز نے جنگل میں عجیب سا ماحول طاری کر دیا۔

اس وقت وہ سرخ آنکھوں، بکھرے بالوں اور گرد آلود کپڑوں کے ساتھ انتہائی خوفزدہ انداز میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

''نکلیں یہاں سے۔۔۔'' وہ نظریں چرا کر آگے چلنے لگا، یہ موقع کوئی طعنہ دینے کا نہیں تھا ورنہ اسکا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ

وہ دو چار کھری کھری تو ضرور سنا دے اس لڑکی کو، جو اپنے گھر میں ٹارزن تھی اور اس وقت بھیگی بلی بنی اسکے پیچھے چل رہی تھی۔

''آہستہ چلیں۔۔۔'' درشہوار کے حواس شل ہو گئے تھے۔

''اس سے پہلے کہ کوئی اور جانور کہیں سے نکل آئے، آپ برائے مہربانی تیز قدم اٹھائیں۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تھوڑا تلخ ہوا۔

درشہوار سنبھل سنبھل کر چڑھائی چڑھ رہی تھی، ایک پیر میں جوتا نہ ہونے کی وجہ سے اسے چلنے میں مشکل پیش آ رہی تھی، اچانک چلتے چلتے ایک نوکیلا پتھر اس کے پاؤں کے ناخن سے ٹکرایا اور درشہوار کے منہ سے نکلنے والی بے ساختہ چیخ پر وہ ہلکا سا بوکھلا کر مڑا۔

''وہ اپنے پیر پر جھکی تکلیف سے کراہ رہی تھی، ہادی نے سیل فون میں موجود ٹارچ آن کر کے تھوڑا جھک کر دیکھا، اسکے پاؤں کا ناخن آدھا ٹوٹ چکا تھا اور نوکیلا پتھر اندر گھسنے کی وجہ سے اب خون نکل رہا تھا۔

''اوہ نو۔۔۔'' وہ فوراً زمین پر بیٹھا، اور بڑی احتیاط سے اس نے انگوٹھے کے آدھے ناخن میں پھنسے ایک چھوٹے سے پتھر کو باہر نکالا، درد کی ایک بے ساختہ لہر درشہوار کے وجود میں دوڑی اور اس نے لاشعوری طور پر ہادی کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ وہ آنکھیں بند کیے ضبط کے کڑے مراحل سے گذر رہی تھی۔

''ریلکس، پٹی باندھنے دیں مجھے۔۔'' ہادی نے اپنی جیکٹ سے رومال نکالا اور کس کر اسکے انگوٹھے پر باندھ دیا، جس سے خون بہنا تو رک گیا تھا لیکن تکلیف کے گہرے احساس کو ضبط کرنے کی کوشش میں درشہوار کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''مجھ سے چلا نہیں جا رہا۔۔'' آنسوؤں میں بھیگی اس آواز نے ہادی کے قدم روک دیئے۔

''تھوڑی ہمت کریں، روڈ پر گاڑی کھڑی ہے میری۔۔'' ہادی کو اس کے مسلسل رونے پر ترس آ ہی گیا۔

''اتنا درد ہو رہا ہے مجھے۔۔۔'' وہ گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر بمشکل کھڑی ہوئی۔

''ادھر دیں اپنا ہاتھ۔۔۔'' ہادی نے نظریں چرا کر اپنا بازو اسکی طرف بڑھایا جو اس نے ہلکا سا جھجک کر تھام لیا، اب وہ اسے پکڑے انتہائی احتیاط سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ درشہوار کو ایک دم یوں لگا جیسے اسکے دل کی دھڑکنوں نے ایک اور ہی راگ الاپنا شروع کر دیا ہو۔

درشہوار کے اندر کی دنیا سیکنڈوں میں بدلی تھی۔ اسکی ساری شوخی اور شرارت یہیں کہیں اس جنگل میں کھو گئی تھی۔ وہ اس سے نظریں چرائے بس سر جھکائے اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ ہادی کو یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ محسوس ہوئی۔ جیسے ہی وہ دونوں تھوڑا اوپر پہنچے، طوبیٰ حواس باختہ انداز میں درشہوار کی تلاش میں نیچے اتر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔

''تھینکس گاڈ، تم زندہ ہو، یقین مانو ایک سو ایک دفعہ آیت الکرسی پڑھ کر پھونک چکی ہوں تم پر۔'' طوبیٰ بے چین انداز میں اس کی طرف بڑھی۔

''شکر کریں فاتحہ نہیں پڑھنی پڑی، ورنہ آپکی کزن نے آج ارادے تو ایسے ہی تھے۔'' ہادی سنجیدگی سے بولا تھا۔

''آپ کہاں سے آ گئے اچانک۔۔۔؟'' طوبیٰ حیران ہوئی۔

''اپنی روزی روٹی کے چکر میں گھوم رہا تھا جنگل میں، مجھے کیا پتا تھا آپ لوگوں نے اب انسانوں کو چھوڑ کر جانوروں کو تنگ کرنا شروع کر دیا ہے۔'' اس نے سائیڈ پر کھڑی اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا، سڑک پر لگی روشنیوں میں طوبیٰ کی نظر درشہوار کے پاؤں پر پڑی۔

''اوہ مائی گاڈ، یہ تمہارے پاؤں کو کیا ہوا، کیسے چوٹ لگ گئی۔۔۔'' وہ بوکھلا کر اسکے پاؤں پر جھکی اور اسکا جائزہ لینے لگی۔

''خدانخواستہ، تمہاری زبان پر تو چوٹ نہیں لگ گئی۔۔'' طوبیٰ اسکی غیر معمولی خاموشی پر گھبرا کر بولی تو ہادی کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''محترمہ، یہ تفتیش آپ گھر جا کر، کر لیجیئے گا، اس وقت ٹائم کافی ہو گیا ہے۔'' اس کی بات پر طوبیٰ نے گھبرا کر رسٹ واچ سے ٹائم دیکھا، ساتھ ہی اسکے سیل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے جلدی سے کال اٹینڈ کی۔ دوسری طرف انابیہ تھی۔

''کہاں ہو تم دونوں، ٹائم دیکھا ہے، داجی گھر آ چکے ہیں۔'' انابیہ کی اطلاع نے اس کی روح فنا کر دی۔

''تم پلیز کوئی بہانہ بناؤ، ہم لوگ پچھلے لان کی طرف سے آ رہے ہیں۔'' طوبیٰ نے جلدی سے فون بند کیا۔

''پلیز ہمیں گھر تک ڈراپ کر دیں۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا، وہ درشہوار کا بازو پکڑ کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ میر ہاؤس کے قریب پہنچا ہی تھا کہ طوبیٰ بول پڑی۔

''پلیز، گاڑی اپنے گھر لے جائیں۔'' اس کی اگلی فرمائش پر ہادی کا دماغ بھک کر کے اڑا۔

''وہ کس خوشی میں۔۔؟''

''ہمارے سامنے والے لان میں داجی کے روم کی کھڑکیاں کھلتی ہیں، اور اس وقت وہاں سے گذرنا خطرے سے خالی نہیں۔'' اس نے ہلکی سی خجالت کے ساتھ اپنی بات کی وضاحت کی، ہادی کو نہ چاہتے ہوئے بھی اسکی بات ماننا پڑی۔

گاڑی جیسے ہی رکی، درشہوار ہلکا سا لنگڑاتی ہوئی نیچے اتری۔ طوبیٰ نے آگے بڑھ کر اسکو سہارا دیا۔ وہ خاصی نڈھال لگ رہی تھی اور اسکا حلیہ خاصا مشکوک لگ رہا تھا اور ایسی حالت میں واقعی کسی بڑے کے سامنے جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

''یار جلدی چلو۔۔'' طوبیٰ اسکا بازو پکڑ کر لان کی پچھلی سائیڈ کی طرف چل دی۔ ہادی بھی بلا ارادہ ان کے پیچھے چلا آیا۔ طوبیٰ نے جلدی سے منڈیر پر چڑھ کر چھلانگ لگائی اور اگلے ہی لمحے وہ دوسری سائیڈ پر تھی۔

درشہوار چلتے چلتے رکی۔ اسکا پاؤں سوج چکا تھا اور اتنی تکلیف کے ساتھ اچھل کر منڈیر پر چلنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ہادی کو اسکی مشکل سمجھ آ گئی تھی۔ اس نے دوسری دیوار کے پاس رکھی دو اینٹیں اٹھائیں اور خاموشی سے منڈیر کے پاس رکھ دیں۔

''اس پر پاؤں رکھ کر چڑھیں۔۔'' ہادی کے نرم لہجے پر درشہوار نے چونک کر اسکی طرف دیکھا۔ اسکی مہربان آنکھوں میں پھیلی نرم جگمگاہٹ اسے اپنے دل کے اندر اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ دور کہیں ویرانوں میں گھنٹیاں بجی تھیں۔

''فارگاڈ سیک یار، جلدی کرو، کن سوچوں میں گم ہو۔۔'' طوبیٰ کی جھنجلاہٹ پر وہ ہلکا سا بوکھلائی۔

اس نے بمشکل اپنا پیر ہادی کی رکھی ہوئی اینٹوں پر جمایا اور ساتھ ہی اسکی چاہت نے دل کے کسی کونے میں مضبوطی سے ڈیرہ لگا لیا۔ محبت ایک تیز رفتار زلزلے کی صورت میں اس پر حملہ آور ہوئی تھی اور اس نے سیکنڈوں میں درشہوار کے سارے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ گھبرا کر منڈیر پر بیٹھی اور ساتھ ہی اس نے سوچے سمجھے بغیر دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔

☆......☆......☆

صبح سے ہونے والی موسلا دھار بارش نے اسلام آباد کے مکینوں کو عجیب سی بیزاری اور کوفت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اتنی سردی میں صبح دس بجے سے ہونی والی مسلسل بارش رات کے بارہ بجے بھی جاری تھی۔

آج نور محل میں عجیب سی وحشت طاری تھی، گھر کے سبھی ملازمین شام ہوتے ہی اپنے کوارٹروں میں دبک گئے تھے۔ اتنے بڑے بنگلے میں آج فارحہ بھابھی اور انکی ملازمہ صندل ہی تھیں۔ داجی اور میر محتشم بھی شام کو مری کے لیے نکل گئے تھے۔ میر وہاج کو ملتان گئے ہوئے پانچ روز گذر چکے تھے اور ابھی ان کی واپسی کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔

صندل نے آج جلدی جلدی سارا کام سمیٹ لیا تھا۔ اس وقت وہ دودھ کا گلاس رکھنے فارحہ بی بی کے کمرے میں آئی۔ جن کی پچھلے دو دن سے خاصی طبعیت خراب تھی۔ وہ سارا سارا دن اندھیرا کیے اپنے روم میں لیٹیں رہتیں۔

''صندل، ساری کھڑکیاں اور دروازے اچھی طرح بند کر دیئے ہیں ناں۔۔'' فارحہ بھابھی نے نڈھال انداز میں اس سے پوچھا۔

''جی بی بی جی۔۔۔'' اس نے جھٹ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''سائیڈ ٹیبل کی دراز سے نیند کی ٹیبلٹ نکال کر دو مجھے۔۔'' ان کے رنجیدہ لہجے پر صندل کا دل تاسف کے احساس سے بھر گیا۔

''بی بی جی اتنی گولیاں مت کھایا کریں۔۔۔'' صندل کو فارحہ بی بی پر خاصا ترس آتا تھا، گھر کے باقی ملازمین کی طرح وہ بھی ان کی ازدواجی زندگی کی تلخیوں سے بخوبی واقف تھی۔ اپنے میاں وہاج کے برعکس فارحہ بھابھی کا رویہ ملازمین کے ساتھ بہت اچھا تھا۔

''کیا کروں، اسکے بغیر نیند نہیں آتی۔۔۔'' انہوں نے افسردہ انداز میں کہتے ہوئے پانی سے گولی نگلی۔ دُور کہیں آسمانوں پر بادل گرجے تھے۔ ساتھ ہی آسمانی بجلی کی کڑک نے ان دونوں کا دل دہلا دیا۔

''آج تو موسم بہت ہی خراب ہے۔۔۔؟'' صندل نے فکرمند انداز میں کہتے ہوئے کمرے کے بھاری پردے آگے کیے۔

''تم بھی لائیٹ بند کر کے سو جاؤ اپنے کمرے میں۔۔'' فارحہ نے نرمی سے اسے کہا تو وہ جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ آئی جو اسٹور روم کے ساتھ تھا۔ درشہوار سے مانگے گئے ڈائجسٹوں میں سے ایک ڈائجسٹ نکال کر اس نے پڑھنا شروع کر دیا اور وہ کہانی میں ایسی گم ہوئی کہ ایک دم لائیٹ کے جانے پر ہی اسے ہوش آیا، اسوقت رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔

چوکیدار نے ابھی تک جنریٹر نہیں چلایا تھا، وہ کچھ دیر انتظار کر کے اٹھی اور موبائیل فون کی روشنی میں اس نے اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھولا اور موم بتی کی تلاش میں کچن کی طرف قدم بڑھائے۔ اپنی دھن میں جیسے ہی وہ باہر نکلی، سیٹنگ روم کا دروازہ باہر سے کھلا اور بڑی تیزی سے میر وہاج اندر داخل ہوئے۔ صندل کو سامنے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں عجیب سی پراسرار چمک ابھری۔ صندل کا دل بُری طرح دھڑکا۔

اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے آگے بڑھے اور اس سے پہلے کہ صندل ان کے ارادوں کو سمجھتی، انہوں نے اچانک اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے زبردستی گھسیٹتے ہوئے ساتھ والے کمرے میں لے جا کر پٹخا۔ صندل نے چیخنا چاہا مگر اسکی آواز گلے میں ہی دم توڑ گئی۔ بہت سرعت کے ساتھ وہاج صاحب نے کمرہ اندر سے لاک کیا۔ باہر چوکیدار نے جنریٹر چلا دیا تھا، اس کے شور میں صندل کی گھٹی گھٹی سی چیخیں کمرے میں ہی دم توڑ گئیں۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہرزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

''کس قدر عجیب ہوگئی ہے یہ صندل۔۔۔''

انابیہ شاہ بلوط کی لکڑی کا بنا بھاری بھر کم دروازہ کھول کر پچھلے لان میں نکلی تو اس کی پہلی نظر اسی پر پڑی تھی۔

پچھلے لان میں تاجدار بیگم نے آج اپنا مخصوص تخت پوش نکلوا کر باہر رکھا ہوا تھا اور اس پر وہ اپنی دیورانی شارقہ بیگم کے ساتھ براجمان تھیں۔ان سے کچھ فاصلے پر سردیوں کی جاتی ہوئی تیز اور چمکیلی دھوپ میں صندل کیاری کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

انابیہ نے چائے کی ٹرے تاجدار بیگم کے پاس رکھی اور اپنا کپ اٹھا کر ان کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔اس نے بغور صندل کو دیکھا، اس کا جسم انتہائی کمزور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی، رنگ وروپ اجڑا ہوا، وہ بالکل اس خزانے کی مانند لگ رہی تھی، جسے کسی نے سرعام لوٹ لیا ہو۔

ایک ہفتہ پہلے جب وہ ایک سو تین بخار کے ساتھ ''میر ہاؤس'' پہنچی تو اس کے والدین کے ساتھ ساتھ گھر کے مالکوں کے بھی ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔وہ بالکل بھی اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

''ہائے ہائے دیکھو، کہیں مر مرا تو نہیں گئی۔۔۔'' ندرت امّی نے دہل کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

''نہیں نہیں چھوٹی امّی، سانس لے رہی ہے۔'' طوبیٰ نے فوراً کان لگا کر اسکی سانسوں کے زیروبم کو محسوس کر کے انہیں تسلی دی۔

''لیکن کیسے بے سدھ ہے یہ۔۔۔'' شارقہ بیگم کو بھی پریشانی لاحق ہوئی۔

''مجھے لگتا ہے بیگم صاحبہ، نمانی کا دل نہیں لگا اُدھر۔۔'' صندل کی والدہ رشیدہ بیگم دوسروں سے زیادہ خود کو تسلی دینے کے انداز میں بولیں۔

''کم بخت کو دل لگانے کے لیے تھوڑا بھیجا تھا وہاں۔۔'' تاجدار بیگم نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

''لگتا ہے کسی چیز سے ڈر گئی ہے یہ۔۔۔'' رشیدہ بیگم نے بوکھلا کر صفائی دی۔

''لو وہاں کون سا جن بھوت بستے ہیں، انسانوں میں ہی تو گئی تھی۔۔۔'' ندرت امّی کے طنزیہ لہجے پر صندل کی ماں گڑبڑا سی گئی۔

''لیکن پھر بھی اکثر چیخیں مارتی ہے رات کو نیند سے اٹھ کر۔۔۔'' اسکی ماں نے فکرمند انداز سے انکی معلومات میں اضافہ کیا۔

''اچھا۔۔۔؟؟؟'' یہ بات گھر کی باقی خواتین کے لیے تشویش کا باعث بنی۔

''اسے دم کروا کر لاؤ کیکر والے بابے سے۔۔۔'' تاجدار بیگم کے مشورے پر رشیدہ بیگم اگلے دن ہی اپنی بیٹی کو لے کر پیر مراد علی شاہ کے آستانے پر پہنچ گئیں، لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔

صندل کو ''میر ہاؤس'' آئے ہوئے پورے پندرہ بیس دن ہو چکے تھے، لیکن اسکے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر جو پہلے دن سے ثبت

ہو چکی تھی وہ کسی صورت بھی ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ بخار تو جلد ہی اتر گیا تھا لیکن اسکے ہونٹوں کی ہنسی، آنکھوں کی شرارت اور سارا لاابالی پن بھی ساتھ ہی لے گیا تھا، اور یہ بات گھر کے سبھی مکینوں کے لیے باعث تشویش تھی کیونکہ اسکے ہونٹوں سے تو بات بات پر ہنسی کے جھرنے پھوٹتے تھے اور اس بات پر اسے اکثر ہی تینوں خواتین سے جھاڑ بھی پڑتی تھی۔

''بی بی جی سارے لحاف نکال کر دھوپ میں پھیلا دیئے ہیں۔۔'' ایک ملازمہ نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اطلاع دی۔

''اچھا اچھا ٹھیک ہے اور دو گھنٹے کے بعد ان کو اندر بھی رکھنا ہے۔۔۔'' تاجدار بیگم کے اگلے حکم پر ملازمہ نے جھٹ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

شارقہ بیگم جو کہ کروشیے میں الجھی ہوئیں تھیں، ان کی نظر اچانک صندل پر پڑی۔

''بھابھی مجھے تو لگتا ہے اس کم بخت صندل پر کوئی سایہ وایہ ہو گیا ہے۔'' شارقہ بیگم نے پاس بیٹھیں اپنی جیٹھانی کو مخاطب کیا۔

''کیوں، کیا ہوا۔۔؟'' تاجدار بیگم نے بے ساختہ ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا، سامنے بیٹھی صندل پچھلے کئی منٹوں سے ایک ہی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی، جاتی ہوئی سردیوں کی تیز دھوپ میں بیٹھنا کوئی آسان کام نہیں تھا، دس منٹ میں ہی بندے کو ٹھیک ٹھاک پسینہ آجاتا، لیکن صندل تو لگتا تھا۔

سارے ہی موسموں سے بے نیاز ہو گئی تھی۔

''جب سے نور محل سے ہو کر آئی ہے، لگتا ہے اپنی زبان بھی وہیں چھوڑ آئی ہے۔'' شارقہ بیگم نے منہ بنا کر کہا۔

''اگر یہ نور محل کا کمال ہے تو میرا خیال ہے اس گھر کی ساری لڑکیوں کو دو چار مہینوں کے لیے چھوڑ آتے ہیں وہاں۔'' تاجدار بیگم کے جلے کٹے انداز پر انابیہ کو ایک دم ہنسی آگئی۔

''یہ تمہارے کیوں دانت نکل رہے ہیں۔۔؟'' شارقہ بیگم نے اپنی بڑی صاحبزادی کو آڑے ہاتھ لیا۔

''کک کچھ نہیں۔۔'' وہ ہلکا سا ہکلا کر سنجیدہ ہوئی۔

''ادھر آؤ رشیدہ۔۔'' تاجدار بیگم نے اندر جاتی صندل کی ماں کو پکارا۔

''جی بی بی جی۔۔۔''

''یہ مسئلہ کیا ہے تمہاری بیٹی کے ساتھ، ایسے صم بکم کیوں ہو گئی ہے۔۔۔'' انہوں نے اس دفعہ قدرے مشکوک انداز میں پوچھا۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں بی بی جی، آپکے سامنے ہی تو واپس آئی ہے نور محل سے، تبھی سے یہی حالت ہے اسکی۔'' صندل کی ماں نے گڑبڑا کر اپنی صفائی پیش کی، جو کہ باہر آتے برہان نے بڑی توجہ سے سنی تھی۔

''میرا تو خیال ہے، اسے کسی سائیکاٹرسٹ کو دیکھائیں۔۔۔''

برہان کے سنجیدہ انداز پر انابیہ کے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہوئیں، اس نے تھوڑا سا چہرہ موڑ کر کنکھیوں سے اسکی طرف دیکھا، سیاہ پینٹ کے ساتھ براؤن کلر کی شرٹ میں وہ کافی جاذب نظر لگ رہا تھا، سیاہ گھنی مونچھوں کے نیچے موجود لبوں پر ایک مبہم سی مسکراہٹ تھی، انہوں نے شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک موڑی ہوئیں تھیں۔

نہ جانے کیوں اس شخص کو دیکھ کر انابیہ کو اپنا سارا وجود مجسم سماعت بن جاتا تھا۔ اسے لگتا تھا جیسے پوری دنیا ایک نقطے میں سمٹ گئی ہو۔ وہ محبت کے نہ جانے کس مقام پر تھی، جہاں اسے، اس شخص کی ہر بات، کسی خوبصورت ادا کی صورت بھاتی تھی۔

''کس کے پاس لے کر جاؤں صاحب جی۔۔۔؟'' رشیدہ کو سائیکاٹرسٹ کی سمجھ نہیں آئی۔

''ڈاکٹر کے پاس۔۔۔'' انابیہ کی زبان پھسلی اور برہان نے چونک کر اسکی طرف دیکھا۔

''تمہارا رزلٹ آ گیا ہے گریجویشن کا، اچھی پرسنٹیج بنی ہے، مبارک ہو۔۔'' برہان کے منہ سے نکلنے والی اس خلاف توقع بات نے انابیہ کے دل کا موسم ایکدم ہی دلکش کر دیا، اسے قطعاً امید نہیں تھی کہ وہ اس طرح مبارکباد بھی دے سکتے ہیں۔

''تمہیں آج پتا چلا ہے، رزلٹ آئے ہوئے تو تین دن ہو گئے۔۔'' تاجدار بیگم نے اپنے بیٹے کی کلاس لی۔

''پتا تو تھا، لیکن ذہن سے نکل گیا تھا۔۔۔'' وہ انابیہ اور اسکی والدہ کے سامنے ایکدم خجالت کا شکار ہوئے۔ ''ویسے اب کیا سوچا ہے تم نے۔؟'' انہوں نے فوراً ہی بات کا رخ بدلا۔

''پراسپیکٹس چاہیے تھا یونیورسٹی کا۔۔۔'' انابیہ نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

''ایڈمیشن لینا ہے کیا۔۔۔؟'' وہ خوشگوار حیرت کا شکار ہوئے۔

''کیا ضرورت ہے، گھر داری سیکھو، ساری زندگی ماں باپ کے گھر تھوڑا رہنا ہے تم نے۔'' شارقہ بیگم نے اس کے ارمانوں پر اوس ڈالی۔

''چچی جان، کم از کم ماسٹرز تو کرنا چاہیے ہر لڑکی کو، اور آپ ایڈمیشن لینے دیں اسے۔'' برہان کے دوٹوک سنجیدہ انداز پر ایک لمحے کو تو شارقہ بیگم کو بھی چپ لگ گئی اور انابیہ کے دل میں کئی کلیاں ایک ساتھ چٹکیں تھیں۔

''آپ کیا کہتی ہیں امّی۔۔۔؟'' برہان کے سوالیہ انداز پر وہ فوراً بھانپ گئیں کہ وہ کیا چاہتا ہے، ظاہر ہے زمانہ شناس عورت تھیں اور جانتی تھیں کہ ان کا پی ایچ ڈی بیٹا، اپنی بیوی کی صرف گریجویشن کی ڈگری پر کہاں سمجھوتہ کر سکتا ہے۔

''ہاں ہاں لا دو تم اسے داخلہ فارم، اچھا ہے تمہارے ساتھ آئے جائے گی۔'' تاجدار بیگم کی بات پر برہان کے چھکے چھوٹے۔

''کیا مطلب۔۔؟ میرے ساتھ کیوں۔؟'' وہ ہلکا سا سنبھل کر گویا ہوئے۔

''ظاہری سی بات ہے، جس یونیورسٹی میں تم پڑھاتے ہو، وہیں جائے گی ناں یہ۔۔۔'' وہ لاپرواہی سے سر جھٹک کر بولیں۔

''جس نے ایڈمیشن لینا ہے اس سے تو پوچھ لیں ۔۔۔'' وہ ہلکی سی کوفت کا شکار ہوئے۔

''ہاں ہاں بتاؤ انابیہ۔۔۔'' تاجدار بیگم بیٹھے بیٹھے سارے معاملات نبٹا لینا چاہتی تھیں۔

''جیسا آپ کہیں بڑی امّی۔۔''

''کس سبجیکٹ میں لینا ہے ایڈمیشن۔۔۔؟'' اس دفعہ سوال انکی طرف سے آیا تھا۔

''اکنامکس میں۔۔۔'' انابیہ نے سر جھکائے آہستگی سے جواب دیا۔

''پڑھ لوگی۔۔۔؟'' وہ تھوڑا تذبذب کا شکار ہوئے۔

''کیوں نہیں پڑھ سکتی۔۔۔'' انابیہ کے پُراعتماد انداز پر وہ ہلکا سا گڑبڑائے۔ اس سے جوابی شکوئے کی کہاں امید تھی۔

''اٹس، اوکے، پراسپیکٹس لا دوں گا۔۔۔'' انہوں نے اپنی طرف سے بات ختم کی اور تاجدار بیگم کی طرف متوجہ ہوئے۔

''فارحہ بھابھی کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے، آپکو بلوا رہیں تھیں نور محل۔۔۔''

''کیا ہوا۔۔۔؟'' وہ ہلکا سا پریشان ہوئیں۔

''پتا نہیں، میں نے پوچھا نہیں ڈیٹیل سے، آپ خود بات کر لیجئے گا۔''

''اچھا، اچھا کر لوں گی، اللہ جانے کون سا آسیب بستا ہے نور محل میں، جو جاتا ہے، بیمار ہی رہتا ہے۔'' وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بمشکل اٹھیں اور ایک گہری نظر سامنے کیاری کے پاس بیٹھی صندل پر ڈالی، جو ابھی تک گم صم حالت میں تھی۔

''انابیہ بیٹا، دیکھو اسے، کہیں سکتہ تو نہیں ہو گیا بے وقوف کو۔۔۔'' انابیہ نے دہل کر ان کی نظروں کے تعاقب میں صندل کی طرف دیکھا۔

''میرا تو خیال ہے اسے لے چلیں کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس۔۔۔'' برہان کا لہجہ بھی ہمدردی میں ڈوبا ہوا تھا۔

''خود ہی لے چلنا، اور کس کے پاس ٹائم ہے یہاں۔۔۔'' تاجدار بیگم کی پریشانی محسوس کر کے برہان نے فوراً سنجیدگی سے سر ہلا دیا، وہ جانتا تھا کہ تاجدار بیگم اس گھر کے ملازمین پر جتنی سختی کرتی تھیں اس سے زیادہ ان کی غمی، یا پریشانی میں ان کا ساتھ دیتی تھیں۔

''کب چلنا ہے صاحب جی۔۔'' صندل کی ماں نے بے چینی سے پوچھا۔

''آج ٹائم لیتا ہوں ڈاکٹر سے، کل یا پرسوں لے چلیں گے۔۔۔''

وہ لاپرواہی سے کہتے ہوئے اپنے سیل فون پر آنے والی کال کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جب کہ انابیہ کے دل کی دنیا ایک دم ہی رنگین ہو گئی تھی وہ خیالوں ہی خیالوں میں خود کو برہان کے ساتھ کیمپس میں گھومتے پھرتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے خوش ہونے کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ برہان نے اس معاملے میں اسکا بھرپور ساتھ دیا تھا۔

☆......☆......☆

''دماغ خراب ہو گیا ہے اس چیف کنزرویٹو کا۔۔۔''

محمد ہادی، اپنے دوست سعد کے ساتھ انتہائی غصّے سے آفس میں داخل ہوا، اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل بیزاری سے میز پر پٹخی اور تپے تپے انداز میں اپنی کرسی پر بیٹھ گیا، اسکا ماتھا شکنوں سے پر تھا۔ وہ سعد کے ساتھ میٹنگ اٹینڈ کر کے ابھی ابھی لوٹا تھا۔

''اور اس خبیث ڈی ایف او کو دیکھا تھا۔۔۔'' سعد نے منہ بنا کر اپنے باس کی بات یاد دلائی۔ ''کمینہ بات تو ایسے کر رہا تھا جیسے ہم نے خود ساری لکڑی کاٹ کر پکڑائی ہو اس ٹمبر مافیا کو۔۔۔''

''دو نمبر انسان کو ساری دنیا دو نمبر ہی لگتی ہے ۔۔۔'' محمد ہادی نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

''اس میں تو کوئی شک نہیں۔۔۔'' سعد نے فوراً اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''مجھے پتا تھا، یہ میٹنگ، بس ہم لوگوں کو ذلیل کرنے کے لیے رکھی گئی ہے۔'' ہادی غصّے سے ٹہلنے لگا۔

''الو کا پٹھا کہہ رہا تھا، گذشتہ دو دہائیوں سے محکمہ جنگلات میں کوئی ایسا آفیسر نہیں آیا، جس نے جنگلات کی ترقی یا اس کو بچانے کے لیے کوئی قابل فخر کارنامہ سرانجام دیا ہو۔۔۔'' سعد نے بھی بھڑاس نکالی۔

''جب چیف کنزرویٹو سے لے کر، ڈی ایف او، رینج آفیسر، بلاک آفیسر، اور فارسٹ گارڈ تک حرام کا مال بحفاظت اوپر تک پہنچائیں گے، وہاں ہرے بھرے جنگلات چٹیل میدانوں کا روپ نہیں دھاریں گے تو اور کیا کریں گے ۔'' ہادی کی زبان سے گویا انگارے جھڑ رہے تھے۔

''ویسے آپس کی بات ہے جنگلات کے فروغ کے لیے جتنی بھی اسکیمیں گذشتہ کئی سالوں سے شروع ہوئی ہیں، ان میں سے کوئی بھی آج تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچی۔'' سعد نے سائیڈ میز پر رکھی الیکٹرک کیٹل آن جلائی، اس کا دماغ گھوم رہا تھا۔ چائے کی شدید طلب جاگی تھی۔

''ان اسکیموں نے افسران کی دولت میں تو خاطر خواہ اضافہ کیا ہے اور لاکھوں روپے کی ریکوریاں، خوامخواہ بیچارے فارسٹ گارڈز، اور فارسٹرز وغیرہ پر ڈالی جا رہی ہیں۔'' ہادی کے اکتائے ہوئے انداز پر سعد تیزی سے اٹھا اور آفس کا دروازہ اچھی طرح سے بند کیا۔

''ابے آہستہ بول، کیوں مروائے گا۔۔۔'' اس کے چہرے پر ہلکی سی جھنجھلاہٹ ابھری۔

''تو میں کون سا ڈرتا ہوں کسی سے، یہ فضول میٹنگ کرنے کی بجائے یہ گھٹیا لوگ، کسی غیر جانبدار اور ذمہ داران اتھارٹی سے انوسٹی گیشن کیوں نہیں کرواتے، ہمیں کیوں اپنی تھرڈ کلاس باتیں سنانے کے لیے بلوا لیتے ہیں۔۔۔'' دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنسائے وہ ناراضی سے گویا ہوا۔

''انوسٹی گیشن کون کروائے گا، یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے، اس حمام میں سبھی ننگے ہیں میرے پیارے دوست۔۔'' اس

نے طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے ڈرائی ملک قہوے میں مکس کرنا شروع کیا۔

''دل تو کرتا ہے ایک رپورٹ بنا کر میں ہی بجھوادوں، اینٹی کرپشن ڈیپارٹمنٹ میں۔'' اسکی بات پر سعد کو کرنٹ لگا۔

''اوئے بیٹا، بریک پر پیر رکھ، کیوں اپنے ساتھ مجھے بھی مروائے گا۔'' وہ تڑپ کر بولا۔

''مرنا تو تم نے ویسے بھی ہے، اپنے ڈیپارٹمنٹ کے ہاتھوں سے بچے گا تو ٹمبر مافیا اڑا دے گا تجھے، یاد نہیں وہ شاہد رضوی، انہی جنگلات سے ملی تھی ناں اسکی لاش، جس کو ایمانداری کے دورے پڑتے تھے۔۔۔'' ہادی کی بات پر سعد بے چین ہوا۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں آج۔۔۔'' وہ خوفزدہ ہوا۔

''صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے، اس خبیث کی باتوں نے دماغ گھما کر رکھ دیا ہے آج میرا۔'' وہ بیزاری سے ریوالونگ چیئر گھمانے لگا۔

''میری تو کل والے کیس نے نیندیں اڑا رکھی ہیں، تم جرائت دیکھو خاقان علی کے بندوں کی، اتنی قیمتی لکڑی دن دیہاڑے سمگل کر رہے تھے مری سے۔'' سعد کے پریشان لہجے پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ اس کے چہرے پر بھی دوڑ گئی۔

''میر خاقان کے خاندان کو عادت پڑ گئی ہے حرام کھانے کی۔۔۔'' وہ زہر خند لہجے میں گویا ہوا۔

ایک دن پہلے ہی پنجاب پولیس نے ایک گاڑی کو پکڑا تھا، جس کے ذریعے عمارتی لکڑی کو پنڈی منتقل کیا جا رہا تھا اور جس شخص کے زمینوں سے اسے چرایا گیا تھا، اسکی شکایت پر پولیس پہلے سے الرٹ تھی، یہی وجہ تھی کہ انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا گیا۔

''تم نے مخالف پارٹی کو کیس کرنے کا مشورہ دے کر اچھا نہیں کیا۔۔۔'' سعد نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

''اچھا ہے یار، کوئی تو ہو جو میر فیملی کو بھی لگام ڈالے، ان کی غنڈا گردی بڑھتی ہی جا رہی ہیں دن بہ دن، میں نے تو ماما کی فرم میں بجھوا دیا ہے ان لوگوں کو، یقیناً کوئی اچھا وکیل ناکوں چنے چبوائے گا ان لوگوں کو۔۔۔'' ہادی اچھا خاصا مطمئن تھا۔

''میری مانو، مٹی ڈالو اس قصّے پر، جن کا نقصان ہوا ہے، وہ جانیں اور میر خاقان جانے۔۔'' سعد دل ہی دل میں ڈرا ہوا تھا۔

''سوری یار، یہ کیس ڈائریکٹ آیا تھا میرے پاس اور اس شخص کا ایریا بھی میرے ہی انڈر آتا ہے، اس لیے میں تو کسی کو پیچھے ہٹ جانے کا مشورہ ہرگز نہیں دوں گا۔'' ہادی چائے کا خالی کپ میز پر رکھ کر کھڑا ہوا۔

''کدھر کے ارادے ہیں اب۔۔۔؟'' سعد نے سوالیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔

''گھر چلو، ذہن کچھ ڈسٹرب سا ہے آج، جا کر تھوڑا ریسٹ کرتے ہیں۔۔۔'' ہادی نے میز پر رکھا اپنا لیپ ٹاپ بیگ میں ڈالا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہو تم، آج کا دن ہی منحوس تھا۔۔۔'' وہ بھی میز پر رکھا اپنا سیل فون اٹھا کر کھڑا ہوا۔

''میں تو گھر جاتے ہی شاور لوں گا اور لمبی تان کر سو جاؤں گا۔'' ہادی نے اسے اپنے ارادوں سے آگاہ کیا۔

دونوں باتیں کرتے ہوئے گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ ہادی نے تھکے تھکے انداز میں ڈرائیور سیٹ سنبھالی اور سعد نے میوزک

آن کر کے خود کو تھوڑا فریش کرنے کی کوشش کی اور جیسے ہی گاڑی میر ہاؤس کے پاس پہنچی، سامنے کھڑے ارسل نے انہیں دیکھ کر بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ہلایا۔

''مارے گئے۔۔۔'' سعد نے بے اختیار بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''کیا مصیبت ہے یار۔۔۔'' ہادی زیر لب بڑبڑایا، اس وقت وہ کسی بھی قسم کی مروت کا مظاہرہ کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''تم آجکل ہوتے کہاں ہو، شام کی واک تک چھوڑ رکھی ہے، یقین مانو، تمہارے بغیر بالکل مزا نہیں آتا۔۔۔'' ارسل بڑی بے تکلفی سے سعد کی طرف کے شیشے پر جھکا اسکی کلاس لے رہا تھا۔

''بس یار، آجکل کام کا کافی پریشر ہے، ایک دفعہ گھر آ کر دوبارا نکلنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔۔۔'' سعد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''چلو، آج تھوڑی سی ہمت تو کرنی پڑے گی۔۔۔'' وہ دوستانہ انداز میں مسکرایا۔

''مطلب۔۔۔؟'' وہ دونوں ہی نہیں سمجھے تھے۔

''گھر میں بڑے مزے کے چائنیز سموسے اور رول بنے ہیں، اس لیے آج تو چائے پئیے بغیر نہیں جانے دوں گا۔ ارسل نے بے تکلفی سے اسکی طرف کا گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آنے کا اشارہ کیا۔ ہادی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''نہیں یار، پھر سہی۔۔۔'' سعد نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

''آج تو بالکل نہیں سنوں گا، فوراً نکلیں آپ لوگ۔۔۔''

ارسل ان دونوں کے بار بار منع کرنے کے باوجود وہ زبردستی انہیں میر ہاؤس کے اندر لے آیا تھا۔ اس وقت وہ دونوں میر ہاؤس کے شاندار انٹیریر والے ڈرائینگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔

کمرے کا فرنیچر خاصی قیمتی لکڑی کا بنا ہوا تھا اور سینٹر میں ایرانی قالین بچھا ہوا تھا۔ دائیں طرف کی دیوار پر اس گھر کے مکینوں کے آباؤ اجداد کی تصویریں بڑے قیمتی اور نازک فریموں میں آویزاں تھیں۔ ڈرائینگ روم کی بائیں دیوار پر صادقین کی ایک خوبصورت پینٹینگ اور کارنر ریک میں کرسٹل اور ہاتھی دانت کی بنی نازک اشیاء رکھی ہوئیں تھیں۔

''تم مانو یا نہ مانو، یہ سارا فرنیچر، چوری کی لکڑی کا بنایا ہوا لگ رہا ہے مجھے۔۔۔'' ارسل جیسے ہی اندر چائے کا کہنے کے لیے گیا، ہادی نے نسبتاً ہلکی آواز میں بے لاگ تبصرہ کیا، جسے سن کر سعد نے دہل کر دروازے کی طرف دیکھا۔

''آہستہ بکواس کرو، کسی نے سن لیا، تو یہیں پھانسی گھاٹ بنا دے گا ہمارا۔۔۔''

''ہاں، ان کے باپ کا راج ہے ناں۔۔۔'' ہادی نے طنزیہ انداز میں سر جھٹکا۔

''باپ کا نہ سہی، دادا کے پاس تو اچھی خاصی منسٹری ہے، اس لیے زبان دانتوں کے نیچے ہی رکھو۔۔'' سعد نے تنبیہی نظروں سے اسے گھورا۔

اسی وقت دروازہ دھڑ کر کے کھلا اور درشہوار، اپنی کزن انابیہ کے ساتھ منہ بناتی ہوئی اندر داخل ہوئی، اس نے ہاتھ میں نوٹس اٹھا رکھے تھے اور وہ ڈرائینگ روم کے بالکل ساتھ بنے ڈائننگ روم والے دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی، درمیان میں ویلوٹ کا پردہ تھا۔ اس لیے وہ دونوں سعد اور ہادی کی موجودگی سے بے خبر تھیں، درشہوار نے ہاتھ میں پکڑے نوٹس لا کر ڈائننگ ٹیبل پر پٹخے۔

''ایک تو اس گھر میں کوئی سکون کی جگہ بھی نہیں ہے، جہاں بیٹھ کر انسان ڈھنگ سے دو چار رٹے ہی لگا سکے۔۔''

''تو کس نے کہا تھا فیل ہونے کو، پہلی دفعہ ہی نکل جانا تھا محنت کر کے۔۔'' انابیہ ہنسی۔

''ویسے بیا، آپ سے توقع نہیں تھی مجھے، اس گھٹیا بات کی، پہلے کیا اس گھر کی خواتین کم تھیں، جو آپ بھی اتر آئیں ہیں میدان میں طعنے دینے کے لیے۔''

وہ ٹھیک ٹھاک بُرا مان گئی۔

''نہیں نہیں میں کیوں طعنہ دوں گی بھلا، اچھی طرح جانتی ہوں، علم کی تلاش میں تو تم جنگلوں کی خاک تک چھان آئی ہو اور آوارہ کتے تک پیچھے لگوا لیتی

ہو، پیر تک زخمی کروا لیتی ہو۔۔'' انابیہ کا موڈ خاصا اچھا تھا اس لیے وہ ایک دفعہ پھر شرارت کر گئی۔

''خدا کا نام لیں بیا، کیوں وہ خوفناک واقعہ یاد کرواتی ہیں، وہ سڑیل ہمسایہ نہ ہوتا وہاں تو قسم اللہ پاک کی، مزار بن چکا ہوتا میرا یہیں کہیں، اوپر سے میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی، پتا ہے ناں کتنا شوق ہے مجھے شادی کا۔'' درشہوار کی بات پر ہادی نے بیزاری سے پہلو بدلا اور سعد نے بمشکل اپنے قہقہے کو حلق میں دبایا۔

''شرم کرو، ایک تو اس نے تمہاری جان بچائی اور اوپر سے تم اس بیچارے کو سڑیل کہہ رہی ہو۔۔''

''بھئی فرض بنتا تھا اس کا، آخر کو ہمسائی ہوں میں اس کی، اور پتا ہے ناں، اسلام میں ہمسایوں کے کتنے حقوق ہیں۔'' درشہوار کو باتوں میں ہرانا کون سا آسان کام تھا لیکن بُرا ہوا، ارسل کا، جو ایکدم ہی کمرے میں آیا تھا۔

''ارسل کے بچے، کہاں غائب ہو تم صبح سے۔۔'' وہ بے تکلف انداز سے گویا ہوئی

''آہستہ بولو، ڈرائینگ روم میں گیسٹ بیٹھے ہوئے ہیں۔'' ارسل کی دبی دبی سی جھنجلائی ہوئی آواز پر درشہوار اور انابیہ کا سانس حلق میں اٹک گیا۔

''اوہ مائی گاڈ، کون آیا ہے۔۔'' اسکی سرگوشی بھی پردے کے دوسری طرف سعد اور ہادی کی سماعتوں تک آسانی سے پہنچی تھی۔

"سعد اور ہادی، جو پڑوس میں رہتے ہیں۔۔۔" ارسل کی اطلاع پر درشہوار کا رنگ فق ہوا۔

"کوئی شکایت لے کر آئے ہیں کیا۔۔۔" درشہوار کی زبان پھسلی، اور اگلے ہی لمحے اس نے دانتوں تلے دبالی۔

"کیسی شکایت۔۔۔؟" ارسل مشکوک ہوا۔

"انکے لان سے خوبانیاں توڑ کر کھائیں تھیں ناں، اور پکڑی بھی گئیں تھیں یہ سب۔۔۔" انابیہ نے بات سنبھالی۔

"کبھی انسانوں والے کام بھی کر لیا کرو، کیا سوچتا ہوگا وہ۔۔۔" وہ خفا ہوا۔

"سوچنے تو، وہ کون سا منسٹر لگا ہوا ہے ہمارے اوپر۔۔۔" درشہوار نے ناک چڑھائی۔

"فضول باتیں مت کریں آپ لوگ، اور نکلیں یہاں سے، بیا، چائے کی ٹرالی اچھی طرح سیٹ کر کے بھجوایئے گا۔" ارسل جھنجھلایا۔

"اچھا اچھا، تم جاؤ، بھجوا دیتے ہیں چائے وائے۔۔۔" انابیہ نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

ارسل نے بیزاری سے سر ہلایا اور ہلکا سا گلا کھنکھار کر ڈرائینگ روم میں داخل ہوا۔ سعد اور ہادی دونوں سنبھل کر بیٹھ گئے۔ درشہوار کی گفتگو نے ہادی کا موڈ تھوڑا سا خراب کر دیا تھا اور رہی سہی کسر اندر سے آنے والی چائے نے پوری کر دی تھی۔

چائے کی ٹرالی لے کر صندل کا چودہ سالہ بھائی آیا تھا، جس نے درشہوار کی خاص ہدایت پر ایک طرف رکھا چائے کا کپ ہادی کی طرف بڑھایا تھا، جس کا پہلا سپ لیتے ہی ہادی کا دل چاہا کہ وہ کہیں جا کر الٹی کر آئے، چائے میں بے تحاشا نمک نے طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا تھا، ہادی نے کنکھیوں سے سعد کی طرف دیکھا، جو بڑے مزے سے چائے پی رہا تھا۔ ہادی کو سمجھ آ گئی تھی کہ وہ ایک دفعہ پھر ان کی تخریبی کاروائی کا شکار ہو چکا ہے۔ اس نے وہ کپ جس طرح سے ختم کیا، وہ جانتا تھا یا اس کا دل، یہی وجہ تھی کہ جب وہ سعد کے ساتھ گھر لوٹا تو حلق تک بدمزا ہو چکا تھا۔ اس کے برعکس سعد کی باچھیں کھلی ہوئیں تھیں۔

"مزا آ گیا یار، چائینز سموسے تو کمال کے تھے۔۔۔" سعد نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے باقاعدہ چٹخارہ بھرا۔

"اور چائے۔۔۔؟" ہادی نے انجان بن کر پوچھا۔

"اچھی بنی ہوئی تھی، سبز الائچی والی۔۔۔" وہ سادگی سے مسکرایا۔ "لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو۔؟"

"اس لیے کہ میری بھی اچھی بنی ہوئی تھی لیکن سفید نمک والی۔۔۔" ہادی کے لہجے میں ناگواری در آئی۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" سعد حیران ہوا۔

"مطلب یہ کہ میں ایک دفعہ پھر ان کی غنڈا گردی کا شکار ہو گیا۔" اس نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔!!!" سعد اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔ اسے درشہوار گینگ کی یہ حرکت مزے کی لگی تھی۔ جب کہ ہادی اسے غصّے سے گھورتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

''اوہ مائی گاڈ۔۔۔!!!'' طوبیٰ کا منہ حیرانگی کے اظہار کے طور پر کھلا۔

''تم نے ہادی کے ساتھ یہ بدتمیزی کی، شرم نہیں آئی تمہیں۔'' طوبیٰ کو سارا قصّہ سنتے ہی غصّہ آ گیا۔

''نہیں۔۔۔'' اس نے چکن رول پر ڈھیر سارا کیچپ ڈالا اور مزے سے کھانے لگی۔

''بہت ہی احسان فراموش ہو تم، افسوس ہوا تمہارے اس گھٹیا پن پر۔۔۔'' طوبیٰ نے اسے لتاڑا۔

''تھینک یو۔۔۔'' اس نے ڈھٹائی کے سارے ریکارڈ توڑے۔

''اور اگر امجد کا بچہ وہی پیالی، ارسل بھائی کو دے دیتا تو۔۔۔؟'' طوبیٰ نے اسے ڈرایا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہ بچہ صندل کا بھائی ہے، اسی گھر میں ہماری چالاکیاں اور مکاریاں دیکھ دیکھ کر تو جوان ہوا ہے، اوپر سے پورے پانچ سو کا کڑکتا نوٹ دیا تھا اُسے رشوت میں، کام تو پکا ہونا ہی تھا۔'' درشہوار نے تفصیل سے اپنا کارنامہ بتایا۔

''کیا سوچتا ہوگا وہ۔۔۔؟'' وہ تاسف کا شکار ہوئی۔

''یہی سوچتا ہوگا لڑکی ''دلیر'' اور ''بہادر'' ہے۔۔۔'' وہ ایک آنکھ کا کونا دبا کر شرارت سے ہنسی اور مزید گویا ہوئی۔ ''قسم سے کیا کروں، اسے دیکھ کر میری زبان اور ہاتھ پیروں میں کوئی نہ کوئی کھجلی ہونے لگتی ہے۔'' درشہوار نے انگلی پر کیچپ لگا کر مزے سے چاٹا۔

''سچ سچ بتاؤ، تمہیں مسئلہ کیا ہے اس سے۔۔۔؟'' طوبیٰ کمر پر ہاتھ رکھ کر عین اسکے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''کیا کہوں، ہائے، کچھ کچھ ہوتا ہے۔۔۔'' اس نے ایک ہوش ربا انگڑائی لے کر طوبیٰ کو اپنی طرف سے مکمل مشکوک کیا۔ وہ دونوں اس وقت درشہوار کے کمرے میں موجود تھیں اور صبح ان کا کیمسٹری کا پرچہ تھا۔

''انسان بن جاؤ تم۔۔۔''

''اب تو بس دلہن بننے کو دل چاہتا ہے۔۔۔'' وہ شرارتی لہجے میں ہنسی تو طوبیٰ نے ٹھٹک کر اسکی طرف دیکھا۔

''کوئی محبت وحبت کا سین تو آن نہیں کر لیا تم نے۔۔۔'' وہ اس طرح جھک کر درشہوار کی آنکھوں میں جھانکنے لگی جیسے دل کا راز بھانپ لینا چاہتی ہو۔

''جانِ من وہ جو کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

؎ ابھی تو دل میں ہلکی سی خلش محسوس ہوتی ہے۔۔۔

بہت ممکن ہے کل اس کا محبت نام ہو جائے۔۔۔

درشہوار نے لہک لہک کر شرارت سے شعر پڑھا، اور اس سمے اس کی آنکھوں میں کچھ تھا، طوبیٰ کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی، اس نے اپنی انگلی سے اسکی ٹھوڑی کو گھما کر درشہوار کا چہرہ اپنی جانب کیا اور جانچتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔۔

''کیا ایکسرے مشین فٹ کروالی ہے اپنی آنکھوں میں۔۔۔'' درشہوار نے ہلکا سا گھبرا کر اپنی نظریں چرائیں اور وہیں سے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی۔

''اِٹس ناٹ فیئر۔۔۔۔۔'' طوبیٰ ہلکا سا خوفزدہ ہوئی۔وہ اسکے دل کا راز جان چکی تھی۔

''کیوں۔۔۔؟'' اسکی آنکھوں میں بغاوت کا رنگ ابھرا۔

''ہمارے خاندان میں ایسی محبتوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے درشہوار۔۔۔'' طوبی نے اسکے جذبات پر بند باندھنا چاہا۔

''گنجائش نکالی بھی تو جاسکتی ہے۔۔۔''

''درشہوار ہوش کے ناخن لو، یہ ناممکنات میں سے ہے۔۔۔''مارے گھبراہٹ کے وہ بے ربط ہوئی۔

''دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں ہوتی۔۔۔۔'' آگے بھی درشہوار تھی، ہر چیز کو چٹکیوں میں اڑانے والی۔

''داجی، تایا ابا، بلکہ کوئی بھی نہیں مانے گا۔۔۔''اس کے پریشان انداز پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ درشہوار کے چہرے پر ابھری۔

''تمہیں پتا ہے ناں اپنی ضد کی تو غلام ہوں میں، اس گھر کے مردوں سے ایک ہی چیز تو وافر مقدار میں لی ہے میں نے، جو دل چاہے، وہ کرو، چاہے اس کے لیے کتنی ہی قیمت کیوں نہ چکانی پڑے۔'' اسکا لہجہ پر اسرار ہوا۔

''ہوسکتا ہے، ہادی کسی اور سے۔۔۔'' طوبیٰ کا باقی فقرہ ابھی منہ میں ہی تھا،اس نے جلدی سے اسکی بات کاٹی۔

''جہاں درشہوار آجائے، وہاں کسی اور کی گنجائش نہیں رہتی، یہ بات تو سارا خاندان جانتا ہے ہمارا۔'' اسکی خود پسندی طوبی کو خوفزدہ کرگئی۔

''لیکن وہ ہمارے خاندان کا حصّہ نہیں ہے۔۔۔''

''تو بن جائے گا، آخر کو تین بول پڑھنے میں دیر کتنی لگتی ہے۔۔۔'' وہ خوش فہمی کی آخری سیڑھی پر تھی۔

''فی الحال تو تم اس کیمسٹری کی کتاب کو رٹا لگاؤ، اس ٹاپک پر پھر بات کریں گے۔۔۔''طوبیٰ نے پریشانی سے موضوع تبدیل کیا، لیکن اس کے دل میں اندشیوں کی کئی کونپلیں ایک ساتھ پھوٹ چکیں تھیں۔وہ آنے والے وقت سے ابھی سے خوفزدہ ہوگئی تھی۔

''بھئی تم نے رٹے لگانے ہیں، شوق سے لگاؤ، ماہدولت تو سوفٹ سا میوزک سنیں گے۔۔۔''درشہوار نے اٹھ کر اپنے لیپ ٹاپ پر آن کر کے اسکا والیوم فل کیا۔

تم کو دیکھا تو یہ خیال آیا۔۔۔

زندگی دھوپ، تو گھنا سایہ۔۔۔

آج پھر دل نے اک تمنا کی۔۔۔

آج پھر دل کو ہم نے سمجھایا۔۔۔

جگجیت کی خوبصورت آواز میں پورے کمرے میں گونجنے لگی، درشہوار نے اٹھ کر ہادی کے کمرے کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھولی اور پردہ پیچھے کیا، اسکے چہرے پر بڑی دلکش سی مسکراہٹ تھی، طوبی کو اپنا دل مذید ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔۔

☆......☆......☆

رومیصہ کے کمرے میں تاریکیوں کا بسیرا تھا، ویسے ہی تیرگی اسکے پورے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ اس شکنجے میں پھنس چکی تھی ،جس سے نکلنے کا اسے فی الحال کوئی بھی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ٹینا بیگم اور شہزاد کی خصوصی تلقین کی وجہ سے اس نے خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیا تھا۔ ویسے بھی روحیل محمود کیس کا پرنٹ میڈیا اور الیکٹرنک میڈیا میں اتنا چرچا تھا کہ وہ باہر جانے کا رسک لے ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ میڈیا کے نمائندے اسے گھر کے آس پاس ہی منڈلاتے نظر آتے تھے، اسی وجہ سے ٹینا بیگم نے پرائیوٹ سیکورٹی کمپنی کے دو گارڈز بھی ہائر کر لیے تھے۔

وہ منہ پر کشن رکھے آنکھیں بند کیے ہوئے لیٹی تھی جب اس کے سیل فون کی مترنم سی گھنٹی بجی، اسکا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، اس نے ڈرتے ڈرتے سیل فون کی اسکرین پر دیکھا، سامنے" کنزہ کالنگ" کے الفاظ ابھر رہے تھے۔

"ہیلو۔۔۔"اس نے جیسے ہی کنزہ کی آواز سنی، آنسوؤں کا ایک گولا اسکے گلے میں امنڈ آیا۔

"آئی ایم سوری رومی۔۔۔"دوسری طرف اسکا لہجہ شرمندگی میں ڈوبا ہوا تھا۔

"سوری، فار واٹ۔۔۔؟" وہ بے رخی سے گویا ہوئی۔

"پلیز رومی، اس طرح بات مت کرو مجھ سے۔۔"دوسری طرف کنزہ بھی رندھی ہوئی آواز میں بولی، شاید اس حادثے نے اس کو بھی ذہنی طور پر کافی زیادہ ڈسٹرب کر رکھا تھا۔ اس کی صدمے سے چور آواز سن کر رومیصہ کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"تم نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ، دوست ایسے ہوتے ہیں بھلا۔۔۔" اپنی بے بسی کے احساس سے رومیصہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

"میں بہت شرمندہ ہوں تم سے۔۔۔" کنزہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کنزہ، گاڑی میں نہیں، تم ڈرائیو کر رہی تھیں، پھر تم نے اس بات سے انکار کیوں کیا۔" رومی کی حالت پھانسی گھاٹ پر پہنچنے والے اس قیدی کی سی تھی۔ جو کسی اور کے کیے کی سزا بھگتنے جا رہا ہو اور دوسروں کو چیخ چیخ کر اپنی بے گناہی کا یقین دلانا چاہتا ہو۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو رومی، لیکن ٹرسٹ می، میں نے جان بوجھ کر ہٹ نہیں کیا تھا روحیل کو، خود گاڑی سے ٹکرایا تھا وہ، یہ بات تو تم بھی بہت اچھی طرح جانتی ہو۔۔"اس نے بوکھلا کر صفائی دی۔

''میں جانتی ہوں کنزہ، لیکن دنیا کو نہیں معلوم اور تمہارے فادر تو جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بن رہے ہیں۔۔۔'' وہ تلخ لہجے میں بولی۔

''ہزار دفعہ بتا چکی ہوں انہیں لیکن۔۔۔۔'' اس نے بات ادھوری چھوڑی۔

''لیکن وہ جانتے ہیں روحیل کی فیملی کو ہینڈل کرنا اتنا ایزی نہیں ہوگا، اس لیے انہوں نے تمہیں اپنا بیان بدلنے پر مجبور کر دیا، ہے ناں۔'' رومیصہ نے اسے مزید شرمندہ کیا۔

''میں کیا کروں، تم بتاؤ مجھے۔۔۔''؟ رومیصہ کو وہ اس لمحے بہت بے بس لگی۔

''مجھے تو خود نہیں معلوم، کیونکہ تمہاری اس بزدلی نے میری لائف کو مشکل میں ڈال دیا ہے کنزہ، اور مجھے اس میں سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا، سمجھ نہیں آتی کہ اب کیا ہوگا، روحیل کی فیملی تو نہیں چھوڑے گی مجھے۔۔۔'' وہ آزردگی سے گویا ہوئی۔

''میرے پاس کچھ ایسے پوائنٹس ہیں، اگر تمہاری فیملی ان پر کام کرے تو یہ کیس تمہارے حق میں ہو سکتا ہے۔'' کنزہ کی بات پر اس کا دل بے اختیار دھڑکا اور اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''کیسے پوائنٹس۔۔۔؟''

''اسی سلسلے میں تم سے ملنا چاہتی ہوں میں، کیا تم ''ہارڈیز'' پر آ سکتی ہو۔۔۔؟'' کنزہ نے اس کے سیکٹر میں واقع ایک ریسٹورنٹ کا نام لیا۔

''نہیں، تم گھر آ جاؤ میرے۔۔'' اس نے فوراً انکار کیا۔

''یہ ممکن نہیں ہے میرے لیے، ڈیڈی کو پتا چل گیا تو شوٹ کر دیں گے مجھے۔۔۔'' اس نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

''لیکن، میں کیسے آ سکتی ہوں کنزہ، میرے لیے حالات زیادہ مشکل ہیں۔۔۔''

''پلیز تم کوشش کر کے دیکھو، انشاءاللہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہوگا، ورنہ بعد میں پچھتاتی رہو گی، کیونکہ روحیل کی فیملی کسی صورت بھی کوئی کمپرومائز کرنے کو تیار نہیں ہے۔'' کنزہ نے اسے الجھن میں ڈال دیا۔

''لیکن۔۔۔؟؟؟؟'' وہ شش و پنج کا شکار ہوئی۔

''پلیز رومی، یہ لیکن ویکن چھوڑو، فوراً آ جاؤ، ٹرسٹ می، کوئی نہ کوئی سلوشن نکل آئے گا۔''

''ٹھیک ہے، میں مام سے پوچھ کر بتاتی ہوں تمہیں۔۔'' رومی کی اس بات پر کنزہ ایک دم بوکھلائی۔

''فار گاڈ سیک رومی، آنٹی تمہیں کبھی بھی مجھ سے ملنے کی اجازت نہیں دیں گی، کبھی تو عقل کا استعمال کر لیا کرو۔'' اسکے بُری طرح جھنجھلانے پر رومیصہ ہلکی سی خفت کا شکار ہوئی۔

''اوکے، کب آنا ہے۔۔۔؟'' اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔

''میں گھر سے نکل رہی ہوں، بس دس منٹ میں وہیں ہونگیں۔۔'' کنزہ نے اسے اپنا پروگرام بتایا۔

''اوکے۔۔۔آئی ایم کمنگ۔۔۔'' رومیصہ نے جلدی سے سیل فون بند کیا۔

وہ سستی سے ڈریسنگ کے شیشے کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔کئی دن پرانی جینز کے ساتھ اس نے بے بی پنک کلر کی ملگجی سی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی، بالوں میں جلدی جلدی برش کر کے اس نے ایک اونچی سی پونی بنا کر ربڑ بینڈ ڈالا اور اپنا سیل فون اٹھا کر کمرے سے نکل آئی۔اس وقت ٹینا بیگم اور شہزاد دونوں ہی گھر میں نہیں تھیں۔اس لیے راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔

''آخر ایسے کون سے ثبوت ہیں، جو کنزہ اسے دینا چاہتی ہے۔۔'' مختلف سوچوں میں غلطاں وہ جلدی سے لاونج کی سیڑھیوں کی طرف بڑھی، اس کے دماغ میں مختلف سوچین اودھم مچا رہیں تھیں۔

جیسے ہی وہ لاؤنج میں پہنچی، سامنے کاؤچ پر ہارون رضا، گھٹنوں تک آتی بلیک شارٹس کے ساتھ وائٹ ٹی شرٹ پہنے، انتہائی بے ہودا انداز میں نیم دراز تھے۔

اسے دیکھ کر ہارون نے ہاتھ میں پکڑے لائٹر سے سگار کر شعلہ کو دیکھایا، رومیصہ نے سرد مہری سے انکی طرف دیکھا، جو بڑی وارفتہ نظروں سے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں تول رہے تھے۔

''ویلکم سویٹ ہارٹ۔۔۔'' وہ تھوڑا قریب ہوئے، ان کے لباس سے اٹھتی قیمتی کولون کی مسحور کن مہک کو محسوس کر کے وہ خوفزدہ انداز سے دوقدم پیچھے ہٹی۔ان کی بے باک نظروں سے اسے گھن سی محسوس ہوئی۔

''ڈارلنگ، کہاں اڑان بھرنے کے ارادے ہیں۔۔۔'' ان کے ہونٹوں پر بڑی جاندار سی مسکراہٹ تھی۔

''آپ سے مطلب۔۔۔؟'' رومیصہ نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا، اسکی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ گئیں۔روحیل محمود والے واقعے نے اس کا سارا اعتماد ختم کر دیا تھا۔

''کبھی کوئی بات خود بھی سمجھ لیا کرو سویٹ۔۔۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر سگار کا سارا دھواں بدتمیزی سے اسکے چہرے پر پھینکا۔

''شٹ اپ۔۔۔'' اس کی آواز میں لرزش محسوس کر کے ہارون کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

''وہ دن یاد ہے ناں تمہیں جب۔۔۔'' ہارون نے فقرہ ادھورا چھوڑا، لیکن وہ اس ان کہے فقرے کا پورا مطلب جانتی تھی، رومیصہ کا دل ڈوبنے لگا۔ہارون نے آہستگی سے اپنا ہاتھ رومی کے شانے پر رکھا، رومیصہ کو لگا جیسے کسی نے سلگتا ہوا کوئلہ اسکے کندھے پر رکھ دیا ہو۔

''شرم آنی چاہیے آپ کو۔۔۔'' وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔۔۔

''اس خوفزدہ ہرنی کی مانند لگ رہی ہو، جو پورے جنگل میں ظالم شکاری سے اپنی جان بچاتی بھاگتی پھر رہی ہو، لیکن تم جانتی ہو، میں اتنا بھی ظالم نہیں، ہے ناں۔۔۔'' انہوں نے بڑی گہری نظروں سے اسکا جائزہ لیا۔

''پیچھے ہٹیں، میرے راستے سے۔۔۔'' اس نے بدقت اپنے اشکوں کو قابو کیا۔

''اور اگر نہ ہٹوں تو۔۔۔''؟ انہوں نے اسکی بے بسی سے حظ اٹھاتے ہوئے رومی کے بالوں کی جھولتی لٹ کو اپنی انگلی میں لپیٹنے کی کوشش کی، اور اس کے ساتھ ہی رومی کے ضبط کی طنابیں چھوٹ گئیں۔ اس نے گھما کر ایک زوردار تھپڑ ہارون کے چہرے پر رسید کیا، وہ جو اس حملے کے لیے تیار نہیں تھے، ہلکا سا لڑکھڑا کر رہ گئے، جبکہ رومی میزائل کی طرح اڑتی ہوئی اپنی گاڑی تک پہنچی اور جب تک ہارون سنبھلتے، وہ گھر سے نکل کر جا چکی تھی۔

جیسے ہی وہ مین روڈ پر آئی، اسکا دل بید کی طرح لرز رہا تھا۔ ہارون رضا کی اس کمینگی نے اس کے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے تھے، تبھی تو اسے اندازہ نہیں ہو سکا کہ جیسے ہی وہ گھر سے نکلی تھی، سیاہ رنگ کی ایک پراڈو، اس کے تعاقب میں تھی۔

رومیصہ نے جیسے ہی اپنے گاڑی، سروس روڈ پر ڈالی، وہی پراڈو، بہت تیزی سے ٹیک اوور کرتی ہوئی، اچانک اسکے سامنے آن کھڑی ہوئی، رومیصہ نے بڑی قوت سے بریک لگائی، ٹائروں کے چرچرانے کی آواز فضاؤں میں گونج کر رہ گئی۔

پراڈو سے دو نوجوان لڑکے بجلی کی سی سرعت سے اترے اور انہوں نے پسٹل دیکھا کر رومیصہ کی گاڑی کا دروازہ کھلوایا، گھبراہٹ اسکے چہرے پر مترشح تھی، اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی، انہوں نے بیدردی سے اسے گھسیٹا، اپنی گاڑی میں پھینکا، اور ڈرائیور نے ایکسیلیٹر پر پاؤں جمائے، آناً فاناً گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی گلیوں میں گم ہو گئی۔

''کک۔۔۔ کون لوگ ہیں آپ۔؟ کہاں لے کر جا رہے ہیں مجھے۔۔۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔

''چپ کر کے بیٹھی رہو، ورنہ گولی مار کر بھیجا خالی کر دوں گا۔۔۔'' سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس نوجوان غرایا، اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

''میں نے کیا، کیا ہے۔۔۔؟'' رومیصہ کے اعصاب جواب دینے لگے، اسے لگا جیسے وہ بے ہوش ہو جائے گی۔

''جلدی کا ہے کی ہے، ساری باتیں بتا دیں گے، اور بہت اچھے ماحول میں بیٹھ کر بتائیں گے'' اس کے پاس بیٹھے لڑکے نے عامیانہ انداز میں اس کی طرف دیکھا، رومیصہ کے حلق میں کانٹے اُگ آئے۔

''پلیز مجھے جانے دو، میں نے کیا بگاڑا ہے آپ کا۔۔۔'' وہ رو دی۔

''استاد، یہ تو بہت بولتی ہے۔۔۔'' اسکے پاس بیٹھا لڑکا بیزاری سے گویا ہوا۔

''اب بولے، تو بیڑ بجا دینا اسکی یہیں سڑک پر۔۔۔'' اگلی سیٹ پر بیٹھا لڑکا سفاکی سے مسکرایا۔ رومیصہ نے بیدردی سے اپنے لب سی لیے۔ دہشت اور خوف نے اس کے پورے وجود کا احاطہ کر لیا تھا۔

اس کو چند ہی لمحوں میں سمجھ آ گئی تھی کہ وہ کسی بڑی سازش کا شکار ہو چکی ہے اور اس بار بھی اسے پھنسانے والی اس کی فرینڈ کنزہ وقار ہی تھی۔ رومیصہ کو مارگلہ کی ساری پہاڑیاں اپنے اوپر گرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

☆......☆......☆

قریشی ایسوسی ایٹس کا پورے ملک میں ایک نام اور مقام تھا، اس لاء فرم میں چوٹی کے وکیل شامل تھے، بیرسٹر عالیہ قریشی نے اپنا سارا سیٹ اپ ہی بہت شاندار بنا رکھا تھا۔ وہ، ٹینا بیگم کی مستقل کسٹمر تھیں اور ہمیشہ انہی کے بیوٹی سیلون کی خدمات حاصل کرتیں تھیں، اس لیے دونوں کے درمیان اچھی خاصی فرینڈ شپ تھی۔

شہرزاد اپنی مام ٹینا بیگم کے ریفرنس سے وہاں پہنچی تھی لیکن کچھ ہی دنوں میں اس نے اپنی ذہانت اور محنت سے عالیہ قریشی کی نظروں میں اپنا ایک مقام بنا لیا تھا اور عالیہ مختلف کیسز پر اسکی رائے کو بہت غور اور دلچسپی سے سنتیں تھیں۔

اس دن موسم صبح ہی سے خاصا خراب تھا، رات سے ہونے والی بارش رک تو گئی تھی لیکن وقفے وقفے سے ہونے والی بوندا باری پھر بھی جاری تھی، شہرزاد صبح نو بجے سے اپنے لیپ ٹاپ پر کام کرنے میں مصروف تھی، وہ رومیصہ کیس کے سارے کمزور پہلوؤں پر ایک دفعہ پھر غور و فکر کرنا چاہتی تھی۔

"اوہ شٹ۔۔۔" لیپ ٹاپ کی بیٹری بالکل ختم ہونے کے قریب تھی، اور وہ اپنا چارجر بھی گھر بھول آئی تھی۔

اس نے جلدی جلدی اپنی مطلوبہ فائل اپنی ای میل آئی ڈی میں محفوظ کی، اور ساتھ ہی لیپ ٹاپ بند کر کے مسز قریشی کے آفس میں آ کر کونے میں رکھے سسٹم پر کام کرنے لگی، اسے مسز قریشی کی طرف سے کھلی اجازت تھی جبکہ وہ خود کسی کیس کی پیروی کے لیے کورٹ گئیں ہوئیں تھیں۔

"مجھے اس کلب کے مالک سے بھی ملنا چاہیے، جہاں رومی اور روحیل کا جھگڑا ہوا تھا۔۔۔" وہ دل ہی دل میں اپنے کاموں کی فہرست بنانے لگی، اسی وقت اس کے سیل فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف ٹینا بیگم سخت غصّے میں تھیں۔

"یہ لڑکی تو مجھے پاگل کر کے ہی دم لے گی، ایک تو حالات اتنے خراب ہیں، اوپر سے پھر گاڑی لے کر نکل گئی ہے۔"

"آپ کو کس نے بتایا۔۔۔؟" شہرزاد چونکی۔

"ہارون کی کال آئی تھی، اس نے منع کیا تھا باہر جانے سے، لیکن وہ کہاں سنتی ہے کسی کی، الٹا اسکے ساتھ بھی بدتمیزی کی اور خود سیر سپاٹے کے لیے نکل گئی۔۔۔" ٹینا بیگم کے بیزار لہجے پر شہرزاد ایکدم کوفت کا شکار ہوئی۔

"یہ ہارون صاحب کیوں اتنے زیادہ چکر لگا رہے ہیں آجکل گھر کے۔۔۔"

"اللہ جانتا ہے، کون سی فلم چل رہی ہے اسکے دماغ میں۔۔۔" وہ خود بھی اپنے میاں پر ٹھیک ٹھاک تپی ہوئیں تھیں۔

''آپ نے کال کی رومی کو۔۔؟'' شہرزاد سابقہ موضوع پر آ گئی۔

''کی تھی، لیکن میڈم صاحبہ نے اٹینڈ نہیں کی، اللہ جانے کہاں کی خاک چھاننے گئی ہے، اب تو اس کے باہر جانے کا سن کر ہی ہول اٹھنے لگتے ہیں۔'' وہ طنزیہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

''ڈونٹ ووری، آجائے گی، آپ ٹینشن نہ لیں۔۔۔'' شہرزاد نے انہیں تسلی دی۔

''اوکے، تم جلدی آجانا گھر، تھوڑا کام ہے مجھے۔۔۔'' ٹینا بیگم نے جیسے ہی فون بند کیا، وہ ایک دفعہ پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگئی۔

وہ بڑی پھرتی اور تندہی سے اپنا کام نبٹا رہی تھی، جب کوئی آفس کا دروازہ کھول کر بڑے عجلت بھرے انداز میں اندر داخل ہوا۔ شہرزاد نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا، سیاہ پینٹ کے ساتھ گرے رنگ کی شرٹ کی آستینوں کو کہنیوں تک موڑے، وہ ہاتھ میں ایک فائل اٹھائے مسز قریشی کی پرسنل کیبنٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

شہرزاد نے ناگواری سے اسکی طرف دیکھا، وہ کیبنٹ کھول کر اس میں سے فائلوں کا ایک پلندہ نکال چکا تھا اور اب بڑے غور سے ان کو ایک ایک کر کے دیکھ رہا تھا، اسے علم نہیں تھا کہ اس کمرے کے ایک کونے میں شہرزاد بھی موجود ہے۔۔

''ایکسکیوز می۔۔۔'' شہرزاد کی بلند آواز پر وہ ایک دم اچھلا، اور مڑ کر دیکھا۔

''اوہ آئی سوری، میں نے آپ کو دیکھا نہیں۔۔۔'' وہ بہت سلجھے ہوئے انداز میں گویا ہوا۔

''مسز قریشی، آفس میں نہیں ہیں، آپ کو کوئی کام ہے ان سے۔؟'' شہرزاد نے اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر قدرے رکھائی سے پوچھا۔

''جی، بہت ضروری کام ہے ان سے۔۔۔'' وہ اس کے قریب سے گذر کر دائیں طرف والی دیوار پر بنے ریک کی طرف بڑھا، اس کے وجود سے اٹھنے والی خوشبو نے پورے کمرے کا احاطہ کیا، وہ شاید پرفیوم کا بے دریغ استعمال کرنے کا عادی تھا۔

''کب تک آجائیں گی وہ۔۔'' وہ ایک کیبنٹ کھول کر بے تکلفی سے فائلیں نکالنے لگا جبکہ شہرزاد نے ناگواری سے اسکے بے تکلف انداز کو دیکھا۔ وہ شاید کسی خاص فائل کی تلاش میں تھا۔

''میں پرسنل اسسٹنٹ نہیں ہوں ان کی۔۔۔''

''جانتا ہوں میں۔۔۔'' بڑی سادہ سی مسکراہٹ اسکے چہرے پر ابھری جسے شہرزاد سمجھنے سے قاصر تھی۔

''کسی کی غیر موجودگی میں انکی چیزوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا، مینرز کے خلاف ہے۔'' شہرزاد کے ٹوکنے پر وہ ہلکا سا ٹھٹکا۔

''سوری، آپ کو بُرا لگا شاید۔۔'' اس کے مفاہمت آمیز رویئے پر وہ چونکی، اسی وقت آفس کا دروازہ کھلا اور مسز قریشی بڑے مصروف انداز میں اندر داخل ہوئیں۔

''السلام علیکم ماما۔۔۔'' اس کے لہجے میں ایک جتاتی ہوئی شوخی تھی، شہزاد پر گھڑوں پانی پھر گیا۔

''اوہ مائی گاڈ، ہادی تم۔۔۔''مسز عالیہ قریشی کے چہرے پر بڑی بے ساختہ سی مسرت چھلکی۔''اپنے باپ کی طرح سرپرائز دینے کی عادت کب بدلے گی تمہاری۔'' انہوں نے انتہائی محبت سے اسے اپنے ساتھ لگا کر اسکے ماتھے کا بوسہ لیا۔

''آپ ساری باتوں کو چھوڑیں، یہ بتائیں، ملک شاہ نوز کی فائل کہاں رکھی ہے آپ نے، وہی لینے کے لیے ہنگامی دورہ کرنا پڑا ہے مجھے۔''

''وہ بھی مل جائے گی، پہلے شہزاد سے تو ملو۔۔۔'' وہ رسانیت سے گویا ہوئیں۔''شیری، یہ میرا اکلوتا بیٹا ہے محمد ہادی۔۔۔''

''ماما، پلیز اب یہ مت بتائیے گا کہ یہ شادی کے پورے تیرہ سال بعد پیدا ہوا تھا اور آپ نے کہاں کہاں منت مانی تھی اور کس کس ڈاکٹر سے ٹریٹمنٹ کروایا تھا۔''اسکے شرارتی انداز پر شہزاد نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی کیونکہ مسز قریشی اسے مصنوعی ناراضی سے گھور رہی تھیں۔

''میں نہ بھی بتاؤں تو وہ میرے چہرے پر پھیلی خوشی کو دیکھ کر خود ہی بھانپ چکی ہوگی۔۔''انہوں نے مسکرا کر اپنی سیٹ سنبھالی۔

''میرا کام کر دیں پلیز، صرف دو گھنٹے کی چھٹی لے کر آیا ہوں اسلام آباد۔'' وہ شہزاد کو نظر انداز کر کے سامنے میز پر رکھی فائلوں کو دیکھنے لگا۔

''اب اسکی ضرورت کیوں آن پڑی۔۔۔''انہوں نے دراز کھول کر اس کے مطلوبہ ڈاکومنٹس نکالے۔

''اپنے اسٹوپڈ باس کو ایک دو ڈاکومنٹ دیکھانے تھے۔۔''وہ جلدی جلدی صفحات پر نظریں دوڑا رہا تھا۔

''یہ کیس میں نے شیری کو دے دیا، وہ ہی دیکھے گی اسے۔۔۔'' مسز قریشی کی بات پر ہادی نے چونک کر شہزاد کی طرف دیکھا، جو سامنے رکھے کمپیوٹر پر ایک دفعہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو چکی تھی۔

''دیکھ لیں۔۔۔''ہادی کے اس جملے میں کچھ تھا جو شہزاد کو سخت بُرا لگا۔ وہ اپنا کام چھوڑ کر فوراً کھڑی ہوئی۔

''آپ کسی اور اچھے اور قابل وکیل کو بھی ہائر کر سکتے ہیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔۔۔''اس نے اپنے ڈاکومنٹس اٹھائے اور جلدی سے آفس سے نکل گئی، ہادی پر گھڑوں پانی پھر گیا۔

''انہوں نے شاید مائنڈ کر لیا ہے۔۔۔''

''کرنا بھی چاہیے، تم نے بھی تو ڈائریکٹ اسکی قابلیت پر شک کیا تھا۔۔۔''مسز قریشی نے بغیر کسی لگی لپٹی کے کہا۔

''آئی ایم سوری، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔۔۔''اس نے اپنے کان کھجاتے ہوئے شرمندہ لہجے میں وضاحت دی۔

''اینی ہاؤ، تمہارا جو بھی مطلب تھا، جاتے ہوئے اس سے ایکسکیوز کر کے جانا، کافی منگواؤں تمہارے لیے۔۔۔''

''نہیں ماما، دیر ہو رہی ہے مجھے۔۔۔'' اس نے جلدی سے اپنی مطلوبہ فائل نکالی۔

آدھے گھنٹے کے بعد وہ باہر نکلا تو اسے معلوم ہوا وہ اپنے گھر جا چکی ہے، ہادی کو ایک لمحے کو افسوس ہوا اور اگلے ہی منٹ وہ سر جھٹک کر ایک دفعہ پھر مری کے لیے نکل چکا تھا۔

☆......☆......☆

وہ بڑی پراسراری رات تھی اور چاند بھی اپنے پورے جوبن پر تھا، شاہ میر ایک دن کی چھٹی پر کھاریاں سے گھر پہنچا تھا، اگر چہ وہ نور محل سے گاڑی لے کر ہی مری کے لیے نکلا تھا لیکن اسے گھر پہنچتے پہنچتے بھی رات کا ڈیڑھ بج چکا تھا۔

احمد بخش چوکیدار نے گیٹ کھولا اور وہاں میر خاقان کی سیاہ پراڈو پہلے سے کھڑی تھی، جس سے اسے اندازہ ہوا کہ خاقان چچا پورے ایک مہینے بعد گھر پہنچ چکے تھے، وہ اپنی سیاسی مصروفیات کی بناء پر زیادہ تر ملتان اور لاہور میں پائے جاتے تھے۔

شاہ میر نے اپنا لیپ ٹاپ بیگ اٹھایا اور جلدی سے اندر کی جانب بڑھا، پورے گھر کی لائٹیں بند تھیں اور یقیناً سبھی اپنے اپنے کمروں میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔۔

اس نے جیسے ہی ہال میں قدم رکھا، سامنے سے طوبیٰ لمبی لمبی جمائیاں لیتے ہوئے سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ شاہ میر کی آنکھوں میں ایک ساتھ کئی جگنو چمکے۔ طوبیٰ اس کی آمد سے بے خبر تھی۔ اس کا دوپٹہ اسکے پیروں میں جھول رہا تھا۔ شاہ میر کو شرارت سوجھی، اس نے اپنا بیگ خاموشی سے زمین پر رکھا اور ایک دم اچھل کر طوبیٰ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ طوبیٰ کے حلق سے چیخ نکلی، اور اس کے ساتھ ہی شاہ میر نے بوکھلا کر اپنا ہاتھ اسکے منہ پر رکھا، وہ اسکی گرفت میں کسی مچھلی کی طرح تڑپی۔

''خدا کا خوف کرو طوبیٰ، کیوں پورے گھر کو اٹھانا ہے۔۔'' اس نے ہلکا سا جھنجھلا کر اسے چھوڑا۔

طوبیٰ کے چہرے پر ابھی بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں، جبکہ شاہ میر کے چہرے پر ایک مدھم سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

''انسانوں کی طرح نہیں آسکتے تم۔۔'' وہ ہلکا سا چڑ کر بولی۔

''نہیں۔۔'' وہ مزے سے مسکرایا۔ ''ویسے تم کیوں آدھی رات کو بدروح بن کر گھوم رہی ہو، یا پھر تمہارے دل نے بتا دیا تھا تمہیں کہ میں پہنچنے والا ہوں''

اس نے شوخ نظروں سے طوبیٰ کے چہرے کا احاطہ کیا۔

''ہمیشہ خوش فہمیوں میں ہی رہنا، پیپر ہے صبح میرا اور درشہوار کا، چائے بنانے آئی تھی میں۔'' وہ خفا خفا سی شاہ میر کو اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوئی۔

''میں چلوں تمہارے ساتھ کچن میں۔۔'' وہ شوخ ہوا۔

''شکریہ، کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔'' اس نے منہ بنایا۔

''اچھا، پھر ایک کپ میرے لیے بھی بنا کر لے آنا، یقین مانو، دل سے دعا کروں گا تمہاری کامیابی کی۔۔'' اس نے شرارتی نگاہوں سے اس کا تپا تپا سا چہرہ دیکھا، وہ بھی شاید کسی اچھے موڈ میں تھی۔

''اچھا، اچھا بنا دوں گی، لیکن خبردار، کچن میں آ کر میرے سر پر سوار ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔'' طوبیٰ نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی اور جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

وہ کچھ لمحے تو مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا اور پھر سر جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، اس کے دل کی دنیا ایک دم ہی روشن ہو چکی تھی۔

وہ ہلکا سا گنگناتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں داخل ہوا، جیسے ہی اس نے سوئچ بورڈ سے کمرے کی لائیٹ کا بٹن نیچے کیا، بھک کر کے اس کا دماغ اڑ گیا اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے سامنے کا منظر دیکھنے لگا، اگرچہ پاک آرمی کی ٹریننگ نے اس کے حواس خاصے مضبوط بنا دیئے تھے لیکن اندر کا ماحول ہی کچھ ایسا تھا کہ ایک لمحے کو اسے بھی اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

'اوہ میرے اللہ۔۔!!! "

شاہ میر نے پریشان نظروں سے پنکھے سے لٹکی صندل کی ڈیڈ باڈی دیکھی اور اس کی پیشانی پر لکیروں کا ہلکا سا جال گہرا ہوتا گیا۔وہ ایک نظر میں ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ سانسوں کا زندگی سے رشتہ ختم ہوئے کافی وقت گذر چکا ہے۔

اس نے تاسف بھری نظروں سے اپنے کمرے کا مکمل جائزہ لیا،صندل نے بڑے منظّم طریقے سے اس کام کی منصوبہ بندی کی تھی،کہیں پر بھی کوئی جھول نظر نہیں آ رہا تھا،وہ بڑے مضبوط اعصاب کا حامل تھا،تبھی تو ایسے ماحول میں بھی پرسکون انداز میں کھڑا تھا۔اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید اس وقت چیخیں مارتا ہوا وہاں سے نکل چکا ہوتا۔

طوبیٰ،جو کسی کام سے شاہ میر کے پیچھے آئی تھی اب دروازے میں کسی بت کی طرح ایستادہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے سامنے کا منظر دیکھ رہی تھی۔اسکا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو چکا تھا اور دل کو تو گویا پنکھے لگ گئے تھے۔۔

"یہ کیا،کیا اس بے وقوف لڑکی نے۔۔" طوبیٰ کے چہرے پر خوف اور بوکھلاہٹ مترشح تھی۔

"کسی بھی چیز کو ہاتھ مت لگانا۔۔"شاہ میر نے بڑی سرعت سے اسکا بازو پکڑ کر پیچھے کو کھینچا۔

"یہ سب کیا ہے شاہ میر،یہ تو بالکل ٹھیک تھی شام میں۔"مارے گھبراہٹ کے وہ بے ربط ہونے لگی۔

"دماغ خراب ہونے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے۔"اس نے بید کی طرح لرزتی طوبی کا ہاتھ نرمی سے پکڑا۔

"بی ریلکس یار۔۔"

"بہت ظلم کیا اس نے اپنے ساتھ۔ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اسے۔۔" طوبیٰ کی سانسیں ہموار ہونے کا نام ہی نہیں لے رہیں تھیں۔اس کی آنکھوں سے آنسو ایک قطار کی صورت میں بہنے لگے۔

"میں بابا اور باقی لوگوں کو انفارم کرتا ہوں،تم پلیز جاؤ اپنے روم میں۔۔" وہ اسے تسلی دیتا ہوا فوراً کمرے سے نکلا۔

"اوکے۔۔"طوبیٰ نے دوپٹے سے اپنی نم آنکھیں رگڑیں،اچانک اسکی نظر گلابی رنگ کے کاغذ پر پڑی،جو بیڈ کے پاس کارپٹ پر گرا ہوا تھا۔اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی۔

"یہ کیا ہے۔۔؟" وہ تیر کی طرح اس جانب لپکی اور بڑی سرعت سے پرچہ اٹھایا اور اس سے پہلے کہ وہ اسے کھول کر دیکھتی،کمرے کے باہر قدموں کی چاپ سن کر اس نے فوراً وہ صفحہ اپنی مٹھی میں بند کر کے ہاتھ دوپٹے کے نیچے کر لیا تھا۔

"تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو،جاؤ یہاں سے۔۔"شاہ میر ایک دم ہی واپس آیا،لیکن اس بار اس کے ساتھ ہانپتی کانپتی تاجدار بیگم تھیں جنہوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دہل کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

''یا اللہ رحم، کیا، کیا اس پاگل لڑکی نے، میری چھٹی حس ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔'' تاجدار بیگم نے ایکدم ہی دہائی ڈال دی۔

''اس کے ارادے تو مجھے بہت دنوں سے خطرناک لگ رہے تھے۔۔۔''انہوں نے مزید کہا۔

''استغفر اللہ، استغفر اللہ۔۔۔''ندرت امّی بھی آنکھیں ملتی ہوئی پیچھے پہنچ گئیں۔

''توبہ توبہ قربِ قیامت کی نشانیاں ہیں۔۔''شارقہ بیگم کون سا کسی سے کم تھیں وہ بھی فوراً ہی جائے واردات پر پہنچیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کمرے میں خواتین کا جھمگٹا سا لگ گیا تھا۔اس وقت سب صندل کی طرف دیکھنے سے دانستہ گریز کر رہیں تھیں لیکن جائے وقوعہ کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہو رہیں تھیں۔شاہ میر فوراً بھاگ کر میر خاقان علی کو بلا لایا۔

''میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔۔۔''ندرت بیگم نے خاقان علی کی کمرے سے باہر جھلک دیکھتے ہی باہر کی راہ پکڑی، ویسے بھی وہ سب سے تیز خاتون تھیں اور جانتی تھیں کہ اب اگلا حکم کون سا جاری ہونے والا ہے۔

''یہ کیا کوئی سرکس کا شو ہے، جو سب میدان سجا کر بیٹھ گئیں ہیں، نکلیں یہاں سے۔۔''وہ ایک دم ہی اندر داخل ہو کر دھاڑے۔

''میں تو خود انہیں یہی کہہ رہی تھی۔۔۔''تاجدار بیگم نے فوراً ہی اپنا بیان بدلا۔

''بھابھی پلیز، آپ سب لوگ جائیں یہاں سے۔۔۔''انکے لہجے میں چھپی برہمی کو بھانپ کر سبھی خواتین نے باہر کی طرف دوڑ لگائی، اور پھر ہال کمرے میں جا کر ہی سکون کا سانس لیا، لڑکیاں تو بے تحاشا خوفزدہ تھیں۔

''شاہ میر، بات سنو میری، یہ نیوز گھر سے باہر نکلنے نہ پائے۔۔۔''خاقان علی نے معاملے کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے اگلا آرڈر جاری کیا۔

''لیکن صندل کی فیملی۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھجک کر چپ ہوا۔

''اگر شور مچائیں تو بجھوا دو انہیں ملتان، بڑی حویلی میں، ورنہ چپ چاپ پڑے رہیں یہاں۔۔''ان کا لہجہ خاصا سفاک تھا۔

''جی چچا جان۔۔۔'' شاہ میر نے تابعداری سے سر جھکایا۔

میر خاقان علی نے اپنے سیل فون پر میر حاکم کا نمبر ملایا جو پاورڈ آف جا رہا تھا، انہوں نے عجلت بھرے انداز میں اپنے بھتیجے وہاج کو کال کی جو تیسری بیل پر اٹینڈ کر لی گئی تھی۔

''کہاں ہو تم۔۔۔؟''میر خاقان علی کے لہجے کی سنگینی پر وہ بوکھلا سے گئے۔

''نور محل میں ہوں، کیا ہوا چچا جان۔۔۔؟''

''فوراً پہنچو میر ہاؤس، اور بابا جان کو بھی ساتھ لے کر آنا۔۔۔''خاقان علی کے دوٹوک انداز پر وہاج ہڑبڑا کر اٹھے اور اگلے ایک ڈیڑھ گھنٹے میں وہ اپنی گاڑی اڑاتے ہوئے مری پہنچے تو ہال کمرے میں خواتین کی محفل سجی ہوئی تھی۔

''بی بی جی آپ مانیں یا نہ مانیں، اس کڑی پر جنات کا سایہ ہو گیا تھا۔'' گھر کی ملازمہ اکبری نے دائیں بائیں دیکھ کر اپنی طرف سے بڑی نیوز بریک کی تھی، جبکہ ندرت بیگم نے کھا جانے والی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''اپنی زبان بند ہی رکھو تو بہتر ہے، ایسا نہ ہو وہی جنات تمہیں بھی اٹھا کر کسی جنگل میں پھینک آئیں۔'' ندرت بیگم کے طنزیہ انداز پر اکبری نے خوفزدہ انداز میں اپنے دل پر ہاتھ رکھا اور اب کہ اس کے ہونٹوں پر خاموشی کی گہری مہر ثبت ہو گئی تھی۔

''کیا ہوا۔۔۔؟'' وہاج کو اپنا دل سینے کی پسلیاں توڑ کر باہر نکلتا ہوا محسوس ہوا۔

''صندل نے خودکشی کر لی۔۔۔'' اس خبر نے ان کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی۔ انہوں نے بے ساختہ ہی نظریں چرائیں۔

''لیکن، کیوں۔۔۔؟'' ان کا رنگ فق ہوا۔

''یہی تو پتا نہیں چل رہا۔۔۔'' تاجدار بیگم کی بات پر ان کی سانسیں بحال ہوئیں۔

''وہاج بھائی، آپکو خاقان چچا بلا رہے ہیں۔۔۔''

شاہ میر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اپنے چچا کا پیغام دیا، داجی تو سیدھے میر محتشم کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ جہاں ان سب نے مل کر اگلی حکمت عملی وضع کرنی تھی۔ اتنے ٹھنڈے موسم میں بھی وہاج کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

''یہ کیا، کیا اس پاگل لڑکی نے۔۔۔'' وہ دل ہی دل میں اسے کوستے ہوئے اپنے والد کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

صندل کے پورے خاندان پر تو لگتا تھا قیامت ٹوٹ گئی تھی، اسکی ماں کو غشی کے دورے پڑ رہے تھے اور اسکا باپ صدمے کے عالم میں بس اپنی بیٹی کے چہرے کو دیکھ رہا تھا، جس پر موت کی زردی چھا چکی تھی۔ اس کے چہرے پر اس قدر ویرانی اور وحشت تھی کہ کوئی بھی زیادہ دیر تک اسے دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا۔۔۔''

ٹینا ہاؤس میں عجیب سی بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ اس سارے ہنگامے سے بے نیاز، ہارون رضا گھٹنوں تک آتی شارٹس میں ملبوس صوفے پر نیم دراز سگار سے دھوئیں کے بادل بنا رہے تھے۔

بظاہر ان کی نگاہیں اپنے آئی فون کی اسکرین پر جمی ہوئیں تھیں لیکن پورا وجود مجسم سماعت بنا ٹینا بیگم کی طرف متوجہ تھا۔ ٹخنوں سے تھوڑا اوپر آتے سیاہ رنگ کے اسکرٹ پر وہ سرمئی رنگ کا ٹاپ پہنے خود ایک چلتی پھرتی قیامت بنی اضطراری انداز میں لاؤنج میں ٹہل رہی تھیں۔ ان کے سیل فون کی مترنم گھنٹی بار بار بج رہی تھی لیکن وہ اس وقت صرف خاص اور کام کی کالز ہی اٹینڈ کر رہی تھیں۔

رومیصہ کی گمشدگی کی اطلاع پورے شہر میں آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔اس وقت بنگلے کے باہر پولیس ہی پولیس تھی۔ٹینا بیگم نے اپنے تمام اثر ورسوخ کا استعمال کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود رومیصہ کے بارے میں ایک کوئی سن گن نہیں مل پا رہی تھی۔

''تم نے آخر جانے ہی کیوں دیا اسے۔۔''وہ ہارون رضا پر برس پڑیں، جو سگار منہ میں دیئے ایک سائیڈ پر بیٹھے، پوری سچویشن سے دل ہی دل میں لطف اندوز ہو رہے تھے۔ان کی دلی تمنا تھی کہ رومی اب زندہ حالت میں گھر واپس نہ آئے۔

''وہ سنتی ہے کسی کی۔۔۔''انہوں نے طنزیہ نگاہوں سے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے سگار کا دھواں اڑایا۔

''سات گھنٹے گذر چکے ہیں، آخر گئی کہاں وہ۔۔۔'' وہ سر پکڑ کر کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔

''شاید کلب گئی ہو۔۔'' ہارون رضا نے لقمہ دیا۔

''ہر جگہ پتا کروا چکی ہوں، کلب، ہوسپٹل، جم، ایئر پورٹ، یونیورسٹی اور اسکی فرینڈز سے۔۔'' پریشانی ان کے ہر انداز سے ہویدا تھی۔

''ایک جگہ تو رہ گئی۔۔۔'' ہارون کے چہرے پر ایک دل جلاتی مسکراہٹ ابھری۔

''کون سی۔۔۔؟'' وہ بے چین ہوئیں۔

''ہوسپٹل کے مردہ خانے (Mortuary) میں۔۔۔۔''

''شٹ اپ۔۔۔''ٹینا بیگم خونخوار انداز میں ان کی طرف دیکھتے ہوئیں چلائیں، کچھ بھی تھا، ہارون نے اس دفعہ ڈاریکٹ ان کے کلیجے میں ہاتھ ڈالا تھا، وہ رومیصہ سے جتنی بھی خفا ہوں لیکن تھی تو وہ ان کی ہی اولاد۔

وہ کھا جانے والی نگاہوں سے اپنے شوہر کو دیکھنے لگیں، جو ایک دم ہی ان کے دل سے اتر چکا تھا۔

''آئی ایم مچ سیریس۔۔۔''وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائے۔

کارڈلیس اٹھائے، لاؤنج کی سیڑھیاں اترتی شہزاد نے ان کے دونوں جملے بقائمی ہوش وحواس سنے تھے اور اس کے پورے وجود کا لہو سمٹ کر اس کے چہرے پر آ گیا تھا۔وہ جو پہلے ہی رومیصہ کی وجہ سے سخت ٹینشن میں تھی، ہارون رضا کے اس جملے نے اسکے ضبط کی ایسی کی تیسی پھیر دی تھی۔

''ایکسکیوز می۔۔۔''

وہ ایک دم ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور انگلی کے اشارے سے انہیں کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ہارون اسکے چہرے پر پھیلی غضب ناکی سے بوکھلا کر فوراً کھڑے ہوئے۔ٹینا بیگم نے بھی ہڑبڑا کر اسکی طرف دیکھا۔

''یو کین گو ناؤ۔۔۔''شہزاد کے سرد انداز پر وہ بھونچکا کر رہ گئے۔اس قدر رکھائی کی انہیں کہاں توقع تھی۔

''آئندہ یہ شخص اس گھر میں نظر آیا تو اچھا نہیں ہوگا۔'' شیری کے جارحانہ انداز پر ٹینا بیگم بھی سسپٹا سی گئیں۔

''کم آن شیری، لیواٹ، عادت ہے اسے، فضول بولنے کی۔'' انہوں نے ماحول کا تناؤ کم کرنے کی ناکام کوشش کی، لیکن آج شاید ہارون رضا کے ساتھ ساتھ ان کے بھی ستارے گردش میں تھے۔

''لیکن، مجھے عادت نہیں ہے اپنے گھر میں کسی بھی قسم کی، چیپ گفتگو سننے کی۔۔۔'' وہ شعلہ بار نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتی ہوئی ان کے چھکے چھڑا رہی تھی۔ ہارون کو یوں لگا جیسے کسی نے انہیں اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا ہو۔

''اٹس ٹو مچ ٹینا۔۔۔'' ہارون نے تلملا کر ٹینا بیگم سے اس طرح شکایت کی۔ جیسے دونوں کے درمیان بڑے خوشگوار تعلقات رہے ہوں۔

''مام ان سے کہیں، جائیں یہاں سے، یا پھر میں گارڈ کو بلاؤں۔۔۔'' شہرزاد نے بے رخی کے سارے ریکارڈ توڑے۔

ہارون رضا نے سائیڈ میز پر رکھا اپنا والٹ، سیل فون اور گاڑی کی کیز جھٹکے سے اٹھائیں اور غصّے سے پاؤں پٹختے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

''خس کم جہاں پاک۔۔۔'' اپنی لندن پلٹ بیٹی کے منہ سے یہ جملہ سننا ٹینا بیگم کے لیے کسی بڑے اچھنبے سے کم نہیں تھا۔

''شیری، یہ اچھا نہیں کیا تم نے۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھجک کر زبردستی مسکرا کر بولیں۔

''مام، آج آپ کو ایک فیصلہ کرنا ہی ہوگا۔۔۔''

وہ ترشی سے گویا ہوئی، ٹینا بیگم نے سوالیہ نگاہوں سے اپنی اس بیٹی کی طرف دیکھا، جو ماحول پر چھا جانے کی فطری صلاحیت سے مالا مال تھی۔

''اپنا ڈائیورس کیس آپ خود فائل کریں گی یا یہ کام بھی مجھے ہی کرنا ہوگا۔'' شہرزاد کے اگلے جملے پر ٹینا بیگم ایک دم خفت کا شکار ہوئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اس بات پر کوئی تبصرہ کرتیں، شہرزاد کے سیل فون پر آنے والی کال نے ان دونوں کی توجہ اس موضوع سے ہٹا دی۔

''ہیلو۔۔۔'' شہرزاد نے بے تابی سے اس انجان نمبر کو اٹینڈ کیا۔

''شہاب بات کر رہا ہوں میم۔۔۔'' دوسری طرف مسز قریشی کا پرسنل اسسٹنٹ تھا۔

''کچھ پتا چلا رومی کا۔۔۔'' اس نے عجلت بھرے انداز میں پوچھا۔

''رومیصہ کی گاڑی مل گئی ہے، جناح سپر مارکیٹ سے۔'' اگلی اطلاع نے شہرزاد کو بے چین کیا۔

''آپ کو کس نے بتایا۔۔۔؟''

''اے ایس پی ارتضی حیدر صاحب کی کال آئی تھی میڈم قریشی کو۔۔۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''اور رومیصہ کا کچھ پتا چلا۔۔۔؟؟؟'' اس کا لہجہ پریشانی سے بوجھل ہوا۔

''ان کے بارے میں ابھی کوئی اطلاع نہیں۔۔'' شہاب نے مزید مختصر بات کر کے فون بند کر دیا۔

شہرزاد نے فوراً اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی، وہ اس سلسلے میں مسز قریشی سے تفصیلی میٹنگ کر کے بیرسٹر محمود کے خلاف ایف آئی آر کٹوانا چاہتی تھی، نہ جانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ اس سارے قصّے کے پیچھے اسی کی فیملی کا ہاتھ ہے۔ ایک لمحے کو ہارون رضا اور اسکی ساری باتیں اس کے ذہن سے نکل گئیں تھیں رومی کا مسئلہ ہر چیز پر حاوی ہو گیا تھا۔

ٹینا بیگم کو پریشانی میں چھوڑ کر وہ اپنی گاڑی لیے باہر نکلی تو پولیس کی دو گاڑیاں ان کے گھر کے عین سامنے کھڑی تھیں۔ یقیناً ٹینا بیگم اپنے سورسز کا استعمال کر چکیں تھیں۔ جیسے جیسے وقت گذر رہا تھا، شہرزاد کا دل بیٹھتا جا رہا تھا۔

ان دونوں بہنوں کے درمیان میں بہت زیادہ دوستی تو کبھی بھی نہیں رہی تھی لیکن، خون کے رشتے کی کشش نے دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ رکھا تھا، پہلی دفعہ شہرزاد کو اندازہ ہوا، کہ رومیصہ خاصی متلون مزاج لڑکی تھی، اس کا موڈ لمحہ بہ لمحہ بدلتا تھا اور مزے کی بات یہ تھی کہ وہ اپنی ہی کی ہوئی باتوں اور چیزوں کو بھول جاتی، اس نے ضد کر کے شہرزاد کو پاکستان بلوایا اور اس کے بعد نو لفٹ کا بورڈ لگا دیا۔

اس سلسلے میں شہرزاد کی تمام کوششیں بے سود رہیں اور دوسرے وہ جس کلاس سے تعلق رکھتی تھیں، وہاں ہر کسی کو اپنے رشتوں سے زیادہ اپنی پرائیویسی عزیز تھی۔ اسی وجہ سے اس نے بھی رومیصہ کے معاملات میں زیادہ گھسنے کی کوشش نہیں کی، جسکا خمیازہ اسے اب بھگتنا پڑ رہا تھا۔

وہ جیسے ہی اپنی گاڑی مین روڈ پر لے کر آئی، سیل فون پر ایک دفعہ پھر ایک نا آشنا نمبر بلنک ہوا۔ اس نے عجلت بھرے انداز میں کال اٹینڈ کی۔

''شہرزاد، کہاں ہو تم۔۔۔؟'' ہم زاد کی آواز سن کر اس کے حلق سے ایک لمبی سانس خارج ہوئی۔

''آفس جا رہی ہوں۔۔'' اس نے بھی کسی بھی قسم کی بحث کیے بغیر جواب دیا۔

''او کے، میں تمہارے آفس ہی میں ہوں۔۔۔'' اس نے شہرزاد کی سماعتوں میں گویا بم پھوڑا۔

''کیا۔۔۔؟'' اسٹیرنگ پر اسکی گرفت مضبوط ہوئی۔

''کیوں، میں نہیں آ سکتا کیا۔۔۔'' وہ محتاط انداز میں گویا ہوا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا، میں بس پہنچ رہی ہوں آفس۔۔'' اس نے بوکھلا کر وضاحت دی۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ایک لفافہ چھوڑے جا رہا ہوں تمہاری ٹیبل پر، شاید کچھ ہیلپ کر سکے۔۔۔'' وہ اس وقت خاصی عجلت میں تھا۔

''لیکن، میں رومیصہ کے سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔۔۔'' اس نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

''لیکن میں اس سلسلے میں آپ سے ملنا نہیں چاہتا۔۔۔''اس کے صاف انکار کرا سے دھچکا سا لگا۔

''لیکن، کیوں۔۔۔؟''اسکی آواز احتجاجاً بلند ہوئی۔

''میں آپ سے صرف آپ ہی کے سلسلے میں ملنا چاہتا ہوں۔۔۔''اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''اٹس ناٹ فیئر۔۔۔''شہزاد کو بُرا لگا۔

''آپ اپنے سیل فون میں میرا نمبر محفوظ کر لیں، جب کبھی میرے نام پر آپ کی دھڑکنیں بے ربط ہونے لگیں گی، میرا وعدہ ہے میں اس دن سرخ گلابوں کے ساتھ آپ کو ملنے آؤں گا ۔۔۔'' وہ اپنے مخصوص دل چراتے لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے فون بند کر چکا تھا۔

شہزاد کو اچھی خاصی مایوسی ہوئی، لیکن جلد ہی اس نے مختلف سوچوں کو اپنے ذہن سے جھٹکا اور پارکنگ میں گاڑی کھڑی کر کے باہر نکلی۔ آفس کی ریسپشن پر موجود لڑکی گھر جا چکی تھی، اور وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر فرسٹ فلور پر آئی، کوریڈور سنسان تھا، صرف اس کے ایک دو کولیگس کے آفس اوپن تھے۔ وہ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اپنے آفس میں داخل ہوئی۔

کمرے میں کریڈ (Creed) پرفیوم کی بھینی بھینی سی مہک نے اس کا استقبال کیا، اس کی میز پر کافی کا ایک خالی مگ تھا۔ وہ واقعی یہاں سے ہو کر واپس جا چکا تھا لیکن اسکی خوشبو ابھی بھی کمرے میں رقص کرتی پھر رہی تھی۔

اس نے گردن گھما کر کارنر ٹیبل کی طرف دیکھا، جہاں کافی کا سامان کھلا ہوا تھا، یقیناً اس نے کافی بنانے کا فریضہ بھی خود ہی سرانجام دیا تھا۔ سامنے میز پر ایک براؤن کلر کا لفافہ تھا، شہزاد نے عجلت بھرے انداز میں اسے کھولا، اور ساتھ ہی اس کا دماغ بھک کر کے اڑ گیا۔

وہ سی سی ٹی وی سے لی گئی کچھ تصاویر تھیں، اس لیے کچھ دھندلی سی تھیں لیکن ان تصاویر سے وہ بخوبی اندازہ لگا سکتی تھی کہ رومی کس حادثے کا شکار ہو چکی ہے۔ سیاہ رنگ کے شلوار سوٹ میں ملبوس دو ینگ لڑکے رومی کو گھسیٹ رہے تھے، سامنے ان کی گاڑی کھڑی تھی لیکن بدقسمتی سے وہ اس اینگل سے کھڑی تھی، کہ اسکا کوئی نمبر اور اور شناختی چیز سامنے نہیں آ رہی تھی۔ ان لڑکوں کا بھی صرف سائیڈ پوز تھا۔

''اوہ نو۔۔۔''شہزاد کو اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔

وہ دھپ کر کے اپنی کرسی پر بیٹھی، اس نے جلدی سے اپنا سیل فون نکالا، اور ریسیوڈ کالز میں ہم زاد کا سیل نمبر موجود تھا، وہ واقعی وعدے کا پکا تھا اور اس بار اس نے شہزاد کو شاید اپنے ہی نمبر سے کال کی تھی۔ شہزاد کی کال تیسری بیل پر ریسیو کر لی گئی تھی۔

''تصاویر دیکھ لیں تم نے۔۔۔'' وہ خاصا ذہین تھا اور اندازہ کر چکا تھا کہ شہزاد نے اسے فوراً ہی کال کیوں کی۔

''یہ کہاں سے لی ہیں آپ نے۔۔۔؟''

''اسی ریسٹورنٹ سے، جس کے پاس رومی کی گاڑی کھڑی تھی۔۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''آپ کو کس نے بتایا رومی کے اغوا کا۔۔۔''

''کم آن شہزاد، ایک ذہین وفطین بیرسٹر کو ایسے بچگانہ سوالات سوٹ نہیں کرتے، تمہیں بار ہا بتا چکا ہوں، تمہارے بارے میں تم سے زیادہ جانتا ہوں میں۔'' اس کی بات نے شہزاد کو ہلکی سی خفت میں مبتلا کیا۔

''آپ کے خیال میں کون لوگ ہیں یہ۔۔۔؟'' اس نے فوراً موضوع گفتگو بدلا۔

''کچھ کنفرم نہیں کہہ سکتا۔۔۔''

''بیرسٹر محمود کی فیملی۔۔۔؟'' شہزاد نے اپنا خدشہ اس کے سامنے ظاہر کیا۔

''آئی ڈونٹ تھنک سو۔۔'' اسکی بات نے شہزاد کو حیران کیا، اتنا تو وہ بھی جان گئی تھی کہ اسکی باتوں میں دم ہوتا تھا۔

''دیکھو شہزاد، بیرسٹر محمود کا کیس بہت اسٹرونگ ہے، اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر ایسی بے وقوفانہ حرکت کرے۔'' وہ کچھ معاملات میں خاصی پریکٹیکل اپروچ کا حامل تھا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، لیکن کون لوگ ایسی حرکت کر سکتے ہیں۔۔۔'' وہ پریشان ہوئی۔

''اسی سوال کا جواب تو ہم دونوں نے مل کر ڈھونڈنا ہے، لیکن اطمینان رکھو میں ہر جگہ پر تمہارے ساتھ ہوں۔۔۔'' دھیمے لہجے میں بولتا ہوا وہ اسے تسلی تو دے گیا تھا لیکن شہزاد، دل ہی دل میں رومی کے لیے سخت پریشان ہو چکی تھی۔

وہ جیسے ہی فون بند کر کے اپنی فائل کی طرف متوجہ ہوئی، آفس بوائے ہلکا سا دروازہ ناک کر کے کمرے میں داخل ہوا۔ شہزاد نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میم عالیہ آپ کو اپنے آفس میں بلا رہی ہیں۔''

''او کے۔۔۔'' اس نے فوراً تصاویر کا لفافہ اٹھایا اور ایکدم ایک خیال اس کے ذہن میں ابھرا۔ ''عبدالشکور میری بات سنو۔''

''جی میڈم۔۔۔'' وہ مودبانہ انداز میں پلٹا۔

''آج شام چھ بجے کوئی میرے آفس میں آیا تھا کیا۔۔۔'' اس نے دانستہ لاپرواہ لہجے میں پوچھا۔

''میری موجودگی میں تو کوئی نہیں آیا تھا، ہاں ایک گھنٹے کے لیے میں کچھ ضروری ڈاکومنٹس لینے ضرور گیا تھا بڑی میڈم کے ہاں۔'' اس نے فوراً گھبرا کر صفائی دی تو شہزاد کو اسکے لہجے سے اندازہ ہو گیا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا، تبھی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کوئی بات ہوئی ہے کیا۔۔۔؟'' وہ پریشان ہوا۔

''نہیں۔۔ تم یہ فائلیں مسز قریشی کے آفس میں پہنچاؤ، میں پانچ منٹ میں آ رہی ہوں۔۔'' شہزاد نے ٹیبل پر موجود فائلوں کی طرف اشارہ کیا اور خود فریش ہونے کے لیے اپنے آفس سے ملحقہ واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

اندر داخل ہوتے ہی اس کی نظر واش بیسن پر رکھی راڈو کی مردانہ گھڑی پر پڑی، اس نے فوراً اٹھائی اور حیرانگی سے اسکا جائزہ لیا، وہ یقیناً اسی کی واچ تھی جو وہ یہاں بھول گیا تھا۔شہرزاد کے لیے تعجب کی بات اس کا آفس میں آنا نہیں، بلکہ اتنے اطمینان سے وہاں بیٹھ کر کافی پینا اور اسے کال کرنا تھا، وہ یقیناً کوئی بہت پُراعتماد اور مضبوط اعصاب کا حامل شخص تھا۔

☆......☆......☆

صندل کی تدفین انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ کر دی گئی تھی۔

اگلے کئی روز تک میر ہاؤس پر ایک محسوس کیے جانے والی بوجھل سناٹے کا راج رہا، ہر کوئی ایک دوسرے سے آنکھیں چرا رہا تھا، صندل کی موت کا معمہ اس کے ساتھ ہی مٹی میں دفن ہو گیا تھا۔

شروع شروع میں داجی نے اس کے سارے خاندان کے لوگوں کو کریدنے کی کوشش کی، لیکن سب کا یہی کہنا تھا کہ وہ یہاں سے جانے سے پہلے بالکل ٹھیک تھی، لیکن داجی چونکہ خود بھی نور محل میں ہی رہتے تھے، اس لیے وہ وہاں کے حالات سے بالکل مطمئن تھے، پھر بھی انہوں نے فارحہ بھابھی سے بھی گھما پھرا کر پوچھنے کی کوشش کی، لیکن ان کے پاس بھی کوئی ایسی معلومات نہیں تھیں، جو ان کے لیے سود مند ثابت ہوتیں۔

میر ہاؤس کی لڑکیوں کے ہونٹوں پر بھی خاموشی کی مہر ثبت ہو چکی تھی، ہر کوئی ایک اس واقعے کے بعد عجیب سی کیفیت کا شکار تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے صندل جاتے جاتے ساری لڑکیوں کے قہقہے بھی اپنے ساتھ قبر میں لے گئی ہو۔

وہ تینوں اس وقت پچھلے لان میں موجود تھیں اور خلاف توقع وہاں کسی بھی قسم کا ہنگامہ نہیں تھا، درشہوار کے ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی جس میں کافی ساری کچی کیریاں رکھی ہوئی تھیں۔ نمیرہ درخت کے ساتھ لگے جھولے پر اور طوبیٰ درشہوار کے ساتھ لان کی گھاس پر براجمان تھی۔

"تمہارے خیال میں اس نے کیوں خودکشی کی ہوگی۔۔۔؟" نمیرہ نے جھولے پر بیٹھے ہوئے افسردگی سے پوچھا۔

"مجھے لگتا ہے اسے کسی سے محبت ہو گئی تھی۔۔۔" درشہوار نے ہاتھ میں پکڑی کیری پر نمک نہیں چھڑکا تھا بلکہ بالکل سامنے بیٹھی طوبیٰ کے سارے زخم ہرے کر دیئے تھے۔ وہ صندل کے ہاتھ کا لکھا ہوا رقعہ پڑھ چکی تھی اور اس میں موجود لفظوں نے طوبیٰ کی زندگی کا سارا سکون برباد کر دیا تھا۔

"محبت۔۔۔ لیکن کس سے۔۔؟" نمیرہ چھلانگ مار کر جھولے سے اتری۔

"یہ ساتھ والے پڑوسی ہادی سے۔۔۔" طوبیٰ نے جل کر لقمہ دیا، درشہوار کا رنگ ایک لمحے کو فق ہوا، وہ اس مذاق کو حقیقت سمجھی تھی۔

"سیریسلی۔۔۔؟" نمیرہ کی آنکھیں تعجب کے اظہار کو پوری کھل گئیں۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔۔؟" طوبیٰ بیزاری سے مزید گویا ہوئی۔ "محبت ہو گئی تھی، ہونہہ۔۔۔"

''کیوں، غلط کہا میں نے۔۔۔'' درشہوار نے بُرا سامنہ بنایا۔

''ہاں، اس لیے کہ یہ سراسر ایک فضول اور من گھڑت بات ہے، بندہ بات تو وہ کرے، جس پر یقین آ جائے۔'' ایک عجیب سی طنزیہ مسکراہٹ اسکے ہونٹوں پر در آئی۔ درشہوار اور نمیرہ کا مشترکہ قہقہہ فضاؤں میں گونجا۔

طوبیٰ نے چونک کر ان دونوں کی طرف دیکھا اور پہلی دفعہ اسے ان کی لاعلمی پر رشک آیا۔ اس کا دل بھر آیا، وہ چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی۔ اس کے دل و دماغ میں جھکڑ چلنے لگے۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور پھر اگلے کئی گھنٹے باہر نہیں نکلی۔ اس کی نیند، بھوک اور سکون سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ ہر لمحہ اسے صندل کی آہیں، مری کی تیز ہواؤں کی شائیں شائیں کے ساتھ بین کرتی ہوئی محسوس ہو تی تھیں۔

وہ اکثر رات گئے، اس کاغذ کو باہر نکالتی، جو اس کے لیے ایک جلتا ہوا انگارہ بن چکا تھا۔ اس پر لکھا ہوا ایک ایک لفظ اس کے دل پر تحریر تھا، وہ چاہتے ہوئے بھی یہ بات کسی سے شیئر کرنے کی جرائت نہیں کر سکتی تھی۔

صندل کا سارا خاندان وہیں تھا اور وہ لوگ خود شرمندگی سے نظریں چرائے پھرتے تھے۔ انہیں لگتا تھا کہ ان کی بیٹی نے یہ قدم اٹھا کر مالکوں کی نظروں میں ان کی وقعت کم کر دی ہے۔

اس دن طوبیٰ اپنے اور انابیہ کے مشترکہ کمرے میں موجود تھی۔ رات کے دو بج رہے تھے اور نینداس کی آنکھوں سے روٹھ چکی تھی۔ انہی دنوں شاہ میر اپنی یونٹ کے ساتھ نیا نیا کھاریاں سے پوسٹڈ ہو کر مری آ چکا تھا اور آجکل آؤٹ لیونگ اسٹیشن پرمیشن کے تحت گھر میں ہی رہ رہا تھا۔ طوبیٰ نے سونے کی ہر ممکن کوشش کی اور تنگ آ کر سائیڈ میز پر رکھا انابیہ کا ناول اٹھالیا۔

جیسے ہی اس نے ناول کھولا، اس میں سے ایک تصویر نکل کر طوبیٰ کی گود میں آن گری، وہ برہان کی کونوکیشن کے موقعے پر کھینچی ہوئی ایک خوبصورت تصویر تھی، طوبیٰ نے بیزاری سے سر جھٹک کر وہ دوبارا ناول میں رکھ دی، اسے اپنی بہن سے بے تحاشا ہمدردی محسوس ہوئی۔

نہ جانے کیوں میر ہاؤس کیسارے ہی مرد اس کے دل سے اتر گئے تھے۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھی، وہ یہ راز کسی اور سے شیئر کرنا چاہتی تھی، اچانک اسے کمرے کے باہر چھن چھن کی آواز محسوس آئی۔

طوبیٰ کا دل دھک کر کے رہ گیا، یہ آواز اسکی سماعتوں میں اچھی طرح محفوظ تھی، کیونکہ سب جانتے تھے صندل کو پازیب پہننے کا خاصا شوق تھا، جس کی وجہ سے وہ میر ہاؤس کی خواتین سے کئی دفعہ عزت افزائی کروا کر اتار دیتی، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد وہ ڈھیٹ بن کر دوبارہ پائل پہن لیتی۔

''چھن چھن چھن۔۔۔'' یہ آواز طوبیٰ کے دروازے پر آ کر تھم سی گئی، اسے اپنی دھڑکنوں میں ایک طوفان سا آتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے ہراساں نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا۔

''صندل کی پازیب، لیکن کس نے پہنی ہے۔۔'' اس سوچ نے اسے بے چین کیا۔اس نے کنکھیوں سے انابیہ کی طرف دیکھا، وہ گہری نیند میں تھی، اس لیے اس نے اسے اٹھانا مناسب نہیں سمجھا، باہر ایک دفعہ پھر پائل چھنکی۔

''مجھے دیکھنا چاہیے۔۔۔'' وہ بڑی سرعت سے اٹھی، اور جیسے ہی دروازے کے پاس پہنچی، پائل کی آواز اسے دروازے سے دور جاتی ہوئی محسوس ہوئی، اس نے بڑی تیزی سے دروازہ کھولا، باہر کوریڈور سنسنان تھا۔

وہ الجھن بھرے انداز میں ٹی وی لاؤنج کی طرف بڑھی، شاہ میر کے کمرے کا دروازہ کھلا، اور اس نے نیند بھری آنکھوں سے اسکی طرف چونک کر دیکھا۔

''یہ آدھی رات کو تم کیا چھن چھن کرتی پھر رہی ہو۔۔۔'' اس جملے نے طوبیٰ کا رہا سہا سکون بھی غارت کر دیا۔

''کیا وہ آواز تم نے بھی سنی تھی۔۔۔؟'' اس نے ہراساں نگاہوں سے شاہ میر کی طرف دیکھا۔

''ہاں، تبھی تو باہر نکلا ہوں میں۔۔۔'' اس نے گویا دھماکہ کیا۔وہ ایک گہرے خوف کے زیر اثر بالکل اسکے قریب آ گئی، جیسے ڈر گئی ہو۔

''ایسی پائل تو صندل پہنا کرتی تھی۔۔۔'' طوبیٰ کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی، شاہ میر نے بے یقینی سے اسکی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب۔۔۔؟''

''بائے گاڈ، صندل کی پائل کی بھی ایسی ہی آواز تھی۔۔۔'' اس نے نظریں چرا کر اپنی بات کو دوبارا دہرایا۔

''اچھا، چلو باہر دیکھ کر آتے ہیں۔۔۔'' شاہ میر نے لاشعوری طور پر اسکا بازو پکڑا، طوبیٰ کو کرنٹ لگا اور وہ بدک کر دو قدم پیچھے جا کھڑی ہوئی، شاہ میر نے ذرا سی آنکھیں سکیڑ کر اسکی طرف دیکھا۔طوبیٰ کی آنکھوں میں اسکے لیے حد درجہ بیزاری اور بیگانگی تھی۔

''کیا ہوا طوبیٰ۔۔۔؟'' وہ اس کے صبیح چہرے کو جانچتے ہوئے نرمی سے گویا ہوا۔

''ہاتھ کیوں لگایا ہے تم نے مجھے۔۔۔'' وہ ہذیانی انداز میں پھنکاری۔

''طوبیٰ۔۔۔'' شاہ میر کو دھچکہ سا لگا۔''کیا اعتبار نہیں ہے مجھ پر۔۔۔؟'' وہ متحیر ہوا۔

''نہیں۔۔۔'' اس کا لہجہ سرد تھا، اور شاہ میر کو لگا جیسے میر ہاؤس کی چھت کے سارے گارڈر اس پر آن گرے ہوں۔

''وجہ پوچھ سکتا ہوں۔۔۔'' اس نے زخمی نگاہوں سے اس دشمن جاں کی طرف دیکھا۔

''تم سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہو۔۔۔'' وہ سلگ کر تمسخرانہ انداز میں بولی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھی، شاہ میر کو لگا جیسے اس کے وجود کے اندر بھونچال سا آ گیا ہو۔

''مطلب کیا ہے تمہارا اس بات سے۔۔۔؟'' وہ اپنا برہم انداز چاہ کر بھی نہیں چھپا پایا۔

''کوئی مطلب نہیں ہے میرا۔۔'' وہ اس وقت ساری ہی دنیا سے خفا تھی۔

''تمہیں کس نے حق دیا ہے میری محبت کی توہین کرنے کا۔۔'' وہ تو گویا انگاروں پر جا کھڑا ہوا تھا۔

''مرد کو محبت صرف عورت کے وجود کے ساتھ ہوتی ہے اور کسی سے نہیں۔۔۔'' وہ حد درجہ بدگمانی سے بولتی ہوئی ایک دفعہ پھر اس پر قیامت ڈھا گئی۔

شاہ میر کو لگا جیسے اس کے جسم پر کسی نے چابک برسا دیا ہو، یہ وہ پہلی لڑکی تھی، جسے دیکھ کر اس کے دل کی دنیا آباد ہوئی تھی، وہ اس کے بارے میں ایسا سوچتی تھی یہ اس کے لیے ڈوب کر مر جانے کا مقام تھا۔

''کہاں سے سیکھی ہیں یہ فضول باتیں۔۔؟'' وہ جھنجھلا کر مزید بولا۔

' دماغ تو نہیں خراب ہو گیا تمہارا، کیا اتنا چیپ لگتا ہوں میں تمہیں، شرم آنی چاہیے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔'' وہ سخت بُرا مان چکا تھا۔

''میرے راستے سے ہٹو۔۔'' اس پر کوئی اثر نہیں ہوا، تبھی وہ درشت لہجے میں بولی۔

''پرابلم کیا ہے تمہارے ساتھ، کیوں اس طرح سے بی ہیو کرتی ہو میرے ساتھ۔۔؟'' وہ انگشت شہادت اٹھا کر غصّیلے لہجے میں بولتا ہوا طوبیٰ کو مزید سلگا گیا۔

''مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے تم میں، سمجھے۔۔'' طوبیٰ بدلحاظ ہوئی اور شاہ میر کے چہرے کی جوت اس سرد انداز پر بالکل ہی بجھ گئی۔

''یاد رکھنا طوبیٰ خاقان۔۔۔'' وہ اسکے پاس آ کر ناراضی سے گویا ہوا۔

''محبت کو بار بار دھتکارا جائے تو وہ آکاس بیل کی طرح پورے وجود کو جکڑ لیتی ہے اور پھر نیم جاں کر کے ہی چھوڑتی ہے، اسکے بعد انسان کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہتا۔۔'' وہ مٹھیاں بھینچ کر خود پر ضبط کرتا ہوا بمشکل بولا، اسکی آنکھوں سے نکلنے والے شراروں سے طوبیٰ کو اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہوا، وہ فوراً اپنے کمرے کے دروازے کی طرف لپکی۔

اسی لمحے پائل کی آواز ایک دفعہ پھر گونجی، اس دفعہ اس آواز میں صدیوں کا کرب پوشیدہ تھا، شاہ میر اور طوبیٰ نے بوکھلا کر کوریڈور کے اختتام کی طرف دیکھا، کیونکہ یہ آواز وہیں سے ابھری اور ایک دم ہی ڈوب گئی، بالکل ایسے ہی طوبیٰ کو بھی اپنا دل خوف کے سمندر میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوا کیونکہ اس نے شاہ میر کو اس آواز کے تعاقب میں جاتے دیکھا تھا۔

''لکھوا لو مجھ سے، تمہیں وہم ہوا ہوگا۔۔'' انابیہ نے صبح اپنے کپڑے پریس کرتے ہوئے سارا قصّہ لاپرواہی سے سن کر کہا۔

''ایسا نہیں ہے، میں نے خود سنی تھی آواز۔۔''

''یہ کیسے ممکن ہے طوبیٰ۔۔؟ ہو سکتا ہے، تمہارے لاشعور میں کوئی ایسی چیز موجود ہو جسے تم کسی خوف کی وجہ سے سامنے لانا نہ چاہتی

ہو۔'' وہ استری بند کر کے اس کے عین سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''رہنے دو تم، بڑی آئیں سگمنڈ فرائیڈ کی بھتیجی۔۔۔'' وہ ایک دم چڑ گئی تھی۔

''کیوں بات بات پر اری ٹیٹ ہو رہی ہو تم۔۔۔'' انابیہ کی نرم آنکھوں سے پریشانی چھلکی۔

''اس لیے کہ تم میری بات کا یقین نہیں کر رہی ہو، چلو مجھے تو وہم ہوا تھا تو کیا شاہ میر کے بھی کان بج رہے تھے۔'' اس نے اپنی طرف سے ایک مضبوط دلیل پیش کی جسے انابیہ نے پھر چٹکیوں میں اڑا دیا۔

''تمہاری کسی بات سے اختلاف کر کے اس بیچارے نے مرنا تھوڑی تھا۔'' وہ شرارتی لہجے میں ہنسی۔

''ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے، میں کون سا ہر وقت لٹھ لے کر اس کے پیچھے بھاگتی رہتی ہوں۔'' وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

''بس کر دو طوبیٰ، تم نے تو صندل کی موت کو اپنے حواسوں پر ہی سوار کر لیا ہے۔۔۔'' انابیہ کا لہجہ کافی سرسری تھا لیکن اسے بہت بُرا لگا۔

''تو کیا نہیں کرنا چاہیے، وہ ایک جیتی جاگتی، ہنستی مسکراتی لڑکی تھی، آخر کس نے اس کے چہرے سے مسکراہٹ چھینی اور اس حد تک اسے مجبور کر دیا کہ وہ موت کو اپنے گلے لگا بیٹھی۔۔۔'' تلخ لہجے میں بولتی ہوئی وہ انابیہ کو پریشان کر گئی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے طوبیٰ، وہ حد درجہ جذباتی اور بے وقوف لڑکی تھی، اس نے کسی چھوٹی سی بات کو بنیاد بنا کر یہ قدم اٹھا لیا ہوگا۔'' انابیہ نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی تو ایک استہزائیہ مسکراہٹ طوبیٰ کے ہونٹوں پر ابھری۔۔

''تم خود دل پر ہاتھ رکھ کر انصاف کو آواز دو، کیا وہ بات اتنی چھوٹی ہو سکتی ہے، جس کی بنیاد پر کوئی انسان زندگی سے اپنی سانسوں کا رشتہ توڑ لے۔'' وہ اسے ہکا بکا چھوڑ کر ناراضگی سے کمرے سے نکلی اور سامنے سے آتے وہاج سے ٹکرائی۔ طوبیٰ کے دل کی دھڑکنیں ایکدم تیز ہوئیں۔

''دھیان سے نہیں چل سکتیں کیا۔۔۔'' ان کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔

''دھیان سے چلنے والوں کے سامنے بھی کبھی کبھی کوئی ایسی چٹان آ جاتی ہے، جس سے ٹکرا کر انسان پاش پاش ہو جاتا ہے۔'' وہ وہاج کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے متنفر لہجے میں بولی۔ اس کے چہرے کے غیر معمولی تاثرات نے انہیں چونکا دیا۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو۔۔۔'' ان کے ماتھے کی رگ پھڑ پھڑانے لگی۔

''کچھ نہیں۔۔۔'' وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئی تھی۔

''میری بات سنو طوبی۔۔۔'' انہوں نے پریشانی سے اسکا بازو پکڑا، جو طوبی نے غصّے سے ایک جھٹکے سے چھڑایا۔

''کیا ہوا۔۔۔؟'' وہ حقیقتاً بوکھلا گئے۔

''دوبارا میرا ہاتھ پکڑ کر بات مت کیجیئے گا۔۔'' وہ انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولتی ہوئی ان کے چھکے چھڑا گئی۔

''تم میرے لیے درشہوار کی طرح ہو۔۔'' انہوں نے گھبرا کر صفائی دی۔

''میر ہاؤس میں موجود ہر لڑکی آپ کے لیے درشہوار کی طرح ہی ہونی چاہیے، چاہے وہ مالک ہو یا ملازم۔'' اس کا طنزیہ انداز وہاج کو جو کچھ باور کروا رہا تھا، وہ یہ بات مر کر بھی تسلیم نہیں کر سکتے تھے، لیکن طوبی کا ہر انداز انہیں باور کروا رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہوئی ضرور ہے۔۔تبھی وہ میر ہاؤس میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکے اور فوراً ہی فارحہ کے ساتھ نور محل واپس آ گئے تھے، لیکن طوبی کا طنزیہ لہجہ یہاں بھی انہیں سکون سے رہنے نہیں دے رہا تھا۔

☆......☆......☆

نرسنگے کی آواز کے ساتھ حمد کرو......

بربط اور ستار پر اس کی حمد کرو......

دف بجاتے ہوئے اور ناچتے ہوئے اس کی حمد کرو......

تاردار سازوں اور بانسلی کے ساتھ اس کی حمد کرو......

بلند آواز اور جھانجھ کے ساتھ اس کی حمد کرو......

ہر متنفس اسکی حمد کرے، خداوند کی حمد کرو......

شہر کے سب سے مشہور ''سینٹ میری'' گرجا گھر کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسکی ماں کی آواز میں گایا ہوا مقدس گیت اس کی سماعتوں میں گونجا۔زندگی میں پہلی دفعہ اس گیت نے اسے کوئی خوبصورت احساس نہیں بخشا تھا۔

وہ لرزتے قدموں اور بے ہنگم انداز میں دھڑکتے دل کے ساتھ چرچ میں داخل ہوئی اور مختلف لوگوں سے نظریں چراتی ہوئی آخری لائن میں جا کر بیٹھ گئی۔

سامنے اسٹیج پر سفید چغے میں ملبوس فادر جوزف اسمتھ بائبل کھولے اس میں سے کچھ پڑھ کر سنا رہے تھے۔اس وقت وہاں عبادت کی غرض سے آنے والے چالیس پچاس لوگوں میں ہر عمر اور ہر طبقے کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

مونیکا نے ایک لمبا سانس لے کر گرجا گھر کی چھت کو لاتعلقی سے دیکھا، وہ یہاں بچپن سے آ رہی تھی، یہاں کی ایک ایک چیز کے ساتھ اس کی بے شمار خوشگوار یادیں وابستہ تھیں، لیکن آج طلوع ہونے والا سورج اسکے اندر ہدایت کی روشنی بھر چکا تھا۔

''تم آخری دفعہ چرچ جا کر تو دیکھو، اور پھر آ کر فیصلہ کرنا۔۔'' اسکے کلاس فیلو ذوالکفل کی سنجیدہ آواز ذہن کے کسی گوشے سے ٹکرائی۔

''یقین مانو، میرا اب دل نہیں کرتا۔۔'' مونیکا بے بسی کے گہرے احساس کے زیر اثر بولی۔

''میری خاطر۔۔۔'' ان دولفظوں میں محبت اور چاہت کا ایک جہان آباد تھا۔

''تم مجھے بے بس کر دیتے ہو۔۔۔'' اس نے فوراً ہتھیار پھینک دیئے اور آج وہ وعدے کے مطابق پھر یہاں موجود تھی۔

''یسوع نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا،'' اے باپ اب وقت آن پہنچا ہے، اپنے بیٹے کو شاندار رتبہ عطا کر، تا کہ وہ تیری بڑائی کرے، کیونکہ تو نے اپنے بیٹے کو سب لوگوں پر اختیار دیا ہے تا کہ وہ ان کو ہمیشہ کی زندگی دے سکے، جو تو نے اس کو دیئے ہیں۔'' فادر کی بات پر وہ بے چین ہوئی۔

''آپ کہہ دیجئے، اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔'' اسی لمحے ایک اور آواز اس کے دل سے ابھری اور اس کی روح تک میں طمانیت کا احساس بھر گئی۔

''تثلیث کو ماننے والے زیادہ تر لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اس عقیدے کی وضاحت نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود انہیں یقین ہے کہ خدا کا کلام اسی عقیدے کی تعلیم دیتا ہے، تم بھی یہی سمجھتی ہوناں۔'' وہ بہت نرم انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں۔۔۔'' اس نے کسی معصوم بچے کی طرح سر جھکا لیا۔

''تو پھر تم ان سوالوں کے جواب ڈھونڈو، یقین مانو، یہ تمہیں حق اور سچائی کے راستے پر لے جائیں گے۔'' ذوالکفل نے اسے ایک نئی راہ سلجھائی۔ وہ اور مونیکا دونوں این سی اے میں فائن آرٹس ڈیپارٹمنٹ کے اسٹوڈنٹس تھے۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی، میں کیا کروں۔؟ کچھ نہ کچھ ہے سہی جس کو ماننے سے میرا دل انکاری ہے، ایک خلا ہے، جو مجھے کہیں بھی سکون سے بیٹھنے نہیں دیتا۔''

وہ اس روز ذوالکفل کے سامنے بے اختیار رو پڑی تو وہ کچھ سوچ کر اسے مفتی عبدالباری کے پاس لے آیا۔

انہوں نے بہت تفصیل سے اس کے خیالات پوچھے اور جب ہر طرح کا اطمینان حاصل ہو گیا تو قرآن پاک کی آسان فہم تفسیر اسکے ہاتھ میں تھما دی، اگلی صبح مونیکا نیشنل کالج آف آرٹس کی ظہور الاخلاق گیلری میں اپنی کچھ فرینڈز کے ساتھ موجود تھی۔

ذوالکفل کو سامنے دیکھ کر وہ لپک کر اسکے پاس پہنچی، اس کی آنکھیں رتجگے کی عکاسی کر رہی تھیں اس نے ذوالکفل کا بازو پکڑا اور پھر لان میں سفید سنگ مرمر والے فوارے کے پاس آ کر ہی چھوڑا تھا۔

''مونیکا، کیا بات ہے۔۔۔؟'' وہ متحیر تھا۔

''مجھے اسلام قبول کرنا ہے۔۔۔'' مونیکا رندھی ہوئی آواز میں گویا ہوئی۔ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

''سوچ لو۔۔۔''

''اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد مزید کسی چیز کو سوچنے کی گنجائش نہیں رہتی۔'' اس کی آنکھوں سے چھلکتا اعتماد ذوالکفل کے اطمینان کے لیے کافی تھا۔

''تمہارے پیرنٹس بہت خفا ہونگے تم پر۔۔'' وہ آہستگی اور رسانیت سے بولا۔

''میرے لیے اللہ کی ناراضگی زیادہ اہم ہے۔۔۔'' اس کے انداز میں چٹان کی سی سختی تھی۔

''وہ تمہیں گھر سے نکال دیں گے، تمہیں پتا ہے ناں وہ اس معاملے میں کوئی بھی کمپرومائز نہیں کریں گے۔'' ذوالکفل نے اس کو سمجھانے کی آخری کوشش کی تو وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

''میرے لیے میرا اللہ ہی کافی ہے۔۔۔'' وہ ایک ہی رات میں ہدایت کا سفر طے کر چکی تھی۔

''تو ٹھیک ہے، پھر میں کون ہوتا ہوں تمہارے اور اللہ کے بیچ میں حائل ہونے والا۔'' ذوالکفل نے مسکرا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا، جو اطمینان اور سکون کی روشنی سے جگمگا رہا تھا، ذوالکفل زیادہ دیر تک اس کے چہرے کی طرف نہ دیکھ سکا، آج وہاں ایک الوہی سی چمک تھی۔

اس نے بے ساختہ اپنی نظریں چرائیں، اسے لگا جیسے وہ ایک دم ہی بلندیوں پر آن کھڑی ہوئی تھی۔ایک آسودہ سی مسکراہٹ ذوالکفل کے چہرے پر بھی در آئی۔اس کی مونیکا کی ہدایت کے لیے مانگی ہوئی دعا پوری ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

رات کے اس پہر محمد ہادی کے کمرے کی لائیٹ جل رہی تھی۔

وہ مسلسل لیپ ٹاپ پر اپنا کام کرنے میں مگن تھا، کل صبح اسے خاقان علی کے خلاف پوری چارج شیٹ تیار کر کے شہرزاد کو دینی تھی ،تا کہ وہ اپنا کیس بھرپور طریقے سے تیار کر سکے۔

اسی لمحے اس کے سیل فون کی ٹیکسٹ ٹون بجی، اس نے بے دھیانی میں فون اٹھایا، کسی انجان نمبر سے کوئی میسج آیا تھا۔اس نے سرسری نگاہ سیل فون کی اسکرین پر ڈالی، اور ساتھ ہی وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

''جب کسی کا نام، دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ رقص کرنے لگے تو کیا کرنا چاہیے۔۔۔''

ہادی نے بیزاری سے وہ ٹیکسٹ پڑھا اور نیچے درشہوار کا نام دیکھ کر اس کا دماغ کھول اٹھا، اس لڑکی کی جرائتیں دن بہ دن بڑھتی ہی جا رہیں تھیں، اس نے فوراً ہی ٹیکسٹ ڈیلیٹ کیا اور اپنا کام کرنے لگا۔

دو منٹ اور پندرہ سیکنڈ کے بعد دوبارا سیل فون کی ٹوں ٹوں اسکے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برسی، اس نے بیزاری سے ایک دفعہ پھر اسکرین پر نظریں دوڑائیں، اس دفعہ شاعری کی زبان میں اپنا مدعا بیان کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

آپ برہم ہی سہی، بات تو کر لیں ہم سے

کچھ نہ کہنے سے محبت کا گماں ہوتا ہے

ہادی نے انتہائی غصّے سے درشہوار کا نمبر ملایا، جو پہلی ہی بیل پر ریسیو کر لیا گیا تھا، دوسری طرف اسکا نقرئی قہقہ فضاؤں میں گونجا۔اس کے اعصاب تن گئے۔

''کوئی پرابلم ہے آپکے ساتھ، تو کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس جائیں۔۔۔''اس نے طنزیہ انداز میں اسے مشورہ دیا۔آگے بھی درشہوار تھی جس نے ڈھٹائی کے اپنے ہی بنائے ہوئے کئی ریکارڈ توڑے تھے۔

''گئی تھی، انہوں نے کارڈیالوجی سینٹر بجھوا دیا اور کہا آپ کو دل کی بہت خطرناک بیماری لگ گئی ہے۔۔''وہ شرارتی لہجے میں بولتی ہوئی ہادی کی کنپٹیاں سلگا گئی تھی۔

''آپ کو کسی کارڈیالوجسٹ کی بجائے کسی نیوروفزیشن کے پاس جانا چاہیے۔'' وہ سلگ کر گویا ہوا۔

''تو کیا خیال ہے، ہادی کا ٹیچ میں آجاؤں۔۔۔'' درشہوار دوبارہ شرارت سے ہنسی۔

''میرے گھر میں یا میری زندگی میں ایسی ویسی لڑکیوں کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔۔''اس کی رکھائی، ایک لمحے کو درشہوار کو چپ کروا گئی۔

''گنجائش نکلنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔۔۔'' اس نے بہت جلدی خود کو سنبھال لیا تھا۔

''آئی ایم سوری، لگتا ہے آپ کسی بہت بڑی خوش فہمی کا شکار ہیں، پہلی فرصت میں اپنے ذہن پر لگے جالے صاف کر لیں تو بہتر ہوگا، ورنہ مجھے یہ کام کرنا بہت عمدگی سے کرنا آتا ہے۔'' وہ ہنوز سابقہ انداز میں گویا ہوا۔

''ذہن میں خوش فہمیوں کا جالا سہی، لیکن دل تو محبت کے جال میں پھنس چکا ہے، اس کا کیا کروں۔؟''وہ بلا کی پراعتماد تھی اور لڑکیوں کی ایسی بے باکی، ہادی کو سخت ناگوار گذرتی تھی، اسے درشہوار کا مقام پستیوں میں گرتا ہوا محسوس ہوا۔

''یہ میرا نہیں آپ کا پرابلم ہے۔۔۔۔'' اسکی بیزاری، اس دفعہ درشہوار کا دل دکھا گئی۔

''آپ مجھ سے ایسے بات کیوں کرتے ہیں۔۔۔؟''

'' مجھے ایسے بے تکے رابطے، بلاوجہ کی شوخیاں اور فضول کی بے تکلفی قطعاً پسند نہیں، اس لیے برائے مہربانی مجھے دوبارا کال مت کیجئے گا، ورنہ مجھے ایک دفعہ پھر میر ہاؤس کے کسی مرد سے رابطہ کرنا پڑے گا۔'' وہ ایک دم پھٹ پڑا۔

''سوری۔۔۔۔''درشہوار نے افسردگی کے عالم میں فون بند کر دیا۔

''کیا ہوا۔۔۔؟'' کمرے میں داخل ہوتے سعد نے الجھ کر اسکا سرخ چہرہ دیکھا۔

''دماغ خراب ہوگیا ہے میر ہاؤس کی لڑکیوں کا۔۔۔''

''کیا درشہوار تھی۔۔؟'سعد نے بلیک کافی کا مگ اس کی طرف بڑھایا۔

''ہاں رات کے اس پہر اسی کا دماغ خراب ہو سکتا ہے۔زہر لگتی ہیں مجھے ایسی لڑکیاں، جنہیں اپنی عزت، انا اور وقار کی پرواہ نہیں

ہوتی۔'' اسکا بے لاگ تبصرہ سعد کو اچھا نہیں لگا۔

''کیا کہہ رہی تھی۔۔۔''اس نے نظریں چرا کر پوچھا۔

''محبت ہو گئی ہے جناب کو۔لینڈ مافیا کی طرح میرے دل پر بھی قبضہ کرنا چاہتیں ہیں محترمہ،آخر بھتیجی کس کی ہیں میر خاقان علی کی،جنہوں نے مری کو اور یہاں رہنے والوں کو اپنے باپ کی جاگیر سمجھ رکھا ہے۔''ہادی کے تمسخرانہ انداز پر سعد کے اندر چھن کر کے کچھ ٹوٹا۔

''محبت تو بے اختیاری جذبہ ہے،اور کسی کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔۔''اس نے لاشعوری طور پر درشہوار کا دفاع کیا۔

''ہو سکتا ہے،مجھے اس نے پہلے سے اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہو۔''ہادی کی زبان پھسلی۔

''کس نے۔۔۔؟'' وہ بُری طرح چونکا۔

''محبت نے۔۔۔''وہ ایک دم شکست خوردہ نظر آنے لگا۔

''پوچھتا سکتا ہوں کہ کون ہے وہ خوش قسمت۔۔۔؟'' سعد کی آنکھوں میں تحیر کی فراوانی تھی۔

''کیا کرو گے جان کر۔۔۔؟''ہادی کا لہجہ پست ہوا۔

''پتا تو چلے کس نے،کتنے حملوں میں تمہارے دل کے سومنات مندر کو ڈھایا'' سعد نے دانستہ ہلکا پھلکا انداز اپنایا۔

''میں چاہ کر بھی اسکا نام اپنے لبوں پر لانے کی جرائت نہیں کر سکتا۔۔'' اس نے نظریں چرائیں۔

''وجہ پوچھ سکتا ہوں۔۔۔''سعد کو وہ آج لحہ بہ لحہ حیران کر رہا تھا۔

''میں محبت کرتا ہوں اس سے اور جس سے محبت کی جائے اسکا نام صرف دل کی دیواروں پر لکھا جاتا ہے،شہر کے در و بام پر تو صرف اشتہار لگائے جاتے ہیں اس لیے جب تک اسے اپنا محرم نہیں بنا لیتا،کسی نا محرم کے سامنے اس کا ذکر بھی نہیں کر سکتا۔''ہادی نے اسے لاجواب کیا۔

''بہت عجیب سی محبت نہیں ہے تمہاری۔۔۔۔'' کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد سعد نے لب کشائی کی۔

''ہاں کہہ سکتے ہو تم۔۔۔''اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا تھا۔وہ اب اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ کسی بھی قسم کا ذہنی کام کر سکے۔

☆......☆......☆

''سمجھتا کیا ہے خود کو،یہ ہادی کا بچہ۔۔۔۔''

درشہوار کے انداز میں عجیب سی خود اعتمادی اور خدوخال میں عجیب سی سرکشی جھلک رہی تھی۔وہ فون بند کر کے مسلسل غصّے سے ٹہل رہی تھی۔

''ایسا کرو،مکھی بنا کر سامنے کی دیوار سے چپکا دو اسے۔۔۔''طوبیٰ نے اسے مزید چڑایا۔

''میری محبت میں اتنی طاقت ہے کہ میں ایسا بھی کرسکتی ہوں۔'' وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

''تو پھر اسی طاقت کے بل بوتے پر اٹھا کر لے آؤ اسے میر ہاؤس میں، ویسے بھی تم سارے بہن بھائی محبت میں دھونس اور زور زبردستی کے ہی قائل ہو۔''

طوبیٰ نے طنزیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا، اسے آجکل نہ جانے کیوں درشہوار کی ساری ہی فیملی پر سخت غصّہ آنے لگا تھا۔

''تم کس پرانی بات کا غصّہ نکال رہی ہو مجھ پر۔۔۔'' درشہوار کے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔

''مجھے پرانے حساب کتاب دل میں رکھنے کی عادت نہیں۔۔۔'' وہ اسی خشک انداز میں گویا ہوئی۔

''تو پھر پچھلے کچھ دن سے یہ تاک تاک کر تیر کیوں برسا رہی ہو۔۔'' درشہوار کے کھوجتے لہجے پر وہ دل ہی دل میں اپنی جذباتیت پر تھوڑا خفیف ہوئی۔ درشہوار اتنی بھی انجان اور بے خبر نہیں تھی جتنا طوبی نے اسے سمجھ لیا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے، بس صندل کی موت نے تھوڑا ڈسٹرب کر رکھا ہے مجھے۔۔۔'' طوبیٰ نے زبردستی مسکرا کر کہا۔

''تم تو ایسے طنز کرنے لگی ہو جیسے اسکی موت کے پیچھے میرا یا میرے بھائیوں کا ہاتھ ہو۔'' درشہوار کے تلخ انداز پر وہ اپنے اندر کی اٹھتی ٹیس کر دبا کر پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

''تم چھوڑو اس ٹاپک کو یہ بتاؤ، کیا کہا ہے ہادی نے تم سے۔۔۔؟'' اس نے فوراً ہی موضوع گفتگو بدلا۔

''موصوف کو مجھ جیسی بولڈ لڑکیاں پسند نہیں، میرا اس سے رابطہ کرنا اسے اری ٹیٹ کرتا ہے۔۔'' وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔

''ہوسکتا ہے وہ کسی اور سے محبت کرتا ہو۔۔۔'' طوبی نے اسکی توجہ دوسری جانب مبذول کروائی۔

''سو واٹ۔۔۔؟'' وہ ابرو چڑھا کر تیکھے لہجے میں بولی۔

''تو کیا کرو گی تم۔۔۔؟''

''گولی ماردوں گی اسے، ویسے بھی جہاں درشہوار آ جائے، وہاں کسی اور کی گنجائش بنتی نہیں ہے۔۔۔'' اس کی سرکشی پر طوبی کو خوف محسوس ہوا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟''

''میری محبت میں کسی پہاڑی چشمے کی طرح بے خوفی اور دلیری ہے اور وہ اپنے راستے خود بنانا جانتی ہے۔'' درشہوار ایک دفعہ پھر بے چینی سے ٹہلنے لگی۔

''تمہیں ڈر نہیں لگتا کسی بھی چیز سے۔۔۔'' طوبیٰ کی تفکر میں ڈوبی ہوئی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''جب پیار کیا تو ڈرنا کیا، جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔۔۔'' وہ بلند آواز میں گنگناتے ہوئے اپنے کمرے کی اس کھڑکی کے پاس آ

گئی تھی جو ہادی کے کمرے کی طرف کھلتی تھی۔

پردہ پیچھے ہٹا کر وہ کہنیاں جما کر تھوڑا جھک کر کھڑی ہو گئی، رات کے اندھیرے میں ہادی کے کمرے میں جلتی لائیٹ کی وجہ سے اندر کا منظر بالکل واضح تھا، وہ اپنے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے سیل فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔

درشہوار نے چونک کر وال کلاک پر ٹائم دیکھا، رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ ہادی کے چہرے پر پھیلی نرم سی مسکراہٹ نے اسے چونکا دیا، رات کے اس پہر انسان خوشگوار موڈ میں کسی سے بات کر سکتا ہے، اس سوال کا جواب وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی، اس لیے اس نے خوفزدہ ہو کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں اور چپ چاپ طوبیٰ کے برابر آ کر لیٹ گئی۔

☆......☆......☆

پچھلے دس دن سے وہاج کی حالت سخت بُری تھی، وہ ہلکی سی آہٹ پر چونک جاتے اور ایک لمحے میں ان کی رنگت متغیر ہو جاتی۔ بے چینی اور خوف ان کے پورے وجود میں لہو کے ساتھ گردش کرنے لگا تھا۔

"آپ کی طبعیت ٹھیک ہے۔۔۔؟" اس دن فارحہ نے گرین ٹی کا کپ ان کو پکڑاتے ہوئے فکر مند انداز میں دیکھا۔

"کیوں، مجھے کیا ہوا ہے۔۔؟" انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے اپنی طرف سے بے ساختگی کا مظاہرہ کیا۔

"کچھ دن سے ٹینشن میں لگ رہے ہیں آپ۔۔" وہ ہلکا سا جھجک کر بولی۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا، تم سے انسانوں کی طرح بات کیا کر لی، تم تو سر پر ہی کھڑے ہو کر ناچنے لگی ہو۔" ان کے لہجے کی غراہٹ پر فارحہ گھبرا سی گئیں۔

"نہیں میرا مطلب تھا کہ کوئی پریشانی والی بات تو نہیں۔۔۔" وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔

"کیوں، میں نے کیا، کیا ہے، جس سے پریشانی لاحق ہو مجھے۔۔۔" وہ خوامخواہ اپنی صفائی دینے لگے۔

"ویسے ہی پوچھ رہی تھی کیونکہ میں میں تو خود بہت اپ سیٹ ہوں صندل کی وجہ سے۔" فارحہ کی بات پر اس کا دل بُری طرح سے دھڑکا۔

"صندل کی وجہ سے۔؟ وہ کیوں۔۔۔" انہوں نے انجان بن کر پوچھا

"میر ہاؤس میں سبھی کہہ رہے تھے کہ وہ نور محل میں آنے کے بعد بہت چینج ہو گئی تھی۔" فارحہ کا لہجہ سادہ تھا لیکن وہاج کا رنگ اڑ گیا۔

"مطلب کیا ہے اس بات سے ان لوگوں کا۔۔۔" وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"یہی بات تو سمجھ نہیں آ رہی مجھے، یہاں تو وہ بالکل ٹھیک تھی۔" فارحہ اپنی پیشانی پر آئی لٹوں کو سنبھالتے ہوئے سادگی سے بولی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے ان لوگوں کا، بھلا یہاں اسے کیا ہونا تھا، میں بات کروں گا داجی سے۔" وہاج کی بات پر وہ بُری طرح گڑبڑا گئی۔

''نہیں، نہیں پلیز ان سے کوئی بھی بات مت کیجئے گا۔۔۔''

''کیوں۔۔۔؟''

''یہ تو گھر کی خواتین کی بات ہے، اور اچھا نہیں لگتا کہ دا جی تک پہنچے، وہ کیا سوچیں گے۔'' فارحہ کی بات پر وہ تھوڑا پرسکون ہوئے۔

''ویسے کیا کہہ رہے ہیں میر ہاؤس والے، کیوں کیا اس نے ایسا۔۔۔؟'' انہوں نے نظریں چرا کر آہستگی سے پوچھا۔

''کسی کو بھی اصل وجہ نہیں معلوم، پتا نہیں کیا چل رہا تھا اس کے ذہن میں۔۔۔''

''چلنا کیا ہے، مجھے تو پہلے دن سے وہ کچھ پاگل سی لگی تھی، کھڑے کھڑے سوچ میں گم ہو جانا، اور الٹے سیدھے کام کرنا۔''

''اچھا، مجھے تو کبھی ایسا نہیں لگا۔۔۔'' اس کا سادہ سا لہجہ، وہاج کو تڑپا گیا۔

''تمہارا کیا مطلب ہے، میں جھوٹ بول رہا ہوں۔۔'' ان کا مزاج برہم ہوا۔

''نن نہیں۔۔۔'' وہ بوکھلا کر اپنے مجازی خدا کا خفا خفا سا چہرہ دیکھنے لگی۔ ''میں تو ویسے ہی بات کر رہی تھی۔۔''

''اب زبان بند کرو اپنی اور لائیٹ آف کرو، سونا ہے مجھے۔۔۔'' وہ اپنے سابقہ اکھڑے ہوئے لہجے میں گویا ہوئے۔

''جی۔۔۔'' فارحہ سستی سے اٹھی اور اس نے جیسے ہی سوئچ آف کیا، پورے کمرے میں تیرگی کا راج ہو گیا، وہاج کا دل گھبرانے لگا۔

''سنو لائیٹ جلا دو۔۔۔'' وہ جو اپنے بیڈ پر آ کر بیٹھی ہی تھی اس نئی فرمائش پر حیران ہوئی۔ ''وہ کیوں۔۔۔؟''

''گھٹن سی محسوس ہو رہی ہے مجھے۔۔۔'' وہ اٹھ کر اپنا سینہ سہلانے لگے، فارحہ نے جلدی سے ساری لائٹیں جلا دیں اور تفکر کے عالم میں ان کا چہرہ دیکھنے لگی، ماتھے پر پسینے کی ننھی بوندیں اس بات کی گواہ تھیں کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں۔

''وہاج آپ ٹھیک تو ہیں ناں۔۔۔''

''ہاں، اور پلیز مجھے گھورنا بند کرو اور چپ کر کے سو جاؤ۔۔۔'' وہ خاصی بدلحاظی سے بولے تو فارحہ خفت کا شکار ہوئی۔

وہاج کی کسی بھی بات سے اختلاف کرنا فارحہ نے بہت سالوں سے چھوڑ دیا تھا اس لیے وہ چپ چاپ لیٹ گئی۔ جب کہ وہاج نے وہ ساری رات بیڈ پر کروٹیں بدلتے ہوئے گذاری تھی اور وہ جانتے تھے کہ ان کی زندگی کا سارا سکون اور چین صندل اپنے ساتھ چرا کر لے گئی تھی۔

☆......☆......☆

جس وقت وہ گھر داخل ہوئی شام کے سرمئی سائے مارگلہ کی پہاڑیوں پر اپنا مسکن بنا چکے تھے۔ دن بھر کی ناکام کوششوں کی تھکن نے اسے کافی حد تک نڈھال کر دیا تھا۔ سامنے ٹینا بیگم انتہائی پژمردہ انداز میں صوفے پر نیم دراز تھیں۔ اسے دیکھتے ہی وہ بجلی کی سی سرعت

سے اٹھیں۔

''کچھ پتا چلا رومی کا۔۔۔'' انہوں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''نہیں۔۔۔''اس کے منہ سے نکلنے والے ایک لفظ نے ٹینا بیگم کے ارمانوں پر مایوسی کی اوس گرا دی۔

''تین دن ہو چکے ہیں، سمجھ نہیں آتی، زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔۔''شہرزاد نے بلند آواز میں تبصرہ کیا۔

''سیفی نے بھی اپنے ذرائع سے پتا کروایا ہے،اس سارے قصے میں جسٹس محمود کی فیملی کا کوئی ہاتھ نہیں۔'' وہ اپنی کنپٹیاں دباتے ہوئے پریشانی سے بولیں۔

''آخر کون لوگ ہو سکتے ہیں وہ۔۔۔؟''

''یہی تو سمجھ نہیں آ رہی۔۔۔'' وہ اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے افسردگی سے گویا ہوئیں۔

''مام، آپ کا کوئی کاروباری حریف تو نہیں۔۔۔؟'' شہرزاد نے بجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ناٹ ایٹ آل، کوئی بھی اتنی چیپ حرکت نہیں کر سکتا۔۔۔''انہوں نے فوراً نفی کی اور ایک دفعہ پھر بے چینی سے ٹہلنے لگیں۔شہر زاد کو دیکھ کر ملازم ایک ٹرے میں کافی کا مگ رکھ کر لے آیا تھا، وہ جانتا تھا کہ چھوٹی بی بی گھر آتے ہی سب سے پہلے کافی پیتی تھیں۔

''سارا دن خواری میں گزر گیا۔۔۔''شہرزاد نے تھکے تھکے انداز میں کافی کا مگ اٹھایا۔

''مسز قریشی کیا کہتی ہیں۔۔۔؟'' انہوں نے خاصی بے بسی اور لاچاری سے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا۔جس سے اب انہیں بہت امیدیں وابستہ تھیں۔

''یہی کہ ہمیں ایف آئی آر کٹوانے کے بعد کچھ دیر انتظار کرنا چاہیے۔۔۔''

وہ قدرے اکتائے ہوئے انداز میں بولی، رومیصہ کے اغوا نے اسکی زندگی کے سارے شیڈول کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا، پچھلے تین دن سے وہ پولیس اسٹیشن، کورٹ اور مختلف جگہوں پر وزٹ کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اس ریسٹورنٹ میں بھی ہو آئی تھی، جس کے قریب رومی کی گاڑی ملی تھی۔

''بیگم صاحبہ، سیف الرحمٰن صاحب آئے ہیں۔۔۔'' ملازم کی اطلاع پر وہ دونوں چونکیں۔

''انہیں ڈرائینگ روم میں بیٹھاؤ، آ رہی ہوں میں۔۔۔'' وہ اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھتے ہوئے رکیں۔''تم ملو گی ان سے۔۔۔؟''

''نہیں، تھوڑا کام ہے مجھے۔۔۔''شہرزاد نے نظریں چرا کر جواب دیا۔

''اوکے، میں ذرا حلیہ ٹھیک کر آؤں۔۔۔'' وہ اپنے بیڈروم کی طرف چلی گئیں۔

شہرزاد کا دل دکھ کے گہرے احساس سے بھر گیا، اس کا تعلق اس کلاس سے تھا، جہاں کسی کی اچانک مرگ پر بھی لوگ مکمل تیاری کے ساتھ جاتے تھے لیکن وہ پچھلے تین دن سے ایک ہی جینز میں گھوم رہی تھی، اور دو دفعہ ٹینا بیگم سے ڈانٹ کھا کر بس شرٹس چینج کر لیتی ، لیکن اس کا دل کسی بھی چیز کے لیے آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ رومیصہ کے ساتھ ہونے والے اس سانحے نے اسے اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا۔

وہ بوجھل قدموں سے چلتے ہوئے اپنے روم میں آ گئی، اسکا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ پین کلر لینے کے بعد اس نے ہم زاد کا سیل نمبر ڈائل کیا، دوسری طرف پہلی ہی بیل پر کال اٹینڈ کر لی گئی تھی۔

''کیسی ہو۔۔؟'' وہ شاید اپنے آفس میں تھا، کیونکہ دوسری طرف اس کے پی ٹی سی ایل فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ ایک دفعہ اس نے شہرزاد کو ہولڈ کروا کر کال اٹینڈ کی تو اس کی ساری حسیں بیدار ہو گئیں۔

''آپ کرنل فواد سے بات کریں، اور پھر فوراً رپورٹ کریں مجھے۔'' اس نے مختصر ابات کر کے فون بند کیا۔

''پاک آرمی سے تعلق ہے آپ کا۔۔؟'' اس کے مشکوک انداز پر وہ قہقہ لگا کر ہنسا۔

''منسٹری آف ڈیفنس سے بھی تو ہو سکتا ہے۔۔'' اس نے مسکرا کر لقمہ دیا۔

''جس بھی ڈیپارٹمنٹ سے ہے، سورسز کافی رکھتے ہیں آپ۔۔''

''سب اللہ کی مہربانی ہے۔۔۔'' اس نے کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے بات بدلی، ''آپ بتائیں کیسی ہیں۔؟''

''تھک گئی ہوں بہت زیادہ۔۔'' اس نے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

''ایک اہم نیوز ہے میرے پاس، جو آپ کی ساری تھکن ختم کر دے گی۔۔'' اسکی بات پر وہ فوراً الرٹ ہوئی۔ ''کیسی نیوز۔۔؟''

''رومیصہ کی آخری دن کی فون کالز کی ڈیٹیل مل گئی ہے مجھے۔۔۔''

''رئیلی۔۔۔؟'' شہرزاد کے اعصاب تن گئے۔

''کچھ پتا چلا ان سے۔۔'' اس نے بے تحاشا دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ بے تابی سے پوچھا۔

''ہاں، کافی حد تک۔۔۔'' دوسری طرف وہ پھر پی ٹی سی ایل پر آنے والی کال کی طرف متوجہ ہو گیا، شہرزاد دل ہی دل میں جھنجھلا اٹھی۔

''آپ میرے آفس سے میرا پاسپورٹ اٹھا لیں، اور دو دن کے اندر اندر میرا ویزہ لگنا چاہیے۔'' وہ ذہنی طور پر اتنی زیادہ الجھی ہوئی تھی کہ اس سے پوچھ ہی نہیں پائی کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

''ہاں تو میں کیا بات کر رہا تھا۔۔'' وہ دوبارا سے شہرزاد کی طرف متوجہ ہوا۔

''آپ یا تو اپنی کالز اٹینڈ کر لیں یا مجھ سے بات کر لیں۔۔'' وہ اس کے بُری طرح سے چڑنے پر مسکرایا۔

''سوری، اب ایسا نہیں ہو گا۔۔'' اس نے فوراً معذرت کی۔

''کیا پتا چلا ہے اس ڈیٹیل سے۔۔۔''اس نے گہرا سانس لے کر دوبارا پوچھا۔

''رومیصہ نے لاسٹ کال جس نمبر پر کی تھی، وہ بریگیڈئیر وقار درانی کے بیٹے کے نام سے رجسٹرڈ ہے۔۔''

''اوہ مائی گاڈ۔۔۔'' وہ بے چین ہوئی۔

''لیکن ان کا وہ بیٹا، پچھلے دوسال سے امریکہ میں ہے اور میرا خیال ہے وہ سم ان کی بیٹی کنزہ استعمال کر رہی تھی جو رومیصہ کی فرینڈ ہے۔''ہم زاد کے اس انکشاف نے شہرزاد کے دل ودماغ میں ہلچل سی مچا دی۔

''اس کا مطلب ہے، اس نے آخری دفعہ کنزہ سے بات کی تھی۔۔۔''شہرزاد نے فوراً درست اندازہ لگایا۔

''ہاں ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔۔۔۔''

''میرا خیال ہے مجھے آج ہی کنزہ سے ملنا چاہیے۔۔۔''وہ پرجوش ہوئی۔

''نہیں، آپ ڈاریکٹ ان کے پاس نہیں جائیں گی۔۔۔'' وہ اسکی بات پر چونک گئی۔''کیا مطلب۔۔۔؟''

''آپ کے اس طرح جانے سے اسکی فیملی پہلے سے الرٹ ہوکر کوئی نہ کوئی چور راستہ تلاش کر لے گی۔''اس کی بات شہرزاد کے دل کو لگی۔

''میرا خیال ہے مجھے اے ایس پی ارتضی حیدر سے اس سلسلے میں بات کرنی چاہیے۔'' اس نے جھٹ سے متبادل راستہ نکالا، ارتضی حیدر، مسز قریشی کا اسٹوڈنٹ رہا تھا اور اس حوالے سے وہ ان کی کافی ریسپیکٹ کرتا تھا، وہ مسز قریشی کے ریفرنس سے اس سے ملی تھی اور پہلی ہی ملاقات میں وہ ارتضی پر خاصے گہرے اثرات چھوڑ آئی تھی، جس کی وجہ سے وہ ہر دوسرے دن اس کے آفس میں پہنچا ہوا ہوتا تھا۔

''ہاں یہ بہتر رہے گا۔۔۔'' ہم زاد نے فوراً ہی اس کی تائید کی۔

''تھینک یو، تھینک یو سوچ، اگر آپ مجھے اپنا رئیل نیم بتا دیتے تو آپکا تھینکس ادا کرنے میں آسانی ہوتی مجھے۔''

''کہا ناں، میں آپ کا ہم زاد ہوں اور ہم زاد کو کوئی نام نہیں ہوتا۔۔''اس نے شہرزاد کو صاف ٹالا تھا۔

''یہ نمبر آپ کا اپنا ہے۔۔۔''رومیصہ کی طرف سے تھوڑا ریلیکس ہونے کے بعد اس کا ذہن دوسری طرف چلنے لگا۔

''جی بالکل، لیکن میرے نام پر نہیں ہے، بلکہ جس کے نام پر ہوگا، وہ بیچارہ تو شاید مجھے جانتا بھی نہیں ہوگا۔''اس کی بات پر شہرزاد طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ وہ اس کی توقع کے عین مطابق بڑی ذہانت سے آگے بڑھ رہا تھا۔

''ہاں میں بھی حیران تھی کہ اپنی شناخت چھپانے والا بندہ کیسے اپنے اصل نام والے نمبر سے مجھے کال کر سکتا ہے۔۔''اس کے طنز پر ایک بڑی جاندار سی مسکراہٹ ہم زاد کے چہرے پر پھیلی۔

''فی الحال اپنی شناخت کو چھپانا، میری مجبوری ہے، لیکن میرا وعدہ ہے کہ جب بھی ہم فیس ٹو فیس ملیں گے تو میں سب کچھ بتا دوں

گا۔'' اس نے اپنی طرف سے اسے یقین دہانی کروانے کی کوشش کی۔

''آپ کو یہ خوش فہمی کیسے ہوگئی کہ میں آپ سے ملوں گی۔۔۔؟'' شہرزاد کو اس کے ساتھ بحث میں لطف آنے لگا۔

''مجھے خوش فہمی نہیں پورا یقین ہے خود پر۔۔'' وہ زیر لب مسکرایا۔

''اس یقین کی وجہ پوچھ سکتی ہوں۔۔۔''

''وہ محبت جو میں گذشتہ کئی سالوں سے تم سے کر رہا ہوں، اور اسی چاہت کے بھروسے پر میں نے ہجر کے اتنے سال تنہا کاٹ دیئے تو کیا اللہ میری اتنے سال کی ریاضتوں کا مجھے کوئی صلہ نہیں دے گا۔'' اس کے لہجے کی سچائی نے شہرزاد کو گنگ کر دیا۔

اس نے گھبرا کر کال کاٹ دی اور اسے اپنے حواس بحال کرنے میں پورے پانچ منٹ لگے تھے۔

ٹھیک پانچ منٹ کے بعد وہ اے ایس پی ارتضٰی حیدر کا نمبر ملا کر اسے ساری تفصیل بتا رہی تھی۔ اسے اب اپنی تمام تر صلاحیتیں اور قوتیں رومیصہ کو واپس لانے میں صرف کرنی تھیں۔ اس سے پہلے وہ اپنی ذات کے بارے میں کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

''یہ پنک ڈریس کیسا ہے۔؟ کل یونیورسٹی پہن جاؤں۔؟'' انابیہ نے اپنی واڈروب کھول کر ایک اسٹائلش سا سوٹ نکالا اور ہینگر سمیت طوبیٰ کی طرف لے آئی جو نا سمجھی کے عالم میں اس کی شکل دیکھے جا رہی تھی۔

''ہوں۔۔۔کیا کہہ رہی ہو۔۔؟'' وہ بُری طرح چونکی تو انابیہ نے ہاتھ میں پکڑا ہینگر غصّے سے بیڈ پر اچھالا۔

''تمہارے ساتھ پرابلم کیا ہے طوبیٰ، ہر وقت چہرے پر بارہ بجائے اللہ جانے کن سوچوں میں گم رہتی ہو، آخر چل کیا رہا ہے تمہارے دماغ میں۔'' انابیہ کے چہرے پر جھنجھلاہٹ عیاں تھی۔ طوبیٰ ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''پتا ہے مجھے، کل کیمپس میں پہلا دن ہے آپ کا، اسی لیے اتنی زیادہ کونشس ہو رہی ہیں۔'' اس نے فوراً بات سنبھالی۔

''میرا کل برہان کے ساتھ یونیورسٹی میں پہلا دن ہے اور جب سب کو پتا چلے گا کہ میں انکی منکوحہ ہوں تو سوچو کتنا وی آئی پی پروٹوکول ملے گا مجھے اپنی کلاس میں۔'' انابیہ خود سے ہی سوچ سوچ کر خاصی پر جوش تھی۔

''اچھا، تو اس لیے اس یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہے آپ نے۔۔۔'' طوبی نے زبردستی مسکرا کر کہا۔

''ظاہر ہے، میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں ان کے نام سے جانی جاؤں، آفٹر آل نکاح ہو چکا ہے ہمارا۔'' وہ اشتیاق سے بولی، اسکی آنکھوں میں اس وقت اتنی چمک تھی کہ طوبیٰ نے دل ہی دل میں اسے نظر نہ لگنے کی دعا کی۔

''پھر تو سب آپ کے آگے پیچھے پھریں گے۔۔۔'' طوبیٰ نے زبردستی اپنا ذہن اسکی طرف لگایا۔

''میں تو کسی کو بھی خاص لفٹ نہیں کرواوں گی اور فری پریڈ میں برہان کے آفس میں بیٹھ کر انکے ساتھ کافی پیا کروں گی۔۔۔'' وہ

مسکراتے ہوئے اسے اپنے مستقبل کے ارادوں سے آگاہ کر رہی تھی، اور طوبیٰ چاہ کر بھی اسے نہیں کہہ سکی کہ برہان نے ایک گھر میں رہتے ہوئے اسے کبھی اپنے کمرے میں گھسنے نہیں دیا، وہ اسے آفس میں کہاں ڈیرہ ڈالنے دیں گے لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہی۔

اگلی صبح انابیہ وقت سے کافی پہلے نک سک سے تیار ہو کر لاؤنج میں موجود تھی، تاجدار بیگم جو کہ اپنے میاں کے لیے بیڈ ٹی لینے کچن کی طرف جا رہی تھیں انہوں نے خوشگوار حیرت سے اسکی طرف دیکھا۔

"السلام علیکم تائی اماں۔۔" وہ مسکرا کر کھڑی ہوئی۔

"برہان کے ساتھ یونیورسٹی جا رہی ہو کیا۔۔" ان کی آنکھوں میں بڑا نرم سا تاثر ابھرا۔ وہ برہان کے حوالے سے ہمیشہ اسے خاص اہمیت دیتی تھیں، ان کے محبت بھرے لہجے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"چلو اللہ کامیاب کرے، ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔۔" انہوں نے کھلے دل سے سراہا اور اپنا لیپ ٹاپ اٹھائے عجلت بھرے انداز میں باہر آتے برہان نے ناگواری سے اسکی طرف دیکھا۔

"یہ اتنا ہار سنگھار کر کے کیمپس جانے کی کیا ضرورت ہے۔۔" ان کے طنزیہ لہجے پر انابیہ کے دل پر گھونسہ پڑا۔

"یہ جو بازو بھر بھر کر چوڑیاں پہنی ہیں، اتار کر آؤ انہیں۔۔" برہان نے اپنی ماں کے سامنے ہی اس کی طبعیت صاف کی۔ اسکی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اس نے شکایتی نظروں سے تائی اماں کی طرف دیکھا، جو اپنے بیٹے کے اس رویئے پر خود بھی ہکا بکا تھیں۔

"بیٹا، چوڑیاں تو سہاگ کی علامت ہوتی ہیں، پہنے دو اسے، اللہ سلامت رکھے تمہیں۔۔" انہوں نے فوراً اس کی سائیڈ لی۔

"وہاں پڑھنے جا رہی ہیں محترمہ، کسی فلم کی شوٹنگ کروانے نہیں۔۔ ان کی آواز میں جھلاہٹ نمایاں تھی۔

انابیہ نے وہیں کھڑے کھڑے چوڑیاں اتار کر سائیڈ میز پر رکھیں، تائی اماں نے تاسف بھری نگاہوں سے اس کے اداس چہرے کی طرف دیکھا، انہیں خود بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن برہان یہ حکم صادر کر کے خود باہر نکل کر جا چکا تھا۔

"بے وقوف ہے یہ لڑکا، پی ایچ ڈی نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے، تم اپنا دل چھوٹا نہ کرو، گھر آ کر پہن لینا۔" تاجدار بیگم نے اس کی دلجوئی کی تو وہ بمشکل مسکرا کر اپنی فائل اٹھا کر باہر چلی گئی۔

وہ پورچ میں خاقان علی کے ساتھ کھڑا کوئی بات کر رہا تھا۔ صندل والے واقعے کے بعد خاقان علی مستقل مری میں ہی تھے اور ان کی موجودگی میں ندرت بیگم اور شارقہ بیگم کے درمیان مقابلے کی ایک نئی دوڑ لگ جاتی۔ جو سب گھر والوں کو بیزار کر دیتی تھی۔

"السلام علیکم بابا۔۔۔"

اس نے پاس جا کر آہستگی سے انہیں سلام کیا، حلق میں آنسوؤں کے گولے پھنس رہے تھے۔ انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم کہاں جا رہی ہو صبح صبح۔۔؟" انہوں نے سلام کا جواب دیئے بغیر بیزاری سے استفسار کیا۔

''یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہے اس نے اور میرے ساتھ جائے گی۔۔'' برہان نے اسکی مشکل آسان کی۔

''اچھا، ٹھیک ہے۔۔'' ان کا سپاٹ انداز انابیہ کو مزید افسردہ کر گیا۔ وہ اسی طرح کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی۔

دس منٹ کی گفتگو کے بعد برہان گاڑی میں آن بیٹھے، اور سرونٹ کوارٹر سے ڈرائیور بھی فوراً نکل کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا، انابیہ کو مایوسی ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ برہان خود ڈرائیو کریں گے اور وہ ان کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھے گی، لیکن آج کے دن کی ابتداء ہی خاصی غلط ہوئی تھی۔

مری سے اسلام آباد کے سفر میں وہ بالکل خاموش بیٹھے اپنی ٹیب پر کوئی کتاب کھولے پڑھتے رہے تھے، ڈرائیور نے گاڑی پارکنگ میں جا کر روکی تو وہ ان کے پیچھے، گاڑی سے نیچے اتر آئی۔

''تم ڈیپارٹمنٹ میں کسی کو بھی اپنے نکاح کے بارے میں نہیں بتاؤ گی، او کے۔۔'' ان کے انتہائی سنجیدہ انداز پر اسے دھچکہ لگا۔

''وہ کیوں۔۔؟'' اس نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا۔

''جس کام کے لیے آئی ہو یہاں، بس اسی پر اپنی توجہ مرکوز رکھو اور زیادہ سوشل ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔'' انہوں نے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اگلا حکم صادر کیا۔

''جی۔۔'' وہ آہستگی اور رسانیت سے گویا ہوئی، اسے آج ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے اگلے دن یونیورسٹی میں کیسے گذرنے والے تھے۔

وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ رہے تھے اور انابیہ کو ان کا ساتھ دینے کے لیے باقاعدہ تیز تیز چلنا پڑ رہا تھا، لیکن وہ پھر بھی اس سے کچھ قدم آگے تھے۔

''ہیلو ہانی، کیسے ہیں آپ۔؟ آج کچھ لیٹ نہیں ہو گئے۔۔'' وہ ہوا کے تیز جھونکے کی مانند اڑتی ہوئی ان کے پاس پہنچی، بلیک جینز پر وائٹ کرتا پہنے، پیروں میں سیاہ رنگ کے بند شوز تھے، وہ خاصی دراز قد تھی اور اس کے گھنگھریلے بال ایک پونی کی صورت میں ربڑ بینڈ میں بندھے ہوئے تھے۔

''ہاں یار، راستے میں دیر ہو گئی، حالانکہ ارادہ تھا کہ پہلے پہنچ کر ایک ٹاپک ڈسکس کر لوں گا تم سے۔'' وہ گھنی مونچھوں کے نیچے مسکرائے۔ انابیہ نے چونک کر ان کی شکل دیکھی، ایسی مسکراہٹ کم از کم میر ہاؤس کے مکینوں کو کبھی دیکھنا نصیب نہیں ہوئی تھی۔

''ہو از شی۔۔؟'' اس لڑکی نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ اسکی طرف دیکھا۔ وہ لاشعوری طور پر ان کے بالکل برابر آن کھڑی ہوئی۔

''میٹ مائی فرسٹ کزن انابیہ خاقان۔۔'' برہان کے ان الفاظ نے اس کی ڈوبتی ہوئی نبض کو زندگی بخشی۔

''اوہ آئی سی۔۔۔نائس ٹو میٹ یو۔۔۔'' اس نے ایک دلکش مسکراہٹ اسکی طرف اچھالی اور پھر دوبارا برہان کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''آئی تھنک، ہمیں اپنا ٹائم ویسٹ نہیں کرنا چاہیے، آپکے آفس میں چلیں یا لائبریری۔؟''

''لائبریری، وہاں سے ریفرنس بکس آسانی سے مل جائیں گی۔۔'' برہان نے مسکرا کر جواب دیا اور پھر انابیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

''سامنے ڈیپارٹمنٹ ہے تمہارا، وہاں چلی جاؤ، نوٹس بورڈ پر ٹائم ٹیبل لگا ہوگا، اسے نوٹ کر کے کلاسز لو اپنی، اور آخری کلاس کے بعد کال کر لینا مجھے۔'' وہ جلدی جلدی اسے ہدایات دے کر اس لڑکی کے ساتھ مخالف سمت کو روانہ ہو گئے۔

انابیہ کو یوں لگا جیسے کوئی تیز رفتار ٹرین اس کے پرخچے اڑاتی ہوئی اس کے اوپر سے گذر گئی ہو۔اس کی روح میں ایک ایسا سناٹا اتر آیا تھا جس میں اسے اپنی خواہشیں بین کرتی ہوئی صاف سنائی دے رہی تھیں۔

☆......☆......☆

''تمہیں ضرورت کیا تھی آخر، تایا ابا کی گاڑی لانے کی۔۔۔''

طوبیٰ اور درشہوار دونوں سڑک پر موجود تھیں، درشہوار کے شیطانی دماغ میں روز نئی نئی چیزیں ہی چلتی تھیں، جس کا خمیازہ ان سب کو باجماعت ہی بھگتنا پڑتا تھا۔رات ہی سے اس نے ضد لگا رکھی تھی کہ وہ آستانہ مرادشاہ پر حاضری دے کر آئے گی۔جوان کے گھر سے اچھے خاصے فاصلے پر تھا، جس کا حل درشہوار نے یہ نکالا کہ وہ میر محتشم کی گاڑی نکال لائے گی، جو پارلیمنٹ کا اجلاس اٹینڈ کرنے داجی کے ساتھ اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔

آستانہ مرادشاہ سے پورے دو کلومیٹر کے فاصلے پر جا کر ان کی گاڑی اچانک رک گئی، اور کافی زیادہ ہاتھ پیر مارنے کے بعد بھی اس نے چلنے سے انکار کر دیا تو وہ دونوں گھبرا کر باہر نکل آئیں۔

گرمیوں کا آغاز ہو چکا تھا اور مری کی پہاڑیوں پر آج تیز دھوپ نے بسیرا کر رکھا تھا۔جس کے نتیجے میں وہ دونوں چند منٹوں میں ہی پسینے سے شرابور ہو گئیں۔

''اب آسمان سے غیبی مدد کے انتظار میں ہو کیا۔۔۔؟'' طوبیٰ نے اپنے بیگ سے سن گلاسز نکالے اور غصّے سے اسے گھورا۔

''وہ کمینہ ہمسایہ بھی دُور دُور تک کہیں نظر نہیں آ رہا۔۔۔'' اس نے خفت زدہ مسکراہٹ کے ساتھ دائیں بائیں دیکھا۔جیسے ہمیشہ کی طرح ہادی کہیں نہ کہیں سے نکل کر سامنے آ جائے گا۔

''ہاں ہمارے باپ کا نوکر ہے ناں وہ، جو ہر جگہ ہماری مدد کرنا فرض ہے اسکا۔'' طوبیٰ نے چڑ کر جواب دیا۔

''میرو بھیا کو فون کرتی ہوں۔۔۔' درشہوار نے نہ صرف سیل فون نکالا اور بلکہ اس کا نمبر ملا کر ساری داستان بھی سنا دی تھی، اور اب خاموشی سے دوسری جانب سے اس کی جھاڑ سن رہی تھی۔

''کروالی اپنی ٹیوننگ ۔۔''اس نے جیسے ہی فون بند کیا، طوبیٰ نے ہنس کر اسے چھیڑا۔

''کون سا پہلی دفعہ کروائی ہے۔۔'' اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

پورے بیس منٹ کے بعد وہ آرمی ہی کی جیپ میں اڑتا ہوا اپنے ایک فرینڈ کے ساتھ وہاں پہنچا تھا۔ اسے دیکھ کر درشہوار کی باچھیں کھل سی گئیں۔

''ویسے ایک بات ہے آرمی کے یونیفارم میں میرا بھائی لگتا پرنس ہے۔۔۔''اس نے اترا کر اپنی رائے کا اظہار کیا، طوبیٰ نے بھی چونک کر اسکی طرف دیکھا۔

وہ واقعی بڑا ہینڈسم لگ رہا تھا لیکن اس وقت اسکے چہرے پر حد درجہ ناراضی اور بیزاری تھی۔ جس کی وجہ طوبیٰ اچھی طرح جانتی تھی۔ اس دن والے واقعے کے بعد ان دونوں کی بات چیت بالکل بند تھی، بلکہ شاہ میر جہاں اسے دیکھتا، کترا کر گذر جاتا۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا، کچھ اندازہ ہے کہ میس کا ٹائم تھا ہمارا اور صرف آدھے گھنٹے کی چھٹی لے کر آیا ہوں اپنے ٹو آئی سی سے۔''

وہ جیپ سے اترتے ہی درشہوار پر برس پڑا اس نے طوبیٰ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، جبکہ وہ خود بھی تھوڑا سائیڈ پر ہو کر کھڑی ہو گئی۔

''تو اور کس کو فون کرتی، برہان لالہ اور ارسل تو اسلام آباد گئے ہوئے ہیں اور پیچھے رہ گئے تھے آپ۔۔''اس نے شاہانہ انداز میں جاب دیا۔

''ہاں میری تو ساری یونٹ ہی مری میں تمہاری خدمت کے لیے ٹرانسفر ہو کر آئی ہے۔''

اس نے طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے گاڑی کا جائزہ لیا اور دو ہی منٹ کے بعد سخت جھنجھلایا ہوا نیچے اتر آیا۔

''جس طرح تمہیں اپنی زبان چلانے کے لیے انرجی کی ضرورت ہوتی ہے ناں اسی طرح گاڑی کو بھی چلنے کے لیے فیول کی ضرورت ہوتی ہے، آنکھیں بند تھیں. کیا تمہاری، جو ریزرو پر سوئی پر نظر نہیں پڑی تمہاری۔'' اس کی جھاڑ پر وہ دونوں ایکدم شرمندہ ہوئیں۔

''گاڑی میں نہیں، طوبیٰ چلا رہی تھی۔۔۔''درشہوار صاف مکر گئی۔

شاہ میر نے خفگی سے بھرپور ایک نظر طوبیٰ پر ڈالی، جو درشہوار کے اس سفید جھوٹ پر ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے کولیگ کو نیچے اترنے کا اشارہ کیا اور اسکے پاس جا کر کچھ ضروری انسٹرکشن دیں۔

''بیٹھو، میری جیپ میں۔۔۔''

شاہ میر ان دونوں کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، درشہوار چھلانگ مار کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ شاہ میر کا ایک دم دماغ گھوم گیا۔

''پیچھے جاؤ، تمہارے ابا کی گاڑی نہیں ہے یہ۔۔''اس کے طنزیہ لہجے پر وہ ڈھٹائی سے مسکرائی اور طوبیٰ کے ساتھ پچھلی سیٹ پر

بیٹھ گئی۔

''ویسے پاک آرمی کی گاڑی میں بیٹھنے کا اپنا ہی سواد ہے۔ بندہ خود کو بڑا وی آئی پی محسوس کرنے لگتا ہے۔'' اس نے طوبی کے کان میں سرگوشی کی جو شاہ میر نے گاڑی چلاتے ہوئے صاف سنی تھی۔

''میرے کسی سنئیر نے دیکھ لیا تو کتنے سنگین نتائج بھگتنے پڑ سکتے ہیں اس چیز کا اندازہ نہیں ہے تمہیں۔۔''اس کا مزاج ہنوز برہم تھا۔ وہ جیپ تقریباً اڑاتا ہوا گھر تک پہنچا اور ان دونوں کو گیٹ پر پہنچتے ہی نیچے اترنے کا اشارہ کیا، اسی سڑک پر سامنے سے ہادی کی گاڑی آرہی تھی، درشہوار کے دل کی دھڑکنوں نے بغاوت کر دی۔

ہادی نے سرسری نگاہ سے ان دونوں کو جیپ سے نیچے اترتے دیکھا۔ درشہوار کنکھیوں سے اسکی طرف دیکھ رہی تھی۔ جس کی گاڑی اسکے گھر کے اندر داخل ہو چکی تھی۔

''جا چکا ہے وہ، اب تم بھی اپنے گھر تشریف لے جاؤ۔۔'' طوبیٰ نے طنزیہ انداز میں اسکی آنکھوں کے آگے اپنا ہاتھ لہرایا۔

''اوہ۔۔۔سوری۔۔۔''اس نے ہڑبڑا کر دیکھا، شاہ میر اور ہادی دونوں ہی وہاں سے جا چکے تھے۔

''ویسے ایک بات تو طے ہے درشہوار۔۔'' طوبی کے لہجے کی سنگینی سے اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ اس کی بے عزتی مزید خراب کرنے والی ہے۔

''دیکھو، کوئی ایسی ویسی بات مت کرنا، میرا دل پہلے ہی بڑا ٹوٹا ہوا ہے۔''اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

''تاریخ گواہ ہے کہ تم پر جب جب بھی کوئی مصیبت آئی تم نے ہمیشہ کمینگی کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا سارا مدعا میرے سر ڈالا۔'' طوبیٰ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے انتہائی رکھائی سے کہا۔

''نہیں، صرف میرو بھیا کے سامنے۔۔۔'' وہ شرارت سے ہنس کر مزید بولی۔

''وہ بھی اس لیے کہ مجھے معلوم ہے وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے، دیکھا نہیں گاڑی والی بات پر بھی کیسے چپ کر گئے تھے، جب میں نے کہا کہ وہ تم چلا رہیں تھیں۔۔۔''وہ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار ایک دفعہ پھر قہقہہ لگا کر ہنسی لیکن اس دفعہ اس کا آدھا قہقہہ حلق میں ہی دم توڑ گیا۔

اس نے کہنی مار کر طوبی کی توجہ ہادی کے صحن کی طرف مبذول کروائی، جہاں ایک انہی کی ہم عمر خوبصورت اور نازک سی لڑکی، ٹہلتے ہوئے سیل فون پر بات کر رہی تھی۔ درشہوار کے چہرے پر الجھن کے تاثرات نمودار ہوئے۔

''کون ہو سکتی ہے یہ۔۔۔؟''

''شاید بہن ہو اس کی۔۔۔'' طوبی نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''نہیں، اکلوتا ہے یہ۔۔۔''اسکی زبان پھسلی تو طوبی نے گھور کر اسکی طرف دیکھا، ''تمہیں کس نے بتایا ہے یہ۔۔۔؟''

''ارسل سے پوچھا تھا باتوں باتوں میں۔۔۔'' درشہوار نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اب جا کر اسی سے ڈاریکٹ پوچھ لو، کہ یہ حسینہ کون ہے۔۔۔'' طوبیٰ منہ بناتے ہوئے اندر کی طرف چل دی۔

جب کہ درشہوار کا سارا سکون غارت ہو چکا تھا۔ وہ سخت گرمی میں درخت کے نیچے کرسی رکھ کر بیٹھ گئی، بظاہر اسکی توجہ اپنے سیل فون کی اسکرین کی طرف تھی لیکن کنکھیوں سے وہ اس لڑکی حرکات وسکنات کا بڑے غور سے جائزہ لیتے ہوئے دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

''یقین مانو، منو تمہیں اس گھر میں دیکھ کر دلی خوشی ہو رہی ہے مجھے۔۔۔''

ہادی ایک ٹرے میں ہارڈیز کے برگر، فرنچ فرائز اور دو کولڈ ڈرنکس رکھے لان میں چلا آیا، فضاؤں میں موجود گھٹن کا احساس کافی کم ہو گیا تھا اور دیکھتے دیکھتے آسمان نیلے رنگ کی بدلیوں سے بھر گیا اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔۔

''بڑے حسین نظارے ہیں اردگرد کے۔۔۔'' مناہل نے شرارتی انداز میں آنکھ دبا کر ساتھ والے لان میں بیزار بیٹھی درشہوار کی طرف اشارہ کیا۔

''اس کی شکل کی معصومیت پر مت جانا۔ پورا تخریبی گینگ ہے اس کا۔۔'' ہادی جی بھر کر بدمزا ہوا۔

''خیر ہے، بڑی معلومات حاصل کر رکھی ہیں۔۔۔'' اس نے فرنچ فرائز کی پوری پلیٹ اٹھا کر اپنی گود میں رکھی، وہ دونوں لان چئیر پر بیٹھ چکے تھے۔ دوسری طرف درشہوار نے کسی کا نمبر ملا کر وہیں ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔

''تم چھوڑو اس کو، یہ بتاؤ، اچانک کیسے پلان بن گیا تمہارا۔'' ہادی نے فوراً بات پلٹی۔

''پی سی میں ایک سیمینار تھا ہمارا، وہی اٹینڈ کر کے فری ہوئی تھی کہ ممانی کی کال آ گئی کہ میرے صاحبزادے کے درشن کر کے آنا، یہاں آ کر پتا چلا کہ تمہارا کیوں دل نہیں کرتا گھر آنے کو۔'' وہ بے تکلفی سے اسے چھیڑ رہی تھی۔

''کیسا چل رہا ہے تمہارا ایم ایس کا تھیسس۔۔۔۔؟'' اس نے بڑی خوبصورتی سے موضوع بدلا۔

''اسی کے سلسلے میں خواری ہو رہی ہے، اچھا جی پی اے بن جائے تو پی ایچ ڈی میں ایڈمیشن لے لوں گی فوراً۔'' مناہل نے اپنے ارادوں سے آگاہ کیا اسے۔

''ہاں ساری زندگی کتابوں میں ہی گذار دینا۔۔۔'' ہادی نے منہ بنایا۔

''تو اور کیا کروں۔۔۔۔۔؟'' وہ ہنسی۔۔۔

''شادی۔۔۔'' ہادی نے بے تکلفی سے مشورہ دیا، ویسے بھی ان دونوں کے درمیان اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ تھی۔

''سمجھو ففٹی پرسنٹ کام ہو گیا ہے۔۔۔'' مناہل نے شرارتی لہجے میں اسے اطلاع دی۔

''وہ کیسے بھئی۔۔۔؟'' ہادی خوشگوار حیرت کا شکار ہوا۔

''میں راضی ہوں، اگلے بندے کو منانا ہے۔۔۔'' اسکی شرارت پر وہ قہقہ لگا کر ہنسا اور درشہوار نے کھا جانے والی نظروں سے اسکی طرف دیکھا، دونوں کے چہروں پر موجود مسکراہٹ سے وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ ان کے درمیان خاصی خوشگوار بات چیت چل رہی ہے۔

''شرم کرو، بھائی کے سامنے ایسی باتیں کررہی ہو۔۔'' ہادی نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔

''جی نہیں بھائی وائی نہیں، دوست ہو تم میرے بلکہ، ماموں زاد کزن۔۔'' مناہل صاف مکر گئی۔

''پھر ٹھیک ہے۔۔۔'' وہ بھی جلدی متفق ہو گیا۔

''بھئی ہادی، بہت ٹائم ہو گیا، ڈرائیور آتا ہو گا مجھے لینے، میں ذرا اپنی چیزیں اٹھا لوں اندر سے۔۔۔'' مناہل رسٹ واچ دیکھتے ہوئے فوراً عجلت بھرے انداز میں کھڑی ہوئی۔

''کسی دن آؤ ناں ماما کے ساتھ ویک اینڈ پر۔۔'' وہ دونوں مسکراتے ہوئے اندر کی طرف چل دیئے تھے اور درشہوار کا موڈ ٹھیک ٹھاک خراب ہو چکا تھا وہ پاؤں پٹختی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی۔ اسے اب ہادی کو ایک دفعہ پھر مزا چکھانا تھا۔

☆......☆......☆

شہرزاد کی زندگی ایک عجیب سے موڑ میں داخل ہو چکی تھی۔

رومیصہ والے واقعے نے اسکی اور ٹینا بیگم کی راتوں کی نیندیں حرام کررکھی تھیں۔ اس شام بھی اے ایس پی ارتضی حیدر ان کے ڈرائینگ روم میں موجود تھے، وہ ایک ینگ، انرجیٹک اور ڈیشنگ پرسنالٹی کا حامل پولیس آفیسر تھا، اور سی ایس ایس کے بعد اسکی پہلی پوسٹنگ اسلام آباد میں ہوئی تھی۔

ٹینا بیگم ملازمہ کے ساتھ ڈرائینگ روم میں داخل ہوئیں اور انہوں نے توصیفی نگاہوں سے سامنے بیٹھے پولیس آفیسر کو دیکھا، یہ لڑکا انہیں پہلی نظر میں ہی شہرزاد کے ساتھ اچھا لگا تھا، لیکن ان دونوں وہ خود بھی ذہنی طور پر اتنی الجھی ہوئیں تھیں کہ شہرزاد سے اس کے متعلق تفصیلا بات نہیں کر سکیں۔۔

''مجھے ایٹی پرسنٹ یقین ہے کہ اس واقعے کے پیچھے بریگیڈیئر وقار کی بیٹی کنزہ کا کوئی نہ کوئی ہاتھ ضرور ہے یا پھر کم از کم وہ اتنا ضرور جانتی ہے کہ رومیصہ کو کڈنیپ کرنے والے لوگ کون ہیں۔۔۔'' ارتضی کی اس بات نے دونوں ماں بیٹی کو بے چین کر دیا۔

''آپ کیسے کہہ سکتے ہیں یہ بات۔۔۔؟'' ٹینا بیگم ہلکی سی بے چین ہوئیں جبکہ شہرزاد کو اپنے تاثرات چھپانے میں کمال حاصل تھا۔

''اس لیے کہ جب میں نے ان سے انوسٹی گیشن کے سلسلے میں بات کی تو وہ بچی بہت زیادہ کنفیوژ تھی۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''تو کیا آپ اسکی کنفیوژن کی وجہ سے اسے کوئی مارجن دینا چاہتے ہیں۔۔'' شہرزاد کے طنزیہ لہجے پر وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اسے اس

لڑکی کا دوٹوک انداز، کمپوزڈ پرسنالٹی کے ساتھ ساتھ حد درجہ سنجیدگی میں چھپی ہوئی ذہانت بہت امپریس کرتی تھی۔

''ناٹ ایٹ آل۔۔۔''اس نے فوراً صفائی دی۔

''تو کیا اس کے فادر کی پوسٹ آپ کے راستے کی رکاوٹ بن رہی ہے۔۔۔''؟ اس دفعہ شہزاد کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ کاٹ دار تھا۔

''ایسا ہرگز نہیں ہے، میں اپنے فرائض کی راہ میں کسی چیز کو رکاوٹ بننے نہیں دیتا۔'' وہ اس دفعہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر خود اعتمادی سے بولا۔

''آپ اس کا نام لکھوائیں ایف آئی آر میں، اور پھر دیکھیں ہماری پرفارمنس۔۔۔'' اس نے مشورہ دیا۔

''ٹھیک ہے، کب لکھوانا ہے، بتائیں۔۔'' شہزاد کے اعتماد پر وہ ایک لمحے گڑبڑا سا گیا۔''صبح آجائیں آفس۔۔۔''

''ابھی کیوں نہیں۔۔۔'' شہزاد نے وال کلاک کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، اس وقت شام کے سات بج رہے تھے۔

''ٹھیک ہے۔۔۔'' وہ ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ میز پر رکھ کر کھڑا ہوا، نہ جانے کیوں وہ اس لڑکی کے سامنے بے بس ہو جاتا تھا۔

''شیری، میرا خیال ہے، اس معاملے پر ہمیں کسی اور سے بھی مشورہ کر لینا چاہیے۔۔۔'' ٹینا بیگم اسکی عجلت پسندی پر تھوڑا بے چین ہوئیں۔

''آئی ایم سوری مام، جب تک رومی گھر میں واپس نہیں آجاتی، میں سکون سے نہیں بیٹھ سکتی۔'' وہ ارتضی کے ساتھ باہر نکل آئی۔

''میرا خیال ہے، آپ میری گاڑی میں آجائیں، واپسی پر میں آپ کو ڈراپ کروادوں گا۔۔''

شہزاد نے چپ چاپ اسکی بات مان لی ، ویسے بھی وہ بلا کی کونفیڈنٹ تھی، ارتضی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا اور شہزاد اسکے برابر میں بیٹھ گئی، مسز قریشی کے آفس میں اس سے ملاقاتوں کے بعد دونوں کے درمیان اچھی خاصی بے تکلفی پیدا ہو چکی تھی، مسز قریشی اپنے اکثر معاملات میں اپنے بیٹے سے زیادہ اس پر بھروسہ کرتی تھیں یہ بات شہزاد کو بہت جلد معلوم ہو گئی تھی۔

''ایک مشورہ دوں آپ کو، مائنڈ تو نہیں کریں گی۔۔۔'' جیسے ہی گاڑی مین روڈ پر آئی، ارتضی حیدر نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

''جی بولیں۔۔۔''

''آپ کو پہلی فرصت میں سی ایس ایس کر لینا چاہیے۔۔۔'' اسکی بات پر ایک مبہم سی مسکراہٹ شہزاد کے ہونٹوں پر دوڑی۔

''آپ نے ایسا کر کے کون سا تیر مار لیا ہے جو کسر میں آکر پوری کرلوں گی، ایک بریگیڈیئر کی بیٹی تک سے تو آپ کھل کر انویسٹی گیشن نہیں کر سکتے، تو کیا فائدہ ایسے اختیارات کا۔۔'' شہزاد کے جل کر بولنے پر وہ بے اختیار ہنسا۔

''شاید ہم دونوں مل کر کوئی ایسا تیر چلا لیں، جو میں اکیلا نہ چلا پا رہوں۔۔'' اس نے بات کو ہنسی میں اڑانے کی کوشش کی۔

''سوری، مجھے سہاروں کی عادت نہیں، میں اپنی جنگیں تنہا لڑنے کی عادی ہوں۔۔۔''اس نے حسب توقع وہی جواب دیا جس کی ارتضی کو پوری امید تھی اس لڑکی کی سحر انگیز شخصیت کے جال میں وہ بُری طرح سے پھنس چکا تھا اسی وجہ سے وہ آج اس کے گھر تک پہنچ گیا تھا۔اپنے کام سے جیسے ہی وہ فری ہوئی ارتضی کا ڈرائیور اسے گھر چھوڑ آیا تھا۔

''مجھے یقین ہے ارتضی حیدر، اب باقی معاملے کی کھوج لگا لے گا۔''رات وہ ہم زاد کو فون کر کے پوری تفصیل بتا رہی تھی اور وہ بہت خاموشی کے ساتھ اسکی ایک ایک بات غور سے سنتے ہوئے اچانک بولا۔

''مجھے لگتا ہے یہ اے ایس پی، تم پر لٹو ہو چکا ہے۔۔۔''

شہرزاد کو اس کی طرف سے ایسے مذاق کی بالکل توقع نہیں تھی تبھی وہ ایک لمحے کو چپ ہو گئی۔

''آپ کیسے کہہ سکتے ہیں یہ بات۔؟''کچھ لمحوں کے توقف کے بعد وہ ہلکا سا سنبھل کر گویا ہوئی۔

''میری چھٹی حس کہہ رہی ہے اور تمہارے معاملے میں یہ مجھے کبھی دھوکا نہیں دیتی۔۔۔''وہ اپنی باتوں سے اکثر اسے لاجواب کر دیتا تھا۔

''ہاں تو ہرج کیا ہے۔۔۔''شہرزاد کو بھی شرارت سوجھی۔

''کیا، واقعی کوئی ہرج نہیں ہے۔۔۔''دوسری طرف اسکا لہجہ کچھ پست ہوا، شہرزاد کا تیر نشانے پر لگا تھا.

''ہاں، ہینڈسم، ذہین اور اینٹلی جینٹ ہے اور سب سے بڑی بات، سامنے بیٹھ کر بات کرنے کی جرائت رکھتا ہے۔''شہرزاد کی بات پر ہم زاد کو شاک لگا اور اس نے افسردگی میں لپٹی خاموشی کے ساتھ کال کاٹ دی۔

شہرزاد کو اس وقت بالکل اندازہ نہیں ہوا کہ آنے والے دنوں میں یہ مذاق اسے کتنا مہنگا پڑنے والا ہے۔وہ پہلی دفعہ ہم زاد کو شعوری طور پر خفا کر چکی تھی۔

''کون ہے یہ بیرسٹر شیری، پتا کرواؤ اس کا۔۔۔''

میر خاقان علی مشتعل انداز میں ٹہلتے ہوئے میر وہاج سے مخاطب ہوئے۔وہ اس وقت میر محتشم کے ساتھ اسلام آباد میں واقع نور محل میں تھے۔ان کے ہاتھ میں وہ عدالتی نوٹس تھا جو انہیں شجاع غنی کی وکیل بیرسٹر شیری کی طرف سے ملا تھا۔

''اتنی ٹینشن لینے کی کیا بات ہے۔۔''میر محتشم نے سگار سلگاتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''اس میں الزامات کی نوعیت دیکھی ہے آپ نے۔۔۔''وہ بھڑک کر بولے۔

''کیا ضرورت ہے دیکھنے کی، ایسے ہزاروں نوٹس آئے اور فضاؤں میں اڑ گئے۔۔''میر محتشم نے سگار کا دھواں فضاؤں میں چھوڑتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

''آپ جانتے نہیں ہیں بابا، معاملے کی نوعیت بہت سنگین ہے۔'' وہاج نے اپنے باپ کو دبے دبے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔

''مثلاً۔۔۔؟'' انہوں نے طنزیہ نگاہوں سے اپنے چھوٹے بھائی اور بیٹے کو دیکھا۔

''ایسی ہی ایک درخواست شجاع غنی نے محکمہ اینٹی کرپشن کے ڈائریکٹر جنرل عبداللہ قریشی کو دے رکھی ہے، اور اس کے علاوہ ایک کرائم رپورٹر کو بھی اس کیس کے پیچھے لگا رکھا ہے، کل رات اس دو نمبر اینکر سعید چوہان نے ٹی وی پر اس ٹاپک پر ایک شو تک کر ڈالا ہے۔''

''واٹ۔۔۔؟'' میر محتشم کو پہلی دفعہ معاملے کی سنگینی کا کچھ احساس ہوا۔

''شجاع غنی کی اتنی زیادہ جرائت۔۔۔؟'' ان کے لہجے میں برہمی چھلکی۔۔

''کوئی بھی میمنا، ایک دم ایسے اٹھ کر جب ناچنا شروع کر دے تو سمجھ لینا چاہیے کہ کسی بھیڑیئے نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا ہے۔'' میر خاقان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کون ہے شجاع غنی کے پیچھے۔۔۔'' وہ سنبھل کر بیٹھ گئے۔

''ملک زبیر علی۔۔۔'' وہاج نے مری میں اپوزیشن پارٹی کے ایم این اے کا نام لیا، جو الیکشن میں ہمیشہ میر فیملی کے خلاف کھڑا ہوتا تھا، ان دونوں خاندانوں کی ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

''کوئی اچھا وکیل ہائر کرو تم بھی۔۔۔'' میر محتشم نے اب سنجیدگی سے انہیں مشورہ دیا۔

''بات وکیل ہائر کرنے کی نہیں ان ثبوتوں کی ہے جو اس بیرسٹر شیری کے پاس پہنچ چکے ہیں۔'' خاقان علی ٹھیک ٹھاک پریشان تھے، کیونکہ اگلے الیکشن سر پر تھے اور کرپشن کا کوئی بھی کیس اس موقعے پر سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتا تھا۔

''کون ہیں یہ خاتون۔۔۔؟'' ان کے ماتھے کے بل گہرے ہوئے۔ انہیں ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایک ینگ لڑکی ہے۔

''کوئی توپ چیز ہی ہے، جو بیرسٹر عالیہ قریشی کے چیمبر میں نہ صرف اپنی جگہ بنا چکی ہے بلکہ ان کے ساتھ ایک چوٹی کا کیس بھی جیت چکی ہے۔''

''یہ بیرسٹر عالیہ قریشی وہی ہیں ناں جو۔۔۔۔'' انہوں نے بات ادھوری چھوڑی۔

''جی وہی ہیں محکمہ اینٹی کرپشن کے ڈائریکٹر جنرل عبداللہ قریشی کی مسز، جن کا ریکارڈ ہے کہ انہوں نے اپنے کیئریر میں بہت کم کیس ہارے ہیں۔''

میر خاقان کے لہجے میں چھپی تشویش اب میر محتشم کو کھل کر سمجھ آ چکی تھی، اس لیے انہوں نے بھی چوٹی کا وکیل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ بھی اتنی آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھے۔

☆......☆......☆

رومیصہ حواس باختہ انداز میں گلاس وال سے باہر دیکھ رہی تھی۔۔۔

باہر گہری تیرگی کا تھی، جواب اسے اپنے مقدر پر بھی چھائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

وقت تیزی سے بھاگ رہا تھا اور ہر لمحہ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سوئے مقتل کی طرف گامزن ہو۔

اسکے چہرے کی ساری روشنیاں گل ہو گئیں تھیں۔۔۔

مسلسل گریہ زاری سے اس کے پپوٹے الگ متورم تھے۔۔۔

نہ جانے کون لوگ تھے وہ۔؟ کیا مقصد تھا ان کا۔۔۔؟

وہ تو راستے میں بے ہوش ہو گئی تھی اور جب آنکھ کھلی تو اس نے خود کو اس ماسٹر بیڈ روم میں پایا۔

کمرے کی مشرقی دیوار اگرچہ گلاس وال پر مبنی تھی لیکن اسکے باہر بھی لوہے کی سلاخوں کا ایک جنگلہ تھا، جو شاید حفاظتی انتظامات کے پیش نظر لگایا گیا تھا۔ یہ ایک ایک جدید طرز تعمیر کا ایک خوبصورت فارم ہاؤس تھا، جہاں سبزے اور درختوں کی بہات تھی۔ وہ گلاس وال سے باہر کا جائزہ لے چکی تھی لیکن بہت تیزی سے پھیلتے اندھیرے نے ہر چیز کو نگل لیا تھا۔

رومیصہ نے اس بلند و بالا فارم ہاؤس پر ایک شکستہ نظر ڈالی، ماسٹر بیڈ روم سے نکلنے کا صرف ایک دروازہ تھا جو باہر سے لاک تھا۔ وہ پچھلے تین دن سے یہاں قید تھی، اور کمرے میں موجود فریج میں رکھی چیزیں بھی آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی تھیں۔

"یا اللہ، میری مدد فرما۔۔۔" اس کی جان پتے کی طرح لرز رہی تھی۔

اچانک فارم ہاؤس کی گہری تاریکی اور خاموشی میں کسی گاڑی کا ہارن گونجا، رومیصہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے کسی کے مضبوط قدموں کی آواز کمرے کی کھڑکیوں کے باہر سنی اور خوف اور گھبراہٹ سے اس کا وجود ہلکا ہلکا کانپنے لگا۔

شیشم کی مضبوط لکڑی کے بنے دروزے میں کسی نے چابی گھمائی اور ٹک کر کے لاک کھلا اور رومی نے خوفزدہ انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔ کوئی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا عین اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"آنکھیں بند کرنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔۔۔" سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے ایک مردانہ آواز اسکی سماعتوں سے ٹکرائی۔

رومیصہ نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں، اسکی پیشانی عرق آلود اور ہتھیلیاں پسینے میں بھیگی ہوئیں تھیں۔ اس نے سخت حیرانگی اور پریشانی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اپنے سامنے کھڑے شخص کی طرف دیکھا۔

براؤن کلر کی جینز کے ساتھ وہ چاکلیٹ کلر کی شرٹ میں ملبوس وہ اچھی خاصی ہینڈسم شخصیت کا حامل نوجوان تھا، اس نے اپنی لیدر کی جیکٹ سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور اپنی بڑی بڑی شہد رنگ آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے ایک سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر لائٹر کا شعلہ دیکھایا۔

''کک کون ہیں آپ۔۔'' رومیصہ کی کانپتی ہوئی آواز ابھری۔

''ملک الموت۔۔۔۔۔'' اس نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔اسکا دل دھک کر کے رہ گیا۔

''کیوں لائے ہیں آپ مجھے یہاں۔۔۔؟'' وہ لجاجت سے پوچھ رہی تھی۔

''ویسے ہی مارنے کے لیے، جیسے تم نے روحیل محمود کو مارا تھا۔۔''اسکی مسکراہٹ زہریلی اور لہجہ سفاک تھا۔رومی کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔اس نے اپنی لیدر کی جیکٹ ایک چھوٹا سا جدید پسٹل نکالا اور رومی کی کنپٹی پر رکھ دیا۔

''میں نے نہیں مارا اسے۔۔'' وہ بوکھلا کر گویا ہوئی۔اس کے جسم کا ہر بال خوف کے زیر اثر کھڑا ہو گیا۔

''روحیل کو تھپڑ تو تم نے میرے سامنے مارا تھا کلب میں، یاد ہے۔۔؟ اس کی سرد آنکھوں کے سامنے رومی کو اپنی قوت گویائی سلب ہوتی محسوس ہوئی۔

''بدتمیزی کی تھی اس نے میرے ساتھ۔۔'' اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔

''ایسا کون سا پہاڑ توڑ دیا تھا تمہارے اوپر۔؟ کیا کرنے آئیں تھیں تم وہاں، اتنی ہی پارسا تھیں تو نہیں آنا چاہیے تھا تمہیں کلب میں۔''وہ اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال رہا تھا۔

''تم نے میرا بچپن کا دوست، میرا ساتھی، میرے قدم سے قدم ملا کر چلنے والا میرا بیسٹ فرینڈ چھین لیا، میں چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔''اس کی آنکھوں میں گویا لہو اتر آیا۔

''میں نے روحیل کو قبر میں اتارتے ہوئے قسم کھائی تھی کہ اس کی سانسیں چھیننے والے کو میں زیادہ دیر تک دنیا میں سانس لینے نہیں دوں گا۔۔''وہ اسے اپنے خطرناک عزائم سے آگاہ کر رہا تھا۔

''بائے گاڈ، اسے میں نے نہیں مارا۔۔''رومیصہ کے اعصاب جواب دے گئے، تبھی اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایک لڑی بہہ نکلی۔

''جھوٹ بولتی ہو تم مجھ سے۔۔۔'' وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ ''مجھے خود کنزہ وقار نے بتایا ہے۔۔۔''

اس کی بات سن کر رومی کے سر پر تو گویا آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔اس نے انتہائی تعجب سے اسکا مشتعل چہرہ دیکھا۔

''کنزہ غلط کہہ رہی ہے۔۔۔''اسکا لہجہ رندھ گیا۔

''وہ نہیں، تم غلط کہہ رہی ہو اور میں چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔۔۔''وہ تلخی سے بولا۔

''کیا کرو گے تم، مارو گے مجھے۔۔''موت کو سامنے دیکھ کر اس نے اپنی جنگ بہادری سے لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

''تو کیا اس فارم ہاؤس میں اپنی مسز بنا کر رکھوں گا۔۔۔''اس کے استہزائیہ انداز پر رومی کا دماغ الٹ گیا۔

”تمہاری مسز بننے سے اچھا ہے، میں گولی کھا کر مر جاؤں۔ وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انتہائی متنفر لہجے میں بولی۔
سامنے موجود شخص بھی اسی کی طرح الٹے دماغ کا تھا، اس نے فیصلہ کن نظروں سے رومی کی طرف دیکھا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ، اور ریوالور تان لیا۔ رومی کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کا مداوا کرنے کی کوشش کرتی، فضاؤں میں گولی چلنے کی آواز، رومیصہ کی چیخ کے اوپر حاوی ہوگئی۔ دور کہیں پرندوں کے جھنڈ میں شور مچا اور اس کے بعد فضاؤں میں سناٹے کا راج ہوگیا۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

''اوہ مائی گاڈ۔۔!!! ''

رومی کی دھڑکنوں میں بپا قیامت تھم سی گئی، اس کی رنگت خطرناک حد تک سپید پڑ چکی تھی، اور لب تیزی سے ہل رہے تھے، شاید وہ دل ہی میں کوئی دعا مانگ رہی تھی جو اسے اس قسم کی خطرناک سچوئشن سے نکال سکتی۔

''اب کیوں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لی ہیں تم نے۔۔۔'' اس کے بلند و بانگ قہقہے پر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

رومیصہ نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں، وہ ایک تلخ حقیقت کی مانند اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے بوکھلا کر دائیں طرف دیکھا، کھڑکی کا شیشہ چکنا چور ہو چکا تھا اور اس کے ذرات فرش پر پھیلے ہوئے تھے۔

''تمہارا کیا خیال ہے، اتنی آسان موت ماروں گا تمہیں۔۔۔'' اس کا سرد لہجہ رومی کے حواس معطل کر گیا۔ اس نے تھوک نگل کر اپنے خشک ہوتے حلق کو تر کیا، یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی پل صراط پر آن کھڑی ہو۔ جہاں ذرا سی لغزش پر ایک گہری دلدل اسے نگلنے کو تیار ہو۔

''اتنا بے وقوف لگتا ہوں تمہیں۔۔۔'' اسکے متنفر انداز پر رومیصہ کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں رینگنے لگیں۔ وہ ہونٹوں کو سختی سے ایک دوسرے میں پیوست کیے، بالکل خاموش تھی، جیسے کسی نے اس پر منتر پڑھ کر پتھر کا بنا دیا ہو۔

''بے فکر رہو، ایسی موت ماروں گا تمہیں کہ قبر میں بھی قیامت تک تڑپتی رہو گی۔۔۔'' وہ اپنے خطرناک ارادوں سے باخبر کرتے ہوئے اسکے اعصاب کو مزید کمزور بنا رہا تھا۔ کھڑکی سے باہر اب گہرے سناٹے کے ساتھ اندھیرے کا راج تھا۔

''کیا کہا تھا تم نے تھوڑی دیر پہلے مجھے۔۔۔'' اس نے ریوالور سے اسکی ٹھوڑی کو تھوڑا سا اونچا کیا۔

''کک کچھ نہیں۔۔۔'' خوف سے اسکی آواز حلق میں ہی دب گئی۔

''یہی کہا تھا ناں، مجھ سے شادی کرنے سے بہتر تم مرجانا پسند کرو گی، ہے ناں۔۔'' وہ بڑے معنی خیز انداز میں اسکا جملہ اسی پر لوٹا رہا تھا۔

''آئی ایم سوری۔۔۔'' رومیصہ نے اسکی آنکھوں کی سرخی سے نظریں چرا کر فوراً ہتھیار ڈالے۔

''اب تو شادی کر کے ہی زندہ درگور کروں گا تمہیں۔۔'' رومی کو لگا جیسے وہ مذاق کر رہا ہو۔

''کیا مطلب ہے آپ کا۔۔؟'' اسکے حلق سے ایک پھٹی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

''سارے مطلب آج ہی سمجھ لیے تو باقی زندگی کیا کرو گی جان من۔۔'' وہ عجیب انداز میں ہنسا۔ رومیصہ کو لگا جیسے کسی نے اسکے وجود کو شکنجے میں کس دیا ہو، اس کا دل انہونی کا راگ الاپنے لگا۔۔۔

''آپ پلیز جانے دیں مجھے۔۔۔'' اس کی سانس اٹکنے لگی۔۔۔

''اتنی آسانی سے۔۔۔'' وہ ریوالور سے اس کے بالوں میں چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔ رومی کو اپنا تنفس تیز ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ اپنے ہی جال میں بُری طرح پھنس چکی تھی۔

''میں مر جاؤں گی۔۔۔'' اس کے حلق سے سسکی نکلی۔

''اب تو اپنی مسز بنا کر ہی بھجواؤں گا تمہیں، دیکھوں تو سہی کیسے مرتی ہو تم۔۔۔؟'' اس کے سرد لہجہ نے رومی کے بدن سے اسکی روح کھینچ لی۔

''آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔۔۔'' اس کے خوفزدہ ہونے پر وہ ہنسا، جیسے اسکی حالت سے خط اٹھا رہا ہو۔

''میں دیکھتا ہوں، دنیا کی کون سی طاقت روکتی ہے مجھے۔۔۔'' وہ استہزائیہ انداز سے بولتا ہوا اسے سخت گھبراہٹ میں مبتلا کر گیا۔

''اب کیا ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں آپ سے۔۔۔'' وہ ایکدم رو دی۔

''ناک سے لکیریں بھی نکالو گی تو تب بھی نہیں مانوں گا۔۔۔'' وہ اسے جلتی ہوئی آنکھوں سے گھورنے لگا۔

''میں نے کیا بگاڑا ہے آپ کا، کیوں پیچھے پڑ گئے ہیں میرے۔۔۔''

''روحیل محمود نے کیا بگاڑا تھا تمہارا۔؟ کیوں تم نے اسے اپنی گاڑی کے نیچے کچلا۔۔۔''

''میں نے ایسا نہیں کیا، بائے گاڈ گاڑی میں نہیں کنزہ چلا رہی تھی۔۔۔'' وہ بلند آواز میں رونے لگی۔

''خوبصورت لڑکی، جب جھوٹ بولتی ہے ناں، اسکا چہرہ یقین مانو کسی مکڑی کی طرح بدصورت لگنے لگتا ہے۔'' وہ سانسیں روکے، بنا پلکیں جھپکے اسکا چہرہ دیکھنے لگی جس پر اس کے لیے نفرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

''شادی تو کرنی پڑے گی تمہیں مجھ سے۔۔۔'' اس نے سرد آواز سے کہا۔

''میں مر جاؤں گی، لیکن ایسا نہیں کروں گی۔۔۔'' وہ بے بسی کی انتہاء پر پہنچ کر ایک دم چیخی۔

''میں بھی یہی دیکھنا چاہتا ہوں، قطرہ قطرہ زہر کیسے انسان کے وجود میں سرایت کرتا ہے۔'' اسکی ٹھوڑی تلے انگلی رکھ کر اس نے رومیصہ کا چہرہ اپنی جانب گھمایا تو اسے ایک دم سو واٹ کا کرنٹ لگا۔۔

''ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔۔۔'' وہ گیلی لکڑی کی طرح چٹخی تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔ جیسے اس کے زچ ہونے پر لطف حاصل کر رہا ہو۔

''چلو پھر سارے حق لے لیتے ہیں، کیا کہا تھا تم نے مجھ سے شادی کرنے سے بہتر مر جانا پسند کرو گی ناں۔ دو گھنٹے ہیں تمہارے پاس، جو کرنا چاہتی ہو کر لو مجھے کوئی اعتراض نہیں، اسکے بعد تمہیں وہی کرنا ہو گا جو میں چاہوں گا۔'' وہ اسکی روح فنا کر کے کمرے سے نکل گیا۔

ان دو گھنٹوں میں رومیصہ نے وہاں سے نکلنے کا ہر طریقہ سوچ لیا، لیکن وہ اس کے پر کاٹ کر پنجرے میں بند کر کے گیا تھا، کوئی روشندان، کوئی کھڑکی ایسی نہیں تھی جس سے وہ مدد لے سکتی، چھت کا پنکھا بھی خاصے فاصلے پر تھا اور کوئی راہ فرار نہ پا کر وہ مایوسی سے بیٹھ گئی

اور دل ہی دل میں اس کے ایکسیڈنٹ کی دعائیں مانگنے لگی۔

وہ واقعی ہی اپنی زبان کا پکا نکلا تھا۔ دو گھنٹوں میں ہی ایک نکاح خواں کے ساتھ کچھ گواہان کے ساتھ اسکی واپسی ہوئی تو رومی کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگی وہ ایک عجیب سی رات تھی، رومی کسی سنگی مجسمے کی مانند ساری کاروائی دیکھ رہی تھی۔

اسے پتا ہی نہیں چلا، کب اس اجنبی شخص کا نام اسکی سماعتوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند انڈیلا گیا، اس نے ایک دفعہ پھر ہمت کرنا چاہی لیکن اس کی سرخ گھورتی آنکھیں اور پینٹ کی جیب سے جھلکتی ریوالوار کی نوک نے اس سے وہ فیصلہ کروالیا، جو وہ عام حالات میں کرنے کے بارے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اذیت سے بے حال ہوتے وجود کے ساتھ کب اس نے اپنا سر ہلایا اور وہ ساکن پلکوں کے ساتھ سامنے رکھے پیپرز پر سائن کر دیئے۔ وہ اب کسی فاتح کی طرح اسکے سامنے کھڑا تھا۔

''یہ سب کیا تھا۔۔۔۔؟'' رومی کو لگا وہ کوئی خوفناک خواب دیکھ رہی ہے۔

''ٹوپی ڈرامہ۔۔۔۔'' وہ قہقہ لگا کر اسکی حالت پر ہنسا اور رومیصہ صدمے کی کیفیت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

اس شخص کا نام انتہائی عجیب انداز میں اسکے نام کے ساتھ جڑ چکا تھا اور اسے یہ سوچنے پر مجبور کر گیا کہ اگر جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں تو کیا اسکا ملاپ اسی طور ہی کاتب تدیر نے لکھا گیا تھا۔ کتنی عجیب تھی اسکی قسمت اور اس سے بھی عجیب تھا اس کا ہمسفر، جو نکاح جیسے مقدس کام کو کھیل بنا کر خود ایک دفعہ پھر غائب ہو گیا تھا۔ وہ ابھی تک اسے سمجھ نہیں پائی تھی۔

☆......☆......☆

شہرزاد کو لگا جیسے وہ کسی بند گلی میں آن کھڑی ہو۔۔۔!!!

اس نے پورے چوبیس گھنٹے کے بعد انتہائی مایوسی کے عالم میں ہم زاد کا نمبر ڈائل کیا تھا، اسے ابھی ابھی پتا چلا تھا وقار درانی اپنی بیٹی کنزہ کو ملک سے باہر بجھوا چکا ہے اور یہ خبر اس کے اعصاب پر چابک کی طرح برسی تھی۔ مسز قریشی نے اور اس کے تمام تر سورسز بے کار گئے تھے کیونکہ جس وقت وقار درانی کا وکیل ان دونوں سے ملاقات کے لیے آفس آیا ہوا تھا، ٹھیک اسی وقت کنزہ ائیر پورٹ پر تھی۔ اس خبر نے مسز قریشی کے بھی حوصلے پست کیے تھے اور وہ اس امید کے ساتھ گھر واپس آئی تھی کہ شاید ہم زاد اسکی کوئی ہیلپ کر سکے لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ آج اس کے سبھی ستارے گردش میں تھے۔

''شہرزاد بات کر رہی ہوں۔۔۔۔'' ہم زاد کی خاموشی سے گھبرا کر اس نے فوراً تعارف کروایا۔

''ہاں بولیں۔۔۔'' دوسری طرف اسکا سپاٹ لہجہ سن کر اسے دھچکا لگا لیکن اس نے بہت جلد خود کو سنبھال لیا

''کچھ پتا چلا رومی کا۔۔۔۔؟؟؟'' وہ ہلکا سا جھجک کر گویا ہوئی۔

''نہیں۔۔۔'' وہ ہنوز سابقہ انداز میں اس سے گفتگو کر رہا تھا۔

"کیوں۔۔۔؟؟؟" شہرزاد پریشان ہوئی، اس مرحلے پر وہ ہم زاد کی ناراضگی قطعاً افورڈ نہیں کر سکتی تھی اور یہ بات تو اس کی گمان کی آخری سرحدوں پر بھی نہیں تھی کہ وہ معمولی سی بات کو جواز بنا کر اس سے خفا ہو سکتا ہے۔

"اس لیے کہ میں بزی تھا۔۔۔"

"اوہ سوری۔۔۔!!!" وہ سچ مچ شرمندہ ہوئی۔

"دیکھو شہرزاد۔۔۔" وہ متحمل انداز میں گویا ہوا۔"تمہاری جتنی ہیلپ میں کر سکتا تھا، وہ میں نے کر دی لیکن اب باقی چیزوں کے لیے تمہیں میرا سہارا ڈھونڈنے کی بجائے خود میدان میں نکلنا ہوگا۔" اس کے جملے اتنے تلخ نہیں تھے جتنا اس کا لہجہ رکھائی سے بھرپور تھا، شہرزاد کو لگا جیسے کسی نے اسے کھائی میں دھکا دے کر اوپر منوں مٹی پھینک دی ہو۔۔۔

"لیکن میں ابھی یہاں زیادہ لوگوں کو نہیں جانتی۔۔؟؟؟" وہ روہانسی ہوئی۔

"وہ شخص اس کی لاٹھی تھا جسے پکڑ کر وہ زندگی کے نشیب و فراز طے کرتی تھی، وہ اس کی آنکھوں کی بینائی تھا، جس سے وہ دنیا کو دیکھتی تھی، وہ اس کی سماعت تھا جس سے وہ اپنی من پسند دھنیں سنتی تھی، اور جب اس نے بے رخی سے اپنا ہاتھ چھڑایا تو اسے لگا وہ اندھی، گونگی اور بہری ہو گئی ہے۔ محبت نے اسے وہاں لا کر زمین کی پستیوں میں پٹخا تھا جہاں اسے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھنے کے لیے صدیاں درکار تھیں۔۔۔"

"آپ جو کہنا چاہتے ہیں کھل کر کہیں۔۔۔" اس کے دماغ میں آندھیوں کے بہت سے جھکڑ ایک ساتھ چلے۔

"آپ کے پاس ہے ارتضیٰ حیدر ہے ناں، مجھ سے زیادہ ذہین، ہینڈسم اور سب سے بڑی بات سامنے آ کر بات کرنے کی ہمت رکھنے والا۔" وہ اسی کے الفاظ بہت بے رحمی سے اس پر لٹا رہا تھا۔

"آپ کو ان کی موجودگی میں کسی اور کی ہیلپ کی ضرورت تو نہیں ہونی چاہیے۔۔" ہم زاد کی بات نے اسے سن کر دیا، کئی لمحوں تک اسے کوئی لفظ نہیں مل سکا۔ دونوں کے درمیان ایک بوجھل سی خاموشی کا مختصر سا وقفہ آیا۔

"ٹھیک کہتے ہیں آپ۔۔۔" شہرزاد نے لمبا سانس خارج کر کے مسکرانے کی ناکام کوشش کی لیکن اس کی آنکھیں نمکین کھارے پانیوں سے بھر گئیں لیکن اس نے بھی آج ساری کسر نکالنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

"شہرزاد۔۔۔ میں کبھی غلط نہیں کہتا۔۔۔"

"ہاں، آپ غلط کہتے نہیں، بس چیزوں کو غلط سمجھتے ہیں۔ اینی ہاؤ، آپ نے واقعی بہت ہیلپ کی میری، باقی چیزوں کو اب میں خود دیکھ لوں گی۔" اس دفعہ شہرزاد نے نہ صرف اس کی کال کاٹی تھی بلکہ ایک لمحے کو اپنا دل بھی کاٹ کر سینے سے دُور پھینک دیا تھا۔

ہم زاد کا لہجہ اور تلخ الفاظ اسکی انا پر ایک چابک کی مانند برسے تھے، وہ کبھی بھی دوسروں سے مدد لینے کی قائل نہیں رہی تھی، لیکن

پاکستان آنے کے بعد یکے بعد دیگر ہونے والے واقعات نے اسے بوکھلا دیا تھا اور وہ لاشعوری طور پر اپنی ہر چیز کے لیے ہم زاد کی طرف دیکھنے لگی، آج وہ قصّہ بھی تمام ہو گیا تھا۔ اس نے بہت بیدردی سے اپنی گال سے ٹپکنے والے اس واحد آنسو کو پونچھا جو اسکی ضبط کی انتہا کو عبور کر کے باہر نکلا تھا۔

اس نے دیوار میں نصب گھڑیال میں وقت دیکھا سوئی بارہ بج کر ایک منٹ پر تھی، ایک نئے دن کا آغاز ہو چکا تھا، فیصلہ کن انداز میں اس نے سائیڈ میز پر رکھا ٹائم پیس اٹھایا اور وقت کو وہیں مقید کر دیا اسکی سوئیاں اس کے دھڑکتے ہوئے دل کی طرح ساکن ہو گئیں تھیں۔۔ بارہ بج کر ایک منٹ کا وقت اس گھڑی میں اور اس کی زندگی میں تھم گیا تھا۔۔۔

اس نے اپنے سیل فون کی لسٹ میں ہم زاد کا نمبر نکالا اور غور سے دیکھا، ایک لمبا سانس لے کر اندر کی کثافت کو باہر نکالنے کی بھرپور کوشش کی اور پھر اس نے دل پر پتھر رکھ کر وہ نمبر اپنی کونٹیکٹ لسٹ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈیلیٹ کر دیا۔

''شہرزاد کو لگا ایک دفعہ پھر اس کی روح آزاد ہو گئی ہے۔ آج سے آٹھ سال پہلے بھی وہ اس کی زندگی سے دبے پاؤں نکل آئی تھی اور اس نے اپنے سارے جذبے، ایک تابوت میں ڈال کر اس پر ''انا'' کا قفل لگا دیا تھا، ہر رات وہ اس قفل پر ہاتھ پھیر کر اپنا ضبط آزماتی اور اس محبت پر فاتحہ پڑھتی، جس سے وہ خود انگلی چھڑا کر چلی آئی تھی۔ اس شخص کی ناراضگی نے پہلی دفعہ اسے باور کروایا تھا کہ محبت انسان کو بزدل بنا دیتی ہے اور پھر وہ ساری زندگی بہادر ہونے کا ڈھونگ رچاتا ہے اور وہ ڈھونگی بننے کی بجائے اپنی زندگی خود جینا چاہتی تھی، تبھی اس رات اس نے ایک دفعہ پھر دل کو ٹھوکر لگا کر کسی گہری کھائی میں جا گرایا، ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہوئی، ایک دفعہ پھر وہ زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے کا فن سیکھ چکی تھی۔''

فریش ہو کر وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو لاؤنج میں ٹہلتی ٹینا بیگم اسکی طرف دیکھ کر تیر کی طرح لپکیں۔ غصّے اور بے بسی کے گہرے احساس نے ان کے چہرے کے اچھے خاصے جاذب نظر نقوش کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

''تمہیں پتا ہے شیری، وہ کنزہ کا باپ خبیث انسان، اپنی بیٹی کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر لے گیا ہے۔''

''بے فکر رہیں، انٹر پول کے ذریعے بھی بلوانا پڑا تو لے آؤں گی۔۔'' وہ تیزی سے اپنی ای میلز کو چیک کرتی ہوئی کاؤچ پر آن بیٹھی۔

''اوہ مائی گاڈ، تم جانتی تھیں، اس نے لندن بھجوا دیا ہے کنزہ کو۔۔'' ٹینا بیگم کی آنکھیں حیرت کے اظہار کے طور پر مکمل کھل گئیں۔

''ہاں، اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ لندن کے کس علاقے میں ہے، ایڈریس کل شام تک مل جائے گا۔۔'' اس نے ٹینا بیگم پر ایک اور بم گرایا۔

''گڈ، جیسے ہی ملے، فوراً ٹیکسٹ کرنا، میں سیفی کو فارورڈ کر دوں گی۔۔۔'' ان کا بے ساختہ انداز شہرزاد کو کوفت میں مبتلا کر گیا۔

''لیواٹ مام،اس سے پہلے انہوں نے کیا، کیا ہے، جواب کوئی اور پہاڑ توڑیں گے۔۔'' وہ بیزاری سے سر جھٹک کر کھڑی ہوئی۔

رومی کی ضمانت انہوں نے کروائی تھی۔۔۔''انہوں نے فوراً یاد دلایا۔

''وہ تو ایک عام سا وکیل بھی کروا سکتا تھا۔'' شہرزاد نے چٹکیوں میں ان کی بات کو اڑایا اور جلدی سے اپنی فرینڈ روادبہ کو کال ملائی، وہ اس سے اگلے دن کے لنچ کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی، جو اس کے گھر میں خاصے ہائی پیمانے پر تھا۔وہ ساری رات اس نے رومی کے کیس پر ورکنگ کرتے ہوئے گذاری تھی، اس کے دماغ کی کئی گرہیں ایک ساتھ کھلی تھیں، ساری رات کام کرنے کے بعد بھی وہ اگلے دن لنچ پر جانے کے لیے بالکل فریش تھی۔

آف وائٹ کلر کے نیٹ کے سوٹ میں اس کے بال فرنچ ٹیل کی صورت میں بندھے ہوئے تھے، وہ ہلکی سی لپ اسٹک لگا کر نیچے اتری تو سامنے ٹینا بیگم کک کو چائے کی ٹرالی اندر لانے کا حکم دے رہی تھیں۔

''کون آیا ہے۔۔؟''اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔

''آئی جی پنجاب۔۔۔'' ٹینا بیگم کی ساری توجہ اس ٹرالی کی طرف تھی، جو ملازمہ کچن سے لا رہی تھی۔

''کس کے ساتھ۔۔؟''اپنی آئی فون پر تیزی سے چلتی اسکی انگلی ایک لمحے کو ساکت ہوئی۔

''آف کورس سیفی کے ساتھ آئے ہیں وہ۔۔۔کلاس فیلوز رہے ہیں وہ دونوں ایچی سن کالج میں۔۔۔''

شہرزاد نے اب چونک کر ٹینا بیگم کی خصوصی تیاری کو دیکھا، پیچ کلر کی سلک کی شارٹ شرٹ کے ساتھ وہ ٹراوزر پہنے ہوئی بڑا نفیس سا میک اپ کیے ہوئے تھیں انہوں نے شہرزاد کی محویت کو نوٹ کر کے مسکرا کر اسکی طرف دیکھا اور پھر اسکی تیاری دیکھ کر بھی وہ ہلکا سا ٹھٹکیں۔

''کہاں جا رہی ہو۔۔۔؟''

''روادبہ کے ہاں ایک ڈنر ہے، کافی کلاس فیلوز انوائیٹڈ ہیں وہاں کونووینٹ دور کے۔۔۔''

''یہ تمہاری وہی فرینڈ ہے ناں، جس کا باپ فارن منسٹری میں ہے۔۔'' ٹینا بیگم کی یادداشت غضب کی تھی۔شہرزاد نے اثبات میں سر ہلا کر سائیڈ میز پر رکھی گاڑی کی چابی اٹھائی۔

''ان سے بات کرنا رومی کے سلسلے میں۔۔۔''شہرزاد کو ان کے فریش چہرے پر موجود آنکھیں اس سمے خاصی اداس لگیں۔

''اوکے، میں ڈرائیور کو لے کر جا رہی ہوں ساتھ، شاید واپسی پر دیر ہو جائے۔۔۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں اور فوراً نکل آئی۔

روادبہ کے ہاں لنچ پر شہر کی کریم اکھٹی تھی، یہ گیدرنگ اس حوالے سے بھی شہرزاد کے لیے مفید رہی، اسے اپنے بہت سے کلاس فیلو

ز سے اچھی ہیلو ہائے کرنے کا موقع مل گیا تھا اور ان میں سے اکثریت ایسی ہائی فائی پوسٹس پر کام کر رہے تھے جو شہرزاد کے لیے مستقبل میں کافی کام آسکتی تھیں، چنانچہ اس نے پہلی دفعہ اس چیز کا بھرپور موقع اٹھایا اور رودابہ نے اس کے ساتھ مکمل تعاون کیا تھا، وہ اسے فرداً فرداً سب سے ملوا رہی تھی۔ اسی شام، وہ رودابہ اور اپنے ایک کلاس فیلو کے ریفرنس سے ایک بھرپور قسم کی پریس کانفرنس کا انعقاد کروا چکی تھی۔

☆......☆......☆

''وہ شخص اس کی زندگی کی سب سے خوبصورت دھن تھی، جو کسی اور کے ساز پر بج رہی تھی۔۔۔''

انابیہ اس وقت یونیورسٹی کے کیمپس میں تھی اور اس نے اپنے ڈیپارٹمنٹ کے باہر بوگن ویلیا کے گلابی پھولوں کے نیچے کھڑے برہان اور مناہل کو اذیت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ اس وقت اس سے کوئی پوچھتا، کہ دنیا کا سب سے مشکل کام کیا ہے تو وہ بغیر سوچے سمجھے کہہ دیتی۔

''اپنے محبوب کو کسی اور کے ساتھ دیکھنا۔۔۔''

بینچ پر بیٹھے بیٹھے اُس نے ٹیک لگا کر کرب کے احساس کو کم کرنے کے لیے آنکھیں بند کر لیں، وہ اس کبوتر کی مانند لگ رہی تھی، جو بلی کو سامنے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ کسی گہرے صدمے کے زیر اثر وہ وقفے وقفے سے آنکھیں کھول کر سامنے کا تلخ منظر دیکھتی اور ہر دفعہ اسے لگتا جیسے کسی نے مٹھی بھر کر مرچیں اسکی آنکھوں میں جھونک دی ہوں۔

مناہل نے شرارت سے بوگن ویلیا کی بیل کو ہلکا سا جھٹکا دیا، بے شمار گلابی پھول ایک ساتھ دونوں پر آن گرے، وہ دونوں کھلکھلا کر ہنسے اور انابیہ کو ان کی ہنسی کا رنگ بھی گلابی ہی محسوس ہوا۔

''مجھے برہان سے اس ٹاپک پر کھل کر بات کرنی چاہیے۔۔'' اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے ہی سوچا تھا۔

''اسے لگا وہ اپنی طلب کا کشکول لیے اس شخص کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی، جو اپنی آنکھیں کسی اور کو دان کر چکا تھا، اسے دینے کے لیے اس کے پاس محض بانجھ لفظ، گونگی نظریں اور باسی دلاسے تھے۔ وہ دنیا کی سب سے لمبی سیڑھی کے ذریعے بھی اس کے دل کی رسائی حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ بے وقعتی اور نارسائی کی گرم ریت میں اس کا سارا وجود دھنس چکا تھا۔ رقابت کی گرم ہواؤں نے اسے جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ کیمپس کے سارے درخت اسے اپنے اوپر ہنستے ہوئے محسوس ہوئے، تب اس نے جانا، محبت کے سفر میں سب سے اذیت ناک اور قیامت خیز منظر اپنے محبوب کی آنکھوں کو کسی اور کے چہرے کا طواف کرتے دیکھنا ہوتا ہے۔۔۔''

وہ دونوں ڈیپارٹمنٹ کے اس کونے میں کھڑے تھے جہاں آتے جاتے لوگوں کی نظریں کم ہی پڑتی تھیں اور اس نے برہان کو اکثر اسی جگہ پر مناہل قریشی کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے دنیا و مافیا سے بے نیاز ہو جاتے۔

''لو برڈز کا معائنہ کر رہی ہو۔۔؟ اسکی کالج کے زمانے کی فرینڈ کرن ایک دم ہی پیچھے سے آ کر شرارت سے بولی۔ اس نے انابیہ

کی نظروں کا محور ایک لمحے میں بھانپ لیا تھا، وہ اسی کے ڈیپارٹمنٹ میں اسکی کلاس فیلو اور بہت اچھی دوست بھی تھی۔

''یار ویسے تو سر برہان کی پرسنالٹی ہی ایسی ہے، کہ کوئی بھی لڑکی آسانی سے ان کے عشق میں گرفتار ہو سکتی ہے لیکن انہیں کم از کم کیمپس میں محتاط رہنا چاہیے۔''

کرن دھپ کر کے اس کے ساتھ ہی سنگ مرمر کے بینچ پر بیٹھ کر اپنی رائے کا اظہار کرنے لگی۔

''کون ہے یہ لڑکی۔۔۔؟؟؟'' انابیہ نے انجان بن کر پوچھا۔

''جا کر پوچھ لو ناں، آخر کو فرسٹ کزن ہیں تمہارے۔۔'' کرن نے شرارت سے کہا، وہ ان دونوں کے نکاح سے لاعلم تھی۔

''اتنی بے تکلفی نہیں ہے میری ان کے ساتھ۔۔'' انابیہ کی آواز کسی ٹوٹے ہوئے ساز کی مانند کرب سے لبریز تھی۔'' ویسے بھی کیمپس تمہاری کزنز سے بھرا پڑا ہے، سبھی خبریں ہوتی ہیں ان کے پاس۔۔''

''ہاں یہ تو ہے۔۔'' وہ ہنس کر مزید گویا ہوئی، یہ محترمہ مناہل قریشی صاحبہ ہیں ایم ایس کا تھیسس کر رہی ہیں اور سنا ہے خاصی لائق اور اکثر پروفیسرز کی چہیتی ہیں لیکن اب صرف پروفیسر برہان کے ساتھ ہی نظر آتی ہے۔۔'' کرن کی معلومات خاصی اپ ٹو ڈیٹ تھیں۔

''ہوسکتا ہے ایسا نہ ہو، صرف اچھی انڈراسٹینڈنگ ہو۔۔۔؟'' انابیہ نے اپنے دل کو جلتے ہوئے تندور سے نکالنے کی کوشش کی۔

''یار کون سی دنیا میں رہتی ہو تم، کیمپس کا ایک ایک بندہ جانتا ہے مناہل قریشی نے بی ایس میں ٹاپ کرنے کے بعد صرف سر برہان کے لیے ایم ایس میں ایڈمیشن لیا ہے۔'' کرن انجانے میں اس کی بہت ہی دکھتی رگ کو چھیڑ گئی۔

''یہ تمہاری شکل کو کیا ہوا ہے۔۔'' کرن نے چونک کر اسکا تاریک ہوتا چہرہ دیکھا۔

''کچھ نہیں۔۔۔''

وہ چاہ کر بھی اسے نہیں بتا سکی کہ میرا حوصلہ دیکھو، ظرف دیکھو اور برداشت دیکھو، اس شخص کا نام کاتب تقدیر نے اس کے نام کے ساتھ لکھا تھا مگر وہ اس سے رخ موڑے محبت کی نئی داستان لکھ رہا تھا اور بدقسمتی سے وہ اس داستان کا صرف ایک ثانوی کردار تھی، جسے شروع کے صفحات میں مر جانا تھا۔

☆......☆......☆

شام چار بجے شہرزاد پریس کلب پہنچ چکی تھی۔

اس کی پریس کانفرنس کی کوریج کے لیے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے بہت سے صحافی موجود تھے۔ اس نے اپنی تقریر کا آغاز بڑے دھواں دھار انداز میں کیا تھا، وہ بغیر کسی لگی لپٹی کے بولتی ہوئی یقیناً بہت سے لوگوں کے چھکے اڑانے والی تھی اور میڈیا کو اگلے کئی دنوں کے لیے بہت ہی چٹ پٹا مصالحہ مل گیا تھا۔

ٹینا بیگم کو ہارون نے فون کر کے یہ اطلاع دی تو ایک دفعہ تو ان کا دماغ بھی بھک کر کے اڑ گیا کیونکہ شہرزاد نے انہیں اپنے ارادوں سے باخبر نہیں کیا تھا اور یہ بات انہیں سخت بُری لگی تھی۔

''تمہاری بیٹی کا دماغ خراب ہو گیا ہے، بھلا کوئی اتنا بھی آؤٹ اسپوکن ہوتا ہے، اسے اندازہ نہیں ہے، یہ چیز اس کے گلے بھی پڑ سکتی ہے۔'' ہارون نے ٹینا بیگم کو اچھی خاصی تشویش میں مبتلا کر دیا، انہوں نے جلدی سے ٹی وی آن کیا جہاں پر شہرزاد کی پریس کانفرنس لائیو دیکھائی جا رہی تھی، چونکہ اس میں عدلیہ اور فوج سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا ذکر تھا اس لیے اکثر لوگ دلچسپی سے وہ تمام حقائق سن رہے تھے، جو شہرزاد صرف اور صرف رومیصہ کی بازیابی کے لیے عوام الناس کو بتا رہی تھی، وہ اپنے ازلی پرسکون انداز کی بجائے بڑے جارحانہ موڈ میں تھی، ٹینا بیگم کی خوبصورت پیشانی پر ایک ساتھ کئی بل پڑے، انہوں نے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی کی آواز بلند کی۔۔

درشہوار کی آواز پورے کمرے میں گونجنے لگی۔'' پاکستان میں لاقانونیت اور جس کی لاٹھی اسکی بھینس کا چرچا تو بہت سنا تھا لیکن اسکا عملی مظاہرہ بھی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے، میری سگی بہن رومیصہ سہگل کو ایک سازش کے تحت بریگیڈیئر وقار درانی کی بیٹی کنزہ درانی نے پھنسایا اور اور پھر چند لوگوں کے ساتھ مل کر صرف اس وجہ سے اسے ''کڈنیپ'' کروایا تا کہ رومیصہ کورٹ کو اصل حقائق نہ بیان کر دے۔''

''اوہ مائی گاڈ۔۔۔!!!'' ٹینا بیگم پریشان ہوئیں۔

''میری بہن کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے جسٹس محمود علی کے کرپٹ بیٹے روحیل کے ناپاک عزائم کو ماننے سے انکار کر دیا، وہ جان بچا کر وہاں سے بھاگی اور روحیل نے قتل کرنے کی نیت سے اسکا تعاقب کیا۔۔'' شہرزاد کی اس بات پر ٹینا بیگم نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''اس کے باوجود وہ اپنی غلطی سے بائیک سے گر کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا، یہ بات پیٹرولنگ پولیس اچھی طرح جانتی ہے کہ روحیل جس گاڑی سے ٹکرایا۔

وہ میری بہن کی ضرور تھی لیکن اسے اس وقت بریگیڈیئر وقار درانی کی بیٹی چلا رہی تھی۔'' شہرزاد نے اس پریس کانفرنس میں کنزہ اور روحیل دونوں کے خاندانوں کو اچھی طرح سے دھو ڈالا تھا۔

''لیکن میں اس پریس کانفرنس کے ذریعے ان تمام لوگوں کو یہ پیغام دینا چاہتی ہوں کہ جب تک رومیصہ سہگل کو انصاف نہیں ملے گا اور اسے بازیاب نہیں کروایا جائے گا، تب تک نہ میں خود سکون سے بیٹھوں گی اور نہ کسی اور کو بیٹھنے دوں گی، اگر کسی کے ذہن میں ایسی کوئی خوش فہمی ہے تو وہ دُور کر لے۔'' شہرزاد اپنا موقف بیان کر چکی تھی۔

''میم، رومیصہ سہگل، اگر آپکی بہن نہ ہوتیں تو کیا آپ تب بھی اس کیس کو اتنا ہی ہائی لائیٹ کرتیں۔'' ایک صحافی کے منہ سے

نکلنے والے اس بے تکے سوال نے اسکا دماغ گھما کر رکھ دیا، لیکن وہ ضبط کا کڑوا گھونٹ پی کر بڑے تحمل سے گویا ہوئی۔

''ایک لمحے کو بھول جایئے، کہ رومیصہ سہگل سے میرا کیا رشتہ ہے، وہ کس کی بیٹی یا کس کی بہن ہے، صرف یہ ذہن میں رکھیے، وہ ایک انسان ہے اور جس کا یہ آفاقی حق ہے کہ اس کے ساتھ قانون کے مطابق معاملہ کیا جائے۔۔

''آپ کو ان کے اغوا والے معاملے میں کس پر شک ہے بریگیڈئر وقار درانی پر یا جسٹس محمود احمد پر۔۔؟'' ایک اور سوال آیا۔

''ویسے تو وقار درانی پر لیکن یہ ان دونوں خاندانوں کی ملی بھگت بھی ہو سکتی ہے۔۔۔''

''لیکن کنزہ تو ملک سے باہر جا چکی ہیں، ایسی صورت میں آپ کا اگلا لائحہ عمل کیا ہوگا۔۔۔؟''

''ان کا پورا خاندان تو یہیں ہے اور نہیں ہر حال میں اور ہر قیمت پر اپنی بیٹی کو واپس لانا ہوگا۔۔'' وہ بڑے تحمل سے سوال وجواب کا سیشن پورا کر کے پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی اس نے اپنے بیگ سے اپنا سیل فون نکال کر جیسے ہی آن کیا، حسب توقع اس پر آنے والی پہلی کال ٹینا بیگم کی تھی، جو اس وقت سخت غصّے میں تھیں۔

''یہ پریس کانفرنس کرنے کا مشورہ تمہیں کس پاگل نے دیا تھا۔۔''ٹینا بیگم ایک دم ہی اس پر برس پڑیں۔

''مسز عالیہ قریشی نے۔۔۔''شہرزاد کے جواب نے انہیں تھوڑا دھیما کیا۔

''لیکن اس موقعے پر یہ کوئی مناسب مشورہ نہیں تھا، اب کنزہ اور روحیل کے خاندان ایک ہو جائیں گے۔تم نے دونوں کو ایک ساتھ چھیڑ کر اپنے پیچھے ڈال لیا ہے، پتا نہیں کہاں سے لے کر آئی ہو تم بیرسٹری کی ڈگری۔۔۔''

''آئی ایم سوری مام، میں اب مزید خاموش نہیں بیٹھ سکتی، ہمیں اپنی جنگ اب کھل کر لڑنی ہے۔''وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھی۔

''لیکن وہ لوگ رومیصہ کے بعد تمہیں بھی کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔۔'' وہ خوفزدہ تھیں۔

''یہ پیش گوئی یقیناً مولانا ہارون رضا کی ہوگی۔۔''اس کے طنزیہ انداز پر ٹینا بیگم پر گھڑوں پانی پھر گیا۔

''ڈارلنگ ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ، معاملہ کورٹ میں ہے۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھنجھلائیں۔

''اور میری بہن ان کے قبضے میں ہے، آپ یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہیں، وہ زندہ ہے یا نہیں، کسی کو اس کی خبر نہیں، اور آپ کہتی ہیں، میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤں، نو نیور مام، الس اینف ناؤ۔۔۔'' اس نے غصّے سے گاڑی کا دروازہ بند کیا۔

''تمہاری ان دھمکیوں کے بعد اگر رومی کو کوئی اور نقصان پہنچا تو۔۔۔'' وہ جھنجھلا سی گئیں۔

''اب اس سے زیادہ کیا نقصان پہنچائیں گے وہ۔؟ اتنے دن سے وہ غائب ہے، یہ کالک جو اس کے وجود پر مل دی گئی ہے، دنیا کا کوئی بہترین سوپ بھی

اسے نہیں اتار سکتا۔۔۔" شہرزاد کی بات نے انہیں لاجواب کیا۔ڈرائیور گاڑی چلا چکا تھا اور وہ اب پریس کلب کی حدود سے نکل چکی تھی۔

"پلیز مام، تھوڑا ریلیکس رہیں، اب مذید بُرا کچھ نہیں ہو سکتا۔اپنے نروز کو کنٹرول مین رکھیں اور فارگاڈ سیک فضول لوگوں کی بے تکی باتوں پر کان دھرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔" شہرزاد نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"اب جا کر کوئی اینٹی ڈیپریسنگ لیں اور سو جائیں، میں آ کر بات کرتی ہوں، مسز قریشی کی کال آ رہی ہے بیچ میں۔" اس نے فوراً ہی فون بند کر کے جیسے ہی اگلی کال اٹینڈ کی۔دوسری طرف مسز قریشی خاصی خوش تھیں۔

"دیٹس گریٹ، شیری، تم نے تو چھکے چھڑا دیئے، وقار درانی اور جسٹس محمود کے۔۔۔" عالیہ قریشی نے اسے کھلے دل سے سراہا تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دی، یہ تو صرف وہی جانتی تھی کہ اس وقت اسے کتنے محاذوں پر لڑنا پڑ رہا تھا۔

"تھینک یو میم۔۔۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"فوراً آفس پہنچو، ارتضی ویٹ کر رہا ہے تمہارا۔۔۔" انہوں نے تھوڑی سی رسمی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا۔

"سنا ہے بڑے لوگوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں آپ نے۔۔" وہ جیسے ہی اپنے آفس پہنچی، ارتضی بے تکلفی سے کوئی فائل کھولے وہیں موجود تھا۔

"کاش نیندیں حرام ہونے کی بجائے کچھ لوگوں کے ضمیر جاگ جائیں تو بہت سوں کی زندگی آسان ہو جائے۔۔" وہ مسکرائی اور اپنا لیدر کا بیگ میز پر رکھ کر اس نے لمبا سانس لیا۔

"کوئی اپ ڈیٹ۔۔۔؟" اس نے میز پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا۔

"ہاں ہے تو سہی۔۔" وہ مسکرایا۔"رومیصہ کو جس گاڑی میں کڈنیپ کیا گیا تھا، وہ ٹریس ہو گئی ہے۔۔۔" ارتضی کی اگلی اطلاع پر ہلکا سا چونکیں۔۔

"یقیناً چوری شدہ ہو گی یا نمبر پلیٹ غلط ہو گی۔۔۔" اس کے پرسکون انداز پر وہ اتنا حیران ہوا کہ مسکرانا ہی بھول گیا۔

"آپ کو کس نے بتایا۔۔۔؟"

"دوست ہوں یا دشمن، عقلمند ہی اچھے لگتے ہیں، بے وقوف تو خود بھی ذلیل ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی کرواتے ہیں۔۔" اس نے لاپرواہ انداز میں کہہ کر انٹر کام پر آنے والی کال لی، جو اس آفس کی ریسپشن سے آئی تھی۔

"جی فرمایئے۔۔۔۔"

"میم شیری، آپ کے لیے کال ہے بریگیڈیئر وقار درانی کے اسسٹنٹ کی، وہ بات کرنا چاہتے ہیں آپ سے۔۔" ریسپشن پر

موجود لڑکی کی اطلاع پر وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی۔

''آپ وقار درانی کے اسسٹنٹ سے کہیں، میں میٹنگ میں بزی ہوں، ابھی بات نہیں کر سکتی۔''اس نے انٹر کام بند کر دیا۔

''اوہ نو۔۔۔وقار صاحب کی کال تھی، آپ کو اٹینڈ کرنی چاہیے تھی۔''وہ ہلکا سا بے چین ہوا۔

''جلدی کیا ہے، تھوڑا ان کو بھی پریشان ہونے دیں، آپ یہ بتائیں کافی لیں گے۔۔؟'' اس نے مسکراتے ہوئے سائیڈ میز پر رکھا کافی میکر آن کیا۔

''کیا چل رہا ہے آپ کے دماغ میں۔۔۔؟''وہ ہلکا سا پریشان ہوا۔

''کچھ نہیں، بس آجکل کونوینٹ دور کی ٹیچر مس ماریانا کی ایک بات بہت یاد آتی ہے مجھے۔۔''

''کیا۔۔۔؟'' وہ محتاط انداز میں گویا ہوا۔

''کوئی بھی جنگ ہو یا زندگی کے معاملات، ہمیشہ وہی شخص جیتتا ہے جو صبر کی کنجی تھام کر اپنے اعصاب کو قابو میں رکھے اور یہ سوچ کر خود کو ریلیکس رکھے کہ زیادہ سے زیادہ کیا ہو جائے گا۔ یہ سوچ انسان کو بہت مثبت انرجی دیتی ہے۔۔'' شہزاد متانت سے مسکرائی۔

''ہاں یہ واقعی اعصاب کی جنگ ہوتی ہے۔۔''ارتضی حیدر فوراً متفق ہوا۔''کنزہ درانی کا ایڈریس مل گیا آپ کو۔۔؟''

''جی بالکل۔۔۔''اس نے کافی کا کپ اسکی طرف بڑھایا۔

''ماشاءاللہ بہت تیز سروس ہے آپکی۔۔۔''وہ متاثر ہوا۔

''مانا کہ ارتضی حیدر، میرے ہاتھ ابھی بندھے ہوئے ہیں پاکستان میں، لیکن لندن میں تو آٹھ سال گذارے ہیں میں نے، الحمد اللہ بہت مہربان دوست ہیں وہاں، جو ایک کال پر بڑے بڑے کام کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔''شہزاد کے جتاتے ہوئے انداز پر وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''آپ نے ان چند دنوں میں بیوروکریسی اور وکلاء برادری کو جس طرح ہلایا ہے، آنے والے دنوں میں آپکی رفتار کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہوں میں۔''اس نے کھلے دل سے اسے سراہا۔

''تھینکس۔۔۔''اس نے کافی کا پہلا گھونٹ بھر کر کپ میز پر رکھا۔''رومیصہ کیس کی فائل لائے ہیں آپ۔۔؟''

''جی بالکل، کچھ نئے پوائنٹس ایڈ کیے ہیں میں نے، وہ آپ بھی دیکھ لیں، پھر میم عالیہ سے بھی مشورہ کر لیتے ہیں۔۔''دونوں ایک دفعہ پھر اس کیس میں الجھ گئے جس نے بہت سے لوگوں کو ایک ساتھ مشکل میں ڈال رکھا تھا۔

☆......☆......☆

درشہوار نے پردہ سرکا کر کھڑکی کے پٹ وا کیے۔۔۔

مری کی فضاؤں میں خوشگوار سی خنکی تھی، ماحول میں کچی کیریوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی، شاید ارجمند بیگم نے اچار کی پھانکیں دھوپ میں رکھی چارپائی پر پھیلا رکھی تھیں۔

درشہوار نے بے چین نظروں سے ہادی کے کمرے کی بند کھڑکیوں کی طرف دیکھا اور ایک لمبی آہ بھری، جس میں بے شمار حسرتیں پنہاں تھیں۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کب طوبیٰ اسکے پیچھے آن کھڑی ہوئی۔

"کمرے کی بند کھڑکیاں ہوں یا دل کے دروازے، ایک دفعہ بند کر دیئے جائیں تو کبھی نہیں کھلتے۔۔۔" طوبیٰ نے اپنی طرف سے اس پر جلتے ہوئے انگارے اچھالے تھے۔ دوسری طرف درشہوار کے چہرے پر ایک تلخ سی مسکراہٹ نے احاطہ کیا۔

"محبت میں سچائی اور لگن ہو تو اس کے آگے دیوارِ چین بھی نہیں ٹھہر سکتی۔۔۔" اس کے پر اعتماد انداز پر طوبیٰ ایک لمحے کو گڑبڑا گئی۔

"ہر چیز کی کوئی نہ کوئی حد ہو سکتی ہے لیکن تمہاری خوش فہمیاں لامحدود ہیں سمندر کی گہرائیوں کی طرح۔۔۔" اس نے سلگ کر کہا۔

"یہ طنز کے تیر پھر برسا لینا، میرے ساتھ ذرا چلو مال روڈ تک۔۔۔" درشہوار کی بات پر وہ بدک کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"آئی ایم سوری، میرا آج پھر بے عزت ہونے کا کوئی ارادہ نہیں۔۔۔" اس نے صاف انکار کیا۔

"سوچ لو، کل کو تمہیں بھی کوئی کام پڑ سکتا ہے۔۔۔" درشہوار نے صاف صاف الفاظ میں اسے دھمکایا۔۔۔

"کل کی کل دیکھی جائے گی، فی الحال میں کوئی نئی شرارت افورڈ نہیں کر سکتی، آجکل تو بابا بھی یہیں ہیں، اور خیر سے مزاج بھی ان کا سوا نیزے پر ہے۔" طوبیٰ نے خاقان علی کے خراب موڈ کی طرف اشارہ کیا، وہ جب سے مری آئے تھے خوب تپے ہوئے تھے۔

"صرف پانچ منٹ کا کام ہے ٹی سی ایس آفس تک، پلیز چلی چلو۔۔" درشہوار نے اس بار التجائیہ انداز اپنایا تو وہ چونک گئی۔

"وہاں کیا کرنے جانا ہے۔۔۔؟"

"ہادی کا برتھ ڈے ہے کل، کیک اور پھول بجھواؤں گی اسے۔۔۔" اسکی اگلی بات پر طوبیٰ کا دماغ بھک کر کے اڑا۔ اس نے ایسی نظروں سے اس کی طرف دیکھا جیسے واقعی اسکی خرابی دماغ کا یقین آ گیا ہو۔

"کوئی وحی نازل ہوئی تھی جناب پر یا سچا خواب آیا تھا اس کے برتھ ڈے کا۔۔"؟

"سوشل میڈیا سے پتا چلا ہے یار، ارسل کے فیس بک اکاونٹ کی فرینڈ لسٹ میں دیکھا تھا میں نے۔" درشہوار نے مسکرا کر اپنا کارنامہ بتایا۔

"ویسے کبھی کبھی میں سوچتی ہوں، تمہیں اپنا کوئی انسٹیوٹ کھول کر ڈھٹائی اور چھچھورپن کے اسپیشل ڈپلومے آفر کرنے چاہیے۔" طوبیٰ نے اسے جی بھر کر شرمندہ کرنا چاہا۔۔

"محبت میں انسان کو سب سے پہلے اپنی عزتِ نفس کو ہی کچلنا پڑتا ہے میری جان۔" درشہوار نے اسکی بے عزتی بھرے الفاظ

ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے فوراً ہی نکال دیئے۔

"یہ تمہارا پوائنٹ آف ویو ہو سکتا ہے میرا نہیں، میں تو کبھی اس چیز پر کمپرومائز نہ کروں، محبت جائے بھاڑ میں، عزت نفس ہی نہ رہے تو کیا فائدہ ایسی زندگی کا"

طوبیٰ نے صاف گوئی سے کہا۔

"یہ لیکچر گھر واپس آ کر دے لینا، جلدی اٹھو، واپسی پر کے ایف سی سے برگر کھلاؤں گی۔۔۔" درشہوار نے اسے لالچ دیا۔

"اس کے بدلے میں تھوڑی سی غیرت خرید کر کھا لینا کہیں سے۔۔" اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"بکومت، ایویں ڈپٹی نذیر احمد کے ناول کی اصغری نہ بنا کرو۔۔" درشہوار نے تازہ تازہ پڑھے ہوئے ناول مراۃ العروس کا حوالہ دیا۔

"یاد رکھنا، تمہارا کیک اور پھول اٹھا کر منہ پر مارے گا وہ تمہارے۔۔۔" طوبیٰ نے بادل نخواستہ اٹھتے ہوئے اسے ڈرایا۔

"کوئی بات نہیں، ذرا سستے والا کیک بجھوا دوں گی، تاکہ معاشی دکھ تھوڑا کم ہو۔۔" وہ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے اسے پھر چڑا گئی۔ طوبی ایک دفعہ پھر غصّے سے کاؤچ پر بیٹھ گئی، درشہوار نے حیرانگی سے اسکی طرف دیکھا۔"اب کیا موت پڑ گئی ہے تمہیں۔۔؟"

"ایسا کرو، نمیرہ کو لے جاؤ اپنے ساتھ۔۔" اس نے مفت مشورہ دیا۔

"اس بی بی سی مری کو اپنے لے جانے کا مطلب سمجھتی ہو تم۔۔؟ درشہوار نے طنزیہ انداز میں مذید اضافہ کیا۔

"ایک گھنٹے میں اس شہر کی ہر سڑک پر اشتہار لگ جائیں گے میرے، ویسے تو میں اس سے بھی نہیں ڈرتی لیکن یک طرفہ محبت میں بندہ آخر کتنی ذلت اکیلے اٹھائے۔۔" درشہوار کی بات پر اسے نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی جسے دیکھ کر وہ پھیل گئی۔

"چل میری بہن، جلدی سے اٹھ، اللہ تمہارے دل کی مراد پوری کرے۔۔" درشہوار نے جلدی سے اسکا بازو پکڑ کر اسے اٹھایا۔

"یہ آخری دفعہ ہے۔۔۔" طوبی نے ہمیشہ کی طرح اسے دھمکی دی۔

"ہاں ہاں بے فکر رہو۔۔" درشہوار نے بھی ہمیشہ کی طرح اسے بہلایا اور اپنا بیگ اٹھا کر کمرے سے نکل آئی۔

☆......☆......☆

ایک انتہائی مصروف ترین دن گذار کر شہرزاد گھر پہنچی تو ایک نیا ہنگامہ اس کا منتظر تھا۔

سامنے آسٹریلوی گھاس کے باغیچے میں مصنوعی آبشار کے پاس ہارون رضا بے چینی سے ٹہل رہے تھے اور اس کی گاڑی دیکھ کر وہ تیر کی سی تیزی سے اسکی طرف آئے ان کے چہرے اور آنکھوں سے برہمی چھلک رہی تھی۔ شہرزاد نے سوالیہ نگاہوں سے انکی طرف دیکھا۔

"اپنی مام کو سمجھا لو، اچھا نہیں کر رہیں وہ میرے ساتھ۔۔۔" ہارون رضا کی شکایت پر اسکی سنہری آنکھوں میں ناگواری در آئی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا۔۔؟''

''فارگاڈ سیک اس کو سمجھاؤ، وہ مسلسل اگنور کر رہی ہے مجھے۔۔۔'' وہ بیزاری سے گویا ہوئے

''آپ نے یہ شادی کیا مجھ سے پوچھ کر کی تھی۔'' شہزاد کے سپاٹ انداز پر ہارون رضا ایکدم خفت کا شکار ہوئے۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔۔۔۔'' انہوں نے بات ادھوری چھوڑی۔

''یہ آپ دونوں کا ذاتی معاملہ ہے، بہتر ہوگا کہ آپ لوگ ہی بیٹھ کر نبٹا لیں اسے۔ میرے پاس آل ریڈی مسائل کا انبار ہے۔'' وہ بے تاثر نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتی ہوئی ان کو اچھا خاصا پزل کر گئی۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن ٹینا میری ایک بھی سننے کو تیار نہیں۔۔'' انہوں نے منہ بنا کر کہا۔

''اب کیا ہوا ہے۔۔۔'' شہزاد کو ان پر ترس آیا۔

''وہ خبیث سیف الرحمٰن میٹنگ کر رہا ہے اس کے ساتھ اور اس نے ویٹنگ لائن میں بیٹھا رکھا ہے مجھے یہاں لان میں۔'' ہارون رضا کے جھنجھلائے ہوئے انداز پر ایک مبہم سی مسکراہٹ شہزاد کے لبوں پر بکھر گئی۔

وہ ان کی ذہنی حالت کا بخوبی اندازہ کر سکتی تھی۔ ٹینا بیگم بھی ہارون کو ٹف ٹائم دینے سے باز نہیں آتیں تھیں لیکن اس کے باوجود ان کی ڈھٹائی کو پھر بھی سات سلام تھے، ہر دفعہ انسلٹ کروانے کے بعد بھی وہ پھر کچھ دن بعد وہیں موجود ہوتے۔

''پلیز، تم بات کرواں سے، تمہاری تو وہ پھر بھی سن لیتی ہے۔'' اس دفعہ انہوں نے التجائیہ انداز اپنایا۔

''اوکے۔۔۔'' شہزاد نے گویا ہتھیار ڈال دیئے۔

''آپ ویٹ کریں یہیں بیٹھ کر۔۔۔''

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی گلاس وال کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی اور سامنے لاؤنج میں بیٹھے سیف الرحمٰن کو دیکھ کر اسے ہلکا سا جھٹکا لگا، ناپسندیدگی اس کے چہرے پر در آئی، کیونکہ اس سے پہلے ان کی آمد و رفت ڈرائینگ روم تک محدود تھی اور شہزاد نے آج تک ان کا صرف تذکرہ ہی سنا تھا یہ ان دونوں کی پہلی فیس ٹو فیس ملاقات تھی۔ شہزاد کو دیکھ کر ٹینا بیگم پر جوش انداز میں کھڑی ہوئیں۔

''سیفی یہ میری بڑی بیٹی ہے شیری۔۔۔''

''شہزاد۔۔۔!!! یہی نام بتایا تھا ناں آپ نے مجھے۔۔۔'' ان کا لہجہ خاصا نفیس اور آنکھوں میں ایک نرم سا تاثر ابھرا۔

''السلام علیکم۔۔۔'' شہزاد نے ہلکا سا سر خم کر کے بیزاری سے سلام کیا اور ٹینا بیگم کی طرف متوجہ ہوئی۔

''ایک دو گھنٹے تک مجھے ارتضٰی کے آفس کے لیے نکلنا ہے، آپ چلیں گی ساتھ۔۔؟''

''میرا تو تھوڑا مشکل ہو جائے گا۔۔۔'' ٹینا بیگم ہلکے سے تذبذب کا شکار ہوئیں۔

''پریس کانفرنس بہت زبردست تھی آپ کی۔۔۔سیف الرحمٰن ایک دم بولے تو شہزاد نے چونک کر انکی طرف دیکھا۔
وہ پچاس اور پچپن سال کی عمر میں کنپٹیوں پر موجود سرمئی بالوں کے ساتھ ایک متاثر کن شخصیت کے حامل تھے، اور ان کے بیٹھنے اور بات کرنے کا اسٹائل خاصا باوقار تھا۔
''تھینک یو۔۔۔'' شہزاد نے سرسری انداز میں جواب دیا۔
''وقار درانی تو خاصی ٹینشن میں آ گئے ہیں۔۔۔؟'' سیف الرحمٰن کی اس بات پر شہزاد اب مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔
''آنا بھی چاہیے۔۔۔''
''انہوں نے رابطہ کیا ہے مجھ سے۔۔'' انہوں نے مزید کہا۔
''اصولاً تو انہیں مجھ سے یا مام سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔۔' وہ متحمل انداز میں گویا ہوئی۔
''وہ جانتے ہیں میرے فیملی ٹرمز ہیں آپ لوگوں کے ساتھ۔۔'' وہ خاصے محتاط انداز میں شہزاد سے مخاطب تھے۔
''جانتے تو وہ یہ بھی ہیں کہ ان کی بیٹی کتنا کچھ غلط کر کے گئی ہے رومیصہ کے ساتھ۔۔''
''اپنی اولاد کا قصور کون مانتا ہے۔۔۔'' ٹینا بیگم نے بھی گفتگو میں حصّہ لیا۔
''لیکن آپ تو ہمیشہ سے رومیصہ کو ہی قصوروار ٹھہراتی آئی ہیں۔۔۔'' اس نے ایک سیکنڈ میں ماں کو لاجواب کیا۔
''تم اچھی طرح سے جانتی ہو، وہ ہمیشہ سے زچ کرتی آئی ہے مجھے۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھنجھلا کر بولیں۔
''لیوواٹ مام، یہ بہت لمبی بحث ہے، باہر انکل ہارون آئے بیٹھے ہیں، ان کو اٹینڈ کر لیں۔''
وہ خبیث انسان ابھی تک وہیں موجود ہے، میں تو سمجھی تھی چلا گیا ہوگا۔۔۔'' ٹینا بیگم کا سیف الرحمٰن کے سامنے یہ تبصرہ شہزاد کو خاصا بُرا لگا تھا۔
''ان کی مستقل مزاجی کو آپ سے زیادہ کون جانتا ہوگا، اینی ہاؤ یہ کوئی مناسب رویّہ نہیں ہے جو آپ اپنا رہی ہیں۔۔'' شہزاد اپنی بات مکمل کر کے سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔
کافی کے مگ کو گھماتی سیف الرحمٰن کی انگلیاں ساکت ہوئیں۔ انہوں نے پہلی دفعہ اسے گہری نظروں سے جانچا۔ اسکی آنکھوں میں موجود ذہانت کی چمک ، اور باڈی لینگویج کے ذریعے جھلکتا اعتماد نظرانداز کیے جانے کے قابل نہ تھا۔
''شیری ٹھیک کہہ رہی ہے، تمہیں جا کر بات کرنی چاہیے اس سے۔۔۔'' وہ محتاط انداز میں گویا ہوئے۔ شہزاد نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ان کا یہ جملہ بغور سنا تھا لیکن کوئی بھی رسپانس دیئے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

درشہوار اور طوبیٰ جیسے ہی باہر نکلیں، طوبیٰ نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا، جو کالے بادلوں سے اٹا ہوا تھا۔ سامنے لان میں شاہ میر اپنے کسی بیچ میٹ کے ساتھ بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا، ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھتے ہی وہ جھنجھلا کر ان کے پاس آیا۔

''تم دونوں کو سکون نہیں ہے، اب کہاں کا دورہ کرنے جا رہی ہو۔۔۔'' اپنے دوست کی موجودگی میں اس کی آواز کا والیوم تھوڑا کم ہی تھا لیکن وہ کھا جانے والی نظروں سے دونوں کو گھور رہا تھا۔

''ذرا مارکیٹ تک جانا ہے۔۔۔'' درشہوار کی زبان پھسلی۔

''موسم کے تیور دیکھے ہیں اور ایسی کون سی قیامت آ گئی ہے جو آج ہی جانا ضروری ہے۔۔'' وہ طوبیٰ کو مکمل طور پر نظر انداز کیے درشہوار کی طرف متوجہ تھا۔

''وہ بیا آپی کے لیے گفٹ خریدنا تھا ہمیں۔۔۔'' درشہوار نے گھبرا کر بہانہ بنایا۔

''ان کا برتھ ڈے جون میں نہیں دسمبر میں ہوتا ہے۔۔'' شاہ میر کی معلومات بھی اپ ٹو ڈیٹ تھیں۔

''برتھ ڈے کا نہیں، یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کا۔۔'' درشہوار کے پاس کون سا بہانوں کی کمی تھی۔ اس بات پر اس کے تاثرات میں تھوڑا نرمی آئی تھی، تبھی وہ کچھ لمحے جانچتی نگاہوں سے پرکھنے کے بعد بولا۔

''ڈرائیور کہاں ہے۔۔؟''

''کسی کام سے گیا ہوا ہے اس لیے پیدل ہی جاؤ مارکیٹ۔'' اسکی اگلی بات نے طوبیٰ کی جان نکال دی، ان کے گھر سے مری کی مال روڈ کا اچھا خاصا فاصلہ تھا اور طوبیٰ کو ابھی سے اپنی ٹانگوں میں درد محسوس ہونے لگا۔

''جی جی کوئی بات نہیں۔۔۔'' درشہوار اسکا بازو پکڑ کر زبردستی گیٹ تک لے آئی۔

''دماغ تو نہیں خراب ہو گیا، اتنا پیدل کیسے چلیں گے۔۔؟''

''فکر مت کرو، کسی سے لفٹ لے لیں گے۔۔۔'' درشہوار نے جیسے ہی اُسے اپنے نیک عزائم سے باخبر کیا۔ وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

''میں نے اپنی ٹانگوں کی انشورنس نہیں کروائی ہوئی۔۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا اور تیز تیز چلنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہی اس کا سانس پھولنے لگا، ویسے مری کی سڑکیں بالکل غیر ہموار تھیں، کہیں ایک دم اونچائی تو کہیں ڈھلوان۔

''مجھے لگ رہا ہے تمہارا وزن بڑھ گیا ہے اس موٹی نمیرہ کی طرح۔۔۔'' درشہوار نے چلتے چلتے اسے چھیڑا۔

''بکو مت۔۔۔'' طوبیٰ تلملا کر پلٹی، سامنے درشہوار ایک خوبانی کے درخت کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''کوئی بھی چوری کرنے سے پہلے درخت کے نیچے لیٹے ہوئے کتے کو ضرور دیکھ لینا، پچھلی دفعہ تو چودہ ٹیکے لگنے سے بچا لیا تھا دادی نے۔'' طوبیٰ کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔۔۔

''وہی ایک بات تو بھولتی نہیں ہے میرے ظالم دل کو۔۔'' درشہوار نے مسکرا کر کہا، دور کہیں بادلوں کے پیچھے بجلی چمکی۔

گہرے سبز رنگ کے قد آور اور گھنے درختوں میں گھرے مری شہر کا حسن آجکل جوبن پر تھا، گرمی کے ستائے ہوئے سیاحوں کی بھرمار نے سڑکوں پر چلنا محال کر دیا تھا۔ جا بجا شاہ بلوط، صنوبر اور سلور اوک کے قدیم درختوں کا حسن اب مری میں رہنے والوں کو متاثر نہیں کرتا تھا لیکن باہر سے آنے والے لوگ بہت ذوق و شوق سے ان کے نظارے کرتے تھے۔

وہ دونوں لوگوں کے بے تحاشا ہجوم سے بچتی ہوئی ٹی سی ایس آفس پہنچیں اور درشہوار نے ہادی کے دفتر کے ایڈریس پر پھول اور کیک کا آرڈر لکھوا کر طوبیٰ کا منہ بند کرنے کے لیے زنگر برگر خرید کر دیا۔ وہ دونوں مزے سے برگر کھاتی ہوئی واپس آ رہی تھیں، تبھی ہلکی ہلکی سی کن من نے ایک دم ہی موسم سہانا کر دیا۔ درشہوار کا موڈ آج پھر عروج پر تھا

''توبہ ہے یار اس بارہ من کی دھوبن کو دیکھو۔۔'' درشہوار فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے ایک خاتون کو دیکھ کر بلند آواز میں ہنسی۔

''آہستہ بولو، اس نے سن لیا تو منہ توڑ دے گی تمہارا۔۔'' طوبیٰ کو اس کا فل والیوم میں بولنا ہمیشہ کوفت میں مبتلا کرتا تھا۔

''دیکھو تو سہی یار، بندہ پوچھے بیٹھنے سے پہلے اپنا وزن تو دیکھ لیا ہوتا۔۔'' وہ شرارتی لہجے میں گویا ہوئی۔

وہ خاتون کرائے پر لی گئی چھوٹی سی ٹرالی میں بیٹھی ہوئی تھی، جسے ایک دبلا پتلا سا لڑکا زور لگا کر چلا رہا تھا، اسی چھوٹی چھوٹی ٹرالیاں مری کی سڑکوں پر عام نظر آتی ہیں اور عموماً لوگ بچوں کو بیٹھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس میں دو بندے آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں۔

''ایک منٹ رکو رکو۔۔'' درشہوار نے بھی ایک ٹرالی والے کو روکا، اور جھٹ سے بیٹھ گئی۔ طوبیٰ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے درشہوار، فوراً اترو۔۔'' وہ خفت زدہ انداز میں گویا ہوئی۔

''نہیں یار، میری تو ٹانگیں جواب دے گئی ہیں، تم بھی آ جاؤ۔' اسکی آفر پر طوبیٰ کا دماغ کھول اٹھا۔ وہ دل ہی دل میں اسے بلند آواز کو سنے لگی، ٹرالی کو کھینچنے والا نوجوان لڑکا بھی شوخی میں آ گیا تھا۔

''یہ لڑکی ہمیشہ شرمندہ کروتی ہے، میں ہی پاگل ہوں جو ہر دفعہ بے عزت ہونے کو اس کے ساتھ چلی آتی ہوں۔'' وہ تیز تیز چلتے ہوئے اپنے منہ ہی میں اپنی بھڑاس نکال رہی تھی۔ طوبیٰ کے نہ بیٹھنے پر اس پورٹر نے شرارت سے ٹرالی کو بھگانا شروع کر دیا اور طوبیٰ کے لیے انکا ساتھ دینا محال ہو گیا۔ درشہوار اس پر ایسے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی تھی جیسے داجی کی لینڈ کروزر میں ہو۔۔

یہ محمد ہادی اور سعد کی بھی آفس سے واپسی کا ٹائم تھا، سعد نے گاڑی چلاتے ہوئے یہ منظر بڑی دلچسپ نگاہوں سے دیکھا اور آنکھ کے اشارے سے ہادی کو بھی اس طرف متوجہ کیا۔

''اس لڑکی کو کبھی عقل نہیں آ سکتی، آدھی دنیا کے فتنے اسی کے دماغ سے نکلتے ہیں۔۔'' ہادی بھی سامنے کا منظر دیکھ کر بدمزا ہوا۔ ایک دم ہی ہلکی کن من تیز بارش کا روپ دھار گئی، اور مری کے پہاڑوں پر موجود بدلیاں گویا وجد میں آ گئیں تھیں۔

اسی وقت مڑے سے برگر کھاتی درشہوار کی نظر سعد کی گاڑی پر پڑی اور اسکا چہرہ متغیر ہوا وہ اچھل کر اس ریڑھی نما ٹرالی سے اتری، اور گیلی سڑک پر گرتے گرتے بچی۔ اس نے فوراً اپنے پرس سے پیسے نکال کر پورٹر کو پکڑائے، اتنے میں سعد اسکے بالکل پاس گاڑی روک چکا تھا۔

''سعد یہ کیا حرکت ہے، گاڑی چلاؤ۔'' ہادی ہلکا سا جھنجھلایا۔ جب کہ سعد اسے نظر انداز کیے گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

''آجائیں لیڈیز۔۔۔ بارش بہت تیز ہے۔۔'' سعد کی آفر پر درشہوار نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، جھٹ سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور دھپ کر کے بیٹھ گئی۔ ہادی نے مڑ کر اپنا لیپ ٹاپ بیگ اٹھا کر اپنی گود میں رکھا۔

''آجائیں، آپ بھی۔۔۔'' سعد نے مسکرا کر طوبی کی طرف دیکھا جو ہادی کے ماتھے کی شکنیں گننے میں مصروف تھی، اپنے پاؤں گھسیٹتی ہوئی وہ بمشکل پچھلی پر بیٹھی لیکن تب تک اچھی خاصی بھیگ چکی تھی۔ طوبی نے اندر بیٹھتے ہی مرے مرے انداز میں سلام کیا، جسکا جواب صرف سعد کی طرف سے آیا تھا۔

''گھر ہی جا رہے ہیں ناں آپ لوگ۔۔۔'' سعد نے گاڑی کا گیئر تبدیل کرتے ہوئے تصدیق چاہی۔

''آپ کی طرف بھی جا سکتے ہیں، اگر اچھی سی کافی آفر کریں تو۔۔۔'' درشہوار کی شوخی پر ہادی نے بیزاری سے پہلو بدلا اور اپنے سیل فون پر آنے والی مناہل کی کال کی طرف متوجہ ہو گیا۔ طوبی نے ہلکی سی کہنی مار کر درشہوار کو اپنا احتجاج ریکارڈ کروایا، جبکہ اس کی تمام حسیں اس وقت ہادی کی طرف متوجہ تھیں۔

''شیور۔۔۔ وائے ناٹ۔۔'' سعد نے بیک مرر میں درشہوار کا شرارتی سا چہرہ فوکس کیا۔

''ہاں منو، بتاؤ کیا بات ہے۔۔۔؟'' ہادی نے کال اٹینڈ کرتے ہی فکرمندی سے پوچھا، اور کچھ لمحے کے توقف کے بعد بولا۔

'کل دن میں آنا تو تھوڑا مشکل ہے یار، ڈنر پر آجاؤں گا اور تم پلیز ممی پاپا کو بھی تسلی دے دینا۔۔ اوکے ٹیک کیئر بائے گاڈ۔'' ہادی نے جیسے ہی فون بند کیا، درشہوار کے چہرے سے پھوٹتی مسرت گویا ہوا میں تحلیل ہو گئی۔ ہادی کے منہ سے کسی لڑکی کا نام سننا اس کے لیے کوئی خوشگوار تجربہ نہیں تھا۔

''کیا ہوا۔۔ مناہل تھی۔؟ اسلام آباد بلا رہی ہے کیا۔۔؟'' سعد نے گاڑی چلاتے ہوئے دانستہ بلند آواز میں پوچھا، درشہوار کے کان کھڑے ہو گئے۔

''ہاں، پھر کوئی سرپرائز رکھا ہو گا اس نے، تبھی تو ضد کر رہی ہے۔۔۔۔۔''

''ویسے کل تو جانا بنتا ہے تمہارا، بہت اسپیشل ڈے ہے، ورنہ جان نکال دے گی وہ تمہاری، اپنے ماموں ممانی سے کہہ کر۔۔'' سعد

نے دانستہ بلند آواز میں ایک دفعہ پھر درشہوار کو سنایا، جس کا چہرہ ایک دم تاریک ہوا تھا۔

اپنی اس حرکت پر سعد دل ہی دل میں کافی شرمندہ بھی ہوا، لیکن وہ جانتا تھا کہ درشہوار ایسے راستے کی مسافر بننے کی کوشش کر رہی ہے جس کی کوئی منزل نہیں تھی اور راستے میں مڑ جانا اتنا تکلیف دہ نہیں تھا جتنا بہت دور جا کر واپس آنا۔ اس بات کے بعد درشہوار کو ایک دم چپ لگ گئی تھی اور باقی کا راستہ اس نے خاموش بیٹھ کر ہی گذارا تھا۔

سعد اپنی گاڑی میر ہاؤس کے گیٹ پر روک چکا تھا، درشہوار جلدی سے باہر نکل آئی اور کچھ بھی کہے بغیر تیز تیز اندر کی طرف چل دی، اسکی اس بدتمیزی پر طوبیٰ ایک دم خفت کا شکار ہوئی، تبھی اس نے زبردستی مسکرا کر سعد کی طرف دیکھا۔

''تھینک یو سعد بھائی۔۔۔تھینکس آلاٹ۔۔۔''

''اٹس اوکے سسٹر۔۔۔۔ٹیک کیئر۔۔۔'' سعد نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

''ویسے کبھی کبھی تو تم بھی ایسی چھچھوری حرکتیں کرتے ہو، کہ دماغ کھول جاتا ہے میرا۔۔'' ہادی نے اسکی لفٹ دینے والی حرکت پر طنز کیا۔

''یار انسانیت اور بھائی چارہ بھی کسی چڑیا کا نام ہے، اور پھر ارسل کی کزنز ہیں، اتنے خراب موسم میں کیسے جاتیں وہ۔''

''یہ ان کو گھر سے نکلنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا، مجھے تو حیرت ہوتی ہے اس گھر کے مردوں پر، جنہوں نے شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑا ہوا ہے انہیں۔''

ہادی کا موڈ اچھا خاصا خراب ہو چکا تھا۔

''پچھلے دو دن سے تم ضرورت سے زیادہ ہی جذباتی اور چڑچڑے نہیں ہو رہے ہو، خیر تو ہے ناں۔۔'' سعد نے بات کو ہلکا پھلکا سا رنگ دیا۔ جب کہ ہادی اس کی بات پر خاموش رہا تھا، اس کی تمام تر توجہ گیٹ کے سامنے کھڑی کسی سیاح کی گاڑی کی طرف تھی، جو وہاں پر پارک کر کے خود مزے سے چلا گیا تھا اور ہادی کو اب اگلے کئی گھنٹے تک اس بات پر کڑھنا تھا۔

☆......☆......☆

''اب بتاؤ، میری مسز بن کر تم کیسا محسوس کر رہی ہو۔۔۔؟''

اس کے الفاظ ہتھوڑے کی مانند رومیصہ کے اعصاب پر برسے، پچھلے کئی گھنٹے رونے کے بعد اسکی نیلگوں آنکھیں بالکل خشک ہو چکی تھیں۔ ایسا گمان ہوتا تھا جیسے نیلا سمندر اب ساکن ہو گیا ہو۔۔

نکاح کے ہنگامے کے بعد وہ پورے چوبیس گھنٹے گذار کر اس فارم ہاؤس میں واپس آیا تھا، البتہ جاتے جاتے وہ اسے پرانے کمرے سے گیسٹ روم میں منتقل کرنے کا احسان ضرور کر گیا تھا جس میں ایک چھوٹا سا امریکن کچن بھی تھا۔ ورنہ وہ خوف سے تو بے شک نہ

مرتی لیکن بھوک اور پیاس سے ضرور اسکی جان نکل جاتی، کمرے کے روم فریج میں کھانے پینے کا بے تحاشا سامان تھا۔

جب سے وہ فارم ہاؤس میں آیا تھا اس پر مسلسل طنز کے تیر برسانے میں مصروف تھا۔ جبکہ دکھ، اور صدمے کی زیادتی سے رومیصہ بالکل گنگ تھی اور اسکی یہی خاموشی اسے مزید سلگا رہی تھی۔

''اس وقت تو بڑی فلمی ہیروئنوں کی طرح آہیں بھر بھر کر دعوے کر رہی تھیں مرنے کے۔۔۔'' اس کے طنزیہ انداز پر رومیصہ کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔

''تم ایک انتہائی چیپ انسان ہو۔۔۔'' رومیصہ کے شکست خوردہ انداز پر اس نے فاتحانہ قہقہہ لگایا۔

''اور تم تو بہت ڈھیٹ ہو، میں نے تو نکاح تک کر لیا تاکہ دیکھ سکوں، تم اپنے ہاتھوں سے کیسے اپنا گلا گھونٹتی ہو، لیکن تم تو بہت بزدل نکلیں، میرے ایک دفعہ گھورنے پر ہی فوراً دستخط کر دیئے، اس کا مطلب ہے تم لڑکی نہیں کوئی کٹھ پتلی ہو۔۔۔'' رومیصہ نے بیزاری سے اسے پاگلوں کی طرح ہنستے دیکھا۔

اسے لگا جیسے ہنستے ہنستے اس کا دم نکل جائے گا اور اس نے شدت سے دل ہی دل میں اس کے مرنے کی دعا مانگی تھی کیونکہ اتنا تو اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اسی صورت میں ہی اس سے چھٹکارہ ممکن ہے۔

وہ انتہائی عجیب وغریب شخصیت کا حامل تھا، پل میں تولہ، پل میں ماشہ، اس نے انتقاماً اسے اغوا کروایا اور پھر اسکے ایک طعنے نے اسکی مردانگی کو للکارا تو وہ بغیر سوچے سمجھے اس سے نکاح کرنے پر راضی ہو گیا اور اب بیٹھ کر اس کی بے بسی کا نظارہ کر رہا تھا۔

''میرے گھر والے چھوڑیں گے نہیں تمہیں۔۔۔'' رومیصہ نے انگلی اٹھا کر اسے جذباتی لہجے میں دھمکی دی۔

''اچھا، کیا کریں گے، بتاؤ۔۔۔'' وہ تھوڑا اس کے قریب آیا، رومی کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا، اور وہ بے ساختہ کچھ قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''دھمکی مت دینا، بہت الٹے دماغ کا بندہ ہوں، جس کام سے روکا جائے، وہی کرتا ہوں۔۔۔''

''اچھا ٹھیک ہے، پھر رکھو، ساری زندگی مجھے اپنے پاس، میری مدر کہتی ہیں کہ میں تو خود چلتی پھرتی ایک سزا ہوں اپنے اردگرد کے لوگوں کے لیے۔'' رومی نے فوراً ہی پینترا بدلا۔

''اتنا بے وقوف نہیں ہوں میں، جو تمہاری اس بات کی ضد میں آ کر چھوڑ دوں تمہیں۔۔'' اس نے رومیصہ کی چال کو چٹکیوں میں اڑایا تو وہ ایک دم جھنجھلا سی گئی۔ ''تم جیسے کئی آئے اور کئی گئے۔۔''

''جانتا ہوں میں، ٹینا سہگل کی بیٹی ہو تم، جن کے پاس مردوں کو انگلیوں پر نچانے کا وسیع تجربہ ہے۔۔'' اس نے رومیصہ کی طرف تلخ لفظوں کے انگارے اچھالے۔

''شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔۔۔'' رومی ایک دم حلق پھاڑ کر چیخی۔ اس کی آنکھوں سے گویا شرارت پھوٹ پڑے۔

''تم خود کس گھٹیا شخص کی اولاد ہو، کبھی اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھ لو، ایک کمزور اور بے بس لڑکی کو یہاں قید کر کے سمجھتے ہو، بڑی مردانگی ہے تم میں۔''

وہ پہلی بار اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''میرے باپ کو گالی مت دینا۔۔۔'' غصّے کی زیادتی سے اسکا بھی چہرہ مسخ ہوا۔

''ہاں تم خود دوسروں کی ماؤں کو جتنے مرضی بُرے الفاظ میں یاد کرو، تمہیں تو سو گناہ بھی معاف ہیں۔۔۔'' رومیصہ کے تنے ہوئے نقوش اسکی بیزاری کے گواہ تھے، اس زبردستی کے نکاح نے اسے مزید نفع و نقصان سے بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ کچھ لمحے اسکی نیلگوں آنکھوں میں جھانکتا ہوا ایک دم ہنس پڑا۔

''ٹرسٹ می، اس وقت بالکل بیویوں کی طرح دو بدو لڑ رہی ہو۔۔''

''شٹ اپ۔۔'' وہ قدرے رخ موڑ کر ناراضگی سے بیٹھ گئی۔

''شکر کرو، بچا کر نکال لایا ہوں تمہیں یہاں، ورنہ اب تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے سڑ رہی ہوتی۔'' وہ روم فریج سے جوس کا ٹن نکال کر اس کے سامنے بیٹھ گیا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔۔

''تمہارے اس قید خانے سے تو جیل کی سلاخیں ہی اچھی۔۔'' وہ ایک دم جل کر بولی۔

''کیا اتنا بُرا ہوں میں۔۔۔'' وہ دونوں بازو سینے پر باندھ کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

رومیصہ نے پہلی دفعہ اس دراز قامت شخص کو غور سے دیکھا، جو اس وقت سفید ٹی شرٹ کے ساتھ گھٹنوں سے تھوڑی نیچے آتی سیاہ شارٹس میں بالکل گھریلو حلیے میں تھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی اور آنکھیں رتجگوں کی غماضی کر رہی تھیں۔ وہ اپنی شکل و صورت اور اسٹائل سے کسی ویل اسٹیبلش فیملی کا فرد لگتا تھا اور ٹھیک ٹھاک ہینڈسم تھا۔

''میری برداشت کو اتنا مت آزماؤ۔۔۔'' رومیصہ کی آواز میں تلخی رچی ہوئی تھی۔

''تو کیا روحیل محمود کی طرح مجھے بھی اپنی گاڑی کے نیچے کچل دو گی۔۔؟'' اسکا لہجہ رومیصہ کو خاصا تضحیک آمیز لگا۔

''اسے تو نہیں کچلا تھا لیکن تم انشاءاللہ ضرور مارے جاؤ گے میرے ہاتھوں۔۔'' اس کے مضبوط لہجے پر وہ قہقہہ لگا کر بلند آواز میں ہنسا۔

''لڑکی جی دار ہو تم، تبھی تو زندہ کھڑی ہو میرے سامنے۔۔'' وہ اب فریج سے ایک اور کوک کا ٹن نکال چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے صدیوں کا پیاسا ہو۔

''ویسے ایک بات تو بتاؤ۔۔'' رومیصہ گھوم کر اسکے پاس آن کھڑی ہوئی۔

''جو ایف آئی آر میرے خلاف کٹوائی گئی تھی، اس کی رو سے تو مجھے ویسے ہی سزا ہو جانی ہے، تم نے کیوں مجھے کڈنیپ کرنے کی زحمت کی۔''

''اس لیے کہ مجھے یقین تھا تمہاری مدر کے ''چاہنے'' والے تمہیں اس کیس سے کسی نہ کسی طرح بچا کر لے جائیں گے اور میں روحیل کی قاتلہ کو یوں سڑکوں پر دندناتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔''

''مارنا ہی تھا تو نکاح کیوں کیا ہے میرے ساتھ۔۔۔؟'' رومیصہ تلخی سے بولی۔

''تمہارے ضد دلانے پر، ورنہ میں اور تم جیسی لڑکی سے شادی کروں۔ اتنا گرا ہوا اسٹینڈرڈ نہیں ہے میرا۔'' اس کے تضحیک آمیز انداز پر رومی کی آنکھوں کی جوت مدھم ہوئی، اور کچھ لمحوں کو اس کی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔ ہونٹوں پر پھسلتی نمکینی سے اسے محسوس ہوا وہ رو رہی ہے۔

اس نے ہاتھ میں پکڑا خالی ٹن ڈسٹ بن میں اچھال کر رومیصہ کی طرف پلٹ کر دیکھا، ایک کرسی گھسیٹ کر اسکے بیڈ کے پاس لے آیا، وہ کرسی کی بیک سائیڈ رومی کے بیڈ کی طرف رکھ کر الٹے انداز میں اس پر بیٹھ گیا، اس نے کرسی کی پشت پر اپنا چہرہ ٹکا، کر اپنے بازو اس کے اردگرد پھیلا لیے اور بغور اسے دیکھنے لگا رومیصہ کو اپنا دل کھائی میں گرتا ہوا محسوس ہوا۔

''یقین مانو، تم دنیا کی واحد لڑکی ہو، جو روتے ہوئے بہت دلکش لگتی ہو۔''

''اللہ کرے مر جاؤ تم۔۔۔'' اس کے بلند آواز میں رونے پر وہ اس سے بھی اونچی آواز میں ہنسنے لگا، جیسے اس نے اس صدی کا سب سے بڑا لطیفہ سنا دیا ہو۔

رومیصہ کو یقین آ گیا تھا کہ اس کے دماغ کا ایک پیچ نہیں بلکہ وہ پورا ہی کھسکا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

شہرزاد مری کے لیے نکلی تو اس وقت موسم خاصا ابر آلود تھا۔۔۔

ٹمبر مافیا کیس کے سلسلے میں آج اسے ہر قیمت پر ہادی کے آفس میں شجاع غنی سے ملنا تھا، جو اپنے پیر کے فریکچر کی وجہ سے اسلام آباد آنے سے معذرت کر چکا تھا، شہرزاد، رومی کے کیس کے ساتھ ساتھ شجاع غنی کے کیس پر بھی پوری توجہ دے رہی تھی، وہ بیرسٹر عالیہ قریشی کی امیدوں پر پورا اترنا چاہتی تھی۔

موسلا دھار مینہ کی بوندیں اسکی گاڑی کی چھت پر جلترنگ بجا رہی تھیں اور ہوا میں پیڑوں کی سبز خوشبو رچی ہوئی تھی۔ سنگلاخ سڑک سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی دور تک چلی جا رہی تھی۔

مری کے جانے پہچانے راستے اسے ہمیشہ نوسٹلجیا میں مبتلا کرتے تھے۔ مری کانونیٹ کی سامنے والی سڑک پر وہ رومی کی انگلی پکڑ

کرا کثر باہر نکل آتی۔لوئر ٹوپہ، پتریاٹہ، چھانگلہ گلی، ایوبیہ، جھینگا گلی، خانسپور، کالا باغ، لارنس کالج، اور گولف کورس کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں وہ بچپن میں رومی اور ٹینا بیگم کے ساتھ نہ گئی ہو۔یہاں کے چپے چپے سے اسکی یادیں وابستہ تھیں۔

''کہاں ہو گی رومی اور کس حالت میں ہو گی۔۔۔''ایک بے نام اضطراب اس کے جسم میں چٹکیاں بھرنے لگا۔

''کیا میں اسے دوبارہ کبھی زندگی میں دیکھ پاؤں گی۔۔۔؟''اس کی آنکھوں میں رقم کرب کی تحریر صاف پڑھی جا رہی تھی۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصّے میں وہ اسے ڈھونڈ نکالے، دو دن میں ارتضی حیدر کئی جگہوں پر ریڈ کروا چکا تھا جہاں رومی کے ملنے کا ایک پرسنٹ بھی چانس تھا لیکن ناکامی ہر جگہ سے اس کا مقدر بن رہی تھی۔

دوسری طرف وقار درانی مسلسل اس سے رابطہ کرنے کی کوششوں میں تھا اور وہ جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر رہی تھی۔وہ اسے مکمل طور پر زچ کر کے اس پوائنٹ پر لانا چاہتی تھی جہاں اس کے پاس سمجھوتہ کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو۔

چیڑ اور دیودار کے سدا بہار درختوں کے درمیان میں اسکی گاڑی تیزی سے اپنی منزل کی طرف گامزن تھی۔تیز بارش میں اس کا ڈرائیور بڑی مہارت سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔اس وقت دن کے گیارہ بج رہے تھے جب وہ ہادی کے آفس میں پہنچی۔

بارش ابھی تک ہو رہی تھی اور اسکی خنکی دھیرے دھیرے بدن کو چھو رہی تھی۔شجاع غنی، ہادی کے آفس میں پہلے سے موجود تھا ،اسے دیکھ کر وہ بے ساختہ مسکرایا اور اس نے بڑے پر جوش انداز میں اسے سلام کیا تھا۔

سیاہ رنگ کے شلوار قمیض سوٹ میں مسٹرڈ کلر کا اسکارف گلے میں ڈالے وہ بالکل سادہ سے حلیے میں اندر داخل ہوئی تو ہیوگو باس پرفیوم کی مہک چاروں طرف پھیل گئی۔ہادی اور سعد دونوں ایک ہی کمپیوٹر پر کام کرنے میں مگن تھے۔

''السلام علیکم۔۔۔!!!'' اسکا پر اعتماد لہجہ دونوں کو چونکا گیا، ہادی نے فوراً رسٹ واچ پر ٹائم دیکھا، وہ اپنے مقررہ وقت سے پانچ منٹ پہلے پہنچ چکی تھی۔

''ویلکم بیرسٹر شیری۔۔۔''

ہادی نے ایک خیر مقدمی مسکراہٹ اسکی طرف اچھالی، اور اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔وہ انتہائی پر سکون نظر آ رہی تھی، اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل میز پر رکھی اور اپنے سنہری مائل بھورے سلکی بالوں کو لاشعوری طور پر جوڑے کی شکل میں باندھ کر اندر بال پوائنٹ پھنسا لی تھی۔

''یہ میرے کولیگ اور بیسٹ فرینڈ ہیں سعد رحمانی۔۔۔''ہادی نے سنجیدگی سے تعارف کی رسم نبھائی۔سعد نے ہلکا سا سر خم کر کے اسے سلام کیا۔

''کیا مجھے شجاع صاحب سے بات یہیں کرنا ہو گی۔۔۔''وہ ہلکے سے تذبذب کا شکار ہوئی۔۔۔

''اگر آپ ایزی فیل نہیں کر رہیں تو ہم لوگ چلے جاتے ہیں۔۔۔''ہادی اپنے دونوں بازو سینے پر باندھ کر مونچھوں تلے مسکرایا۔

''ناٹ ایٹ آل، بات میرے ایزی ہونے کی نہیں بلکہ میرے کلائنٹ کی پرائیویسی کی ہے۔''اس کا لہجہ بڑا ہموار اور متوازن تھا۔ہادی کے ساتھ ساتھ سعد نے بھی اسے گہری نظروں سے جانچا۔

''اوکے، آپ میٹنگ کریں، ہم لوگ ایک چکر فیلڈ کا لگا کر آتے ہیں۔۔۔''ہادی نے فوراً میز سے اپنا سیل فون اور گاڑی کی چابی اٹھائی اور سعد کے ساتھ باہر نکل پڑا۔باہر بارش رک چکی تھی۔اس لیے دونوں نے پیدل ہی چلنے کا فیصلہ کرلیا۔

''بڑی ''دبنگ'' خاتون ہیں یہ۔۔۔''سعد نے باہر نکلتے ہی شہزاد پر تبصرہ کیا۔

''ہاں اور بہت جینیس بھی۔۔۔۔''ہادی نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا، جو خوب برسنے کے بعد شفاف ہو چکا تھا۔

''اس کا مطلب ہے میر خاندان کی شامت آنے والی ہے۔۔۔''سعد نے چلتے ہوئے سڑک پر پڑے پتھر کو ٹھوکر لگائی۔

''یہ تو آنے والا وقت بتائے گا، ویسے مام بہت تعریف کر رہی تھیں کہ اس نے کیس بہت اچھا تیار کیا ہے۔''ہادی نے اسکی معلومات میں اضافہ کیا۔

''ہاں وہ تو اسکا بات کرنے کا اسٹائل اور باڈی لینگویج ہی بتا رہی ہے۔''سعد کی بات پر ہادی نے مزید کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

ہ لوگ اپنے قریبی آفس کا وزٹ کر کے ایک گھنٹے کے بعد واپس آئے تو وہ شجاع غنی کو کل صبح ہونے والی پیشی کے بارے میں اچھی خاصی بریفنگ دے کر جانے کے لیے تیار تھی۔ہادی کی میز پر تازہ پھولوں کا گلدستہ اور کیک پڑا ہوا۔

''یہ کون لے کر آیا۔۔؟'' ہادی خوشگوار حیرت کا شکار ہوا، آج اسکا برتھ ڈے تھا اور یہ بات صرف قریبی لوگ جانتے تھے۔

''کوریئر والا۔۔۔''شہزاد نے اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو وہ ہلکا سا شرمندہ ہوا۔

ہادی نے جلدی سے بکے کے ساتھ رکھا چھوٹا سا گریٹنگ کارڈ کھول کر دیکھا، سامنے درشہوار کا نام دیکھ کر اس کا دماغ بھک کر کے اڑا۔اس نے بیزاری سے وہ میز کی سائیڈ پر پھینک دیا۔سعد نے اس کے چہرے کے بگڑتے زاویوں سے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

''میرا خیال ہے مجھے نکلنا چاہیے۔۔۔''وہ اپنی فائل اٹھا کر کھڑی ہوئی۔

''کل پہلی ہیرنگ ہے آپکی وش یو بیسٹ آف لک۔۔۔''ہادی کی بات پر وہ ہلکا سا مسکرائی اور آفس سے نکل گئی۔

''یہ کیا سین ہے۔۔''شہزاد کے باہر نکلتے ہی سعد نے میز پر رکھی چیزوں کی طرف اشارہ کیا۔

''بے ہودگی۔۔۔اسی گینگ کی لیڈر کی۔۔۔''ہادی کی بات پر سعد کا چہرہ ہلکا سا تاریک ہوا۔اس نے زبردستی مسکرا کر کیک کی طرف دیکھا جس پر ہیپی برتھ ڈے ٹو ہادی کے الفاظ تحریر تھے۔اس کے اندر چھن کر کے کچھ ٹوٹا تھا۔

جب کہ ہادی کا موڈ ٹھیک ٹھاک خراب ہو چکا تھا، اس نے سیل فون پر درشہوار کا نمبر ملایا، جو کہ میسجز میں موجود تھا اور باہر نکل آیا ،دوسری طرف پہلی ہی بیل پر کال اٹینڈ کرلی گئی تھی۔

''زہے نصیب۔۔۔'' وہ چہک کر بولی۔۔

''یہ پھول اور کیک واپس میر حاکم علی کو بھجواؤں یا میر محتشم علی کو۔۔۔'' ہادی کے طنزیہ انداز پر وہ ہلکا سا سپٹائی۔

''آپ کو وش کرنے کے لیے بھجوائے تھے میں نے۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھجک کر بولی۔

''اس قسم کی فضول حرکتیں کر کے ثابت کیا کرنا چاہتی ہیں آپ، ہزار دفعہ بتا چکا ہوں کہ مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں نہ آپ میں، نہ آپکے خاندان میں اور نہ کسی اور چیز میں، اپنا دماغ جتنی جلدی درست کر لیں گی، بہتر ہوگا۔'' وہ سلگ کر مزید گویا ہوا۔

''میں محبت کرتی ہوں آپ سے۔۔۔'' درشہوار نے ایک ہی سانس میں اسے بتانے کی کوشش کی۔

''آپکو ذرا بھی اپنی عزت نفس کا خیال نہیں، آج تک میر حاکم کے خاندان کی مالی کرپشن کے ہی قصّے سنے تھے لیکن اب پتا چلا کہ ان کی خواتین بھی ماشاءاللہ اخلاقی پستیوں میں گرنے کے ریکارڈ بنا رہی ہیں۔ بھاڑ میں جائیں آپ اور آپکی محبت، سمجھیں۔۔۔'' وہ اسکی سماعتوں میں زہر گھول کر کال بند کر چکا تھا۔

،درشہوار کو لگا جیسے کسی نے اسے ایفل ٹاور سے دھکا دے دیا ہو۔ اس کی شرارتیں، شوخیاں اور زندہ دلی کو وہ اخلاقی گراوٹ قرار دے چکا تھا، اس کی محبت ہادی کے نزدیک کسی تنکے سے بھی ہلکی تھی۔ درشہوار کو لگا جیسے وہ اب کبھی سر اٹھا کر نہیں چل پائے گی۔

☆......☆......☆

وہ ایک بھید بھری شام تھی۔۔۔

بارش کی طوفانی بوچھاڑ، ٹین کی چھتوں اور درختوں پر بڑی بے رحمی سے برس رہی تھی۔ تیز ہواؤں کا شور اس سے بڑا ہولناک لگ رہا تھا۔ آسمان سیاہ بادلوں سے اٹا ہوا بڑے غضب ناک موڈ میں تھا۔ جون کا مہینہ تھا لیکن مری کی ہوائیں خاصی سرد تھیں۔ بارش کے تھمنے کے کوئی آثار نہیں تھے۔

درشہوار پچھلے لان میں زمین پر اکڑوں بیٹھی پچھلے ایک گھنٹے سے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ جب کہ میر ہاؤس میں اس کے نام کی ڈھنڈیا مچی ہوئی تھی۔

''بڑی امی وہ، اسٹور، ڈائننگ، کچن، لاؤنج کہیں پر بھی نہیں ہے۔۔۔'' انابیہ نے باہر چمکتی بجلی سے گھبرا کر ہال کمرے کی کھڑکیاں بند کرتے ہوئے تاجدار بیگم کو جواب دیا جو درشہوار کی گمشدگی پر خاصی پریشان تھیں۔

''ذرا بھاگ کر پچھلے لان میں دیکھ کر آؤ۔۔۔''

''اور پڑوسیوں کے ہاں بھی جھانک لینا، آجکل وہاں بڑے چکر لگتے ہیں اس کے۔۔'' ہال کے تخت پر چھالیہ کترتی ندرت بیگم نے اپنی جیٹھانی کی طرف طنزیہ انداز میں دیکھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟'' تاجدار بیگم سینہ ٹھونک کر میدان میں اتر آئیں، وہ تو ویسے بھی اپنے سسر میر حاکم علی کی چہیتی بہو تھیں۔

''وہ اس دن پڑوسیوں کا لڑکا شکایت لے کر نہیں آیا تھا بھلا۔۔۔؟'' ندرت بیگم نے ماتھے پر انگلی مار کر یاد کرنے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔

''اس قصّے میں درشہوار ہی نہیں طوبیٰ اور نمیرہ بھی شامل تھیں، لگتا ہے خاقان کے آنے کے بعد تمہاری یاداشت کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔۔۔'' انہوں نے فوراً ہی ان کی طبعیت سیٹ کی، وہ تو ویسے ہی بڑے دھڑلے والی خاتون تھیں۔ درشہوار مزاجاً کافی زیادہ انہی پر تھی۔

''میں تو ویسے ہی بات کر رہی تھی بھابھی، آپ تو بُرا ہی مان گئیں۔۔۔'' انہوں نے فوراً پینترا بدلا۔

''میں نے تمہیں کہا ہے کہ پچھلے لان میں دیکھ کر آؤ، تم ابھی تک ادھر ہی کھڑی ہو۔'' تاجدار بیگم کی نظر انابیہ پر پڑی جو منہ کھولے دیورانی جیٹھانی کی نوک جھونک سننے میں مگن تھی۔

''بڑی امی، اتنے خراب موسم میں وہ باہر کیا کرنے جائے گی۔۔۔'' انابیہ نے خفت زدہ انداز میں فوراً صفائی دی۔

''پاگلوں کے سر پر سینگ تھوڑا ہوتے ہیں اور ہر الٹا کام کرنا تو فرض ہے اس لڑکی پر، جاؤ ذرا دیکھو، اس کے داجی بلا رہے ہیں اسے، اباجی کو بھی بس ہر وقت درشہوار ہی اپنے اردگرد نظر آنی چاہیے۔۔۔'' آخری فقرہ انہوں نے بڑے جتاتے ہوئے انداز میں کہا تو ندرت بیگم پہلو بدل کر رہ گئیں۔

''اچھا دیکھ کر آتی ہوں۔۔۔'' انابیہ فوراً پچھلے لان کی طرف لپکی۔

اس نے جیسے ہی دروازہ کھولا، تیز ہوا کے ساتھ یخ بستہ بوندیں اس کے چہرے سے ٹکرائیں۔ بدمست ہوا اس کے کپڑوں کو اڑانے لگی اس نے بمشکل اپنے دوپٹے کو کس کر اپنے اردگرد لپیٹا، جیسے ہی اسکی آنکھیں مسلسل برستے مینہ میں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اسے ایک دم دھچکا سا لگا۔

تیز بارش میں درشہوار خوبانی کے پیڑ کے نیچے بیٹھی مسلسل زمین کھرچ رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے حواسوں میں نہ ہو۔ اس کا لباس بھیگ کر اس کے جسم سے چپک گیا تھا، اور وہ مسلسل زمین کھودے جا رہی تھی۔

''درشہوار پاگل تو نہیں ہوگئی ہو کیا۔۔۔؟'' انابیہ برآمدے میں کھڑی ہو کر چیخی تو اس نے سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھا، انابیہ سمجھ نہیں پائی کہ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا ہے یا بارش کے پانی سے۔۔۔

''بے وقوف لڑکی، اندر آؤ۔۔۔'' وہ ایک دم پریشان ہوئی لیکن دوسری طرف درشہوار کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔۔۔؟'' اس کے بلند آواز میں چیخنے کی آواز برہان نے کافی ناگواری سے سنی تھی۔ وہ ابھی

ابھی داجی کے کمرے سے ہو کر آئے تھے جہاں ان کا اور انابیہ کی رخصتی کا معاملہ زیر بحث تھا اور اس موضوع نے ان کا موڈ اچھا خاصا خراب کر دیا تھا۔

''کیا پرابلم ہے انابیہ، ایسے کیوں چیخ رہی ہو۔۔۔'' برہان دروازہ کھول کر باہر نکلے تو بارش کی تیز بوچھاڑ نے ان کا استقبال کیا، انابیہ ہلکا سا بوکھلا گئی اس کی اپنے دوپٹے پر گرفت تھوڑی ہلکی ہوگئی، تبھی وہ تیز ہوا کے سنگ اڑتا ہوا برہان کے چہرے سے جا ٹکرایا اور وہ ایکدم کوفت کا شکار ہوئے۔

''اپنا آنچل تو سنبھالا نہیں جاتا، گھر کیا خاک سنبھالو گی۔۔۔''

وہ جو تازہ تازہ اپنی اور انابیہ کی رخصتی کی خبر سن کر آئے تھے، جھنجھلا کر اس پر برس پڑے۔ انابیہ پر گھڑوں پانی پھر گیا۔ انہوں نے ناراضگی سے انابیہ کا دوپٹہ اسکی طرف اچھالا، تبھی ان کی نظر درشہوار پر پڑی۔ وہ بے اختیار اس کی طرف دوڑے۔

''پاگل تو نہیں ہوگئی ہو، اتنی تیز بارش میں بھیگ کر بیمار ہونا ہے کیا۔۔۔''

برہان زبردستی اسکا بازو پکڑ کر گھسیٹ کر برآمدے میں لائے، درشہوار کے جسم میں ہلکی کپکپاہٹ تھی، ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں باقاعدہ سن ہو چکی تھیں۔

''تم ٹھیک تو ہو ناں۔۔۔'' انابیہ تھوڑی دیر پہلے کی بے عزتی بھلا کر درشہوار کی طرف متوجہ ہوئی، اس کے ہونٹ نیلے ہو رہے تھے۔ آنسوؤں کے پرحدت قطرے اس کے گلابی گالوں پر مسلسل پھسل رہے تھے۔

''یہ کیا حرکت کی ہے تم نے۔۔؟'' برہان اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئے۔

ان کے تشویش بھرے انداز پر وہ اور بھی شدت سے رونے لگی، برہان نے بے ساختہ اس کا کانپتا ہوا بازو پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔

''گڑیا، کیا ہوا میری جان۔۔۔؟'' برہان کو اپنی اکلوتی بہن کے آنسو تکلیف دے رہے تھے۔ درشہوار نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا اور پھر لب بھینچ لیے، وہ چند گہری سانسیں لے کر اب خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

رات گئے تک اسے تیز بخار ہو گیا تھا، بخار کی حدت سے اسکا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ طوبیٰ پچھلے ایک گھنٹے سے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں اس کے ماتھے پر رکھ رہی تھی، جب کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی، پورے میر ہاؤس میں کھلبلی سی مچ گئی تھی، میر حاکم اسکی طبعیت کا پوچھنے کے لیے اس کے بیڈروم میں اچانک ہی چلے آئے، وہاں موجود تمام خواتین بوکھلا سی گئیں۔

ندرت بیگم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنی سوتن شارقہ بیگم کو ایک معنی خیز سا اشارہ کیا۔ وہ لوگ ایک ایک کر کے کمرے سے کھسک گیں، کچھ بھی تھا داجی کی اپنی اس پوتی میں جان تھی۔

''بھئی قسمت والی ہے درشہوار، آج تک سسر جی نے ہمارے کمرے میں کبھی جھانک کر نہیں دیکھا۔'' اوپر والے سیٹنگ روم

میں داخل ہوتے ہی ندرت بیگم نے اپنی سوتن سے گلہ کیا، طوبیٰ بھی ان کے ہمراہ تھیں جبکہ انابیہ وہیں رک گئی تھی۔

''ہاں تین بھائیوں کی بہن جو ہوئی۔۔۔'' شارقہ بیگم آجکل خاصی دکھی تھیں کیونکہ خاقان علی مری میں آ کر بھی آجکل انہیں لفٹ نہیں کروا رہے تھے۔ طوبیٰ ان کی گفتگو سے بیزار ہو کر پچھلے لان کی طرف چلی آئی، سامنے کا منظر دیکھ کر اسے دھچکا لگا۔

برآمدے کی سیڑھیوں میں شاہ میر اور نمیرہ دونوں چائے کے مگ پکڑے بیٹھے ہوئے تھے، نمیرہ اللہ جانے شاہ میر کو کون سا دلچسپ قصّہ سنا رہی تھی، اسکے چہرے پر مسلسل ایک مسکراہٹ تھی، جو طوبیٰ کو سخت ناگوار گزری تھی۔

''درشہوار کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے، شاید اسے سی ایم ایچ لے کر جانا پڑے۔۔'' طوبیٰ نے جان بوجھ کر رنگ میں بھنگ ڈالا، شاہ میر بوکھلا کر کھڑا ہوا اس نے چائے کا مگ وہیں سیڑھیوں پر رکھ دیا اور مڑ کر طوبیٰ کی طرف دیکھا جو ناراض نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔۔

''کیا ہوا اسے۔۔؟'' وہ سچ مچ پریشان ہوا۔

''تمہیں خود معلوم ہونا چاہیے، بہن ہے وہ تمہاری۔۔۔'' طوبیٰ کو نہ جانے کیوں اس پر غصّہ آ رہا تھا، شاہ میر نے اسکا اسٹابری کی طرح سرخ ہوتا چہرہ غور سے دیکھا، وہ کھا جانے والی نظروں سے نمیرہ کو دیکھ رہی تھی، جس کے ہاتھ میں فرنچ فرائز کی بڑی ساری پلیٹ پکڑی ہوئی تھی۔ اسے سارا معاملہ سمجھ آ گیا تھا اور اس دفعہ اس کے چہرے پر بڑی معنی خیز سی مسکراہٹ ابھری، طوبیٰ جھنجھلا کر نمیرہ کے برابر میں بیٹھ گئی اور اسکا رکھا ہوا چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

☆......☆......☆

صبح کی سروس میں شرکت کرنے کے لیے مونیکا چرچ کے مرکزی دروازے سے اپنی ماں کے ساتھ اندر داخل ہوئی تو اس کے چہرے پر کوفت اور بیزاری کا تاثر خاصا گہرا تھا، وہ پچھلے کچھ دنوں سے چھٹیوں پر گھر آئی ہوئی تھی اور آج اپنی ماں کے بے تحاشا اصرار پر ان کے ساتھ چلی آئی تھی۔ اس کی ماں نے اندر داخل ہوتے ہی پیالے میں انگلیاں ڈبو کر اپنے سامنے صلیب کا نشان بنایا۔

مونیکا کے دماغ میں مفتی عبدالرشید کی کہی ہوئی باتیں گونجیں۔

''انسان کو چاہیے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کریں، نہ کسی مقرب فرشتے کی، نہ کسی نبی مرسل کی اور نہ کسی ولی صالح کی اور نہ اللہ کی مخلوق میں سے کسی کی، کیونکہ عبادت کی مستحق صرف اللہ کی ذات ہے، جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے، اسکا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔۔''

مونیکا کا دماغ کہیں اور پہنچا ہوا تھا اس کی ماں نے کہنی مار کر متوجہ کیا، وہ ہڑبڑا کر چاروں طرف دیکھنے لگی، اس وقت سب چرچ میں مل کر گا رہے تھے۔ اس نے بھی ہڑبڑا کر ان کا ساتھ دینا شروع کیا۔

''خداوند رحم کر۔۔۔۔

یسوع رحم کر۔۔۔۔

یسوع رحم کر۔۔۔۔

اس کے ہونٹ تو ہل رہے تھے لیکن وہ عبادت کے سبھی مراحل میں غائب دماغ تھی، اس نے جلتی ہوئی مقدس شمع کو بیزاری سے دیکھا کیونکہ اس کا سینہ ہدایت کے نور کی روشنی سے بھر چکا تھا۔

وہ اپنی ماں کے ساتھ چوبی نشستوں پر بیٹھ چکی تھی لیکن اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ منتر پڑھ کر اس گرجے سے غائب ہو جائے۔ کسی عجیب سے احساس نے اس کے دل کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔

سامنے اجتماعی توبہ کا عمل شروع ہوتے ہی اس پر ایک دم وحشت کا بھرپور حملہ ہوا لیکن اس نے اپنی ماں کی خاطر صبر کا کڑوا گھونٹ پی لیا، وہ خالی نظروں کے ساتھ عبادت کے باقی مراحل دیکھنے لگی لیکن اس کے دل کو پنکھے لگے ہوئے تھے اور جیسے ہی سب لوگ قطاریں بنا کر مقدس کمیونن لینے کو کھڑے ہوئے، اس کے ضبط کی طنابیں چھوٹ گئیں، اور وہ لائن توڑ کر بھاگتی ہوئی چرچ سے باہر نکلی، بہت سے لوگوں نے سخت ناگواری سے اسے دیکھا۔

''یا اللہ مجھے معاف کر دے، میں تیرے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھہرا سکتی۔۔'' وہ فٹ پاتھ پر بیٹھ کر زاروقطار رونے لگی۔

اردگرد سے گذرتے ہوئے لوگوں نے اسے تاسف بھری نگاہوں سے دیکھا، وہ اس وقت اپنے ہوش وحواس میں نہیں تھی، اس کی والدہ آدھے گھنٹے کے بعد چرچ سے باہر نکلیں تو ان کا چہرہ غصّے کی زیادتی سے سرخ ہو رہا تھا۔

انہوں نے مونیکا کی تلاش میں دائیں بائیں نظریں دوڑائیں، وہ انہیں تپتی ہوئی دھوپ میں سنگلاخ روش کی سیڑھی پر بیٹھی ہوئی نظر آ گئی۔

سیاہ رنگ کے عبایہ میں سفید اسکارف اوڑھے مارتھا تیز تیز چلتیں ہوئیں اس کے پاس پہنچیں اور ناراضگی سے اسے گھورنے لگیں۔ مونیکا نے اپنے اوپر کسی کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کیا تو گردن اٹھا کر مڑ کر دیکھا، اور سامنے اپنی ماں کو دیکھ کر اس نے جلدی سے بازو کی پشت سے اپنی آنکھیں بیدردی سے رگڑیں اس کے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس وقت ماں کی ناراض نظروں کا سامنا کر سکے اس لیے ڈھیٹ بن کر بیٹھی رہی۔

''تم نے آج بہت بدتمیزی کی ہے مونیکا، خداوند تم سے خفا ہو گا۔۔'' اس کی بوڑھی ماں نے بیزاری سے اسکی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر اسکا چہرہ اپنی طرف کیا، جو آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں۔۔؟ تمہاری طبعیت تو ٹھیک ہے ناں۔۔'' ان کی برہمی تھوڑا کم ہوئی تو لہجے میں تشویش در آئی۔

''پتا نہیں کیا ہو گیا ہے، میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔۔۔'' اس کا لہجہ ابھی تک آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

''مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ، جب سے گھر آئی ہو، الجھی الجھی سی ہو۔'' اس کی ماں نے فکرمند نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔ دل میں ایک ساتھ بہت سے اندیشوں نے جگہ بنا لی تھی وہ ان کے تینوں بچوں میں سب سے زیادہ فرمانبردار، شریف اور اپنے کام سے کام رکھنے والی ایک حساس لڑکی تھی اور اس کی ہر ممکن کوشش ہوتی کہ وہ اپنی وجہ سے کسی اور کو تکلیف نہ پہنچائے۔

''بتاؤ ناں مونیکا کیا ہوا ہے تمہیں۔۔۔؟''

''میرا دل نہیں کرتا چرچ میں آنے کو۔'' مونیکا کے انداز میں کچھ تھا اسکی ماں ایکدم خوف کا شکار ہوئی۔ ''لیکن کیوں۔۔؟''

''پتا نہیں، آج بھی آپکو ضد کر کے مجھے نہیں لانا چاہیے تھا۔۔'' اس نے ماں سے گلہ کیا۔

''خداوند، تم پر رحم کرے اور تمہارے بے چین دل کی مسیحائی کرے۔ تم اپنے اور یسوع کے بیچ میں کسی کو آنے مت دینا بیٹا، ورنہ گمراہ ہو جاؤ گی۔۔'' اسکی ماں نے اپنے جھریوں سے بھرا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر نرمی سے نصیحت کی۔

وہ چاہتے ہوئے بھی انہیں نہیں بتا سکی، کہ اللہ جب کسی شخص کو ہدایت کی روشنی بخش دیتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی چیز اسے گمراہ نہیں کر سکتی۔ اس نے ماں کو مطمعن کرنے کے لیے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

''گھر چلیں۔۔'' وہ اب خود کو سنبھال چکی تھی لیکن اسکی ماں کا دل اندیشوں کی اماجگاہ بن چکا تھا، تبھی انہوں نے گھر پہنچتے ہی سب سے پہلے اپنے شوہر جارج سے یہ پریشانی شیئر کی۔ مونیکا کا باپ بھی یہ سب سن کر اچھا خاصا پریشان ہو گیا۔

''ہو سکتا ہے اس کی طبعیت ٹھیک نہ ہو، تمہیں اسکے ساتھ زبردستی نہیں کرنی چاہیے تھی۔۔''

''وہ پندرہ دن سے یہاں ہے، پچھلی دفعہ بھی ضد کر کے گھر رک گئی تھی، آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن بیچ میں کوئی اور مسئلہ ہے۔'' ماں کا دل غلط نہیں کہہ رہا تھا اور وہی ہوا رات مارتھا، جب اس کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی اس کے ہاتھ میں قرآن پاک کی انگلش تفسیر لگی، مارتھا کا دماغ گھوم گیا، وہ انتہائی مشتعل انداز میں وہ تفسیر اٹھائے ٹی وی والے کمرے میں چلی آئی۔

مونیکا کا گھرانہ ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا اور اور مونیکا این سی اے میں اسکالرشپ پر تعلیم حاصل کر رہی تھی اور اسکا باپ سینٹ میری سکول میں میوزک ٹیچر تھا اور اسکی والدہ ایک گھریلو خاتون تھیں۔

''مونیکا، یہ کیا ہے۔۔'' اسکی والدہ نے غصّے سے تفسیر اس کے سامنے لہرائی، مونیکا کا رنگ اڑ گیا۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے، ہم نے تمہیں یہ پڑھنے کے لیے بھیجا ہے ہوسٹل۔۔'' ان کی آنکھوں میں غصّے کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ اس کے والد نے ٹی وی کا والیوم کم کیا اور اٹھ کر اپنی بیوی کے ہاتھ سے تفسیر پکڑی اور اس کے ٹائیٹل پر نظر پڑتے ہی ان کے بھی چہرے کے زاویئے بدلے۔

''یہ کیا ہے۔۔؟'' اس کے باپ کے لہجے میں بھی سختی در آئی۔

''یہ میری نہیں، میری فرینڈ عائشہ کی ہے، جو میری بکس کے ساتھ آ گئی۔۔'' مونیکا نے فوراً بات بتائی۔

''تم سچ کہہ رہی ہو۔۔؟'' انہوں نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''آف کورس پاپا۔۔'' مونیکا نے دھڑلے سے جھوٹ بول کر اپنے والدین کو مطمعن کرنے کی کوشش کی۔

اس کا جھوٹ جارج اور مارتھا کو دل سے مطمعن نہیں کر سکا، ان دونوں کی رات کی نیند حرام ہو چکی تھی، مونیکا ان کی سب سے بڑی اولاد تھی اور ان کی ساری امیدیں اسی سے وابستہ تھیں۔ رات کو مونیکا انہیں دودھ کا گلاس دینے آئی تو اندر سے آنے والی آوازیں سن کر جھجک کر رک گئی۔

''میں آج ہی داؤد سے بات کر کے پوچھتا ہوں میکائیل کب آئے گا پاکستان، ہمیں جلد از جلد مونیکا کا فرض ادا کر دینا چاہیے۔۔'' جارج نے بچپن میں ہی اسکی منگنی اپنے بھتیجے کے ساتھ کر رکھی تھی اور میکائیل گذشتہ تین سال سے جاب کے سلسلے میں اسپین گیا ہوا تھا۔

''ان سے صاف کہیے گا کہ ہم زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتے۔۔۔'' مونیکا کی ماں مارتھا کو کسی انہونی کا احساس شدت سے ستا رہا تھا۔

''پھر بھی کم سے کم تین یا چار مہینے تو لگیں گے۔۔'' جارج نے انگلیوں پر گن کر اندازہ لگایا۔

''لیکن اس سے زیادہ نہیں ہونے چاہیے۔۔'' وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بمشکل اٹھیں، کیلشم کی کمی نے ان کی ہڈیوں کو وقت سے پہلے خاصا کمزور اور بھربھرا کر دیا تھا اور وہ گذشتہ کافی سالوں سے آسٹیوپروسس (Osteoporosis) مرض کا شکار تھیں۔

''تم ماں ہو اس کی، اسے دوبارہ ٹٹولنے کی کوشش کرو۔۔'' جارج نے اپنی بیوی کو قدرے دھیمی آواز میں مشورہ دیا، جس پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا، دوسری طرف مونیکا فوراً ہی کچن کی طرف پلٹ آئی۔

اس نے جلدی سے دروازہ بند کر کے ذوالکفل کا نمبر ملایا جو اس نے تیسری بیل پر اٹھا لیا تھا۔

''میں بہت زیادہ ٹینس ہوں ذوالکفل۔۔۔'' وہ اسکی بات سن کر گھبرا گیا۔ ''کیا ہوا ہے مونیکا۔۔؟

''ماں مجھے زبردستی چرچ لے کر جا رہی ہے اور انہوں نے میرے پاس قرآن پاک کی تفسیر بھی دیکھ لی ہے۔''

''اوہ مائی گاڈ، تم نے اسے اپنے ساتھ لے جانے کی بے وقوفی کیوں کی۔۔۔''

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اسے میرے پاس دیکھ لیں گی، میرا دل چاہتا ہے کہ میں صاف صاف بتا دوں انہیں۔'' مونیکا کی بات نے اسے پریشان کیا۔

''یہ بے وقوفی مت کرنا، ورنہ تمہاری کمیونٹی کے لوگ جینا حرام کر دیں گے تمہارا بھی اور تمہاری فیملی کا بھی۔'' اس سے کئی سو کلومیٹر

دور ذوالکفل اس کے لیے پریشان ہو رہا تھا، مونیکا ان دنوں چھٹیوں گذارنے اپنے آبائی شہر ملتان گئی ہوئی تھی جبکہ ذوالکفل اپنے دوستوں کے ساتھ شمالی علاقہ جات کی سیر و تفریح کے لیے نکل آیا تھا۔

"لیکن میرے پیرنٹس کو لگتا ہے مجھ پر شک ہو گیا ہے۔ وہ میرے فیانسی میکائل کے گھر والوں کو جلد شادی کرنے کے لیے پریشرائز کرنا چاہتے ہیں۔"

اس نے اصل مسئلہ بتایا۔

"تو اب تم کیا کرو گی۔۔۔؟" وہ بھی فکر مند ہوا۔

"میں کسی کرسچن لڑکے سے شادی کیسے کر سکتی ہوں۔۔" وہ ہلکا سا جھنجلا کر بولی۔

"تو۔۔۔۔؟؟؟" ذوالکفل کی سانسیں رکیں۔۔۔

"ذوالکفل کیا تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتے۔؟" وہ تھکن گذیدہ لہجے میں بولی اور دوسری طرف ذوالکفل ایک دم ہکا بکا رہ گیا۔

☆......☆......☆

چھتیس گھنٹوں میں رومیصہ کی ساری زندگی ہی بدل گئی تھی۔

اس کا ذہن مختلف قسم کی زہریلی سوچوں کی آماہ جگا بنا ہوا تھا، سوچ سوچ کر ذہن پھوڑے کی طرح دکھنے لگتا، اتنا تو اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس مصیبت سے جان چھڑانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

سارا دن وہ اپنے کمرے کی کھڑکیوں سے فارم ہاؤس کے وسیع و عریض لان دیکھتی رہتی، ایسا لگتا تھا جیسے اس جگہ پر اس کے علاوہ کوئی چرند پرند نہ ہو۔ یہ سوچ اسے اور زیادہ خوفزدہ کر دیتی۔

اس دن وہ کھڑکی کی سلاخوں پر نظریں ٹکائے انتہائی دل گرفتگی کے عالم میں سامنے درخت پر بیٹھی نیلی چڑیا کو دیکھ رہی تھی، جب اس کی لینڈ کروزر فارم ہاؤس کی طویل سڑک پر آتی نظر آئی۔ گیسٹ روم کے بالکل ساتھ ہی بڑا سا پورچ تھا جہاں ایک وقت میں چار پانچ گاڑیاں آرام سے کھڑی ہو سکتی تھیں، وہ گاڑی سے اترا تو اس کے ساتھ اس کا ہی ہم عمر ایک دوست تھا، دونوں نے ہاتھ میں بڑے بڑے شاپرز اٹھا رکھے تھے، جس میں یقیناً وہ رومیصہ کے لیے کچھ سامان لایا تھا، وہ کھڑکی سے تھوڑا ہٹ کر پردے کے پیچھے ہو گئی۔

دونوں چلتے چلتے عین اسی کھڑکی کے نیچے آن کھڑے ہوئے، چونکہ شیشہ ہٹا ہوا تھا اس لیے آواز صاف آ رہی تھی۔ رومیصہ کے کان کھڑے ہو گئے وہ دونوں پریشانی کے عالم میں اسی کے متعلق ہی بات کر رہے تھے۔

"تم نے کیا مصیبت ڈال لی ہے اپنے گلے میں، جیکی اور شانی سخت خفا ہیں۔ انہیں پتا چل گیا ناں، کہ تم نے یہاں رکھا ہے اسے، تو چھوڑیں گے نہیں، نہ ہم دونوں کو اور نہ اس لڑکی کو۔۔۔" اس نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔

''اتنے بھی پاٹے خان نہیں ہیں وہ۔۔۔اس نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

''تجھے ضرورت کیا تھی ان سے پنگا لینے کی۔۔۔''اس کے دوست کو غصّہ آیا۔

''جب یہ طے یہی ہوا تھا، کہ اس لڑکی کو مار کر پھینکنا ہے کسی ویرانے میں، پھر راستے میں ان کی نیت کیوں بدلی۔۔۔'' وہ ایک دم بھڑک کر بولا۔

''سالے، تیری بہن لگتی ہے کیا۔۔'' وہ جھنجلا کر بولا۔

''شٹ اپ، مارنا ہے مار دو لیکن، اس کے ساتھ حرام کاری کیوں کریں وہ۔ انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے، ٹھیک ہے اس نے روحیل کو مارا لیکن جان کا بدلہ جان ہونی چاہیے، کسی کی عزت سے کھیلنا نہیں۔۔''وہ بھی ایک دم غصّے میں آ گیا۔

اس کی بات سن کر رومیصہ کا دل دھک کر کے رہ گیا۔ اسے پہلی دفعہ پتا چلا کہ اس کو اغوا کرنے والوں کے درمیان ہی پھوٹ پڑ چکی ہے، اور جو وجہ اس کے سامنے آئی تھی اسے سن کر تو اس کے رونگٹے ہی کھڑے ہو گئے، وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ روحیل کے فرینڈز اس حد تک گر سکتے ہیں۔

اس کا ذہن چکرانے لگا اور وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''اور یہ جو درمیان میں تم نے نکاح والا ڈرامہ کیا ہے، یہ پتا چل گیا ناں ان سالوں کو، تیری بوٹی بوٹی کر دیں گے۔'' اسکا دوست استہزائیہ انداز میں گویا ہوا۔

''یہ بات تمہارے اور میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور اگر باہر نکلی تو چھوڑوں گا نہیں۔۔'' اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

''اتنا کمینہ سمجھ رکھا ہے، تمہاری وجہ سے پچھلے تین دن سے مسلسل خوار ہو رہا ہوں میں، یونیورسٹی کی ایک کلاس نہیں لی، گھر نہیں گیا اور تو مجھے ہی ایسی باتیں سنا رہا ہے۔۔''وہ سچ مچ خفا ہوا۔

''ابے یار بس کر دے، پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہوں، اس رومیصہ کی بہن نے ہر ایک کو آگے لگا رکھا ہے، سالی، اتنا اچھل رہی ہے، اوپر سے وہ خبیث اے ایس پی، کتوں کی طرح بو سونگھتا پھر رہا ہے ہماری۔۔'

'اسکی بات سن کر رومیصہ کے حلق سے ایک پرسکون سانس خارج ہوئی، اسکی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں، اسے پہلی دفعہ کچھ اطمینان ہوا کہ شیری اس کے لیے بھاگ دوڑ کر رہی ہے۔

''لیکن یہ بتا اب کرنا کیا ہے اس مصیبت کا۔۔'' اس کا دوست بیزاری سے گویا ہوا۔

''میں تو خود عذاب میں پھنس گیا ہوں، جیکی اور شانی تو مزے میں رہ گئے اور یہ جیتی جاگتی لاش گلے پڑ گئی ہمارے، میں تو اسکی عزت بچانے کے چکر میں اتنے سالوں کی دوستی سے بھی ہاتھ گنوا بیٹھا۔۔۔''وہ اچھا خاصا پریشان تھا۔

''ایک تو تیری یہ مدر ٹریسا والی روح مرواتی ہے ہر دفعہ ہمیں۔۔''اسکا دوست منہ بنا کر بولا۔

''اچھا یہ سیل فون رکھ اس کا، اور پھینک دینا کسی اور علاقے میں، میری گاڑی میں کسی کے ہاتھ ہی نہ لگ جائے۔۔۔''اس نے اپنی جیب سے رومیصہ کا فون نکال کر پکڑایا تو اس نے جھٹ سے آن کر لیا۔۔۔۔

''اسٹوپڈ انسان، بند کر اسے، مروائے گا کیا۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھنجھلایا۔

''اچھا بابا کر رہا ہوں۔۔۔۔'' اس کے دوست نے سیل فون بند کر کے اسے غور سے جانچتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔

''خیر ہے یہ میرا پوسٹ مارٹم کس خوشی میں ہو رہا ہے۔۔۔؟''

''دیکھ جگنو، سچ سچ بتا دے، کس چکر میں نکاح کیا ہے تو نے اس کے ساتھ۔؟ مجھے یہ غصّے میں آ کر کرنے والی بات کچھ ہضم نہیں ہو رہی، تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں میں اور کوئی مرد اتنا بڑا قدم ایسے ہی نہیں اٹھا سکتا۔۔۔''

''سچ بتاؤں۔۔۔'' وہ بلند آواز میں ہنسا۔

''جلدی سے پھوٹ، کچھ نہ کچھ تو اندازہ ہے مجھے بھی، ورنہ کون پنگا لیتا ہے اپنے ہی یاروں سے۔۔'' اسکا لہجہ طنز میں ڈوبا ہوا تھا۔

''اچھا تو پھر کان کھول کر سن لے۔۔'' اس نے اپنے لہجے کو پراسرار بنایا۔

''دل آ گیا تھا میرا اس کے اوپر۔ تبھی تو نکال لایا اسے جیکی اور شانی کے ہاتھوں سے۔ تھوڑا حالات بہتر ہو جائیں تو پھر سوچتے ہیں کیا کرنا ہے اس کا۔''

اس کی بات سن کر رومی کا دل کسی گہری کھائی میں جا گرا اور دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں، اب تو رہائی کی جو تھوڑی بہت امید تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔



آسمان کی کوکھ سے اجالے کا ظہور ہو چکا تھا اور یہ روشن دن میر فیملی کے سیاسی مستقبل کے لیے خاصا تاریک ثابت ہونے والا تھا۔ ٹمبر مافیا کیس کو میر حاکم علی کی وجہ سے میڈیا میں وقت سے پہلے ہی کافی کوریج مل رہی تھی۔

ان کے سیاسی مخالفین نے اس کیس کو پہلی ہی پیشی سے ان کے خلاف استعمال کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی جب شہرزاد اپنے موکل کے ساتھ کورٹ پہنچی تو وہاں مختلف چینلز کے نمائندے پہلے سے موجود تھے، جو اس کیس میں لگائے جانے والے الزامات کو بریکینگ نیوز بنانے کے لیے بے تاب تھے۔ بہت سے نمائندوں نے شجاع غنی کو گھیر لیا تھا، شہرزاد بڑی مشکل سے اسے نکال کر کورٹ تک لائی۔

پہلی ہی پیشی میں شہرزاد کی اٹھان غضب کی تھی، اس نے آغاز ہی تابڑ توڑ حملوں سے کیا اور سب سے اہم بات وہ ثبوت تھے جن کو غلط ثابت کرنا میر فیملی کے لیے اچھا خاصا دردسر ثابت ہونے والا تھا۔

''بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ عوام کے ووٹوں سے منتخب ہونے والے حکمران ہی وطن کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ کر کھا رہے ہیں، کروڑوں روپے کی مالیت کے درختوں کو بیدردی سے کٹوا کر اپنے اکاونٹس میں اضافہ کیا جا رہا ہے، اور دوسری طرف گلوبل وارمنگ

سے پاکستان سب سے زیادہ متاثر ہو رہا ہے۔ہمیں اس ٹمبر مافیا کے پیچھے چھپے اصل ہاتھوں کو کاٹنا ہو گا۔۔'' وہ بڑے پر اعتماد انداز میں میڈیا کا سامنا کر رہی تھی۔

دوسری طرف نور محل میں اس وقت سخت کھلبلی مچی ہوئی تھی، میر حاکم، اپنے دونوں بیٹوں محتشم اور خاقان کے ساتھ سیٹنگ روم میں موجود تھے، سامنے بیالیس انچ کی ایل ای ڈی میں کمرہ عدالت کے باہر کے مناظر دیکھائے جا رہے تھے جہاں شہزاد شجاع غنی کے کیس کا دفاع کرتے ہوئے اپنا موقف بڑے پر سکون انداز میں بیان کر رہی تھی۔

''کون ہے یہ لڑکی۔۔۔؟؟؟ میر حاکم نے ہاتھ میں پکڑا ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول بیدردی سے صوفے پر پھینکا، ان کے مزاج سے برہمی ٹپک رہی تھی۔

''کوئی بیرسٹر شیری ہے، مسز قریشی کے چیمبر میں بیٹھتی ہے۔۔'' جواب خاقان علی کی طرف سے انتہائی بیزار لہجے میں آیا۔

''ابھی زمین سے پوری طرح اگی نہیں، تو یہ حال ہے اس کا۔۔۔'' میر حاکم کو اس کا پر اعتماد انداز آگ لگا گیا تھا۔

''بابا جان چھوڑیں اسے، بات تو ساری شجاع غنی کی ہے، کیس تو اسی نے کیا ہے ناں۔'' محتشم علی نے اپنے باپ کو تصویر کا اصل رخ دیکھایا۔

''فوراً بلواؤ اس شجاع غنی کو، میں بات کرتا ہوں اس سے اپنی زبان میں۔۔۔'' وہ ناراضگی سے کہہ کر ٹہلنے لگے۔

''وہ نہیں آئے گا بابا جان، بہت اونچی ہواؤں میں اڑ رہا ہے وہ آجکل۔۔۔'' محتشم علی بیزاری سے گویا ہوئے۔

''ایسے ہی قیمت بڑھوا رہا ہو گا اپنی، پیغام بجھواؤ اسے اور کہو میں میر حاکم علی نے بلوایا ہے۔اگر انکار کرئے تو پھر زمین پر بھی چلنے پھرنے کا بھی کوئی حق نہیں ہے اسے۔۔۔'' ان کے انداز میں تکبر اور رعونت ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

خاقان علی اور محتشم علی اپنے باپ کی بات سن کر پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب شجاع غنی کسی قیمت پر بھی نہیں آئے گا۔

☆......☆......☆

اس دن شہزاد بڑے عجلت بھرے انداز میں قریشی ایسوسی ایٹ سے نکلی تو سیل فون پر ارتضی کی کال آ گئی۔

شام کے چھ بج رہے تھے اور اسے فوراً گھر پہنچنا تھا کیونکہ گھر میں ٹینا بیگم کی طبعیت کچھ خراب تھی۔ان کا ہارون رضا کے ساتھ ایک زوردار جھگڑا ہو گیا تھا۔جس کے نتیجے میں شہزاد کو سب کچھ چھوڑ کر آفس سے نکلنا پڑا۔

''محترمہ کہاں ہیں آپ، اب تو صرف میڈیا پر ہی دیکھائی دیتی ہیں۔۔۔'' ارتضی نے ہلکے پھلکے لہجے میں گلہ کیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے، آجکل بہت بزی شیڈول چل رہا ہے میرا۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا اور اپنے ڈرائیور کو لیپ ٹاپ بیگ اور فائلز ڈگی میں رکھنے کا اشارہ کیا۔

''میرے پاس ایک اچھی نیوز ہے آپ کے لیے۔۔۔''ارتضی زیادہ دیر تک صبر نہ کر پایا۔

''رئیلی۔۔۔؟؟؟''شہرزاد جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھی۔

''مجھے لگتا ہے، ہم رومیصہ تک پہنچنے والے ہیں۔۔۔''اس اطلاع نے شہرزاد کو ایک دم پرجوش کیا۔

اس کی گاڑی پارکنگ سے نکال کر مین روڈ پر آ گئی تھی اور اس کی تمام تر توجہ سیل فون کی گفتگو کی طرف تھی، اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ ایک موٹر بائیک پر موجود دو لڑکے اس کے تعاقب میں تھے۔

''کوئی کلیو ملا ہے آپ کو۔۔۔؟''

''ہاں رومیصہ کا سیل فون آن کیا گیا تھا آج۔۔''ارتضی کی اطلاع نے اسے بے چین کیا۔

''تو پتا چلا کچھ۔۔۔؟؟؟'' وہ بے تاب انداز میں اسکی بات کاٹ کر بولی۔

''لوکیشن کچھ ٹریس تو ہوئی ہے لیکن ابھی حتمی نہیں ہے، البتہ علاقہ لوکیٹ ہو گیا ہے۔''ارتضی حیدر کی بات پر شہرزاد ابھی دل کھول کر خوش بھی نہیں ہو پائی تھی جب ڈرائیور کی فکر مند آواز اسکی ساعتوں سے ٹکرائی۔

''میم ہماری گاڑی کو فالو کیا جا رہا ہے۔۔۔''

''اوہ نو، کون لوگ ہیں یہ۔ کیوں آ رہے ہیں ہمارے پیچھے۔''شہرزاد نے خوفزدہ انداز میں مڑ کر دیکھا۔ دوسری طرف ارتضی ایک سیکنڈ میں ساری سچویشن سمجھا تھا۔۔

''شہرزاد کیا ہوا۔؟ کہاں پر ہو تم۔؟ اپنی لوکیشن بتاؤ پلیز۔۔؟''اس نے عجلت بھرے انداز میں پوچھا۔

''اسلام آباد ایکسپریس وے پر۔ ایف ایٹ کے نزدیک۔۔''اس نے ہلکا سا بوکھلا کر جواب دیا۔

سیل فون ابھی شہرزاد کے کان کے ساتھ ہی لگا ہوا تھا اور وہ دونوں موٹر بائیک سوار ایک دم ہی گاڑی کے برابر میں آئے، اس کے ساتھ ہی فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی، اور ان میں سب سے نمایاں آواز شہرزاد کی چیخ کی تھی۔ ارتضی حیدر کو لگا جیسے کسی نے اس کا دل کاٹ کر جلتی بھٹی میں پھینک دیا ہو۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہرزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

ٹینا بیگم کی طبیعت صبح سے کچھ اپ سیٹ تھی۔۔۔!!!

شہزاد کی پریس کانفرنس نے خرابی طبعیت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔تبھی سیف الرحمٰن کی کال آئی تو وہ ان کو منع نہیں کر پائیں، اور ان کے ساتھ میریٹ میں ڈنر کرنے چلی آئیں۔ڈنر کے دوران بھی دونوں کا موضوع گفتگو شہزاد کا تازہ ترین کیس تھا، جس کی آج دوپہر میں پیشی تھی۔

وہ کھانا کھانے میں مصروف تھیں، جب اچانک ٹی وی پر چلنے والی بریکینگ نیوز میں آنے والے بیرسٹر شیری کے نام نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کروالی نیوز رپورٹر گلا پھاڑ پھاڑ کر اسلام آباد ایکسپریس وے پر ہونے والے حملے کے بارے میں بتا رہا تھا۔

ٹینا بیگم کو سوواٹ کا کرنٹ لگا، انہوں نے بوکھلا کر سامنے دیوار پر لگی ایل ای ڈی پر شہزاد کی خراب حالت گاڑی کو دیکھا، ان کے ہاتھ سے کرسٹل کا گلاس چھوٹ کر نیچے جا گرا اور کرچیوں کی صورت میں زمین پر بکھر گیا۔ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا۔گاڑی پر گولیوں کی بارش کی گئی تھی۔وہ اندازہ کر سکتی تھیں کہ اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کا کیا حال ہوا ہوگا۔

''اوہ مائی گاڈ۔۔۔!!!'' انہوں نے خوفزدہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ لبوں پر رکھ لیے۔سیف الرحمٰن نے ان کی نظروں کے تعاقب میں ٹی وی کی طرف دیکھا جہاں پر ٹیکر چل رہا تھا۔ان کو بھی جھٹکا لگا۔

''بیرسٹر شہزاد پر اسلام آباد ایکسپریس ہائی وے پر قاتلانہ حملہ۔۔۔''

''سیفی۔۔۔۔میری بیٹی۔۔۔'' ان کے منہ سے بمشکل یہ الفاظ نکلے، وہ حواس باختہ انداز میں کھڑی ہوئیں انہیں لگا جیسے زمان و مکان کی گردشیں ایک لمحے کو تھم سی گئی ہیں اور کسی نے پوری ریل ٹرین ان کے وجود پر سے گذار دی ہو۔

''ٹیک اٹ ایزی۔۔۔بی بریو ٹینا۔۔۔'' سیف الرحمٰن نے فوراً اٹھ کر ان کو سہارا دیا۔

''ناظرین بیرسٹر شہزاد آجکل وفاقی وزیر حاکم علی کے بیٹے میر خاقان علی کے خلاف ایک کیس کے حوالے سے کافی خبروں میں تھیں۔۔''

ٹی وی پر کسی نیوز اینکر نے پگھلا ہوا سیسہ ان کے کانوں میں انڈیلا، میر حاکم علی کا نام ان سن کو ان کے دماغ میں آندھیاں چلنے لگیں، اس خاندان کو کون نہیں جانتا تھا۔وہ چلتے چلتے رکیں اور ایک پلر کر پکڑ کر انہوں نے خود کو گرنے سے بچایا۔

دماغ میں سوچوں کا اژدھام تھا اور ذہن اس قدر منتشر تھا کہ کسی بھی مثبت سوچ کو وہاں قدم جمانے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ان کی پیشانی پر نمودار ہونے والی پسینے کی بوندیں سیف الرحمٰن کی نظروں سے مخفی نہیں رہ سکیں۔

ابھی تو رومیصہ کی کوئی خبر نہیں تھی کہ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا، اوپر سے شہزاد پر ہونے والے اس حملے نے ان کی کمر توڑ

دی تھی۔ ہوٹل سے ہوسپٹل کا سارا راستہ انہوں نے ٹشو پیپر سے اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے گذارا۔ ہوسپٹل کی پارکنگ میں سیفی کی گاڑی جیسے ہی رکی، میڈیا سے تعلق رکھنے والے بے شمار نیوز رپورٹرز اور جرنلسٹ ان کی طرف لپکے۔ ٹینا بیگم کا بیوروکریٹ سیف الرحمٰن کے ساتھ آنا بھی ایک بڑی خبر تھا۔

''میم بیرسٹر شیری پر ہونے والے حملے کے بارے میں آپ کیا کہتی ہیں۔۔۔؟'' مختلف رپورٹرز کے سوالات نے ان کا تعاقب کیا۔ وہ ان سوالوں کا کوئی بھی جواب دیئے بغیر تیز تیز کوریڈور میں چل رہی تھیں ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر شیری کے پاس پہنچ جاتیں۔ بے شمار کیمروں نے مشہور و معروف بیوروکریٹ سیف الرحمٰن اور ٹینا بیگم کو ایک ساتھ اپنے اپنے کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر لیا۔

''میم، آپ کے خیال میں بیرسٹر شیری کو کس نے مارنے کی کوشش کی ہے۔۔۔؟''

''آئی ڈونٹ نو۔۔۔'' وہ بمشکل خود پر ضبط کرتیں ہوئیں تیزی سے آئی سی یو کی طرف بڑھ رہی ہیں۔

''آپ کے خیال میں اس قاتلانہ حملے کے پیچھے آپ کی دوسری بیٹی کے اغوا کاروں کا تعلق ہوسکتا ہے یا کوئی اور۔۔۔؟'' ایک اور سوال نے ان کا تعاقب کیا، وہ چلتے چلتے رکیں، ان کا چہرہ ضبط کی کوشش میں سرخ ہوا۔

''فار گاڈ سیک، کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو، میری بیٹی اس وقت آئی سی یو میں ہے اور میں ابھی کوئی بھی اسٹیٹمنٹ دینے کے قابل نہیں ہوں۔'' وہ لوگوں کے ہجوم کو دھکیلتی ہوئیں سیف الرحمٰن کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھیں۔

''ٹینا میم، اس موقعے پر آپ کچھ کہنا چاہیں گی۔۔۔؟'' ایک اور صحافی بھاگ کر عین ان کے سامنے آن کھڑا ہوا اور اس نے اپنا مائیک جیسے ہی ٹینا کے آگے کیا، ان کے ضبط کا دامن ٹوٹ گیا۔

''شٹ اپ، آئی سے جسٹ شٹ اپ۔۔۔۔'' ان کے چیخنے پر ایک دم سناٹا چھا گیا، بہت سے رپورٹر غیر شعوری طور پر دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔

''ٹینا، پلیز کول ڈاؤن۔۔۔!!!''

سیفی نے نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑا اور بڑی سرعت سے آگے نکلے اور ارتضیٰ حیدر نے دُور کھڑے ہی ساری صورتحال کا اندازہ لگا لیا، اس کے اشارے پر بہت سے سیکورٹی گارڈز نے ٹینا بیگم کو اپنے حصار میں لیا اور وہ اب بغیر کسی رکاوٹ کے آئی سی یو کے پاس پہنچ گئی تھیں۔

اس کوریڈور میں بہت خاص خاص لوگ موجود تھے، جن میں سب سے نمایاں چہرہ مسز قریشی کا تھا۔ جو اس وقت میڈیا کے کچھ نمائندوں کو اپنا پوائنٹ آف ویو بڑے متحمل انداز میں بتا رہی تھیں۔

''شہرزاد آجکل ٹمبر مافیا کے خلاف کیس لڑ رہی تھی اور مجھے لگتا ہے اس کاروائی کے پیچھے ان لوگوں کا بھی ہاتھ ہوسکتا ہے۔''

''آپ کا اشارہ میر خاقان علی کی طرف ہے۔۔۔'' ایک رپورٹر نے چسکا لینے کے انداز میں کہا لیکن اس سے پہلے وہ اس کے

سوال کا کوئی جواب دیتیں ان کی نظر ٹینا بیگم پر پڑی، وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھیں۔

''عالیہ، میری بیٹی۔۔۔'' ٹینا بیگم کے منہ سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر باہر نکلے۔

''ٹینا، ٹیک اٹ ایزی۔ وہ خطرے سے باہر ہے۔۔۔'' مسز عالیہ قریشی نے فوراً انہیں بتایا لیکن ٹینا بیگم ہنوز سخت تشویش کا شکار تھیں۔

''کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹرز۔۔۔؟؟؟''

''ایک گولی شیری کے کندھے کو چھو کر گذری ہے اور گاڑی کے کچھ شیشے ٹوٹ کر لگے ہیں، باقی ڈرائیور اللہ کا شکر ہے محفوظ ہے۔'' مسز قریشی کی اطلاع پر ٹینا بیگم کی سانسیں بحال ہوئیں۔

''تھینکس گاڈ۔۔۔'' ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا

''میں دیکھ سکتی ہوں اسے۔۔'' انہوں نے اپنی نم ہوتی آنکھوں کو ٹشو سے صاف کیا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔۔۔'' مسز قریشی نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر آئی سی یو کی گلاس وال کی طرف لے آئیں۔

سامنے شہزاد کا وجود بے شمار تاروں اور مشینوں میں جکڑا ہوا تھا، اس کے چہرے پر زردیاں گھلی ہوئیں تھیں، وہ اس وقت بے ہوش تھی ٹینا بیگم کے دل پر کسی نے گھونسہ مارا۔ ان کی آنکھوں سے بے آواز آنسو بہنے لگے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ شہزاد کو اس حالت تک پہنچانے والوں کا منہ نوچ لیتیں یا کم سے کم پھانسی کے پھندے سے لٹکا دیتیں۔

''بی بریو ٹینا۔۔۔!!!'' مسز عالیہ قریشی نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا۔

''میں ان لوگوں کو چھوڑوں گی نہیں۔۔۔'' وہ روتے ہوئے زیر لب کہہ رہی تھیں۔

''ٹینا۔۔۔ پلیز ٹیک اٹ ایزی۔۔۔'' ایک کونے سے سیف الرحمٰن نکل کر آگے بڑھے اور ٹینا بیگم کو اس وقت کسی جذباتی سہارے کی اشد ضرورت تھی، وہ بلا ارادہ ان کے کندھے سے لگ کر سسکنے لگیں، بے شمار کیمروں کی فلیش لائٹس چمکیں اور انہوں نے اس منظر کو بھی اپنی آنکھ میں محفوظ کر لیا، آنے والے دنوں میں یہ خبر ایک دفعہ پھر چٹ پٹے مصالحے کی صورت میں اخبارات اور میگزین کی زینت بننے والی تھی۔۔

☆......☆......☆

برکھارت کی جھڑی نے مری میں ایک سماں باندھ رکھا تھا۔ گھنگھور گھٹائیں کیا برسیں، ہر چیز نکھری نکھری نظر آنے لگی۔ بھیگا موسم منچلا ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی پھولوں اور درختوں نے ساون میں جھومنا شروع کر دیا۔

عام حالات میں تو درشہوار اور اسکی کزنز اس موسم کو خوب انجوائے کرتیں لیکن درشہوار کی طبعیت کی خرابی نے پورے میر ہاؤس میں ایک اداسی کی کیفیت طاری کر رکھی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے چہکنے والی بلبل کا کسی نے گلا گھونٹ دیا ہو۔

درشہوار کا بخار کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر ثبت ہو چکی تھی۔ محمد ہادی کی آخری گفتگو نے اسے آسمان سے زمین پر لا پٹخا تھا اور ابھی تک اس کے حواس بحال نہیں ہوئے تھے۔

اس کی معصوم شرارتیں، شوخ جملے اور بے ضرر سی گستاخیوں کا اس نے انتہائی بُرا مطلب اخذ کیا تھا۔ درشہوار اس کے تلخ الفاظ تو بھول سکتی تھی لیکن اس کا زہر آلود لہجہ اس کی راتوں کی نیندیں اور دن کا سکون برباد کر چکا تھا۔

''عزت نفس کو روند کر حاصل کی جانے والی محبت کا روپ اتنا بھیانک بھی ہو سکتا ہے، درشہوار کا اس کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ شخص اس کے پندار کو روند کر بڑی شان سے چلا گیا تھا اور اس کے اندر بے چینی کا ایک جہان آباد ہو گیا تھا۔

پچھلے تین دن سے وہ سوچوں کے اس جہنم میں جل رہی تھی۔ جو بخار کی صورت میں اس کے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا، چونکہ ہر شرارت کا آغاز درشہوار کی طرف سے ہوتا تھا، اس لیے نمیرہ، طوبیٰ اور انابیہ بھی دم سادھے بیٹھی تھیں۔ اس دن نمیرہ جھنجھلا کر اپنی گینگ لیڈر کے کمرے میں چلی آئی۔

''خدا کے لیے درشہوار، اب ٹھیک ہو جاؤ، قسم سے سخت بوریت پھیلا رکھی ہے تم نے۔۔۔''

نمیرہ گرما گرم پکوڑوں کی پلیٹ لیے اندر داخل ہوئی اور سوئچ بورڈ کے سارے ہی بٹن نیچے کر دیئے، پورا کمرہ روشنیوں سے بھر گیا، درشہوار نے بے ساختہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر بڑی قوت سے ابھرا۔ یہ روشنیاں اور اجالے اسے کچھ دن سے بہت بُرے لگ رہے تھے۔ نمیرہ نے اندر داخل ہوتے ہی اسے خفا نظروں سے گھورا۔

''اتنا آفت موسم ہے، دل کر رہا ہے فوراً کشمیر پوائنٹ پر لمبی واک کر کے آئیں۔۔'' اس نے درشہوار کے کمرے کی کھڑکی کا پردہ پیچھے کیا۔ سامنے ہادی کے کمرے کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ اسکی کھڑکیاں بھی کھلی ہوئیں تھیں لیکن وہ کمرے میں موجود نہیں تھا۔

''ارے واہ، کیا مزے دار چٹنی ہے پودینے کی۔۔۔'' نمیرہ نے ایک زوردار چٹخارہ لیا لیکن درشہوار پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں، کہیں خدانخواستہ قوت گویائی سلب تو نہیں ہو گئی تمہاری۔۔۔'' نمیرہ نے اسکے پاس آ کر شرارت سے کمبل ہٹایا، درشہوار کو کرنٹ لگا۔ وہ غصّے سے اٹھ بیٹھی اور شعلہ اگلتی نگاہوں سے نمیرہ کو گھورنے لگی، جس کی شوخیاں اس وقت زہر لگ رہی تھیں اُسے۔

''پکوڑے کھاؤ گی۔۔۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ایک پکوڑا اسکی طرف بڑھایا، وہ ایک جھٹکے سے اٹھی، غصّے سے نمیرہ کا بازو پکڑا، اور کھینچتی ہوئی کمرے کے دروازے کے پاس لے گئی اور زور سے باہر کی طرف دھکا دے کر دروازہ لاک کر لیا۔

نمیرہ جو اس حملے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھی، وہ سامنے سے آتے ہوئے شاہ میر سے بُری طرح ٹکرائی، اس کے ہاتھوں سے پکوڑوں کی پلیٹ اچھل کر زمین پر جا گری اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتی ہوئی طوبیٰ نے یہ منظر انتہائی بیزاری سے دیکھا۔ شاہ میر اور نمیرہ کی بڑھتی ہوئی بے تکلفی اس کی دل آزاری کا باعث بن رہی تھی۔

''استغفراللہ، یہ تم کیا بگولے کی طرح اڑتی پھر رہی ہو۔۔''؟ شاہ میر نے سہارا دے کر اسے کھڑا کیا۔

''تمہاری بہن کا کارنامہ ہے یہ، وہ بھی بخار میں۔۔'' نمیرہ نے بُرا سامنہ بنایا۔

''تمہیں کس نے کہا تھا اسے چھیڑو۔۔''

''جب اپنا موڈ ہو تو کسی کو بخشتی ہے وہ۔۔'' نمیرہ نے حسرت بھری نگاہوں سے زمین پر گرے پکوڑوں کو دیکھا۔

''پتا ہے ناں، آجکل طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس کی۔۔'' شاہ میر نے فوراً بہن کی طرفداری کی۔

''تمہیں خیال رکھنا چاہیے اس کا۔'' شاہ میر نے کنکھیوں سے طوبی کے چہرے کے بگڑے ہوئے زاویئے دیکھے اور اپنے ہونٹوں پر آنے والی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا، کیونکہ اس سے کچھ بعید بھی نہیں تھا کہ زمین پر پڑی ہوئی پلیٹ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارتی۔ وہ منہ بناتی ہوئی سامنے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئی، ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی کا بٹن آن کیا لیکن اس کی سماعتیں شاہ میر اور نمیرہ کی جانب تھیں۔

''اسی لیے تو گئی تھی کہ اس کا دل بہل جائے، لیکن اس نے تو ذرا بھی لحاظ نہیں کیا۔'' اس نے منہ بنا کر در شہوار کی شکایت لگائی۔

''کوئی بات نہیں خود ہی سیٹ ہو جائے گی دو چار دن میں۔۔'' شاہ میر نے اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔

''تمہارے پاس کچھ ٹائم ہے تو مارکیٹ چلو گے میرے ساتھ۔۔'' نمیرہ کی اس فرمائش پر طوبی کے کان کھڑے ہو گئے۔

''تمہارے لیے ٹائم نہیں ہوگا تو اور کس کے لیے ہوگا۔۔'' شاہ میر کا شوخ جملہ طوبی کو سلگا گیا۔

''ارے واہ، مجھے تو پتا ہی نہیں تھا، میں بھی اتنی اہم ہوں کسی کے لیے۔۔'' نمیرہ کھلکھلا کر ہنسی اور طوبی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''دو منٹ میں ریڈی ہو جاؤ، میں چینج کر کے آتا ہوں، واپسی پر واک بھی کریں گے لمبی سی۔۔'' شاہ میر نے کنکھیوں سے طوبیٰ کا سرخ چہرہ دیکھتے ہوئے اسے مذید جلایا، وہ جانتا تھا کہ اس وقت اس کا بس نہیں چل رہا ہوگا کہ ان دونوں کو میر ہاؤس کی چھت سے دھکا دے دے، اور وہ دونوں دوسرا سانس تک نہ لے سکیں۔

☆......☆......☆

شہرزاد کو کچھ ہی گھنٹوں کے بعد ہوش آ چکا تھا۔۔۔

اسے آئی سی یو سے پرائیوٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا۔ اب اس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔

شہرزاد کے ہوش میں آتے ہی، پولیس اس کا بیان ریکارڈ کرنے آن پہنچی اور شہرزاد نے خاصی عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نپے تلے انداز میں اپنا بیان دیا تھا اور اسکے لہجے میں اپنے دشمنوں کے لیے کوئی لچک نہیں تھی۔

''اس حادثے کے بعد آپ کا مورال کم تو نہیں ہوا۔۔؟'' ایک جرنلسٹ نے سنجیدگی سے اس سے سوال کیا۔

''میرا خیال ہے میرے مخالفین کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ جب انسان موت کی دہلیز کو چھو آتا ہے تو وہ مزید نفع و نقصان سے بے نیاز ہو جاتا ہے، دنیا میں سب سے خوفناک چیز موت ہے اور اس کا بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ اب دنیا کی کوئی بھی چیز مجھے نہیں ڈرا سکتی۔'' وہ بڑے متحمل انداز میں بولتی ہوئی بہت سے لوگوں کو رشک میں مبتلا کر گئی۔

''میم، میرا خیال ہے کہ یہ حملہ اسی کیس کے تناظر میں ہوا ہے جو آجکل آپ لینڈ مافیا کے خلاف لڑ رہی تھیں۔''

''تو اس کا تو پھر یہی مطلب ہوا کہ میرے مخالفین مجھ سے خوفزدہ ہیں اور مجھے تو اس بات کو انجوائے کرنا چاہیے۔'' اس کی بات پر وہاں کھڑے کچھ رپورٹرز ہنس پڑے۔

''میرا خیال ہے اب یہ سیشن ختم ہو جانا چاہیے، آپ لوگوں سے رابطہ رہے گا۔'' شہرزاد نے بہت سمجھداری سے میڈیا کے لوگوں کو ہینڈل کیا تھا، وہ جانتی تھی کی موجودہ دور میں ان سے بگاڑنا سب سے بڑی بے وقوفی تھی، ان سب کے نکلتے ہی ٹینا بیگم اس کے بالکل قریب آن پہنچیں۔

انہوں نے صدمے بھری نگاہوں سے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا، اس کی آنکھیں متورم، بال الجھے ہوئے اور چہرہ انتہائی زرد تھا لیکن اس کا لہجہ پہلے کی طرح پر اعتماد اور مضبوط تھا، اور اس چیز نے ٹینا بیگم کو بھی حیران کیا تھا، وہ یہ چیز زندگی میں کبھی نہیں سیکھ پائیں تھیں۔

''میں چھوڑوں گی نہیں ان لوگوں کو۔۔۔'' ٹینا بیگم کی آنکھوں سے امڈنے والے آنسو شہرزاد کو تکلیف دے رہے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں مام۔۔۔'' اس نے زبردستی مسکرا کر انہیں مطمعن کرنے کی کوشش کی۔

''تم میر حاکم کی فیملی کے خلاف کیس لڑ رہی تھیں، تم نے یہ بات مجھے کیوں نہیں بتائی۔۔۔'' ان کے پریشان چہرے کو شہرزاد نے تعجب سے دیکھا۔

''مام میرا تو کام ہی یہی ہے، آپ کیوں ٹینس ہو رہی ہیں۔۔۔'' وہ بمشکل اٹھ کر بیٹھی، اس کی رگوں میں ابھی تک کھچاوٹ برقرار تھی، اس نے اپنی ہتھیلی سے گردن کو مسلا اور تکیے کا سہارا لے کر بیٹھ گئی۔

''لیکن اس خاندان سے ٹکر لینا کوئی آسان کام نہیں۔۔۔'' ان کے لہجے میں ایک ہلکا سا خوف پوشیدہ تھا۔

''کم آن مام، ظالم دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو، وہ ایسا ہی ہوتا ہے، آپ ٹینشن مت لیں، ایسے لوگوں کو ہینڈل کرنا آتا ہے مجھے۔'' اس نے مسکرا کر اپنی ماں کو مطمعن کرنے کی ایک اور ناکام کوشش کی۔

اسی وقت شہرزاد کے روم کا دروازہ ہلکا سا ناک ہوا اور ارتضی حیدر کا مسکراتا ہوا چہرہ اندر نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں سفید للّی کے پھولوں کا خوبصورت گلدستہ تھا جو وہ شہرزاد کے لیے لایا تھا۔ ٹینا بیگم نے توصیفی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا، دراز قامت ارتضی پولیس یونیفارم میں خاصا ہینڈسم لگ رہا تھا۔ وہ شاید آفس سے سیدھا ادھر آ گیا تھا۔

''السلام علیکم آنٹی۔۔۔''اس نے ٹینا بیگم کو مخاطب کیا تو انہوں نے ہلکا سا سر خم کر کے اسے جواب دیا۔

''نئی زندگی کی نئی صبح مبارک ہو شہزاد۔۔۔'' اس نے مسکراتے ہوئے پھولوں کا بکے شہزاد کی طرف بڑھایا۔

''یہ سب آپکی وجہ سے ہوا۔۔۔''شہزاد جانتی تھی، اسے بروقت ہوسپٹل لانے والا وہی شخص تھا۔

''کچھ پتا چلا، کون لوگ تھے، کہاں سے آئے تھے اور کس نے فائرنگ کروائی۔''ٹینا بیگم نے ایک سانس میں کئی سوال کیے۔

''ہمارا شک تو دو پارٹیوں پر ہے اور مزید انوسٹی گیشن ہو رہی ہے، انشاءاللہ جلد ہی پتا چل جائے گا۔۔۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''رومی والے معاملے کا کیا بنا۔۔۔؟''شہزاد کے فکرمند انداز پر وہ مسکرایا۔''پہلے آپ خود تو ٹھیک ہو جائیں۔۔۔''

''آپ نہیں جانتے ارتضی، یہ مسئلہ میری زندگی سے زیادہ اہم ہے، میں رہوں نہ رہوں، لیکن رومی کو واپس لانا ہے مجھے۔۔۔''

''اللہ نہ کرے۔۔۔''ارتضی کا بے ساختہ لہجہ دونوں ماں بیٹی کو چونکا گیا۔

''میرا مطلب ہے، اپنی زندگی کو اتنا لائٹ کیوں سمجھتی ہیں آپ، کیوں آنٹی۔۔۔''اس نے انتہائی ہوشیاری سے مسز ٹینا کو اس معاملے میں انوالو کیا۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے وہ، اب تو جتنا نقصان ہونا تھا ہو گیا، تمہیں سب سے پہلے اپنی حفاظت کرنی چاہیے، باقی معاملات تو زندگی کے ساتھ چلتے ہی رہیں گے۔۔۔''ٹینا بیگم کے فکرمند لہجے پر وہ مسکرائی۔

اسی لمحے ارتضی کے سیل فون کی گھنٹی بجی اور وہ اسکی طرف متوجہ ہو گیا، اس کی آئی جی صاحب سے کوئی ہنگامی میٹنگ تھی اور اس کی گفتگو سے شہزاد کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے فوراً نکلنا ہے۔

''میں نے روم کے باہر سیکورٹی گارڈز کھڑے کر دیئے ہیں اور بہتر ہو گا کہ آپ کچھ دن تک کم لوگوں سے ملیں۔''اس نے جاتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔

''سوری، یہ ممکن نہیں ہے میرے لیے، میں کیسے لوگوں کو منع کر سکتی ہوں۔۔۔''ارتضی کو اس کی طرف سے اسی جواب کی توقع تھی۔

''آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ ابھی بھی آپ ٹارگٹ پر ہیں۔۔۔''

''میں جانتی ہوں، ایسا نہیں ہے۔۔۔''اس کے بے ساختہ انداز پر وہ چونکا۔''مطلب۔۔؟''

''مجھے مارنے والے لوگوں کا نشانہ اتنا کمزور نہیں ہو سکتا، مجھے معلوم ہے یہ صرف ایک ہلکی پھلکی سی وارننگ دی گئی ہے۔''شہزاد کی ذہانت اسے اکثر لاجواب کر دیتی تھی۔۔

''لیکن ارتضی ٹھیک کہہ رہا ہے، تمہیں پھر بھی محتاط رہنا چاہیے۔۔''ٹینا بیگم نے فوراً اس کی سائیڈ لی تو ارتضی نے غور سے اس لڑکی

کی طرف دیکھا، جو بعض دفعہ اسے اچھے خاصے امتحان میں ڈال دیتی تھی۔

اس کے بازوؤں پر کافی خراشیں تھیں اور کندھے پر تو بھاری بھرکم قسم کی بینڈیج بھی تھی۔ جس کا اچھا خاصا بوجھ تھا۔ ڈاکٹرز وقفے وقفے سے اسے پین کلر انجکشن لگا رہے تھے جس کی وجہ سے وہ بار بار غنودگی میں جا رہی تھی۔

شام چار بجے کے قریب مسز قریشی اپنے شوہر کے ساتھ اس کی عیادت کے لیے آئیں تو وہ میڈیسن کے زیرِ اثر غنودگی میں تھی۔ انہوں نے اندر داخل ہوتے ہی اشارے سے ٹینا بیگم کو اسے اٹھانے سے منع کر دیا۔۔

وہ اپنے ساتھ لائے ہوئے فروٹس اور پھل سائیڈ میز پر رکھ کر ٹینا بیگم کے ساتھ کوریڈور میں آ گئیں۔ کمرے کے باہر پولیس کی کافی نفری موجود تھی۔ وہ تینوں مہمانوں کے لیے بنے ہوئے سائیڈ روم میں آ گئیں۔

''شہزاد پر حملے میں استعمال ہونے والی گاڑی ٹریس ہو گئی ہے۔۔۔'' مسز قریشی کی بات پر ٹینا بیگم کے کان کھڑے ہو گئے۔

''گاڑی کسی ملک جہانگیر کے نام پر رجسٹرڈ ہے ملتان میں۔۔'' انہوں نے مزید ان کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''تو پتا چلا کون ہے وہ شخص۔۔۔؟'' ٹینا بیگم نے عجلت بھرے انداز میں انکی بات کاٹی۔

''خود تو ملک جہانگیر ملک سے باہر ہے لیکن اس گاڑی کی گمشدگی کی اس نے چند ماہ پہلے تھانہ گلگشت میں ایف آئی آر کٹوا رکھی ہے۔''

''اوہ نو۔۔۔۔'' ٹینا بیگم کے ارمانوں پر اوس گری۔

''بے فکر رہیں، زیادہ دیر تک چھپا نہیں رہے گا یہ معاملہ، اندازہ ہو رہا ہے کہ کڑیاں کہاں پر مل رہی ہیں۔'' عبداللہ قریشی نے سگار سلگاتے ہوئے گفتگو میں حصّہ لیا۔

''لیکن سچ پوچھیں تو قریشی صاحب، میں ڈر گئی ہوں اس معاملے سے۔۔۔'' انہوں نے پہلی دفعہ کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''اولاد چیز ہی ایسی ہے، اس کے معاملے میں ہر شخص ہی کمزور پڑ جاتا ہے لیکن آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔'' عالیہ قریشی نے مسکراتے ہوئے انہیں دلاسا دیا تو وہ بھی پھیکے سے انداز میں مسکرا کر چپ کر گئیں۔

☆......☆......☆

وہ ایک طوفانی بارش والی رات تھی۔

دُور کہیں آسمانی بجلی، کسی ٹرانسفارمر پر گری، جس سے فضا ایک زوردار دھماکے سے گونج اٹھی، رومیصہ کو لگا جیسے کہیں بلاسٹ ہوا ہو، پورا فارم ہاؤس یک لخت تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ چوکیدار نے جنریٹر چلا دیا تھا لیکن یہ روشنیاں بھی چند ہی منٹوں کی مہمان تھیں۔ جنریٹر کچھ منٹ چلا اور پھر ایک دم بند ہو گیا، اب باہر صرف برستے ساون کا راج تھا۔

طوفانی بارش کے ساتھ چلنے والی منہ زور ہواؤں نے اس رات کو بہت خوفناک بنا رکھا تھا۔ درختوں کی ٹہنیاں زمین پر ڈولتے ہوئے عجیب وغریب نقش ونگار بنا رہی تھیں۔

کمروں کی کھڑکیوں کے پٹ اتنی زور سے بجتے تھے کہ رومیصہ کا دل اچھل کر حلق سے آن ٹکراتا۔ وہ کسی اپاہج کی طرح ڈولتی ہوئی کمرے کی کھڑکیوں کے پاس آئی۔ تاریک رات میں اسے سامنے لان میں ایک پراسرار سا ہیولا سا نظر آیا۔ خوف اور دہشت کی سرد لہریں اس کے وجود میں دوڑنے لگیں۔ اسے لگا جیسے وہ ہیولا اس کی کھڑکی کی طرف دوڑ رہا ہو۔

دہشت سے رومیصہ کو اپنے سارے بدن کا لہو منجمند ہوتا محسوس ہوا، اس نے جلدی سے کھڑکیوں کے پٹ بند کر کے اس پر چٹخنی چڑھادی، وہ جانتی تھی کہ کھڑکی کے باہر لوہے کی مضبوط سلاخیں ہیں، لیکن وہ اگر کوئی غیر ماورائی مخلوق تھی تو یہ سلاخیں، اور چٹخنی اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔

رومیصہ کو اپنی کھڑکی پر ہلکی سی ٹھک ٹھک محسوس ہوئی جیسے کوئی لکڑی کے تختے کو اکھاڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ رومیصہ کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے اس نے پوری شدت سے دعا کی تھی کہ وہ شخص کہیں سے آجائے اور شاید یہ قبولیت کا ہی وقت تھا، اسے بارش میں کسی گاڑی کے انجن کی آواز آئی اور ساتھ ہی کوئی تیز تیز بھاگتا ہوا فارم ہاؤس کے رہائشی پورشن کی طرف آیا۔

رومیصہ خوفزدہ انداز میں واش روم کے دروازے کے پردے کے پیچھے جڑ کر کھڑی ہو گئی، ہر طرف تاریکی کا راج تھا۔ اسکی قمیض پسینے سے بھیگ چکی تھی اور سانسیں بالکل غیر ہموار تھیں۔

اسے کسی کے قدموں کی چاپ اپنے کمرے کے باہر محسوس ہوئی، ہلکی سی کلک کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔

رومیصہ کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں اسے لگا جیسے وہی ہیولا اسکے سر پر آن پہنچا ہو۔ آج شاید یقینی موت کا دن تھا اسے اپنی کنپٹیاں سلگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک روشنی کی لکیر اندر داخل ہوئی۔ وہ بغیر پلکیں جھپکائے پردے کے پیچھے زمین پر پڑتی روشنی کی لکیر کو دیکھ رہی تھی اسے اپنی ٹانگیں بے جان ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں، جبکہ سانسیں حلق میں اٹک گئیں، بے بسی کے گہرے احساس کے زیر اثر اس کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے پھسلنے لگے۔

"رومیصہ۔۔۔" یہ آواز سنتے ہی زندگی اس میں سرسرانے لگی۔

وہ واقعی آچکا تھا اور اب پریشانی سے اسے ڈھونڈ رہا تھا، لیکن رومیصہ کے اندر ابھی بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ پردہ ہٹا کر اس کے سامنے آجاتی، سیل فون کی ٹارچ کی روشنی اب اس پردے کے اوپر آکر ٹھہر گئی، جو اس وقت اس کی جائے پناہ بنا ہوا تھا۔

اس نے آہستگی سے پردہ ہٹایا اور ٹارچ کی روشنی میں وہ اس کا خوف سے کانپتا ہوا وجود دیکھا۔ اس شخص کا دل تاسف اور ہمدردی

کے گہرے احساس سے بھر گیا، اسے پہلی دفعہ اپنی زیادتی کا شدت سے احساس ہوا۔ وہ آنکھیں بند کیے خوفزدہ انداز میں شاید زیرلب کوئی سورت پڑھ رہی تھی۔

رومیصہ۔۔۔'' اپنے بہت قریب اسکی آواز سن کر رومی کا تنفس تیز ہو گیا۔ بہت سے آنسو ایک ساتھ پلکوں کی منڈیر پار کر گئے۔

''آئی ایم سوری۔۔۔'' اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیئے۔

باہر دور ایک دفعہ پھر کہیں بجلی گری، ایک زوردار دھماکہ ہوا اور وہ خوف سے اسکے ساتھ لپٹ گئی۔ اسے کرنٹ لگا، وہ کسی معصوم بچے کی طرح اس سے چپکی ہوئی بہت بُری طرح رو رہی تھی۔ اس شخص پر شرمساری کا بڑا بھرپور حملہ ہوا، کچھ بھی تھا وہ اس کی منکوحہ تھی۔ ان دونوں کا تعلق جن بھی حالات میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑا تھا لیکن اب وہ اس کی مکمل ذمے داری تھی۔

''کیا ہوا ڈر گئیں۔۔۔'' اس کی انگلیاں اسکے بھیگے رخساروں کو چھو رہی تھیں۔ وہ اسے تھام کر بیڈ کی طرف لے آیا۔ رومیصہ کا سارا وجود بُری طرح کانپ رہا تھا۔ وہ ابھی تک اپنے حواسوں میں نہیں آئی تھی۔

اس نے نرمی سے پکڑ کر اسے بیڈ پر بیٹھایا اور سائیڈ میز پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر اسکی جانب بڑھایا، جسے وہ ایک ہی سانس میں غٹ غٹ کر کے پی گئی تھی۔ چند ہی دنوں میں اس کے چہرے کی لالیاں، زردیوں میں گھل چکی تھیں، وہ پہلی دفعہ غور سے اسکا جائزہ لے رہا تھا، پچھلے کئی دنوں سے وہ ایک ہی سوٹ میں ملبوس تھی۔

''سو جاؤ، میں تمہارے پاس ہوں۔۔۔'' خلاف توقع آج اسکا لہجہ دنیا جہاں کی نرمی سمیٹے ہوئے تھا۔

''مجھے گھر جانا ہے ماما کے پاس۔۔۔'' رومیصہ کے سارے کس بل نکل چکے تھے۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔

''صبح چھوڑ آؤں گا۔۔۔'' اس کے اگلے جملے پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھا، اسکی نیلی آنکھوں میں دنیا جہان کا استعجاب سمٹ آیا۔ وہ اس کی طرف سے اس جملے کی بالکل بھی توقع نہیں کر سکتی تھی لیکن وہ بھی شاید کسی کمزور لمحے کی زد میں تھا۔

اس شخص نے بے اختیار نظریں چرائیں، اور تیزی سے اٹھ کر کھڑکیوں کی جانب بڑھا، رومیصہ ایک دم چیخی۔ ''ونڈوز مت کھولنا، باہر کوئی ہے۔''

''اچھا۔۔۔؟؟؟'' اس نے ایک دم پلٹ کر اسکا گھبرایا ہوا چہرہ دیکھا اور زیرلب مسکرا دیا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں، باہر کوئی ہے، میں نے خود دیکھا تھا۔۔۔'' وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے یقین دلا رہی تھی۔ وہ اسکی بات مان کر پلٹ کر آ گیا سیل فون کی بیٹری آخری دم پر تھی اور بجلی کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں تھا۔

''ٹرانسفارمر اڑ چکا ہے اور جنریٹر میں کوئی ٹیکنیکل فالٹ آیا ہوا ہے، لائٹ صبح ہی آئے گی۔'' وہ کرسی کھینچ کر اسکے بیڈ کے قریب لے آیا۔

باہر بادلوں کی گرج چمک میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، طوفانی بارش نے ہر طرف ایک اودھم مچا رکھا تھا، ایسا ہی ایک طوفان رومی اور اس شخص کی زندگی میں بھی آچکا تھا، وہ کنکھیوں سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کے آنے کے بعد وہ خاصی حد تک پرسکون نظر آرہی تھی، اسکے ریشمی بال تکیے پر بکھرے ہوئے تھے اور وہ آنکھیں بند کیے بہت خاموشی میں اسکے دل میں ڈیرہ جما چکی تھی۔ سیل فون کی بیٹری کے اختتام کے ساتھ ہی پورا کمرہ ایک دفعہ پھر تاریکی کا گڑھ بن گیا۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔۔۔'' رومیصہ کی کانپتی ہوئی آواز اس بات کی گواہ تھی کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی، وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کے برابر آن کر لیٹ گیا۔

وہ اسکی موجودگی کا احساس کر کے جھجک کر تھوڑا ہٹ کر لیٹ گئی، دونوں کے درمیان آج صرف خاموشی گفتگو کر رہی تھی۔ وہ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب رومیصہ کی آنکھ لگ گئی۔

بارش کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری تھا، صبح سات بجے کے قریب وہ گہری نیند سے بیدار ہوئی تو اسے اپنے اتنے قریب لیٹے دیکھ کر اسے ایک زوردار قسم کا جھٹکا لگا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، اس کا ایک بازو ابھی بھی رومی کے اوپر تھا، اس نے بوکھلا کر اسے پیچھے کیا اور جلدی سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گئی، وہ شاید کافی دنوں کا تھکا ہوا تھا اس لیے خاصی بے خبری کی نیند سو رہا تھا۔

رومیصہ نے پہلی دفعہ اس کے چہرے کے نقوش کو غور سے دیکھا۔ اس شخص کے چہرے پر سب سے نمایاں اسکی مغرور قسم کی ناک تھی، گھنی مونچھوں کے نیچے انتہائی متناسب ہونٹ تھے، لیکن رومیصہ کے لیے حیرانگی کی بات یہ تھی کہ اسے پہلی دفعہ اس شخص کی شکل بُری نہیں لگی تھی۔

☆......☆......☆

وہ شہزاد کی ہوسپٹل میں دوسری رات تھی۔۔۔!!!

رات کا کوئی تیسرا پہر تھا جب ہم زاد کی گاڑی ہوسپٹل کی پارکنگ میں رکی۔

اس وقت وہ نیند کے انجکشن کے زیر اثر بہت گہری نیند سو رہی تھی۔ ٹینا بیگم کو ان کی خاندانی ملازمہ روشن بوا نے زبردستی گھر بجھوا دیا تھا اور خود وہ باہر کوریڈور میں رکھے ہوئے بینچ سے ٹیک لگائے غنودگی میں تھیں۔ سینٹرل اے سی کی ٹھنڈک میں، نیند کے جھونکوں نے انہیں بے حال کر رکھا تھا، تھک ہار کر انہوں نے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

دونوں پولیس کانسٹیبل ابھی ابھی چائے پینے کے لیے ہوسپٹل کی کینٹین کی طرف گئے تھے۔ ہم زاد نے جب کوریڈور میں قدم رکھا تو وہ بالکل سنسان تھا، اس نے ایک سرسری سی نظر بینچ پر سوئی ہوئیں روشن بوا پر ڈالی اور اس کمرے کے باہر آ کر رک گیا جہاں شہزاد ایڈمٹ تھی۔

اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا، شہرزاد کا سنگل بیڈ عین اس کے سامنے تھا۔ اس کی سائیڈ میز بہت سے پھولوں کے گلدستے اور وش کارڈز سے بھری ہوئی تھی، جو شاید اس کے کولیگز اور سوشل سرکل کے لوگ لائے تھے۔

اس نے افسردہ نگاہوں سے سامنے لیٹی ہوئی لڑکی کو دیکھا، جو بہت سالوں سے اس کی نیندیں چرا کر خود بڑے دھڑلے سے سو رہی تھی، جس کے ہونے کا احساس ہم زاد کی زندگی کو دلکش بناتا تھا۔ اسکی ایک مسکراہٹ پر وہ اپنی پوری زندگی دان کر سکتا تھا اور اسے تکلیف میں دیکھ کر اسے اپنے پورے وجود میں ٹیسیں سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔۔

یہ وہ لڑکی تھی جس کی طرف دیکھ کر اس کی دھڑکنوں نے پہلی بار بے ربط ہونا سیکھا تھا۔۔۔

یہی وہ لڑکی تھی جو اس کے دل کا دروازہ کھول کر بڑی شان سے اندر داخل ہوئی اور اس کے بعد کسی اور کے لیے وہ در نہیں کھلا۔۔

اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سفید گلابوں کا بکے عین اس کے تکیے کے پاس رکھ دیا۔ وہ جانتا تھا صبح ان پھولوں کا کیا حشر ہونے والا ہے، ان دونوں کے درمیان ہونے والی آخری گفتگو کچھ ایسی خوشگوار نہیں تھی کہ وہ اس تحفے کو خوشدلی سے قبول کر لیتی۔

وہ کچھ لمحے ٹکٹکی باندھے اسے غور سے دیکھتا رہا، وہ نیند میں ہلکا سا کسمائی تو ہم زاد زیر لب مسکرا دیا، وہ جان چکا تھا کہ نیند میں اسکی بے چینی کا سبب بنے والی شاید ہم زاد کی ذات تھی، جس کی نگاہیں اس کے زرد چہرے پر ٹکی ہوئیں تھیں۔ اسے اپنے پاس کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا تبھی وہ نیند کی حالت میں بھی ہلکے سے اضطراب کا شکار ہو رہی تھی۔ وہ کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر ایک لمبا سانس بھر کر کمرے سے نکل گیا۔

اس کے کمرے سے نکلنے کے ٹھیک تین منٹ کے بعد شہرزاد نے آنکھیں کھولیں اور حیرانگی سے اپنے بالکل پاس رکھے سفید گلابوں کے بکے کو دیکھا۔ کمرے میں ایک جانی پہچانی سی خوشبو رقص کرتی پھر رہی تھی۔

وہ بمشکل کہنی کے بل اٹھی اور تعجب بھری نگاہوں سے اس گلدستے کو دیکھنے لگی، اچانک اسکی نظر پاس رکھے گیٹ ویل سون کارڈ پر پڑی، اس نے فوراً اٹھایا۔

Get well soon, its an Order.

''گیٹ ویل سون، اٹس این آرڈر۔۔۔'' وہ جانتی تھی یہ جملہ اتنے دھڑلے سے کون لکھ سکتا ہے۔ اسکے ساتھ ہی اسے ہم زاد کا تلخ لہجہ یاد آ گیا، اس نے بیزاری سے کارڈ کے دو ٹکڑے کر کے سائیڈ میز پر اچھال دیئے، اب وہ ان باتوں اور جملوں سے بہلنے والی نہیں تھی۔

اس نے جیسے ہی اپنے بیڈ سے ٹیک لگائی، اس کے سیل فون کی ٹیکسٹ ٹون بجی، اس کے ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکنوں میں ایک ارتعاش سا برپا ہوا۔ وہ جھنجھلا گئی، اس کا خیال تھا کہ اب دل کی دھڑکنیں اسکے نام پر اس طرح منتشر نہیں ہونگیں۔

اس کی خام خیالی تھی کہ وہ اسکے نام کے گرد سرخ حاشیہ کھینچ چکی ہے، اور یہ حاشیہ وہ حد بندی تھی جو اسے اپنے اور اسکے بیچ برقرار

رکھنی تھی، اس نے اپنی آنکھوں کو اس کے خوابوں سے بہلانا چھوڑ دیا تھا، اسکی سماعتیں اب کسی جانے پہچانے لہجے پر نہیں چونکتی تھیں لیکن اس کمرے میں موجود سے اس مانوس خوشبو نے اس کے سارے دعوے غلط ثابت کر دیئے تھے۔ وہ آج بھی اس کے دل کو اپنی مٹھی میں جکڑے ہوئے کسی فاتح سکندر کی مانند کھڑا تھا، اس نے ایک انچ بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ اسے یقین آ گیا تھا کہ وہ اپنے دھڑکنوں کو اسکے نام پر منتشر ہونے سے کبھی نہیں روک سکتی اور یہ دنیا کا واحد کام تھا جو وہ پچھلے آٹھ سالوں میں نہیں سیکھ پائی تھی۔۔۔"

"جانتا ہوں اب تک میرے کارڈ کا کیا حشر ہو چکا ہوگا، لیکن میری خواہش ہے کہ تم میرے دل کے ساتھ نرمی کا معاملہ رکھو۔" اس میسج کے ساتھ تین منہ چڑاتی ہوئی اسمائلی کی شکلیں بنی ہوئیں تھیں۔ شہزاد ہلکا سا تپ گئی اس نے اس کے ٹیکسٹ میسج کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"تمہارے کمرے کی کھڑکی کے عین نیچے کھڑا ہوں، تم چاہو تو میرا بکے بھی واپس پھینک سکتی ہو۔۔" اگلے میسج نے اسے مزید تپا دیا، اس نے غصّے سے وہ گلدستہ اٹھایا اور کھینچ کر کھڑکی کے نیچے پھینک دیا۔

"تھینکس۔۔۔" اگلا میسج اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔

وہ بمشکل سہارا لے کر اٹھی، وال کلاک کی طرف دیکھا، رات کے تین بج رہے تھے، وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی کھڑکی کے پاس لائی، اور نیچے جھانکا، اس کا کمرہ تھرڈ فلور پر تھا، رات کے ملگجے اندھیرے میں بھی وہ پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے اس شخص کی پشت کو دیکھ سکتی تھی، وہ خاصا دراز قد تھا، اس نے جینز کے ساتھ سفید یا شاید آف وائٹ کلر کی شرٹ پہن رکھی تھی۔

وہ اپنی لینڈ کروزر کا دروازہ کھول کر بیٹھ چکا تھا۔ شہزاد کو بس اس کا ہیولہ سا نظر آ رہا تھا اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑتی ہوئی پارکنگ میں جائے اور اس شخص کو بازو سے گھسیٹ کر باہر نکالے اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھے کہ کسی کے دل کا چین اس طرح سے چراتے ہیں۔؟ کسی کو یقین اور بے یقینی کے جہنم میں اس طرح دھکیلتے ہیں۔

وہ اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے ریورس کر رہا تھا، اس کی گاڑی ہلکا سا پیچھے ہوئی اور شہزاد کو افسوس ہوا اتنے فاصلے پر وہ اس کا نمبر نہیں پڑھ سکتی تھی۔ اسی وقت دوبارہ اس کے سیل فون کی ٹیکسٹ ٹون بجی، وہ جانتی تھی کہ یہ ہم زاد کا ہی میسج ہوگا۔ وہ بیزاری سے پلٹی اور سیل فون اٹھا کر اسکرین پر نظریں دوڑائیں۔

"اب کھڑکی سے ہٹ جاؤ، ورنہ میں یہاں سے جا نہیں پاؤں گا۔۔۔"

شہزاد کو یہ میسج پڑھتے ہی شدید قسم کا غصّہ آ گیا اس نے فوراً ہی اس کا نمبر ملایا، جسے پہلی ہی بیل پر ریسیو کر لیا گیا تھا۔

"زہے نصیب۔۔۔" اس کا چہکتا ہوا لہجہ شہزاد کو سلگانے کے لیے کافی تھا۔

"پرابلم کیا ہے آپ کے ساتھ۔؟ آپ کا کیا خیال ہے، آپ کے پھولوں اور وش کارڈ کے لیے مر رہی تھی میں۔۔۔"

"نہیں۔۔۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔"میں ان کو آپ تک پہچانے کے لیے مر رہا تھا۔۔۔"

"مر ہی جاؤ تو اچھا ہے۔۔۔" وہ جل کر بولی۔

"وہ تو کئی سال پہلے مر چکا ہوں تم پر۔۔۔" وہ شوخ ہوا۔

"شٹ اپ۔۔۔۔"

"تم حکم کرو سچ مچ مر جاتا ہوں، اگر دس منٹ سے زیادہ دیر لگاؤں تو کسی چوک پر الٹا لٹکا دینا۔۔۔"

"دس منٹ کیوں، دس سیکنڈ کیوں نہیں۔۔؟" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بھئی دس منٹوں میں کوئی طریقہ بھی تو سوچنا ہوگا مرنے کا۔اب کوئی پلاننگ کر کے تھوڑا بیٹھا ہوا ہوں پہلے سے۔" وہ محض اسے چڑا رہا تھا۔

"کیوں آئے تھے میرے کمرے میں۔۔؟"

"میں تو دل میں بھی آ چکا ہوں، تب تو نہیں پوچھا تھا۔۔۔"اس کا معنی خیز لہجہ اسے سلگا گیا۔

"اپنی آخری باتیں یاد ہیں تمہیں، کیا کہا تھا مجھے۔۔۔"

"جو کہا تھا دل پر جبر کر کے کہا تھا، اسی کا نتیجہ ہے جو پورے شہر میں ایک ہی لڑکی کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔"اس کی بات پر وہ چونکی۔

"مطلب کیا ہے۔۔۔؟"

"میں چاہتا ہوں تمہارا اسٹار "لیو" (Leo) ہے اور تم کسی شیر کی طرح ہی پورے شہر پر حکمرانی کرو۔"

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے، خود کیوں گیدڑوں کی طرح چھپتے پھر رہے ہو مجھ سے۔۔"اس کا لہجہ کاٹ دار تھا۔

"گیدڑ ہوتا تو تمہارے ارتضٰی حیدر کی ساری سیکورٹی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر تم تک نہ پہنچتا، یقین نہیں آتا تو دروازہ کھول کر دیکھ لو، کتنے کانسٹیبل بیٹھا رکھے ہیں تمہارے اس "فین" نے۔۔۔" وہ شرارت سے ہنسا۔

"کہیں تم خود ارتضٰی حیدر تو نہیں ہو۔۔۔؟" وہ ہلکا سا چونکی۔

"فار گاڈ سیک یار۔۔۔۔وہ ہلکا سا جھنجھلایا۔

کسی ڈھنگ کے بندے سے تو ملاؤ، اتنا بھی بُرا نہیں ہوں میں۔۔۔"اسکا بے ساختہ انداز شہزاد کو یقین دلا گیا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔

"تمہیں کس نے کہا، ارتضٰی بُرا ہے۔۔۔" وہ بُرا مان کر بولی۔

"تم اگر میری تعریف نہیں کر سکتیں تو بہتر ہوگا دنیا کے کسی اور مرد کا بھی میرے سامنے تذکرہ مت کرو۔" وہ اچھا خاصا سنجیدہ ہوا۔

''کیوں جیلسی فیل ہوتی ہے تمہیں۔۔۔''اس نے صاف چڑایا تھا اسے۔

''ہاں۔۔۔''اس نے بھی برملا اعتراف کیا۔''محبت میں جیلسی نہ ہو تو بڑے پھیکے پن کا احساس ہوتا ہے۔۔''

''کوئی کام کی بات کرنی ہے تو بتاو، ورنہ میں فون بند کر رہی ہوں۔۔''وہ اکتاہٹ کا شکار ہوئی۔

''کام کی بات یہ ہے کہ میر حاکم کی فیملی سے محتاط رہو، تم پر فائرنگ اس کے پالتو غنڈوں کی کارستانی ہے اور وجہ تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔۔۔''

''بہت شکریہ، اور کچھ۔۔۔''اس نے چٹکیوں میں اسکی بات کو اڑایا۔

''میں سیریس ہوں شہرزاد۔۔۔۔''

''لیکن میں اب تمہاری معلومات پر سیریس نہیں ہوسکتی، کیونکہ اپنی چیزوں کو خود سے ہینڈل کرنا آچکا ہے مجھے، اینی ہاؤ، تھینکس فار یور کائنڈ انفارمیشن۔''۔ دوسری جانب اس کے لاپرواہ انداز پر ہمزاد کے ہونٹوں پر بڑی جاندار سی مسکراہٹ ابھری تھی، وہ شہرزاد کو جس ٹریک پر لانا چاہتا تھا، وہ تھوڑی سی محنت سے اس طرف آچکی تھی۔

☆......☆......☆

''تم مانو یا نہ مانو، اسے کسی بدخواہ کی نظر لگی ہے۔۔۔''

کچن سے نکلتے ہوئے تاجدار بیگم کا یہ جملہ انابیہ کی سماعتوں سے ٹکرایا اور اس نے بڑے دھیان سے سامنے بیٹھے برہان کو دیکھا۔

''امّی، آپ ان فضول باتوں کو چھوڑیں، شکل دیکھیں اسکی، کتنی گم سم ہوگئی ہے، میں کل لے کر جارہا ہوں اسے اسلام آباد۔''ان کا لہجہ تشویش اور پریشانی میں ڈوبا ہوا تھا، انابیہ نے چائے کی ٹرے ان کے سامنے رکھی۔

اس کا دل چاہا کہ وہ اس بے حس شخص سے کہے کہ وہ بھی کسی کی بہن ہے، اسکی اتری ہوئی شکل، آنکھوں میں موجود اداسی اور لبوں سے چھینی گئی مسکراہٹ تو تمہیں نظر نہیں آتی۔ کیا نکاح کا تعلق اتنا کمزور ہوتا ہے۔

''اسلام آباد لے جا کر کیا کرو گے، نور محل میں کہاں کسی بچی کا دل لگتا ہے۔۔''انہوں نے دوپٹے پر کروشیے کی بیل بناتے ہوئے ہوئے تبصرہ کیا۔

''میں اسے وہاں دل لگانے کے لیے نہیں کسی اچھے فزیشن سے چیک کروانے کے لیے لے جارہا ہوں۔''انہوں نے بیزاری سے اپنا چائے کا کپ اٹھایا، انابیہ دانستہ وہیں صوفے پر جم کر بیٹھ گئی اور سائیڈ میز پر رکھا اخبار اٹھا کر منہ کے آگے کر لیا۔

''اچھا ہے لے جاؤ، فارحہ خوش ہوجائے گی۔۔۔''انہوں نے بیٹے کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کسی طور بھی ٹلنے والا نہیں ہے، تبھی فوراً ہتھیار ڈال دیئے، اور میر ہاوس میں ان کی کامیابی کا یہی راز تھا۔ ایک تو اللہ نے اولاد کے نام پر تین تین جوان بیٹے دے

دیئے، دوسرے وہ حاکم صاحب کی سگی بھتیجی تھیں اور تیسرے میر محتشم کی من پسند زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حکمرانی کے سارے طور طریقے جانتی تھیں جو آج تک ان کی دونوں دیورانیوں ندرت بیگم اور شارقہ بیگم کو نہیں آئے تھے۔

"یہ ارسل آجکل کہاں گم ہے، اسکا بڑا دل لگ گیا ہے نور محل میں۔۔۔" انہیں اچانک یاد آیا۔

"وہ نور محل میں نہیں آجکل فرینڈز کے ساتھ کمبائن اسٹڈیز کے لیے ہوسٹل میں رہ رہا ہے، لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔؟"

تمہارے داجی کا ارادہ بن رہا ہے اسکی اور درشہوار کی شادی کرنے کا۔۔۔" اس اطلاع پر انابیہ کے فورا کان کھڑے ہوئے۔

"فار گاڈ سیک امّی، درشہوار سے ضرور پوچھ لیجئے گا۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"میں نہیں چاہتا، اسے بھی میری طرح قربانی کا بکرا بنا دیا جائے۔۔۔" برہان نے یہ جملہ خاصے غلط موقعے پر بول دیا تھا، انابیہ جھٹکے سے کھڑی ہوئی اور اسکی گود میں رکھا اخبار دور جا گرا۔ برہان اور تاجدار بیگم دونوں نے ہی بے ساختہ اسکی طرف دیکھا۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ بھی وہیں بیٹھی ہوئی ہے۔ انابیہ سرخ چہرے کے ساتھ تیز تیز سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے پورشن کی طرف بڑھ گئی۔

"بہت بُری بات ہے برہان۔۔۔" تاجدار بیگم نے ملامتی نظروں سے اپنے بیٹے کو گھورا۔" آخر کیا کمی ہے انابیہ میں۔۔"

"بات کسی کمی بیشی کی نہیں ہے امّی۔۔۔" انہوں نے نظریں چرا کر کہا، ویسے بھی ضمیر نے بھی تازہ تازہ لتاڑا تھا کہ اس لڑکی کا کیا قصور ہے، تبھی اس باران کا لہجہ کچھ مدھم تھا۔

"تو پھر مسئلہ کیا ہے۔۔۔؟"

"میں نے اسے کبھی بھی اس نظر سے نہیں دیکھا اور ویسے بھی لائف پارٹنر کے حوالے سے میرے ذہن میں کچھ اور تھا لیکن داد جی نے اچھا نہیں کیا۔" انہوں نے محتاط انداز میں کہا۔

"جو گند بلا بھی تمہارے ذہن میں ہے اسے نکال دو، ہمارے ہاں جو ایک دفعہ نام جڑ جائے تو وہ قبر تک ساتھ ہی جاتا ہے ،سمجھے۔۔" انہوں نے اپنے بیٹے کو ٹھیک ٹھاک لتاڑا تھا۔ وہ مزید سر جھکا کر بیٹھ گئے۔

اسی لمحے داجی اور میر خاقان علی تیز تیز بولتے ہوئے ہال کمرے میں داخل ہوئے۔ میر خاقان کا چہرہ غصّے کی زیادتی سے سرخ ہو رہا تھا، جبکہ میر حاکم علی تھوڑا پرسکون تھے۔

"آپ کو یہ سب کروانے سے پہلے ایک دفعہ ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے تھا۔۔۔" میر خاقان علی کی آواز کچھ بلند ہوئی۔

"آخر ایسا کیا ہو گیا ہے، جو تم اور محتشم اسی بات پر ہاتھ پیر پھلائے گھوم رہے ہو۔" وہ بیزاری سے صوفے پر آکر بیٹھ گئے، تاجدار بیگم نے جلدی سے ہاتھ میں پکڑا کروشیہ اور دوپٹہ ایک سائیڈ پر رکھ دیا۔ برہان خود بھی تھوڑا کونشس ہو کر بیٹھ گئے۔

''ذرا ٹی وی چلا کر دیکھیں، ہر چینل پر ایک ہی خبر چل رہی ہے کہ بیرسٹر شیری، میر خاقان کے خلاف کیس لڑ رہی تھی۔''

''تو۔۔۔؟؟؟'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی پر زور ڈالا۔

''یہ مسئلہ کسی اور طریقے سے بھی حل ہو سکتا تھا۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھنجھلا کر گویا ہوئے۔

''تم نے کب سے ''جوش'' کی بجائے ''ہوش'' سے کام لینا شروع کر دیا ہے۔'' انہوں نے طنزیہ نگاہوں سے اپنے رنگین مزاج بیٹے کو دیکھا، جن کے آئے دن بننے والے اسکینڈلز پر وہ اکثر انہیں ہوش سے کام لینے کا مشورہ دیتے تھے، جسے وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتے تھے۔

''زندگی کے ہر معاملے میں جوش نہیں چلتا بابا جان۔۔۔'' انہوں نے سیکنڈوں میں ان کا طنز سمجھا۔

''تم چھوڑو اس قصّے کو، محتشم کا نمبر ملاؤ، پتا تو چلے بیورو کریسی میں کیا چل رہا ہے، آج انٹرئیر منسٹری کی ایک ضروری میٹنگ بھی تھی۔۔'' داجی نے بیزاری سے موضوع گفتگو بدلا تھا، برہان نے ان دونوں کو مصروف دیکھا تو خاموشی سے وہاں سے کھسکنا چاہا، لیکن آج شاید ان کے بھی ستارے گردش میں تھے۔

''یہ تم کہاں بھاگ رہے ہو۔۔۔؟'' داجی نے تیکھی نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔

'کہیں نہیں داجی، ذرا درشہوار کے کمرے تک جا رہا تھا، طبعیت ٹھیک نہیں ہے اس کی۔'' انہیں بروقت بہانہ سوجھ گیا جو خاصا تیر بہدف ثابت ہوا تھا۔

''درشہوار سے یاد آیا، پچھلے تین دن سے بیمار ہے بچی، اور کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ کسی اچھے ڈاکٹر کو بلوا کر چیک کروا لے۔'' ان کے لہجے کی فکرمندی اور تشویش پر تاجدار بیگم ہلکا سا مسکرائیں۔ سارا خاندان جانتا تھا کہ درشہوار اپنے داجی کی چہیتی پوتی تھی۔

''برہان بھی یہی کہہ رہا تھا مجھ سے۔۔۔۔'' تاجدار بیگم نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''ہاں تو کیا مسئلہ ہے۔۔''؟

''مسئلہ تو کچھ نہیں ہے داجی، کل لے کر جاؤں گا۔۔۔'' برہان نے فوراً صفائی دی۔

''محتشم بھائی کی کال ہے آپ کے لیے۔۔'' خاقان علی نے اپنا سیل فون میر حاکم کی طرف بڑھایا۔

''ہاں دو۔۔۔'' انہوں نے فوراً تھام لیا۔ ان دونوں کا موضوع گفتگو وہ کیس تھا، جس نے آجکل پورے خاندان کی راتوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔ ان کو باتوں میں مصروف دیکھ کر برہان اس دفعہ خاموشی سے وہاں سے کھسک آئے جبکہ تاجدار بیگم ان لوگوں کے لیے شام کی چائے تیار کروانے لگیں۔

☆......☆......☆

''میکائیل آرہا ہے پاکستان۔۔۔''

اس اطلاع نے مونیکا کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے۔وہ جانتی تھی کہ اس کی منگنی بہت عرصے سے اس کے والد کے بیسٹ فرینڈ دلاور کے بیٹے کے ساتھ طے تھی جسے وہ اپنا منہ بولا بھتیجا مانتے تھے۔

''لیکن اس نے تو پہلے منع کر دیا تھا۔''

مونیکا نے اپنا لہجہ سرسری سا بنا کر اپنی ماں سے پوچھا، جو اس وقت پالک کے پتوں کے ساتھ الجھی ہوئیں تھیں۔جب کہ مونیکا کے دل کی دنیا میں ایک اودھم مچ چکا تھا، ابھی رات ہی اس نے ذوالکفل سے بات کی تھی اور اس نے کہا تھا کہ وہ واپس لاہور آ جائے تو دونوں بیٹھ کر اس موضوع پر ڈسکشن کر لیں گے۔

''تم اس دفعہ کالج جاؤ تو کافی چھٹیاں لے کر آنا۔۔۔''انہوں نے اسکے سر پر اگلا بم پھوڑا۔

''لیکن امّی، میرے فائنل ایگزامز ہونے والے ہیں، آپ لوگ اتنی جلدی کیوں کر رہے ہیں۔۔'' وہ جھنجھلا گئی۔

''تمہارے باپ کی طبعیت ٹھیک نہیں رہتی، وہ اپنے فرض سے جلد از جلد فارغ ہونا چاہتا ہے۔۔''مارتھا نے سب کچھ اپنے شوہر پر ڈال دیا، لیکن مونیکا جانتی تھی کہ اس سارے قصّے کے پیچھے اسکی ماں کا ہاتھ ہے۔

''اچھا ٹھیک ہے۔۔۔'' وہ ہلکا سا سوچ کر پر سکون ہوئی۔

''کل چرچ چلو گی تم۔۔۔''مارتھا نے ہلکا سا الجھ کر اپنی بیٹی کا مطمئن چہرہ دیکھا، اس کے اتنی جلدی مان جانے کی توقع جو نہیں تھی۔

''ہاں۔۔۔''اس کے جواب پر مارتھا کے ہاتھ سے چھری گر گئی۔

''کیوں، کیا ہوا۔۔۔؟''مونیکا اپنی ماں کی اندرونی حالت سے اتنی بھی بے خبر نہیں تھی، اسے اندازہ تھا کہ اگر اس نے مذید اپنی طرف سے ماں کو پریشان کیا تو ہو سکتا ہے وہ اسے ملتان بھی نہ جانے دے۔

''لگتا ہے خداوند نے تمہارے دل کو سکون سے بھر دیا ہے۔۔۔'' وہ اب کچھ مطمئن دیکھائی دے رہیں تھیں۔

''ہاں، آپ کی دعا قبول ہو گئی ہے۔۔۔''وہ سادگی سے کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی، اندر داخل ہوتے ہی اس نے جلدی سے دروازے کا لاک لگایا اور جلدی جلدی ذوالکفل کا نمبر ملانے لگی، اسے اب اس کو اس تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کرنا تھا۔

☆......☆......☆

اس نے اپنے بہت قریب سے بے تحاشا فائرنگ کی آواز سنی تو اس کی آنکھ کھل گئی۔خوف اور دہشت کی برقی رو اس کے پورے وجود میں دوڑنے لگی۔رومیصہ نے بوکھلا کر ٹائم دیکھا، رات کے دو بج رہے تھے۔

اندھیرے میں کانپتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ اس نے سائیڈ میز پر رکھے لیمپ کو روشن کیا۔اسی لمحے اس کے بیڈروم کا دروازہ

دھڑ کر کے کھلا، وہ بڑے حواس باختہ انداز میں اندر داخل ہوا۔ وہ آج صبح سے فارم ہاؤس میں ہی تھا۔

”فوراً نکلو، وہ لوگ یہاں پہنچنے والے ہیں۔۔۔“

اس نے عجلت بھرے انداز میں رومیصہ کا بازو پکڑ کر کھینچا اور اسے گھسیٹتا ہوا باہر کوریڈور میں لے آیا، وہ جو ابھی نیند کے خمار سے باہر نکلی تھی، اس صورتحال پر گھبرا گئی۔ اس کے پیروں میں جوتا تک نہیں تھا۔

”کون لوگ ہیں یہ۔۔۔؟؟؟“

اس کے ساتھ بے تحاشا دوڑتے ہوئے اس نے پھولی ہوئی سانسوں سے پوچھا، دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ فائرنگ بغیر کسی توقف کے جاری تھی، وہ دونوں کوریڈور میں رکھی چیزوں سے ٹکراتے ہوئے فارم ہاؤس کی پچھلی سائیڈ پر پہنچ گئے۔ جہاں ایک گاڑی پہلے سے کھڑی تھی۔

”ہری اپ۔۔۔“ اس نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے اندر کی جانب دھکیلا اور خود اچھل کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

اس کی گاڑی کا انجن جیسے ہی بیدار ہوا، فائرنگ کی آواز میں شدت آ گئی۔ رومیصہ نے سراسیمگی کی کیفیت میں اردگرد کا ماحول دیکھا، وہ طوفانی انداز میں گاڑی چلا رہا تھا، کسی ملازم نے ساری صورتحال کو دیکھتے ہوئے پچھلا گیٹ کھول دیا تھا۔

وہ لوگ جیسے ہی مین روڈ پر پہنچے، دُور کہیں سے پولیس کی گاڑی کے ہارن کی آواز نے بھی ان کا تعاقب کیا۔ کتوؤں کے بھونکنے کی آوازیں اور فائرنگ نے رومیصہ کو اچھی خاصی دہشت میں مبتلا کر دیا تھا، وہ دم سادھے اپنے برابر میں بیٹھے شخص کو دیکھنے لگی۔ جس کے دونوں ہونٹ سختی سے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست تھے۔

وہ بڑی مہارت سے گاڑی چلا رہا تھا جس سے رومیصہ کو اندازہ ہوا کہ یہ راستے اس کے لیے انجان نہیں ہیں۔ پولیس کی وین کی آواز مسلسل ان کے پیچھے سے آ رہی تھی، اس نے ایک آبادی کی طرف گاڑی موڑ لی، وہ کوئی قصبہ تھا، جہاں بے شمار گھر موجود تھے۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا، اس نے گاڑی ایک تنگ سی گلی میں روکی، اور چھلانگ مار کر نیچے اترا اور رومیصہ کا بازو کھینچ کر اسے اتارا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔۔۔“ وہ بوکھلا گئی۔

”چپ کر کے چلو، ورنہ دونوں مارے جائیں گے۔۔۔“ اسکا سرد لہجہ رومی کی سماعتوں سے ٹکرایا، وہ اسکا بازو پکڑے اب ان تنگ و تاریک گلیوں میں دوڑتا ہوا ایک گھر کے پاس رکا، اس نے ایک سیکنڈ میں اندازہ لگایا تھا کہ اس گھر کے مکین یہاں موجود نہیں تھے، کیونکہ گیٹ کے باہر ایک بڑا سا وزنی قفل لٹک رہا تھا، اس نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا۔

”ایک منٹ کے لیے رکو یہاں۔۔۔۔“

وہ اچھل کر گیٹ پر چڑھا اور نیچے صحن میں چھلانگ لگا دی، رومیصہ نے خوفزدہ انداز میں چاروں طرف دیکھا، رات کی تاریکی

میں یہ انجان گلیوں میں کھو جانے کا احساس ہی اتنا خوفناک تھا کہ وہ بوکھلا کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی، اس نے بڑے عجلت بھرے انداز میں بڑے گیٹ کے ساتھ لگا چھوٹا دروازہ اندر سے کھولا اور رومیصہ کا سرد ہاتھ پکڑ کر اسے گھر کی اندرونی سائیڈ پر کھینچ لیا۔

پولیس وین کے ہارن کی آواز رک چکی تھی، شاید ان لوگوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ اس قصبے میں چھپ گئے ہیں۔ پولیس کے نوجوانوں کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں اس گلی تک آن پہنچی تھیں، ایک دفعہ تو رومیصہ کا دل چاہا کہ وہ شور مچا کر پولیس کو اپنی موجودگی کا احساس دلا دے، لیکن دوسرے ہی پل اس کی نظر اس شخص کے انتہائی پریشان چہرے پر پڑی، اور ساتھ ہی اس کا وہ احسان یاد آ گیا جو اس نے اس کی عزت بچا کر کیا تھا۔ اس نے اپنے حلق سے نکلتی ہوئی آواز گلے میں ہی دبالی تھی۔

وہ دونوں پورچ میں دبکے بیٹھے تھے، اس قصبے کا یہ سب سے جدید گھر تھا، پورے گھر کی لائٹ بند تھی، رومیصہ کا دل خوف سے کانپ رہا تھا، ننگے پاؤں بھاگنے کی وجہ سے اس کے پیر شل ہو چکے تھے۔

پولیس کی نفری اسی گھر کے باہر کھڑی تھی، جس کی وجہ سے دونوں کے حلق خشک ہو رہے تھے، وہ اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر کے خود گیٹ کے پاس آ گیا۔

"میرا خیال ہے سر وہ لوگ یہاں سے نکل کر جا چکے ہیں۔۔۔" ایک پولیس کانسٹیبل کی آواز اسکی سماعتوں تک پہنچی۔

"نہیں، اتنی جلدی وہ پیدل یہاں سے نہیں نکل سکتے۔۔۔"

تو پھر کیا خیال ہے سر گھروں کی تلاشی لی جائے۔۔۔؟" ایک اور مشورے پر اس کا سانس اٹکا۔

"دو ڈھائی سو گھروں کی تلاشی لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔۔۔"

"ان کی گاڑی تو مل چکی ہے سر۔۔۔"

"تو بس ٹھیک ہے، اس قصبے سے نکلنے والے راستوں پر نظر رکھو، وہ آج رات یہاں سے نکلنے کی کوشش ضرور کریں گے، تھانے سے مزید نفری منگوا لو۔۔" پولیس آفیسر کے اس نئے حکم پر ان کے چہروں پر پریشانی کے تاثرات نمودار ہوئے۔ ان دونوں کو پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ وہ کسی بڑی مشکل میں پھنس چکے ہیں۔

☆......☆......☆

"کیا حال ہے بیرسٹر شیری کا۔۔۔"

ہادی ابھی ابھی اسلام آباد سے لوٹا تھا، سامنے کاؤچ پر لیٹے ہوئے سعد نے اسکی طرف دیکھتے ہی پریشانی سے پوچھا۔ ہادی نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سیل فون سائیڈ میز پر رکھا اور اپنی پیشانی کو مسلا، وہ خاصی ٹینشن میں دکھائی دے رہا تھا۔

"کافی بہتر ہیں، گھر شفٹ کر دیا گیا ہے انہیں۔۔۔" اس نے تھکے تھکے انداز میں اپنے شوز اتارے۔

''حوصلہ تو نہیں پست ہو گیا ان کا۔۔۔؟''

''ارے نہیں یار، وہ اس ٹائپ کی خاتون نہیں ہیں، بلکہ ہوش میں آنے کے بعد سے ساری اپ ڈیٹس اور فون کالز تک خود ریسیو کر رہی ہیں۔'' ہادی بات کرتے کرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

''پھر تو بہت دلیر خاتون ہوئیں۔۔۔'' وہ ہادی کے پیچھے ہی سیڑھیاں چڑھ کر اس کے بیڈ روم میں آ گیا۔

''لیکن میرے خیال میں لڑکیوں کو تھوڑا محتاط ہونا چاہیے، ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی اور بہادری بھی کبھی کبھی انسان کو ڈبو دیتی ہے۔'' اس نے واڈروب کھول کر اپنا ایک شلوار سوٹ نکالا۔

''کچھ پتا چلا، کسی کی گھٹیا حرکت ہے یہ۔۔۔''؟ سعد دونوں بازو سینے پر باندھ کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''کمال کرتے ہو سعد، کیا تمہیں نہیں پتا، اس حد تک کون گر سکتا ہے۔۔۔'' ہادی نے ہینگر سے سوٹ نکالتے ہوئے حیرانگی سے اسکی طرف دیکھا۔ جیسے اس سے اس سوال کی توقع نہ کر رہا ہو۔

''لیکن کنفرم تو نہیں ہے ناں۔۔۔'' سعد اس کا اشارہ سمجھ چکا تھا۔

''کم آن یار۔۔۔ ساری دنیا جان چکی ہے کہ یہ بزدلانہ کاروائی کس کی طرف سے ہوئی ہے۔۔۔''

''وہ کیسے۔۔۔؟''

''جس وقت بیرسٹر شیری پر حملہ ہوا اس وقت میر حاکم صاحب نے بڑے شاہ جی کے مزار کے باہر کھلی کچہری سجا کر بیٹھے تھے۔'' ہادی نے طنزیہ انداز میں اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''تو اس کا کیا مطلب ہوا۔۔۔؟؟؟'' سعد نے الجھ کر اس کا چہرہ دیکھا۔

''تا کہ لوگوں کو بتا سکیں کہ وہ تو اس وقت عوام کے مسائل سننے میں مصروف تھے۔۔۔'' ہادی نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

''یہ بات تو کسی گدھے کو بھی پتا ہے کہ ایسے لوگ خود تھوڑی سامنے آتے ہیں، انہی کے پالتو غنڈے ان کے ایک اشارے پر گردنیں اڑا دیتے ہیں لوگوں کی۔''

سعد نے منہ بناتے ہوئے ہادی کے کمرے کی کھڑکی کھولی اور سامنے کا منظر دیکھ کر اسے دھچکا لگا۔۔

درشہوار کے کمرے کی لائیٹ جل رہی تھی اور کچھ فٹ کے فاصلے پر اس کے بیڈ کی چادر کا پرنٹ تک واضح نظر آ رہا تھا، سعد ہلکا سا جھجک کر پردے کے پیچھے ہوا کیونکہ اس کے بیڈ کے آس پاس کچھ گھر کی خواتین کھڑی تھیں اور کسی بھی لمحے ان میں سے کسی کی نظر پڑ سکتی تھی، درشہوار کو ڈرپ لگی ہوئی تھی اور اس کا نقاہت زدہ چہرہ چیخ چیخ کر بتا رہا تھا کہ وہ اچھی خاصی بیمار ہے۔ سعد نے جلدی سے پردہ برابر کیا۔

''کیا ہوا۔۔۔؟'' ہادی نے واش روم سے نکلتے ہوئے حیرانگی سے اسکا پریشان چہرہ دیکھا۔ وہ کسی سوچ میں گم تھا۔

''کچھ نہیں۔۔۔۔ہمسایوں کے کمرے میں نظر پڑ گئی تھی۔۔۔''

''ہاں ان محترمہ کی خاصی عجیب عادت ہے جان بوجھ کر یہ کھڑکیاں کھلی رکھنے کی، اس لیے میں اکثر بند ہی رکھتا ہوں۔'' ہادی نے منہ بنا کر ہیر برش اٹھایا اور اپنے بال بنانے لگا۔

''مجھے لگتا ہے، وہ خاصی بیمار ہے، ڈرپ لگی ہوئی تھی اسے۔۔'' سعد نے ہلکا سا جھجک کر بتایا۔

''تھینکس گاڈ، کچھ دن تو گھر میں ٹک کر بیٹھے گی۔۔۔'' ہادی کا یہ مذاق اڑاتا انداز سعد کو اچھا نہیں لگا۔

''بہت بُری بات ہے ہادی، وہ بیچاری واقعی کافی بیمار ہے، اور تم اس کا مذاق اڑا رہے ہو۔۔۔'' اس نے فوراً طرفداری کی

''بیرسٹر شیری بھی کسی کی بیٹی ہے، جس پر بیدردی سے گولیاں چلائی گئیں تھیں۔ تم اس کی شکل دیکھو ذرا جا کر۔'' ہادی نے اسے لاجواب کیا۔

''لیکن اس میں درشہوار کا تو کوئی قصور نہیں۔۔۔۔'' سعد نے نظریں چرائیں۔

''اس خوامخواہ کی فیور کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔۔۔'' ہادی نے جانچتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ویسے ہی بات کر رہا ہوں یار۔ تم تو وکیلوں کی طرح جرح کرنے لگتے ہو۔۔۔'' سعد نے زبردستی مسکرا کر اسے مطمعن کرنے کی کوشش کی۔

''ظاہر ہے وکیل ماں کا بیٹا ہوں، جرح تو کروں گا ہی۔۔۔'' ہادی کا موڈ اب کچھ خوشگوار ہو گیا تھا۔

''اچھا چھوڑو، نیچے چلتے ہیں، گل خان نے بہت مزے کے فرائیڈ رائس بنائے ہیں۔۔۔'' سعد نے اپنی طرف سے بات ختم کی تو ہادی بھی سر ہلا کر اس کے پیچھے چل دیا۔

☆......☆......☆

''بیا کوئی ٹینشن ہے آپ کو۔۔۔''

طوبی چائے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوئی تو اس نے انابیہ کو کسی سوچ میں گم پایا، اس کے نوٹس سامنے کھلے پڑے تھے جب کہ دھیان کی کھڑکیاں کہیں اور کھلی ہوئی تھیں، وہ اپنی سوچوں میں اس قدر محو تھی کہ اسے طوبی کی آمد کا بھی پتا نہیں چلا۔

''بیا۔۔۔کیا ہوا ہے۔۔۔؟'' طوبی نے پاس آ کر اس کا کندھا ہلایا تو وہ ایک دم خفت کا شکار ہوئی۔

''تم کب آئیں۔۔۔؟'' وہ ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئی اور خود کو مصروف ظاہر کرنے لگی۔

''جب آپ سوچوں ہی سوچوں میں برہان بھائی کے ساتھ کہیں اور پہنچی ہوئیں تھیں۔'' طوبی نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے چھیڑا۔

''بے فکر رہو، ان کا کوئی راستہ میری طرف سے ہو کر نہیں گذرتا۔۔۔'' اس کے الفاظ سادہ لیکن لہجہ خاصا تلخ تھا، طوبی نے چونک

کر اسکی طرف دیکھا۔

"آپ سے کچھ کہا ہے انہوں نے۔۔۔" وہ فکر مند انداز میں اپنی بہن کے بالکل قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"جو بات ساری دنیا چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے، وہ اگر خود نہ بھی کہیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔"

"کیا کہہ رہی ہے ساری دنیا۔۔۔" طوبیٰ نے فورا بات کاٹ کر عجلت بھرے انداز میں پوچھا۔

"کیا کرو گی تم پوچھ کر۔۔۔ چھوڑو۔۔۔" انابیہ نے گرما گرم چائے کا کپ اٹھا کر منہ سے لگا لیا اور جیسے ہی ہونٹوں پر جلن کا احساس ہوا، فورا پیچھے کر دیا۔

"بیا، میں آپکی بہن ہونے کے علاوہ بہت اچھی دوست بھی ہوں۔۔" طوبی نے ہمدردی سے بہن کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"تبھی تو تمہیں اس تکلیف سے گذارنا نہیں چاہتی، جس سے میں گذر رہی ہوں۔۔۔"

"فار گاڈ سیک بیا، کیوں پہلیاں بجھوا رہی ہیں، مجھے بتائیں کیا ہوا ہے۔؟ سخت ٹینشن ہو رہی ہے مجھے۔" طوبی ہلکا سا جھنجھلا گئی۔

کیا بتاؤں، برہان کو مجھ سے سرے سے ہی دلچسپی نہیں ہے، وہ مجھے زبردستی کا لادا ہوا بوجھ سمجھتے ہیں اور اس تعلق سے حد درجہ بیزار ہیں جوان کے اور میرے بیچ ہے۔۔۔" انابیہ ایک دم چیخ کر بولی اور کمرے میں داخل ہوتیں ہوئیں شارقہ بیگم ٹھٹک کر دروازے میں ہی رک گئیں۔ان کے دل پر کسی نے گھونسہ مارا تھا۔

"تو کس میں ہے دلچسپی انہیں۔۔۔؟" طوبیٰ کی آواز کسی گہرے کنویں سے نکلی۔

"مناہل قریشی میں۔۔۔"

"مناہل، وہ کون ہے۔۔؟ آپکو کس نے بتایا۔۔؟" طوبی نے پریشانی سے پوچھا۔

"مجھ سے سنئیر ہے اور سارا کیمپس جانتا ہے سر برہان اور مناہل کے درمیان کیا چل رہا ہے۔۔۔" انابیہ کا لہجہ رنجیدگی میں ڈوبا ہوا تھا۔

"تو آپ کو بتانا چاہیے تھا اسے جا کر کہ آپ کے اور برہان بھائی کے درمیان کیا رشتہ ہے۔۔۔" طوبی کو ایک دم ہی غصّہ آیا۔

"تو اس سے کیا ہوگا۔۔۔؟" وہ استہزائیہ انداز میں گویا ہوئی۔

"تا کہ اسے پتا چلے، وہ غلط کر رہی ہے اور کسی کے حق پر ڈاکہ مارنا کوئی اچھی بات نہیں۔۔۔"

"اگر برہان نے خود اس کی طرف پہل کی ہو تو۔۔۔؟؟؟" انابیہ نے طنزیہ نگاہوں سے اپنی بہن کی طرف دیکھا، جس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کے لیے کچھ کر گذرتی۔

"دونوں صورتوں میں اسے معلوم ہونا چاہیے، یہ آپ کی بھی زندگی کا سوال ہے۔۔" طوبی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، جبکہ

شارقہ بیگم وہیں سے پلٹ گئیں، ان کے دل پر ایک بھاری بوجھ آن پڑا۔ انہیں پہلی دفعہ احساس ہوا کہ سیانے ٹھیک ہی کہتے ہیں بیٹیوں کی قسمت واقعی ماؤں جیسی ہوتی ہے۔ ساری زندگی وہ خاقان صاحب کے پیچھے بھاگتی رہیں لیکن ان کے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔ انا بیہ کا دکھ قطرہ قطرہ بن کران کے دل میں اتر رہا تھا لیکن انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی زندگی سے کسی کو بھی کھیلنے نہیں دیں گی۔

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو۔۔۔؟" خاقان علی کسی کام سے اوپر آئے تو شارقہ بیگم کو اپنی ہی سوچوں میں غلطاں پایا۔

"ہوں۔۔۔" وہ ہلکا سا چونکیں۔ "اچھا ہوا آپ آ گئے ایک ضروری بات کرنی ہے مجھے آپ سے۔۔۔" وہ فیصلہ کن انداز میں کھڑی ہوئیں۔

"لیکن میں تو اسلام آباد کے لیے نکل رہا تھا۔۔۔" انہوں نے رسٹ واچ میں ٹائم دیکھتے ہوئے مصروف انداز میں کہا۔

"ایک گھنٹہ لیٹ بھی ہو جائیں گے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔۔" اُن کے لہجے میں کچھ تھا جو خاقان جیسا گھاگ بندہ ایک لمحے میں سمجھ گیا۔

"اچھا چلو، لیکن خدا کے واسطے اپنی اور ندرت کی کسی نئی لڑائی کا قصّہ مت چھیڑ دینا۔۔۔"

اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے وارننگ دی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ شارقہ کی اپنی سوتن ندرت سے بالکل نہیں بنتی تھی اور دونوں ایک دوسرے کی شکایت لگانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں، جس سے

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ اپنی اولاد کے لیے ابھی سے کچھ سوچ لیں، ایسا نہ ہو ندرت جیسا کوئی عذاب آپکی بیٹیوں کو بھی بھگتنا پڑ جائے۔" ان کے سرد لہجے پر وہ چلتے چلتے جھنجھلا کر رکے، فوراً مڑ کر شارقہ بیگم کی طرف دیکھا، شارقہ کے چہرے پر اس وقت چٹانوں کی سی سختی محسوس کر کے خاقان کا اگلا جملہ ان کے حلق میں ہی دم توڑ گیا۔

☆......☆......☆

درشہوار کو نور محل میں آئے ہوئے دوسرا دن تھا۔۔۔

فارحہ بھابھی اپنی نند کی آمد پر خاصی خوش دیکھائی دے رہی تھیں کیونکہ نور محل میں رہنا ان کی مجبوری تھی کیونکہ ایک تو ان کے شوہر وہاج وہاں رہتے تھے اور دوسرا ساری سیاسی ایکٹوٹیز کا مرکز بھی انہی کا وہ گھر تھا۔ جہاں ہر وقت مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا۔ وہ وہاں واحد خاتون تھیں جو سب چیزوں کی نگرانی کرتی تھیں لیکن جب بھی ان کو موقع ملتا وہ فوراً میر ہاؤس پہنچ جاتیں۔ ایک تو ان کی ساس تاجدار بیگم کے ساتھ ان کے تعلقات خاصے خوشگوار تھے اور دوسرا وہاں خواتین کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کا بھی دل لگا رہتا۔

فارحہ بھابھی اس دن کچن میں آئیں تو سامنے چولہے پر رکھی چائے پک پک کر ختم ہو چکی تھی اور درشہوار شیلف سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں مگن تھی۔

''درشہوار کوئی مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔۔۔'' انہوں نے فوراً لپک کر چولہا بند کیا۔

''نن نہیں تو بھابھی۔۔۔۔'' درشہوار ایک دم ہوش کی دنیا میں آئی تو دیکھا سامنے چولہے پر موجود ساس پین اچھا خاصا جل چکا تھا۔

''اوہ آئی ایم سوری۔۔۔۔'' وہ اچھی خاصی شرمندہ ہوگئی۔

''میں نوٹ کر رہی ہوں تم جب سے آئی ہو، کچھ الجھی الجھی سی ہو، خیر تو ہے ناں۔۔'' انہوں نے محبت بھری نظروں سے اپنی اکلوتی نند کو دیکھا، جس کی آنکھوں سے جھلکتی شوخی اور شرارت کی جگہ اداسی لے چکی تھی۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں، آپ بتائیں آپکا دل نہیں گھبراتا اتنے بڑے گھر میں اکیلے رہتے ہوئے۔۔۔'' درشہوار نے بڑی ذہانت سے بات کا رخ بدلا۔

''اکیلا گھر کہاں ہے، ملازمین کی ایک فوج ہے اور سارا دن تو مہمان داری رہتی ہے یہاں۔۔'' انہوں نے مسکرا کر فریج سے گوشت کا پیکٹ نکالا۔

''ہاں پھر وہاج بھائی بھی تو رہتے ہیں ادھر۔۔'' وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔

''ان کا تو ہونا اور نہ ہونا تو بعض دفعہ برابر ہی ہوتا ہے۔۔۔'' فارحہ بھابھی کا لہجہ اداسی سے لبریز تھا۔

''ایک بات تو بتائیں بھابی، میرڈ لائف کیا محبت کے بغیر چل سکتی ہے۔۔؟'' اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا کیونکہ سارا خاندان جانتا تھا کہ وہاج کو اپنی بیوی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اور وہ اسی بات پر حیران تھی کہ آخر ایسی کون سی بات ہے جس نے دونوں کو ابھی تک ایک ڈور میں باندھ رکھا ہے۔

''ہاں۔۔۔۔'' ان کی بات پر درشہوار کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ وہ کیسے۔۔۔؟''

''شادی شدہ زندگی محبت کے بغیر تو گذر سکتی ہے لیکن عزت کے بغیر نہیں۔۔۔'' فارحہ بھابھی کی بات ابھی مکمل ہوئی ہی تھی کہ وہاج جھنجھلائے ہوئے انداز میں کچن میں داخل ہوئے اور کھا جانے والی نگاہوں سے فارحہ کو دیکھا، جو انہیں غصّے میں دیکھ کر تھوڑا گھبرا گئیں تھیں۔

''ساری زندگی جاہل کی جاہل رہنا، ہزار دفعہ سمجھایا ہے میری چیزوں کو ہاتھ مت لگایا کرو، لیکن تم جیسی کم عقل عورت کو کوئی بات ایک دفعہ کہنے سے تھوڑی سمجھ آتی ہے۔۔۔'' ان کا لہجہ سراسر توہین آمیز تھا اور درشہوار کے سامنے اس کھچائی پر ان پر گھڑوں پانی پھر گیا۔

''میرا لیپ ٹاپ کیوں بند کیا ہے تم نے گنوار عورت، اچھی خاصی فائل ڈاؤن لوڈ ہونے کے لیے لگا کر گیا تھا، اب مزید ایک گھنٹہ میرا غارت ہو جائے گا، پتا نہیں کس گناہ کی سزا ہو تم۔۔۔'' وہ ایک دفعہ پھر شروع ہو گئے۔ فارحہ بھابھی کا چہرہ ضبط کی کوشش میں سرخ ہوا۔

''وہاج بھائی آئی ایم سوری، لیپ ٹاپ بھابھی نے نہیں، میں نے بند کیا تھا۔۔۔'' درشہوار نے گھبرا کر جھوٹ بولا۔ فارحہ نے تشکر بھری نگاہوں سے اپنی نند کو دیکھا، جس نے انہیں ایک بڑی مصیبت سے بچا لیا تھا۔

''تم نے بند کیا تھا۔۔۔؟'' وہاج ایک لمحے کو گڑبڑائے لیکن معاملہ چونکہ اب اپنی لاڈلی بہن کا تھا، اس لیے خاصے ٹھنڈے پڑ گئے۔

''اچھا اچھا ٹھیک ہے، ایک کپ چائے کا بنوا کر بھیجو اور پلیز درشہوار تم خود بنانا، اس عورت کی تو ہر چیز ہی بدمزا ہوتی ہے اسکی شکل کی طرح۔۔۔'' ان کی بڑبڑاہٹ اتنی کم نہیں تھی کہ کسی کی سماعتوں تک نہ پہنچتی۔

''جی آپ جائیں، میں لاتی ہوں۔۔۔'' درشہوار نے گھبرا کر کہا۔

فارحہ بھابی نے دوسرا ساس پین نکالا، ان کی آنکھوں سے بے اختیار دو آنسو چھلکے جنہیں انہوں نے فوراً بازو کی پشت سے صاف کر لیا۔ درشہوار کو حقیقتاً ان پر ترس آیا۔

''اب سمجھ آ گئی ناں میری بات، شادی شدہ زندگی میں محبت سے زیادہ عزت اہم ہوتی ہے۔۔۔'' انہوں نے ہلکا سا رخ موڑ کر درشہوار کو مخاطب کیا۔

''جی۔۔۔'' وہ ٹھیک ٹھاک شرمندہ ہوئی۔

''اس شخص سے شادی کبھی مت کرنا درشہوار، جو تمہاری عزت نہ کرتا ہو۔'' فارحہ بھابھی کی اس بات پر اس کے دل میں چھن سے کچھ ٹوٹا۔

''کیوں کرتے ہیں وہاج بھائی ایسا۔۔۔؟'' اس نے فوراً موضوع گفتگو تبدیل کیا۔

''پتا نہیں۔۔۔'' انہوں نے برنر چلایا اور چائے کا سامان کیبنٹ سے نکالنے لگیں۔ درشہوار کچھ لمحے تو ان کا چہرہ غور سے دیکھتی رہی لیکن شرمندگی کا احساس اس قدر گہرا تھا کہ وہ زیادہ دیر تک کچن میں ٹھہر نہیں سکی۔

☆......☆......☆

''ہاں یہ ہنڈرڈ پرسنٹ رومی کا ہی ہے، لیکن آپ کو کہاں سے ملا۔؟''

شہزاد نے ارتضیٰ حیدر کے ہاتھ میں جیسے ہی اپنی بہن کا بریسلیٹ دیکھا، اس کے دل کی دھڑکنیں ایک دم تیز ہوئیں۔

وہ ابھی ابھی اس سے ملنے کے لیے ٹینا ہاؤس پہنچا تھا۔ شہزاد کو اگلے دن شام میں اس کے ضد کرنے پر ہوسپٹل سے گھر شفٹ کر دیا گیا تھا۔ وہ اب کچھ ریلیکس تھی لیکن گھر میں مہمانوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، کیونکہ ٹینا بیگم خاصی سوشل تھیں اور کچھ میڈیا نے اس خبر کو بھی خاصا ہائیٹ لائیٹ کیا تھا اور اسی لیے کچھ لوگ محض چسکے کے لیے اور کچھ ہمدردی کے لیے ان کی طرف آ رہے تھے۔

''بتائیں ناں، کہاں سے ملا ہے آپ کو۔۔۔'' شہزاد کو بے چینی ہوئی۔

''چوہدری افتخار واڑائچ کے فارم ہاؤس سے۔۔۔'' اس نے کافی کا سامنے رکھا مگ اٹھایا۔

''اسکا مطلب ہے آپ کو ریڈ میں ناکامی ہوئی۔۔۔'' شہزاد نے ایک لمحے میں ساری سچویشن بھانپ لی۔

''ارتضی حیدر اتنی آسانی سے اپنی ہار نہیں مانتا۔۔'' وہ زیر لب مسکرایا۔''بس تھوڑی اندازے کی غلطی ہوگئی، ورنہ رومیصہ اس وقت گھر ہوتیں۔''

شہزاد اس کی بات سن کر پھیکے سے انداز میں مسکرائی، اتنا تو وہ بھی جانتی تھی کہ آجکل سہگل فیملی کے ستارے گردش میں ہیں، ہر چیز میں اور ہر کام میں ایک بڑی رکاوٹ منہ کھولے ان کی منتظر ہوتی تھی۔

''چوہدری افتخار وہی ہیں ناں جو صوبائی منسٹر ہیں۔۔'' شہزاد نے ہلکا سا چونک کر پوچھا۔

''بالکل، اور ان کا بھتیجا ارسلان، جسٹس محمود کے بیٹے کا بیسٹ فرینڈ بھی تھا۔۔'' ارتضی نے ایک اور انکشاف کیا۔

''اوہ مائی گاڈ، آپ نے اریسٹ کیا اسے۔۔'' وہ فوراً بے تابی سے اٹھ بیٹھی۔

''ہاں، دو گھنٹے حوالات میں رہا، لیکن اوپر سے آرڈر آئے اور ضمانت کروالی گئی اس کی، لیکن بے فکر رہیں، پاتال سے بھی نکال لاؤں گا میں رومیصہ کو۔''

''اتنی اہم خبر مجھے اب بتا رہے ہیں آپ۔۔؟'' شہزاد ہلکا سا بُرا مان کر بولی۔

''یہ بات کرنے سے پہلے آئینہ دیکھ لیں اور یہ اتنی بڑی بینڈ یج بھی، پھر مجھ سے پوچھیے گا۔۔'' وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں اسکی خرابی طبعیت کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ان دونوں کے درمیان اچھی خاصی بے تکلفی ہو چکی تھی۔

''بھاڑ میں جائے میری طبعیت، آپکو اندازہ نہیں، میں کتنی اپ سیٹ ہوں رومیصہ کے لیے۔'' وہ جھنجلا کر بولی۔

''ٹرسٹ می، آپ سے زیادہ نہ سہی لیکن کم، اپ سیٹ میں بھی نہیں ہوں آپکی بہن کے لیے۔۔'' اسکی بے ساختگی، ایک دفعہ پھر شہزاد کو چونکا گئی، لیکن اس نے پھر دانستہ نظر انداز کر دیا۔

''ارسلان کو نہیں چھوڑنا چاہیے تھا آپ لوگوں کو، وہ رومیصہ کے بارے میں لازمی کچھ نہ کچھ جانتا ہوگا۔''

''بے فکر رہو، اس کا نام آ چکا ہے ہماری لسٹ میں۔۔'' ارتضی نے اسے تسلی دی۔

''مزید کیا پتا چلا۔۔؟''

''فارم ہاؤس اس کے چچا کا ہے اور آخری اطلاع آنے تک رومیصہ اسی فارم ہاؤس میں تھی، یہ بریسلیٹ اور کچھ چیزیں بھی وہیں سے ملی ہیں لیکن پریشان کن بات یہ ہے کہ ارسلان پچھلے تین دن سے دوبئی میں تھا اور آج صبح کی فلائیٹ سے واپس پہنچا ہے، یعنی کہ جس وقت فارم ہاؤس میں چھاپہ مارا گیا وہ ملک سے باہر تھا۔'' ارتضی نے اس دفعہ تفصیل سے جواب دیا۔

''تو رومیصہ کو وہاں سے غائب کس نے کیا۔۔؟'' شہزاد کو پریشانی ہوئی۔

''اسی پوائنٹ پر تو ہم لوگ مزید تفتیش کر رہے ہیں، شاید اس کے کچھ اور فرینڈز ہوں۔۔''

''شاید نہیں یقیناً، انہوں نے ہی ریڈ کے دوران غائب کیا ہے اسے وہاں سے۔'' شہرزاد نے سنجیدگی سے کہا۔

''لیکن ایک چیز حیران کن ہے، جس گاڑی میں اسے وہاں سے نکالا گیا، وہ پولیس کے قبضے میں ہے اور فارم ہاؤس کے پچھلے حصّے میں قدموں کے نشانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے نکالنے والا بندہ ایک ہے۔'' ارتضی نے مزید اسکی معلومات میں اضافہ کیا۔

''ایک بندہ۔۔۔؟؟؟'' شہرزاد تعجب میں مبتلا ہوئی۔

''ہاں اور کنفیوژن اس بات کی ہے کہ رومیصہ اتنے آرام سے اسکے ساتھ کیوں چلی گئی، وہ شور مچا کر پولیس کی مدد بھی تو لے سکتی تھی۔''

''ہوں۔۔۔!!!'' شہرزاد کو دھچکا لگا۔ ''ہوسکتا ہے اس شخص نے اسے جان سے مارنے کی دھمکی دی ہو یا کسی بھی حوالے سے بلیک میل کیا ہو۔''

''مے بی، لیکن مجھے یقین ہے کہ اب یہ صرف دو تین دن کی گیم ہے۔۔'' ارتضی خاصا پُراعتماد تھا، اسی وقت دروازہ ہلکا سا ناک کر کے ملازمہ اندر داخل ہوئی۔

''شیری بی بی، بریگیڈیئر وقار درانی آپ سے ملنے آئے ہیں۔۔۔'' اس اطلاع پر ارتضی نے ساختہ چونک کر اسکی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ناگواری کا بڑا بھرپور سا تاثر ابھرا تھا۔۔

''مام کہاں ہیں۔۔۔؟''

''ان کے ساتھ ڈرائینگ روم میں بیٹھی ہیں۔۔۔'' ملازمہ نے مزید بتایا۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ، میں آ رہی ہوں۔۔۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''آئی تھنک، آپ کو یہیں بلوا لینا چاہیے انہیں۔۔۔'' وہ فکرمند انداز میں گویا ہوا۔ اس وقت وہ دونوں شہرزاد کے گیسٹ روم میں تھے۔ وہ ہوسپٹل سے آنے کے بعد اسی کمرے میں تھی، کیونکہ مہمانوں کی آمدورفت بہت زیادہ تھی اور بار بار سیڑھیاں اترنے چڑھنے سے ابھی تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔

''گولی میرے شولڈر کو چھو کر گذری ہے، لیکن ٹانگیں الحمداللہ سلامت ہیں۔۔۔'' شہرزاد کے ہلکے پھلکے انداز پر وہ مسکرایا۔

''او کے بیسٹ آف لک۔۔۔''

''آپ نہیں ملیں گے ان سے۔۔۔؟'' شہرزاد نے ہلکا سا چونک کر اسکی طرف دیکھا، جو جانے کے لیے پر تول رہا تھا۔

''آئی تھنک یہ مناسب نہیں لگتا اور میری موجودگی میں وہ خوامخواہ کونشس ہو جائیں گے۔۔۔'' اس نے بڑے مناسب الفاظ میں انکار کیا تو شہرزاد نے بھی اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

''او کے ٹیک کیئر آف یور سیلف۔۔۔'' اس نے بڑی گہری نظروں سے شہرزاد کا جائزہ لیا، جو اس وقت بڑے پُراعتماد انداز سے

چپل پہن رہی تھی۔اس لڑکی کا اعتماد اور بے نیازی انہیں ہمیشہ کچھ فاصلے پر رہنے پر مجبور کر دیتی تھی، لیکن اس میں کچھ تھا جو وہ اپنی بے انتہاء مصروفیات میں سے بھی ٹائم نکال کر اس کے پاس آنے سے خود کو روک نہیں پاتے تھے اور یہ چیز ان کے ارد گرد رہنے والے لوگوں نے بھی محسوس کرنا شروع کر دی تھی۔

☆......☆......☆

برہان اور درشہوار دونوں شفاء انٹرنیشنل ہوسپٹل میں تھے۔

برہان نے ایک دن پہلے بہت اچھے فزیشن کی اپائنمنٹ لے لی تھی۔درشہوار کے جاتے ہی کچھ ٹیسٹ ہوئے، جن کی رپورٹس کچھ دیر تک ملنی تھیں، برہان اسے لے کر کیفے ٹیریا آ گئے۔

"رزلٹ تو تم لوگوں کا آچکا ہے، اب مزید کیا سوچا ہے۔۔؟" وہ رشین سیلڈ لے کر اسکی میز پر پہنچے اور بڑے غور سے اسکا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھا۔

"طوبیٰ اور نمیرہ سے پوچھوں گی۔۔" اس نے ہلکا سا سنبھل کر جواب دیا۔وہ جانتی تھی کہ برہان اسٹڈیز کے معاملے میں کسی بھی قسم کی رعایت بخشنے کے قائل نہیں تھے۔

"میرے خیال میں تم تینوں کو بی ایس میں ایڈمیشن لے لینا چاہیے یونیورسٹی میں۔۔" برہان نے یونہی بات بڑھانے کی غرض سے کہا۔

"جی ٹھیک ہے۔۔" درشہوار خلاف توقع فوراً ہی متفق ہو گئی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے درشہوار۔؟ کوئی اور مسئلہ تو نہیں۔۔" برہان اس کے فوراً مان جانے پر پریشان ہوئے، وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اسے ہر معاملے میں اپنی پسند ناپسند کا بڑا خیال رہتا تھا اور اس چیز پر کمپرومائز کرنا اس کے لیے دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔

"نن نہیں بھائی، ایسی تو کوئی بات نہیں۔۔" وہ ان کی کھوجتی نظروں پر گڑبڑا سی گئی۔

"مجھے کیوں لگتا ہے کہ کوئی پرابلم ہے تمہارے ساتھ۔۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔۔" وہ آج بُری پھنسی تھی لیکن قسمت اچھی تھی جو برہان کی توجہ دوسری جانب مبذول ہو گئی۔۔

"ہائے برہان، آپ یہاں کیسے۔۔۔؟"

مناہل قریشی ایک دم ان کی میز کی طرف آئی، درشہوار کے سامنے مناہل سے اچانک ملاقات نے برہان کو ایک لمحے کے لیے خفت میں مبتلا کیا لیکن جلد ہی انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔دوسری طرف اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ کر درشہوار کو زوردار جھٹکا لگا، یہ چہرہ وہ بھلا کیسے بھول سکتی تھی۔پچھلے چند دنوں میں جتنی نفرت اسے اس لڑکی سے ہوئی تھی، اس کی پیمائش کے لیے تو کوئی نیا ہی آلہ ایجاد کرنا پڑتا۔

''میں درشہوار کے ساتھ آیا تھا یہاں، میری چھوٹی بہن ہیں یہ۔۔۔'' برہان کی وضاحت پر مناہل نے کھل کر سانس لیا۔ جب کہ درشہوار کے چہرے کے زاویے اسے دیکھ کر بُری طرح سے بگڑ گئے۔ وہ مناہل کو نظر انداز کیے اپنے سامنے رکھا رشین سیلڈ کھانے لگی۔

''درشہوار، یہ مناہل قریشی ہیں، میری اسٹوڈنٹ اور اب کولیگ بھی۔۔۔'' برہان کو اس کا انداز بُرا لگا۔

''جانتی ہوں میں۔۔۔'' درشہوار نے سر اٹھائے بغیر بے رخی سے جواب دیا، مناہل کو دھچکا سا لگا اور ایک دم سے برہان بھی شرمندگی کا شکار ہوئے۔ جب کہ مناہل کو درشہوار کے بیزاری کے پیچھے چھپا اپنے مستقبل کا حال صاف دیکھائی دے رہا تھا۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

''مناہل آؤ ناں، بیٹھو ہمارے ساتھ۔۔۔'' برہان زبردستی مسکرا کر بولے اور ساتھ ہی کنکھیوں سے درشہوار کا سپاٹ چہرہ دیکھا۔ وہ ملک شیک کے گلاس میں لاتعلقی کے ساتھ اسٹرا گھما رہی تھی۔ جیسے جان بوجھ کر مناہل کو نظرانداز کر رہی ہو۔ اس کا یہ رویّہ برہان کے لیے ناقابل فہم تھا تو مناہل کے لیے بڑا ہی دل دکھانے والا۔۔۔

اس کے باوجود مناہل ڈھیٹ بن کر عین اس کے سامنے بیٹھ گئی جبکہ درشہوار کے حلق میں کڑواہٹ گھلنے لگی، زندگی اسے عجیب ہی مقام پر لے آئی تھی اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اس لڑکی کے روبرو ہوگی جس کی وجہ سے ہادی نے اسے بُری طرح سے دھتکارا تھا۔

''کیسی ہو درشہوار، برہان بہت ذکر کرتے ہیں تمہارا۔۔۔'' مناہل نے ہلکا سا جھجک کر اسے مخاطب کیا جس کے چہرے پر لاتعلقی اور بیزاری کا تاثر بڑا واضح تھا۔ جیسے وہ اس سے بات کرنا تو دُور کی بات دیکھنا بھی مناسب نہ سمجھتی ہو۔۔۔

''فائن۔۔۔'' درشہوار نے پاس رکھا اپنا سیل فون اٹھایا اور بیزاری سے فیس بک کھول کر بیٹھ گئی۔

''تم درشہوار کو چھوڑو، اس کی طبیعت ٹھیک نہیں، یہ بتاؤ کیا لوگی۔۔۔؟'' برہان نے آداب میزبانی نبھانے کی کوشش کی۔

''وہی جو ہمیشہ لیتی ہوں۔۔۔'' وہ بڑی ادا سے مسکراتی ہوئی درشہوار کو مزید سلگا گئی۔

''سینڈوچ اور کافی۔۔۔'' وہ مسکرا کر کھڑا ہوا، اور کیفے ٹیریا کے سرونگ ایریا کی طرف بڑھ گیا۔

''تم نے برہان کو کہا، تم جانتی ہو مجھے، پوچھ سکتی ہوں، کیسے۔۔؟'' مناہل نے ایک لمحہ اسکی سکڑی ہوئی گھنی بھنوؤں کو دیکھا اور ہموار لہجے میں گویا ہوئی۔

''شاید بھائی ہی سے ذکر سنا تھا۔۔'' اس نے اپنی طرف سے ٹالنے کی بھرپور کوشش کی۔

''لیکن مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تم کسی اور حوالے سے بھی جانتی ہو مجھے۔۔۔'' درشہوار نے چونک کر مناہل کا چہرہ دیکھا اور فوراً نظریں چرا گئی۔ بلاشبہ وہ واقعی ایک خوبصورت لڑکی تھی اور اگر ہادی اس پر مرتا تھا تو پھر تو واقعی اس میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔'' درشہوار صاف مکر گئی۔

''تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔۔'' وہ مسکرائی۔

''آگے کیا ارادے ہیں تمہارے، میرا مطلب ہے برہان بتا رہے تھے رزلٹ آچکا ہے تمہارا۔''

''بھائی کیا ساری ہی باتیں آپ کو بتاتے ہیں۔۔۔''؟ اس کے زہرآلود انداز پر مناہل کا چہرہ ایک لمحے کو تاریک ہوا۔ اس نے گہری نظروں سے اسکا جائزہ لیا، اس کے ہر انداز سے ناگواری اور کوفت کا احساس چھلک رہا تھا۔

''آئی ایم سوری، شاید تمہیں اچھا نہیں لگا۔۔۔'' وہ بُری طرح سے خفت کا شکار ہوئی۔

''''ناٹ ایٹ آل۔ مجھے کیوں بُرا لگے گا، ایکچوئلی، برہان بھائی کو زیادہ بولنے کی عادت نہیں، اس لیے سن کر تھوڑا عجیب لگ رہا ہے۔'' درشہوار کو اپنے رویئے کی بدصورتی کا احساس ہو گیا تھا اس لیے دل پر جبر کر کے اس نے اپنے رویئے کو ہلکا پھلکا کرنے کی شعوری کوشش کی۔۔

''یہ سارے بھائی، اپنی بہنوں کے سامنے یونہی ایکٹینگ کرتے ہیں۔۔'' مناہل زبردستی مسکرا کر گویا ہوئی۔'' لیکن میں تو سر کھا لیتی ہوں ہادی کا، زبردستی سارے دن کی روداد سناتی ہوں اسے۔۔'' وہ روانی میں بولتی ہوئی اسکا دل دھڑکا گئی۔

''کون ہادی۔۔؟'' درشہوار کو لگا جیسے اس کا دل پسلیاں توڑ کر سینے سے باہر نکل آئے گا۔

''میرا بھائی، آجکل اسکی پوسٹنگ مری میں ہی ہے۔۔''

کس ڈیپارٹمنٹ میں۔۔'' درشہوار کی دل کی دنیا میں ایک طلاطم برپا ہوا۔

''فاریسٹ ڈیپارٹمنٹ میں۔۔۔'' مناہل کی اگلی بات نے گویا درشہوار کے سلگتے ہوئے اعصاب پر پھوار برسا دی۔ دل و دماغ پر چھائی ہوئی ساری کثافتیں ایک لمحے میں ڈھل گئیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کے مزاج نے مری کے موسم کی طرح اچانک پلٹا کھایا اور چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھا۔

''آپ کیا کر رہی ہیں آجکل۔۔۔؟'' درشہوار کو ایک دم ہی اس میں دلچسپی پیدا ہوئی۔

''ابھی ایم ایس کا تھیسس جمع کروایا تھا اور آجکل پی ایچ ڈی کا کورس ورک چل رہا ہے۔'' مناہل نے تعجب سے سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا، جو چند لمحے پہلے اس کی طرف دیکھنے سے بھی گریزاں تھی لیکن اب مسکراہٹ اسکے ہونٹوں پر ایلفی کی طرح چپک گئی تھی۔

''آپ آئیں ناں کبھی برہان بھائی کے ساتھ ہمارے گھر، مری میں۔۔'' اسکی اگلی آفر پر وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

''ضرور، کیوں نہیں۔۔۔'' مناہل نے بوکھلا کر اسکی طرف دیکھا، وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہی تھی۔۔

''تم بھی آنا، اسلام آباد میں میرے ماموں ممانی کا گھر ہے، میں زیادہ تر وہیں ہوتی ہوں۔۔'' اس نے بھی مسکرا کر اسے دعوت دی۔

''اور آپ کے پیرنٹس کہاں ہوتے ہیں۔۔؟'' درشہوار کا بس نہیں چل رہا تھا اس کے حلق میں انگلی ڈال کر ساری معلومات ایک ساتھ نکلوا لے۔

''وہ سعودیہ میں ہوتے ہیں۔۔'' مناہل نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اچھا لگا آپ سے مل کر۔'' درشہوار کا انداز سراسر خوشامدی تھا، وہ تو وقت پڑنے پر گدھے کو بھی باپ بنا لیتی تھی، یہ تو پھر ہادی کی بہن تھی۔

اس وقت برہان سیلف سروس کے تحت ایک ٹرے میں سینڈوچ اور کافی لیے وہاں چلے آئے انہوں نے بہت دُور سے درشہوار کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر سکون کا سانس لیا ورنہ وہ دل ہی دل میں ڈر رہے تھے کہ مناہل کے سامنے اسکی بے رخی کو کیسے جسٹی فائی کریں گے۔

''بھئی مناہل، تم کون سے لطیفے سنا رہی ہو میری بہن کو۔۔۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے ٹرے میز پر رکھی۔

''آپ کی بہن تو ماشاءاللہ بہت کیوٹ ہے۔۔۔'' مناہل کی تعریف پر درشہوار یوں شرمائی جیسے یہ کمنٹ ڈاریکٹ ہادی کی طرف سے آیا ہو۔

''آخر، بہن کس کی ہے۔۔۔'' برہان کے اترانے پر درشہوار نے چونک کر اپنے بھائی کی طرف دیکھا۔

برہان کا رویّہ اس کے لیے بالکل نیا تھا، وہ مناہل کو جس والہانہ انداز سے دیکھ رہے تھے، اُسے اپنے اندر ایک ساتھ کئی خطرے کی گھنٹیاں بجتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کی ذہن کی اسکرین پر انابیہ کا افسردہ چہرہ ابھرا۔

''بھائی، آپ نے انابیہ کو ملوایا ان سے۔۔۔'' درشہوار نے انجان بن کر پوچھا، ان کے چہرے کی رنگت لمحے بھر کو متغیر ہوئی، جسے درشہوار نے سیکنڈوں میں بھانپا تھا، برہان کو اس وقت انابیہ کا ذکر کوفت میں مبتلا کر گیا تھا۔

''ہاں، ایک بار۔۔۔'' انہوں نے مختصرا جواب دیا۔

''وہ جو آپ کے چچا کی بیٹی تھی، میرا خیال ہے فرسٹ سمسٹر ہے اسکا۔'' مناہل بڑے مزے سے سینڈوچ کھاتے ہوئے بولی۔

''ہاں، ہاں وہی۔۔۔'' برہان نے بات کو ختم کرنے کی شعوری کوشش کی۔ ''یہ کافی لو ناں۔۔۔''

''بالکل لے رہی ہوں، درشہوار اگر تم یہاں ہو تو کل میریٹ میں ایک کنسرٹ ہے، وہاں ایک ساتھ چلتے ہیں، بہت مزا آئے گا۔'' مناہل کی آفر پر درشہوار کا دل بے اختیار دھڑکا اور اس نے فوراً امید بھری نگاہوں سے برہان کو دیکھا۔

''بھئی برہان کی طرف کیوں دیکھ رہی ہو، میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔۔۔'' مناہل نے فوراً ہی اسکی چوری پکڑی۔

''وہ ایکچوئلی بھائی کی پرمیشن کے بغیر کیسے جاسکتی ہوں۔۔۔'' اس نے مسکرا کر اپنی مجبوری بتائی اور ساتھ ہی گیند برہان کے کورٹ میں ڈال دی۔

''ڈونٹ ووری، میرے ساتھ جانے سے یہ منع نہیں کریں گے، کیوں برہان۔۔'' مناہل کے معنی خیز انداز پر وہ کھل کر مسکرائے۔

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں، اگر درشہوار جانا چاہتی ہے۔'' جواب حسب توقع ہی آیا تھا۔

''اب بتاؤ۔۔۔'' مناہل نے مسکراتے ہوئے درشہوار کا کھلتے گلاب جیسا چہرہ دیکھا، چند ہی منٹوں میں اسکے چہرے کی زردی بالکل غائب ہو چکی تھی، شاید اسی لیے کہا جاتا ہے باہر کے سارے موسم، انسان کے اندر کے موسم کے تابع ہوتے ہیں۔

اس نے جھٹ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ بھلا مناہل کو کس طرح منع کر سکتی تھی جو ہادی کی بہن تھی، اور ہادی وہ بندہ تھا جس کو

پانے کے لیے وہ دنیا کا ہر حربہ آزمانے کو تیار تھی۔

☆......☆......☆

شہرزاد نے اپنے گھر کے ڈرائینگ روم میں قدم رکھا۔

سامنے وقار درانی بڑی بے چینی سے اس کے منتظر تھے۔۔۔وقت بھی کتنا ظالم ہے بڑے بڑے فاتح لوگوں کو انہی لوگوں کے قدموں میں گراتا ہے جن پر وہ کبھی ایک نظر ڈالنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔

یہ وہی بریگیڈ ئیر وقار درانی تھے، جنہوں نے اپنی بیٹی کو اس قصّے میں سے اس قدر صفائی اور مہارت سے نکالا تھا کہ ایک دفعہ تو شہرزاد کا باقاعدہ دھاڑیں مار مار کر رونے کو دل چاہا۔۔۔

یہ وہی کنزہ کے فادر تھے جنہوں نے راتوں رات اپنی بیٹی کا نام ایف آئی آر سے نکلوا کر سارے سسٹم کی آنکھوں میں دھول جھونک دی تھی، جو کچھ عرصہ پہلے تک شہرزاد اور ٹینا بیگم کو بھی کسی گنتی میں بھی رکھنے کے روادار نہیں تھے اور اس وقت وہ پورے آدھے گھنٹے سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

شہرزاد سلام کر کے عین ان کے سامنے والے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔ پورے ماحول پر ایک محسوس کی جانے والی تلخی کا راج تھا۔ چائے کی ٹرالی میں ساری چیزیں جوں کی توں رکھی ہوئیں تھیں، کسی نے ان کو چکھا تک نہیں تھا۔

سامنے والے صوفے پر بریگیڈ ئیر وقار درانی ٹانگ پر ٹانگ رکھے بے چین انداز میں اپنا دایاں پاؤں مسلسل ہلا رہے تھے، جوان کے ذہنی اضطراب کی غمازی کر رہا تھا، دوسری طرف ٹینا بیگم ان کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے مسلسل ان کے اعصاب کا کڑا امتحان لے رہی تھیں۔

''جی وقار صاحب، کیسے آنا ہوا۔۔؟'' شہرزاد نے انجان بننے کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔

''آپ تو ایسے انجان بن رہیں ہیں جیسے جانتی ہی نہیں۔۔۔'' وقار درانی بھی کسی سے کم نہیں تھے۔

''خیر جانتی تو میں سبھی کچھ ہوں، یہ اور بات ہے کہ اگلے بندے پر ظاہر نہ کروں۔۔'' اسکے طنزیہ انداز پر وقار درانی کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں رینگنے لگیں۔

''ارے نہیں، آپ غلط سمجھ رہیں ہیں، ایسا کچھ نہیں ہے۔۔'' انہوں نے گھاگ طریقے سے اسے گھیرنے کی کوشش کی۔

''آپ کیا سمجھتے ہیں اپنی بیٹی کا نام ایف آئی آر سے نکلوانے کے بعد بچا لیں گے اسے۔۔'' ٹینا بیگم کے ضبط کا پیمانہ چھلکا۔۔

''جسٹس محمود نے اس کا نام لیا ہی نہیں تھا۔۔'' انہوں نے پہلو بدل کر اپنی صفائی دینے کی کوشش کی۔

''وقار صاحب وہ بات کریں، جس پر یقین آ جائے۔۔۔'' شہرزاد نے بیچ میں لقمہ دیا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں بیرسٹر شیری۔۔۔" وہ اپنی بات پر ڈٹے ہوئے تھے۔

"لیکن آپ اور آپکی بیٹی تو اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ گاڑی اس وقت رومیصہ نہیں کنزہ چلا رہی تھی۔۔۔۔۔" ٹینا بیگم نے ناراض لہجے میں انہیں یاد دلانے کی کوشش کی۔

"دیکھیں مسز ہارون، آپ پرانی باتوں کو بھول جائیں تو بہتر ہوگا۔۔۔" انہوں نے نپے تلے انداز میں کہا۔

"دیکھیں وقار صاحب، نہ تو یہ معاملہ اتنا سیدھا ہے جتنا آپ سمجھ رہے ہیں اور نہ ہم لوگ اتنے سادہ ہیں جتنا آپ کا خیال ہے۔" شہزاد کے طنزیہ انداز پر خدشات کسی سنپولیے کی طرح ان کے اندر سرسرانے لگے۔

"آپ کہنا، کیا چاہتی ہیں۔۔۔؟" انہوں نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

"سیدھی اور صاف بات ہے کہ اگر جسٹس محمود کے بیٹے کے قتل کے جرم میں میری بہن کو سزا ہوگی تو میں ہر اس بندے کو کورٹ میں گھسیٹوں گی جس کا اس کیس سے معمولی سا بھی تعلق ہوگا۔۔۔" شہزاد کے دوٹوک انداز پر یکبارگی ان کا دل بیٹھ گیا۔

"اور مجھے تو شک نہیں بلکہ یقین ہے کہ رومیصہ کو کڈنیپ کروانے میں بھی آپکی بیٹی کا ہاتھ ہے۔" ٹینا بیگم کا اگلا وار خاصا کڑا تھا۔

"یہ آپ الزام لگا رہیں میری بیٹی پر۔ وہ تڑپ کر بولے۔

"یہ الزام نہیں، حقیقت ہے، رومیصہ کے نمبر پر آنے والی آخری کال اسی کی تھی، میرے پاس سارا ریکارڈ موجود ہے۔" شہزاد کا دوٹوک انداز وقار درانی کے دماغ میں خطرے کی کئی گھنٹیاں بجا چکا تھا معاملہ واقعی اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا وہ سمجھ بیٹھے تھے۔

"ضروری تھوڑا ہے، کنزہ نے اسی وجہ سے ہی کال کی ہو۔۔۔" انہوں نے اپنی بیٹی کا دفاع کرنے کی کمزور سی کوشش کی۔

"اس کے ٹیکسٹ میسجز بھی موجود ہیں۔۔۔" شہزاد نے ان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی۔

"دیکھیں بیرسٹر شیری، میں آپ سے بار بار کہہ رہا ہوں، آپ پرانی چیزیں بھول جائیں، رومیصہ میرے لیے بھی بیٹیوں کی طرح ہے اور میں آج اسی معاملے کو سلجھانے کے لیے ہی یہاں موجود ہیں۔ وقار درانی نے دنیا جہاں کی نرمی اپنے لہجے میں سمو کر کہا۔

ان کے اس انداز پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ شہزاد کے چہرے پر دوڑی جو وقار درانی کو مزید خفت میں مبتلا کر گئی، وہ بھی گھاگ انسان تھے اور جانتے تھے کہ اس وقت شہزاد ان کی اندرونی کیفیت سے محظوظ ہو رہی ہے۔

"معاملہ اسی صورت میں سلجھ سکتا ہے وقار صاحب، اگر آپ کنزہ کو پاکستان بلوائیں اور وہ اصل حقیقت کا اعتراف کرے۔۔" شہزاد کے بولنے سے پہلے ہی ٹینا بیگم تڑاخ کر کے بولیں۔

"کنزہ پاکستان نہیں آسکتی۔۔۔" ان کی پیشانی پر ناگواری در آئی۔

"تو ٹھیک ہے پھر اس کا نام بھی کیس سے نہیں نکل سکتا۔۔۔" ٹینا بیگم جھلا کر بولیں۔

''مسز ہارون، جذباتیت سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔۔۔''ان کے لہجے میں ناگواری در آئی۔

''خودغرضی کا عظیم مظاہرہ کرنے سے بھی مسئلے حل نہیں ہوتے، اگر آپ کی بیٹی پاکستان نہیں آسکتی، اصل بات نہیں بتاسکتی تو آپ ہم سے کیا امید لے کر آئے ہیں۔۔۔''ٹینا بیگم بگڑ اٹھیں اور چونکہ وہ بالکل ٹھیک بات کر رہی تھیں اس لیے شہزاد نے بھی ان کو ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا۔

''میں چاہتا ہوں، آپ کی مکمل مدد کروں لیکن میری بیٹی کا نام بیچ میں نہ آئے۔۔۔''انہوں نے پٹاری سے اصل بات نکالی۔

''بہت خوب۔۔۔'' شہزاد ان کی بات پر یوں مسکرائی جیسے سمجھ گئی ہو کہ وہ انہیں بے وقوف بنانے آئے ہیں۔

وقار درانی کی پیشانی عرق آلود ہوئی، وہ ان دونوں خواتین کو سمجھنے سے قاصر تھے، ماں اگر بے حد جذباتی انداز میں بات کر رہی تھی تو بیٹی کا ٹھہرا ہوا سپاٹ لہجہ بھی انہیں پریشانی میں مبتلا کر رہا تھا۔

''بہت شکریہ وقار صاحب آپ کا۔۔۔''شہزاد ایک دم کھڑی ہوئی، وہ حیران رہ گئے۔

''کہاں جا رہی ہیں آپ، میں یہ مسئلہ حل کرنے کے لیے آیا ہوں۔۔۔''انہوں نے جھنجھلا کر کہا۔

''یہ مسئلہ آپ کی پسند ناپسند اور شرائط پر حل نہیں ہوسکتا، زندگی کے معاملات کچھ دو اور لو کے اصول پر ہی چلتے ہیں۔''

''اگر جسٹس محمود یہ کیس واپس لے لیں تو۔۔۔؟'' انہوں نے اس پر دانہ ڈالنے کی کوشش کی۔

''تو ظاہری سی بات ہے اس میں صرف ہمارا ہی نہیں آپ کا بھی فائدہ ہے۔۔۔''شہزاد نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔

''اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں فیملیز مختلف طریقوں سے جسٹس محمود کو پریشرائز کرنے کی کوشش کریں۔''انہوں نے مذید کہا۔

''آپ کو جسٹس محمود اتنے جذباتی اور امیچور لگتے ہیں جو لوگوں کی باتوں میں آ کر ایک جیتی ہوئی بازی ہاتھ سے نکال دیں۔۔''شہزاد نے ان کی تجویز کو ایک لمحے میں رد کیا۔

''جب بات پوری فیملی کی ریپوٹیشن کی آجائے تو انسان کو کمپرومائز کرنا پڑتا ہے۔۔''وقار درانی کی بات پر وہ ایک لمحے کو چونکی۔

''اس پوائنٹ پر بندہ تبھی کھیل سکتا ہے جب وہ اندر کی بہت سی چیزیں جانتا ہو۔۔''

''میں جانتا ہوں، مجھ سے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں ہے اس خاندان کی۔۔۔''وہ معنی خیز انداز میں مسکرائے۔

''تو ٹھیک ہے، آپ اس سلسلے میں تعاون کریں اور میں دیکھوں گی کہ کہاں کہاں پر آپ کی مدد کی جاسکتی ہے، چائے پئیں مجھے کچھ ضروری کالز کرنی ہیں۔۔''شہزاد اپنی بات مکمل کر کے رکی نہیں اور ڈرائینگ روم سے نکل گئی۔ وہ جان گئی تھی کہ اس شخص کو کس طرح ڈیل کرنا ہے۔

☆......☆......☆

پورچ سے اوپر جاتی سیڑھیوں کے نیچے بنی جگہ پر دبکے ہوئے انہیں کئی گھنٹے ہو چکے تھے۔ایک ہی جگہ پر بیٹھے بیٹھے ان کے جسم کی ساری ہڈیاں شل ہو گئیں تھیں۔خدا خدا کر کے یہ رات گذری تھی ،لیکن اس نے ان دونوں کو بُری طرح سے تھکا دیا تھا۔

اس لڑکے نے جمائی لیتے ہوئے رسٹ واچ پر ٹائم دیکھا،صبح کے چھ بج رہے تھے۔۔۔آسمان کی ملگجی سیاہی ،اجلی نیلاہٹ میں بدل چکی تھی ،اس نے رومیصہ کی طرف دیکھا جو دیوار سے ٹیک لگائے اپنے گھٹنوں میں سر دیئے بے خبر سو رہی تھی۔

اسے بے ساختہ اس پر رشک آیا،وہ ساری رات ایک لمحے کو بھی اپنی آنکھیں بند نہیں کر پایا۔

وہ باہر ٹین ڈبے بیچنے والی کی آواز سے جاگی اور نیند بھری آنکھوں سے دیکھا،وہ سامنے پورچ میں کھلنے والے دروازے کے قفل کے ساتھ طبع آزمائی کرنے میں مگن تھا۔اس کے ہاتھ میں لوہے کی ایک تار تھی۔

''یہ کیا کر رہے ہو۔۔۔''رومیصہ کی آواز پر وہ پلٹا اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''اٹس ناٹ فیئر۔۔۔''وہ آہستگی سے بڑبڑائی۔

''بے وقوف لڑکی ،پولیس باہر موجود ہے اور ہم کب تک اس پورچ میں چھپے رہیں گے۔''اسکی آواز میں بے زاری کا عنصر نمایاں تھا۔اسی وقت ٹک کی آواز سے قفل کھل گیا،اس کے چہرے پر بڑی فطری سی خوشی جھلکی۔

وہ اپنے ٹراؤزر کی جیبیں ٹٹولتا ہوا رومیصہ کے پاس آیا اور سرگوشی کے انداز میں بولا۔''اٹھو اندر چلتے ہیں ،جیسے ہی پولیس یہ علاقہ خالی کرے گی میں تمہیں ،تمہارے گھر چھوڑ آؤں گا۔۔۔''

''میں نہیں جاؤں گی اندر۔۔۔''اس نے صاف انکار کیا۔

''احمق لڑکی ،تم خود بھی مرو گی اور مجھے بھی مرواؤ گی۔۔۔''اس کی آواز ایک دبی دبی غراہٹ سے مشابہہ تھی۔

''میں نے تھوڑی کہا تھا اغوا کر کے لاؤ مجھے۔۔۔''وہ بھی اپنی پرانی جون میں واپس آ رہی تھی۔

''واہ ،فارم ہاؤس سے نکلتے ہی چیونٹی کو بھی پر لگ گئے۔۔۔۔''وہ بے ساختہ مسکرایا۔

''خود اپنی طرف بھی دیکھ لو ،کیسے اونٹ پہاڑ کے نیچے آیا کھڑا ہے۔۔۔''اس نے بھی دوبدو جواب دیا جسے سن کر وہ مسکرا دیا۔

''اچھا اچھا دیکھ لوں گا ،فی الحال اٹھو ،ورنہ ہم کسی بڑی مشکل میں بھی پھنس سکتے ہیں اور میں تو ویسے ہی یتیم مسکین بچہ ہوں۔''اس نے نرمی سے کہتے ہوئے آگے بڑھ کر رومیصہ کا بازو پکڑا تو رومی کو ایک دم جھٹکا لگا ،اس کا ہاتھ گویا ایک جلتا ہوا انگارہ تھا۔وہ تیز بخار میں پھنک رہا تھا۔

''تمہیں تو ٹمپریچر ہے۔۔۔'' وہ پریشان انداز میں خود ہی کھڑی ہو گئی۔

''ہاں تو۔۔۔''اس کی صحت پر کوئی اثر ہی نہیں پڑا۔

رومیصہ نے غور سے اسکی طرف دیکھا، اسکی سوجن زدہ آنکھیں رتجگے کی غماز تھیں، بال الجھے ہوئے، اور ہونٹ خاصے خشک تھے۔ تھکن کسی اژدھے کی مانند اسکے سارے وجود کو جکڑے ہوئے تھی۔

"میرا معائینہ اندر جا کر کر لینا، جانتا ہوں بہت ہینڈسم ہوں میں۔۔۔" اس نے اپنی نقاہت زدہ آواز میں اسے چڑایا۔

"خوش فہمی ہے تمہاری۔۔۔"

وہ تپ کر اس سے آگے چل پڑی، جیسے ہی دونوں لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے، سیلن زدہ باس نے ان کا استقبال کیا، جو شاید زیادہ دیر تک گھر بند رہنے کی وجہ سے در و دیوار پر رچ بس گئی تھی۔ رومیصہ نے لاشعوری طور پر ساری لائٹس آن کر دیں۔

"بے وقوف لڑکی، لائٹس کیوں جلا رہی ہو، پڑسیوں کو شک ہو جائے گا۔" اس نے آگے بڑھ کر لائٹس آف کیں اور لاؤنج کے پردے ہلکے سے سرکائے، سورج کی روشنی کا ایک طوفان اندر گھس آیا۔

لاؤنج میں رکھے فرنیچر کو بڑی بڑی چادروں سے ڈھکا ہوا تھا ایسے لگتا تھا جیسے اس گھر کے مکین ایک طویل عرصے کے لیے یہاں سے گئے ہوں، باہر کی نسبت اندر کے حالات خاصے بہتر تھے، ہلکی ہلکی سی گرد ہر چیز پر چپکی ہوئی تھی۔

اسی لاؤنج میں دو بیڈ رومز اور کچن کے دروازے کھلتے تھے جو خوش قسمتی سے لاک نہیں کیے گئے تھے، بیڈ رومز کی حالت بھی خاصی بہتر تھی۔ رومیصہ تو بڑے آرام سے بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی، ساری رات فرش پر بیٹھنے سے اسکی کمر تختہ بن چکی تھی اور اس وقت اسے بس دو ہی چیزوں کی طلب تھی ایک کھانے اور دوسری بھرپور نیند کی۔

"کیا ضرورت ہے کسی کی چیزوں کی تلاشی لینے کی۔۔۔" وہ ڈریسنگ اور سائیڈ میز کی درازوں کو کھنگال رہا تھا اور اسکی یہ حرکت رومیصہ کو ناگوار گزری۔

"احمق لڑکی، سیل فون کا چارجر ڈھونڈ رہا ہوں۔۔۔"

"یہ تم کیا بات بات پر مجھے احمق اور بے وقوف کہہ رہے ہو۔۔۔۔" وہ ایک دم چڑ گئی۔

"آہستہ بولو۔۔۔ آواز باہر تک جائے گی۔۔۔" وہ جھنجھلا اٹھا۔

"جاتی رہے، میں کون سا کسی سے ڈرتی ہوں۔۔۔" وہ منہ بنا کر بولی تو وہ تپ کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ "تم ایک انتہائی احسان فراموش لڑکی ہو، تمہیں ذرا بھی احساس نہیں میرا، کتنی مشکل سے نکال کر لایا ہوں تمہیں۔۔"

"کیوں احساس کروں، کیا رشتہ ہے تمہارا میرے ساتھ۔۔۔" اس نے بھی فوراً ہی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔

"شوہر ہوں تمہارا، نکاح ہو چکا ہے ہم دونوں کا۔۔۔" وہ طنزیہ لہجے میں اسے یاد دلانے لگا۔

"وہ نکاح جو زبردستی کیا تھا تم نے۔۔" رومیصہ نے بُرا سا منہ بنا کر اسکی طرف دیکھا۔

"تمہارے ہی اکسانے پر کیا تھا، ورنہ مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں تھا تم میں۔۔۔" اس نے نظریں چرا کر دوبارہ سے چارجر کی تلاش شروع کردی۔

"جھوٹ اچھا بول لیتے ہو۔۔" وہ اب بیڈ کی چادر جھاڑ رہی تھی۔

اس نے پلٹ کر رومیصہ کا چہرہ دیکھا، اس کے ملیح چہرے پر یہ مسکراہٹ اس نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"ہم لوگ کب تک رہیں گے یہاں، اگر کوئی آ گیا تو۔۔۔؟" رومیصہ کو اگلی پریشانی نے گھیر لیا۔

"بے فکر رہو، اس گھر کے مکین ایک ماہ کے لیے دوبئی گئے ہیں، یہ ای ٹکٹس کی فوٹو کاپیز ملی ہیں مجھے، جس پر ان کے آنے اور جانے کی ڈیٹس لکھی ہیں۔" اس نے کمپیوٹرائزڈ ٹکٹس کی فوٹو اسٹیٹ اس کے سامنے لہرائی، جو اسے سائیڈ میز سے ملی تھیں۔

"تو کیا ہم ایک مہینہ یہیں رہیں گے۔۔۔؟" اس کے طنزیہ انداز پر وہ مڑا۔ "تمہیں اگر اعتراض نہیں تو رہ لیتے ہیں۔"

رومیصہ نے اسکی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، اور وہ ساتھ والے کمرے میں چلا گیا، وہاں سے اسے چارجر کی بجائے پاور بینک مل گیا تھا جس کے ساتھ آئی فون کی ڈیٹا کیبل لگی ہوئی تھی۔ اس نے فوراً اپنا سیل فون اسکے ساتھ لگایا اور خود جا کر لاؤنج میں رکھے صوفے پر لیٹ گیا۔ بخار کی شدت بڑھتی جا رہی تھی، دوسری طرف رومیصہ بھی بیڈ کی چادر جھاڑ کر لیٹ گئی، رات بھر کی تھکن کی وجہ سے نیند نے منٹوں میں ہی اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

☆......☆......☆

شہرزاد نے دو دن بعد اپنے آفس میں قدم رکھا تو للّی کے سفید پھولوں کا گلدستہ اسکی میز پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اس پر لگے کارڈ کو پڑھے بغیر بتا سکتی تھی کہ یہ ہم زاد کا ہی کارنامہ تھا۔ اس نے ملازم کو اپنی فائلیں میز پر رکھنے کا اشارہ کیا۔

وہ جیسے ہی اپنی کرسی پر بیٹھی، اس کے سیل فون کی مترنم گھنٹی گونج اٹھی، اسکرین پر ہم زاد کا نمبر بلنک کر رہا تھا، اس نے ملازم کو جانے کا اشارہ کیا اور سیل فون پر آنے والی کال ریسیو کی۔

"ویلکم بیک، مجھے یقین تھا، تم اڑتالیس گھنٹوں سے زیادہ اپنے کام سے دُور نہیں رہ سکتیں۔۔۔" اسکا خوشگوار لہجہ شہرزاد کی سماعتوں سے ٹکرایا۔

"میں ہوش میں آنے کے بعد سے ہی اپنا کام کر رہی ہوں۔۔۔" اس نے فوراً تصیح کی۔

"لیکن لوگوں کو ڈیل کرنا تمہیں اب بھی نہیں آیا۔۔۔" اسکا انداز سراسر دل جلانے والا تھا۔

"مطلب۔۔۔؟"

"وقار درانی بے وقوف بنا رہا ہے تمہیں، اس کے پاس ایسے کوئی ثبوت نہیں ہیں جو جسٹس محمود کو سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر دیں۔"

''تم نے کیا میرے گھر میں کیمرے فٹ کرر کھے ہیں۔۔۔'' وہ اسکی بات پر ہلکا سا چڑی۔

''تمہارے معاملے میں سمجھو میرا دل ہی سی سی ٹی وی کیمرہ ہے۔۔۔''اس نے بات کو شرارت میں اڑایا۔

''لیکن میں اتنی بھی بے وقوف نہیں ہوں جو وقار درانی کے ہاتھوں استعمال ہو جاؤں۔۔۔''شہرزاد نے دانستہ بات کا رخ بدلا۔

''جس دن کنزہ وقار کا نام اس کیس سے نکل گیا، سمجھو تم نے خود رومیصہ کے گلے میں پھندہ ڈال دیا'' وہ اسے خدشات میں مبتلا کر گیا۔

''تم دنیا کے واحد انسان ہو جو مجھے اتنا ایزی لیتے ہو، میں نے بھی اتنے سال بیرسٹری پڑھی ہے، جھک نہیں ماری'' اسکا تلملانا ہم زاد کو خوشگواریت میں مبتلا کر گیا تبھی تو اس دفعہ اس نے کھل کر قہقہہ لگایا تھا۔

''ویسے تو بڑے جاسوس بنے پھرتے ہو، لیکن میری بہن کا تو پتا نہیں کروا سکے۔۔''شہرزاد نے اسے طعنہ دیا۔

''بے فکر رہو، ایک دو دن میں پہنچ جائے گی گھر۔۔۔''ہم زاد کی بات پر شہرزاد کا دل بُری طرح سے دھڑ کا لیکن اس نے دانستہ بے تابی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

''یہ بات تو میں بہت دنوں سے سن رہی ہوں۔۔۔''شہرزاد نے اس پر کھلم کھلا طنز کیا۔

''تم اس بات کو چھوڑو، بہتر ہوگا، ٹمبر مافیا کیس، میڈم قریشی کو خود ہینڈل کرنے دو۔۔''اس نے اس بار سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

''کیوں، تمہیں کیا لگتا ہے میں ہار جاؤں گی۔۔۔'' وہ منہ بنا کر گویا ہوئی۔۔۔

''مجھے معلوم ہے تم یہ کیس جیت جاؤ گی شہرزاد لیکن۔۔۔''وہ اس بات ٹھہر ٹھہر کر بڑی متانت سے بولا۔

''لیکن کیا۔۔۔۔؟؟؟'' وہ الجھ گئی۔

''یہ جیت تمہارے حلق کا وہ نوالہ بن جائے گی جسے نہ تم نگل پاؤ گی اور نہ اگل۔۔۔'' وہ ذو معنی لہجے میں گویا ہوا۔

''میرا ہاضمہ اتنا کمزور نہیں ہے، اس بات کا اندازہ بہت جلد ہو جائے گا تمہیں۔۔۔''شہرزاد کا طنزیہ انداز اسے اچھا لگا۔

''لیکن وہ لوگ تمہیں اتنی آسانی سے ہضم کرنے نہیں دیں گے۔۔۔'' وہ مسکرایا۔

''ڈرا رہے ہو یا سمجھا رہے ہو۔۔۔؟''وہ بیزاری سے گویا ہوئی۔

''صرف بتا رہا ہوں، کیونکہ میر خاقان آجکل کسی نئے مہرے کی تلاش میں ہے۔۔۔'' اسکے لہجے میں سنجیدگی در آئی۔

''مہرہ کوئی بھی ہو، شطرنج ہو یا زندگی کا میدان، وہی جیتتا ہے جو میدان میں اپنے اعصاب پر قابو رکھے اور وقت پر بہترین چال چلے۔۔۔'' وہ مسکرائی۔

''وہ تو ٹھیک ہے، لیکن بعض دفعہ لوگ بہت خوبصورتی سے آپ کے پیروں کے نیچے سے زمین نکال لیتے ہیں اور آپکو پتا تک

نہیں چلتا۔۔۔“ ہم زاد نے پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی جو بے سود رہی۔

”دشمن کی ہوشیاری اسی وقت کامیاب ہوتی ہے جب آپ کے پیروں کے نیچے زمین اپنی نہ ہو۔۔۔“ وہ بھی پر اعتماد تھی۔

”او کے، بیسٹ آف لک۔۔۔۔“ اس نے مسکرا کر فون بند کر دیا۔

شہرزاد نے فوراً ٹمبر مافیا کیس کی فائل منگوائی، اسے نیکسٹ پیشی پر میر حاکم کی فیملی پر ایک ایسا جاندار وار کرنا تھا جو ان کی کمر توڑ دیتا، اور اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس کیس پر اپنی ساری صلاحتیں وقف کر دیتی اور ایسا کرنے سے اسے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔۔۔

☆......☆......☆

شام چھ بجے کے قریب رومیصہ کی آنکھ کھلی تو ساتھ ہی بے تحاشا بھوک کا احساس بھی بیدار ہو گیا۔

اس نے سامنے دیوار پر لگے وال کلاک پر نظر ڈالی، کمرے میں ہلکا ہلکا سا اندھیرا تھا، باہر شاید سورج غروب ہونے کی تیاریوں میں تھا۔ وہ ایک لمبی جمائی لے کر اٹھی اور سیکنڈوں میں اسے احساس ہوا کہ وہ فارم ہاؤس میں نہیں ہے اور ساتھ ہی اسے گذرے دن کے سارے واقعات یاد آ گئے۔

”کہیں مجھے چھوڑ کر بھاگ تو نہیں گیا وہ۔۔۔“ اس سوچ نے اسکا دماغ مکمل بیدار کر دیا، وہ گھبرا کر اٹھی اور عجلت بھرے انداز میں باہر نکلی۔

وہ سامنے صوفے پر الٹا سیدھا لیٹا ہوا تھا اور اسکا ایک بازو زمین پر جھول رہا تھا۔ اسے دیکھ کر رومیصہ کو تھوڑا سکون ملا، ورنہ تو وہ ایک لمحے کو ڈر سی گئی تھی۔ پورا گھر تیرگی میں ڈوبا ہوا تھا، کھلی کھڑکی سے بس ہلکی سی روشنی آ رہی تھی۔

”مجھے اٹھانا چاہیے اسے، تاکہ یہاں سے نکلیں، کہیں کسی مصیبت میں ہی نہ پھنس جائیں۔۔“ اس سوچ نے اسے پریشان کیا۔

وہ فوراً چلتی ہوئی اس کے قریب آئی رومیصہ کو اسکے لیٹنے کے انداز میں تھوڑے سے غیر معمولی پن کا احساس ہوا، اس نے ہلکا سا جھک کر اسے دیکھا، اس کا سارا وجود تیز بخار میں جل رہا تھا اور نتھنوں میں سے گذرتی ہوئی سانس کھولتی ہوئی بھاپ کی طرح تھی۔

”تم ٹھیک تو ہو ناں۔۔۔؟“ رومیصہ نے ہلکا سا اسے جھنجھوڑا، بخار کی دی ہوئی نقاہت نے اس سے ہلنے جلنے کی سکت بھی چھین لی تھی۔

رومیصہ کے ہاتھ پیر پھول گئے، وہ بھاگ کر کچن کی طرف گئی، فریج بالکل خالی تھا اور بند تھا اس نے سنک میں لگی ٹیب کھولی، پانی خاصا ٹھنڈا تھا، وہ ایک جگ بھر کر لے آئی اور دائیں بائیں کپڑے کی تلاش میں نظریں دوڑائیں لیکن کچھ نظر نہ آیا تو جلدی سے ایک تکیے کا غلاف اتار لیا۔

”بات سنو، بول کیوں نہیں رہے ہو تم۔۔۔“ رومیصہ نے اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس کا سارا جسم بخار کی حدت سے جھلس رہا تھا، وہ جلدی جلدی اسکے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کرنے لگی۔

"مجھے پیاس لگی ہے۔۔۔" اس کی نقاہت زدہ آواز ملگجے اندھیرے میں رومیصہ کو خوف میں مبتلا کر گئی۔

وہ دوبارہ سے ایک گلاس پانی کا بھر کر لے آئی اور اسے سہارا دے کر پلانے لگی، وہ شاید بہت دیر سے پیاسا تھا تبھی ایک ہی سانس میں پی گیا، ایک گلاس پانی پی کر وہ اتنا زیادہ ہانپ رہا تھا کہ رومیصہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے، آدھے گھنٹے بعد اس کے بخار کی شدت میں کچھ کمی واقع ہو گئی تھی لیکن تب تک رومیصہ کی آنتیں قل ھو اللہ پڑھنے لگیں۔

وہ ایک دفعہ پھر کچن میں گئی اور مختلف کیبنٹ کھول کر دیکھنے لگی۔

ایک ائیر ٹائیٹ جار میں اسے بسکٹ اور دو نمکو کے پیکٹ مل گئے تھے، ایک کیبنٹ میں خشک دودھ اور ٹی پیک بھی رکھے تھے لیکن چینی کا جار خالی تھا۔ اس نے ماچس کی تلاش میں نظریں دوڑائیں، لیکن وہ نہیں تھی، ایک دراز میں سے اسے لائٹر مل گئی، جس کی مدد سے اس نے چولہا جلانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ چولہے میں گیس نہیں آ رہی۔

اس نے گیس کے مین کنکشن کی تلاش میں اوپر نیچے نظریں دوڑائیں، تھوڑی سی محنت کے بعد اسے گیس کے پائپ کے ساتھ لگا ہینڈل نظر آیا، جسے گھر کے مکین شاید احتیاطی تدابیر کے تحت بند کر گئے تھے۔

اس نے ہینڈل نیچے کیا تو چولہے میں گیس آنے لگی، اس نے فوراً چولہا جلا کر ایک ساس پین میں پانی ڈال کر رکھا، اور برتنوں کے ریک سے دو کپ نکالے، جلدی جلدی بغیر چینی کے چائے بنا کر باہر آئی تو وہ آنکھیں کھولے بے بس انداز میں لیٹا ہوا چھت کو گھور رہا تھا۔ اس کا چہرہ بخار کی شدت سے سرخ اور آنکھیں جل رہی تھیں، رومیصہ کو اس سے بے پناہ ہمدردی محسوس ہوئی۔ وہ اس وقت مکمل طور پر اس کے رحم و کرم پر تھا۔

رومیصہ نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دے کر اٹھایا اور پشت پر کافی سارے کشن اٹھا کر رکھے، وہ مشکور نگاہوں سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا، اس نے پاس بیٹھ کر بسکٹ چائے کے کپ میں بھگو کر اسے کھلانے شروع کیے، وہ اتنی سی مشقت ہی میں نڈھال ہو گیا۔

"بات سنو۔۔۔" وہ آہستگی سے مخاطب ہوا۔

"ہاں کہو۔۔۔" رومیصہ نے فوراً جھک کر اسکی سرخ آنکھوں کی طرف دیکھا اور بے اختیار نظریں چرا لیں۔۔

"پردے آگے کر کے لائیٹ جلاؤ اور بیڈ روم کی سائیڈ ٹیبل پر پیناڈول کا ایک پتا دیکھا تھا میں نے، وہ پلیز لا دو۔۔۔" وہ بمشکل بول رہا تھا۔

رومیصہ نے اٹھ کر پردے برابر کر کے زیرو واٹ کا بلب روشن کیا اور خود اندر جا کر بیڈ کی سائیڈ میز کی درازیں ٹٹولنے لگی، تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اسے وہ ٹیبلٹس مل گئیں تھیں، جسے اس نے پانی کے ساتھ نگل لیا۔

"میرا خیال ہے تم اندر بیڈ پر جا کر لیٹ جاؤ۔۔۔" رومیصہ کو اس سے ہمدردی محسوس ہوئی۔

اس نے خود سے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہوسکا، رومیصہ نے فوراً آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔ وہ بُری طرح سے ہانپ رہا تھا اور اسے سیدھا کھڑا ہونے میں بھی دشواری ہو رہی تھی۔ رومیصہ اسے پکڑ کر بمشکل روم تک لائی اور وہ فوراً بیڈ پر لیٹ گیا۔

"اوہ میرے خدا۔۔۔۔۔۔!!!" وہ اپنی ہتھیلی کا مکہ سا بنا کر ماتھے پر رگڑ رہا تھا، شاید درد کی شدت بڑھ رہی تھی۔

"میں دبا دوں۔۔۔" رومیصہ کو اسکی بیچارگی پر ترس آیا، وہ ہلکا سا جھجک کر اسکا سر دبانے لگی۔

میڈیسن لینے سے اسے کافی فرق پڑ گیا تھا، تبھی ایک گھنٹے بعد وہ تکیے کو بھینچے غافل سو رہا تھا، وہ دبے قدموں اٹھ کر کچن میں چلی آئی اور دوبارہ چائے بنا کر وہ لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی، اسکا دل بے شمار اندیشوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

نمکو اور بسکٹ کھانے سے اسے تھوڑی توانائی کا احساس ہوا تو وہ دوبارہ بیڈ روم میں چلی آئی، سامنے دیوار پر ایک ینگ کپل کی شادی کی تصویریں لگی ہوئیں تھیں۔ اس نے پہلی بار اس سارے گھر کو غور سے دیکھا، تو احساس ہوا کہ یہ کسی نئے نویلے شادی شدہ جوڑے کا گھر تھا، نیا فرنیچر، کراکری اور دیواروں پر لگی تصویریں اس بات کی گواہ تھیں۔

وہ چلتے چلتے ڈریسنگ کے شیشے کے سامنے آن کھڑی ہوئی اور اپنا ملگجا سا عکس شیشے میں دیکھ کر اسے دھچکا لگا، اتنے دن پرانی جینز کے ساتھ پہنی ہوئی میلی شرٹ کو دیکھ کر اسے اپنے آپ سے گھن آئی۔

اس نے دیوار گیر واڈروب کھولی تو اس میں کئی کام والے لیڈیز سوٹ لٹک رہے تھے اس نے نسبتاً ایک سادہ کاٹن کا سوٹ نکالا، اس کے ناپ سے تھوڑا کھلا تھا لیکن وہ اسے اٹھا کر واش روم میں گھس گئی، ایک گھنٹہ شاور لے کر وہ باہر نکلی تو وہ ابھی بھی سو رہا تھا لیکن رومیصہ کو اپنا آپ بڑا ہلکا پھلکا محسوس ہوا۔

اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے، وہ سونے کی تلاش میں دائیں بائیں نظریں دوڑانے لگی۔ جیسے ہی وہ لاؤنج کے صوفے کی طرف بڑھی اسکی نظر دیوار پر رینگتی چھپکلی پر پڑ گئی، اسکا دل دھک کر کے رہ گیا، اسے چھپکلیوں سے بچپن ہی سے بے تحاشا خوف آتا تھا۔

وہ الٹے قدموں واپس لوٹ آئی، دوسرے کمرے میں بھی جانے کا حوصلہ نہیں تھا اس لیے خاموشی سے تھوڑا فاصلہ رکھ کر اسکے برابر میں لیٹ گئی، شاور لینے کے بعد اسے خاصی سکون کی نیند آ رہی تھی۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا، جب اسکی آنکھ کھلی، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، وہ جاگ چکا تھا اور اسکی آنکھوں میں نہ جانے کون سا تاثر تھا، وہ نظریں جھکانے پر مجبور ہوگئی۔

"تھینک یو رومیصہ۔۔۔" اس کی حالت خاصی سنبھل چکی تھی۔

"ٹمپریچر اتر گیا۔۔۔"

"ہاں اور تمہارا بہت شکریہ، تم نے بہت خیال رکھا میرا۔۔۔" وہ کھلے دل سے اسے سراہ رہا تھا۔

رومی نے اسکی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے لیٹی رہی۔ وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ کمرے میں ملگجا سا اندھیرا تھا، لاؤنج میں چلنے والے زیرو واٹ بلب کی نیم مردہ سی روشنی اس کمرے میں بھی آ رہی تھی۔

''ایک بات بتاؤ گی سچ سچ۔۔۔''اس کے لہجے میں کچھ تھا، رومیصہ نے بے ارادہ مڑ کر اسکی طرف دیکھا، اسکی آنکھوں میں بڑا نرم سا تاثر تھا۔ دونوں کی نیند پوری ہو چکی تھی اس لیے وہ کافی بہتر محسوس کر رہے تھے۔

''مجھے نہیں معلوم روحیل اور تمہارے درمیان کیا تھا، اور تم نے کیوں مارا اسے۔۔'' وہ رسانیت سے گویا ہوا لیکن رومیصہ نے فوراً ہی اسکی بات کاٹ ڈالی۔

''میں نے اسے نہیں مارا، اور نہ ہی میری فرینڈ کنزہ کا ایسا کوئی ارادہ تھا۔''

''تو پھر کیا ہوا تھا اس رات۔۔۔؟''اس کا انداز خاصا دوستانہ تھا۔

''تم کیوں پوچھ رہے ہو۔۔؟'' وہ ہلکا سا چونکی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم جیسی لڑکی کسی کو اتنی بے رحمی سے اپنی گاڑی سے ہٹ کر سکتی ہے۔''وہ آہستگی سے بولا۔

''میرے اندر تو اس رات اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ گاڑی بھی ڈرائیو کر سکتی، کیونکہ تھوڑی دیر پہلے کلب میں میرا روحیل کے ساتھ جھگڑا ہوا تھا، وہ مجھ سے خوامخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا، اور میں نے غصّے میں اسے تھپڑ مار دیا۔۔۔

رومیصہ پہلی دفعہ اس سے بے تکلفانہ انداز میں بات کر رہی تھی یہ شاید رات کی تنہائی کا اثر تھا یا پھر ان حالات کا، جو ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لے آئے تھے، دور کہیں تقدیر اپنے اس فیصلے پر دوبارہ مسکرائی تھی۔

''تم کیسے جانتی تھیں روحیل کو۔۔؟''

''میں اسے نہیں جانتی تھی، وہ شاید کنزہ کا سکول فیلو رہا تھا۔۔''رومیصہ کے لہجے کی سچائی گواہ تھی کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔

''تم روحیل کے فرینڈ ہو کیا۔۔؟''

''نہیں۔۔''اس کی بات پر رومیصہ کو دھچکا لگا۔''پھر۔۔۔؟؟؟''وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''وہ میرے بیسٹ فرینڈ کا بہت اچھا دوست تھا، اور اسکی موت نے ہم سب کو بُری طرح سے ڈسٹرب کیا، اور پھر مجھے پتا چلا تمہارے اور تمہاری مدر کے بارے میں۔۔۔''وہ ہلکا سا جھجک کر رکا۔

''کیا۔۔؟''رومیصہ نے بے تابی سے اسکی شکل دیکھی، وہ اس سے نظریں چرا رہا تھا۔۔

''کچھ نہیں۔۔''وہ کسی کمزور لمحے کی زد میں تھا اس لیے اسکا دل دکھانا نہیں چاہتا تھا۔

''یہی کہا ہو گا کہ میری مدر ایک کرپٹ خاتون ہیں اور ان کے آئے دن اسکینڈلز سامنے آتے رہتے ہیں۔''وہ تلخ لہجے میں گویا ہوئی۔

''تو کیا یہ غلط ہے۔۔۔؟''

''نہیں، ٹھیک کہتے ہیں وہ، اور یہ میری زندگی کی ایسی تلخ حقیقت ہے جسے میں چاہ کر بھی نہیں جھٹلا سکتی۔'' رومیصہ کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔ اسے شاید اس بات کی توقع نہیں تھی، وہ بھی ایک لمحے کو گنگ ہو گیا، کمرے میں ایک دل دکھانے والی خاموشی نے بسیرا کر لیا۔

''آئی ایم سوری۔۔۔'' اس نے بیڈ پر رکھے اسکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تو رومیصہ کو یہ خاموش دلاسا اچھا لگا۔

''یہ میری زندگی کا ایک ایسا تلخ حوالہ ہے جس سے میں کبھی بھی اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتی، یہ ایک آسیب کی طرح میرا پیچھا کرتا ہے، اسی ایک بات کے پیچھے میں نے اپنی ساری زندگی تباہ کر لی۔ پتا نہیں اللہ نے کیوں یہ ساری چیزیں میری قسمت میں لکھ رکھی ہیں۔'' وہ کسی معصوم بچے کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔ اسکا دل تاسف کے گہرے احساس سے بھر گیا۔

''تم مجھ سے وہ سب شیئر کر سکتی ہو رومیصہ۔۔۔'' اس نے بلا ارادہ اسے ہلکا سا اپنے ساتھ لگایا۔

رومیصہ بھی کسی کمزور لمحے کی دسترس میں آ چکی تھی، وہ بھیگے لہجے میں آہستہ آہستہ اپنی ساری محرومیاں، خوف اور اندیشے اسے بتانے لگی اور وہ سر جھکائے خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔ جیسے یہ اس کی زندگی کا سب سے اہم کام ہو۔

☆......☆......☆

شہرزاد شل ہوتے وجود کے ساتھ گھر پہنچی تو ایک نیا ہنگامہ اس کا منتظر تھا۔

ہارون رضا انتہائی مشتعل انداز میں ٹینا بیگم پر برس رہے تھے اور وہ حسب معمول ان کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھ رہی تھیں۔ شہرزاد انتہائی کوفت بھرے انداز میں لاؤنج کے دروازے میں ہی رک گئی۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے آخر سیف الرحمٰن سے۔۔۔؟'' ٹینا بیگم نے گویا ان کی طرف انگارے اچھالے۔

''بے وقوف عورت، میں تمہاری طرح بے غیرت نہیں ہوں، لوگ اس اخبار کے تراشے مجھے واٹس ایپ کر رہے ہیں۔'' انہوں نے اخبارات کا ایک پلندہ اٹھا کر ٹینا بیگم کے سامنے پھینکا۔۔۔

''اخبارات کو تو عادت ہے ہر چیز کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کی۔۔۔'' وہ بھی بلند آواز میں چیخیں۔

''ہاں تم اپنی گھٹیا حرکتیں مت چھوڑنا، دیکھو ذرا تمہارا عاشق کیسے گلے لگا کر تمہیں تسلیاں دے رہا ہے۔ میڈیا کے سامنے ایسی واہیات کام کرو گی تو وہ تو مرچ مصالحہ لگا کر ہی لگائیں گے ناں۔۔۔'' ہارون کی تلخ باتوں نے ٹینا بیگم کے دل و جان کو سلگا کر رکھ دیا۔

''یہ کیا تماشا ہو رہا ہے۔۔۔'' شہرزاد کی برداشت بھی ختم ہوئی۔

''اپنی ماں کو سمجھاتی کیوں نہیں ہو، یہ کیوں نہیں ایک مرد پر اکتفا کرتی۔۔۔'' وہ شہرزاد کے سامنے بھی اپنے برہمی نہیں چھپا پائے۔

''اور وہ جو تم اس اسٹیج ایکٹریس نیناں کے پیچھے دم ہلاتے پھر رہے ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے میں اندھی ہوں مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔''
وہ بگڑ کو بولیں اور اس حملے پر ہارون تھوڑا اپسپا ہوئے۔
''آپ کو مام کے ساتھ اتنے زیادہ پرابلم ہیں تو ڈائیورس دے دیں انہیں ابھی اور اسی وقت۔۔۔''شہرزاد کی بات پر انہیں کرنٹ لگا۔
''ڈائیورس تو مر کر بھی نہیں دوں گا۔۔۔'' وہ متنفر انداز میں گویا ہوئے۔
''پتا ہے ناں ڈائیورس کی صورت میں بھاری بھر کم حق مہر دینا پڑے گا۔۔۔''وہ سلگ کر بولیں۔
''حق مہر لینا یا چھوڑنا کسی ایک بندے کو تو پڑے گا، آپ دونوں ایک گھنٹے میں یہ فیصلہ کر لیں، ورنہ صبح میں کورٹ میں یہ کیس فائل کر دوں گی۔''شہرزاد کے ہموار لہجے پر دونوں ایک ساتھ ہی ٹھنڈے ہوئے، وہ اپنی بات مکمل کر کے اندر کی طرف بڑھ گئی۔
''اتنی آسانی سے تو میں بھی نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔۔۔''وہ انگلی اٹھا کر دھمکی دینے کے انداز میں گویا ہوئے۔
''جس دن طلاق لینا ہو گی تو گردن پر انگوٹھا رکھ کر بھی لینی پڑی تو لے لوں گی۔۔''آگے بھی ٹینا بیگم ہی تھیں کسی بھی دھمکی کو خاطر میں نہ لانے والی۔
''تو میرا خیال ہے اب انگوٹھا رکھ ہی لو تو بہتر ہے۔۔۔''وہ ہلکا سا چڑ کر بولے۔
''پہلے گردن تو مضبوط کر لو اپنی، پھر منہ کھول کر اتنے لمبے دعوے کرنا۔۔۔''وہ طنزیہ لہجے میں کہتی ہوئیں سیل فون پر آنے والی سیف الرحمٰن کی کال کی طرف متوجہ ہوئیں۔
''ہاں سیفی کہاں ہو تم، میں بس پندرہ منٹ میں تیار ہو کر پہنچ رہی ہوں کلب۔۔۔'' ان کا انداز سراسر چڑانے والا تھا، ہارون ایک دم ہتھے سے اکھڑ گئے انہوں نے تیزی سے آگے بڑھ کر ٹینا بیگم کے ہاتھوں سے سیل فون چھینا، وہ جو اس حملے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ ہلکا سا لڑکھڑائیں۔
''چٹاخ۔۔۔۔''انہوں نے الٹا ہاتھ گھما کر ٹینا بیگم کے حواس معطل کیے۔
''تم جیسی گھٹیا عورت پر میں سو دفعہ لعنت بھیجتا ہوں، تمہیں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔''
سیل فون کے دوسری جانب موجود سیف الرحمٰن سمیت گھر کے سبھی ملازمین نے یہ الفاظ بقائمی ہوش و حواس سنے تھے۔ گیسٹ روم سے نکلتی شہرزاد کی سماعتوں تک بھی یہ الفاظ پہنچے اور اس نے اپنے اندر طمانیت کا گہرا احساس اترتا ہوا محسوس کیا۔
ہارون رضا نے انتہائی مشتعل انداز سے ٹینا کا سیل فون سامنے دیوار پر مارا، اور وہاں لگی بیش قیمت پینٹنگ زمین پر آن گری۔ اس طرح ٹینا بیگم کی تیسری شادی کا انجام بھی خاصے بدصورت انداز میں ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

میر ہاؤس پر لگتا تھا کسی آسیب کا سایہ ہو گیا تھا۔۔۔!!!

گھر کے در و بام پر عجیب سی بے چینی اور وحشت نے بسیرا کر رکھا تھا۔۔

اس رات شارقہ بیگم کی طبعیت کچھ خراب تھی کیونکہ وہ انابیہ اور برہان والی بات کو دل پر لگا بیٹھی تھیں، انہوں نے خاقان صاحب کے کانوں سے بھی یہ بات گذار دی تھی جسے سننے کے بعد وہ ایک لمحے کو چپ کر گئے لیکن جلد ہی انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔

''وہ جتنا بھی باہر منہ مارے، خاندانی بیوی کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔۔۔'' خاقان علی نے انہیں مطمعن کرنے کی ناکام کوشش کی۔

''میں نہیں چاہتی، میری بیٹی بھی اسی اذیت سے گذرے جو میں نے سہی ہے۔۔۔''

''تمہیں تو ناشکری کی عادت پڑ گئی ہے، اچھا کھاتی ہو، پہنتی ہو، اتنے بڑے گھر میں مہارانیوں کی طرح رہتی ہو، ایک عورت کو اور کیا چاہیے ہوتا ہے۔'' انہوں نے تلخ لہجے میں اپنی بیوی کی طبعیت صاف کی۔

''زندگی صرف روٹی، کپڑا اور مکان کے سہارے نہیں گذرتی خاقان صاحب، ذہنی سکون بھی کسی چڑیا کا نام ہے۔'' وہ بھی آج پھٹ پڑیں۔

''جب ان بنیادی چیزوں کے لیے ترسنا پڑے تو ساری ذہنی تسکین دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔۔۔'' وہ تپ کر کھڑے ہوئے۔ ''میرا دماغ مزید خراب مت کرو، خوامخواہ فضول سی بات پر بحث کیے جا رہی ہو۔'' وہ انہیں کھری کھری سنا کر کمرے سے نکل گئے۔

دونوں بہنیں اس وقت سے ماں کی پٹی سے لگی بیٹھی تھیں۔ وہ رات ان تینوں کے اعصاب پر خاصی بھاری گذر رہی تھی، شارقہ بیگم خاموشی سے چھت سے لگے پنکھے کو گھور رہیں تھیں جیسے اس سے زیادہ اہم کام کوئی نہ ہو۔۔ رات کے سناٹے میں ایک دم باہر چھن چھن کی آواز گونجی۔

وہ دونوں خاموش و ساکت بیٹھے بیٹھے ایک دم چونک گئیں۔۔۔

''یہ تو صندل کی پازیب کی آواز ہے۔۔۔'' انابیہ بے چین ہوئی۔

''میں دیکھتی ہوں۔۔'' طوبی ذرا مضبوط اعصاب کی حامل لڑکی تھی جبکہ شارقہ بیگم کے ساکت وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔

اس نے فوراً ہی باہر جھانک کر دیکھا، رات کے اس پہر کوریڈور سنسنان تھا، وہ دبے قدموں باہر نکل آئی، اچانک اس نے سیڑھیوں کی طرف کسی چیز کو بھاگتے دیکھا اور وہ فوراً اس کے پیچھے لپکی۔

سامنے کا منظر دیکھ کر اس کا دل دھک کر کے رہ گیا، شاہ میر کے ہاتھوں میں درشہوار کی پالتو بلی ''پریتی'' تھی، اس کے پیروں میں چھوٹے چھوٹے سے گھنگرو تھے، جس سے آنے والی چھن چھن کی آوازوں نے بہت دنوں سے اسکا سکون برباد کر رکھا تھا۔

درشہوار نے سرونٹ کوارٹر کے برآمدے میں اپنی بلی کے رہنے کے لیے لکڑی کا بڑا سارا گھر بنوایا ہوا تھا، اور وہ شاید رات کو کوئی

دروازہ کھلا دیکھ کر میر ہاؤس کے اندرونی پورشن کی طرف گھس آتی تھی۔

''کیا آج پھر ڈر گئیں تم۔۔۔؟؟؟'' شاہ میر بلی کو اٹھا کر عین اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

''یہ گھنگرو کس نے باندھے ہیں اس کے پیروں میں۔۔۔؟'' وہ ترشی سے گویا ہوئی۔

''خدا کی قسم میں نے نہیں باندھے، میں تو ڈائریکٹ پٹا ڈالنے کے حق میں ہوں۔۔۔'' ایک دل جلانے والی مسکراہٹ شاہ میر کے ہونٹوں پر رقصاں تھی۔

''شٹ اپ۔۔۔۔'' وہ جارحانہ انداز میں مڑی۔

شاہ میر نے ایکدم ہی بلی کو اس کے پاؤں کے پاس زمین پر چھوڑ دیا اور اس نے بھاگ کر طوبی کے پیروں کو چھوا۔ وہ اچھل کر پیچھے دیوار سے جا لگی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔۔۔'' وہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔

''اب کیا معصوم جانوروں سے بھی لڑو گی۔۔'' وہ عین اسکے سامنے آن کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ سینے پر لپیٹ کر اسے بغور دیکھنے لگا۔

''اس گھر میں موجود انسان بھی کون سا درندوں سے کم ہیں۔۔۔'' وہ تلخ لہجے میں کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی، لیکن شاہ میر نے جلدی سے اسکا بازو پکڑ کر پیچھے کی طرف گھسیٹا۔ طوبی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''پرابلم کیا ہے تمہارے ساتھ۔۔۔؟''

''بازو چھوڑو میرا۔۔۔۔'' وہ کاٹ دار لہجے میں بولی۔

''نہیں چھوڑتا، کیا کر لو گی تم۔۔۔'' شاہ میر کے ضبط کی طنابیں بھی ڈھیلی پڑیں۔ ''کس کا غصّہ مجھ پر نکالتی ہو۔۔۔؟''

''میرے پاس تمہاری فضول باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔۔۔'' وہ اسکی بات پر تلخی سے مسکرایا۔ ''کتنی سنگ دل ہو تم۔۔۔''

''اسی لیے تو کہتی ہوں، کسی اور دیوار میں جا کر اپنا سر مارو، مجھ سے سوائے تلخیوں کے کچھ نہیں ملے گا تمہیں۔۔'' اسکی آواز بھرا گئی۔

''تم سے جو کچھ مل سکتا ہے مجھے، دنیا کی کوئی اور لڑکی نہیں دے سکتی۔'' وہ نرمی سے اسکا بازو پکڑ کر لاؤنج کے صوفے پر لے آیا۔ ''یہاں بیٹھو اور سچ سچ بتاؤ کیا مسئلہ ہے، ہوسکتا ہے ہم دونوں مل کر اس کا حل نکال لیں۔۔۔''

اس کے لب کانپ رہے تھے اور وہ اپنے اشکوں پر قابو پانے کی بھرپور کوشش میں ناکام ہو رہی تھی۔ شاہ میر نے اس کے صبیح چہرے کو غور سے جانچا۔

''ایک دفعہ کھل کر رو لو، یقین مانو، دل بہت ہلکا ہو جائے گا۔۔۔''

اسکا لہجہ دنیا جہاں کی نرمی اپنے دامن میں سموئے ہوئے تھا، طوبی جو کہ خود سے لڑتے لڑتے تھک چکی تھی اچانک ہی ضبط کا دامن

کھو بیٹھی، وہ شاہ میر کے شانے سے سر ٹکائے رو دی اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے پورشن میں آتیں ہوئیں تاجدار بیگم نے یہ منظر انتہائی ناگواری سے دیکھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں رات کے دو بجے۔۔۔؟"

ان کے ماتھے پر پڑے بل ان کے اندرونی جذبات کی بھرپور عکاسی کر رہے تھے۔طوبی اور شاہ میر دونوں سسپٹا گئے۔طوبی تو بوکھلا کر جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی جبکہ تاجدار بیگم کے عین سامنے کھڑا شاہ میراب بالکل پرسکون تھا۔

☆......☆......☆

ٹینا بیگم اور ہارون رضا کی ڈائیورس کی خبر کو میڈیا نے بریکنگ نیوز کی طرح نشر کیا تھا۔۔۔

ہر چینل پر ٹینا بیگم کے خلاف زہر اگلتے ہوئے ہارون رضا کو دیکھنا، کم از کم شہزاد کے اعصاب کے لیے ایک بڑا امتحان تھا۔تبھی وہ ٹی وی بند کر کے ہوسپٹل چلی آئی اور وہاں اس نے اپنے کندھے پر تازہ بینڈ یج کروائی۔

ہوسپٹل سے گھر تک کے راستے میں اس نے کئی بار ہمت کی کہ وہ ٹینا بیگم کو کال کر کے تھوڑی تسلی دے لیکن ہر دفعہ سیل فون اٹھانے کے بعد اسکی ہمت جواب دے دیتی اور تنگ آ کر اس نے اپنا یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔

اس کی گاڑی ٹینا ہاؤس کی طویل روش پر بڑے ہموار انداز میں چلتی ہوئی پورچ میں آن رکی۔

اس کا خیال تھا کہ اس طلاق کے بعد ٹینا بیگم زیادہ نہ سہی چھوٹے موٹے ڈیپریشن کا تو ضرور شکار ہونگیں لیکن لاؤنج کا دروازہ کھولتے ہی اسے خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا۔۔۔

ٹینا بیگم سامنے رکھے کاؤچ پر بڑے مزے سے کھیرے کا ماسک سجائے لیٹی ہوئیں تھیں اور انکے پارلر کی ایک ورکر بڑی دلجمعی سے ان کا مینی کیور کر رہی تھی۔اسے دیکھتے ہی ورکر نے سلام کیا تو انہیں بھی اسکی موجودگی کا احساس ہو گیا۔

"شیری، کیا کہا ڈاکٹرز نے، کتنے دن بینڈ یج ہو گی۔۔۔؟" وہ اس کے لیے فکر مند تھیں لیکن ان کی آنکھیں ابھی بھی بند تھیں۔

"بس دو چار دن اور۔۔۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

"چلو اچھا ہے، اور یہ بتاؤ، ارتضی نے کچھ مزید بتایا رومی والے معاملے کا۔۔۔"

"آپ ارتضی کو چھوڑیں یہ بتائیں، ٹی وی دیکھا آپ نے۔۔۔؟" اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

"ہاں، ہارون رضا کی بکواس چل رہی تھی ہر چینل پر۔۔۔"

"آپ سے تو کسی نے رابطہ نہیں کیا۔۔۔؟"

"بہت سارے جرنلسٹس اور اینکرز نے کیا۔۔۔" انہوں نے کھیرے اپنی آنکھوں سے اتار کر اپنی پریشان بیٹی کو دیکھا۔

''تو۔۔۔؟؟؟'' وہ فکر مند انداز میں ایک قدم آگے بڑھی۔

''میں نے سوچا یہ خبیث آج اپنی بھڑاس نکال لے، میں کل اس کی بھیانک شکل دنیا والوں کو دیکھاؤں گی، لیکن اس سے پہلے اپنی ڈینٹنگ پینٹنگ بھی تو ضروری تھی ناں، آخر کو لوگ ہمارا چہرہ ہی تو دیکھتے ہیں۔۔۔'' وہ مسکرا رہی تھیں، ایک دفعہ تو شہرزاد کو لگا جیسے ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہو۔

''میرا خیال ہے ماما اس چیپٹر کو کلوز کر دیں تو بہتر ہوگا۔۔۔'' اس نے صاف گوئی سے مشورہ دیا۔

''ایسے تو نہیں، اب ایک دفعہ تو مزا چکھا کر ہی رہوں گی۔۔۔'' ٹینا بیگم کے ارادے اسے خطرناک لگے تھے۔

وہ دل ہی دل میں کڑھتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ آئی، جیسے ہی اس نے اندر قدم رکھا اسکے سیل فون کی گھنٹی بجی، وہ ہم زاد کی کال اٹینڈ کرتے ہوئے ہلکی سی ہچکچاہٹ کا شکار ہوئی کیونکہ اسے لگا جیسے وہ بھی اس تازہ ترین سانحے پر بات کرئے گا اور وہ کم ازکم اس کے ساتھ اپنی ماں کی پرسنل لائف کو ڈسکس کرنا نہیں چاہتی تھی، لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے کال ریسیو کر لی۔

''مجھے لگا، تمہیں میری ضرورت ہے۔۔۔'' اس نے بغیر سلام دعا کے کہا۔

ہم زاد کے اس جملے پر اس نے بمشکل ایک لمبا سانس لے کر خود کو کمپوز کیا۔ ''ضروری نہیں، جو تمہیں لگے وہ ہر دفعہ ٹھیک ہی ہو۔''

''تم سے ہزار دفعہ کہہ چکا ہوں، تمہارے متعلق میں جب بھی کوئی بات کرتا ہوں، پورے وثوق سے کرتا ہوں۔'' وہ بلا کا پر اعتماد تھا۔

''کوئی ضرورت بات کرنی ہے تو بتاؤ، میں اس وقت ایک کیس اسٹڈی کر رہی تھی۔۔۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''اگر تو میر حاکم فیملی کے ٹمبر مافیا کا کیس ہے تو بہتر ہوگا اس پر اپنا دماغ خرچ مت کرو۔

''کیا مطلب۔۔۔؟؟؟'' وہ چونکی۔

''وہ کیس صبح شجاع غنی واپس لے لے گا۔۔'' ہم زاد کے منہ سے نکلنے والے اس فقرے نے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی۔

''کیوں تم پر کوئی تازہ تازہ وحی اتری ہے۔۔۔'' اسکے لہجے میں طنز کی بلا کی کاٹ تھی۔

''نہیں، آج شام تمہارے موکل کے گھر میں میر حاکم علی کے بندوں کی برات اتری ہے۔۔۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں گویا ہوا۔

''کیا۔۔۔؟؟؟'' شہرزاد کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی۔ ''مجھے سمجھ نہیں آ رہی، تم کیا کہنا چاہتے ہو۔۔۔؟''

''دیکھو شہرزاد، ہر انسان کی کوئی نہ کوئی قیمت ہوتی ہے، اور شجاع نے اپنا ضمیر ایک کروڑ میں فروخت کر دیا۔ کل تم تک بھی اطلاع پہنچ جائے گی۔۔'' ہم زاد کی اس اطلاع پر

وہ ششدر رہ گئی۔ شہرزاد کو اپنا وجود کسی طوفان میں آئے ہوئے تنکے کی مانند لگا۔

''اوہ مائی گاڈ، کس نے بتایا آپ کو۔۔۔؟'' وہ بوکھلا گئی۔

''اس بات کو چھوڑیں، صبح شجاع غنی، کیس واپس لے لے گا اور ساتھ میں ایک پریس کانفرنس کر کے میر خاقان سے معافی بھی مانگے گا'' وہ اس کے کانوں میں صور پھونک رہا تھا۔ شہرزاد کی اپنے سیل فون پر گرفت مضبوط ہوئی۔

''وہ اتنی چیپ حرکت کیسے کر سکتا ہے، میں نے اتنی محنت کی تھی اس کیس پر۔۔۔'' اسے حقیقتاً دھچکہ لگا۔

''ہاں، تم نے اچھی کوشش کی اور اگر شجاع غنی اپنے پیروں پر کھڑا رہتا تو ایک دفعہ تو میر فیملی کی بنیادوں کو ہلا دیتا'' وہ اسے تسلی دینے کے انداز میں کہہ رہا تھا لیکن اس کے تمام الفاظ اس قیامت کا مداوا کرنے سے قاصر تھے، جس سے وہ اس وقت گذر رہی تھی۔

''میں شجاع کو ایسا نہیں کرنے دوں گی۔۔۔'' اس کی زبان پھسلی۔

''جب ضمیر بک جائے تو پھر دنیا کی کوئی بات کسی پر اثر نہیں کرتی۔۔۔'' وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔

''مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔۔۔'' شہرزاد کا رنجیدہ لہجہ گواہ تھا کہ وہ سچ کہہ رہی تھی۔

''میں فون بند کر رہی ہوں، تھوڑا کام ہے مجھے۔۔۔'' اس کو خود پر قابو پانے میں دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ اسکی کیفیت سمجھ گیا، اس لیے خاموشی سے فون بند کر دیا، وہ جان سکتا تھا کہ اپنے کیئریر کے آغاز میں یہ دھچکا اس کے لیے کتنا بُرا ثابت ہو سکتا ہے۔۔

وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر افسردہ انداز میں بیٹھ گئی، اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں، اتنا تو وہ جانتی تھی کہ ہم زاد کی اطلاع سو فیصد کنفرم ہو گی، لیکن اس کے باوجود اس کا دل و دماغ اس بات کو ماننے کے لیے راضی نہیں ہو رہا تھا۔ اسی وقت اسکے سیل فون کی ٹیکسٹ ٹون بجی۔ اس نے بجھے بجھے سے انداز میں اسکرین پر دیکھا۔ ہم زاد کا میسج تھا۔

''شہرزاد، بہتر ہو گا، تم شجاع غنی والے معاملے کو ایسے ہی ہینڈل کرو، جیسے تمہاری مام نے ہارون رضا کو کیا، آئی مین، گو ٹو دا ہیل'' اس کے آگے اسمائلی کا نشان بنا ہوا تھا۔۔۔

اس ساری سچویشن میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ ٹینا سہگل کی بیٹی ضرور تھی لیکن بعض معاملات میں ان کی طرح بہادر نہیں تھی۔

اسے اب ساری رات اسی ایک بات پر ہزاروں دفعہ کڑھنا تھا۔

☆......☆......☆

اسلام آباد کا موسم کافی بدل چکا تھا۔۔۔

فضاؤں میں ہلکی سی خنکی کا احساس بھر گیا تھا۔۔۔ وہ مناہل اور برہان کے ساتھ کنسرٹ میں پہنچی، تو اسکا موڈ خاصا خوشگوار تھا، وہ مناہل کے ساتھ اچھی خاصی بے تکلفی اور دوستی گانٹھنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

''سریلی اکھیوں والے، سنا ہے تیری اکھیوں سے، بہتی ہیں نیندیں اور نیندوں میں سپنے۔۔'' وہ تینوں اندر داخل ہوئے اس وقت راحت کی خوبصورت آواز پورے ہال میں گونج رہی تھی۔ درشہوار کے دل میں شدت سے یہ خواہش جاگی کہ کاش اس وقت ہادی بھی ان کے ساتھ ہوتا۔

اس کنسرٹ کی انتظامیہ میں برہان کا ایک اسٹوڈنٹ تھا اس لیے ان تینوں کو دوسری رو میں بڑے آرام سے سیٹس مل گئی تھیں۔ پروگرام بہت زبردست تھا، راحت کی سریلی آواز میں گونجنے والے گانوں پر اس نے بارہا اپنے بھائی کو بڑے والہانہ انداز میں مناہل کے چہرے کو تکتے ہوئے محسوس کیا اور اس کنسرٹ سے واپسی پر اسے یقین ہوگیا تھا کہ برہان کی زندگی میں انابیہ کی ڈورکٹ چکی ہے۔ اسے کچھ لمحے کے لیے افسوس ضرور ہوا لیکن اگلے ہی لمحے وہ سر جھٹک کر ہادی کے سپنے بننے لگی، اسے یقین تھا کہ مناہل اپنے دل کی بستی کو آباد کرنے کی خاطر اس کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرے گی۔

''موسم تو آج بہت غضب کا ہے۔۔'' برہان نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا، جہاں بجلی کی چمک کے ساتھ بہت سی بوندیں زمین پر برسنے کو بے تاب تھیں۔ وہ تینوں جیسے ہی گاڑی کے پاس پہنچے، مناہل کے سیل فون کی مترنم گھنٹی بجی، اس نے مسکراتے ہوئے کال اٹینڈ کی اور بغیر سلام دعا کے شروع ہوگئی۔

''ہادی کے بچے، اتنا خوبصورت پروگرام تم نے مس کر دیا، کتنی منتیں کیں تھیں میں نے کہ وقت نکال کر آجاؤ۔۔''

ہادی کا نام سنتے ہی درشہوار کے کان کھڑے ہوگئے۔ اسکا روم روم مجسم سماعت بن گیا، برہان گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے اور درشہوار کو ہاتھ کے اشارے سے آگے بیٹھنے کو کہا۔

''آپ آگے چلی جائیں پلیز۔۔'' درشہوار نے مناہل کو مخاطب کیا۔ وہ جو اپنی کال پر مصروف تھی اس کی بات پر مسکرائی۔

''تھینک یو۔'' اس نے سر خم کر کے اسکا شکریہ ادا کیا اور بڑے بے تکلف انداز میں اگلی سیٹ سنبھال لی۔ جیسے یہ اس کا پیدائشی حق ہو۔

''بکواس بند کرو ہادی، تمہیں اگلے ہفتے ہر صورت آنا ہوگا، ورنہ میں خفا ہو جاؤں گی۔۔'' وہ بڑے مان بھرے انداز میں اس پر دھونس جما رہی تھی۔

''اچھا اچھا زیادہ لیکچر دینے کی ضرورت نہیں، ابھی بزی ہوں میں کچھ فرینڈز کے ساتھ، گڈ بائے۔۔'' اس نے مسکراتے ہوئے فون بند کیا۔

''مناہل تم سے بڑا ہے وہ، لیکن کتنی بدتمیزی سے بات کرتی ہو اس سے۔۔'' برہان نے مسکرا کر اسے ٹوکا۔

''اتنا بھی بڑا نہیں ہے، جتنا بننے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔'' اس نے بے نیازی سے کہا

''کبھی ملواؤ ناں اس سے۔۔؟'' برہان کی بات پر درشہوار بری طرح سے چونکی، اس کا مطلب یہ تھا کہ برہان بھی نہیں جانتے

تھے کہ مناہل کا بھائی کون ہے۔

''ہاں، ہاں کیوں نہیں۔۔۔'' مناہل نے مسکرا کر پیچھے مڑ کر دیکھا'' درشہوار کیسا لگا آج کا کنسرٹ۔؟انجوائے کیا۔۔۔؟''

''بہت زیادہ۔۔۔تھینک یو یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا۔۔۔'' درشہوار نے مسکرا کر اسے جواب دیا۔

''بس ٹھیک ہے نیکسٹ ٹائم پھر دوبارہ انوائیٹ کروں گی تمہیں۔۔۔''اس نے خوشدلی سے کہا تو درشہوار بھی مسکرا کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

''انوائیٹ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی، میں اسکا ایڈمیشن کروا رہا ہوں یونیورسٹی میں۔۔۔''برہان نے اسکی معلومات میں اضافہ کیا۔

''دیٹس گریٹ۔۔۔'' وہ مسکرائی۔

درشہوار خاموشی سے ان دونوں کی نوک جھونک سننے لگی، اسے دو ملاقاتوں میں ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ برہان اور مناہل کی بہت زیادہ انڈراسٹینڈنگ تھی، لیکن اس کے باوجود برہان نے اسے انابیہ کے بارے میں نہیں بتایا تھا، اس بات نے درشہوار کو خاصی الجھن میں مبتلا کیا تھا۔

☆......☆......☆

پچھلے ایک گھنٹے سے محمد ہادی سخت ٹینشن میں لان میں ٹہل رہا تھا۔۔۔

چلتے چلتے وہ ایک ہاتھ کی ہتھیلی کا مکہ بنا کر دوسری پر برساتا اور پھر اگلے ہی لمحے وہ کرسی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیتا۔اس کا سارا وجود پچھلے ایک گھنٹے سے زلزلے کی زد میں تھا، جب اسے عالیہ قریشی کی کال سے شجاع غنی کی گھٹیا حرکت کا پتا چلا تھا۔وہ اپنا کیس واپس لے چکا تھا، اور یہ بات قریشی ایسوسی ایٹس کے منہ پر طمانچہ تھی۔

''میں تو سخت حیران ہوں، آخر میر خاقان نے ایسا کون سا اسم اعظم پڑھا ہے، اچھا خاصا بندہ پلٹا کھا گیا ہے۔''مسز قریشی کے لیے بھی یہ بات خاصے اچھنبے کا باعث بنی تھی۔

''بے غیرت لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔۔''ہادی کا بس نہیں چل رہا تھا شجاع غنی کی گردن مڑوڑ دیتا۔

''شیری بہت زیادہ ڈسٹرب ہے اس بات سے۔۔''

''اور ہونا بھی چاہیے، اسے کیا پتا تھا یہ خبیث انسان اس طرح راستے میں خوار کرے گا اسے۔۔'' ہادی نے فوراً اسکی حمایت کی۔

''میں نے تو بہت سمجھایا ہے اسے، پریکٹیکل لائف میں ایسی چیزیں ہوتی رہتی ہیں۔۔۔''

''لیکن کریئر کے آغاز میں کم کم لوگوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے ممی۔۔۔''ہادی نے سنجیدگی سے کہا۔

''اٹس اوکے، میں بعد میں بات کرتی ہوں، ابھی ایک آفیشل میٹنگ کے لیے نکلنا ہے۔۔۔''مسز عالیہ قریشی نے فون بند کر دیا تھا لیکن تب سے ہادی سخت ڈسٹرب تھا اسے علم تھا مسز قریشی اور شہزاد نے شجاع غنی کو سمجھانے کی کافی کوشش کی تھی لیکن وہ اپنی بات سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہیں تھا اور چونکہ اس کیس کا وہی مدعی تھا اس لیے اسے مزید جاری رکھنا ممکن ہی نہیں تھا۔

''بس کر دو یار، اور کتنا دل جلاؤ گے اپنا۔۔۔'' سعد اسٹرونگ سی چائے کے دو کپ ٹرے میں رکھے باہر نکلا۔ وہ دونوں دو گھنٹے پہلے ہی آفس سے آئے تھے اور آتے ہی یہ خبر بم بن کر ان پر گری تھی۔

''میرا بس چلے تو اس شجاع غنی کو جا کر کھڑے کھڑے گولی مار آؤں۔۔۔'' محمد ہادی چلتے چلتے رکا۔

''کوئی فائدہ نہیں، بے ضمیر بندہ ویسے ہی دوسروں کی نظروں سے گر کر مر جاتا ہے ۔۔۔''سعد نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔ طرف بڑھایا۔

''تم اس کا گھٹیا پن دیکھو، اگر یہی سب کچھ کرنا تھا تو بھلا کیس کرنے کا کیا فائدہ۔۔؟'' ہادی کا غصّہ کسی صورت بھی کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

''ارے یہ سب ذہنی غلام لوگ ہیں، بس کسی نہ کسی طریقے سے حاکم بالا سے اپنی قیمت بڑھواتے ہیں۔۔۔''سعد نے بھی منہ بنا کر تبصرہ کیا۔

''ہاں، اوقات تو اسکی ایک لاکھ کی بھی نہیں تھی، اور کہاں ایک کروڑ۔۔۔'' ہادی نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

''یہ بتاؤ بیرسٹر شیری کو تو خاصا دھچکا لگا ہوگا۔۔۔''

''آف کورس یار، اس کی وجہ سے اس بیچاری نے گولیاں تک برسا لیں اپنی گاڑی پر۔۔۔'' ہادی کو میٹھی چائے بھی اس وقت سخت کڑوی لگ رہی تھی۔

لیکن ایک بات تو اب طے شدہ ہے۔۔۔''سعد نے ہلکا سا توقف دیا تو ہادی نے سوالیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔

''میر فیملی اس معاملے میں ہے خوش قسمت، ان کو سیاست کرنا آتی ہے۔۔۔''

''بے فکر رہو، کسی دن اونٹ پہاڑ کے نیچے ضرور آئے گا۔۔۔'' ہادی نے منہ بنا کر کہا۔

''دل کو بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔۔۔''سعد نے اس بات کو مذاق میں اڑایا تو وہ سچ مچ بُرا مان گیا، ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ اس نے باقاعدہ ٹرے میں پٹخا تھا اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گھر کے اندرونی پورشن کی طرف بڑھ گیا۔ سعد حیرانگی سے اسکی طرف دیکھتا رہ گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کیس کے معاملے میں اتنا سیریس بھی ہو سکتا ہے۔

☆......☆......☆

''یہ کیا چل رہا ہے تم دونوں کے بیچ۔۔۔؟؟؟''

تاجدار بیگم اس دن شاہ میر کا بازو مضبوطی سے پکڑے ہوئے اپنے بیڈروم میں لے آئیں، دروازہ اچھی طرح لاک کر کے انہوں نے کڑے تیوروں کے ساتھ اپنے سب سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے کو دیکھا، جو بڑے پرسکون انداز میں کھڑا ان کا دل جلا رہا تھا۔

''میں کیا پوچھ رہی ہوں، یہ کیا سلسلہ چل رہا ہے تم دونوں کے درمیان۔۔۔؟'' انہوں نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

''وہی جو آپ نے دیکھا۔۔۔۔''

شاہ میر، اس گھر کا سب سے زیادہ پر اعتماد اور بے باک لڑکا تھا۔ لگی لپٹی تو اسے رکھنی آتی نہیں تھی اور یہ بات گھر کے سبھی مکین اچھی طرح سے جانتے تھے۔ اس کا جواب سنتے ہی تاجدار بیگم کو ایک جھٹکا لگا، ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی بات سے مکر جائے گا۔

''شادی کرنا چاہتا ہوں میں طوبیٰ سے۔۔۔'' شاہ میر کی اگلی بات نے ان کا دماغ گھما دیا۔

''ایسا ممکن نہیں ہے۔۔۔'' انہوں نے اس بار اپنے بیٹے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسکے حوصلے پست کرنے کی کوشش کی۔

''وجہ پوچھ سکتا ہوں۔۔۔'' اسکے چہرے پر موجود استہزائیہ مسکراہٹ نے تاجدار بیگم کے ہوش ضرور اڑا دیئے۔

''تمہارے داجی، نمیرہ کے لیے سوچ بیٹھے ہیں۔۔۔'' تاجدار بیگم کی بات پر وہ بدک کر پیچھے ہٹا اور ماں کی طرف یوں دیکھا، جیسے انہوں نے اس صدی کی سب سے عجیب بات سنا دی ہو۔

''نمیرہ اور میں۔۔۔۔؟؟؟؟'' اس نے ہاتھ کی انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا اور تصدیق چاہی۔

''ہاں، تم دونوں۔۔۔'' انہوں نے قدرے خفیف انداز سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، صاف منع کر دیں میری طرف سے۔۔۔'' اس کے باغیانہ انداز پر تاجدار بیگم نے جھنجھلا گئیں۔

''بے وقوف لڑکے، اس گھر میں وہی ہوتا ہے جو تمہارے داجی چاہتے ہیں۔۔۔''

''ہاں تو وہ اس گھر میں جو کچھ مرضی کریں، میں نے کون سا منع کیا ہے انہیں لیکن۔۔۔۔'' وہ اپنی بات کرتے کرتے رکا۔

''لیکن کیا۔۔۔؟؟؟'' تاجدار بیگم کے چہرے پر تفکر کے گہرے سائے ابھرے۔

''اپنی زندگی سے کھیلنے کا حق کسی کو نہیں دوں گا میں، چاہے وہ میرا سگا باپ یا اسکا باپ ہی کیوں نہ ہو۔۔۔'' اس کا زہر خند لہجہ اور دوٹوک انداز اسکی ماں کے دل و دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجا گیا۔ شاہ میر نے اپنی بات مکمل کی اور غصے سے پاؤں پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ تاجدار بیگم کا دل دھک کر کے رہ گیا، وہ پریشانی سے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

☆......☆......☆

شہزاد نے صبح صبح ارتضیٰ حیدر کے ساتھ اسکے آفس میں چھاپہ مارا۔

وہ اچانک اسے سامنے دیکھ کر ہڑبڑا کر اٹھا، وہ بغیر کسی اطلاع کے وہاں پہنچی تھی۔ اسکے چہرے کے تاثرات دیکھ کر وہ ہلکی سی خجالت کا شکار ہوئی۔

"آئی ایم سوری، میں آپ کو انفارم نہیں کر سکی۔۔۔"

"اٹس، اوکے۔۔۔" ہادی نے ان دونوں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "چائے لیں گے یا کافی۔۔۔؟"

"کچھ بھی نہیں، ہمیں شجاع غنی کے گھر کا ایڈریس چاہیے۔۔۔"

"وہ تو آپ یہاں کے پولیس اسٹیشن میں فون کر کے ایس ایچ او سے بھی لے سکتے تھے۔۔۔" ہادی نے مسکرا کر ارتضی کو جواب دیا۔

"میر حاکم علی کے علاقے کے تھانے میں ایسی کوئی بات ہو اور ان تک نہ پہنچے، ایسا ممکن نہیں۔۔۔" اس دفعہ جواب ارتضی کی طرف سے آیا تھا، وہ شاید اسی لیے اس وقت پولیس یونیفارم میں نہیں تھا۔

"میرا آفس بھی انہی کے علاقے میں ہے۔۔۔" ہادی نے ہلکے پھلکے انداز میں انہیں چھیڑا۔

"آپ اگر میم عالیہ قریشی کے بیٹے نہ ہوتے تو شاید ہم اس آفس سے بھی سو میل کے فاصلے سے گذرتے۔" اس دفعہ جواب شہرزاد کی طرف سے آیا تھا، اس نے مسکرا کر سامنے بیٹھی لڑکی کی طرف دیکھا، جس سے اس کی والدہ بہت زیادہ امپریس تھیں۔

"میں ساتھ چلوں یا ڈرائیور کو بھجوا دوں۔۔۔؟؟؟"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔۔۔"

"میرا خیال ہے، آپ لوگ ہی ہو آئیں، کیونکہ ہو سکتا ہے میں اسے دیکھ کر اپنا غصّہ کنٹرول نہ کر پاؤں۔۔" اسکی صاف گوئی پر شہرزاد نے حیرانگی سے اسکی طرف دیکھا۔ "وہ کیوں۔۔۔؟؟؟"

"اس کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ شجاع غنی کو مال روڈ پر پھانسی کے پھندے پر لٹکا دے۔۔" کمپیوٹر پر کام کرتے سعد نے پہلی دفعہ گفتگو میں حصّہ لیا۔

"آپ تو اس کیس کو لے کر مجھ سے بھی زیادہ جذباتی نکلے۔۔۔" شہرزاد مسکرائی۔

"اور میں میم عالیہ قریشی کے بیٹے سے اسی چیز کی توقع کر رہا تھا۔۔" ارتضی حیدر نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا تو ایک مسکراہٹ نے ہادی کے لبوں کا بھی احاطہ کیا، شہرزاد اور ارتضی دونوں، اسکے ڈرائیور کے ساتھ شجاع کے گھر کی طرف نکل گئے تھے لیکن اس کیس کے حوالے سے ان کے ستارے شاید گردش میں تھے اس لیے شجاع غنی کے گھر کے دروازے پر ایک بڑا سا قفل ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

"وہ لوگ تو کل ہی پنڈی شفٹ ہوئے ہیں۔۔۔" یہ اطلاع ان کے پڑوسی کی طرف سے ملی۔

"اوہ شٹ۔۔۔!!!" شہرزاد جھنجھلا کر دوبارہ گاڑی میں آن بیٹھی۔

''پنڈی کا ایڈریس ڈھونڈنا بھی کوئی مشکل نہیں، میں اسے پاتال سے بھی نکال لاؤں گا۔۔'' ارتضی نے اسے تسلی دی۔

''لیکن کیا فائدہ۔؟ آج شام وہ پریس کانفرنس کرنے والا ہے، ہمیں اس سے پہلے ملنا چاہیے تھا اس سے۔'' شہزاد کے لہجے میں مایوسی در آئی۔

''مجھے لگتا ہے وہ میر حاکم کے اسلام آباد والے گھر میں ہوگا۔۔'' ارتضی کی بات پر وہ چونکی۔

''آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے۔۔۔؟''

''یہ فیملی بہت شاطر ہے انہیں اندازہ ہوگا کہ ہم لوگ اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں گے، اس لیے انہوں نے اسے انڈر گراؤنڈ کروادیا'' ارتضی کی بات میں دم تھا تبھی وہ اس سے متفق ہوئی۔

''لیکن اس کیس میں نہ سہی، کسی اور میں، اس خاندان کو لوہے کے چنے چبواؤں گی ضرور۔۔'' شہزاد کا لہجہ تنفر میں ڈوبا ہوا تھا۔

''پروفیشنل لائف میں اتنا پرسنل ہونا اچھا نہیں ہوتا۔۔۔'' ارتضی نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''شاید نہ ہوتی، اگر انہوں نے میری گاڑی پر فائرنگ کروا کر مجھے دھمکانے کی کوشش نہ کی ہوتی۔'' اس کے پاس بھی اپنی بات کا بہترین جواز موجود تھا۔

''اینی ہاؤ، میں اس کیس میں ہی نہیں، ہر کیس میں آپ کے ساتھ ہوں۔۔'' ارتضی کا لہجہ معنی خیز تھا لیکن وہ اس وقت سوچوں کے اژدھام میں الجھی ہوئی تھی اس لیے نوٹ نہیں کر پائی۔ ان دونوں کی گاڑی اب مری ایکسپریس وے کی جانب دوڑ رہی تھی۔

☆......☆......☆

مونیکا نے سیل فون پر ذوالکفل کا نمبر ملایا، کافی دیر تک گھنٹیاں بجتی رہیں، لیکن کال ریسیو نہیں کی گئی، اسے اپنے اعصاب چٹختے ہوئے محسوس ہوئے، پچھلے تین دن سے وہ یہ نمبر بارہا ملا چکی تھی لیکن کبھی پاورڈ آف ملتا، اور اگر بیل جاتی تو اٹینڈ نہیں کیا جاتا۔

مونیکا کو لگ رہا تھا جیسے اسکی کشتی کسی منجدھار میں آکر پھنس گئی ہو، اس کی بھوک پیاس اڑ چکی تھی اور اسکی والدہ تاسف بھری نگاہوں سے اسکی طرف دیکھتی تھیں، اب تو مونیکا نے دوبارہ ان کے ساتھ چرچ جانا بھی شروع کر دیا تھا اس لیے ان کا دل اس طرف سے بھی مطمئن ہو چکا تھا۔

''اے رب العالمین، مجھے اس مشکل وقت سے نکال دے، مجھ پر میری طاقت سے زیادہ بوجھ مت ڈالنا۔'' زیرِ لب دعا مانگتے ہوئے اس نے ایک دفعہ پھر ذوالکفل کا نمبر ملایا، تیسری بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی مونیکا کی ڈوبتی ہوئی نبض کو ایک دم ہی سہارا ملا۔

مانوس گھمبیر آواز اسکی سماعتوں میں پہنچی اور اس کی دھڑکنوں کو قرار آ گیا۔ ''مونیکا کیسی ہو تم۔۔؟''

''میں ٹھیک ہوں، لیکن تم کہاں ہو، ہزار دفعہ تمہارا نمبر ملا چکی ہوں۔۔''

''سوری یار میرا سیل فون اس ٹرپ کے دوران ایک ندی میں گر گیا تھا، اور آج ہی لاہور پہنچ کر نیا فون خریدا ہے۔۔'' ذوالکفل نے شرمندگی سے وضاحت دی، وہ اسکی پریشانی سمجھ سکتا تھا۔ وہ شمالی علاقہ جات کی سیر و تفریح سے لوٹا تھا۔

''لیکن تم کسی اور کے فون سے تو بتا سکتے تھے ناں، تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ کتنی اذیت میں ہوں میں، ایک ایک لمحہ قیامت بن کر گذر رہا ہے مجھ پر۔۔'' ہونٹوں پر پھسلتی نمکینی کو محسوس کر کے اسے علم ہوا کہ وہ رو رہی تھی۔

''آئی ایم سو سوری یار۔۔۔'' دوسری طرف وہ جان چکا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔ ''پلیز مونیکا، چپ کر جاؤ میں بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں۔۔''

''تم بتاؤ، میں کیا کروں۔؟ میکائیل پاکستان آ رہا ہے۔۔'' پرحدت قطرے مسلسل مونیکا کی گالوں پر لڑھک رہے تھے۔

''میری مانو، تم فوراً لاہور آ جاؤ، ہم یہاں کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔۔'' ذوالکفل نے اسکی ڈوبتی ہوئی نبض کو زندگی بخشی۔ اسی وقت اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی، مونیکا نے پھرتی سے فون بند کیا اور جلدی سے آنکھیں صاف کر کے دروازہ کھولا تو سامنے اسکی چھوٹی بہن کھڑی تھی۔

''دروازہ لاک کر کے تم کیا کر رہی تھیں۔۔۔؟'' وہ مشکوک ہوئی۔

''کچھ نہیں کپڑے چینج کرنے لگی تھی۔۔'' مونیکا خود کو سنبھال چکی تھی، ویسے بھی ذوالکفل سے بات کر کے وہ اب ذہنی طور پر پرسکون تھی۔

''باہر آ کر دیکھو، ممی اور پاپا میں سخت جھگڑا ہو رہا ہے۔۔'' وہ فکرمند انداز میں گویا ہوئی۔

''کیوں۔۔؟'' مونیکا کو سخت حیرانگی ہوئی، کیونکہ مارتھا اور جارج میں بلا کی ہم آہنگی تھی، اس نے ان دونوں کو کبھی لڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ جلدی سے باہر نکل آئی، سامنے لاؤنج میں کھڑا جارج چیخ رہا تھا۔

''بے وقوف عورت تم یہ کیوں نہیں دیکھ رہی ہو کہ وہ گھر کتنا سستا مل رہا ہے، میں ساری زندگی کرائے کے گھروں میں دھکے نہیں کھا سکتا۔۔''

''اور تم یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہے ہو کہ اس گھر کے برابر میں مسجد ہے۔۔'' مارتھا جھنجھلا کر گویا ہوئیں۔

''تو کیا چرچ کے آس پاس مسلمانوں کے گھر نہیں ہوتے۔۔؟'' جارج کو بے تحاشا غصہ آ رہا تھا، مونیکا کو دیکھ کر وہ تھوڑا دھیما ہوا۔

''تم اپنی ماں کو سمجھاؤ، تھوڑا عقل سے کام لے، اتنی مناسب قیمت میں اتنا اچھا گھر مل رہا ہے، جو میں اسکی فضول منطق کے پیچھے نہیں چھوڑ سکتا۔'' انہوں نے اپنی سب سے بڑی بیٹی کو بھی اس معاملے میں شریک کیا۔

''یہ تو طرفداری کرے گی ہی۔۔'' مارتھا کے طنز پر مونیکا کا رنگ اڑا۔

''وہ تمہاری طرح احمق نہیں ہے۔۔۔'' جارج نے فوراً اپنی بیٹی کی حمایت کی۔

''ممی، اگر گھر اچھا ہے تو خرید لینے میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔۔'' وہ محتاط انداز میں گویا ہوئی۔

''دیکھا، میں نے کہا تھا ناں، یہ تو باپ کی چہیتی ہے، اس کی ہر بات پر حمایت کرنے والی۔۔۔'' مارتھا اب اس سے بھی خفا ہو گئی تھی۔اس کی چھوٹی بہن بھی کمرے میں آ گئی تھی۔

''ممی، لینے دیں ناں پاپا کو گھر، یہ بھی تو دیکھیں، کتنے سالوں سے ہم رینٹ پر رہ رہے ہیں، اچھا ہے ناں اپنا گھر ہو جائے گا۔۔۔''

''لو اسکی کمی تھی، وہ بھی پوری ہو گئی۔۔۔'' مارتھا نے بیزاری سے اپنی چھوٹی بیٹی کی طرف دیکھا، جو باپ کے بالکل ساتھ جا کر بیٹھ گئی تھی۔جب کہ بیٹیوں کی طرفداری نے جارج کا موڈ خوشگوار کر دیا تھا۔

''اب بتاؤ، کیا کہتی ہو۔۔۔؟؟؟'' وہ مسکرا رہے تھے۔

''ظاہر ہے اب تو وہی ہو گا جو باپ بیٹیاں، چاہیں گی۔۔۔'' مارتھا نے ہتھیار ڈال دیئے تھے، مونیکا فوراً اٹھی اور محبت سے ماں کے گلے میں بازو ڈال دیئے۔

''میں ممی کے ساتھ ہوں، جیسا وہ چاہیں گی، وہی ہو گا۔۔۔'' اس نے ماں کو مسکا لگایا

''میں تو فی الحال یہی چاہتی ہوں، جہاں بھی جاؤں، پہلے تمہارا فرض ادا کر دوں۔ پوچھیں میکائیل سے کب کی فلائیٹ ملی ہے اسے۔'' وہ ہلکا سا منہ بنا کر بولیں، مونیکا کی ان کے گلے میں گرفت ڈھیلی ہو گئی، اور ساتھ ہی اسکا چہرہ بھی تاریک ہو گیا۔

''فی الحال تو تم لوگ، پیکنگ اسٹارٹ کرو، اب جو ہو گا نئے گھر میں جا کر ہو گا۔۔'' جارج اپنی بیوی کے مان جانے پر خوش تھا۔اس کا بہت سالوں سے اپنا گھر خریدنے کا خواب پورا ہونے جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

اس نے پردہ سرکا کر کھڑکی کے پٹ وا کیے۔۔۔

اس گھر میں انہیں چھتیس گھنٹے سے زائد کا وقت ہو چکا تھا۔

وہ رات جو خدشات اور وہموں سے سے شروع ہوئی تھی اسکا اختتام بہت خوبصورت انداز میں ہوا تھا۔

رومیصہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ سامنے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا شخص کبھی اس کی زندگی میں اتنا اہم ہو جائے گا کہ اس سے الگ ہونے کا احساس ہی اسکی رگوں سے جان نکال دینے کے مترادف ہو گا۔

ایک نا آسودگی کا جال جس میں وہ ہمیشہ سے قید تھی، اسے وہاں سے آزادی مل گئی تھی۔ ایسی خوشی تھی جس نے اسے نہال کر دیا تھا۔

رومیصہ سر جھکائے یوں بیٹھی تھی جیسے اس شخص کے سامنے اب کبھی بھی سر اٹھا نہیں سکے گی، لہو گرما دینے والی اسکی نظریں رومیصہ کے چہرے کو سلگانے لگیں۔

''ہمیں اب اس گھر کو چھوڑنا ہو گا رومیصہ۔۔۔'' اس کی نرم آواز رومیصہ کی سماعتوں تک پہنچی۔

رومیصہ کو اپنا نام اس سے پہلے اتنا معتبر اور پیارا کبھی بھی محسوس نہیں ہوا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اسکی طرف دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں امڈنے والے آنسو اس شخص کو تکلیف دے رہے تھے۔

''میں کوشش کروں گا، تمہارے ساتھ اگر کچھ اچھا نہ کر سکوں تو میرا وعدہ ہے کبھی بُرا بھی نہیں کروں گا۔۔۔''

''تم مجھے چھوڑ کر کہاں جاؤ گے۔۔۔؟'' اس نے آنسوؤں سے تر چہرہ اٹھایا۔

''اگر اس طرح روؤ گی تو شاید کہیں بھی نہ جا پاؤں۔۔۔'' وہ رخ موڑ کر ڈریسنگ کے شیشے کے عین سامنے جا کھڑا ہوا۔

''اور اگر میں نہ جانا چاہوں تو۔۔۔؟''

وہ شدید بے بسی محسوس کر رہا تھا۔۔۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی زندگی کے اس مقام پر ہوں جہاں شاید تمہارے لیے کچھ نہ کر پاؤں۔۔'' اسکے دل گرفتہ انداز پر رومیصہ کی آنکھوں کی روشنی مدھم ہوئی۔ وہ شکست خوردہ انداز میں اسکے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''میں تمہارا انتظار کر سکتی ہوں۔۔۔'' وہ ان لمحات میں ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے کئی صدیوں کی مسافت طے کر چکی ہو۔

''اگر حالات کے گرداب میں پھنس گیا تو کیا کرو گی۔۔۔'' اس لمحے وہ رومیصہ کو خاصا بے رحم لگا۔۔

''پھر وہ اعتراف محبت کیوں کیا تم نے۔؟ کیوں میری پرسکون زندگی میں اپنے نام کا پتھر پھینکا، پہلے کیا کم تھیں اذیتیں جو تم بھی حصہ ڈالنے چلے آئے۔'' وہ جیسے ہوش میں آ کر ہذیانی انداز میں چیخی۔

''سب لوگ میرے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں، کسی کو بھی مجھ پر ترس نہیں آتا۔۔۔'' وہ دھواں دھار انداز میں رو پڑی۔ اس کا دل کٹ کر رہ گیا، وہ فوراً اس کے پاس بیٹھا اور نرمی سے اسکا ہاتھ پکڑا، جو اس نے ناراضی سے چھڑا لیا تھا۔

''ایسا مت کرو میرے ساتھ۔۔۔'' وہ التجائیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔

اسی وقت اس کے سیل فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے جلدی سے فون اٹینڈ کیا اور عجلت بھرے انداز میں گویا ہوا۔

''کہاں ہو تم۔۔۔؟ اوکے، ہم لوگ آ رہے ہیں۔۔۔''

وہ فون بند کر کے دوبارہ اسکی طرف متوجہ ہوا ''دیکھو رومیصہ۔۔۔'' اس نے محبت سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"مجھے اب کچھ نہیں دیکھنا۔۔" وہ کسی ضدی بچے کے انداز میں بسوری تو وہ مسکرا دیا۔

"دیکھو میرا وعدہ ہے تم سے رابطے میں رہوں گا، میرا سیل نمبر تمہارے پاس بھی تو ہے۔ جیسے ہی حالات کچھ بہتر ہونگے تو ہم کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیں گے۔"

اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے اسکے آنسو چنے، رومیصہ نے بے یقینی سے اسکی طرف دیکھا۔

"سچ کہہ رہے ہو۔۔؟" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"تمہارے اور میرے رشتے میں اب کسی جھوٹ کی گنجائش نہیں نکلتی تم نے اپنی ساری زندگی کی داستان کھول کر میرے سامنے رکھ دی، میں مانتا ہوں تمہارا ماضی بہت تلخ ہے لیکن میں کوشش کروں گا کہ تمہارے مستقبل کو تمہارے لیے آسان اور خوبصورت بنا سکوں۔" درشہوار کا دل اسکی بات پر تھوڑا مطمئن ہوا۔

اس کے لہجے کی سچائی رومیصہ کے دل میں خود بخود جگہ بنا چکی تھی تبھی وہ اس دفعہ نم آنکھوں کے ساتھ پورے دل سے مسکرا دی۔

☆......☆......☆

اس واقعے کے بعد سے طوبیٰ، تاجدار بیگم کی کاٹ دار نگاہوں سے چھپتی پھر رہی تھی، ان کا مزاج سخت برہم تھا اور گھر بھر کے نوکروں کی شامت آئی ہوئی تھی ان کی دونوں دیورانیاں ندرت بیگم اور شارقہ بیگم آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے ان کے خراب موڈ کی اصل وجہ پوچھتی پھر رہی تھیں، لیکن میر ہاؤس میں سوائے طوبیٰ اور شاہ میر کے کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ آجکل ہر ایک پر اتنا کیوں بگڑ رہی ہیں۔

"طوبیٰ بی بی، درشہوار باجی کب آئیں گی ۔۔۔" صندل کی چھوٹی بہن سندس نے کمرے کی ڈسٹنگ کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"کیوں، تمہیں اس سے کوئی کام ہے کیا۔۔؟" طوبیٰ کا لہجہ بیزاری میں ڈوبا ہوا تھا۔

"کام تو کوئی نہیں ہے جی، لیکن ان کے جانے کے بعد پورا گھر اداس، اداس لگتا ہے۔۔" سندس کی بات پر طوبی نے چونک کر اسکی طرف دیکھا اور ایک خیال نے اس کے ذہن کا احاطہ کیا۔

"تمہیں اپنی بڑی بہن صندل یاد نہیں آتی سندس۔۔؟؟؟"

"بہت آتیں ہیں طوبی بی بی، دو ہی تو بہنیں تھیں ہم۔۔" سندس کی آنکھیں بھر آئیں۔

وہ ڈسٹنگ چھوڑ کر کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ صندل سے دو سال چھوٹی تھی اور میر ہاؤس میں ذرا کم ہی آتی تھی، اپنی ماں اور بہن کی میر ہاؤس میں مصروفیت کی وجہ سے اس نے اپنے گھر اور چھوٹے بہن بھائیوں کی ذمے داریاں سنبھال رکھی تھیں۔

"تمہیں کچھ پتا ہے، اس نے خودکشی کیوں کی۔۔۔"؟ طوبیٰ نے نظریں چرا کر اس سے پوچھا۔

''مجھے صرف اتنا پتا ہے بی بی جی، وہ کسی چھوٹی موٹی بات پر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتی، اسے تو موت سے بڑا ڈر لگتا تھا۔'' سندس افسردگی سے گویا ہوئی۔

''اس نے کبھی تم سے کوئی بات شیئر نہیں کی، میرا مطلب ہے جب وہ نور محل سے واپس آئی تھی۔۔۔'' طوبی نے آج گڑے مردے اکھاڑنے کی کوشش کی۔

''کاش کہ کر لی ہوتی۔۔۔'' وہ دوبارہ سے اٹھ کر ڈسٹنگ کرنے لگی۔

''اگر تمہیں پتا چلے کہ اسے کسی نے اس کام کے لیے مجبور کیا تھا تو۔۔۔؟''

''کس کام کے لیے۔۔۔؟'' سندس نے حیرانگی سے اسکا چہرہ دیکھا۔

''مرنے کے لیے۔۔۔'' وہ محتاط انداز میں گویا ہوئی۔

''میں منہ نوچ لوں گی اس خبیث بندے کا۔۔۔'' سندس کے لہجے کی بے ساختگی اس بات کی گواہ تھی کہ وہ واقعی ایسا کر گذرے گی۔

''کیا آپ کو لگ رہا ہے کہ ایسا کچھ ہوا ہوگا۔۔۔'' سندس بلا کی ذہین تھی، طوبیٰ ہلکا سا گڑبڑا گئی۔

''لو مجھے کیوں لگنا تھا بھلا۔۔۔'' وہ صاف مکر گئی۔

''چھوڑو تم ان باتوں کو، یہ ریک میں کتابیں ذرا ترتیب سے لگاؤ۔۔۔'' طوبیٰ نے جلدی سے موضوع گفتگو بدلا۔ ویسے بھی اسے سندس کی کھوجتی ہوئی نظروں سے گھبراہٹ ہو رہی تھی، اس نے چند لمحے اسکی طرف دیکھا اور پھر کندھے اچکا کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

''آپ نے مجھے کہا تھا، فرسٹ ائیر کی کتابیں لے جانا، میرا میٹرک کا رزلٹ بس آنے ہی والا ہے۔'' اسکا دھیان دوسری طرف لگ گیا۔

''دیکھ لو، ان میں سے جو جو چاہیے، لے جاؤ۔۔۔'' طوبیٰ نے اکتاہٹ بھرے انداز میں کہا اور بیڈ سے ٹیک لگائی۔

سندس بڑے شوق اور دلچسپی سے اپنے مطلب کی کتابیں چھانٹنے لگی، انگلش، اردو، اسلامیات اور پاک اسٹڈیز کی کتابیں ہی اس کے کام کی تھیں باقی سائنس سبجیکٹس اسے نہیں چاہیے تھے۔

''میں یہ سب لے کر جا رہی ہوں طوبی بی بی۔۔۔'' سندس نے کتابوں کو چھانٹ کر ایک سائیڈ پر کر لیا۔

''ہاں ہاں لے جاؤ، مجھے اب ان کی ضرورت نہیں۔۔۔'' طوبیٰ ہنوز آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی، اسکا دماغ مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ درشہوار کے میر ہاؤس میں نہ ہونے کی وجہ سے راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا، نمیرہ کے ساتھ اسکی کوئی خاص نہیں بنتی تھی۔ جب کہ انابیہ یونیورسٹی گئی ہوئی تھی۔

سندس ساری کتابیں اٹھا کر سرونٹ کوارٹر میں لے آئی، رات کو گھر کے کاموں سے فراغت پا کر وہ یونہی کتابیں کھول کھول کر دیکھنے لگی، صندل کی نسبت اسے پڑھائی کا بے تحاشا شوق تھا۔

پاکستان اسٹڈیز کی کتاب کی جلد تھوڑا خراب تھی، وہ اخبار اٹھا کر اس پر کور چڑھانے لگی، اس کے چھوٹے بہن بھائی بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے، وہ کتاب پر کور چڑھانے میں مگن تھی، جب ایک چھوٹا سا پرچہ کتاب سے نکل کر اس کی گود میں آن گرا۔

اس نے بے دھیانی میں اٹھایا اور جیسے ہی اس پر نظریں دوڑائیں، اس کا دماغ بھک کر کے اڑا، وہ صندل کی لکھائی ہزاروں میں بھی پہچان سکتی تھی۔ سندس کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی، جیسے جیسے وہ اس پر نظریں دوڑا رہی تھی، ویسے ویسے اس کے دماغ میں حشر برپا ہو رہا تھا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا، کب رشیدہ بیگم اسکے سر پر آن کھڑی ہوئیں۔

''یہ کیا ہے تمہارے ہاتھ میں۔۔؟'' وہ تھوڑا مشکوک ہوئیں۔

''صندل کا رقعہ۔۔۔'' سندس نے سر اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا، اسکی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئیں تھیں۔ جب کہ رشیدہ بیگم ہکا بکا انداز میں اسکی طرف دیکھ رہی تھیں، جیسے اس کی بات سمجھنے سے قاصر ہوں۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

رشیدہ بیگم کسی چیل کی مانند صندل کے ہاتھ کے لکھے رقعے پر جھپٹیں۔۔۔

پانچ جماعت پاس رشیدہ کی نظریں جوں جوں اس کاغذ پر پھسل رہی تھیں، اس کی بیٹی پر گذری ہوئی قیامت اس کے اپنے دل پر قطرہ قطرہ اتر رہی تھی۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کی رگوں کو پکڑ کر ربڑ کی طرح کھینچ لیا ہو اور خون میں زہر کے ذرات شامل کر دیئے ہوں۔ اسے اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔

''اوہ میرے خدایا، اتنا بڑا ظلم۔۔۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو قطار کی صورت میں بہہ نکلے۔

زمین کیوں نہ پھٹی، آسمان کیوں نہ گرا۔۔۔

محافظ ہی جب لٹیرے بن جائیں تو انسان کس سے منصفی چاہے۔۔۔

رشیدہ کے ہاتھ سے کاغذ چھوٹ کر زمین پر جا گرا اور وہ خود بھی صدمے سے نڈھال زمین پر بیٹھ گئی، اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ایسے بین ڈالے کہ مری شہر کے سارے پہاڑ زمین بوس ہو جائیں۔

وہ جو سمجھتی تھی کہ صندل پر کسی آسیب کا سایہ ہو گیا ہے اور اس نے اس بھوت کا مکروہ چہرہ وہاج کی شکل میں دیکھ لیا تھا اور اس کربناک حقیقت کو تسلیم کرنے کے لیے فی الحال دل و دماغ راضی نہیں تھے۔۔۔

''اماں تجھے اپنی بیٹی کی آنکھوں میں چھپی اذیت کیوں سمجھ نہیں آئی۔ مائیں تو بیٹیوں کے دلوں میں جھانک لیتی ہیں۔۔'' سندس بے آواز رو رہی تھی اور اس کے چھوٹے بہن بھائی الجھن بھری نگاہوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔۔

رشیدہ کی تو لگتا تھا کہ قوت گویائی ہی چھن گئی تھی، اس نے پورا زور لگا کر بولنے کی کوشش کی لیکن گلا ساتھ چھوڑ گیا تھا، بے بسی کے گہرے احساس کے ساتھ اسکی آنکھیں بھی نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔

''اماں، تیری بیٹی تو بہت غیرت اور حیا والی نکلی، اس نے کسی اور امتحان میں ڈالنے کی بجائے، خود موت کا کفن پہن لیا۔۔۔'' سندس کی باتیں اسکی ماں کا کلیجہ چیر رہی تھیں، لیکن رشیدہ کی تو عمر بھر کی کمائی اس کے مالکوں نے لوٹ لی تھی، اس صدمے نے اسے گنگ کر دیا تھا۔

''اماں، تو بولتی کیوں نہیں ہے۔۔۔۔۔'' سندس بے ساختہ ماں کے گلے لگی اور ہچکیوں میں رونے لگی۔

''یہ تو سراسر ظلم ہے، وہاج صاحب نے کیا میری بہن کو کوئی مٹی کی بے جان مورتی سمجھ لیا تھا، ارے کچھ تو اتنے سالوں کی غلامی اور وفاداری کا خیال کیا ہوتا، انہوں نے تو کتوں سے بھی بدتر سلوک کیا ہمارے ساتھ۔۔'' وہ روتے ہوئے بے ربط انداز میں بول رہی تھی۔

''ان کو ذرا شرم نہیں آئی، اگر در شہوار بی بی کے ساتھ کوئی ایسا کرئے، تو ان کے دل پر کیا گذرے۔۔۔'' سندس کا دل پھٹ رہا تھا اور اسکی باتیں اسکی ماں رشیدہ کے دل و دماغ کے پرخچے اڑا رہی تھیں۔

''اللہ کرئے برباد ہو جائیں سارے کے سارے، کہیں منہ دیکھانے کے قابل نہ رہیں، کیڑے پڑیں ان کی قبروں میں۔۔۔'' وہ جذباتی ہو کر اب بد دعاؤں پر اتر آئی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ میر ہاؤس کے سارے مردوں کو ایک قطار میں کھڑا کر کے گولیوں سے اڑا دے۔

''اماں، بولتی کیوں نہیں ہے، کیا تیری زبان بھی صندل کے ساتھ ہی قبر میں دفنا دی کسی نے۔۔۔'' اس نے اپنی ماں کا کندھا جارحانہ انداز میں ہلایا اور رشیدہ خاتون ایسے جھٹکے سے جاگی، جیسے کسی نے گہری نیند میں ٹھنڈے پانی کا جگ اس پر انڈیل دیا ہو۔

''یہ سب گھٹیا لوگ ہیں، ابا سے بات کر، اب ہمیں یہاں ایک منٹ کے لیے نہیں رکنا۔ سندس کو ایک دم ہی میر ہاؤس میں اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوا، اس نے ایک دم ہی فیصلہ کیا اور کھڑی ہو گئی۔۔۔ وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

''کاکے جا، بھاگ کر ابّا کو بلا کر لا۔۔۔'' سندس نے اپنے چھوٹے بھائی کو باہر دوڑایا۔۔۔

''ابھی لایا باجی۔۔۔'' وہ خوفزدہ ہو کر باہر نکلا، ان دونوں کو اصل بات کی سمجھ نہیں آئی تھی لیکن ماں اور بہن کی حالت انہیں یہ سمجھانے کے لیے کافی تھی کہ ان کے خاندان پر کوئی بڑی قیامت گذر چکی ہے۔

سندس نے کمرے میں موجود واحد الماری سے کپڑے نکال نکال کر زمین پر پھینکنے شروع کر دیئے، جب کہ رشیدہ خاتون نے چارپائی کے پائے کو پکڑ کر اٹھنے کی ناکام کوشش کی، اور لڑکھڑا گئی، اسے لگا جیسے وہ ساری زندگی نہ تو اپنی اولاد کے سامنے اور نہ ہی زمین پر اپنے قدموں پر کھڑی ہو سکے گی۔

☆......☆......☆

وہ اوائل سردیوں کی ایک چمکیلی سی صبح تھی۔۔۔!!!

کرن اور انابیہ کی پہلی کلاس پروفیسر علوی کے نہ آنے کی وجہ سے ملتوی ہو گئی تھی اور وہ دونوں کیفے ٹیریا سے ڈیسپوزیبل کپوں میں چائے لے کر پارکنگ کے پاس بنی چھوٹی سی منڈیر پر آن بیٹھیں۔

یہ ان دونوں کی پسندیدہ جگہ تھی۔ کرن کے ہاتھ میں گرما گرم فرنچ فرائز کی پلیٹ تھی جس کے ساتھ وہ دونوں ہی اس وقت بھرپور انصاف کر رہی تھیں۔۔۔

''بات سنو انابیہ۔۔۔'' کرن کے مخاطب کرنے پر اس نے سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔ ''سر برہان جیسے ہی مائیکرو اکنامکس کا پیپر بنا لیں، کسی طرح ان کے کمرے سے اڑانے کی کوشش کرنا۔'' کرن کے شرارتی انداز پر انابیہ کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑی۔

''پیاری بہن، ابھی میں نے اپنی ٹانگوں کی انشورنس نہیں کروائی۔۔۔'' اس نے منہ بنا کر جواب دیا۔

''دیکھو سنئیر ز بتا رہے تھے کہ وہ پیپر بہت مشکل اور ٹیکنیکل سا بناتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ انہی کے پیپر میں لڑھک جائیں۔۔'' کرن نے اسے ڈرانے کی کوشش کی تو وہ نہ سمجھ انداز میں اسکی طرف دیکھنے لگی۔''تو پھر میں کیا کروں۔۔۔؟''

''ان سے اہم سوالات کا گیس لے لو، آفٹر آل کزن ہیں وہ تمہارے، اب اتنا حق تو بنتا ہے ناں۔'' کرن نے شوخی سے نظریں گھمائیں۔

وہ آج شرارت کے موڈ میں تھی اور برہان کے حوالے سے اسکی چھیڑ چھاڑ انابیہ کو ہمیشہ ہی اچھی لگتی تھی۔ وہ چاہ کر بھی اسے نہیں بتا سکی کہ حق تو اس کا ساری دنیا سے زیادہ ان پر بنتا تھا لیکن یہ الگ بات تھی کہ وہ اس چیز کو ماننے سے انکاری تھے۔

''ایسی کوئی بات کم از کم میں تو ان کے سامنے منہ سے نہیں نکال سکتی۔۔۔'' انابیہ کے صاف انکار پر وہ مایوس ہوئی۔

''منہ سے بات نہیں کر سکتیں تو سیل فون پر ٹیکسٹ کر کے یا ای میل کے ذریعے پوچھ لو۔'' اس نے جھٹ سے مشورہ دیا۔

''کیوں میرا سر تڑوانے کا ارادہ ہے تمہارا، ان سے ایسی کوئی امید مت رکھنا، اس معاملے میں بہت سخت ہیں وہ۔''

''ماشاء اللہ کیا شیطانی اور سوری لمبی عمر پائی ہے، ابھی نام لیا اور ابھی حاضر ہو گئے۔۔۔'' کرن کی بات پر انابیہ کے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہوئیں۔ برہان کی

گاڑی ابھی ابھی پارکنگ میں آ کر رکی تھی۔ اس گاڑی کو تو وہ حاضر گاڑیوں میں سے بھی سیکنڈوں میں پہچان سکتی تھی۔

'' سر برہان کے ساتھ یہ دوسری لڑکی کون ہے۔۔۔؟؟؟''

کرن کا حیرت میں ڈوبا ہوا جملہ انابیہ کی سماعتوں میں گونجا، تو اس نے سر اٹھا کر سامنے کا منظر دیکھا، برہان کی گاڑی سے مناہل قریشی کے ساتھ ساتھ درشہوار کا اترنا اسے خوشگوار حیرت میں مبتلا کر گیا۔

''ارے یہ تو درشہوار ہے، یہ کیا کرنے آ گئی کیمپس۔۔۔؟''

''کون درشہوار۔۔۔؟'' کرن حیران ہوئی۔۔

''برہان کی سسٹر۔۔۔'' اس نے لاپرواہی سے بتایا۔

''قسم سے خوبصورتی تو ختم ہے تمہارے خاندان پر، کتنی کیوٹ ہے ان کی سسٹر۔۔۔'' کرن نے کافی فاصلے پر بھی درشہوار کے خدوخال کا جائزہ لے لیا تھا۔ وہ اس وقت ہلکے گلابی رنگ کے سوٹ میں کھلتے ہوئے گلاب کی مانند تروتازہ لگ رہی تھی۔

''ایک منٹ کرن، میں ابھی اس چڑیل سے مل کر آتی ہوں۔۔۔'' انابیہ کے لہجے میں اسکے لیے پیار ہی پیار تھا۔

وہ فوراً منڈیر سے اتر کر دبے قدموں درشہوار کی طرف بڑھی۔ وہ اور مناہل دونوں برہان کی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی تھیں

اور انابیہ کی طرف ان کی پشت تھی، اس لیے درشہوار کی ابھی تک اس پر نظر نہیں پڑی تھی۔

برہان اپنے کسی کولیگ کے ساتھ کچھ فاصلے پر ہیلو ہائے کرنے میں مگن تھے اور وہ دونوں شاید ان کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔

"میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ برہان کی بہن اتنی فرینڈلی اور مزے کی ہوگی۔۔۔" مناہل نے درشہوار کی کسی بات پر قہقہہ لگایا۔

"اور میں تو گمان بھی نہیں کر سکتی تھی کہ آپکی برہان بھائی کے ساتھ اتنی زیادہ انڈراسٹینڈنگ ہوگی، وہ تو پورے خاندان میں کسی کو لفٹ نہیں کرواتے، بہت لکی ہیں آپ۔۔۔" درشہوار کے اس جملے نے انابیہ کے قدم وہیں روکے۔

"کیوں، تمہیں اچھی نہیں لگی یہ بات۔۔۔؟" مناہل نے بڑے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"میری تو دعا ہے، آپ دونوں ہمیشہ ایک ساتھ ہنستے مسکراتے رہیں۔۔۔" درشہوار کے اس جملے نے انابیہ کا دماغ بھک کر کے اڑا دیا اور اسے پوری کائنات گھومتی ہوئی محسوس ہوئی، جبکہ درشہوار کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ وہ اپنے مخصوص لاابالی پن میں انابیہ کے جیتے جاگتے دل کے ساتھ کھیل گئی تھی۔

"آپ آئیں ناں مری، میں آپکو اپنی والدہ اور باقی خاندان والوں سے ملواؤں گی۔۔۔"

"ہاں برہان بھی اکثر کہتے رہتے ہیں، لیکن میرے خیال میں ابھی یہ مناسب نہیں ہوگا۔" مناہل نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئی تھی۔

"تو کب آئے گا وہ مناسب وقت۔۔۔؟؟؟" درشہوار نے شرارت سے پوچھا۔۔۔

"یہ تو حالات اور تمہارے بھائی پر منحصر ہے۔۔۔" مناہل نے زوردار ہنسی کے ساتھ جواب دیا، اور اسی لمحے برہان نے پلٹ کر مناہل کی طرف دیکھا، انابیہ فوراً ایک درخت کے پیچھے ہوگئی، برہان کی آنکھوں کی چمک نے اس کے دل کی دنیا میں اندھیر ابرپا کر دیا۔ وہ بڑی محویت اور دلچسپی سے مناہل کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے اس سے اہم دنیا کا کوئی بھی کام نہ ہو۔

انابیہ کے قدموں نے مزید چلنے سے انکار کر دیا، وہ بڑی سرعت سے پلٹی، اسکی آنکھوں کے آگے آنسوؤں کا پردہ حائل ہو گیا، وہ بمشکل چلتے ہوئے کرن کے پاس پہنچی، اور وہاں رکھی اپنی فائل اٹھا کر ڈیپارٹمنٹ کی طرف چل دی۔۔۔

"انابیہ، کیا ہوا تمہیں۔۔۔؟ بات کیوں نہیں کی تم نے اپنی کزن سے۔۔۔؟"

"کچھ نہیں، ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا مجھے۔۔۔۔" اس نے بیدردی سے اپنے بازو کی پشت سے نم آنکھیں صاف کرنے کی کوشش کی۔ آنسوؤں پر اس کا زور نہیں چل رہا تھا، وہ بے اختیار امنڈتے چلے آ رہے تھے۔

وہ ساری دنیا سے اس بے وفائی کی توقع کر سکتی تھی لیکن درشہوار سے نہیں۔۔۔"

اس کے جملوں نے اسے آسمان سے زمین پر لا گرایا تھا، وہ اس کے جذبات و احساسات سے بخوبی واقف تھی۔ اس کے باوجود

اگر وہ مناہل قریشی کے ساتھ اس طرح کی چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی تو یقیناً وہ برہان کے حوالے سے بہت کچھ جانتی تھی اور یہی بات انابیہ کو تکلیف دے رہی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے انابیہ، ایسے رو کیوں رہی ہو۔۔۔'' کرن ایکدم پریشان ہو گئی۔

''نہیں یار، آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے۔۔'' اس نے بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔

''مجھے تو لگتا ہے آنکھ میں کچھ پڑا نہیں بلکہ کسی کے چہرے سے کوئی پردہ ہٹا ہے۔۔'' کرن کے جتاتے ہوئے لہجے میں کچھ تھا۔ وہ نظریں چرا گئی۔ وہ چاہ کر بھی اسے نہیں بتا سکتی تھی کہ کچھ اپنوں کے بدلتے ہوئے رویئے انسان کے دل پر کیسے غضب ڈھاتے ہیں۔۔

☆......☆......☆

شہزاد کے لیے وہ گھڑیاں خاصی کٹھن تھیں۔۔۔!!!

وہ ٹی وی لاؤنج میں لگی فل سائز کی اسکرین پر شجاع غنی کی پریس کانفرنس دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی، جب اس کے سیل فون پر ہم زاد کی کال آئی، اس نے ریموٹ سے ٹی وی کی آواز کم کرتے ہوئے افسردہ ان کال ریسیو کی۔

دوسری طرف ہم زاد ٹی وی کی ہلکی آواز ہی سے سیکنڈوں میں سمجھ گیا تھا کہ وہ اس وقت کس کام میں مگن ہے۔ وہ اس کے جذبات کا بخوبی اندازہ کر سکتا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو شجاع غنی کی کانفرنس دیکھ کر۔۔؟'' ہم زاد کے اس جملے پر وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

''سوچ رہی ہوں، پیسہ اس دنیا کی سب سے بڑی تلخ حقیقت ہے، جو کسی بڑی سے بڑی سچائی کا گلا بڑی آسان سے گھونٹ سکتا ہے۔''

''لیکن یاد رکھنا، سچائی کو بہت دیر تک جھوٹ کے پردوں میں لپیٹ کر نہیں رکھا جا سکتا۔۔''

''کیا فائدہ، جب وقت ہی انسان کے ہاتھوں سے نکل جائے۔۔''

''یاد رکھنا، جو اس وقت ''اوپر'' ہے، اسے ہر حال میں ''نیچے'' بھی آنا ہوگا، تقدیر کا ہاتھ بہت بے رحم ہوتا ہے۔۔'' وہ نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا۔

''فی الحال تو اسکی بے رحم حقیقتوں کو ہمیں ہی جھیلنا پڑ رہا ہے۔۔''

''اتنی جلدی، مایوس ہو گئی ہو کیا۔۔؟'' اس کے لہجے کی نرمی، ہم زاد کے دل پر پھوار بن کر برسی۔۔

''مایوسی کا لفظ شہزاد نے اپنی لغت سے نکال دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں ایک دفعہ پھر پوری قوت سے ان پر جھپٹوں گی۔''

اسکے لہجے کی سچائی گواہ تھی کہ وہ غلط نہیں کہہ رہی۔۔۔۔

''اور یقین مانو، اس پورے سفر میں، میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔۔'' وہ مسکرایا۔۔

''مجھے دوبارہ سے سہاروں کی عادت مت ڈالیں۔۔''اسکی تلخی کی حد کو چھوتی صاف گوئی ہم زاد کا دل دکھا گئی۔

''تمہیں اپنے پیروں پر کھڑے ہونا بھی میں نے ہی سکھایا تھا،تم یہ بات کیوں بھول جاتی ہو۔۔''اس نے اس بات کو مذاق میں اڑا یا۔

''ساری باتیں دل پر لکھی ہیں اور اسی بات کا تو دکھ ہے کہ کچھ نہیں بھولتا۔۔۔''وہ رنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''تو کیوں بھولنا چاہتی ہو تم۔۔۔۔''؟

''میں کسی سراب کے پیچھے بھاگ کر اپنی زندگی ضائع کرنا نہیں چاہتی۔۔۔۔''گفتگو کا موضوع لاشعوری طور پر تبدیل ہو گیا تھا۔

''میں سراب نہیں ایک جیتی جاگتی ،سانس لیتی ہوں، بالکل ایسے ہی جیسے تم ہو، جیسے یہ دنیا ہے اور تمہارے اردگرد کے لوگ۔۔۔''

وہ مسکرایا۔۔۔

''وہ سب دیکھائی دیتے ہیں اور تم صرف سنائی دیتے ہو۔۔۔۔''شہرزاد کی زبان پھسلی۔۔۔

''جانتا ہوں تمہاری بصارتوں کے بہت قرض واجب ہو چکے ہیں مجھ پر، لیکن یہ میرا وعدہ ہے کہ میں ایک ایک چیز کا حساب دوں گا۔''

''ہونہہ۔۔۔۔۔کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک۔۔۔''شہرزاد نے کھلم کھلا طنز کیا۔

''فی الحال تو تم مجھے چھوڑو،اور شام تک ایک سرپرائز کے لیے تیار ہو جاؤ۔۔۔۔''

''کیوں،تم آرہے ہو میرے گھر۔۔۔۔؟''اس کو بھی شرارت سوجھی۔۔۔

''تم بلاؤ تو سہی، سر کے بل نہ آئیں تو بے شک پھانسی گھاٹ پر لٹکا دینا۔۔''اسکے شرارتی انداز پر شہرزاد بے ساختہ ہنسی۔۔

''باتوں میں تو کوئی جیت نہیں سکتا تم سے۔۔۔۔۔''

''محبت میں بھی نہیں جیت سکتا، بے شک آزما کر دیکھ لو۔۔۔۔۔''

''تم کسی سرپرائز کی بات کر رہے تھے۔۔۔''شہرزاد کو اچانک یاد آیا۔

''سرپرائز یہ ہے کہ رومیصہ دو چار گھنٹوں میں گھر تک پہنچ جائے گی۔۔۔۔''ہم زاد کی بات پر ا یکدم ہی اسکے دل کی دھڑکنیں تیز ہوئیں،لیکن اس نے اپنی

بے اختیاریوں پر بند باندھنا سیکھ لیا تھا۔۔۔

''اگر ایسا نہ ہوا تو۔۔۔۔۔۔؟''

''تو پھر جو سزا تم دو گی میں آنکھیں بند کر کے قبول کر لوں گا۔۔۔''وہ پر اعتماد تھا اور اس کا یہی بات تو شہرزاد کو بھاتی تھی۔ شجاع غنی کی کانفرنس کو دیکھ کر اندر ہی اندر پھیلنے والی مایوسی میں ایک جگنو چمکا تھا، جس نے شہرزاد کے اندر ہی اندر کئی روشنیاں پھیلا دی تھیں۔

☆......☆......☆

آج کا سورج میر ہاؤس میں ایک نئے ہنگامے کے ساتھ طلوع ہوا تھا۔۔۔!!!

پورے گھر میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی، بہادر علی، اور اسکی بیوی رشیدہ راتوں رات اپنے تین بچوں کے ساتھ خاموشی سے میر ہاؤس سے غائب ہو چکے تھے، اور کوارٹر سے ان کا ضروری سامان بھی غائب تھا۔۔۔

برہان صبح یونیورسٹی جانے کے لیے نکلے، تو گیٹ پر بہادر علی موجود نہ تھا انہوں نے سرسری انداز میں مالی سے پوچھا اور نکل گئے۔ ناشتے کی میز پر رشیدہ کی عدم دستیابی پر تھوڑی ڈھنڈیا مچی تو تاجدار بیگم نے ایک ملازمہ کو سرونٹ کوارٹر میں دوڑایا، تاکہ وہ اسے بلا کر لائے اور وہ اس کی اچھی کلاس لے سکیں، لیکن اسی ملازمہ کی بریکنگ نیوز کے انداز میں نشر کی جانے والی خبر نے پورے گھر میں ایک چھوٹے سے زلزلے کی کیفیت پیدا کر دی۔

تینوں خواتین گھبرا کر اپنے اپنے کمروں سے نکل آئیں، انابیہ نے آج یونیورسٹی سے چھٹی کی تھی، وہ بھی نمیرہ اور طوبیٰ کے ساتھ وہیں موجود تھی اور تاجدار بیگم نے باقی ملازموں کو لائن حاضر کر لیا۔

"ارے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا، کہاں دفعان ہو گیا راتوں رات صندل کا خاندان۔۔۔"

تاجدار بیگم کی پاٹ دار آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی۔ اس وقت سبھی ملازمین ایک قطار کی صورت میں ہال کمرے میں اکھٹے تھے۔ جہاں پر خواتین نے کھلی کچہری لگا رکھی تھی اور ابھی اس بات سے گھر کے مرد لاعلم تھے۔

"دیکھو ذرا ایسی کون سی موت آن پڑی ان سب کو بیٹھے بیٹھائے، جو منہ اٹھا کر نکل گئے گھر سے۔۔۔" شارقہ بیگم بھی برہم انداز سے گویا ہوئیں۔

"رشیدہ، کل شام سے کچھ پریشان سی لگ رہی تھی بی بی جی۔۔۔" مالی کی بیوی نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

"وہ کم بخت تو صندل کے مرنے کے بعد سے ایسی ہی بوکھلائی ہوئی گھومتی تھی، یہ کوئی نئی بات تھوڑا ہے۔۔۔" تاجدار بیگم نے اس بات کو چٹکیوں میں اڑایا۔

"آخری دفعہ کب دیکھا تھا بہادر کو کسی نے گیٹ پر۔۔۔؟" ندرت بیگم نے بھی تفتیش میں حصّہ لیا۔

"میں نے دیکھا تھا بیگم صاحبہ، تقریباً رات آٹھ بجے، وہ گیٹ پر بیٹھا ہوا سگریٹ پی رہا تھا۔۔۔" مالی نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

"اس کے بعد کیا کسی نے منتر پڑھ کر غائب کر دیا پورے کنبے کو۔۔۔" تاجدار بیگم ہلکا سا چڑ کر بولیں۔

ویسے بھی وہ جانتیں تھیں کہ بہادر کے خاندان کے اس گھر سے جانے کے بعد میر ہاؤس میں کیسا بدنظمی کا طوفان آنے والا ہے، وہ لوگ بہت سالوں سے ان کی خدمت پر معمور تھے اور کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔

"یہ کون سی عدالت سجی ہوئی ہے یہاں۔۔۔"

میر حاکم کی اچانک انٹری سے پورے ہال میں ایک ہلچل سی مچ گئی، وہاج میر بھی ان کے ساتھ تھے۔سب خواتین نے بوکھلا کر اپنے اپنے دوپٹے سروں پر جمائے،اور تینوں لڑکیاں بھی کونشس ہو کر بیٹھ گئیں۔

"میں پوچھ رہا ہوں، یہ ملازمین کی فوج کو کیوں اکٹھا کر رکھا ہے یہاں۔۔۔؟ان کے تیز لہجے میں کوفت اور بیزاری کا عنصر نمایاں تھا۔

"آپ بیٹھیں ابا جی،اصل میں تھوڑا مسئلہ ہو گیا ہے۔۔" تاجدار بیگم کی پریشان آواز پر وہ ہلکا سا چونکے۔۔۔

"کیوں، کسی نے حرام خوری کی ہے گھر میں کیا۔۔۔؟" ان کا بات کرنے کا اپنا ہی کاٹ دار مخصوص انداز تھا۔

"جی ابا جی، کچھ ایسا ہی سمجھیں۔۔۔" ندرت نے تھوڑا بات کو گھمانے کی کوشش کی، جو انہیں خاصی مہنگی پڑی۔

"تو منہ سے کوئی پھوٹے گا تو پتا چلے گا ناں۔۔۔" وہ کفن پھاڑ کر بولے۔۔ان کے ایکدم غصّے میں آنے پر سبھی خواتین کا ایک ساتھ رنگ اڑا، وہ تو عام حالات میں کسی سے ڈھنگ سے بات نہیں کرتے تھے اور یہاں تو اچھا خاصا مسئلہ چل رہا تھا۔

"بہادر علی کا خاندان بغیر بتائے نکل گیا ہے کہیں۔۔۔" تاجدار بیگم کی بات پر وہاج نے بوکھلا کر اپنی ماں اور دونوں چاچیوں کی طرف دیکھا۔

"کہاں نکل گیا ہے۔۔؟"

"یہی تو پتا نہیں چل رہا، کوارٹر سے ان کا ضروری سامان بھی غائب ہے۔۔۔" تاجدار بیگم نے نظریں چرا کر کہا۔

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا تھا ان کا۔۔۔؟ کہاں جا سکتے ہیں وہ لوگ۔۔۔؟" میر حاکم کو ایک دم ہی غصہ آیا۔

"لگتا ہے کہیں اور سے اچھی نوکری کی آفر آ گئی ہوگی۔۔۔" ندرت نے ایک بار پھر لقمہ دیا۔۔۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔میر حاکم نے فوراً ہی ان کی بات کو رد کیا اور ندرت بیگم کا چہرہ پھیکا پڑ گیا، شارقہ بیگم کو دل ہی دل میں کمینی سی خوشی ہوئی۔

"پچھلے بیس سالوں سے ان کا خاندان ہم پال رہے ہیں، روٹی، کپڑا، مکان ہر چیز تو مل رہی تھی انہیں، بیچ میں چکر کوئی اور ہے۔۔" ان کے دوٹوک انداز پر وہاج کا رنگ اڑا اور طوبیٰ نے طنزیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا، جو بار بار اپنے رومال سے اپنے ماتھے پر آیا نادیدہ پسینہ صاف کر رہے تھے۔

"ابا جی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔" تاجدار بیگم نے ہمیشہ کی طرح اپنے سسر کی ہاں میں ہاں ملائی۔۔۔

"لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ بیچ میں مسئلہ کیا ہوگا آخر۔۔؟" انہوں نے اپنی کنپٹی پر انگلی گھماتے ہوئے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کی۔

''وہاج بھائی سے پوچھیں ناں، شاید انہیں کچھ پتا ہو۔۔۔۔''

طوبیٰ نے ایکدم ہی کمرے میں بم پھوڑا، وہاج کے چہرے پر بوکھلاہٹ چھلکی۔ سبھی کی نظریں طوبی کی طرف اٹھ گئیں۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟ وہاج کو کیوں پتا ہوگا۔۔۔'' تاجدار بیگم کو بڑوں کی موجودگی میں طوبیٰ کا بولنا سخت ناگوار گذرا۔ تبھی تو ان کی آنکھوں سے ٹپکتی ناگواری کو محسوس کر کے شارقہ بیگم بے چین ہوئیں۔

''میرا یہ مطلب ہے، صندل بھی تو نور محل میں رہتی رہی ہے، ہوسکتا ہے وہ لوگ بھی وہیں چلے گئے ہوں۔۔'' طوبیٰ نے فوراً بات سنبھالی۔

''ایسے ہی اوٹ پٹانگ ہانکتی رہتی ہو، وہ لوگ بغیر بتائے کیسے جا سکتے ہیں وہاں، اور تم تینوں اٹھو اور جاؤ اپنے کمرے میں۔۔۔'' شارقہ بیگم نے سب کے سامنے اپنی بیٹی کو لتاڑا اور ساتھ ہی انہیں وہاں سے کھسکنے کا اشارہ کیا، وہ تینوں بادل نخواستہ انداز میں اٹھیں اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئیں۔ طوبیٰ اور نمیرہ کا بڑا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ساری کاروائی اپنی آنکھوں سے دیکھیں لیکن شارقہ بیگم کے حکم کے بعد ایسا ہونا ممکن نہیں تھا۔

''تم سب لوگ بھی جاؤ ادھر سے۔۔۔'' وہاج نے اپنی بوکھلاہٹ کو چھپانے کے لیے ملازموں پر برسنا شروع کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی ہال کمرہ خالی ہونے لگا، لیکن میر حاکم کے چہرے پر پھیلی تشویش میں کمی نہیں ہوئی، ان کی چھٹی حس کسی بڑی گڑ بڑ کا اشارہ کر رہی تھی اور مصیبت یہ تھی کہ اس گڑ بڑ کا فی الحال انہیں کوئی بھی سرا نہیں مل رہا تھا۔

☆......☆......☆

رومیصہ کی گاڑی بڑی تیزی کے ساتھ ایف سیکٹر کی طرف بھاگ رہی تھی۔۔۔

ایک بے نام سا اضطراب ان دونوں کے جسم میں چٹکیاں بھر رہا تھا۔۔۔

وہ اپنے دوست کے ساتھ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر تھا جبکہ رومیصہ افسردہ انداز میں پچھلی سیٹ پر براجمان تھی، اس نے اپنے چہرے کو دوپٹے کے ساتھ چھپا رکھا تھا، اور اس چیز کی تلقین اس شخص کی طرف سے آئی تھی جس کی بات ماننے کا اب اس نے عزم کر رکھا تھا۔

''میرا خیال ہے انہیں کسی مرکز میں چھوڑ دیتے ہیں، وہاں سے ٹیکسی لے کر چلی جائیں گی اپنے گھر۔۔۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔۔'' اس نے فوراً ہی اس بات کی نفی کی۔

''دماغ چل گیا ہے تیرا، کیا گھر کے اندر تک چھوڑ کر آئے گا۔۔؟'' اسکا دوست جھنجھلا اٹھا۔۔۔

''کم از کم گیٹ تک تو چھوڑ سکتے ہیں ناں۔۔۔'' وہ رومیصہ کے معاملے میں اب کسی قسم کا بھی رسک نہیں لے سکتا تھا۔

''ٹینا ہاؤس کے باہر سی سی ٹی وی کیمرہ لگا ہوا ہے، یہ بات بھی ذہن میں رکھنا، ایسے نہ ہو داماد صاحب کو پہلے ہی رات حوالات

میں گذارنی پڑ جائے۔۔۔" اسکے فرینڈ کے لہجے میں طنز کی کاٹ تھی، مگر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔۔۔

"شٹ اپ، میں اسے راستے میں نہیں چھوڑ سکتا، چاہے کتنا ہی رسکی کیوں نہ ہو۔۔۔" اسکا ضدی انداز اور کیئرنگ رویّہ رومیصہ کو اچھا لگا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں، گاڑی گیٹ کے سامنے لے جانا ٹھیک نہیں ہوگا، ہوسکتا ہے، ہمارے گھر کے باہر پولیس گارڈز بھی ہوں۔" رومیصہ نے ہلکا سا جھجک کر گفتگو میں حصّہ لیا۔

"بھابھی، یہ بات مجھے نہیں، اس بے وقوف کو سمجھائیں۔۔۔"

رومیصہ اس کے بھابھی کہنے پر ایک دم بلش کر گئی، اور اسی لمحے اس نے بھی بیک مرر سے اسکی طرف دیکھا، دونوں کی نظریں ملیں اور رومیصہ کے دل کی دنیا میں ایک طلاطم برپا ہوگیا۔

"ٹھیک ہے، تم گاڑی اسٹریٹ کے کارنر پر کھڑی کر دینا، میں رومیصہ کے پیچھے چلتا رہوں گا، جب تک وہ گھر کے اندر نہیں چلی جائے گی۔" وہ بات جو اس کا دوست اتنی دیر سے نہیں سمجھا پایا تھا وہ رومی کی ایک نظر نے سمجھا دی تھی اسے۔۔

اس نے ڈیش بورڈ کھول کر مختلف سی ڈیز دیکھنا شروع کر دی تھیں، اور سی ڈی پلیئر چلا دیا، پوری گاڑی میں مہندر کپور کی خوبصورت آواز گونجنے لگی۔

چلو اک بار پھر سے اجنبی بن جائیں ہم دونوں۔۔۔

نہ میں تم سے امید رکھوں دل نوازی کی۔۔۔۔۔۔

نہ تم میری طرف دیکھو، غلط انداز نظروں سے۔۔۔۔

اس گیت کا ایک ایک بول ان دونوں کے دل پر اتر رہا تھا، رومیصہ کو لگ رہا تھا جیسے کوئی اسے سولی پر چڑھانے کے لیے لے جا رہا ہو۔ اسکے سیکٹر کی حدود جیسے ہی شروع ہوئیں، ان تینوں کے ہی اعصاب تن گئے۔ اس کے دوست نے گاڑی اس کی اسٹریٹ کے شروع میں ہی ایک سائیڈ پر کھڑی کر دی، اس نے تیزی سے اتر کر رومی کی سائیڈ کا دروازہ کھولا، اس کا چہرہ دوپٹے میں چھپا ہوا تھا لیکن اسکی آنکھیں ضبط کی کوشش میں لال ہو رہی تھیں۔

"دھیان سے جانا جگر۔۔۔" اس کا دوست اس کے لیے فکر مند تھا۔۔

ڈونٹ وری، چلو رومیصہ۔۔۔"

اس کے لہجے کی نرمی پر رومیصہ کا دل ایک دفعہ پھر پگھلا، اور اس کا ایک ایک قدم منوں وزنی ہو رہا تھا، وہ بمشکل چل رہی تھی، اور وہ اس سے کچھ فاصلے پر منہ نیچے کیے بہت آہستگی سے بولتا ہوا آ رہا تھا۔۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت رومیصہ ضبط کی کڑی منزلوں سے گذر رہی ہے۔

"پریشان مت ہونا، میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔۔۔" رومیصہ کو اس وقت اسی دلاسے کی اشد ضرورت تھی۔ وہ چلتے چلتے بے اختیار مڑی، دوپہر کے اس پہر پوری گلی سنسان تھی اس کے باوجود دونوں کے چہروں سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

"ارسل۔۔۔!!!" اسے لگا جیسے کائنات تھم گئی ہو۔ رومیصہ نے پہلی دفعہ اسے اس کے نام سے پکارا تھا۔

"اس طرح سے دیکھو گی تو پلٹ کر نہیں جا سکوں گا۔۔۔" ارسل نے بے اختیار نظریں چرائیں۔۔۔

"مجھے نہیں جانا۔۔۔" رومیصہ کی آنکھوں سے آنسو ایک ساتھ ٹپکے۔۔۔

"اچھا ادھر آؤ۔۔۔" وہ نرمی سے اسکا بازو پکڑ کر ایک کوٹھی کی بوگن ویلیا کی گھنی بیل کے نیچے لے آیا۔

وہ دونوں اس گھنی بیل کے نیچے اس انداز سے کھڑے تھے کہ پاس سے گزرنے والا ہی بمشکل ان کے چہرے دیکھ سکتا تھا۔ رومیصہ کے چہرے سے دوپٹہ ہٹ گیا تھا اسکی آنکھیں شدت گریہ سے سرخ ہو رہی تھیں، وہ شاید سارا راستہ روتی ہوئی آئی تھی، ارسل کے دل پر گھونسہ سا پڑا۔

"پلیز رومی، مجھے ایگزام نکال دینے دو، میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔۔۔" وہ بلا ارادہ اس کے تھوڑا قریب ہوا، اس کی آنکھوں سے چھلکتے جذبے اور لہجے کی سچائی کو کسی گواہی کی ضرورت نہیں تھی۔

رومیصہ کو پہلی دفعہ یقین آیا تھا کہ اللہ کی اس پر خاص رحمت تھی، جس نے اس کی بے انتہاء غلطیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اس شخص کا ساتھ اس کی قسمت میں لکھ دیا تھا جس نے اسے اپنی مکمل ذمے داری کے طور پر قبول کیا تھا۔

وہ رو رہی تھی اور ارسل اپنے ہاتھوں کی نرم انگلیوں کی پوروں سے اس کے آنسو چن رہا تھا، وہ دونوں کسی اور دنیا میں پہنچے ہوئے تھے، اور سیل فون کی گھنٹی انہیں حقیقت کی دنیا میں لے آئی۔

"تم خود بھی مرو گے اور مجھے بھی مرواؤ گے۔۔۔"

اسکا دوست گاڑی میں بیٹھا ہوا اتنی زور سے چیخا تھا کہ سیل فون سے باہر اسکی آواز رومیصہ کی سماعتوں تک بھی پہنچی، اس نے بوکھلا کر ایک دفعہ پھر دوپٹے سے منہ چھپا لیا۔

"آ رہا ہوں میں۔۔۔" ارسل نے سنجیدگی سے جواب دے کر فون بند کر دیا۔ "چلو رومیصہ، تمہیں جانا ہوگا۔۔۔"

"تم جاؤ، میں چلی جاؤں گی۔۔۔" وہ ہونٹ کچلتے ہوئے آنکھوں میں تنی دھند کی چادر کو ہٹانے میں کوشاں تھی۔

"تمہیں پتا ہے ناں میں تمہیں راستے میں نہیں چھوڑ سکتا، یہ میری بھی مجبوری ہے۔۔۔" جملہ سادہ لیکن انداز خاصا معنی خیز تھا۔ وہ بوکھلا کر تیز تیز چلنے لگی، وہ اپنی وجہ سے اس شخص کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی، جو اس کے دل پر اپنے نام کو جھنڈا لگا چکا تھا۔

"ہم پھر ملیں گے رومیصہ، اور یہ وعدہ ہے میرا تمہارے ساتھ۔۔۔"

''تم جاؤ ارسل، میں چلی جاؤں گی اب۔۔۔'' وہ چلتے چلتے مڑی، ارسل کی سانس سینے میں اٹکنے لگی، اور اسکے قدموں کی رفتار سست پڑ گئی۔

اسی وقت رومیصہ کے گیٹ کے اندر سے دو سیکورٹی گارڈ باہر نکلے، انہوں نے چونک کر اس لڑکی کی طرف دیکھا، جو بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی گیٹ پر آن پہنچی تھی، ایک سیکورٹی گارڈ نے اسے پہچان لیا۔

''رومیصہ بی بی، آپ۔۔۔'' سیکورٹی گارڈ پرجوش انداز میں چیخا۔

ارسل نے اس کے گھر کے سامنے سے گذرتے ہوئے ایک سرسری نگاہ اس عالی شان بنگلے پر ڈالی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی آمد سے اندر ایک کھلبلی سی مچ جائے گی اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ مر جائے گی لیکن اس پر کوئی حرف آنے نہیں دے گی۔

وہ تیز تیز چلتا ہوا گلی کے اختتام پر پہنچ گیا، اس نے آخری دفعہ مڑ کر دیکھا، رومیصہ اندر جا چکی تھی اور ارسل کو لگا جیسے اس کے تن سے بھی روح نکل گئی ہو۔ اس کی جدائی اس قدر جان لیوا ہوگی، اس بات کا ادراک اسے ابھی ابھی ہوا تھا۔

☆......☆......☆

پاس آئے، دوریاں پھر بھی کم نہ ہوئیں

اک ادھوری، سی ہماری کہانی رہی۔۔

ٹی وی اسکرین پر کسی انڈین مووی کا آخری جذباتی سین چل رہا تھا اور پورے کمرے میں انابیہ کی سسکیاں گونج رہی تھیں، وہ صوفے پر دونوں پیر اوپر رکھے مکمل طور پر اس دکھی منظر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پاس ہی ٹشو کا ایک ڈبہ رکھا ہوا تھا۔

برہان اور درشہوار ٹی وی لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے، انابیہ کو انکی آمد کی بالکل بھی خبر نہیں ہوسکی، وہ تو اس وقت ہیرو کی موت اور ہیروئن کے غم میں نڈھال تھی، اور پورا گھر جانتا تھا کہ وہ اس معاملے میں کتنی جذباتی اور حساس ہے۔ اس وجہ سے اس کی باقی کزنز اس کا خوب مذاق اڑاتیں اور وہ چاہ کر بھی اپنی بے جا حساسیت سے پیچھا نہیں چھڑا سکی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے یہاں۔۔؟''

برہان کے سرد لہجے پر وہ ایک لمحے کو سٹپٹا کر اٹھی۔ اس کی گود میں رکھا ریموٹ کنٹرول کارپٹ پر جا گرا۔ جسے برہان نے جلدی سے اٹھا کر ٹی وی اسکرین کو آف کیا، انہیں اس قسم کی موویز سخت کوفت میں مبتلا کرتی تھیں۔

السلام علیکم۔۔۔'' اس نے بوکھلا کر انہیں سلام کیا، درشہوار کے چہرے پر ایک محظوظ ہوتی مسکراہٹ تھی، وہ جانتی تھی کہ اس وقت انابیہ کے دل کی کیا حالت ہوگی اور وہ ہمیشہ ایسی سچوئشنز کو انجوائے کرتی تھی۔

''یہ کیا ڈرامہ چل رہا تھا یہاں۔۔۔؟ آخر تم کس دن حقیقت کی دنیا میں جینا سیکھو گی۔۔۔'' انہوں نے بے رحمانہ انداز میں اسے جھاڑا۔

''مجھ سے زیادہ حقیقت پسند کم از کم میر ہاؤس کی کوئی اور لڑکی نہیں ہو سکتی۔۔۔''انابیہ خود کو سنبھال چکی تھی،اس کے تلخ لہجے نے برہان اور درشہوار دونوں کو ہی چونکا دیا۔

''مطلب کیا ہے تمہارا اس بات سے۔۔۔؟؟؟''ان کی تیوری کے بل گہرے ہوئے۔

''مطلب۔۔؟اور وہ بھی آپ پوچھ رہے ہیں۔۔۔؟'' انابیہ کا طنز انہیں سلگا گیا۔

''ہاں میں ہی پوچھ رہا ہوں۔۔۔''

ان کی گہری سرد،برفیلی نظریں انابیہ کی قوت برداشت کا امتحان لے رہی تھیں لیکن وہ آجکل زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا ہنر سیکھ رہی تھی۔اس لیے اپنے قدموں پر مضبوطی سے ڈٹی رہی۔

''آپ نہ ہی پوچھیں تو بہتر ہوگا،کیونکہ جس دن انابیہ خاقان کی زبان کھل گئی،اس کے بعد آنے والا طوفان میر ہاؤس کی در و دیوار کو ہلا کر رکھ دے گا۔''وہ اس دفعہ اپنے پراعتماد انداز سے برہان کے ساتھ ساتھ درشہوار کے بھی چھکے چھڑا گئی۔تبدیلی کا یہ موسم بڑی تیزی سے آیا تھا۔

''یہ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو مجھ سے۔۔۔''وہ جیسے ہی لاؤنج سے نکلنے لگی،برہان نے بلا ارادہ غصّے سے اسکا بازو پکڑا۔ انابیہ کے چہرے پر ایک تمسخرانہ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔۔۔درشہوار کا دل دہل گیا۔

''بس چند منٹوں میں ہی ضبط کھو دیا،میرا بھی تو حوصلہ دیکھیں،اتنے سالوں سے برداشت کر رہی ہوں۔۔۔''وہ ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا کر غصّے سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

''اسے کیا ہوا۔۔۔؟''درشہوار نے حیرانگی سے اپنے بھائی کی طرف دیکھا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے۔۔۔''چھوٹی بہن کے سامنے اس کا رویّہ انہیں بہت انسلٹنگ لگا۔

''میں پوچھتی ہوں اس سے۔۔۔''درشہوار تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اس کے کمرے کی طرف گئی،دروازہ کھلا ہوا تھا،سامنے طوبی آئرن اسٹینڈ پر اپنا کوئی سوٹ پریس کر رہی تھی،اسے دیکھ کر وہ بے تابی سے اسکی جانب بڑھی۔

''تھینکس گاڈ،تم آ گئیں،قسم سے پورے گھر میں عجیب سی وحشت اور اداسی کا راج تھا،ہم سب لوگ بہت مس کر رہے تھے تمہیں۔۔۔''طوبی سے گلے ملتے ہوئے بھی اس کی نظریں انابیہ کو تلاش کر رہی تھیں۔طوبی نے جلد ہی اسکی بے چینی کو بھانپ لیا۔

''کسے تلاش کر رہی ہو۔۔۔؟''

''بیا کہاں ہے۔۔۔''درشہوار کا جملہ ابھی منہ میں ہی تھا،انابیہ واش روم سے نکلی اور اس نے ہاتھ میں پکڑا ٹاول کرسی پر اچھالا، اسکی آنکھوں سے چھلکتا گلابی پن دونوں کو ہی باور کروا گیا کہ وہ اندر رو کر آئی ہے۔

''بیا، کیا ہوا آپ کو۔۔۔؟'' در شہوار نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا تو طوبیٰ بھی فکر مند ہوئی۔

''کچھ نہیں اور تم جاؤ یہاں سے۔۔۔''

انابیہ کے لہجے کی بے رخی پر در شہوار کو جھٹکا سا لگا۔ اس نے بوکھلا کر اپنی اس کزن کو دیکھا، جس کی نرم مزاجی کی خاندان کی سب خواتین مثالیں دیتی تھیں، وہ کچھ لمحے غور سے انہیں دیکھتی رہی اور پھر جھٹکے سے مڑ گئی۔ طوبیٰ گھبرا کر اپنی بہن کی طرف بڑھی۔

''فار گاڈ سیک طوبیٰ، مجھ سے کچھ بھی مت پوچھنا، میں اپنا ضبط کھو دوں گی۔۔۔''

وہ بیڈ پر لیٹی اور اس نے کمبل تان لیا، جو اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ اس لمحے کسی سے بھی بات کرنا نہیں چاہتی۔ طوبیٰ کو بے شمار اندیشوں نے گھیر لیا، وہ جانتی تھی کہ انابیہ کو کوئی چھوٹی موٹی بات پریشان نہیں کر سکتی۔

☆......☆......☆

''دیکھیں بیرسٹر صاحبہ، بندہ ہر بات برداشت کر سکتا ہے لیکن اپنی بہو بیٹیوں کی عزت کی طرف اٹھتا ہوا ہاتھ نہیں۔۔۔''

شجاع غنی کی اس بات نے شہزاد کو کچھ لمحوں کے لیے سن کر دیا، اور وہ ہکا بکا انداز میں اس شخص کا چہرہ دیکھنے لگی، جو چند ہی دنوں میں اسے خاصا بوڑھا سا لگنے لگا تھا۔

وہ اس وقت ارتضی حیدر کی مدد سے شجاع غنی کے نئے گھر پہنچ چکی تھی، اس کی پریس کانفرنس کے بعد اس کے گھر کا پتا تلاش کرنا اتنا بھی مشکل نہیں رہا تھا، تبھی تو چند ہی گھنٹوں کے بعد وہ اسکی بیٹھک میں موجود تھی۔

''آپ خود بتائیں، جب گھر کی خواتین کی عزت پر حرف آنے لگے تو ایک غیرت مند بندہ کیا کرے، ان کا تماشا بنوائے یا سچائی کا ساتھ دے۔۔۔''

شجاع غنی کے منہ سے نکلنے والے اس جملے نے اسے لاجواب کر دیا، اس نے بے یقین نظروں سے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے اس مجبور شخص کو دیکھا، جس کی جھکی گردن، مایوسی میں ڈوبا ہوا لہجہ اور بے بس انداز چیخ چیخ کر بتا رہا تھا کہ اس نے یہ قدم کس مجبوری کے عالم میں اٹھایا ہوگا۔

''میں آپ کی بات سمجھی نہیں شجاع صاحب۔۔۔'' وہ جان کر بھی انجان بن گئی۔

''اب کیا بتاؤں، آپ کو۔۔۔'' وہ استہزائیہ انداز میں گویا ہوا۔

''میرے ساتھ آخری ملاقات تک تو آپ اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے تھے۔۔۔'' اس نے انہیں یاد دلایا۔

''کورٹ میں آخری پیشی کے بعد میں گھر آیا تو میری سب سے چھوٹی بیٹی کالج سے آتے ہوئے راستے سے غائب کر دی گئی، ایسے عالم میں کون شریف انسان اپنے موقف پر قائم رہ سکتا ہے۔۔۔'' اس کے لہجے میں ٹوٹی کرچیوں کی سی چبھن تھی۔

''واٹ۔۔۔؟''شہزاد کے ساتھ ساتھ ارتضٰی کو بھی شاک لگا۔

''آپ کو انفارم کرنا چاہیے تھا ہمیں۔۔۔''ارتضٰی ہلکا سا جھنجلایا۔۔۔

''دیکھیں ایس پی صاحب۔۔۔''اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید بولنے سے روکا۔

''میں اتنا بہادر نہیں تھا کہ اپنی بیٹی کا میڈیا میں تماشا بنوا لیتا اور لوگوں کی انگلیاں اس کے کردار کی طرف اٹھتیں اور وہ ساری زندگی خاندان والوں کی چبھتی ہوئی نظروں اور بے ہودا سوالوں کے جوابات دیتے گذار دیتی۔۔۔''شجاع غنی کے منہ سے نکلنے والی اس تلخ سچائی نے شہزاد کو کچھ لمحوں کے لیے گنگ کر دیا۔

''کیا میر حاکم علی کے خاندان نے یہ گھٹیا حرکت کی تھی۔۔۔؟''اس نے ہلکا سا سنبھل کر پوچھا۔

''ان کے علاوہ کون کر سکتا تھا ایسا۔۔۔''وہ طنزیہ انداز میں مزید گویا ہوا۔

''صرف چند گھنٹوں میں انہوں نے میری ذات کا غرور چھین لیا، میری عزت نفس اور غیرت کا سودا کر دیا، میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی حل چھوڑا ہی نہیں، بہر حال میں بہت زیادہ شرمندہ ہوں آپ سے، ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔۔۔'' شجاع غنی حقیقتاً شرمندہ تھا۔

''آپ نے جو کیا، بالکل ٹھیک کیا۔۔۔''ارتضٰی حیدر نے ان کی شرمندگی کے احساس کو کم کرنے کے لیے کہا۔

''میرا خیال ہے شہزاد، اب ہمیں نکلنا چاہیے۔۔۔''وہ ایک دم کھڑے ہوئے اور شہزاد کو بھی ان کی پیروی کرنا پڑی۔۔۔

''آپ ٹینشن مت لیں، اللہ ظالموں کی رسی دراز ضرور کرتا ہے لیکن انہیں اسی دنیا میں اسکا حساب دینا پڑے گا۔''شجاع غنی نے شہزاد کے بجھے ہوئے چہرے کو دیکھ کر سنجیدگی سے کہا تو وہ زبردستی مسکرا دی۔

وہ دونوں اس کی بیٹھک سے نکل کر سڑک پر آ گئے جہاں ارتضٰی کی جیپ کھڑی تھی، اس نے آگے بڑھ کر احتراماً شہزاد کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا اور وہ اپنی سوچوں میں گم چپ چاپ بیٹھ گئی، اس ملاقات نے اس کا میر فیملی کی طرف سے مزید دل کھٹا کر دیا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہیں آپ۔۔۔؟''ارتضٰی نے اسکا کسی گہری سوچ میں گم چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔

''میرے خیال میں، شجاع صاحب کو اتنی جلدی ہتھیار نہیں پھینکنے چاہیے تھے۔۔۔''وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''اس کی جگہ اگر میں ہوتا تو شاید یہی کرتا۔۔۔''ارتضٰی حیدر کی صاف گوئی پر شہزاد کو تعجب کا جھٹکا لگا۔

''کم از کم آپ سے میں اس بزدلی کی توقع نہیں کرتی۔۔۔'' شہزاد کے دل کی بات اسکے لبوں سے نکلی۔

''آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ اولاد کی محبت کیا چیز ہوتی ہے۔۔۔''

''ہاں، آپ کے تو جیسے ایک درجن بچے ہیں۔۔۔''وہ جل کر بولی اور ارتضٰی کے حلق سے نکلنے والا قہقہ بڑا جاندار تھا۔

''بعض دفعہ ہمارے کچھ بولڈ فیصلے، دوسروں کے راستے میں کرچیاں بھی بکھیر سکتے ہیں، اس لیے میں اس کامیابی کو کامیابی نہیں سمجھتا، جو دوسروں کو امتحان میں ڈال کر حاصل کی جائے۔۔۔وہ دوٹوک انداز میں اپنا موقف بتا رہا تھا۔

''کسی ایک جنریشن کو تو قربانی دینا ہی پڑتی ہے۔۔۔'' شہرزاد کے اس معاملے میں اپنے اصول تھے۔

''آپکی بہن کے ساتھ جو ہوا، اس کے باوجود بھی آپ یہی کہہ رہی ہیں کہ شجاع کو اسٹینڈ لینا چاہیے۔۔۔''

''ہاں۔۔۔'' وہ اپنے موقف سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔

''شجاع غنی کی بیٹی کا کیا قصور ہے شہرزاد۔۔۔'' ارتضیٰ حیدر نادانستگی میں اسکی دکھتی رگ کو دبا گیا۔

''تو میری بہن کا کیا قصور تھا، اسے بھی تو جان بوجھ کر اس سارے معاملے میں ملوث کیا گیا، وہ ابھی تک اپنے ناکردہ گناہ کی سزا بھگت رہی ہے اور اللہ جانے کب تک بھگتی رہے گی۔۔۔'' وہ ایک دم پھٹ پڑی۔

''آئی ایم سوری، میرا مقصد ہرگز آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔۔۔'' وہ بے چین ہوا۔

''آپ کو جو بھی مقصد تھا لیکن یہ بات ذہن میں رکھیے کہ میری بہن نے جسٹس محمود کے بیٹے کا مرڈر نہیں کیا۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی اور ارتضیٰ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

''آئی تھنک، آپ نے میری بات کو مائنڈ کیا ہے۔۔۔'' اس کے لہجے میں پریشانی ہی پریشانی تھی۔ وہ اسکی ناراضگی کسی بھی قیمت پر افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔'' شہرزاد نے فوراً ہی اسکی بات کی نفی کی اور کھڑکی سے باہر دوڑتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی۔۔۔

''آئی ایم سوری۔۔۔'' ارتضیٰ حیدر کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

''میں نے کہا ناں، آل رائٹ۔۔۔وہ لاپرواہی سے بولی۔

''تو ٹھیک ہے پھر ایک کپ کافی کا آپ کو میرے ساتھ پینا ہوگا۔۔۔اس نے اپنی جیپ ''سیکنڈ کپ'' کافی شاپ کے سامنے روک دی۔

''ٹرسٹ می ارتضیٰ، میرا قطعاً بھی موڈ نہیں ہے۔۔۔''

''چلیں، آپ میرا ساتھ دینے کو کچھ دیر کے لیے بیٹھ تو سکتی ہیں ناں۔۔۔'' وہ نرمی سے گویا ہوا۔

وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اترا تو شہرزاد کو بھی مجبوراً اس کی بات ماننی پڑی کیونکہ وہ اپنی پروفیشنل مصروفیات میں ہر مشکل وقت میں اس کے ساتھ ہوتا تھا، اور وہ کم از کم احسان فراموش نہیں تھی۔

اسے کافی شاپ میں بیٹھے ہوئے بمشکل پانچ منٹ ہی گذرے تھے جب اسکی ٹیکسٹ ٹون کی بپ بجی۔۔۔اس نے ایک لمبا

سانس لے کر اپنے سیل فون کی اسکرین پر نظریں دوڑائیں، اسے ہلکا سا شاک لگا۔۔۔سامنے ہم زاد کا میسج تھا۔

''زندگی میں مجھے آج سے پہلے کافی کبھی اتنی بُری نہیں لگی، تم جب جب اس شخص کے ساتھ ہوتی ہو، یقین مانو میرے لیے کھل کر سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے، آخر کب تک تم میرے دل سے کھیلتی رہو گی۔۔۔''

اس نے بے اختیار گردن موڑ کر دائیں بائیں دیکھا، اس وقت کافی شاپ میں کافی رش تھا۔ ارتضٰی سیلف سروس کی وجہ سے کاؤنٹر پر کھڑا تھا اس کی پشت شہرزاد کی طرف تھی، اور ہم زاد کا یہ میسج شہرزاد کا سارا سکون برباد کر چکا تھا، تبھی ارتضٰی واپس آیا تو وہ بے چینی سے پہلو پر پہلو بدل رہی تھی۔

''سب کچھ ٹھیک ہے ناں۔۔۔؟'' وہ اسکی بے چینی بھانپ چکا تھا۔

''ہاں۔۔۔'' وہ زبردستی مسکرائی، اسی وقت اس کے سیل فون کی مترنم گھنٹی بجی، دوسری طرف ٹینا بیگم تھیں۔

''شہرزاد کہاں ہو تم، فوراً گھر پہنچو۔۔۔''

''کیا ہوا امی، خیریت تو ہے ناں۔۔۔'' ان کا غیر معمولی انداز اس کا دل دھڑکا گیا۔

''رومیصہ واپس آ گئی ہے۔۔۔'' ٹینا بیگم کے اس جملے نے اسکی سماعتوں پر ٹھنڈی پھوار برسا دی۔ یہ وہ الفاظ تھے جن کو سننے کے لیے اس کے کان ترس گئے تھے۔ تبھی وہ کافی کا مگ میز پر رکھ کر بے تاب انداز میں کھڑی ہوئی۔

''ارتضٰی، ہمیں نکلنا ہوگا، رومی گھر آ گئی ہے واپس۔۔۔'' اس کے ہر انداز سے خوشی چھلک رہی تھی۔

''دیٹس گریٹ۔۔۔'' اس نے بھی اپنا کافی کا کپ جوں کا توں واپس رکھ دیا تھا۔ اگلے ہی لمحوں میں وہ سب کچھ بھول کر بڑے ریلکس انداز میں ارتضٰی کی جیپ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ رومیصہ کی واپسی کی خبر نے اس کے اعصاب کو خاصا پرسکون کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

''تمہیں کس نے بتایا، شجاع غنی کو اس طرح ٹریپ کیا گیا تھا۔۔۔؟''

سعد نے ہادی کا چہرہ حیرانگی سے دیکھا، جیسے وہ کوئی داستان امیر حمزہ سنا رہا ہو۔ دونوں اس وقت لان میں ٹہل رہے تھے۔ شام کے وقت مری کی ہواؤں میں مزید ٹھنڈک کا اضافہ ہو جاتا تھا اور یہ موسم ہادی کو بے انتہاء پسند تھا۔

''ظاہر ہے کون بتا سکتا ہے، شہرزاد نے ممی کو بتایا تھا، اسکی ملاقات ہوئی تھی اس سے۔۔۔''

''یہ تو بہت بُرا کیا میر خاقان نے۔۔۔'' سعد کو بھی ٹھیک ٹھاک افسوس ہوا۔

''میں تو تمہیں پہلے دن سے کہہ رہا ہوں کہ یہ خاندان اس قابل نہیں ہے کہ انہیں منہ لگایا جائے۔۔۔'' ہادی ٹہلتے ٹہلتے رکا۔

اسے اپنے اوپر کسی کی نظروں کا ارتکاز محسوس ہو رہا تھا، جس کی وجہ سے خاصی الجھن ہو رہی تھی۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا اور

کسی کونہ پا کر اس کی نظر جیسے ہی میر ہاؤس کے ٹیرس پر پڑی وہ جی بھر کر بدمزا ہوا۔

سامنے در شہوار چائے کا کپ پکڑے بظاہر بے نیازی سے دوسری جانب دیکھ رہی تھی لیکن ہادی کو اسکی ایکٹینگ میں جھول دور ہی سے نظر آ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے اس لڑکی کی ہر چیز ہی بہت بُری لگتی تھی، یہ شاید اس کے خاندان کے ساتھ اسکی ناپسندیدگی تھی یا پھر کوئی اور عنصر کارفرما تھا، اسے اس بات کی گہرائی میں جانے کا ابھی تک موقع نہیں ملا تھا۔

''کیا ہوا۔۔۔؟'' سعد نے حیرانگی سے اسکی طرف دیکھا، جو غضب ناک نظروں سے میر ہاؤس کے ٹیرس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ در شہوار کو دیکھتے ہی سعد کو سارا معاملہ سمجھ آ گیا۔

''چلو اندر چلتے ہیں، اب کوئی شریف انسان اپنے لان میں ٹہل بھی نہیں سکتا۔۔۔'' ہادی کے ہونٹوں پر زہرناک تبسم ابھرا۔

''کیوں، ہم کون سا کسی سے ڈرتے ہیں۔۔۔'' سعد وہیں لان چیئرز پر جم کر بیٹھ گیا۔۔۔

''یقین مانو، اس لڑکی کو دیکھ دیکھ کر مجھے ہائی بلڈ پریشر کی بیماری ہو جائے گی۔۔۔'' ہادی خاصا برہم تھا۔

''تم مٹی ڈالو اس پر اور یہ بتاؤ، بیرسٹر شیری اب کیا کرے گی۔۔۔'' سعد نے دانستہ موضوع گفتگو بدلا۔ ویسے بھی جہاں در شہوار موجود ہوتی، اس کا وہاں سے جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ یہ ایک ایسی مجبوری تھی جس کا اظہار وہ کسی کے بھی سامنے نہیں کر سکتا تھا۔

''ظاہر ہے اب وہ کیا کر سکتی ہے، سوائے صبر کرنے کے، چلو اٹھو تھوڑا باہر واک کر کے آتے ہیں۔۔۔'' اس کے حلق میں کڑواہٹ گھلنے لگی۔ اسے در شہوار کی نگاہوں سے الجھن ہو رہی تھی۔۔۔

''میر خاقان نے یہ سب اچھا نہیں کیا۔۔۔''

''تو کون سا پہلی دفعہ کچھ غلط کیا ہے، ہمیشہ سے یہی تو کرتے آئے ہیں وہ لوگ۔۔۔۔''

ہادی نے ایک لاتعلق سی نگاہ در شہوار پر ڈالی اور سعد کے ساتھ باہر نکل آیا، وہ دونوں اپنے گھر کے سامنے والی سڑک پر ٹہل رہے تھے، جب ارسل کی گاڑی ان کے پاس آ کر رکی۔ وہ سعد کو دیکھ کر پھیکے سے انداز میں مسکرایا اور گاڑی سے اتر آیا، اس کی سعد کے ساتھ کافی دوستی تھی۔

''کیسے ہو ارسل۔؟ آجکل کہاں گم ہو، نظر ہی نہیں آتے۔۔۔؟'' سعد نے اس سے گلے ملتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

''بس یار کچھ ماہ سے ہوسٹل شفٹ ہو گیا تھا، اس لیے کم آنا ہو رہا تھا ادھر، تم سناؤ، کیا سین چل رہا ہے۔۔۔'' ارسل کے ہر انداز میں تھکاوٹ کا عنصر غالب تھا اور آنکھوں کے نیچے حلقے بھی نمایاں تھے، ہادی ان دونوں کی گفتگو خاموشی سے سن رہا تھا۔

''کچھ نہیں، وہی سرکار کی نوکری، اور کام دھندہ۔۔۔'' سعد نے سراسرا سے ٹالا۔۔

''آؤ ناں اندر، ایک ایک کپ چائے کا ہو جائے۔۔۔'' اس نے آداب میزبانی نبھائے۔۔۔

"فی الحال تو تم جا کر ریسٹ کرو، ایسا لگ رہا ہے جیسے صدیوں سے جاگ رہے ہو۔۔۔" سعد نے مسکرا کر اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ہاں اب تو لگتا ہے نیند مستقل ہی آنکھوں سے اڑ گئی ہے۔۔۔" ارسل کی زبان پھسلی۔

"کہیں کوئی عشق وشق کا روگ تو نہیں لگا بیٹھے، مڑ جا کاکا، اے راہوں بڑیاں اوکھیاں نے۔۔" سعد کے شرارتی انداز پر وہ ہنسا، اسی وقت میر ہاؤس کا گیٹ کھلا اور درشہوار باہر نکلی، جسے دیکھتے ہی ہادی کی تیوری چڑھ گئی، وہ جانتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر باہر نکلی ہے شاید اس نے ٹیرس سے ان دونوں کو ارسل کے ساتھ کھڑے دیکھ لیا تھا۔

"السلام علیکم۔۔۔" اس نے کنکھیوں سے ہادی کو دیکھتے ہوئے سبھی کو سلام جھاڑا۔ اس کی آمد پر ارسل ہلکا سا جھنجھلایا۔۔

"کیا پرابلم ہے درشہوار۔۔" وہ کھا جانے والی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے کچھ ڈاکومنٹس فوٹو کاپی کروانے جانا ہے، چلو گے میرے ساتھ۔۔" وہ ارسل کی خفگی پر تھوڑا سنبھل کو گویا ہوئی۔

"یہ کام تو گھر کا کوئی ملازم بھی کر سکتا ہے، اینی ہاؤ، دو مجھے اور تم جاؤ اندر۔۔" اس نے بیزاری سے اسکے ہاتھ میں پکڑا لفافہ پکڑا اور ذرا سخت لہجے میں اسے اندر جانے کا اشارہ کیا، وہ پیر پٹختی ہوئی اندر کی طرف چلی گئی، سعد کی نظروں نے بڑی دُور تک اس کا تعاقب کیا۔

"بھئی سعد، اب اجازت، پھر ملیں گے انشاءاللہ۔۔" ارسل نے مصافحہ کرنے کے لیے اپنا ہاتھ باری باری دونوں کی طرف بڑھایا، اور پھر تھکے تھکے انداز میں دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گیا، میر ہاؤس کے نئے چوکیدار نے گیٹ کا دروازہ کھول دیا تھا۔

☆......☆......☆

"اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشہدان لا الہ اللہ۔۔۔

اشہدان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔۔۔

عصر کی اذان کے یہ کلمات جیسے ہی مونیکا کے کانوں میں پڑے، اسے اپنے اندر طمانیت کی لہریں ابھرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس نے کچن کے سارے کام چھوڑ دیئے اور بڑے سکون سے ان کلمات کو سننے لگی۔

"بابا کو جانا ہے پلیز جلدی کھانا تیار کرو۔۔"

اسکی بہن عجلت بھرے انداز میں گویا ہوئی، تو وہ جلدی جلدی ہاتھ ہلانے لگی، مغرب کے وقت سے تھوڑا پہلے اس کا کھانا بالکل تیار تھا۔

اس کے گھر والوں کو اس نئے گھر میں شفٹ ہوئے صرف چار دن ہوئے تھے لیکن مونیکا کی ماں کا مزاج مسلسل برہم تھا، اسے گھر تو اچھا لگا تھا لیکن پڑوس میں موجود مسجد سے آنے والی پانچ وقت کی اذان سے بڑی کوفت ہوتی اور اکثر اسی وقت ہی اس کی جارج کے ساتھ لڑائی شروع ہو جاتی اور اب تو جارج بھی اپنی بیوی کی اس بات پر بُری طرح سے چڑنے لگا تھا۔

''پتا نہیں کس مصیبت خانے میں اٹھا کر لے آئے ہو ہمیں۔۔۔'' مارتھا نے دھلے ہوئے کپڑوں کو تہہ کرتے ہوئے اپنے شوہر کو سنایا، جو اس وقت ڈریسنگ کے سامنے کھڑا اپنے بال بنا رہا تھا۔

''تم ایک انتہائی ناشکری عورت ہو، ایسا لگتا ہے جیسے تمہیں نئے گھر میں نہیں جیل میں لے آیا ہوں میں۔۔۔'' جارج بھی تپ گیا۔

''تم نے بھی تو یہ گھر اس طرح خریدا ہے جیسے دنیا کا کوئی آخری گھر ہو۔۔۔'' مارتھا نے بھی دوبدو جواب دیا۔

''ہاں تو میرے پاس کون سا قارون کا خزانہ تھا، جتنی اوقات تھی لے لیا۔۔۔'' جارج نے ہاتھ میں پکڑا برش غصے سے بیڈ پر پھینکا۔ کمرے میں کھانے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوتی مونیکا نے پریشانی سے یہ منظر دیکھا، وہ جانتی تھی کہ اسکی ماں کو کس چیز سے مسئلہ ہے۔

''بے شک گھر کرائے کا تھا لیکن سکون تو تھا۔۔۔'' مارتھا نے بھی جھنجھلا کر واڈروب کا پٹ بند کیا۔

''یہاں کون تمہاری گردن پر انگوٹھا رکھے بیٹھا ہے۔۔۔؟'' جارج غصّے سے اپنی بیوی کے عین سامنے آن کھڑا ہوا۔ اسی وقت مسجد سے مغرب کی اذان کی آواز پر مارتھا نے بڑی طنزیہ نگاہوں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ لاؤڈ اسپیکر کی آواز فل ہونے کی وجہ سے اب وہ دونوں صرف ایک دوسرے کے چہرے کے تاثرات ہی دیکھ سکتے تھے۔

''اب پتا چل گیا ناں، کون انگوٹھا رکھے بیٹھا ہے۔۔۔'' جیسے ہی اذان کی آواز بند ہوئی مارتھا ایک دفعہ پھر شروع ہو گئی۔

''دماغ خراب ہے تمہارا، آج تک چرچ کے پڑوس میں واقع احمد صاحب کی مسز نے تو کبھی ایسی شکایت نہیں کی تھی۔۔۔'' جارج نے اپنی ایک جاننے والی فیملی کا حوالہ دیا۔

''ہمارے چرچ میں ہر وقت شور و غل تھوڑی ہوتا ہے۔۔۔'' مارتھا کے عقائد اپنے مذہب کے معاملے میں خاصے پختہ تھے۔

''پاپا، پلیز کھانا کھائیں، اور پھر آپکو اکیڈمی بھی جانا ہے۔۔۔'' مونیکا نے پریشانی سے کھانے کی ٹرے سائیڈ میز پر رکھی۔

''یہ تم اپنی ماں کو کھلاؤ، جو ہر وقت میرا بھیجا چاٹتی رہتی ہے۔۔۔'' وہ غصّے میں اپنی بائیک کی چابی اٹھا کر گھر سے نکل گئے۔ مونیکا نے تاسف بھری نگاہوں سے اپنی ماں کی طرف دیکھا، جن کے چہرے پر ابھی بھی کوفت کا تاثر نمایاں تھا۔

''تم کب جا رہی ہو لاہور۔۔۔؟''

''کل رات۔۔۔''

''بس ٹھیک ہے اس دفعہ کچھ پیسے لیتی جانا اور وہاں سے اپنی شادی کی کچھ شاپنگ کر لینا۔۔۔۔''

ماں کی اس بات نے مونیکا کو بدمزا کیا، لیکن اس نے مصلحتاً اثبات میں سر ہلایا اور ٹرے اٹھا کر کمرے سے نکل گئی، مارتھا جھنجھلا کر بیڈ پر بیٹھی، وہ چاہ کر بھی اپنے شوہر جارج کو نہیں بتا سکتی تھی کہ اسے اذان کے کلمات نہیں اس لمحات میں اپنی بیٹی کے چہرے پر چھایا ہوا سکون خوفزدہ کرتا ہے اور اسی بات نے ان کی رات کی نیندیں اور دن کا سکون برباد کر رکھا تھا۔

☆......☆......☆

''ممی، آپ نے کیوں سونے دیا اسے۔۔؟''

''حد کرتی ہو شیری، تم نے اسکی شکل نہیں دیکھی، کیسے چند دنوں میں مرجھا سا گیا ہے میری بیٹی کا چہرہ۔۔'' ٹینا بیگم کو آج بار بار رومی پر لاڈ آ رہا تھا۔

شہرزاد کی گھر واپسی ہوئی تو رومیصہ کھانا کھا کر بڑی گہری نیند سو چکی تھی، جب کہ شہرزاد کو اس سے بات کرنے کی بے تابی تھی، اس لیے وہ کرید کرید کران سے رومیصہ کے متعلق پوچھ رہی تھی۔

''اس نے کچھ تو بتایا ہوگا ممی۔۔۔'' شہرزاد ٹہلتے ٹہلتے رکی۔

''بس یہی بتا رہی تھی کہ وہ چند لڑکے تھے اور اسے کسی فارم ہاؤس میں بند کر رکھا تھا، اور پولیس کے چھاپے پر گھبرا کر وہ اسے لے کر نکل آئے۔'' ٹینا بیگم نے سلاد کی پلیٹ سے کھیرا اٹھاتے ہوئے بڑے سکون سے بتایا، رومیصہ کی واپسی نے انہیں خاصا ریلکس کر دیا تھا۔

''انہوں نے خدانخواستہ اس کے ساتھ کچھ بُرا تو نہیں کیا۔۔'' شہرزاد نے ڈھکے چھپے الفاظ میں پوچھا۔

''نہیں، نہیں، ایسا کچھ نہیں ہوا الحمد اللہ میں نے رومی سے بہت کرید کرید کر پوچھا تھا۔۔'' ٹینا بیگم کا پرسکون لہجہ اس بات کا گواہ تھا کہ واقعی رومیصہ نے انہیں اچھا خاصا مطمئن کر دیا ہے اور کچھ ہارون سے جان چھوٹ پر بھی وہ ان دنوں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھیں۔

''وہ بہت زیادہ ڈیپریس یا ٹینس تو نہیں تھی۔۔۔'' شہرزاد کی کسی صورت بھی تسلی نہیں ہو پا رہی تھی۔

''کم آن شیری۔۔۔'' ٹینا بیگم ہلکا سا جھنجھلائیں۔۔۔

'میں نے بتایا ناں، اس میں بہت پوزیٹو چینج آ چکا ہے، ایسا کچھ نہیں ہے، جو تم سوچ رہی ہو، وہ تو بہت جذباتی انداز سے ملی تھی مجھے اور کافی دیر میری گود میں سر رکھے بھی لیٹی رہی ہے۔۔'' وہ اسے مطمئن کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھیں۔

اسی وقت شہرزاد کے سیل فون پر ہم زاد کا نمبر بلنک کیا، وہ کال اٹینڈ کرتے ہی لان میں چلی آئی اور ٹینا بیگم نے بھی سکون کا سانس لیا، وہ جانتی تھیں کہ جب تک شیری، خود رومیصہ سے بات نہیں کر لے گی ریلکس نہیں ہوگی اور نہ ہی انہیں چین سے بیٹھنے دے گی۔۔

''کیسی ہو تم، ایک بات تو بتاؤ۔۔'' دوسری طرف اسکی لہجے میں خاصی گہری سنجیدگی تھی، شہرزاد کا دل بے اختیار دھڑکا۔

''ہاں پوچھو۔۔۔''

''آج مجھے اپنی فیورٹ بلیک کافی کا ذائقہ اتنا بدمزا اور تلخ کیوں لگا ہے۔؟'' ہم زاد کے جتاتے ہوئے انداز پر شہرزاد کے چہرے پر نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ آ گئی، وہ جانتی تھی کہ اسکا اشارہ کس طرف ہے۔

''تم نے کیا خفیہ کیمرے لگا رکھے ہیں میرے اوپر۔۔۔''

''تمہارا اور میرا تعلق خفیہ کیمروں پر نہیں کسی اور کنکشن پر چلتا ہے، یقین مانو، جذبات میں سچائی اور خلوص ہو تو ایک دل کی بات دوسرے کے دل پر وحی بن کر اترتی ہے، یقین نہیں آتا تو آزما لو۔۔'' ہم زاد کی بات پر شہرزاد کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ اس نے بے

اختیار اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

''تو پھر میرے ساتھ ایسا کیوں نہیں ہوتا۔۔۔'' اس نے ہچکچا کر پوچھا۔

''کبھی میری والی پوزیشن پر آ کر دیکھو، یا میری طرح سوچ کر دیکھو، الہام نہ ہونے لگیں تو نام بدل دینا۔۔۔'' اس نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

''فی الحال الہام کو چھوڑو، مجھے یہ بتانا تھا کہ۔۔۔''

''رومیصہ واپس آ گئی ہے۔۔۔'' ہم زاد نے اس کی بات کاٹ کر بے ساختہ کہا تو وہ ساکت ہو گئی۔

''ہاں۔۔۔''

''مبارک ہو۔۔۔لیکن اس بات کو ابھی اپنے گھر تک ہی محدود رکھو تو بہتر ہو گا۔'' اس نے مخلصانہ مشورہ دیا، جو شہزاد کو اچھا نہیں لگا۔

''میں بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ مجھے اس معاملے کو کیسے ہینڈل کرنا ہے۔۔۔'' بات کرتے ہوئے شہزاد کی نظر گیٹ پر پڑی، جہاں اس کے گھر کا چوکیدار ایک میاں بیوی اور ان کے ساتھ تین ٹین ایج بچوں کو لیے اندر کی طرف جا رہا تھا۔

''ہاں تم واقعی جانتی ہو کہ کس شخص کو کس طرح سے ہینڈل کرنا ہے اور کس کی نبض پر کیسے ہاتھ رکھنا ہے۔۔۔؟'' اسکے طنزیہ انداز پر وہ مسکرائی۔

''تم خفا ہو مجھ سے۔۔۔''

''ایک دفعہ ہوا تھا یقین مانو پوری کائنات ہی بے رنگ لگنے لگی تھی۔۔۔'' وہ جانتی تھی، باتوں میں اس سے کوئی نہیں جیت سکتا تھا۔

''میرا خیال ہے مجھے فون بند کر دینا چاہیے۔۔۔'' اسکی باتیں شہزاد کے دل کو ایک دفعہ پھر گھیرنے لگیں، تبھی اس نے بوکھلا کر فون بند کر دیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اندر آئی تو ٹینا بیگم سامنے ایک کھلی عدالت سجائے بیٹھیں تھیں۔

''جمیل میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ ابھی اس گھر میں نئے ملازمین کی ضرورت نہیں ہے، تم نے پھر بلوا لیا انہیں۔۔۔''

''بی بی جی، یہ میرا پھپھی زاد بھائی ہے، یقین مانیں، بہت مجبور لوگ ہیں یہ۔۔۔'' جمیل کے التجائیہ انداز پر شہزاد چونکی۔

''تو تمہارا کیا خیال ہے کہ تین لوگوں کے اس گھر میں چھتیس نوکر بھرتی کر لوں میں۔۔۔'' ٹینا بیگم کے ایک دم چڑنے پر دونوں میاں بیوی کے چہرے پر ایک تاریک سایہ دوڑا، وہ اپنی ساری کشتیاں جلا کر آئے تھے اور انکے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

''ایکسکیوزمی مام، مجھے بات کرنے دیں ان سے۔۔۔'' شہزاد ایک دم ہی سامنے آئی تو چوکیدار کی سانس میں سانس آئی، اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ شیری بی بی کا مزاج اس گھر میں سب سے مختلف ہے اور وہ ملازمین کو انسانوں کی طرح ٹریٹ کرتی ہیں۔

''پلیز شیری بی بی، ان کا کچھ کریں، یہ بیچارے تو مری چھوڑ کر مستقل آ گئے ہیں یہاں۔۔۔''

مری کے نام پر شہزاد چونکی اور اس نے اس دفعہ ذرا غور سے اپنے سامنے کھڑے اس کنبے کو دیکھا، جن کے چہروں پر بے بسی کے اتنے رنگ تھے کہ شہزاد کو بے اختیار ان سے نظریں چرانی پڑیں۔۔

''ٹھیک ہے تم ہی ہینڈل کروانہیں، میرے پاس تو وقت نہیں ہے۔۔۔''

ٹینا بیگم رسٹ واچ پر ٹائم دیکھتے ہوئے کھڑی ہوئیں۔ ''لیکن فار گاڈ سیک شیری یہ ضرور دیکھ لینا کہ گھر میں مزید لوگوں کی گنجائش نہیں ہے۔۔۔''انہوں نے سیٹنگ روم سے نکلتے ہوئے بڑے بڑے واضح الفاظ میں کہا اور ٹک ٹک کرتیں ہوئیں سیٹنگ روم سے نکل گئیں۔

''اس سے پہلے کہاں جاب کر رہے تھے آپ لوگ۔۔۔؟''

شہزاد کے اس سوال پر بہادر علی نے بے اختیار پریشانی سے اپنی بیوی رشیدہ کی طرف دیکھا اور ان کے چہرے پر پھیلا ہوا خوف شہزاد کی زیرک نگاہوں سے نہیں چھپ سکا۔ وہ کچھ شش و پنج کا شکار لگ رہے تھے، جیسے بتانا نہ چاہ رہے ہوں۔

''دیکھیں، آپ کو صاف صاف بات بتانا ہوگی، ورنہ ممی کا جواب تو آپ سن چکے ہیں۔۔۔''شہزاد نے انہیں پریشرائز کیا۔

''بی بی جی، جن کے گھر ہم پچھلے بیس سال سے کام کر رہے تھے، انہوں نے بہت بُرا کیا ہمارے ساتھ۔۔۔''رشیدہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں اور شہزاد کے کان کھڑے ہو گئے، اس کی چھٹی حس نے غلط الارم نہیں بجایا تھا۔

''ہمارے تو محافظ ہی لٹیرے بن گئے، ہمیں برباد کر دیا ان ظالموں نے، اللہ غارت کرے گا انہیں بھی انشاء اللہ۔''رشیدہ اونچی آواز میں رونے لگی تو شہزاد کو ہلکی سی پریشانی ہوئی۔

''کن کی بات کر رہی ہیں آپ۔۔۔؟؟؟''

''میر حاکم علی کے خاندان کی۔۔۔''اس دفعہ جواب اس کے چوکیدار جمیل کی طرف سے آیا تھا۔

شہزاد کو ایک زوردار جھٹکا لگا، اور اس نے بے یقینی سے سامنے کھڑے گھرانے کو دیکھا، ان سب کے چہروں پر پھیلی بے بسی اور لاچارگی ان کی سچائی کی گواہ تھی، وہ واقعی کسی بڑی قیامت سے گذر کر اس کے پاس آئے تھے یا پھر قدرت خود ان کا ہاتھ پکڑ کر اس کے در پر لے آئی تھی۔ شہزاد کو شجاع غنی کی بات پر یقین آ گیا، وہ جو کہتا تھا کہ اللہ نے میر خاندان کی رسی دراز کر رکھی ہے اور کسی دن اچانک کھینچ کر ان سب کو اوندھے منہ گرا دے گا۔ شہزاد کے ہونٹوں پر بڑی مبہم سی پُراسرار مسکراہٹ دوڑ گئی۔۔۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

میز پر رکھی سرد چائے خشک ہونٹوں کا انتظار کرتی اب بد مزہ ہو چکی تھی۔۔۔

ٹینا بیگم کے چہرے پر بیزاری، کوفت اور جھنجلاہٹ کا تاثر بہت گہرا تھا انہیں پتا چل گیا تھا کہ شہزاد نے بہادر علی اور رشیدہ کے خاندان کو گھر میں نوکری دے دی ہے اور اسی وجہ سے وہ تپی ہوئیں تھیں۔۔۔

ان کے سامنے شہزاد اپنے ازلی پرسکون انداز میں کھڑی ان کے صبر کا امتحان لے رہی تھی۔

''گھر میں سرونٹس کا مینا بازار لگانا ہے شیری۔۔۔۔'' وہ بیزاری سے گویا ہوئیں۔

''مام، کیا فرق پڑتا ہے۔۔'' وہ مسکرا کر مزید گویا ہوئی۔۔''ان لوگوں کو ضرورت ہے۔۔''

''میرا گھر ہے یہ کوئی رفاحی ادارہ نہیں۔۔۔'' وہ ایک دم جل کر بولیں۔

''ویسے آپ کو اس پوائنٹ پر بھی کچھ سوچنا چاہیے، آپ افورڈ کر سکتی ہیں، ہو سکے تو بے سہارا اور غریب لوگوں کے لیے ایسا ادارہ ضرور بنائیں۔۔'شہزاد نے معصومیت سے مشورہ دیا۔

''شٹ اپ شیری۔۔۔'' وہ جھنجلا گئیں۔

''کول ڈاؤن مام، آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ یہ فیملی فیوچر میں ہمارے کتنے کام آنے والی ہے۔۔''

''آخر ہیں یہ کون لوگ۔۔۔؟'' وہ بیزاری سے گویا ہوئیں۔

''قدرت کا انتقام۔۔۔۔''اس کے معنی خیز انداز پر وہ چونکیں۔۔۔

''مطلب۔۔۔؟؟؟''

''آپ مطلب وطلب چھوڑیں، اور ریلکس کریں۔

''دیکھو شیری جو بات ہے صاف صاف بتاؤ۔۔'' وہ ہلکا سا کھٹک گئیں۔

''مام ایسا کچھ نہیں ہے، ضرورت مند لوگ ہیں، اور ان کی بیٹی کو آپ اپنے سیلون میں بھی لگا سکتی ہیں۔۔''

''پتا نہیں کیا کرتی پھر رہی ہو تم۔۔۔۔۔'' وہ مطمعن نہیں ہو رہی تھیں۔

ساری باتوں کو چھوڑیں، لگتا ہے بہت دنوں سے آپ نے کوئی اچھا فیشل نہیں لیا، آج سپا بھی جائیں اور پلیز یوگا کی کلاسز بھی ریگولر لینا شروع کریں۔۔''

شہزاد بڑی ذہانت سے انکی توجہ دوسری جانب مبذول کروا چکی تھی۔

''کیا، اسکن بہت ڈل لگ رہی ہے میری۔۔۔'' وہ فکرمند انداز میں ڈریسنگ کے شیشے کے سامنے جا کھڑی ہوئیں، شہزاد کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی، وہ جانتی تھی کہ اب ٹینا بیگم کے اگلے کئی گھنٹے اپنی ڈیٹنگ پینٹنگ میں گذرنے والے تھے، وہ اپنے معاملے میں

حد درجہ کونشس تھیں اور گھنٹوں آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود کو ہر زاویئے سے دیکھتیں اور اس معاملے پر کوئی کمپرومائز کرنے کو تیار نہیں ہوتیں تھیں۔

''پچھلے دنوں ٹینشن بھی تو بہت رہی ہے رومی کی۔۔۔''انہوں نے اپنے چہرے کی اسکن کو ہاتھ سے چھوتے ہوئے خود کو تسلی دی اور آنکھوں میں فکرمندی کا تاثر خاصا گہرا تھا۔۔۔

''رومی سے یاد آیا، کب تک اٹھے گی وہ۔۔۔؟''شہرزاد بہن کے ذکر پر بے چین ہوئی۔

''سو رہی ہے وہ۔۔۔۔''

''لیکن مجھے بات کرنی ہے اس سے۔۔۔''

''پلیز شیری، صبح تک ڈسٹرب مت کرنا اسے، پتا نہیں کتنی راتوں کی جاگی ہوئی ہے وہ۔۔''ٹینا بیگم کے لہجے سے چھلکتی ممتا اسے اچھی لگی۔

''ڈونٹ ووری، میں ایسا کچھ نہیں کرنے والی۔۔'' اس نے بھی ہتھیار ڈال دیئے، ورنہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ رومی کو اٹھا کر اس سے گذشتہ دنوں کے ایک ایک منٹ کی تفصیل پوچھ لے۔ یہ سارا عرصہ اس ماں بیٹی نے کانٹوں پر گذارا تھا۔۔۔

''او کے مام، پھر ملاقات ہوتی ہے، مجھے تھوڑا ایک کیس پر ورکنگ کرنی ہے۔

''ریشماں سے کہو، ان نئے آنے والے سرونٹس کو میرے پاس بھیجے۔ اب آ ہی گئے ہیں تو تھوڑا کام تو ذمے لگاؤں ان کے۔۔۔''ان کے انداز میں اگرچہ بیزاری تھی لیکن شہرزاد کافی حد تک پرسکون ہو گئی۔

اس نے رشیدہ بوا کو اچھی طرح سے سمجھا دیا تھا کہ وہ کسی بھی قیمت پر ٹینا بیگم کے سامنے میر حاکم کے خاندان کا نام نہ لے، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس خاندان کا نام سنتے ہی وہ بدک جائیں گی اور ان کو کبھی بھی ملازمت پر نہیں رکھیں گی۔ شہرزاد پر فائرنگ والے واقعے نے انہیں میر حاکم کی فیملی سے اچھا خاصا خوفزدہ کر دیا تھا، اگرچہ بعد میں شہرزاد نے بہت دفعہ ان کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ ان کے متعلق بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔

☆......☆......☆

سرد موسم نے انگڑائی لی۔۔۔

اور ملکہ کوہسار مری نے دیکھتے دیکھتے ہی برف کی چادر اوڑھ لی۔۔۔

برف کے سفید گالوں نے ہر چیز کو ڈھک دیا، ایسا لگتا تھا جیسے درختوں، عمارتوں اور سڑکوں پر کسی نے سپید رنگ کا چونا پھیر دیا ہو اور برفیلی ٹھنڈی یخ ہوائیں وہاں رہنے والے مکینوں کا ہر سال بھرپور ضبط اور حوصلہ آزماتی تھیں۔ وہ لوگ اس موسم کی سختیوں کے کافی حد تک عادی ہو چکے تھے۔

طوبیٰ گرما گرم سوپ کا پیالہ لیے کچن سے نکلی تو ٹھنڈ سے اسکا بُرا حال تھا۔ اگر چہ اس نے خود کو اچھی طرح سے کور کیا ہوا تھا لیکن مری کی ہواؤں کو برداشت کرنا طوبیٰ کے لیے خاصا دشوار کن مرحلہ ہوتا تھا اور وہ اس موسم میں زیادہ تر اپنے کمبل میں ہی دبکی رہتی اور باقی لوگ اس کا اچھا خاصا مذاق اڑاتے تھے۔

''اُف سردی۔۔۔لگتا ہے ہڈیوں میں ہی گھسی جا رہی ہے۔۔''

وہ شور مچاتے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہوئی، سوپ کا پیالہ سائیڈ میز پر رکھا اور اپنے ہاتھوں کو رگڑ کر سردی کا احساس کم کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''خدا کا خوف کرو بیا، ہیٹر تک نہیں چلایا تم نے۔۔'' طوبیٰ نے بیزاری سے انابیہ کی طرف دیکھا۔

انابیہ بغیر کسی گرم شال اور سویٹر کے کسی بت کی طرح ساکت و جامد بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی، اس کے بال کندھوں پر بکھرے ہوئے اور آنکھیں کسی مرئی نقطے پر جمی ہوئیں تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے اس پر کوئی منتر پھونک دیا ہو۔

''پتا نہیں کس مٹی کی بنی ہوئی ہو تم۔۔۔اور ادھر میری جان نکلی جا رہی ہے ٹھنڈ سے۔۔'' اس نے فوراً ہیٹر آن کیا۔

ہیٹر آن کرنے کے بعد اب وہ کمرے کی کھڑکیوں کے پردے برابر کر رہی تھی، سرد ہوائیں اللہ جانے کہاں سے اندر گھسی آ رہی تھیں۔ طوبیٰ نے اس وقت بھاری بھرکم قسم کے کوٹ کے ساتھ اونی مفلر اوڑھ رکھا تھا لیکن اس کے باوجود ٹھنڈ کا احساس کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں، ایسے صم بکم ہو کر کیوں بیٹھی ہو، اٹھو یہ شال اوڑھو۔۔''

طوبیٰ، نے ایک گرم شال واڈروب سے نکال کر اسکے سامنے پھینکی، اور انابیہ نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ ہیٹر جلنے سے کمرے کا ٹمپریچر تھوڑا بہتر ہو گیا تھا اور طوبیٰ کو بھی اپنا سانس بحال ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ طوبیٰ نے ڈرائی فروٹ کا جار اٹھایا اور کمبل میں گھس گئی۔۔۔

''محکمہ موسمیات نے پیش گوئی کی ہے اگلا پورا ہفتہ مری میں برف باری ہو گی۔۔'' اس نے خاموش بیٹھی انابیہ کی معلومات میں اضافہ کیا۔۔

''ہوں۔۔۔'' انابیہ نے ہلکا سا ہنکارا ابھرا۔

''کیا گونگے کا گڑ کھا کر بیٹھی ہو، کیا ہوا ہے تمہیں۔۔؟ طوبیٰ اس کی مسلسل خاموشی سے اچھا خاصا چڑ گئی۔

''کچھ نہیں ہوا، اور تم نے عشاء کی نماز نہیں پڑھنی۔۔۔'' انابیہ نے اسے بستر میں گھستے دیکھ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

''یار بیا ٹھنڈ بہت ہے۔۔۔'' وہ شرمندگی سے گویا ہوئی، بیا نے ایک سرد نگاہ اس پر ڈالی اور بیڈ سے اتری۔ ''بہت افسوس کی بات ہے۔۔''

''اچھا ناں پڑھتی ہوں۔۔۔''اس نے سستی سے جمائی لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔''تم کہاں جارہی ہو اس وقت۔۔۔؟''

''وضو کرنے۔۔۔'' انابیہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''اچھا یار میں بھی پڑھ لوں، ورنہ اللہ میاں سے بہت ڈنڈے پڑیں گے۔۔۔''

طوبیٰ نے بھی کمبل جھٹکے سے اتارا اور گرم پانی سے وضو کر کے واپس کمرے میں آئی تو انابیہ نماز پڑھنے میں مصروف تھی، اس نے غور سے اپنی بہن کا چہرہ جانچا، اس پر محسوس کی جانے والی رنجیدگی کی ایک گہری تہہ تھی طوبی کے دل کو کچھ ہوا۔۔۔

''کیا بیا اور درشہوار کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے۔۔؟''اس نے جائے نماز بچھاتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا اور پھر سر جھٹک کر نماز کی طرف متوجہ ہوگئی، سلام پھیرتے ہوئے اسکی نظریں ایک دفعہ پھر بیا کے چہرے پر اٹک گئیں۔ وہ اس وقت آنکھیں بند کیے دعا مانگنے میں مصروف تھی اور دعا کا دورانیہ طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے بیا کو، لگتا ہے درشہوار کو ہی کھنگالنا پڑے گا، پھر ہی اصل بات پتا چلے گی۔۔''وہ کمرے سے نکلی اسکے قدم اب درشہوار کے روم کی طرف بڑھ رہے تھے، سامنے سے آتا شاہ میر اسکی طرف دیکھ کر مسکرایا اور طوبی کا دل بھی یکبارگی دھڑکا۔ دونوں کے تعلقات کچھ بہتر ہو چکے تھے شاہ میر نے شرارت سے اسے سلیوٹ کیا، وہ گھبرا کر دائیں بائیں دیکھنے لگی، اس وقت میر ہاؤس کے سبھی مکین اپنے اپنے کمروں میں دبکے بیٹھے تھے۔۔

''یہ تم کیا بھالو بنی گھوم رہی ہو۔۔۔؟''اس نے شرارتی انداز سے اسکے بھاری بھرکم وزنی کوٹ اور شال پر تبصرہ کیا۔

''کیا واقعی بھالو لگ رہی ہوں۔۔۔''اسکے ایکدم پریشان ہونے پر وہ ہنسا۔۔

''یار تم لڑکیاں کتنی کونشس ہوتی ہوں اپنی لک کے بارے میں، بس کر دو، تم ہر حال میں ہی اچھی لگتی ہو مجھے۔۔''

''تو پھر کیا ضرورت ہے ایسی فضول باتیں کرنے کی، پہلے ہی سردی نے مت مار رکھی ہے۔۔''

''اگر زیادہ ٹھنڈ لگ رہی ہے تو یہ بھی پہن لو۔۔۔''اس نے اپنے ہاتھوں سے لیدر کے دستانے اتار کر طوبی کی طرف بڑھائے۔

''تھینک یو۔۔۔ میرے پاس ہیں روم میں۔۔۔''وہ اسکی گہری نظروں کے ارتکاز سے ہلکا سا گھبرائی۔

''لیکن ان میں میرے ہاتھوں کی حدت تو نہیں ہوگی۔۔۔'' شاہ میر کا ذو معنی انداز طوبی کے چھکے چھڑا گیا۔

''فضول باتیں کروالو جتنی مرضی۔۔۔''

''اچھا پھر سنجیدہ اور اخلاقی باتیں تم کر لو، میں خاموش ہو کر سن لیتا ہوں۔۔۔''وہ شرارت سے مسکرایا۔

''یہ بتاؤ شاہ میر، کل بڑی امّی نے کچھ کہا تو نہیں تھا جب۔۔۔؟''وہ ہلکا سا جھجک کر رک گئی، وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا اشارہ اس واقعے کی طرف ہے جب تاجدار بیگم نے دونوں کو ایک ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔

''کیا۔۔؟ کس چیز کے بارے میں پوچھ رہی ہو۔۔''وہ انجان بن کر مسکرایا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اسے گہری نظروں

سے دیکھنے لگا، اس لڑکی کا لڑنا، جھگڑنا، رونا ہنسنا، ہر چیز ہی اسے ایک خوبصورت ادا لگتی تھی۔

''جیسے تمہیں تو پتا ہی نہیں ہے کہ میں کیا پوچھ رہی ہوں۔۔۔'' وہ اپنے ازلی مخصوص انداز میں چڑ کر بولی۔

''پوچھ رہیں تھیں تمہارے اور طوبیٰ کے درمیان کیا چل رہا ہے۔۔۔'' وہ شوخ لہجے میں گویا ہوا، طوبیٰ نے بوکھلا کر اسکی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''تو تم نے کیا کہا ان سے۔۔۔؟'' وہ پریشان ہوئی۔۔

''میں نے کہا پیاری ماں، ہم دونوں کے درمیان ''پیار'' کا سلسلہ چل رہا ہے۔۔۔۔'' اسکے لہجے میں شرارت ٹپک رہی تھی۔

''اور اسکے بعد انہوں نے لعن طعن کا سلسلہ شروع نہیں کیا۔۔؟'' طوبیٰ نے طنز کیا۔

''نہیں انہوں نے تو کہا بیٹا، شاباش لگے رہو، کبھی نہ کبھی تو خشک پتھروں سے چشمہ پھوٹ ہی جائے گا۔۔'' وہ غیر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔۔۔'' وہ جھنجھلا کر درشہوار کے کمرے کی طرف بڑھی، شاہ میر نے ایک دم جھٹکے سے اسکا بازو پکڑ لیا، وہ بوکھلا گئی۔

''یہ کیا کر رہے ہو شاہ میر، کوئی آ جائے گا۔۔۔'' وہ گھبرائی۔۔۔

''میں کسی سے ڈرتا تھوڑی ہوں۔۔۔'' اسکی بوکھلاہٹ شاہ میر کو لطف دے رہی تھی۔

''پاگل ہو گئے ہو کیا۔۔۔'' طوبیٰ نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی۔

اسی لمحے ارسل کے کمرے کا دروازہ کھلا اور اس نے باہر جھانکا، وہ سامنے کا منظر دیکھ چکا تھا۔ شاہ میر نے مسکرا کر طوبیٰ کا بازو چھوڑ دیا لیکن اسے ارسل کی طرف سے کوئی ٹینشن نہیں تھی کیونکہ وہ طوبیٰ کے بارے میں اس کے جذبات سے اچھی طرح آگاہ تھا اور دونوں میں خاصی دوستی تھی۔

''ہاں بھئی ارسل کیسے ہو، میں نے تو سنا تھا کسی اعتکاف شکاف میں بیٹھ گئے ہو تم۔۔'' شاہ میر نے اس کے غائب ہونے پر طنز کرتے ہوئے اسے آگے بڑھ کر گلے لگایا، وہ دونوں آپس میں کزن ہونے کے ساتھ ساتھ بیسٹ فرینڈ بھی تھے۔

''اعتکاف پر نہیں بیٹھا، چلہ کاٹ رہا تھا طوبیٰ کی فرمائش پر۔۔۔'' ارسل بھی کون سا کسی سے کم تھا۔۔

''چلہ۔۔۔؟؟؟ کس چیز کا۔۔۔؟؟؟'' شاہ میر حیران ہوا۔

''تمہارے سدھرنے کا۔۔۔۔'' ارسل کے بے ساختہ انداز پر شاہ میر قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''بہت خبیث ہو تم، میں ذرا چینج کر کے آتا ہوں، پھر مال روڈ چلتے ہیں کافی پینے۔۔۔''

شاہ میر مسکراتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، تو ارسل بھی اپنے جیکٹ اور مفلر اٹھانے کے لیے اپنے کمرے کی طرف

بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔۔۔

تیز طوفانی بارش کے ساتھ آنے والی منہ زور ہواؤں کے زور سے شہرزاد کے کمرے کی کھڑکیوں کے پٹ جھٹکے سے کھلے۔۔۔

کمرے میں ہلکا سا دھاکہ ہوا اور شہرزاد ایک دم ہڑبڑا کر جاگی۔۔۔

اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔ زیرو واٹ کے بلب کی روشنی میں سامنے کا منظر دیکھ کر وہ تھوڑا پر سکون ہوئی۔

کھڑکیوں کے پٹ کھلنے کی وجہ سے ٹھنڈ کا ایک طوفان کمرے میں گھس آیا تھا۔۔۔

وہ ایک لمبی سی جمائی لے کر سستی سے اٹھی اور جیسے ہی کھڑکیوں کے پاس پہنچی، بارش کی ہلکی سی بوچھاڑ نے اس پر کپکپی طاری کر دی، اس نے سرعت سے کھڑکیاں بند کر کے مخمل کے بھاری پردے آگے کیے۔ اس ساری مشقت میں اسکی آنکھوں کی نیند بالکل غائب ہو چکی تھی۔

سست انداز میں وہ بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی اور بلا ارادہ ہی اسکی نظر میز پر رکھے لیپ ٹاپ اور فائلوں کے ڈھیر پر پڑی جو وہ آفس سے گھر کام کرنے کے لیے لائی تھی اور ساری شام اس نے اسی پر ہی صرف کی تھی۔

وہ آجکل مسز قریشی کی خصوصی فرمائش پر کسی مشہور سیاستدان تجمل حسین کی کسی حکومتی محکمے میں کی جانے والی کرپشن پر کام کر رہی تھی، اور کل اس کیس کی فائنل ہیرنگ تھی اور وہ مکمل تیاری کے ساتھ جانا چاہ رہی تھی۔

''مجھے ایک دفعہ پھر اپنے فائنل نوٹس دیکھ لینے چاہیے۔۔۔'' اس سوچ نے اس کے اندر چستی کا احساس پیدا کیا۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر فریش ہوئی اور کافی بنانے کے لیے اپنے کمرے سے نکل آئی، رومی کے کمرے کے سامنے سے گذرتے ہوئے اسکے پاؤں کچھ سست ہوئے، اس نے کچھ سوچ کر اس کے کمرے کا ہینڈل گھمایا، دروازہ اندر سے لاک نہیں تھا اس لیے فوراً کھل گیا۔

شہرزاد دبے قدموں اندر داخل ہوئی، سامنے رومیصہ اپنے بیڈ پر بے ترتیب انداز میں سکڑی ہوئی گہری نیند سو رہی تھی اور اس نے اپنا ایک تکیہ بازوں میں مضبوطی سے اس طرح جکڑا ہوا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے تھے۔۔۔

شہرزاد کے دل پر گھونسا سا پڑا۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی رومی کے بالکل پاس آ کر بیٹھ گئی اور اس کا دل دکھ کے گہرے احساس سے بھر گیا، وہ جانتی تھی کہ اس کی بہن ان چند دنوں میں اپنے ساتھ صدیوں کی تھکن سمیٹ لائی تھی۔

اسے پہلی دفعہ احساس ہوا ''بروکن فیملیز کے بچوں کا دکھ وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے خود ننگے پاؤں اس مسافت کو طے کیا ہو۔ جس نے دونوں ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی قطرہ قطرہ تنہائی کا زہر پیا ہو، جس کے دامن میں صرف محرومیوں کے سکّے ہوں۔ وہ جان گئی تھی کہ جن کے حصّے میں ہمیشہ آدھا سورج آیا ہوں ان کا پورا دکھ کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔۔۔''

شہرزاد نے ہلکا سا جھجک کر اس کے بے رونق چہرے سے بال ہٹانے کی کوشش کی، اسکے لمس کو محسوس کر کے رومیصہ ایکدم ہڑبڑا کر اٹھی، اس کا چہرہ خوف کے احساس سے زرد ہو گیا۔ اسکی آنکھوں میں اس قدر وحشت تھی کہ ایک لمحے کو شہرزاد کو بھی اپنا دل سکڑتا ہوا محسوس ہوا۔

''رومی، میری جان، یہ میں ہوں شیری، تمہاری بہن۔۔۔۔!!!''

''شیری۔۔۔؟؟؟'' رومیصہ کا تنفس بحال ہوا اور اسکی آنکھوں میں شناسائی کے رنگ ابھرے اور اگلے ہی پل وہ شیری کے ساتھ لپٹ گئی اور دھواں دھار انداز میں رونے لگی، اسکا سارا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا، وہ اس قدر شدت سے رو رہی تھی کہ شہرزاد کو لگا جیسے اس کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔

☆......☆......☆

درشہوار کے کمرے کا ماحول خاصا گرم تھا۔

آتش دان سلگ رہا تھا اور وہ کارپٹ پر رکھے فلور کشن پر بیٹھی ہوئی تھی، اور اس نے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا رکھی تھی اس کے قدموں میں چیتا پرنٹ والا کمبل پڑا ہوا تھا اور وہ اس وقت گود میں رکھے ہوئے لیپ ٹاپ پر اپنی اور مناہل کی کنسرٹ کی تصویریں دیکھنے میں مگن تھی۔

اچانک اس کے کمرے کا دروازہ دھڑ کر کے کھلا اور درشہوار کا دل دھک کر کے رہ گیا، سامنے طوبیٰ کو دیکھ کر اس کا سانس بحال ہوا۔

''تم انسانوں کی طرح اندر نہیں آ سکتی ہو کیا۔۔۔؟'' درشہوار نے بیزاری سے لیپ ٹاپ بند کیا۔

''نہیں۔۔۔۔'' وہ دھپ کر کے اس کے برابر میں رکھے کشن پر بیٹھ گئی اور اپنا غیر ہموار سانس درست کرنے لگی۔

''میراتھن ریس میں حصّہ لے کر آ رہی ہو کیا۔۔۔؟''

''ہاں، تمہارے بغیر مزا نہیں آ رہا تھا، سوچا تمہیں بھی انوائیٹ کر لوں۔۔۔'' طوبیٰ نے بھی جوابی وار کیا۔

''سوری، میں کسی لڑکے کے ساتھ گھر سے تو بھاگ سکتی ہوں لیکن کسی ریس میں حصّہ نہیں لے سکتی۔۔۔'' درشہوار نے سائیڈ پر رکھی مونگ پھلیوں سے بھری ہوئی پلیٹ اٹھا کر اپنی گود میں رکھی۔

''تم سے مجھے اسی واہیات کام کی توقع تھی۔۔۔'' طوبیٰ نے منہ بنا کر مونگ پھلی چھیلنا شروع کر دی۔

''لو اب بندہ اکیلے سڑکوں پر بھاگتا ہوا اچھا لگتا ہے کیا۔ ذرا تصور کرو۔۔'' درشہوار شوخی کے موڈ میں تھی۔

''سب باتوں کو چھوڑو، یہ بتاؤ، بیا سے تمہارا کوئی جھگڑا ہوا ہے کیا۔۔۔''

''میں نے تو ان کی شکل ہی آج دیکھی ہے اتنے دنوں کے بعد۔۔۔''

''لیکن تم پر کس بات کا غصّہ ہے انہیں۔۔۔'' طوبیٰ نے الجھ کر اسکا چہرہ دیکھا۔

''بھئی نند اور بھابھی والی ازلی رقابت ہو گی۔۔۔'' درشہوار نے بات کو چٹکیوں میں اڑایا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بیا کا مزاج ہے ہی نہیں ایسا۔۔۔'' طوبی نے فوراً بہن کا دفاع کیا۔

''پھر تم خود بتاؤ، کتنے رف انداز میں انہوں نے تمہارے سامنے مجھ سے بات کی تھی، حالانکہ میں نے تو انہیں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔۔''

''لیکن کچھ نہ کچھ تو ہوا ہے، وہ اتنا زیادہ ڈسٹرب کسی عام بات پر نہیں ہو سکتیں۔''

''اب مجھے کیا پتا ان کے دل و دماغ میں کیا چل رہا ہے۔۔۔'' درشہوار بیزاری سے گویا ہوئی

''کہیں برہان بھائی کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں ہوا ان کا۔۔'' طوبی کی بات پر درشہوار اچھلی اسے شام کا منظر یاد آیا۔

''اوہ ہاں، آج شام میں جب میں اور ہانی بھیا واپس آئے تھے تو ان دونوں کی ٹی وی لاؤنج میں ایک ہلکی سی جھڑپ ہوئی تھی۔''

''اوہ آئی سی۔ تو پھر یہ بتاؤ ناں، خوامخواہ سے رنگ برنگی باتیں کیے جا رہی ہو۔۔۔'' طوبیٰ کے ساتھ ساتھ درشہوار خود بھی کچھ پرسکون ہوئی۔

''لگتا ہے اسی بات کا غصّہ اتارا ہے انہوں نے مجھ پر۔۔''

''ہاں اب تو مجھے بھی یہی لگ رہا ہے۔۔۔'' طوبی تھوڑا مطمئن ہوئی

'اب بندہ پوچھے بھلا اس میں میرا کیا قصور ہے۔؟'' درشہوار نے معصومیت کی انتہا کر دی۔

''ویسے تو اس گھر کے ہر معاملے میں تمہارا ہی کوئی نہ کوئی قصور ہوتا ہے، لیکن۔۔۔طوبیٰ شرارت سے رکی۔

''لیکن کیا۔۔۔؟؟؟'' درشہوار نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

''اس دفعہ تمہاری مظلومیت مجھے بھی کسی شک و شبے سے بالاتر ہی لگ رہی ہے۔۔۔'' طوبی کے شرارتی انداز پر درشہوار نے ایک زوردار جھانپڑ اس کے کندھے پر رسید کیا تو ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔۔

''کیسا رہا تمہارا اسلام آباد کا ٹرپ۔۔۔؟'' طوبی نے اپنا کندھا سہلاتے ہوئے منہ بنا کر پوچھا۔

''ٹرپ تو زبردست تھا، فارحہ بھابھی نے کافی شاپنگ کروائی مجھے۔۔۔'' درشہوار کی آنکھیں چمکیں۔

''میرے لیے کیا لائی ہو۔۔۔؟'' طوبی بے تاب ہوئی۔۔

''بہت قیمتی تحفہ۔۔۔'' درشہوار نے شرارت سے آنکھیں مٹکائیں۔۔۔

''اچھا۔۔۔وہ کیا۔۔۔؟؟؟'' اس نے بے تاب لہجے میں پوچھا۔

''دعائیں۔۔۔۔'' درشہوار نے اس کے ارمانوں پر اوس ڈالی۔

''سنبھال کر رکھو اپنی بے سوادی دعائیں۔۔۔'' وہ تڑپ کر مزید بولی۔'' جب میں جاؤں گی ناں کہیں، تو ٹکے کی بھی چیز نہیں لاؤں گی تمہارے لیے۔۔''

طوبیٰ سچ مچ اس سے خفا ہوگئی اور وہ مسکراتے ہوئے اپنی واڈروب سے ساری شاپنگ نکالنے لگی کیونکہ اسے علم تھا کہ وہ خواہ کتنی ہی ناراض کیوں نہ ہو لیکن اسکی سب چیزوں کا پوسٹ مارٹم کیے بغیر کمرے سے نہیں ملے گی۔

☆......☆......☆

وہاج میر کو آج نور محل میں سخت گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔۔۔

آج شام ہی ان کی داجی کے ساتھ میر ہاؤس سے واپسی ہوئی تھی اور چونکہ وہ الرجی اور ایستھما کے پیشنٹ تھے اور سردیوں میں ان کی تکلیف میں مذید اضافہ ہو جاتا، مری سے واپسی پر ہی چھینکوں کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ ابھی تک جاری تھا۔

ان کی آنکھوں سے مسلسل پانی بہہ رہا تھا اور گلے میں بھی اچھی خاصی خراش محسوس ہو رہی تھی۔

''آپ کو جانا ہی نہیں چاہیے تھا مری۔۔۔'' فارحہ نے گرین ٹی کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے محتاط انداز میں کہا۔ اپنے شوہر کی خرابی طبعیت نے انہیں اچھا خاصا پریشان کر رکھا تھا لیکن وہاج کو ان کی پریشانی کا قطعاً بھی احساس نہیں تھا۔

''ماں باپ ہیں وہاں میرے اور اتفاق سے زندہ بھی ہیں۔۔۔'' ان کی طرف سے حسب معمول جلا کٹا ہی جواب آیا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔۔۔'' فارحہ گھبرا گئیں، میر وہاج کی شعلہ صفت طبعیت ان کے ہاتھ پیر پھلائے رکھتی تھی۔ ''میں تو آپ کی طبعیت کی وجہ سے کہہ رہی ہوں، اب دیکھیں ناں کتنی بُری حالت ہو رہی ہے آپ کی۔۔۔''

''تم میری حالت کو چھوڑو اور یہ کھڑکیاں کھول کر پردے ہٹاؤ۔۔'' وہاج کی اگلی فرمائش نے انہیں ہکا بکا کیا۔

''باہر شدید سردی ہے وہاج۔۔۔'' وہ پریشان ہوئیں۔

''اور مجھے اندر گھٹن کا احساس ہو رہا ہے۔۔۔'' انہوں نے بیزاری سے اپنا سینہ مسلا۔

فارحہ فکرمند انداز میں ان کی طرف بڑھیں، جلدی سے ان کا ماتھا چھو کر دیکھا تو وہ خاصا سرد تھا۔ اس کے ہاتھ کے لمس کو محسوس کر کے وہاج نے آنکھیں کھولیں تو ان میں موجود سرخی اور وحشت دیکھ کر وہ گھبرا گئیں۔

''شکر ہے بخار تو نہیں ہے آپ کو۔۔۔''

''تم اپنی ڈاکٹری جھاڑنا بند کرو اور کمرے کی کھڑکیاں کھولو۔۔''

''وہاج آپ کی طبعیت خراب ہو جائے گی، باہر بہت ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔

''جاہل عورت، میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے گھٹن کا احساس ہو رہا ہے، اور تم مجھے آگے سے موسم کا حال سنا رہی ہو۔۔'' وہ اپنا ضبط کھو بیٹھے۔۔۔

''اچھا، اچھا میں کھول دیتی ہوں۔۔'' انہوں نے جیسے ہی کھڑکی کھولی، سرد ہواؤں کا طوفان کمرے میں گھس آیا، اور ان پر کپکپی سی طاری ہوگئی۔

''اُف۔۔۔!!!!'' وہاج نے منہ کھول کر ایک لمبا سانس لیا اور تازہ ہوا کو پھیپھڑوں میں بھرنے کی کوشش کی جو انہیں خاصی مہنگی پڑی۔ ان کا کچھ دیر پہلے چھینکوں کا رکا ہوا سلسلہ شروع ہوا اور اس کے ساتھ ہی انہیں کھانسی کا ایک طویل دورہ پڑا۔۔

''اوہ میرے خدایا۔۔۔'' فارحہ نے گھبرا کر ان کی کمر کو سہلایا۔۔۔

وہاج کی حالت ایک دم ہی بگڑ گئی، ان کی ناک میں خراش بڑھ گئی اور اس کے ساتھ ہی سانس لینے میں بھی دقت کا سامنا ہونے لگا، دیکھتے ہی دیکھتے ان کا نظام تنفس بگڑ کر رہ گیا۔

''میرا ان ہیلر لاؤ۔۔'' وہ کھانسی کے درمیان بمشکل بولے تو فارحہ نے سائیڈ میز پر رکھا ان کا ان ہیلیر نکال کر ان کی طرف بڑھایا اور وہ جلدی سے اپنی ناک اور منہ سے لگا کر لمبے لمبے سانس لینے لگے۔ کچھ لمحوں کی مشقت کے بعد ان کی طبعیت کچھ بحال ہوئی۔

''کھڑکی بند کردو پلیز۔۔۔'' ان کا دماغ ٹھکانے آچکا تھا، فارحہ نے خاموشی سے جا کر کھڑکی بند کر کے پردہ آگے کر دیا۔

''توبہ ہے، سانس لینا ہی محال ہو گیا تھا۔۔'' وہ اب اپنی اینٹی الرجک میڈیسن کھا رہے تھے۔۔۔

''پتا تو ہے آپکو سردی کا موسم راس نہیں ہے۔۔۔''

''مجھے تو لگتا ہے کوئی بھی چیز راس نہیں ہے، نہ جانے کس کی بددعا کے اثر میں ہوں۔۔۔'' وہ ڈیپریشن کی انتہاء پر تھے۔۔

''آپ کو کوئی کیوں دے گا بدعائیں، آپ نے کس کے ساتھ بُرا کیا ہے۔۔'' فارحہ ان کے پاس بیٹھ کر نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر سہلانے لگیں۔

''سب سے زیادہ تو تم ہی دیتی ہونگیں۔۔۔'' ان کے انداز میں تلخی تھی یا سادگی، فارحہ سمجھ نہیں پائیں۔

''اللہ نہ کرے، میں کیوں کروں گی ایسا، میرا آپ کے علاوہ ہے ہی کون۔۔''؟

''جانتا ہوں میں، اگر تمہارا ابھی کوئی والی وارث ہوتا تو کب کی مجھے چھوڑ کر جا چکی ہوتیں۔۔'' انہوں نے بیڈ کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

''پتا نہیں آپ مجھ سے اتنا بدگمان کیوں رہتے ہیں۔۔۔؟'' وہ اداس ہوئیں۔

''مجھے تو خود سمجھ نہیں آتی کہ زندگی سے سکھ اور چین کیوں ختم ہو گیا ہے، ہر وقت کوئی نہ کوئی دھڑکا لگا رہتا ہے، ایسا لگتا ہے کوئی آسیب میرے تعاقب میں ہے''

وہ تھکے تھکے انداز میں بولتے ہوئے اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہے تھے۔۔۔

''آپ صدقہ کیوں نہیں دیتے اپنا۔۔۔'' فارحہ نے خلوص نیت سے مشورہ دیا۔۔

''اس سے کیا ہوگا۔۔۔؟'' انہوں نے استہزایہ انداز میں پوچھا۔۔۔

''صدقہ سو بلاؤں کو ٹالتا ہے۔۔'' فارحہ نے سادگی سے کہا۔

''کیوں تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں نے کوئی گناہ کیا ہے۔۔۔''ان کے اندر کا چور مچل کر باہر نکل آیا۔۔۔

''استغفراللہ، میں نے ایسا کب کہا، صدقہ اور خیرات کسی گناہ کا اثر زائل کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں۔۔۔''فارحہ بھی بُرا مان گئیں۔

''اچھا، اچھا ٹھیک ہے جو بہتر لگے کرلو، بلکہ کوئی خیرات شیرات ہی کروالو نور محل میں۔۔۔''خلاف توقع وہ مان گئے۔

''خیرات کے لیے تو خاصے انتظامات کرنے ہونگے۔۔۔''

''پیسوں کی کمی تھوڑا ہے میر ہاؤس کے مکینوں کو۔۔۔''وہاج کی طرف سے حسب عادت الٹا ہی جواب آیا۔

''بات پیسوں کی نہیں ملازمیں کی ہے، یہاں سے بھی شفیق چچا کے گھر والوں کو بلوالیا گیا ہے مری میں۔۔''فارحہ کو اپنا تازہ ترین دکھ یاد آیا۔

''وہاں بھی تو خاصا مسئلہ ہو رہا تھا۔۔۔''انہوں نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

''کچھ پتا چلا بہادر علی اور صندل کا خاندان کیوں گھر چھوڑ کر گیا ہے۔۔۔''فارحہ نے ان کی دکھتی ہوئی رگ پر انجانے میں ہاتھ رکھ دیا۔

''مجھے کیا پتا، میں ان کا پرسنل اسسٹنٹ تھوڑا لگا ہوا ہوں، یا مجھ سے مشورہ کر کے گئے ہیں وہ لوگ۔۔۔؟''وہاج کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''میں نے تو یونہی ایک بات کی تھی۔۔۔''فارحہ نے گھبرا کر وضاحت دی۔

''جتنی عقل ہوگی، ویسی ہی بات کروگی ناں۔۔''ان کا موڈ ابھی تک خراب تھا۔۔۔''ملازم چاہیے ناں، مل جائیں گے تمہیں بھی، اب جا کر مجھے سوپ بنا کر دو بھوک لگ رہی ہے۔۔۔''

''ساتھ ایک دو انڈے بھی بوائل کردوں۔۔۔''فارحہ نے اٹھتے ہوئے پوچھا تو وہاج نے بیزاری سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

صبح ساڑھے چھے بجے کے قریب شہرزاد کی آنکھ کھلی۔

اس نے اٹھتے ہی اپنے کمرے کی دیوار گیر کھڑکی کا پردہ ہٹایا تو سامنے کا منظر دیکھ کر مبہوت رہ گئی۔ ملگجی سی روشنی میں ہوا کی سرسراہٹ کے ساتھ زرد اور نارنجی پتے ٹیرس پر یوں گر رہے تھے جیسے کوئی دھیمے سروں میں سرگوشی کر رہا ہو۔۔۔

رات والی بارش رک چکی تھی اور فضاؤں میں چاروں طرف گہری دھند کا راج تھا۔ وہ واش روم سے فریش ہو کر نکلی اور اپنا ٹاول کرسی پر پھینکا۔ اس کی بیڈ ٹی ملازمہ نہ جانے کب سائیڈ میز پر رکھ کر چلی گئی تھی۔

اس پر جمی سیاہ رنگ کی ملائی کی تہہ سے نظریں چرا کر وہ جوگرز کے تسمے باندھنے لگی۔ جوگنگ اور ایکسرسائز دو ایسی چیزیں تھیں جن کے بغیر شہرزاد کی زندگی ادھوری تھی۔ بہت کم اس کے اس معمول میں تعطل آتا تھا۔

گذشتہ رات اس نے کئی گھنٹے رومیصہ کے ساتھ جاگ کر گذارے تھے، وہ اسے فارم ہاؤس میں گذرے ہوئے دنوں کی روداد سنا رہی تھی جسے سن کر شہزاد کو کم از کم یہ احساس ہو گیا تھا کہ اسے اغوا کرنے والے لوگوں میں کچھ نہ کچھ انسانیت ضرور تھی۔

رات تین ساڑھے بجے کے قریب وہ اپنے کمرے میں آکر سو گئی تھی اور اب چند گھنٹوں کی نیند نے اسے خاصا فریش کر دیا تھا۔

وہ اپنا ٹریک سوٹ پہنے تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تو سامنے نئی ملازمہ رشیدہ بیڈ ٹی کا خالی کپ لیے ٹینا بیگم کے کمرے سے نکل رہی تھی، اس نے صبح ہوتے ہی اپنی ذمے داریاں سنبھال لی تھیں۔

"السلام علیکم۔۔۔" رشیدہ بوا نے اسے دیکھتے ہی سلام جھاڑا۔

"وعلیکم السلام، رات نیند آ گئی تھی آپ کو نئے جگہ پر۔۔۔؟" شہزاد کا اپنائیت بھرا انداز رشیدہ کو اچھا لگا۔

"جی بی بی جی۔۔۔"

"آپ انکل صوفی سے کہہ دیں، میرا فریش جوس ایک گھنٹے تک ریڈی رکھیں، میں جوگنگ کر کے آ رہی ہوں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

"بیٹا، دھند بہت ہے باہر، کیسے جائیں گی۔۔۔" رشیدہ مائی کے لہجے کی تشویش پر وہ مسکرائی۔

"ڈونٹ ووری، عادت ہے مجھے۔۔۔" وہ مسکرا کر پورچ میں نکل آئی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اسکی ہیڈ لائٹس آن کیں اور محتاط انداز میں ڈرائیونگ کرتی ہوئی وہ شالیمار کلب پہنچ گئی، جہاں آنا اسکا معمول تھا۔

صبح کے اس پہر وہاں اس کے جیسے ہی چند سر پھرے لوگ پہلے سے موجود تھے۔ شدید سرد موسم میں اپنے گرم بستروں سے نکل کر جوگنگ کے لیے آنا دیوانوں کا ہی کام تھا اور شہزاد اس معاملے میں ان سے کم نہیں تھی۔۔۔

اس نے جیسے ہی جوگنگ ٹریک پر پہلا قدم رکھا، اسکے سیل فون کی مترنم گھنٹی گونج اٹھی۔ یہ مخصوص ٹون اس نے صرف ہم زاد کے نمبر پر سیٹ کر رکھی تھی۔ اس نے ہینڈ فری کانوں میں لگا کر سیل فون جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ وہ اب تیز تیز چل رہی تھی۔۔

"زرد پتوں کو اپنے پاؤں تلے روندنا اچھا لگتا ہے آپکو۔۔۔؟" ہم زاد کے معنی خیز انداز پر وہ ہلکا سا ہنسی۔۔۔

"جی بہت زیادہ۔۔۔" اس کے لہجے میں چھلکنے والی شوخی رومیصہ کی واپسی پر اسکے پرسکون ہونے کی گواہ تھی۔

"بہت ظالم ہیں آپ۔۔؟" اس نے شکوہ کیا۔۔۔

"صبح صبح یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے آپ نے تو یہ بات دوپہر کو آرام اور سکون سے بھی بتائی جا سکتی تھی۔۔۔" جوگنگ ٹریک پر وہ احتیاط سے بھاگنے لگی کیونکہ دھند کی وجہ سے راستہ بالکل دیکھائی نہیں دے رہا تھا۔۔

"ذرا سوچیں محترمہ، کتنے خزاں رسیدہ زرد پتے ،آپ کے پیروں کے نیچے آکر مسلیں جائیں گے۔۔۔" اس کا ایک ایک لفظ شرارت میں ڈوبا ہوا تھا۔

"آپ کو صبح صبح خزاں رسیدہ پتوں کا دکھ کیوں ستا رہا ہے۔۔۔؟" اس نے اپنی اسپیڈ تیز کی۔

"اس لیے کہ ان میں اور مجھ میں ایک چیز مشترک ہے۔۔۔۔"اس کا معنی خیز لہجہ شہزاد کی سماعتوں سے ٹکرایا۔

"وہ کیسے۔۔۔؟" وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"جب انہیں کوئی اپنے پیروں تلے مسلتا ہوگا تو سوچیں کیا قیامت گذرتی ہوگی ان پر۔۔۔"

"آپ پتوں کو چھوڑیں، اپنا حال بتائیں۔۔۔" وہ بھی غیر سنجیدہ تھی۔

"خزاں کے موسم میں زرد پتوں کے چٹخنے کی آواز سنو تو سمجھنا میرا دل بھی تمہارے قدموں تلے آ کر روندا گیا۔" چلتے چلتے شہزاد کے دل کی دھڑکن ایک لمحے کو تھمی۔ زمین نے اس کے پیر جکڑ لیے، یہ تو طے تھا کہ اس شخص سے باتوں میں جتنا ناممکن تھا۔۔۔

اس نے بلا ارادہ زمین پر پھیلے سینکڑوں زرد پتوں کو دیکھا، اسے لمحے بھر کو یہی محسوس ہوا جیسے واقعی اسکا دل اسکے پیروں کے نیچے آ کر روندا گیا ہو۔ شہزاد نے ایک لمبی سانس بھر کر سرد ہوا کو اپنے پھیپھڑوں میں منتقل کیا۔۔۔

"پھر صاف صاف کہیں ناں، اس موسم میں جوگنگ کرنا چھوڑ دوں میں۔" وہ جل کر بولی اور ہم زاد کا قہقہہ اسکی سماعتوں میں گونجا۔۔

"ارے ہم کون ہوتے ہیں آپ کو، آپکے فیورٹ کام سے روکنے والے۔۔۔۔"

"یہ کام تو شاید آپ کو بھی بہت پسند تھا۔۔۔" شہزاد کو اسکی کہی ہوئی اکثر باتیں یاد تھیں۔

"قسم لے لیں، اس وقت میں بھی کسی ٹریک کی خاک چھان رہا ہوں۔۔۔"اس کے لہجے کی سچائی پر شہزاد کو یقین آ گیا۔۔۔

"اس ٹریک پر کیا ریڈ کارپٹ بچھا ہوا ہے، جو کسی اور کے دل کے چٹخنے کی آوازیں آپ کو نہیں آ رہیں۔۔۔" شہزاد نے بھی اس پر بھرپور حملہ کیا اور وہ اس کی حاضر جوابی پر ایک دفعہ پھر قہقہہ لگا کر ہنسا۔۔۔

"آپ کہیں تو سہی کہ ان پتوں کے ساتھ آپکا دل ہے، ایک قدم بھی اٹھا جاؤں تو نام بدل دیجئے گا میرا۔۔۔"

"سوری میں چیزوں کو ان کے درست مقام پر ہی رکھتی ہوں۔۔" شہزاد مسکرائی۔

"اچھا کرتی ہیں، مجھے بھی میری ہی اوقات میں رکھا ہوا ہے، چلیں پھر ملتے ہیں ایک بریک کے بعد۔۔۔"اس نے فون بند کر کے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

وہ اسکی سوچوں میں گم گہری دھند میں لپٹے جوگنگ ٹریک پر تیزی سے بھاگتے ہوئے ایک شخص سے بُری طرح ٹکرائی۔ جو مخالف سمت سے آ رہا تھا۔

"دھیان سے۔۔۔۔"اس شخص نے بے ساختہ تھام کر اسے گرنے سے بچایا۔ ایک مانوس سے پرفیوم کی خوشبو چاروں طرف پھیلی۔۔۔

''اوہ۔۔۔آئی ایم سوری۔۔۔''شہرزاد ایکدم بوکھلا گئی۔

اس شخص کی گرم انگلیاں اس کے سرد ہاتھوں سے ٹکرائیں اور ہاتھ میں پکڑا سیل فون چھوٹ کر نم زمین پر جا گرا اور مٹی سے بھر گیا۔

''اوہ نو۔۔۔''اس نے فوراً مٹی سے بھرا سیل فون زمین سے اٹھا کر اپنے ٹراوز کی جیب سے رگڑ کر صاف کیا اور اسکی طرف بڑھایا۔

''تھینک یو۔۔۔''شہرزاد نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

سرد موسم میں اس شخص نے آسمانی رنگ کے ٹریک سوٹ پر نیوی بلیو جیکٹ پہن رکھی تھی اور سرخ رنگ کے اونی مفلر سے سارا منہ ڈھانپ رکھا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ اس پر غور وفکر کرتی وہ شخص اسی دھند میں کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو گیا۔۔۔

''کون تھا یہ۔۔۔''وہ اسکی شفاف شہد رنگ آنکھوں کی چمک پر الجھی۔۔

اسکے چہرے کے باقی نقوش وہ اونی مفلر میں چھپے ہونے کی وجہ سے نہیں دیکھ پائی تھی۔۔۔

لیکن کچھ تھا، جس نے اسے چونکا دیا تھا،اسکا شخص کا لمس بہت اپنائیت بھرا تھا۔۔۔

شہرزاد کو عجیب سا احساس ہوا۔۔۔وہ جوگنگ ٹریک کی سائیڈ پر رکھے سنگ مرمر کے بینچ پر بیٹھ گئی۔اس کی دل کی دھڑکن ایکدم ہی بے قابو ہوئی،اس کے ہاتھ میں پکڑے سیل فون پر اب ہم زاد کا نمبر بلنک کر رہا تھا۔اس نے سرد ہاتھوں کے ساتھ کال اٹینڈ کی۔۔۔

''خوشبو اچھی لگاتی ہیں آپ۔۔۔'' اس کا شوخی سے بھرپور لہجہ شہرزاد کی دھڑکنیں منجمند کر گیا۔

''لڑکیوں کو ایسی ہی دھیمی اور مسحور کن خوشبو کا استعمال کرنا چاہیے جو وہی شخص محسوس کر سکے جو دل کے پاس ہو۔۔۔۔۔''ہم زاد بول رہا تھا اور شہرزاد کی تو گویا قوت گویائی ہی سلب ہو کر رہ گئی،اسکے ذہن کے پردے پر دو شفاف شہد رنگ آنکھیں ابھریں۔۔

''یہ آپ تھے ناں، جو تھوڑی دیر پہلے مجھ سے ٹکرائے تھے۔۔''شہرزاد نے اپنا خشک حلق تر کرتے ہوئے پوچھا۔

''اب تو گلہ نہیں کریں گی کہ سامنے نہیں آیا میں۔۔۔''دُھند کے اس پار ایک زوردار قہقہ اسکی سماعتوں میں گونجا۔

''اتنے ہی بہادر تھے تو جم کر کھڑے ہوتے۔۔۔''شہرزاد ہلکا سا چڑ کر گویا ہوئی۔

''میں نہ صرف جم کر کھڑا ہوا، آپکو گرنے سے بچایا اور گندی مٹی سے بھرا سیل فون صاف کر کے آپکے سرد ہاتھوں میں بھی تھمایا، اب کیا جان لیں گی میری۔۔۔۔؟''وہ اب محض اسے چڑا رہا تھا۔

''کسی لڑکی کا سیل فون ٹشو پیپر کی بجائے ٹراوزر کی جیب سے رگڑ کر صاف کرنا، بدتہذیبی ہے۔۔''شہرزاد کے طنزیہ لہجے پر وہ پھر ہنسا۔

''کچھ بھی کہیں لیکن مجھے معلوم ہے آپ اس سیل فون کی اسکرین اب کبھی صاف نہیں کریں گی۔۔۔''شوخی اس کے ایک ایک لفظ سے ٹپک رہی تھی۔

''کیوں۔۔۔''شہرزاد اب پارکنگ کی طرف بڑھنے لگی۔

''میرے ہاتھوں کا لمس ہے اس پر۔۔۔''

''ہاں فنگر پرنٹس بھجواتی ہوں نادرا کے آفس۔۔۔دومنٹ میں سارا بائیوڈیٹا نکل کر آجائے گا سامنے۔۔۔''شہرزاد کو اسکی ہنسی زہر لگ رہی تھی۔

''یہ بھی کر کے دیکھ لیں، پھر آپ کی کامیابی کو کسی اچھی جگہ پر کینڈل لائٹ ڈنر کے ساتھ سیلبریٹ کریں گے۔۔''وہ سراسر اسکا مذاق اڑا رہا تھا۔

شہرزاد نے چڑ کر سیل فون ہی پاور ڈ آف کر دیا اور جیسے ہی وہ پارکنگ میں پہنچی،اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی،سامنے اس کی گاڑی کے بونٹ پر ایک گملا رکھا ہوا تھا جس پر لگے پودے پر چند پھول کھلے ہوئے تھے۔وہ سمجھ چکی تھی کہ یہ اسی کی شرارت ہے۔۔۔

☆......☆......☆

مونیکا کے پورے گھرانے کی نظریں وال کلاک پر جمی ہوئیں تھیں۔۔۔

جیسے جیسے کلاک کی سوئیاں گردش کر رہی تھیں انہیں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا،جارج اپنی میوزک اکیڈمی سے شام پانچ بجے تک لوٹ آتا تھا اور اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔۔

''دوبارہ کال ملاؤ اپنے باپ کو۔۔''مارتھا کا دل کسی کھائی میں ڈوبا۔

''نمبر ابھی بھی پاورڈ آف جا رہا ہے ان کا۔۔۔''مونیکا نے پریشانی سے جواب دیا۔

''خداوند،رحم کر ہم پر۔۔۔''مارتھا گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بمشکل کھڑی ہوئیں،ان کے تینوں بچوں کے چہروں پر تشویش،پریشانی اور فکرمندی کے تاثرات نمایاں تھے،جارج کے چند گنے چنے دوست تھے اور مونیکا ان سب کے ہاں فون کر کے پوچھ چکی تھی۔

''انکل جوزف کو کال کر کے پوچھو مونیکا،ان کو یقیناً کچھ نہ کچھ پتا ہوگا۔۔''مونیکا کی چھوٹی بہن نے اسے مشورہ دیا۔

''ہاں ہاں،فوراً ان کو کال کرو،وہ بھی تو انہی کی اکیڈمی میں نوکری کرتے ہیں۔۔۔''مارتھا دروازے کی طرف چلتے ہوئے پلٹیں۔

''لیکن میرے پاس نمبر نہیں ہے ان کا۔۔۔''مونیکا نے مایوسی سے جواب دیا۔

''تمہارے باپ کی ڈائری میں سارے نمبر لکھے ہوئے ہیں۔۔''مارتھا کی بات سنتے ہی اس نے فوراً سائیڈ میز پر رکھی ڈائری اٹھائی اور تھوڑی سی تلاش کے بعد اسے انکل جوزف کا نمبر مل گیا۔

جوزف سے سلام دعا کے بعد ملنے والی اگلی اطلاع پر مونیکا کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔۔۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل۔۔۔''مونیکا کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی،مارتھا اور اسکی چھوٹی بہن لپک کر اسکے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں،اور ہاتھ کے اشاروں سے اس سے پوچھنے لگیں۔

''چلیں ٹھیک ہے،آپ پلیز ان کے جاننے والوں سے پوچھ کر ضرور بتائیے گا،ہم لوگ پریشان ہو رہے ہیں۔۔''مونیکا نے

فون بند کیا۔

''کیا کہا انکل جوزف نے۔۔۔؟؟؟'' اس کی بہن نے بے تابی سے پوچھا۔

''پاپا، آج اکیڈمی گئے ہی نہیں۔۔۔'' مونیکا نے ماں اور بہن سے نظریں چرا کر وال کلاک کی طرف دیکھا، جس پر اب گیارہ کا ٹائم ہو رہا تھا۔

''یہ کیسے ممکن ہے، وہ خود بتا کر گئے تھے مجھے۔۔۔'' اسکی ماں کی پریشانی بڑھی۔

''آپ سے کہیں اور جانے کا ذکر تو نہیں کیا تھا انہوں نے۔۔۔؟'' مونیکا نے پریشانی سے پوچھا

''ہرگز نہیں۔۔۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

''پھر کہاں جا سکتے ہیں اور نمبر بھی کیوں بند کر رکھا ہے آخر۔۔۔؟'' ان کی چھوٹی بیٹی اٹھ کر پریشانی سے ٹہلنے لگی۔

''خداوند ہی جانتا ہے۔۔۔'' اسکی ماں نے پریشانی سے اپنی تینوں بچوں کو دیکھا، اسکا سب سے چھوٹا بیٹا ابھی صرف تیرہ چودہ سال کا تھا اور وہ رات کے اس پہر اسے بھی باپ کی تلاش میں گھر سے باہر بھیجنے کا رسک نہیں لے سکتیں تھیں۔

جیسے جیسے وقت گذر رہا تھا، ان چاروں کے دل میں طرح طرح کے وہم اور اندیشے سر اٹھا رہے تھے۔ پونے بارہ بجے کے قریب مونیکا نے فیصلہ کن انداز میں اپنی چادر اٹھائی، اسکی ماں اور بہن نے سوالیہ نظروں سے اسکی طرف دیکھا۔

''میں دلاور کو لے کر جا رہی ہوں پولیس اسٹیشن۔۔۔'' اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا، رات کے اس وقت اکیلی جاؤ گی تم وہ بھی پولیس اسٹیشن۔۔۔'' مارتھا کا مزاج برہم ہوا۔

''ماں ہم گھر میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتے۔۔۔'' وہ جھنجھلا سی گئی۔۔۔

''آپی ٹھیک کہتی ہیں، ہمیں پاپا کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوانی چاہیے۔۔۔'' اسکا بھائی ایکدم ہی بڑا بن کر بولا تو اسکی ماں کو چپ لگ گئی۔

''لیکن اس سے پہلے ہمیں نشتر ہوسپٹل کی ایمرجنسی وغیرہ چیک کر لینی چاہیے۔'' مونیکا کی بہن نے نظریں چرا کر دھیمے انداز میں مشورہ دیا۔ اسی لمحے گھر کی بیل بجی اور ان چاروں کے چہروں پر زندگی دوڑ گئی۔

''لگتا ہے پاپا آ گئے۔۔۔۔'' دلاور لپک کر گیٹ کی طرف دوڑا۔

''دروازہ پوچھ کر کھولنا بیٹا۔۔۔'' اسکی ماں نے پیچھے سے آواز لگائی اور وہ دونوں بہنیں بھی بے تابی سے اٹھیں۔ جیسے ہی وہ باہر نکلیں، سامنے جارج تھکے تھکے انداز میں اپنے بیٹے دلاور کے ساتھ اندر آ رہا تھا۔ اسکے کندھے جھکے ہوئے اور چہرے پر تھکاوٹ کے تاثرات نمایاں تھے۔

''کہاں چلے گئے تھے آپ۔۔۔؟ کچھ احساس ہے کہ ہم لوگ کتنا پریشان ہو رہے تھے۔۔۔'' مارتھا ایکدم ہی ان پر برس پڑیں

،مونیکا نے ماں کا ہاتھ دبا کر انہیں تھوڑا کول ڈاؤن ہونے کا اشارہ کیا،لیکن مارتھا غصّے میں دوسروں کی ذرا کم ہی سنتی تھیں۔

''بیٹا،ایک گلاس پانی کا لاؤ۔۔۔''انہوں نے اپنی عینک اتار کر سائیڈ میز پر رکھی،مونیکا نے دیکھا ان کے جوتے خاصے گرد آلود تھے۔

''یہ لیں پاپا۔۔۔''مونیکا بھاگ کر پانی کا گلاس لے آئی جسے وہ ایک ہی سانس میں سارے کا سارا پی گئے ۔

ان کے تینوں بچے اور بیوی بہت غور سے ان کے چہرے کے تاثرات سے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن جارج نے بھی شاید کچھ نہ بولنے کی قسم کھا رکھی تھی۔۔۔

''آخر کہاں چلے گئے تھے آپ،کچھ پتا بھی تو چلے۔۔۔''مارتھا نے اپنے شوہر کے تاثرات کو دیکھ کر اب کی بار دانستہ نرمی سے پوچھا۔

''لائیٹ بند کر دو،مجھے نیند آ رہی ہے،صبح بات کریں گے۔۔۔''ان کا انداز خاصا پر اسرار تھا۔

''کمال کرتے ہیں آپ،ہمیں ٹینشن ہو رہی ہے،کچھ تو بتائیں۔۔۔''وہ جھنجھلائیں۔

''مونیکا بیٹا،لائیٹ بند کر دو۔۔۔''ان کے لہجے میں کوئی لچک نہیں تھی۔

وہ سب کی نیندیں اڑا کر خود رخ موڑ کر لیٹ گئے اور کمبل اوپر تک تان لیا،جو اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ سونے کا تہیہ کر چکے ہیں،مارتھا نے جھنجھلا کر اپنی دونوں بیٹیوں کی طرف دیکھا،لیکن دونوں نے ہی انہیں آنکھوں ہی آنکھوں میں چپ رہنے کا ایک التجائیہ سا اشارہ کیا جو خلاف توقع مارتھا نے مان لیا تھا لیکن ان کی اپنی آنکھوں کی نیند اڑ چکی تھی۔۔

☆......☆......☆

تجمل حسین کرپشن کیس وہ جیت چکی تھی۔۔۔

وہ بڑے پر وقار انداز میں اپنے ساتھی وکلاء کے ساتھ کمرہ عدالت سے باہر نکلی۔

الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے بہت سے نمائندوں نے اسے ایک ساتھ گھیر لیا تھا،وہ اپنے ازلی پر سکون انداز میں ان کے سوالات کے فردا فردا جوابات دینے میں کامیاب ہو چکی تھی۔تجمل حسین حکومت وقت میں تھا،اور ان کے محکمے کی کرپشن نے پورے ملک کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔وہ آجکل جن چند کیسز پر کام کر رہی تھی،یہ ان میں سے ایک تھا۔

یہ اسکی پروفیشنل زندگی کا پہلا کامیاب کیس تھا جو اس نے مسز قریشی کی بھی مدد کے بغیر لڑا تھا۔

''ویل ڈن شیری۔۔۔کیپ اٹ اپ۔۔۔''سب سے پہلی کال اسے مسز قریشی کی وصول ہوئی جو اس وقت خاصی خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

''تھینک یو میم۔۔۔''شہرزاد نے چند منٹ ان سے بات کر کے فون بند کر دیا۔

''مجھے صبح ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ آج آپ کے آگے کوئی نہیں ٹھہر سکے گا۔۔۔اگلی کال ارتضی حیدر کی تھی جو آج اسے کمرہ عدالت تک چھوڑنے آیا تھا۔

''تھینک یو ارتضی، آپکی بھرپور اسپورٹ کے بغیر یہ ممکن نہیں تھا۔۔۔''

''آپ بہت آگے جائیں گی شیری۔۔۔''

''تھینکس ارتضی، میں پھر بات کروں گی، بیچ میں مام کی کال آرہی ہے۔۔۔''

شہرزاد نے ارتضی حیدر کی کال ڈراپ کر کے ٹینا بیگم کو لائن پر لیا جو اس وقت خاصے خوشگوار موڈ میں تھیں۔

''شیری تم نے تو کمال کر دیا، سارے چینلز پر صرف تمہارا ہی چہرہ دیکھائی دے رہا ہے، سیف الرحمٰن نے بھی مجھے کہا، ناکوں چنے چبوا دیئے ہیں شیری نے تجمل حسین کے وکیل کو، اور پتا ہے میں نے کیا جواب دیا۔'' وہ ایک پل کو رکیں۔۔''میں نے کہا سیف الرحمٰن، آخر شیری بیٹی کس کی ہے۔'' ان کے لہجے میں چھپا فخر محسوس کر کے وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

''او کے مام، شام میں گھر پر ڈیٹیل سے بات کریں گے، ابھی مجھے مسز قریشی کے چیمبر جانا ہے وہاں ایک چھوٹی سی پارٹی ہے۔''

''او کے جانی، ٹیک کیئر۔۔۔'

شہرزاد نے جیسے ہی فون بند کر کے گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگائی، اسے ہم زاد یاد آ گیا، اس تمام عرصے میں اس کی طرف سے ایک سنگل میسج تک اسے موصول نہیں ہوا تھا اور وہ جو ہمیشہ اس کے سامنے ایک ہی قول دہراتا تھا کہ محنت اتنی خاموشی سے کرو کہ تمہاری کامیابی شور مچا دے۔ اب جبکہ اس کی کامیابی نے ہر طرف شور مچا رکھا تھا، وہی شخص چپ کر کے بیٹھ گیا تھا اور اسکی یہ خاموشی آج سے پہلے شہرزاد کو کبھی اتنی بُری نہیں لگی تھی۔

''آخر سمجھتا کیا ہے خود کو، میں اس کی مبارک باد کے لیے مری جا رہی ہوں۔۔۔''

''ہونہہ۔۔۔ کال کرے گا بھی تو میں خود سے اس کیس کا تذکرہ نہیں کروں گی۔۔۔'' وہ دل ہی دل میں کئی ارادے باندھ رہی تھی۔

''میم، آفس آ گیا ہے۔۔'' وہ جو اپنی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی، ڈرائیور کی آواز اسے حقیقت کی دنیا میں لے آئی، وہ ہلکی سی خفت کا شکار ہوئی۔

وہ آفس پہنچی تو مسز قریشی کے دفتر میں ایک چھوٹی سی سرپرائز پارٹی اس کی منتظر تھی، شہرزاد کا دل محبت اور تشکر کے گہرے احساس سے بھر گیا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کی کامیابی کو اتنے کھلے دل سے سراہا جائے گا۔

''مجھے یقین ہے تم بہت آگے جاؤ گی شیری۔۔۔'' مسز قریشی نے بے ساختہ اسے گلے سے لگا کر محبت سے پیش گوئی کی۔

''تھینک یو میم۔ آپ کی اسپورٹ چاہیے۔۔۔''

''ہادی نے بھی بیسٹ وشز کا میسج بھجوایا ہے تمہارے لیے۔۔۔'' انہوں نے کیک کا ٹکڑا اسکی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''میری طرف سے اسپیشل تھینکس کہہ دیجئے گا انہیں۔۔۔'' شہرزاد نے مسکرا کر جواب دیا۔

''تم نے آج بڑے بڑوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے شیری۔۔۔'' بیرسٹر رضا نے ہنس کر لقمہ دیا۔

"نہیں سر، میری ایسی مجال کہاں۔۔۔" انکساری تو اس پر ختم تھی۔

وہ اسکی زندگی کی ایک بہترین شام تھی جو اس کے کولیگز اور فرینڈز نے بہت خوبصورت بنادی تھی، لیکن ان دلکش لمحات میں بھی وہ بار بار اپنا سیل فون اٹھا کر اس آس پر اٹھا کر دیکھتی کہ شاید اتنے ہلے گلے میں میسج کی بپ سنائی نہ دی گئی ہو۔۔۔

ہوسکتا ہے کہ ہمزاد کی کال آئی ہو اور اسے پتا نہ چلا ہو۔۔۔لیکن افسوس ایسا کچھ نہیں ہوا۔اس کا ان باکس اسکے کولیگز اور فرینڈز کے مبارک باد کے پیغامات سے بھر گیا۔بے شمار آنے والی کالز میں کوئی بھی نمبر اس شخص کا نہیں تھا۔

دو گھنٹے بعد اس خوبصورت پارٹی کا اختتام ہوا تو شہزاد نے بھی اپنے تمام کولیگز کا باری باری شکریہ ادا کیا۔وہ اب اچھا خاصا تھک چکی تھی، تبھی تو سبھی نے اسے اٹھنے کی اجازت دے دی تھی۔۔۔

"کیا ہوا گھر نہیں جاؤ گی کیا۔۔؟" اسے اپنے آفس کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر ایڈوکیٹ علینہ نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

"ایک دو ضروری فائلز لے کر جانی ہیں مجھے۔وہی اٹھانے جارہی ہوں۔۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا کر اپنے آفس کی طرف بڑھی۔

اس نے جیسے ہی ہینڈل گھما کر پہلا قدم رکھا، خوشبوؤں نے اسکا استقبال کیا، پورے کمرے میں ایک مسحور کن خوشبو نے اودھم مچا رکھا تھا، اس کی نظر اٹھی اور اسے خوشگوار حیرت کا ایک زوردار جھٹکا لگا، وہ منہ پر دونوں ہاتھ رکھے سخت بے یقینی اور حیرت سے اپنے آفس کو دیکھ رہی تھی۔

اس کا چھوٹا سا دفتر بے شمار پھولوں کے رنگ برنگے گلدستوں سے بھرا ہوا تھا، میز، کرسی، ریک، کیبنٹ ہر طرف بکے ہی بکے تھے۔لگتا تھا کسی نے پوری ہی دکان خرید کر اس کے آفس میں سجادی تھی۔

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔" اس نے بے تابی سے ایک گلدستہ اٹھایا، اس پر لگے وش کارڈ پر ہم زاد نے اپنی رائٹنگ میں لکھا ہوا تھا۔

"میرے بس میں ہوتا تو آپ کی کامیابی پر میں پوری دنیا کے پھول اس ایک کمرے میں بھر دیتا۔۔۔"

شہزاد نے عجلت بھرے انداز میں دوسرا بکے اٹھایا اس پر لگے وش کارڈ پر بھی تحریر تھا۔

"پھولوں کی اگر کوئی زبان ہوتی تو آج کے بعد آپ مجھ سے کبھی نہ پوچھتیں کہ میں آپ سے کتنی محبت کرتا ہوں۔۔"

شہزاد کی تو گویا قوت گویائی ہی سلب ہوکر رہ گئی تھی، اس کی آنکھیں نہ جانے کیوں نم ہوگئیں، وہ باری باری مختلف بکے اٹھاتی اور اس پر لگے وش کارڈز پر لگے جملے پڑھتی اور انہیں اتار کر اپنے بیگ میں احتیاط سے رکھتی جاتی۔اس کا دل و دماغ اب مزید کچھ بھی سوچنے سے قاصر تھا۔ہم زاد کی محبت اور چاہت کا اس سے پہلے کبھی اتنا گہرا احساس نہیں ہوا تھا اسے، اور اسے لگتا تھا شاید وہ اب اس موضوع پر اس سے کبھی کوئی بات نہ کرسکے، اس نے اسے کچھ بھی کہنے کے قابل ہی کہاں چھوڑا تھا۔۔

☆......☆......☆

''تجمل حسین کے وکیل کے تو پرخچے اڑا دیئے اس دو ٹکے کی بیرسٹر نے۔۔''

میر حاکم ابھی ابھی میر محتشم کے ساتھ میر ہاؤس پہنچے تھے،اور انکی آمد کے ساتھ ہی پورے گھر میں کھلبلی مچ گئی۔خواتین جو چھٹی کے روز ذرا سستی سے ہی اٹھتی تھیں،صبح سویرے ان دونوں کی آمد کے ساتھ ہی ہر طرف ایمرجنسی طاری ہوگئی۔

اس وقت سبھی خواتین کچن اور ڈائننگ روم کے چکر لگا رہی تھیں۔میر حاکم علی کی موجودگی میں شارقہ بیگم اور ندرت بیگم بھی اپنے نمبر بنانے کے لیے خاصی متحرک ہو جاتیں،یہ الگ بات کہ تاجدار بیگم کے سامنے کسی کا بھی چراغ زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا تھا۔میر خاقان بھی خاموشی سے اپنے کمرے سے نکل کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

''خیر بابا جان دو ٹکے کی بیرسٹر ہوتی تو بھلا تجمل حسین کا وکیل وقاص جنجوعہ اسے اپنے آگے ٹھہرنے دیتا۔۔'' میر محتشم نے دبے الفاظ میں اسے سراہا۔

''کچھ بھی ہے،ایک دفعہ تو لطف آ گیا،خود کو کوئی چیز سمجھنے لگا تھا تجمل۔۔'' میر حاکم کا موڈ اپنے حریف کی شکست پر خاصا خوشگوار تھا۔

''رہی سہی کسر میڈیا نے پوری کردی،سبھی نے اچھی طرح سے دھویا ہے اسے۔۔'' میر محتشم نے بھی تمسخرانہ انداز میں اپنا حصّہ ڈالا۔

''تجمل کو اب نااہل ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا محتشم،لکھ لو تم یہ میری بات۔۔۔''

''وہ تو ٹھیک ہے بابا جان،لیکن اتنی اندر کی چیزیں اور ثبوت باہر نکلے کیسے۔۔'' میر خاقان نے پہلی دفعہ اس گفتگو میں حصّہ لیا۔

''جیسے تمہارے ٹمبر مافیا کیس میں نکلے تھے،شجاع غنی جیسی مولے کو شاہین بنا کر لا کھڑا کیا تھا اس بیرسٹر شیری نے۔'' میر حکم علی نے اپنا سگار سلگاتے ہوئے ساتھ میں اپنے بیٹے کو بھی سلگایا۔ان کے طنزیہ لہجے پر وہ تو جیسے انگاروں پر جا کھڑے ہوئے۔۔۔

''لیکن نتیجہ کیا نکلا،آخر کیا بگاڑ لیا انہوں نے ہمارا۔۔۔'' خاقان علی نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے متحمل انداز میں کہا۔ ویسے بھی اپنے باپ کے سامنے ان کی کہاں چلتی تھی۔

''میری وجہ سے۔۔'' حاکم علی نے اپنا سینہ ٹھونک کر کہا۔''ورنہ وہ چھٹانک بھر لڑکی نے تو تم دونوں بھائیوں کو بھی ایک دفعہ تگنی کا ناچ نچا دیا تھا،بھول گئے۔

یہ بات۔۔'' حاکم علی کا بے رحمانہ انداز میں کیا گیا تبصرہ سن کر خاقان علی دل ہی دل میں تلملا کر رہ گئے۔

''اب آپکے تجربے اور دانشمندی کا مقابلہ ہم تو نہیں کر سکتے بابا جان۔۔'' میر محتشم نے خوشامدی انداز اپنایا جبکہ خاقان علی کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔وہ ابھی تک میر محتشم کی طرح اپنے باپ کی ہاں میں ہاں ملانے کا ہنر نہیں سیکھ سکے تھے،تبھی تو ان کے اپنے والد کے ساتھ تعلقات اکثر کشیدہ ہی رہتے اور اس بات کا احساس ان کو آجکل شدت سے ہونے لگا تھا۔۔

''بابا جان ناشتہ لگواؤں۔۔۔'' تاجدار بیگم نے ہال کمرے میں جھانکا اور مسکرا کر پوچھا۔۔

''ہاں بھئی اور یہ بچے نظر نہیں آ رہے کیا گھر میں کوئی کرفیو لگا رکھا ہے تم نے۔۔'' میر حاکم کے منہ سے یہ جملہ نکلنے کی دیر

تھی، قسمت کا مارا شاہ میر وہاں گھومتا ہوا آن نکلا۔

اگر اسے ذرا برابر بھی یہ گمان ہوتا کہ بابا جان اپنی کابینہ کے ساتھ وہاں براجمان ہیں، وہ چھٹی کا سارا دن کمرے میں گذار دیتا لیکن ہال کمرے کا رخ نہ کرتا۔ داجی کی عقابی نظریں شاہ میر پر پڑیں اور وہ جو وہاں سے کھسکنے کے چکر میں تھا رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔

''میاں تم ملک وقوم کی خدمت کے علاوہ کبھی آتے جاتے اپنے بزرگوں کا بھی حال احوال پوچھ لیا کرو۔'' داجی کے طنزیہ انداز پر شاہ میر سٹپٹا گیا۔

''السلام علیکم داجی۔ آپ سے ہی ملنے آ رہا تھا میں۔۔'' اس نے بوکھلا کر جھوٹ بولا۔

''بیٹا، خوامخواہ سے زحمت کی، مجھے بتا دیتے، میں خود حاضر ہو جاتا۔۔'' میر حاکم نے شاہ میر کی طبعیت صاف کی اسکی پیشانی پر لکیروں کا جالا گہرا ہوا۔

ڈائننگ روم میں تاجدار بیگم کے ساتھ ناشتہ لگاتی طوبیٰ نے یہ منظر دلچسپ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ پردے کے بالکل پاس آ کر کھڑی ہو گئی جہاں شاہ میر کے علاوہ کوئی بھی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اس وقت سر جھکائے میر ہاؤس کے بڑوں کے سامنے بیٹھا تھا۔ جن کی موجودگی میں ویسے ہی سب دبے پاؤں چلتے اور سرگوشیوں میں بات کرتے تھے۔

''ابھی تک کیپٹن بن کر ہی خواری کاٹ رہے ہو میاں۔۔؟؟؟'' داجی کی اس دل جلاتی مسکراہٹ کا اسکے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

''ویسے محتشم کہنے کو تو تین تین بیٹے ہیں تمہارے لیکن کام کا صرف وہاج ہی نکلا۔۔۔ میر حاکم نے حسب عادت لفظوں کے چابک کا بے دریغ استعمال کیا۔

''بس بابا جان۔۔'' وہ شرمندگی سے بس اتنا ہی کہہ سکے۔

''برہان نے تو ماسٹری کر کے سارے خاندان کی ناک کٹوا دی اور اس پر مزید چار چاند لگا دیئے شاہ میر نے۔۔'' میر حاکم علی نے بھی آج سب کا دل جلانے کی قسم کھا رکھی تھی۔

''میری مانو چھوڑو یہ ملک وقوم کی خدمت، سیاست میں آؤ، اپنے باپ دادا سے کچھ سیکھو اور اپنی زندگی بناؤ، اس دو ٹکے کی نوکری میں رکھا کیا ہے۔'' حاکم صاحب کی اس بات پر شاہ میر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا۔

وہ ایک لفظ بھی منہ سے بولے بغیر غصّے سے اٹھا اور لاؤنج سے نکل گیا، سب جانتے تھے کہ وہ اپنے ملک کی فورسز کے لیے کتنا حساس ہے اور اس نے اپنے بڑوں سے ٹکر لے کر آرمی کو جوائن کیا تھا۔

شاہ میر کی اس حرکت پر سبھی دم بخود رہ گئے، خود میر حاکم علی بھی ضبط کے کڑے مراحل سے گذرے، انہوں نے محض ملامتی نگاہوں سے میر محتشم کو گھورا۔ جو اپنے بیٹے کی اس حرکت پر ڈھیروں خفت کا شکار دکھائی دے رہے تھے۔ تاجدار بیگم بھی گھبرا کر ہال کمرے

میں نکل آئیں۔

"یہ تربیت کی ہے تم نے اس کی، سمجھتا کیا ہے یہ خود کو، بلاؤ اسے، معافی مانگے بابا جان سے۔۔" محتشم علی اپنے بیٹے کی اس حرکت پر آگ بگولہ ہوئے، اور سارا غصہ تاجدار بیگم پر اتار دیا۔۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے اسکی۔۔" تاجدار بیگم نے پریشانی سے بہانہ گھڑا۔

"طبیعت تو اسکی میں سیٹ کرتا ہوں۔۔" میر محتشم لمبے لمبے ڈگ بڑھتے ہوئے اسکے کمرے کی طرف بڑھے۔

میر خاقان نے طنزیہ نگاہوں سے اپنی بڑی بھابی تاجدار بیگم کی طرف دیکھا جو ہراساں نگاہوں سے شاہ میر کے کمرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ حاکم علی بظاہر خاموش تھے لیکن ان کے چہرے پر پھیلا غیر فطری پتھریلا پن ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس وقت کس قیامت سے گذر رہے ہیں، ان کی تو آج تک کسی اولاد نے بھی ان کے سامنے سر اٹھا کر بات کرنے کی جرات نہیں کی تھی اور کہاں ان کا پوتا احتجاجاً ان کے سامنے واک آؤٹ کر گیا۔

شاہ میر تو کافی سالوں سے ان کی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا، اس نے بھی تو باپ دادا کی بے پناہ مخالفت کے باوجود پاک آرمی جوائن کر کے اپنے اوپر "باغی" ہونے کا ٹھپہ لگوا لیا تھا لیکن اپنی خواہش سے دستبردار نہیں ہوا۔۔۔

"بے غیرت، گھٹیا انسان باہر نکلو۔۔۔" محتشم علی اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باہر لائے۔ "یہی سیکھایا گیا ہے تمہاری ٹریننگ میں تمہیں۔۔" محتشم علی بلند آواز میں چیخے۔ سبھی خواتین گھبرا کر ہال کمرے میں آ کھڑی ہوئیں۔

درشہوار نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر خوفزدہ انداز سے یہ منظر دیکھا اور طوبیٰ کی تو باقاعدہ ٹانگیں کانپ رہی تھیں، وہ دیوار کا سہارا لیے کھڑی تھی جبکہ انابیہ کا تو رنگ ہی فق ہو گیا تھا وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے سامنے کا منظر دیکھ رہی تھی۔۔

"اب تم اپنے بزرگوں کے ساتھ بدتمیزی کرو گے بے غیرت انسان۔۔۔" محتشم صاحب کے منہ سے بس جھاگ نکلنے کی کسر رہ گئی تھی۔

"کچھ پتا بھی تو چلے، میں نے کیا کیا ہے۔۔۔" شاہ میر باپ کی مضبوط گرفت سے اپنا بازو چھڑانے کی جدوجہد میں حلق پھاڑ کر چیخا۔

"بکواس بند کرو، جا کر معافی مانگو بابا جان سے۔۔۔" محتشم علی کا سفاک لہجہ طوبیٰ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پیدا کر گیا۔

"کس چیز کی معافی۔۔۔؟ شاہ میر کی آنکھوں سے بغاوت چھلکی۔

"آخر میں نے کیا گستاخی کی ہے۔۔؟" شاہ میر نے طیش سے مغلوب آواز میں کہا۔

"بکواس کرتے ہو تم بڑوں کے سامنے، اور پھر پوچھتے ہو تم نے کیا، کیا ہے۔۔۔" محتشم علی نے غصّے کی انتہاء کو چھوتے ہوئے گھما کر ایک زوردار تھپڑ اپنے بیٹے کے منہ پر دے مارا۔ سبھی نے سانس روک کر یہ منظر دیکھا۔ درشہوار بھاگ کر برہان کو بلا لائی جو خود بھی یہ سین

دیکھ کر بوکھلا گئے تھے۔۔

''بدبخت انسان باپ دادا کو آنکھیں دیکھاتے ہو، آخر تمہاری اوقات ہی کیا ہے۔'' محتشم علی غضب ناک لہجے میں دھاڑے ، برہان اور ارسل دونوں ان کے دائیں بائیں آ کر کھڑے ہو گئے۔۔

''بابا جان پلیز کول ڈاؤن۔۔۔'' برہان نے مداخلت کی، جو اسے بھی مہنگی پڑی۔

''تم چپ رہو، تم کون سا کسی سے کم ہو، ٹکے ٹکے کی نوکریاں کر کے میر خاندان کے اباؤ اجداد کا نام روش کر رہے ہو۔''

انہوں نے برہان کو بھی ایک دم جھاڑ دیا اور ان کا چہرہ متغیر ہوا۔ ارسل نے برہان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر انہیں خاموش دلاسہ دیا۔

''بابا یہ اچھا نہیں کر رہے آپ۔۔۔'' شاہ میر نے انگلی اٹھا کر کہا۔ اس کے رویئے میں دُور دُور تک کوئی بھی لچک نہیں تھی اور یہی بات اس کے باپ کا فشار خون بلند کرنے کا سبب بن رہی تھی۔

''اب تم مجھے اچھے بُرے کی تمیز بتاؤ گے۔۔۔۔'' میر محتشم علی کی آواز اس وقت ایک دبی دبی سی غراہٹ سے مشابہہ ہوئی۔

''شاہ میر بیٹا، جا کر اپنے داجی سے معافی مانگو۔۔۔ جاؤ میرا بیٹا۔۔۔'' تاجدار بیگم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے التجا کی۔

''جب میں نے کچھ کیا ہی نہیں تو معافی کس چیز کی مانگوں۔۔۔؟'' شاہ میر نے ہونٹوں کو پھیلا کر استہزائیہ انداز سے پوچھا، اور محتشم علی اس باغیانہ انداز پر ایک دفعہ پھر مشتعل ہو کر اس کو مارنے کو لپکے لیکن اس دفعہ انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

''بس بابا جان بس۔۔۔۔'' شاہ میر نے باپ کا ہاتھ درمیان میں ہی روک لیا۔

شاہ میر کی آہنی گرفت کی مضبوطی پر محتشم تھوڑا ڈھیلے پڑے، اتنا تو وہ بھی جانتے تھے کہ پاک آرمی کی ٹریننگ نے ان کے بیٹے کو جسمانی طور پر خاصا مضبوط بنا رکھا ہے تبھی تو وہ اچھا خاصا تھپڑ کھا کر بھی ایک انچ اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا۔

''شاہ میر، اپنے باپ کا ہاتھ چھوڑو۔۔۔'' تاجدار بیگم خوفزدہ انداز میں بولیں تو شاہ میر نے جھٹکے سے باپ کا بازو چھوڑ دیا، وہ ہلکا سا لڑکھڑائے۔

''بھائی جان لحاظ کا رشتہ قائم رہے تو بہتر ہوگا، جوان اولاد اور وہ بھی بیٹوں سے پنگا لینا کوئی آسان کام نہیں۔۔۔'' میر خاقان کے ہونٹوں پر ایک زہریلے تبسم نے کروٹ لی۔ انہیں پہلی دفعہ بیٹیوں کا باپ ہونے پر فخر ہوا تھا۔

''اسے کہو، ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکلے، میں ساری زندگی اس بدبخت کی شکل نہیں دیکھوں گا۔'' محتشم علی کا سارا لہوان کے چہرے پر سمٹ آیا۔ ان کے اس اعلان پر تاجدار بیگم تڑپ کر آگے بڑھیں۔

'کیا ہو گیا ہے محتشم صاحب، بچہ ہے، میں سمجھا دوں گی۔۔۔۔'' انہوں نے بوکھلا کر اپنے شوہر کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن محتشم صاحب اس وقت اپنے حواسوں میں ہی نہیں تھے۔

''یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے، تمہاری بے جا شہہ پر یہ سورما بن کر باپ دادا کے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔'' ان کا تنفس مزید تیز

ہوا۔ ''ایسا کرو تم بھی اسکے ساتھ ہی دفعان ہو جاؤ، میں نہ تمہاری اور نہ ہی تمہاری بد بخت اولاد کی منحوس شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔۔''

تاجدار بیگم کی رنگت خطرناک حد تک سپید پڑ گئی۔ وہ کسی سنگی مجسمے کی طرح ساکت ہوئیں۔

شارقہ بیگم اور انکی سوتن ندرت بیگم کے دلوں میں ایک ساتھ کئی پھلجڑیاں پھوٹیں، یہ منظر دیکھنے کی انہیں بہت سالوں سے حسرت تھی۔ جو آج جا کر پوری ہوئی تھی لیکن میر حاکم علی نے ان کو کھل کر لطف اندوز ہونے کا موقع ہی نہیں دیا۔

''تاجدار کہیں نہیں جائے گی، جس نے جانا ہے وہ جائے یہاں سے۔۔'' میر حاکم علی نے غضب ناک لہجے میں کمرے میں پھونکا اور لمبے لمبے ڈگ بڑھتے ہوئے ہال کمرے سے نکل گئے۔۔۔

شاہ میر نے اپنے اندر اٹھتی ناگواری کی لہر کو بڑی مشکل سے دبایا اور پاؤں پٹختا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، ٹھیک دس منٹ کے بعد وہ اپنا بیگ لیے اندر سے نکلا اور کسی کی طرف بھی دیکھے بغیر میر ہاؤس سے باہر نکل گیا۔ ارسل نے بوکھلا کر اس کا تعاقب کیا۔

☆......☆......☆

''مجھے لگتا ہے، میر ہاؤس میں کوئی بڑا ہنگامہ ہوا ہے۔۔''

سڑک پر جمی ہوئی برف پر مضبوطی سے قدم جماتے ہوئے سعد نے ہادی کی معلومات میں اضافہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔

وہ دونوں اس وقت سی ایم ایچ میں موجود اپنے ایک دوست کی عیادت کر کے واپس آ رہے تھے۔ مری میں برف باری کا سلسلہ تو کچھ دیر کے لیے رک چکا تھا، لیکن سردی کی شدت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی اور دوسرا سڑکوں پر پیدل چلنا بھی انتہائی مشکل تھا کیونکہ جگہ جگہ برف کے ڈھیر جمے ہوئے تھے۔

''خیر سے یہ وحی کب اتری آپ پر، کچھ روشنی ڈالنا پسند کریں گے۔۔''

ہادی نے طنزیہ انداز سے سعد کی طرف دیکھا، جس کی خواتین کی طرح ٹوہ لینے والی عادت ہادی کو اکثر ناگوار گزرتی تھی۔

''کچھ دیر پہلے ارسل کا کزن شاہ میر اپنا بیگ لیے غصّے سے نکلا تھا اور ارسل اسے روکتے ہوئے بار بار کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔'' سعد نے کچھ دیر پہلے کا دیکھا ہوا منظر بیان کیا۔

''تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ اندر کوئی جنگ پلاسی ہوئی ہوگی۔۔۔'' ہادی نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

''بے وقوف انسان، کچھ نہ کچھ تو ہوا ہی ہوگا، جو اچھا خاصا نوجوان جس کی اسی علاقے میں پوسٹنگ ہو، وہ اپنا بوریا بستر سمیٹ کر اپنا گھر چھوڑ کر نکل آئے''

سعد نے اپنا ماہرانہ تجزیہ اس کے سامنے پیش کیا۔

اسی وقت میر ہاؤس سے ایک لینڈ کروزر نکلی، ڈرائیونگ سیٹ پر میر خاقان علی کے ساتھ میر حاکم علی کو دیکھ کر ہادی نے بُرا سا منہ بنایا۔ وہ دونوں اب فٹ پاتھ پر چل رہے تھے۔ میر خاقان گاڑی میزائل کی طرح اڑاتے ہوئے لے کر جا رہے تھے۔۔۔

''یار کیا فٹ قسم کی لینڈ کروزر ہے، میرا تو دل آ گیا ہے اس پر۔۔۔'' سعد نے گاڑی کی طرف دیکھ کر چٹخارہ بھرا۔

''دھیان سے اس کے ٹائروں کے نیچے آ کر کچلا گیا تو اس موسم میں قبر کھودنی بھی مشکل ہو جائے گی۔۔۔'' ہادی نے ہنس کر کہا۔

''ویسے ایک بات ہے کہ میر حاکم علی کی پرسنالٹی ہے۔۔۔'' سعد کی بات پر ہادی نے بُرا سا منہ بنایا۔

''ان کو دیکھ کر پتا ہے پہلا خیال کیا آتا ہے میرے ذہن میں۔۔۔۔'' ہادی چلتے چلتے رکا۔

''کیا۔۔۔؟؟؟'' سعد نے بے تابی سے پوچھا۔

''یہی کہ شیطان کی مجسم شکل سو فیصد یہی ہونی چاہیے۔۔۔'' ہادی جل کر بولا اور اسکی اس بات پر سعد نے حلق پھاڑ قہقہہ لگایا۔

''لو ایک اور فلمی سین دیکھ لو، اس محترمہ کو اس موسم میں بھی سکون نہیں۔۔۔'' ہادی کی نظر میر ہاؤس کے گیٹ پر پڑی۔۔

''یہ تو رو رہی ہے۔۔۔'' سعد بے چین ہوا، ہادی نے بھی غور سے دیکھا، وہ اپنے بازو کی پشت سے مسلسل بہتے ہوئے آنسو بیدردی سے صاف کر رہی تھی اور وہ انکی مخالف سمت میں چلنا شروع ہو گئی تھی اس لیے سعد اور ہادی کو اب اس کی صرف پشت دیکھائی دے رہی تھی، وہ ان سے چند فٹ کے فاصلے پر تھی۔

''پاگل ہو گئی ہو درشہوار، اس وقت جاؤ گی میس، گولی مار دے گا میرو تمہیں۔۔'' ارسل اس کے ساتھ چلتے چلتے مسلسل اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس نے بھی شاید نہ سمجھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

''تم میری بات سمجھ کیوں نہیں رہی ہو درشہوار۔۔۔'' ارسل نے اسکے ساتھ چلتے ہوئے غصّے سے اسکا بازو پکڑ کر اسے چلنے سے مزید روکا۔ وہ دونوں اب عین ہادی کے گھر کے گیٹ کے سامنے کھڑے بحث کر رہے تھے اور سعد اور ہادی کے پاس اندر داخل ہونے کا کوئی اور راستہ نہیں تھا اور وہ ان کی موجودگی سے ابھی تک بے خبر تھے۔۔۔

''مجھے بس بات کرنی ہے میرو بھیا سے، ان کو واپس لانا ہے۔۔۔۔'' وہ بات کرتے کرتے ایک دفعہ پھر رو دی۔

''میں فون پر بات کروا دیتا ہوں تمہاری۔۔۔'' ارسل نے نرم لہجے میں ایک نئی تجویز دی۔

''نہیں، میں خود جاؤں گی۔۔۔۔'' وہ بھی اپنی ہی ضد کی غلام تھی۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، وہاں جا کر نیا تماشا کری ایٹ کرو گی۔۔۔ چلو واپس۔۔۔'' ارسل نے اس دفعہ قدرے سختی سے کہا اور درشہوار کا بازو پکڑ کر اسے واپس گھر کی طرف زبردستی لانے کے لیے مڑا تو ان دونوں کو سامنے دیکھ کر بے تحاشا خجالت کا شکار ہوا۔

درشہوار کا چہرہ آنسوؤں کی زیادتی سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت کسی ذہنی خلفشار کا شکار لگ رہی تھی۔

''از ایوری تھنگ اوکے۔۔۔؟'' سعد نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

ہادی کی نظریں پہلی دفعہ شعوری طور پر درشہوار کی طرف اٹھیں، وہ اس وقت اپنا نچلا لب بیدردی سے کاٹ رہی تھی اور اسکا سارا وجود ہلکا ہلکا کانپ رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بڑے صدمے سے گذری ہو۔۔

''آپ لوگ اندر آ جائیں پلیز۔۔۔'' ہادی نے انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت کہا۔ درشہوار نے آنسوؤں سے لبالب نظریں اٹھا کر ہادی کی طرف دیکھا، ان میں ہزاروں شکوے مچل رہے تھے، وہ بے اختیار نظریں چرا گیا، اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی۔

''سب ٹھیک ہے ناں۔۔۔؟'' سعد نے محتاط انداز میں پوچھا۔۔

''ہاں یار۔۔۔وہ بس۔۔۔'' ارسل نے اپنے ہاتھ کی دو انگلیوں سے اپنا ماتھا مسلتے ہوئے بمشکل اتنا ہی کہا۔۔۔

''اٹس اوکے، چلو ہماری طرف، ایک کپ کافی کا ہو جائے۔۔۔'' سعد نے موضوع بدل کر اسکی مشکل آسان کی تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا۔۔

''نہیں یار، پھر سہی، ابھی گھر جانا ہے مجھے۔۔۔'' وہ اچھا خاصا پریشان لگ رہا تھا۔

''شیور، وائے ناٹ۔۔۔'' سعد نے تھوڑا سا ہٹ کر اسے جانے کا راستہ دیا، وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے گھر کی طرف چل دیا اور سعد اور ہادی اپنے گھر کا گیٹ کھول کر اندر داخل ہوئے۔۔۔مری کے موسم نے ایک دفعہ پھر پلٹا کھایا اور دیکھتے ہی دیکھتے روئی کے گالوں جیسی برف ایک دفعہ پھر زمین پر سفید رنگ کی چادر بچھانے لگی۔

☆......☆......☆

ایک بے نام سا اضطراب رومیصہ کے پورے وجود میں چٹکیاں بھر رہا تھا۔

اسے ٹینا ہاؤس میں واپس آئے ہوئے پورے چوبیس گھنٹے ہو چکے تھے اور ابھی تک ارسل نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا، وہ اسے اپنے گھر کا پی ٹی سی ایل نمبر دے کر آئی تھی اور اس تمام عرصے میں اسکا سیل فون کہیں کھو گیا تھا اور وہ ابھی تک نیا نمبر اور فون خرید نہیں سکی تھی۔۔

اس نے کچھ سوچ کر ٹینا بیگم کا نمبر ملایا، جو تیسری ہی بیل پر اٹھا لیا گیا تھا۔ ''ہاں رومی، بولو۔۔'' ٹینا بیگم کو اندازہ تھا کہ اس نمبر سے اس وقت رومیصہ ہی انہیں کال کر سکتی ہے۔

''مام پلیز، آپ نے میرا نیا سیل فون اور سم کارڈ لیا۔۔۔'' اس کی بے چینی پر وہ مسکرائیں۔

''ہاں ڈارلنگ۔۔۔۔میری گاڑی میں رکھا ہے۔۔۔''

''تو کب آئیں گی آپ واپس۔۔۔۔''

''بس راستے میں ہوں۔ تم نے کھانا کھایا۔۔۔''

''جی۔۔۔'' اس نے بیزاری سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

رومیصہ نے کچھ سوچ کر ارسل کا نمبر ڈائل کیا جو اسے ازبر تھا۔ اس کی کال پہلی ہی بیل پر کاٹ دی گئی، رومیصہ کے دل پر گھونسہ سا

پڑا۔اس نے کچھ سوچ کر دوبارہ اس کا نمبر ملایا جو اس دفعہ اٹینڈ کر لیا گیا تھا۔

’’ارسل کہاں ہو، رومیصہ بات کر رہی ہوں۔۔۔‘‘ وہ بے تابی سے گویا ہوئی۔

’’آئی ایم سوری یار، میں اس وقت کسی اہم مسئلے میں الجھا ہوا ہوں، رات کو اسی نمبر پر بیک کال کروں گا۔۔‘‘ ارسل نے مزید اس کی کوئی بھی بات سنے بغیر کال کاٹ دی، جس سے اسے ایک دفعہ پھر دھچکہ سا پہنچا۔۔۔

رومیصہ نے بیزاری سے کارڈلیس فون کاؤچ پر پھینکا اور لاونج میں ٹہلنے لگی، ٹھیک پانچ منٹ کے بعد لاؤنج کا دروازہ کھلا اور شہزاد کا مسکراتا ہوا چہرہ برآمد ہوا۔ بلیک جینز پر وہ ریڈ کلر کا بڑا اسمارٹ سا سویٹر پہنے ہوئے خاصی اسٹائلش لگ رہی تھی۔

’’ہائے رومی، ہاؤ آر یو۔۔۔‘‘ شہزاد نے آگے بڑھ کر بے ساختہ اس کے گالوں پر پیار کیا۔

’’فائن۔۔۔‘‘ رومی کا دل اس وقت فسردگی کے گہرے اثرات کے زیر تحت تھا لیکن وہ پھر بھی زبردستی مسکرا دی۔ اچانک اسکی نظر شہزاد کے پیچھے کھڑے ایک ہینڈسم سے نوجوان پر پڑی، جو پولیس یونیفارم میں تھا۔

’’ارتضی یہ ہے میری کیوٹ سی سسٹر رومیصہ۔۔۔‘‘ شہزاد نے تعارف کی رسم نبھاتے ہوئے اس شخص کو مخاطب کیا۔

’’ہائے رومیصہ، کیسی ہیں آپ۔۔۔‘‘

ارتضی حیدر نے دوستانہ انداز میں اپنا ہاتھ اسکی طرف بڑھایا۔ رومی نے ہلکا سا ہاتھ چھو کر سوالیہ نگاہوں سے شیری کی طرف دیکھا۔ ارتضی حیدر کے ساتھ یہ اسکی پہلی باضابطہ ملاقات تھی۔

’’یہ ارتضی حیدر ہیں، میرے بہت اچھے دوست۔۔۔‘‘ شہزاد نے مسکرا کر اس کے ان کہے سوال کا جواب دیا۔ ’’تمہارا روحیل والا کیس یہی فالو کر رہے ہیں، یہ تم سے کچھ سوالات پوچھنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’کیسے سوال۔۔۔‘‘ رومیصہ تھوڑی سی خوفزدہ ہوئی تو دونوں نے چونک کر اسکی طرف دیکھا۔

’’ارے آپ کیوں ڈرا رہی ہیں انہیں۔ میں ایسا کچھ نہیں کرنے والا۔۔۔‘‘ ارتضی نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔۔

’’رومی، میری بہن ہے، ڈرتی نہیں بلکہ لوگوں کو ڈراتی ہے۔۔‘‘ شہزاد نے مسکرا کر اسکی طرف دیکھا اور مزید گویا ہوئی۔۔ ’’رومی تم ارتضی کو کمپنی دو میں اپنے ایک دوڈا کومنٹس لے کر آتی ہوں ابھی۔

شہزاد دانستہ اسے ارتضی کے پاس چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی، وہ چاہتی تھی کہ ارتضی اس سے بے تکلف انداز میں ساری باتیں پوچھ سکے جو اس کے کیس میں آئندہ اس کے کام آ سکتی تھیں۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ بڑے سکون سے فریش ہوئی، بالوں میں برش کر کے اس نے ایک دوڈا کومنٹس اپنے لیپ ٹاپ سے یو ایس بی میں کاپی کیے اور تقریباً بیس پچیس منٹ کے بعد وہ لاؤنج میں آئی تو ارتضی اکیلا بیٹھا ہوا پرسکون انداز میں چائے پی رہا تھا۔

’’ارے، رومی کہاں گئی۔۔۔؟‘‘ وہ حیران ہوئی۔

''اس کی کوئی کال آ گئی تھی، ابھی گئی ہے یہاں سے۔۔۔''اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''کال۔۔۔؟ کہاں پر۔۔۔؟اس کے پاس تو ابھی سیل فون ہی نہیں۔۔۔۔''وہ چونکی تو ارتضی بھی تھوڑا سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''پی ٹی سی ایل پر۔۔۔''

''اوہ اچھا۔۔۔یہ بتائیں کہ کیا نتیجہ نکلا ساری گفت وشنید کا۔۔؟''شہزاد نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

''آپ کو شاید اچھا نہ لگے۔۔۔۔''وہ محتاط انداز میں گویا ہوا۔

''مطلب۔۔۔۔؟''وہ الجھ گئی۔۔۔۔

''رومیصہ بہت سی باتوں میں جھوٹ بول رہی ہے۔۔۔ارتضی کی بات پر شہزاد کو شاک لگا۔وہ سوالیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھنے لگی۔

''ایسا لگتا ہے جیسے وہ اس اغواء کے کیس میں کسی کو دانستہ طور پر بچانا چاہتی ہے۔۔۔''ارتضی کے منہ سے نکلنے والی اس بات نے شہزاد کے چھکے چھڑا دیئے تھے اور اسے لگا جیسے کسی نے اس کی قوت گویائی سلب کر لی ہو۔اس کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

''ہوسکتا ہے ارتضیٰ، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔۔۔؟''

شہرزاد کا دل اگرچہ بے شمار اندیشوں کی اماہ جگا بن گیا تھا لیکن اس نے بڑی سرعت سے خود کو سنبھالا۔

ارتضیٰ حیدر جو شہرزاد کے لان میں اسکے عین سامنے چائے کا مگ ہاتھ میں پکڑے اس کو بڑی گہری نگاہوں سے دیکھنے میں مگن تھا۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس وقت اسکے اندر کس قسم کے جوار بھاٹے اٹھ رہے ہونگے۔۔

''غلط فہمی۔۔۔؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔'' اس نے پراعتماد نظروں سے شہرزاد کی آنکھوں میں جھانکا۔

''لیکن آپ کیسے، اتنے حتمی انداز میں کہہ سکتے ہیں۔۔۔؟'' وہ ہلکا سا گڑ بڑا کر گویا ہوئی۔

''اس لیے کہ رومیصہ سہگل، مجھے گولی کروانے کے چکروں میں ہے۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑا مگ اپنے دونوں ہاتھوں میں گھمایا۔

''لیکن انہیں شاید اندازہ نہیں تھا کہ میں انکی ساری گفتگو ریکارڈ کر چکا ہوں، جسے کوئی بھی سینس ایبل بندہ ایک دفعہ بھی سنے گا تو اسے اندازہ ہو جائے گا کہ وہ اپنے بیانات کیسے منٹ منٹ بعد تبدیل کر رہی ہے۔'' ارتضیٰ نے اس دفعہ قدرے تفصیل سے بتایا۔

''ہوسکتا ہے وہ آپکے سامنے کنفیوژ ہو رہی ہو۔۔۔'' شہرزاد بھی بیرسٹر تھی، اسے مطمعن کرنا کون سا آسان تھا۔۔

''ہاں وہ اس بات پر ضرور کنفیوژ تھیں کہ انہیں کون سی بات بتانی چاہیے اور کون سی نہیں۔۔۔'' وہ مسکرایا۔

''مطلب۔۔۔'' شہرزاد نے الجھ کر اسکا چہرہ دیکھا۔۔۔

''مطلب یہ کہ وہ اس سارے معاملے میں کوئی بڑی بات ہم سے چھپا رہی ہے اور یہ چیز خدانخواستہ کل کو اسکے خلاف بھی جا سکتی ہے۔ کم از کم آپ تو سمجھ سکتی ہیں یہ بات۔۔۔'' ارتضیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں یہ بات تو واقعی پریشانی والی ہے۔۔۔'' شہرزاد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لیکن ایک بات لکھ لیں آپ، اصل بات بہت جلد نکل کر سامنے آجائے گی، لیکن ہمیں تھوڑا صبر سے کام لینا پڑے گا کیونکہ اس موقعے پر اگر ہم نے کوئی سختی کی تو رومیصہ بہت زیادہ محتاط ہو جائے گی۔۔۔''

''ٹھیک کہتے ہیں آپ۔۔۔'' شہرزاد کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے متفق ہونا پڑا۔

''چلنا چاہیے اب مجھے، ایک آفیشل ڈنر پر جانا ہے۔'' وہ چائے کا خالی مگ میز پر رکھ کر کھڑا ہوا تو شہرزاد بھی پھیکے سے انداز میں مسکرا دی، اسکی نظریں بظاہر ارتضیٰ حیدر پر تھیں لیکن ذہن رومیصہ والی گتھی سلجھانے میں مگن تھا۔۔۔

''شیری۔۔۔!!!'' وہ پورچ میں کھڑی اپنی جیپ کی طرف بڑھتے ہوئے پلٹا تو وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

ارتضیٰ نے بہت گہری نظروں سے اسکے چہرے پر پھیلی تشویش کو پڑھا، وہ جان چکا تھا کہ رومی کی بات نے اسے پریشان کر دیا ہے۔

''کیوں اپ سیٹ ہو رہی ہیں آپ۔۔۔؟؟؟'' وہ دونوں بازو اپنے سینے پر باندھ کر اسکے سامنے کھڑا ہو گیا، گھنی مونچھوں کے نیچے اسکے لبوں پر وہی ازلی مسکراہٹ تھی جو بہت کم اس کے ہونٹوں سے جدا ہوتی تھی۔

''پریشانی والی بات تو ہے ناں ارتضٰی۔۔۔۔!!!''

''میں ہوں ناں آپ کے ساتھ۔۔۔''اس کے لہجے میں کچھ خاص تھا، شہرزاد نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔ وہ ارتضٰی کے کسی جذبے کی پذیرائی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔۔

''میں کسی چھوٹی موٹی بات پر پریشان نہیں ہوتی۔۔۔''

اس نے سر اٹھا کر اب ڈائریکٹ ارتضٰی آنکھوں میں اعتماد سے جھانکا اور مزید گویا ہوئی۔''مجھے صرف یہ ڈر ہے کہ رومی پھرانجانے میں یا اپنی سادگی میں خود کو کسی بڑی مصیبت میں نہ پھنسا لے۔۔''

''بے فکر رہیں، ایسا نہیں ہوگا۔۔۔''ارتضٰی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ شہرزاد کی پریشانی کو اپنی انگلیوں کی نرم پوروں سے چن لے۔

''انشاءاللہ۔۔۔''شہرزاد نے مسکرا کر اسکی طرف دیکھا، وہ اپنی جیپ میں بیٹھ چکا تھا اور اب متبسم نگاہوں سے شہرزاد کی طرف دیکھ رہا تھا، ایسا لگتا تھا جیسے اسکی آنکھوں میں جگنوؤں کی ایک برات آ کر ٹھہر گئی ہو۔۔۔

''میرا خیال ہے اب آپ کو جانا چاہیے۔۔۔''شہرزاد کے جتاتے ہوئے انداز پر وہ تھوڑی سی خفت کا شکار ہوا، اور جلدی سے اپنی جیپ اسٹارٹ کی۔

''ٹیک کیئر۔۔'' اسکی گاڑی گیٹ کی طرف رینگنے لگی۔

ارتضٰی نے جیپ کا شیشہ نیچے کر کے شہرزاد پر ایک الوداعی مسکراہٹ اچھالی اور تیزی سے اپنی جیپ نکال کر لے گیا۔ وہ اسے خدا حافظ کہہ کر پورچ سے واپس لان کی طرف پلٹ آئی اور پچھلے ایک گھنٹے سے وہاں ٹہل ٹہل کر شہرزاد کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔۔

ارتضٰی کی باتوں نے اسکا سارا سکون برباد کر دیا تھا، وہ جانتی تھی کہ اسکا اندازہ غلط نہیں ہے لیکن، اسکا دل یہ ماننے سے بھی انکاری تھا کہ رومیصہ کوئی بڑی بات ان لوگوں سے چھپا سکتی ہے۔ اس نے کچھ سوچ کر ہم زاد کا نمبر ڈائل کیا، جو تیسری بیل پر اٹھا لیا گیا۔

''زہے نصیب۔۔۔۔!!!'' دوسری طرف وہ چہکا۔

''کیسے ہیں آپ۔۔۔''؟ اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

''میری خیریت چھوڑو، یہ بتاؤ تم کیوں پریشان ہو۔۔۔؟اس نے بے تکلفی سے دریافت کیا۔ وہ اسکے لہجے سے اسکے دل کی پریشانی کو بھانپ لیتا تھا اور اب تو شہرزاد نے اسکی باتوں پر حیران ہونا بھی چھوڑ دیا تھا۔

''رومیصہ کی وجہ سے۔۔''شہرزاد نے بغیر کسی لگی لپٹی کے کہا، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ہم زاد کا تجزیئے نوے فیصد درست ہوتے ہیں۔

''ایسا کیا کر دیا اس معصوم بچی نے۔۔۔؟'' وہ مسکرایا۔

''وہ معصوم بچی، چالاکیاں کر رہی ہے ہمارے ساتھ۔۔'' وہ ہلکا سا چڑ کر گویا ہوئی۔

''اس بیچاری کو کیا پتا کہ اسکے اردگرد بھانت بھانت کے شیطانی دماغ والے لوگ موجود ہیں، جو اسکی چالاکیوں کو ایک منٹ میں بھانپ سکتے ہیں۔۔'' اس کا ہلکا پھلکا لہجہ شہرزاد کو زچ کر گیا۔

''میں سیریس ہوں یار۔۔۔'' وہ جھنجھلا کر گویا ہوئی۔۔۔

''اور میں تم سے زیادہ سیریس ہوں تمہارے لیے۔۔۔'' اسکی بے ساختگی شہرزاد کو لمحے بھر کے لیے چپ کروا گئی۔

''میرا خیال ہے ہر بات کا کوئی مناسب وقت ہوتا ہے۔۔۔'' وہ سنجیدہ ہوئی۔

''تو۔۔۔؟'' ہم زاد نے جھٹ سے پوچھا۔

''یہ بے وقت راگنی بعض دفعہ انسان کو بہت کوفت میں مبتلا کرتی ہے۔۔۔'' وہ محتاط انداز میں قدرے ناگواری سے گویا ہوئی اور وہ سیکنڈوں میں اسکی بات کو سمجھ کر سنجیدہ ہوا۔ ''چلیں بتائیں، کیا ایشو ہوا ہے۔۔۔؟''

''رومی، اصل بات نہیں بتا رہی ہمیں۔۔۔'' اس نے اپنا مسئلہ بتایا۔

''آپ کو کیسے لگا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔۔۔'' اس نے ہلکا سا چونک کر پوچھا۔

''ارتضٰی اسکا بیان ریکارڈ کرنے کے لیے آیا تھا گھر۔۔'' شہرزاد کی اطلاع نے ہم زاد کو جی بھر کر بدمزا کیا۔

''کیا اس پورے شہر میں ایک ہی پولیس آفیسر ہے، یا انہیں آپ کی ہی خدمت خلق کا بہت شوق ہے۔۔۔؟'' وہ طنزیہ انداز میں گویا ہوا۔۔

''ارتضٰی دوست ہے میرا۔۔۔'' اس دفعہ شہرزاد نے بھی اسکی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھا اور دوسری طرف حسب توقع سناٹا چھا گیا۔ ہم زاد کی تو لگتا تھا قوت گویائی سلب ہو گئی تھی اور شہرزاد کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ تبسم نے کروٹ لی۔۔۔

''کیا ہوا، خاموش کیوں ہو گئے آپ۔۔۔؟'' اس کے دل جلاتے انداز پر ہم زاد نے خود کو بڑی سرعت سے سنبھالا۔

''اچھا تو پھر، کیا کہا آپ کے ''دوست'' ارتضٰی حیدر نے۔۔۔؟'' ہم زاد کے جتاتے ہوئے انداز پر شہرزاد نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔

''وہ کہہ رہا تھا رومی بار بار بیان بدل رہی ہے اپنا لیکن وہ ایسا کیوں کر رہی ہے یہ چیز سمجھ نہیں آ رہی۔۔۔''

''اگر ایک سی ایس ایس آفیسر کو اتنی سی بات سمجھ نہیں آ رہی تو اسے پہلی فرصت میں اپنی جاب سے ریزائن کر کے ڈرائی فروٹس کی ریڑھی لگا لینی چاہیے، کیونکہ آجکل اسی کا سیزن ہے۔۔۔'' ہم زاد کے طنزیہ لہجے پر شہرزاد کا منہ سرخ ہوا۔

وہ جان گئی تھی کہ وہ اس کی دوست والی بات کا غصّہ کہیں اور نکالنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن یہ موقع اس سے الجھنے کا نہیں تھا، تبھی تو اس نے تحمل کا عظیم مظاہرہ کیا اور خاموش رہی۔۔۔

''سادہ سی بات ہے شہزاد، اگر رومیصہ ایسا کر رہی ہے تو اس کے دو مطلب نکلتے ہیں، نمبر ایک یا تو اس کی ہمدردیاں وہاں پر موجود لوگوں کے ساتھ ہیں یا پھر اس کے ساتھ کچھ ایسا ہوا ہے جو وہ آپ لوگوں سے شیئر کرنا نہیں چاہ رہی۔۔۔''

''لیکن کیوں۔۔۔؟'' وہ ہلکا سا جھنجھلا گئی۔

''آئی تھنک، اگر کچھ غلط ہوا ہوتا تو وہ اب تک ضرور بتا دیتی، ایسی صورت میں کسی کے لیے بھی کوئی نرم گوشہ اس کے دل میں نہ ہوتا۔۔'' ہم زاد کی بات جھٹ سے اسکے دل کو لگی۔ ''آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں۔ کھل کر بتائیں۔۔؟''

''اس کا ایک ہی مطلب نکلتا ہے مائی ڈیئر، وہاں جو کچھ ہوا، اس میں کہیں نہ کہیں رومیصہ کی بھی رضا مندی بھی شامل تھی اور وہ ابھی بھی انہی کو اسپورٹ کرنا چاہ رہی ہے۔۔۔'' ہم زاد کے تجزیئے میں دم تھا، تبھی تو شہزاد کچھ سیکنڈوں کے لیے بالکل چپ کر گئی۔

''کیسے پتا چلے گا ان لوگوں کا۔۔۔؟''

''ایک منٹ میں۔۔۔'' وہ مسکرایا۔

''کیسے۔۔۔؟؟؟''

''آپ رومیصہ کا سیل نمبر دیں، میں اس کی تازہ ترین کالز کا ریکارڈ نکلوا لیتا ہوں۔'' ہم زاد نے چٹکیوں میں اسکا مسئلہ حل کیا۔

''آپ کے خیال میں رومی کا ابھی بھی رابطہ ہو گا ان لوگوں سے۔۔۔؟'' شہزاد کو فطری سی پریشانی نے گھیرا۔

''آف کورس یار، وہ جو اتنی آسانی سے اسے گھر کے دروازے تک چھوڑ کر گئے ہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس سے رابطہ نہ رکھیں۔۔۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔''

''باقی ایک آدھ ہفتے تک آپکا دوست ارتضی حیدر بھی اسی پوائنٹ پر سوچنے لگے گا، آفٹر آل اتنا بھی ڈفر نہیں، یہ اور بات کہ آپ جیسی شاندار خاتون کے سامنے تو میری بھی عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔۔'' وہ طنزیہ لہجے میں کہہ کر کال کاٹ چکا تھا لیکن شہزاد کے ذہن کی گتھی کسی حد تک سلجھ چکی تھی۔

☆......☆......☆

رومیصہ کو نیا فون اور سم کارڈ مل چکا تھا۔۔۔

اس وقت وہ سیل فون ہاتھ میں پکڑے اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔۔۔

ایک طرف ''انا'' تھی جو اسے ارسل کو فون کرنے سے روک رہی تھی جس نے گھر جانے کے بعد خود سے ایک دفعہ بھی رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی اور دوسری طرف تازہ تازہ ہونے والی وہ ''محبت'' تھی، جس نے رومیصہ کو بے چین کر رکھا تھا۔

''مجھے پوچھنا تو چاہیے، آخر ہوا کیا ہے۔'' انا اور محبت کی کشمکش میں بالا آخر محبت جیت گئی، اس نے کچھ سوچ کر ارسل کا نمبر ملایا۔

''ہیلو۔۔۔!!!'' دوسری طرف ارسل کی بیزار سی آواز اسکی سماعتوں سے ٹکرائی۔۔۔

''ارسل۔۔۔!!!'' رومیصہ نے ہلکا سا جھجک کر کہا، دوسری طرف ارسل کو کرنٹ لگا۔

''تھینکس گاڈ، دو دفعہ فون کر چکا ہوں میں تمہارے گھر کے پی ٹی سی ایل فون پر، ہر دفعہ کوئی ملازم ہی ریسیور اٹھا رہا تھا۔ کہاں چلی گئیں تھیں تم۔'' ارسل کی اس بات نے رومیصہ کے تنے ہوئے اعصاب کو ایک دم ڈھیلا کیا۔

''ہاں وہ میں اپنے روم میں آ گئی تھی۔۔۔''

''کیسی ہو تم۔۔۔؟ کیا صورتحال ہے تمہاری طرف۔۔۔؟''

''اے ایس پی، ارتضی حیدر آئے تھے میرا بیان ریکارڈ کرنے۔۔۔'' اس نے اسکی سماعتوں میں بم پھوڑا۔

''او مائی گاڈ۔۔۔ پھر۔۔۔؟'' وہ بے چین ہوا۔

''میں نے بات گھما پھرا کر کرنے کی کوشش تو کی تھی لیکن وہ کسی صورت بھی مطمعن ہونے کا نام نہیں لے رہے۔۔۔'' رومیصہ نے اپنی پریشانی سے آگاہ کیا۔

''دیکھو رومیصہ، تمہیں بہت عقلمندی سے یہ سب ہینڈل کرنا ہوگا۔ ورنہ ہم سب لوگ پھنس جائیں گے۔۔'' ارسل ٹھیک ٹھاک پریشان ہوا۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی ارسل۔۔۔ وہ واقعی ہی ٹھیک کہہ رہی تھی اور ارسل کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا، کہ اسے سب کچھ سمجھا کر اسے واپس بجھوانا چاہیے تھا لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور شہزاد اندر داخل ہوئی، رومیصہ کی نیلگوں آنکھوں میں بوکھلاہٹ اور خوف کے ملے جلے رنگ چھلکے، اس نے گھبرا کر فون بند کیا اور شہزاد نے بہت غور سے اسکی اس حرکت کو نوٹ کیا۔

''کس سے بات کر رہی تھیں تم۔۔۔'' اس نے دانستہ سرسری انداز میں پوچھا۔

''ایک کلاس فیلو تھی میری۔۔۔'' رومیصہ نے فوراً ہی جھوٹ گھڑا، دوسری طرف ارسل اس سچوئشن سے بے خبر تھا، اس نے کال کٹ جانے پر فوراً ہی رومی کا نمبر ملایا اور سیل فون کی گھنٹی کی آواز پر رومیصہ ایک دفعہ پھر بوکھلا گئی۔

اس نے گھبرا کر شہزاد کی طرف دیکھا، جو خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کی بڑی کامیاب اداکاری کر رہی تھی اور کمرے میں سیل فون کی

گھنٹی کی آواز صور بن کر گونج رہی تھی۔۔

''فون اٹینڈ کرو ناں رومی۔۔۔'' شہزاد نے نرمی سے اسکی طرف دیکھا۔

''نہیں، وہ لمبی بات کرنے کے موڈ میں ہے، میں بعد میں کرلوں گی اس سے بات۔۔'' رومی نے کچھ سوچ کر فون ہی پاورڈ آف کردیا۔

''ارتضی کیسا لگا تمہیں۔۔۔؟'' شہزاد ڈائریکٹ اس موضوع پر آنا نہیں چاہ رہی تھی۔

''تم میں انٹرسٹڈ ہے کیا۔۔؟'' رومیصہ کے منہ پھٹ انداز پر وہ ہنسی۔۔

''لیکن میں ہرگز نہیں ہوں۔۔۔'' اس نے فوراً ہی صفائی دی۔۔

''اچھا شخص ہے، تمہیں سوچنا چاہیے اسکے بارے میں۔۔'' رومیصہ نے نظریں چرا کر اسے مشورہ دیا۔

''لیکن میں تو اسے تمہارے لیے سوچ رہی ہوں، ہینڈسم ہے، ایجوکیٹڈ ہے اور سب سے بڑی بات مام کو بھی پسند ہے۔۔''

''وہ تمہیں پسند کرتا ہے شیری۔۔؟'' رومی نے ہلکا سا بُرا مانا۔۔

''ہاں تو کیا ہرج ہے، پسند تو ہمیں زندگی میں ہزاروں لوگ آجاتے ہیں۔اب سب کے ساتھ شادی تو نہیں کی جاسکتی ناں۔۔'' شہزاد دانستہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولی، وہ اپنے اور رومی کے درمیان موجود فاصلوں کو تیزی سے گھٹانا چاہتی تھی۔

''لیکن مجھے کسی سے شادی نہیں کرنی۔۔'' وہ ہلکا سا جھنجھلا گئی۔

''کوئی اور پسند ہے کیا۔۔۔؟؟؟'' شہزاد نے غور سے اسکی شکل دیکھی۔

''کون پسند کرئے گا ایسی لڑکی کو، جس پر کسی کے قتل کا مقدمہ چل رہا ہو، اور وہ اتنے دن گھر سے غائب بھی رہی ہو۔۔'' رومیصہ کا تلخ لہجہ اس بات کا گواہ تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ حقیقت پسند ہو چکی ہے۔شہزاد کا دل دکھ کے گہرے احساس سے بھر گیا۔

''کوئی ہو بھی تو سکتا ہے جو تمہیں اچھی طرح جانتا ہو۔۔۔'' شہزاد نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

''جب انسان کا بُرا وقت چل رہا ہو تو بڑے بڑے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔۔'' اس نے تھک کر بیڈ سے ٹیک لگائی۔

''ٹھیک کہتی ہو تم۔۔'' شہزاد فوراً ہی اسکی بات سے متفق ہوئی لیکن پھر اسے تسلی دینے کے لیے مزید گویا ہوئی ''لیکن تم بے فکر رہو، بعض دفعہ مشکل وقت میں بھی اللہ نے بہت سی آسانیاں رکھی ہوتی ہیں، جس کا اندازہ انسان کو بہت دیر بعد ہوتا ہے۔۔''

شہزاد کی بات پر رومیصہ پھیکے سے انداز میں مسکرا کر چپ کر گئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اللہ نے ارسل کی صورت میں جو آسانی اس کی قسمت میں لکھی تھی وہ اسی حادثے کے بعد ہی اسے ملنی تھی۔

☆......☆......☆

''بلڈ پریشر مسلسل ہائی چل رہا ہے آپ کا۔۔۔''

برہان کی بات پر تاجدار بیگم نے خفا نظروں سے سامنے صوفے پر بیٹھے میر محتشم کی طرف دیکھا، جو بظاہر تو اخبار میں منہ دیئے بیٹھے تھے لیکن ان کی تمام تر توجہ دونوں ماں بیٹے کی طرف تھی تاجدار بیگم ان سے سخت خفا تھیں۔۔

تاجدار بیگم نے خصوصی طور پر اپنا بی پی چیک کرنے کے لیے برہان کو اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ دونوں میاں بیوی کے درمیان تعلقات خاصے کشیدہ چل رہے تھے اور یہ بات سبھی کو معلوم تھی۔۔

''امّی، میں آپ سے کہہ رہا ہوں، اپنی میڈیسن باقاعدگی سے کیوں نہیں لے رہیں آپ۔۔؟'' برہان نے فکر مند انداز سے ماں کی طرف دیکھا، جو پچھلے چوبیس گھنٹے سے احتجاجاً اپنے کمرے تک محدود ہو چکی تھیں۔

شاہ میر والے واقعے نے ان کو اچھا خاصا ہلا کر رکھ دیا تھا، وہ جو سمجھتی تھیں کہ تین بیٹوں کو جنم دے کر اور میر حاکم علی کی چہیتی بہو کا اعزاز حاصل کر کے وہ پورے خاندان پر ساری زندگی حکمرانی کر سکتی ہیں، اس واقعے نے ان کی خوش فہمیوں کی دیوار کو ریت کی طرح ڈھا دیا تھا۔

اپنی اس طویل شادی شدہ زندگی میں انہوں نے پہلی دفعہ اپنے میاں کا وہ روپ دیکھا تھا جسے دیکھنے کی ان کی دونوں دیورانیوں کو خاصی حسرت تھی لیکن وہ بڑی عقلمندی کے ساتھ سارے معاملات کو لے کر چل رہی تھیں۔

شاہ میر کے جذباتی پن نے ان کی پوزیشن سسر اور میاں کے سامنے تو خراب کی ہی لیکن وہ خود بھی اس دھچکے سے اچھی خاصی متاثر ہوئیں تھیں، ان کا سارا زعم اور طنطنہ دھرے کا دھرا رہ گیا تھا اور یہ بات انہیں گھن کی طرح اندر ہی اندر کھائے جا رہی تھی۔۔

''اچھا اب آپ یہ بلڈ پریشر کی دوائی تو کھائیں۔۔'' برہان نے ایک ٹیبلٹ نکال کر انکی طرف بڑھائی۔

''ایسا کرو زہر لا دو کہیں سے، جان چھوٹ جائے گی تم سب لوگوں کی مجھ سے، پھر خوشی کے شادیانے بجانا بیٹھ کر یہاں۔۔'' وہ ایکدم چڑ گئیں۔

''امّی۔۔۔۔'' برہان نے صدمے بھرے انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

وہ جو میر خاندان کی سب سے مضبوط اعصاب کی حامل خاتون سمجھی جاتی تھیں، اس وقت ریت کی دیوار کی طرح گری پڑی تھیں، اور ان کا بات بات پر چڑنا اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ ذہنی طور پر کس حد تک پژمردگی کا شکار ہیں۔۔

''بابا، آپ سمجھائیں ناں انہیں۔۔۔'' برہان نے مڑ کر اپنے باپ کی طرف دیکھا وہ ہلکا سا گڑبڑا گئے۔۔

برہان کو علم نہیں تھا کہ ان دونوں کے درمیان بات چیت بالکل بند ہے، شاہ میر کے گھر چھوڑنے والے واقعے پر تاجدار بیگم کو سب سے زیادہ غصّہ اپنے میاں پر ہی تھا۔۔۔ جنہوں نے اس موقعے پر خاصے جذباتی پن کا مظاہرہ کیا تھا۔

''ہونہہ، یہ سمجھائیں گے۔۔'' وہ بیزاری سے سر جھٹک کر لیٹ گئیں۔

''تم میڈیسن رکھ دو سائیڈ ٹیبل پر، کھا لے گی خود ہی۔۔۔''

میر محتشم نے نظریں چرا کر کہا، ان کا غصّہ ختم ہو چکا تھا اور اب وہ فطری سی شرمندگی کے حصار میں تھے، کیونکہ اتنا تو وہ بھی جانتے تھے کہ تاجدار بیگم نے زندگی میں کبھی بھی انہیں شکایت کا موقع نہیں دیا تھا اس لیے انہیں بھی اس بات کا لحاظ کرنا چاہیے تھا۔۔

''بیگم صاحبہ، ندرت بی بی پوچھ رہی ہیں کہ رات کے کھانے میں کیا بنے گا۔۔؟'' ملازمہ نے بڑے غلط ٹائم پر کمرے میں انٹری دی۔

''ایسا کرو کلیجہ کاٹ کر پکا لو میرا، شاید اسی سے ارمان ٹھنڈے ہو جائیں سب گھر والوں کے۔۔'' وہ ایکدم جل کر بولیں۔

''تم جاؤ زلیخا، جا کر بڑی چچی سے پوچھ لو۔۔'' برہان نے نظریں چرا کر شرمندگی سے ملازمہ کو کہا اور ناراض نگاہوں سے اپنی ماں کی طرف دیکھا، جو اس وقت کمبل تان کر لیٹ گئیں تھیں، جو اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ اس وقت کسی سے بھی بات کرنا نہیں چاہتیں۔

''امّی کم ازکم گھر کے ملازموں کے سامنے تو اس قسم کی باتیں نہ کریں۔۔''

''یہ بات مجھے نہیں اس گھر کے سب ہی لوگوں کو معلوم ہونی چاہیے جو آئے دن تماشے لگاتے رہیں ہیں انہی ملازموں کے سامنے۔'' وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں میر محتشم کو یہ بات سنا رہی تھیں۔

''تم جاؤ برہان، ریسٹ کرنے دو اپنی ماں کو۔۔'' انہیں نہ چاہتے ہوئے بھی بولنا پڑا، برہان کچھ سوچ کر کمرے سے نکل آئے۔

جیسے ہی انہوں نے ہال کمرے میں قدم رکھا، سامنے انابیہ گھٹنوں میں سر دیئے صوفے سے ٹیک لگائے کارپٹ پر اکیلی بیٹھی تھی۔ پورا ہال کمرہ خالی تھا، شاہ میر کے گھر چھوڑ جانے کے بعد میر ہاؤس میں لگتا تھا کسی آسیب کا بسیرا ہو گیا تھا۔۔

برہان آہستگی سے قدم اٹھاتے ہوئے اسی صوفے پر آ کر بیٹھ گئے، جس سے ٹیک لگائے انابیہ بیٹھی تھی۔ ان کے قدموں کی چاپ پر انابیہ نے سر اٹھا کر دیکھا اور برہان کو سامنے دیکھ کر اس کے اعصاب تن گئے اور پیشانی پر ناگواری کے اظہار کے طور پر لکیریں ابھریں۔۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھی، برہان اسکے ارادے جان گئے تھے، انہوں نے لاشعوری انداز میں اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے جانے سے روکا، انابیہ کو کرنٹ لگا۔ اس نے خفا نظروں سے برہان کو گھورا، جو اس سے بات کرنے کے موڈ میں تھے۔۔

''کیا پرابلم ہے تمہارے ساتھ انابیہ۔۔۔؟'' انہوں نے اسکے افسردہ وجود سے دانستہ نظریں چرا کر پوچھا۔۔

''یہ آپ مجھ سے نہیں، خود سے پوچھیں۔۔۔'' انابیہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''تم بیٹھو، بات کرنی ہے مجھے تم سے۔۔۔؟'' برہان نے بے ساختہ انداز سے کہا۔

''جی کہیے۔۔۔؟''

''کیوں تم کل سے مجھے اور درشہوار کو بہانے بہانے سے سنا رہی ہو۔۔'' اس نے بغیر کسی لگی لپٹی کے پوچھا۔

''میں اگر بتاؤں گی تو شاید اچھا نہیں لگے گا آپکو۔۔۔'' وہ ناراض لہجے میں بولیں۔

''نہیں، آج بتانا ہی ہوگا تمہیں۔۔۔'' برہان کے ضدی انداز پر انابیہ نے چونک کر انکی طرف دیکھا۔

برہان کی مکمل توجہ اسکی طرف تھی اور زندگی میں ایسے مواقع بہت کم کم آئے تھے، ورنہ دونوں کے درمیان فاصلوں کی دیوار چین کھڑی تھی جسے جب بھی انابیہ نے گرانے کی کوشش کی، منہ ہی کی کھائی۔

''آپ کیوں نہیں بتا دیتے کھل کر سب کو۔۔۔'' اسکے لہجے میں دبا دبا سا غصہ ہلکورے کھانے لگا۔

''کیا۔۔۔؟'' برہان نے ابھی تک اسکا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا اور نہ ہی انابیہ نے چھڑوانے کی کوئی کوشش کی۔

''یہی کہ آپ کو کوئی دلچسپی نہیں ہے مجھ میں اور نہ ہی آپ شادی کرنا چاہتے ہیں مجھ سے۔۔۔''

انابیہ نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا سیکھ لیا تھا اور برہان کے آج شاید ستارے گردش میں تھے جو یہ جملہ بقائمی ہوش وحواس ہال کمرے میں داخل ہوتے میر حاکم علی نے خود سنا اور ان کے چٹان جیسے چہرے پر گویا زلزلے کی سی کیفیت ابھری۔۔

''کیوں اسکی دلچسپی کہاں ہے۔۔۔؟'' میر حاکم بولے نہیں پھنکارے تھے۔

برہان نے بوکھلا کر انابیہ کا ہاتھ چھوڑا اور گھبرا کر پلٹے۔ سامنے میر حاکم علی ان دونوں کو غضب ناک نگاہوں سے گھور رہے تھے ۔ان کے چہرے کے تاثرات گواہ تھے کہ وہ ان دونوں کی گفتگو سن چکے ہیں، اور گفتگو بھی کوئی ایسی خوشگوار نہیں تھی جسے سن کر وہ کسی خاص ردعمل کا اظہار نہ کرتے۔۔۔

''کک کہیں نہیں داجی۔۔۔'' برہان کا رنگ فق ہوا۔

''تم بتاؤ انابیہ، یہ کیا سلسلہ چل رہا ہے تم دونوں کے بیچ۔؟ کون ہے وہ، جس میں دلچسپی لے رہے ہیں موصوف۔؟'' ان کے اس جملے سے انابیہ کی تو جو روح فنا ہوئی سو ہوئی، پیروں کے نیچے سے زمین تو ایک دفعہ برہان کے بھی نکل گئی ۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے داجی۔۔'' انابیہ نے بوکھلا کر صفائی دینے کی ناکام کوشش کی۔

''یاد رکھنا برہان، اس گھر میں، میں کوئی اور خاقان علی برداشت نہیں کروں گا۔۔۔'' انہوں نے انگلی اٹھا کر ڈھکے چھپے الفاظ میں بہت کچھ کہہ دیا۔

''اور نہ ہی میں اس گھر کی کسی بچی کے ساتھ زیادتی کرنے دوں گا۔۔'' انہوں نے مذید کہا۔ برہان کا چہرہ ضبط کی کوشش میں سرخ ہوا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے داجی۔۔۔'' وہ خود کو سنبھال چکے تھے۔

''اور ہونا بھی نہیں چاہیے، اس چیز کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی اب ہمارے خاندان میں۔۔۔'' انہوں نے دوٹوک انداز اپنایا۔

''میں جاؤں داجی۔۔۔؟؟؟ انابیہ نے ہراساں نگاہوں سے انکی طرف دیکھا۔

''ہاں جاؤ، اور برہان تم اپنے ماں باپ کو بھیجو میرے کمرے میں۔۔۔'' انہوں نے برہان کو غصّے سے گھورتے ہوئے نیا حکم جاری کیا۔

''جی۔۔۔'' برہان نے ناراضگی سے انابیہ کی طرف یوں دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ اب تمہیں سکون آ گیا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بڑھتے ہوئے میر محتشم کے کمرے کی طرف بڑھ گئے جبکہ انابیہ کا دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر سینے سے باہر آ جائے گا۔۔

☆......☆......☆

''ارتضٰی دوست ہے میرا۔۔۔''

شہرزاد کے اس چار لفظی جملے نے ہم زاد کے حلق تک میں کڑواہٹ گھول دی تھی۔۔۔

پچھلے چوبیس گھنٹوں میں ہم زاد نے اس جملے کو کوئی چوبیس سو دفعہ سوچا اور ہر دفعہ سوچنے پر اسے نئے سرے سے تکلیف کا احساس ہوا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے ماؤنٹ ایورسٹ کی بلند و بالا چوٹی اسکے سینے پر دھر دی ہو۔

وہ شدید بے بسی محسوس کر رہا تھا۔۔۔

اس کی آنکھوں میں جلتی جوت مدھم ہوگئی اور وہ شکست خوردہ انداز سے ٹہلنے لگا۔۔۔۔

''کیوں میرے جذبات سے کھیلتی ہے وہ اور مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتی۔؟ آخر ہم دونوں تعلق کی کس ڈور سے بندھے ہوئے ہیں۔۔۔'' اپنے چٹختے ہوئے اعصاب کو پرسکون کرنے کے لیے اس نے سگریٹ سلگایا۔

''کاش اسے اندازہ ہو سکے، اسکے بے دھیانی میں بولے ہوئے بعض زہر آلود جملے، قطرہ قطرہ بن کر میری رگوں میں اترنے لگتے ہیں۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑا ادھ جلا سگریٹ بُری طرح ایش ٹرے میں مسلا، جیسے اپنے اندر کا سارا غصّہ اس پر نکالنا چاہتا ہو۔

وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس آن کھڑا ہوا، جیسے ہی اس نے بلائنڈز ہٹائے تو اسکی نظر صنوبر کے دیو قامت درختوں پر پڑی، فضا میں پیڑوں کی سبز خوشبو پھیلی ہوئی تھی، اور سامنے ایک سنگلاخ سڑک بل کھاتی ہوئی دُور تک جا رہی تھی۔

سائیڈ میز پر رکھے ہم زاد کے سیل فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف وہی دشمن جان تھی، بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اتنی شدت سے اسے سوچتا اور دوسری طرف اس کے دل کو کچھ نہ ہوا ہوتا۔ ہم زاد نے سیل فون ہاتھ میں پکڑا اور اسکرین پر لکھا ''شہرزاد کالنگ'' کے الفاظ دیکھنے لگا۔

ان الفاظ کو دیکھنے کے لیے پتا نہیں کتنے سال اسکی آنکھیں ترسیں تھیں، ابھی تو بصارتوں کے آدھے قرض بھی ادا نہیں ہوئے تھے اور ارتضٰی حیدر ان دونوں کے بیچ آن کھڑا ہوا تھا۔۔

''کیوں تنگ کرتی ہو مجھے۔۔۔؟'' ہم زاد نے کال اٹینڈ کر کے شکوہ بھرے انداز میں کہا۔

''میں کیوں کروں گی ایسا۔۔۔؟'' دوسری طرف وہ حیران ہوئی۔

''تم ہی تو کرتی ہو، اور دکھ کی بات یہ ہے کہ تمہیں اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا۔۔'' ہم زاد کی آنکھوں میں رقم کرب کی تحریر صاف پڑھی جا رہی تھی۔

''ارتضٰی والی بات بُری لگی ہے تمہیں۔۔'' شہزاد نے گویا اس کے دل کی بات بوجھ لی۔

''نہیں، مجھے کیوں لگے گا بُرا۔۔؟'' وہ صاف مکر گیا۔

''حالانکہ بُرا لگنا چاہیے تمہیں۔۔'' فضا میں شہزاد کا نسوانی قہقہ گونجا۔۔

''وہ کیوں۔۔۔؟؟؟'' ہمزاد نے انجان بن کر پوچھا۔

''اس لیے کہ تم محبت کرتے ہو مجھ سے۔۔'' شہزاد کے شوخ لہجے پر اس کے من میں پھانس چبھی، کہ ایک لمحے کو سانس لینا دشوار ہو گیا۔

''اور تم کیا نفرت کرتی ہو مجھ سے۔۔؟'' اس نے اپنے لہجے کو لاپرواہ بنانے کی حتی المقدور کوشش کی۔

''ایسا ہو سکتا ہے بھلا۔۔'' شہزاد کو پہلی دفعہ اسکے لہجے میں موجود سنجیدگی کی سنگینی کا احساس ہوا۔۔

''تو پھر کیا تعلق ہے تمہارے اور میرے بیچ۔۔؟'' اس کے اس سوال پر شہزاد کو اپنی سانس سینے میں اٹکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''ہم زاد ہو تم میرے۔۔''

''لیکن یہ دعوی تو میں کرتا ہوں، ضروری تھوڑا ہے کہ تم بھی اس سے متفق ہو۔۔؟''

''میں اگر متفق نہ ہوتی تو کیا ہر مشکل میں تمہاری طرف دیکھتی، تم سے بات کرتی۔۔؟'' شہزاد نے اسے لاجواب کیا۔

''تمہارے ہر مشکل وقت میں تو ارتضٰی بھی ساتھ ہوتا ہے تمہارے۔۔''

''لیکن میں اس کے ساتھ نہیں ہوتی۔۔'' شہزاد کے لہجے کی بے ساختگی، اسکی سچائی کی گواہ تھی۔

''تو پھر اس خبیث انسان کو ہر وقت ساتھ لے کر گھومنے کی ضرورت کیا ہے۔۔'' اسکی جھنجھلاہٹ شہزاد کو لطف دے گئی۔

''میں کوئی ہاؤس وائف نہیں ہوں یار، ایک ورکنگ وومن ہوں اور دن میں سو بار ملنا پڑتا ہے مجھے بہت سے لوگوں سے۔۔'' اسے نہ چاہتے ہوئے بھی صفائی دینا پڑی۔

''لیکن ان سب لوگوں میں، کسی دن یہ ارتضٰی حیدر قتل ہو جائے گا میرے ہاتھوں۔۔'' وہ چڑ کر مزید گویا ہوا۔

یقین مانو میں اتنی بڑی دنیا میں اپنا ایک رقیب بھی برداشت نہیں کر سکتا میں۔۔'' ہم زاد کے لہجے میں موجود جھنجھلاہٹ اور غصے کی کیفیت کو سمجھ کر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ دوسری طرف ہم زاد بھی کچھ پرسکون ہوا تھا۔ تبھی تو اگلے ہی منٹ وہ دونوں بڑے نارمل انداز سے گفتگو کر رہے تھے۔

☆......☆......☆

آج بھی مری میں سردی کی شدت انتہاء پر تھی۔۔۔درجہ حرارت منفی میں جا رہا تھا۔۔

لیکن میر ہاؤس کے اندر ہونے والے "سانحہ شاہ میر" کی وجہ سے سبھی مکینوں کے مزاجوں کا موسم خاصا گرم تھا اور ہر کوئی ایک دوسرے سے نظریں چرائے گھوم رہا تھا، طوبیٰ موٹا سا اونی کوٹ پہنے ہوئے انابیہ کے ساتھ ہال کمرے کے صوفے پر تھی، اور پیروں میں الیکٹرک ہیٹر جلا کر رکھا ہوا تھا۔۔

ٹی وی پر کسی ڈرامے کی آخری قسط چل رہی تھی اور اس دوران شاہ میر کی اچانک آنے والی کال نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا، وہ فون اٹھا کر اپنے اور انابیہ کے مشترکہ کمرے کی طرف بھاگی، جو اس وقت خالی تھا، طوبیٰ نے اندر گھستے ہی دروازہ لاک کر کے پریشان انداز سے کال اٹینڈ کی۔

"شاہ میر۔۔۔کیوں فون کیا ہے مجھے۔۔؟" اس کی سانسیں ابھی تک بے ربط تھیں۔

"کیوں بابا نے "گھر" سے اور تم نے "دل" سے نکال دیا ہے مجھے۔۔۔؟" اپنے میس میں موجود شاہ میر جو پورے میر ہاؤس کے مکینوں پر ہی تپا بیٹھا تھا۔اس نے طنزیہ انداز اپنایا۔جسے سن کر طوبیٰ سلگ کر رہ گئی۔

"بکومت۔میں نے ایسا کب کہا۔۔" وہ جل کر بولی۔

"ری ایکٹ تو تم ایسے ہی کر رہی ہو جیسے کال کر کے کوئی بڑا گناہ کر لیا ہو میں نے۔۔۔" وہ بیزاری کی انتہاء پر تھا۔

"داجی، تایا ابا سب موجود ہیں گھر میں۔۔۔" طوبیٰ نے بوکھلا کر صفائی دی۔

"تو میں نے کون سا وڈیو کال کر لی ہے تمہیں، جو انہیں میری منحوس شکل دیکھائی دے دے گی تمہارے سیل فون پر۔۔۔" آگے بھی شاہ میر تھا، جس سے باتوں میں جیتنا کم از کم طوبیٰ کے لیے ناممکن تھا۔

"شکل تو منحوس نہیں ہے لیکن باتیں ضرور کرتے ہو ایسی۔۔۔" طوبیٰ کے دل جلے انداز پر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ہنس پڑا۔

"چلو اسی خوشی میں آجاؤ مجھ سے ملنے۔۔۔" اس کی اگلی فرمائش پر طوبیٰ کا دماغ بھک کر کے اڑا۔

"بھنگ تو نہیں پی لی تم نے سردی کی شدت کو کم کرنے کے لیے۔۔۔"

"نہیں، تمہاری محبت کا نشہ ہی اتنا اسٹرونگ ہے کہ اس کے سامنے دنیا بھر کے نشے بے معنی ہیں۔۔۔" وہ پٹری سے اترا۔

"شاہ میر، یہ فضول باتیں کرنے کے لیے فون کیا ہے تم نے۔۔۔؟"

"نہیں، تمہیں یہ بتانے کے لیے کہ آج شام سات بجے جی پی او چوک پر انتظار کروں گا میں تمہارا۔۔۔"

"لیکن میں کیسے آ سکتی ہوں۔۔۔؟" اس نے گھبرا کر وال کلاک پر ٹائم دیکھا، شام کے پانچ بج رہے تھے۔

''جیسے درشہوار اور نمیرہ کے ساتھ سارا دن گھومتی ہو ان روڈز پر۔۔۔'' وہ لاپرواہی سے گویا ہوا۔

''ان کو بھی ساتھ لے آؤں کیا۔۔۔؟'' طوبیٰ کی اگلی بات نے اسے جی بھر کر بدمزا کیا۔

''خبردار کسی کو نہیں بتاؤ گی تم۔ان کو بھی لے آؤں۔۔'' شاہ میر نے چڑ کر اسکی نقل اتاری۔

''لیکن، کس لیے بلوا رہے ہو تم۔۔۔؟''

''کچھ دینا ہے تمہیں۔۔۔۔'' وہ پراسرار انداز میں گویا ہوا، طوبیٰ کے کان کھڑے ہوئے۔۔

''کیا۔۔۔۔؟''

''یہ تو تم آؤ گی تو پتا چلے گا تمہیں۔۔۔۔'' وہ ابھی کچھ بھی بتانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''بہت مشکل ہے میرو، آج بابا، داجی اور تایا ابا سب موجود ہیں گھر میں۔۔۔''

''بے فکر رہو، شام کو ایک منسٹر کے ہاں ڈنر ہے انکا، یہ تینوں نکل جائیں گے گھر سے ایک دو گھنٹوں میں۔۔۔'' شاہ میر کی بات پر وہ کچھ پرسکون ہوئی۔

''تمہیں کس نے بتایا۔۔۔۔؟''

''ارسل کے علاوہ کون بتا سکتا ہے مجھے، لیکن چھوڑو، پھر آ رہی ہو ناں۔۔۔۔؟'' اس نے منہ بنا کر دوبارہ تصدیق چاہی۔۔

''شاہ میر ڈر لگ رہا ہے مجھے۔۔۔''

''بے وقوف لڑکی، میں آ جاتا تمہیں لینے، لیکن پتا ہے ناں، روڈ سنگل ہے اور سارا دن بابا اور داجی کی گاڑیاں اسی سڑک پر گھومتی رہتی ہیں، کسی نے دیکھ لیا تمہیں میرے ساتھ، تو شامت اب کی بار تمہاری ہی آئے گی۔۔۔'' شاہ میر نے اس دفعہ نرمی سے کہا۔۔

''اچھا میں کوشش کروں گی۔۔۔'' طوبیٰ نے ہلکا سا سوچ کر کہا۔

''کوشش نہیں کرنی، آنا ہے تم نے۔۔۔'' دوسری طرف وہ ہلکی سی ناراضگی سے گویا ہوا تو طوبیٰ نے نہ چاہتے ہوئے حامی بھر ہی لی ،لیکن فون بند کر کے وہ ٹھیک ٹھاک پریشان ہو چکی تھی کیونکہ اسے اب یہ سوچنا تھا کہ وہ کیا بہانہ بنا کر گھر سے نکلے۔۔

☆......☆......☆

رومیصہ گود میں رکھے لیپ ٹاپ پر آج کافی عرصے بعد سوشل میڈیا کھنگال رہی تھی۔

فیس بک پر شوبز کے ایک پیج پر لگی ٹینا بیگم اور سیف الرحمٰن کی تصویر دیکھ کر اسے دھچکا لگا۔ آنکھیں ضبط کی کوشش میں لال ہوئیں۔

اس کے جسم میں دوڑتے خون کے اندر اشتعال اور غصّہ ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

اس کا خیال تھا کہ اتنے بڑے سانحے سے گذرنے کے بعد اب ٹینا بیگم کافی حد تک سدھر گئی ہونگیں، لیکن اس خبر کو دیکھتے ہی

رومیصہ کی خوش فہمی بھاپ بن کر فضاؤں میں تحلیل ہوگئی۔۔۔

اس پوسٹ کے نیچے موجود لوگوں کے فضول کمنٹس پڑھ کر رومیصہ کا منہ غصّے سے سرخ ہوا، لوگوں نے دونوں کو اور خاص طور پر ٹینا بیگم کو بے نقط سنائی تھیں۔ اس نے جھنجھلا کر لیپ ٹاپ بند کیا اور غصّے سے سائیڈ پر رکھا۔۔۔

ٹینا بیگم کے شوبز کے لوگوں کے ساتھ تعلقات خاصے گہرے تھے اور آئے دن ہونے والے فیشن شوز، سیمینارز اور گیدرنگز کے علاوہ وہ مارننگ شوز میں بھی لوگوں کو بیوٹی ٹپس وغیرہ دیتی ہوئی دیکھائی دیتی تھیں بلکہ اب تو انہوں نے یوٹیوب پر باقاعدہ اپنا بیوٹی ٹپس کے حوالے سے چینل لاؤنچ کر رکھا تھا جسے بہت زیادہ لوگ سبسکرائب کر چکے تھے۔۔

رومیصہ کو اپنا دماغ کھولتا ہوا محسوس ہوا، اپنے اندر کی کھولن کو کم کرنے کے لیے اس نے سائیڈ میز پر رکھے کرسٹل کے جگ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اچانک اسکی نظر سامنے رکھے انگلش اخبار پر پڑی جس کے بیک پیج پر ٹینا بیگم اور سیف الرحمٰن کی وہی تصویر بڑے نمایاں انداز سے شائع ہوئی تھی، جس میں سیف الرحمٰن نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ ٹینا بیگم کے کندھے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا اور انہیں پیار بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اخبار نے اس خبر کو بڑے چٹ پٹے انداز میں شائع کیا تھا اور اخبار کے ذرائع کا دعویٰ تھا کہ ٹینا بیگم عنقریب سیف الرحمٰن سے چوتھی شادی کرنے والی ہیں۔۔

''واٹ دا ہیل ۔۔۔'' رومیصہ نے ہاتھ میں پکڑا پانی کا جگ اٹھا کر سائیڈ میز پر پٹخا اور اس میں سے کچھ پانی چھلک کر زمین پر جا گرا۔

وہ اخبار اٹھا کر فیصلہ کن انداز میں پاؤں پٹختی ہوئی اپنے کمرے سے نکلی اور بد قسمتی سے ٹینا بیگم اس وقت سیف الرحمٰن کے ساتھ ہی سیٹنگ روم میں کافی پینے میں مگن تھیں، اسے دیکھ کر وہ بے ساختہ انداز میں مسکرائیں۔

''سیفی، یہ میری چھوٹی بیٹی ہے رومیصہ ۔۔۔'' انہوں نے محبت سے تعارف کروانا چاہا۔

سیف الرحمٰن نے اپنائیت بھرے انداز سے رومی کی طرف دیکھا، جس کے چہرے پر بیزاری کا ایک جہان آباد تھا۔

''آپ سے علیحدگی میں کچھ بات کرنی ہے مجھے۔۔'' اس کے لہجے اور چہرے پر موجود برہمی پر ٹینا بیگم ہلکی سی خفت کا شکار ہوئیں۔ رومیصہ نے سیف الرحمٰن کو بالکل بھی لفٹ نہیں کروائی تھی اور اسکی یہ حرکت ٹینا بیگم کو نادم کرنے کے لیے کافی تھی۔

''کیا ہوا رومی ۔۔۔؟''

''آپ چلیں میرے روم میں، مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔۔''

''تم چلو میری جان، میں آ رہی ہوں ۔۔۔'' وہ ہلکی سی پریشان ہوئیں۔۔

''میں نے کہا ناں مجھے ابھی اور اسی وقت بات کرنی ہے۔ آپ چلیں میرے ساتھ۔'' اس کے ضدی انداز پر سیف الرحمٰن کافی کا کپ ایک سائیڈ پر رکھ کر کھڑے ہوئے اور ٹینا بیگم نے گھبرا کر انکی طرف دیکھا۔۔

''میرا خیال ہے ٹینا، مجھے چلنا چاہیے، کل کلب میں ملاقات ہوگی۔۔۔''

''شیور۔۔'' وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائیں۔

''ٹیک کیئر۔۔۔۔'' وہ سیٹنگ روم سے نکل گئے۔۔۔

''یہ کون تھے۔؟ اور کیوں منہ اٹھا کر بیٹھے ہوئے تھے ہمارے گھر میں۔۔؟' ان کے کمرے سے نکلتے ہی رومی کی آنکھوں سے شعلے نکلے۔

''کیا ہوا ہے رومیصہ، تم سے کسی نے کچھ کہا ہے کیا۔۔؟'' وہ ٹھیک ٹھاک پریشان ہوئیں۔

''کسی کے کہنے، سننے سے کوئی فرق پڑتا ہے تو وہ صرف اور صرف آپکی اولاد کو، ورنہ آپ کی زندگی میں تو بس عیاشی، انجوائے منٹ اور اسکینڈلز ہونے چاہیے، چاہے اسکی کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔۔۔'' اس نے ماں کو آئینہ دیکھانے کی کوشش کی۔

''یہ کیا فضول باتیں کر رہی ہو تم۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھنجلائیں۔

''میری فضول باتیں آپ کو نظر آ رہی ہیں، کبھی اپنی فضول حرکتیں نظر نہیں آئیں۔؟ کیوں کرتی ہیں آپ ایسا۔۔۔؟ بس کر دیں خدا کے لیے اب بس کر دیں۔''

رومیصہ نے مشتعل انداز سے ماں کے سامنے ہاتھ جوڑے۔۔

اسی لمحے شہرزاد کی گاڑی گھر میں داخل ہوئی، وہ نہیں جانتی تھی کہ ایک نیا ہنگامہ اسکا منتظر ہے۔ وہ تھکے تھکے انداز سے سیٹنگ روم کی طرف بڑھی۔

''کیوں خود کو تماشا بنا رہی ہیں آپ ساری دنیا کے سامنے۔۔۔؟'' رومیصہ کی مشتعل آواز باہر تک آئی تو شہرزاد کو دھچکا لگا۔

بہت عرصے بعد ٹینا ہاوس کے در و بام نے رومیصہ کے چیخنے کی آواز سنی تھی۔ ایک لمحے کو تو شہرزاد کو بھی یوں لگا جیسے وہ کسی اور کے گھر آ گئی ہو۔

اس نے جیسے ہی لاؤنج کا گلاس وال دروازہ اندر کی طرف دھکیلا، سامنے رومیصہ سرخ چہرے کے ساتھ ٹینا بیگم کے عین سامنے کھڑی تھی اور اسکی آنکھوں میں اشتعال، غصّہ اور ناراضگی کے ملے جلے تاثرات تھے۔

دوسری طرف ٹینا بیگم جھنجلائی ہوئی سر پکڑے کاؤچ پر بیٹھیں ہوئیں تھیں اور شہرزاد کے لیے زیادہ پریشانی کی بات رومیصہ کا چیخنا نہیں بلکہ ٹینا بیگم کا خاموش ہونا تھا، تبھی وہ لپک کر ان کے پاس گئی۔۔۔۔

''کیا ہوا ماما۔۔۔۔؟؟؟'' شہرزاد نے گھبرا کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ان سے کیوں پوچھ رہی ہو، یہ کیا بتائیں گی تمہیں۔؟'' رومیصہ نے سائیڈ میز پر رکھا ایک انگلش اخبار اٹھا کر شہرزاد کے سامنے

اچھالا۔اخبار کے صفحات کارپٹ پر بکھر گئے۔۔۔

''ذرا دیکھوان کے چٹ پٹے قصّے ، دوبارہ سے اخبارات کی زینت بننے لگے ہیں۔پتا نہیں انہیں سکون کیوں نہیں آتا۔۔''

رومیصہ متنفر انداز میں گویا ہوئی۔

شہرزاد نے ایک نظر زمین پر گرے اخبار پر ڈالی ،سامنے ٹینا بیگم اور سیف الرحمٰن کی کسی پارٹی کے دوران بے تکلفانہ انداز میں کھینچی ہوئی تصویر سے اسے سارا معاملہ سمجھ میں آ گیا تھا اس نے بہت تیزی سے خود کو سنبھالا۔۔

''ہاں تو کیا ہے۔۔۔؟'' شہرزاد نے اپنے مخصوص متحمل انداز میں رومی کی طرف دیکھا۔ٹینا بیگم پریشان انداز میں ایک سائیڈ پر رکھے کاؤچ پر یوں بیٹھی ہوئیں تھیں جیسے موضوع گفتگوان کی ذات نہیں کوئی اور ہو۔۔۔

''تمہارے نذدیک یہ کچھ نہیں ہے۔۔۔'' رومیصہ نے غصّے سے اخبار کی طرف اشارہ کیا۔

''مام کا شوبز سے تعلق ہے، سیلبرٹیز کے فیشن شوز کنڈکٹ کرواتی ہیں، ایسے لوگوں کے پیچھے تو میڈیا ویسے ہی ہاتھ دھو کر پڑا رہتا ہے۔۔'' شہرزاد نے شعوری طور پر ماں کا دفاع کرنے کی کوشش کی اور ٹینا بیگم کی سانس بحال ہوئی۔۔

''تم کہہ سکتی ہو، کیونکہ تمہارے ساتھ وہ سب کچھ نہیں ہوا ، جو اس گھر میں صرف اور صرف ان کی وجہ سے میرے ساتھ ہوا۔۔'' رومیصہ نے نفرت بھری نگاہوں سے اپنی ماں کو گھورا، جن کا چہرہ ایک دم فق ہوا تھا۔

''کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ۔۔۔؟'' شہرزاد اپنے ازلی متحمل انداز میں اسکے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''سن سکوگی۔؟ اتنا حوصلہ ہے تم میں۔۔۔؟'' رومیصہ نے استہزائیہ انداز سے اپنی بہن کا پرسکون چہرہ دیکھا۔۔

''ہاں ہے۔۔۔بولو۔۔۔''

''رہنے دو، یہ جن کی تم آج طرفداری کر رہی ہو ناں، ان کا بھیانک چہرہ کھل کر سامنے آ جائے گا تمہارے۔۔'' رومیصہ نے نفرت بھری ایک نگاہ ٹینا بیگم پر ڈالی تو شہرزاد نے گھبرا کر اپنی ماں کی طرف دیکھا، جو نظریں چرائے بیٹھی تھیں۔۔

''رومی، میں نے کہا ناں، تم بتاؤ، آخر مجھے بھی تو پتا چلے۔۔۔''اس نے فکرمند انداز سے اپنی بہن کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''میرا سارا بچپن، میری معصومیت، میری ساری خوشیاں چھین لیں۔۔۔'' وہ بولتے بولتے ایک دم رو پڑی، شہرزاد کے دل کو کچھ ہوا۔

''کس نے۔۔۔؟؟؟'' شہرزاد کے حلق سے پھنسی ہوئی آواز نکلی۔۔

''پوچھوان سے، انہیں سب پتا ہے۔۔۔'' رومیصہ کا لہجہ زہر آلود تھا۔

''نہیں، تم بتاؤ مجھے۔۔۔'' شہرزاد کا دماغ ایک دم بھک کر کے اڑا۔

''ان کے سابقہ شوہر ہارون رضا نے کیا، کیا تھا میرے ساتھ۔۔؟ پوچھو ان سے۔۔'' الفاظ نہیں خنجر کی تیز دھار تھی جو شہرزاد کے

پورے وجود کو کاٹتی ہوئی چلی گئی۔شہزاد کو اپنی سانس تنگ پڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''اس کے باوجود بھی انہوں نے نہیں چھوڑا اس بدبخت شخص کو۔۔۔'' رومیصہ کی بات پر شہزاد یوں ساکت ہوئی جیسے اس کے تن سے روح نکل گئی ہو۔

رومیصہ کی پیچیدہ شخصیت کی ایک گرہ بہت بدصورت انداز میں اس کے سامنے کھلی تھی اور اسے پہلی دفعہ اپنی بہن پر بُری طرح سے رحم آیا۔شہزاد کا دل بے آواز ہی ٹوٹ گیا۔۔۔

''مام۔۔۔'' صدمے سے شہزاد کے لفظ اسکے تالو سے چمٹ گئے۔

ٹینا بیگم اس وقت کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح بیٹھی تھیں۔ان کے لبوں پر خاموشی کی مہر ثبت تھی اور ان کے جھکے ہوئے سر نے شہزاد کو باور کروا دیا تھا کہ رومی کا ایک ایک لفظ سچائی پر مبنی ہے،اس نے تو آج اپنی بہن کو جلتے ہوئے کوئلوں پر لا کھڑا کیا تھا۔

''ایسا نہیں ہے شیری،اسی واقعے کے بعد میں نے ہارون رضا کو گھر سے نکالا تھا۔۔'' انہوں نے بوکھلا کر اپنی صفائی دینے کی کوشش کی،شہزاد کو یاد آیا جب وہ پاکستان آئی تھی تو تب ہارون علیحدہ گھر میں شفٹ ہو چکے تھے۔

''لیکن اس درندے کا اپنے گھر میں آنا تو بند نہیں کیا تھا ناں آپ نے۔۔۔'' رومی نے لفظوں کا ایک اور چابک ان پر برسایا۔

''وہ شوہر تھا میرا،میں نہیں روک سکتی تھی اسے۔۔'' ان کے ہر انداز میں بے بسی کا رنگ غالب تھا۔

''آپ کی جگہ میں ہوتی تو اس شخص کے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہ کرتی۔۔۔'' رومی متنفر انداز میں کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''ٹرسٹ می شیری،میں نے بہت لعن طعن کی تھی اور دوبارہ اس شخص کو اپنے گھر میں رات رکنے کی کبھی اجازت نہیں دی۔۔'' انہوں نے لپک کر شہزاد کا ہاتھ پکڑ کر اسے صفائی دینے کی کوشش کی،لیکن شہزاد خود بھی اس وقت حواسوں میں نہیں تھی،وہ آہستگی سے ان کا ہاتھ پیچھے کر کے سیٹنگ روم سے باہر نکل آئی۔

اسے اپنے ہی گھر میں گھٹن کا شدید احساس ہو رہا تھا،اسے لگا کہ وہ دو منٹ بھی اس چھت کے نیچے کھڑی رہی تو اسکا دم گھٹ جائے گا۔۔

☆......☆......☆

اوائل جنوری کے دن تھے اور شام ڈھلے ہی دامن کوہ کے پہاڑوں پر تیرگی کا بسیرا ہو جاتا۔۔

رات کے نو بج رہے تھے اور دامن کوہ پکنک پوائنٹ پر اکا دکا لوگ یا پھر سیکورٹی گارڈز ہی موٹے اونی کوٹ پہنے گھوم رہے تھے۔

بے تحاشا سردی کی شدت نے لوگوں کو اپنے گھروں تک محدود کر دیا تھا۔۔۔

شہرزاد نے ہلکا سا سویٹر پہنا ہوا تھا اور وہ موسموں کی شدت سے بے نیاز صدمے بھرے انداز میں سنگ مرمر کے بینچ پر تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔اس کے دماغ میں رومیصہ کے جملوں نے ایک بھونچال برپا کر رکھا تھا۔

اسے پہلی دفعہ ماں بیٹی کے رشتے میں موجود نفرت کی دیوار کے پار کھڑی بدصورت سچائی نظر آئی تھی،اور وہ جو ہمیشہ رومیصہ کو بدتمیز، بدلحاظ اور ناسمجھ سمجھتی تھی، اس کے وہم وگمان کی آخری سرحدوں پر بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے ساتھ اس قدر خوفناک ماضی لیے گھومتی ہوگی۔

ہارون رضا اسکی توقع سے کہیں زیادہ گھٹیا اور گرا ہوا انسان نکلا تھا۔۔۔

''میرا سارا بچپن، میری معصومیت، میری ساری خوشیاں چھین لیں۔۔۔''شہرزاد کو جیسے ہی رومی کا یہ جملہ یاد آیا اسکا دل گویا کسی شکنجے میں کسا گیا۔

''تم کہہ سکتی ہو، کیونکہ تمہارے ساتھ وہ سب کچھ نہیں ہوا، جو اس گھر میں صرف اور صرف ان کی وجہ سے میرے ساتھ ہوا۔''رومی کی اس بات پر اسے مارگلہ کی ساری پہاڑیاں اپنے اوپر گرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

انتہائی سرد موسم میں اسے وہاں اکیلے بیٹھے ہوئے پورے چالیس منٹ ہو چکے تھے لیکن دل و دماغ ابھی تک اس شاک سے باہر نہیں نکلا،ایسے لگتا تھا جیسے زندگی میں کوئی بھونچال سا آگیا ہو،جس نے ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دیا ہو۔۔

رومیصہ جس قیامت سے آج سے کئی سال پہلے گذری تھی وہ شہرزاد کے وجود میں آج قطرہ قطرہ بن کر داخل ہو رہی تھی۔اس زہریلی سچائی نے اسکے سارے وجود کو نیلا کر دیا تھا۔دل و دماغ کسی کھولن کی زد میں تھا اور آنسو بغاوت پر اترے ہوئے۔۔۔

دامن کوہ کی سرسبز پہاڑیوں پر رات اپنا بستر بچھا چکی تھی،اور ہر طرف گہری تاریکی کا راج تھا،دور کہیں گھنے درختوں میں گیدڑوں اور بندروں کے بولنے کی آوازیں رات کے سناٹے میں عجیب سا تاثر پیدا کر رہی تھیں۔

شہرزاد اس وقت، رات کی تاریکی،موسموں کی شدت اور جنگلی جانوروں کے خوف سے بے نیاز تھی۔پراسرار خاموشی میں سیل فون کی آواز اسے حقیقت کی دنیا میں لے آئی،دوسری طرف ہم زاد تھا۔

''ہیلو۔۔۔!!!'' شہرزاد کا گلوگیر لہجہ دوسری طرف ہم زاد کو بے چین کر گیا۔

''تم رو رہی ہو شہرزاد۔۔۔؟''

''نہیں تو۔۔۔''اس نے اپنے بازو کی پشت سے بیدردی سے اپنے آنکھوں کو رگڑ کر صاف کیا۔دنیا میں یہ واحد شخص تھا جس کے سامنے وہ لاکھ پردوں نہاں ہو کر بھی عیاں ہوتی تھی۔اب اس نے اسکے سامنے چھپنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

''کیا ہوا شہرزاد۔۔۔؟تم رو کیوں رہی ہو۔؟ پلیز بتاؤ مجھے۔۔۔''

''مجھے ضرورت ہے تمہاری۔۔۔''وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رو پڑی اور دوسری طرف ہم زاد کو لگا جیسے کسی نے اسکا دل کاٹ کر خنجر

کی نوک پر رکھ دیا ہو۔اس کا پورا وجود یوں لرز رہا تھا جیسے آندھی کی زد میں آیا ہوا کوئی خشک گھاس کا تنکا ہو۔

''کہاں ہو تم۔۔۔؟''۔وہ مضطرب ہوا۔

''دامن کوہ میں۔۔۔''

''اس وقت۔۔۔؟''وہ اچھا خاصا پریشان ہوا''ٹیک اٹ ایزی پلیز، میں آرہا ہوں۔۔۔''

ہم زاد نے فون بند کیا اور شہرزاد نے ایک لمبی سانس بھر کر اپنے اندر کی گھٹن کو باہر نکالنے کی کوشش کی۔

ابھی اسے فون پر بات کیے دو ہی منٹ ہوئے تھے، جب اس نے رات کے اندھیرے میں دامن کوہ کے بلند بالا درختوں میں دو لوگوں کو ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے دیکھا، شہرزاد گھبرا کر کھڑی ہوگئی، اسی وقت فضاؤں میں گولی کے چلنے کی آواز کے ساتھ انسانی چیخ گونجی اور ساتھ ہی درختوں پر موجود پرندے خوفزدہ انداز میں فضاؤں میں اڑے۔

شہرزاد بینچ سے اٹھ کر بے ساختہ ایک موٹے سے درخت کی آڑ میں کھڑی ہوگئی، فضاؤں میں چونکہ تاریکی کا راج تھا لیکن چاند کی روشنی میں اس نے دیکھا، وہ کوئی دو تین لمبے تڑنگے مرد تھے، جو درختوں سے نکل کر سامنے آئے۔۔۔

''ہی از نو مور، لیٹس موو۔۔۔''ایک مرد زور سے چیخا اور ساتھ ہی فضا میں بھاگتے دوڑتے قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔شہرزاد بھی گھبرا کر اٹھی اسکی چھٹی حس کسی بڑے خطرے کی گھنٹی بجا چکی تھی۔

دامن کوہ کے سارے ریسٹورنٹ اس وقت بند تھے اور اکا دکا روشنیاں ہی دیکھائی دے رہی تھیں، وہ بوکھلائی ہوئی درختوں کے درمیان بنی ہوئی ایک چھوٹی سی روش پر پرتیز تیز چلنے لگی، اندھیرے میں اسکا پاؤں کئی دفعہ الجھا لیکن اس نے اپنے حواس قابو میں رکھے۔

شہرزاد کو درختوں میں چھپے ہوئے جنگلی جانوروں کا بھی خوف تھا کہ کوئی اس پر اچانک حملہ نہ کر دے اور سیل فون کی روشنی کسی کو بھی اس کی موجودگی سے آگاہ کر سکتی تھی، اس لیے وہ چاند کی مدھم روشنی میں خوفزدہ انداز کے ساتھ پارکنگ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

رومیصہ والا سارا معاملہ کچھ لمحوں کے لیے اس کے ذہن سے بالکل نکل گیا، اسے اپنی بے وقوفی کا شدت سے احساس ہوا کہ اسے رات کے اس پہر یہاں اکیلے آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔۔۔

''ایک نوجوان کا قتل ہوا ہے، اللہ جانے کون ہے بیچارہ۔۔''وہ جیسے ہی پارکنگ میں پہنچی، اس نے کچھ سیکورٹی گارڈز کو بھاگ کر جائے وقوعہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔اتنے میں ایک سیکورٹی گارڈ کی نظر شہرزاد پر پڑی، وہ ٹھٹک کر رکا اور مشکوک نگاہوں سے اسکی طرف دیکھنے لگا۔

''بی بی آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔۔۔؟''

''میں اوپر گرل کے پاس بیٹھی تھی اور گولی چلنے کی آواز سن کر بھاگی ہوں وہاں سے۔۔۔''شہرزاد خود کو سنبھال چکی تھی۔

''آپ نے دیکھا، کون لوگ تھے وہ۔۔؟''

''نہیں، میں نے صرف آواز سنی تھی۔۔۔'' شہرزاد پر اعتماد لہجے میں کہہ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔

اس کے پر اعتماد انداز پر سیکورٹی گارڈ تھوڑا مطمئن ہوا اور جب وہ اپنی گاڑی چلا کر دامن کوہ سے نیچے کی طرف جا رہی تھی تب اس نے پولیس کی ایک وین کو اوپر جاتے ہوئے دیکھا۔

وہ جیسے ہی اپنی اسٹریٹ میں داخل ہوئی، اسکے سیل فون پر ہم زاد کا نمبر بلنک ہوا۔ اس نے کال اٹینڈ کی، دوسری طرف وہ فکر مند لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''کہاں ہو تم۔۔۔؟ یہاں منسٹر عنایت اللہ کے بھانجے کا مرڈر ہوا ہے ابھی ابھی۔۔۔''

''ہاں، میں اسی وجہ سے آ گئی ہوں واپس۔۔۔'' شہرزاد کی بات سن کر ایک اطمینان بھرا سانس اسکے حلق سے برآمد ہوا۔

''تھینکس گاڈ۔۔۔ تم ٹھیک ہو ناں۔۔۔؟'' اسکے لہجے میں کئی اندیشے اور وہم پنہاں تھے۔۔

''ہاں، اب ٹھیک ہوں۔۔'' اس نے ٹینا ہاؤس کے گیٹ پر پہنچ کر ہارن دیا۔۔

''میرے لیے کیا حکم ہے۔؟ ٹینا ہاؤس آ جاؤں کافی پینے یا واپس چلا جاؤں۔۔۔'' ہم زاد کی شوخی لوٹ آئی۔

''واپس چلے جانا ہی بہتر ہے اب آپ کے لیے۔۔۔'' شہرزاد اپنے گھر کے پورچ تک پہنچ چکی تھی۔

''اوکے، لیکن رات کو مجھ سے تفصیل سے بات کرنی ہے تم نے۔۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا تو شہرزاد نے فوراً اثبات میں سر ہلا کر اسے اطمینان دلایا اور فون بند کر دیا، وہ ایک دفعہ پھر اسی جگہ پر پہنچ چکی تھی جہاں آج اس پر زندگی کی سب سے بدصورت حقیقت کا ادراک ہوا تھا، پورے گھر پر سناٹے کا راج تھا، ٹینا بیگم اور رومی دونوں ہی اپنے کمروں میں جا چکیں تھیں۔

☆......☆......☆

طوبیٰ پچھلے ایک گھنٹے سے پورے گھر میں بولائی ہوئی پھر رہی تھی۔۔۔۔

داجی کے کمرے میں ہونے والی میٹنگ خاصی طویل ہو چکی تھی اور باہر سردی کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ شاہ میر سے ملنے کا وعدہ تو کر چکی تھی لیکن اب وہ اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی بے وقوفی لگ رہی تھی۔

''کوئی مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔۔۔'' مونگ پھلیوں کی پلیٹ گود میں رکھے بیٹھی نمیرہ نے طنزیہ انداز سے اسکی طرف دیکھا۔

''نن نہیں تو۔۔۔'' وہ بوکھلا کر اوپر والے پورشن میں آ گئی اور اس نے کچھ سوچ کر پچھلے لان کی طرف جاتی ہوئی سیڑھیوں کے استعمال کا سوچا، وہ ایک لمبا چکر کاٹ کر جب گیٹ پر پہنچی تو چوکیدار نے حیرانگی سے اسکی طرف دیکھا، لیکن پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔

پورا مری اس وقت اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، بجلی کا کوئی بڑا بریک ڈاؤن ہوا تھا اس لیے گھروں اور دکانوں میں ہر طرف

جنریٹروں کے چلنے کی آوازیں تھیں، اور تازہ ترین ہونے والی برف باری کی وجہ سے سڑکوں پر پھسلن بھی کافی زیادہ تھی۔

''شاہ میر کے بچے نے کس مصیبت میں ڈال دیا۔۔۔'' وہ دل ہی دل میں اسے کوستی ہوئی مال روڈ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اچانک ایک برف کی ڈھیری سے اسکا پاؤں پھسلا اور وہ دھڑام سے سڑک پر جا گری، کوئی نوکیلا پتھر اسکی کمر میں چبھا اور اسکا پاؤں بہت بُرے انداز سے مڑا اور اسکے منہ سے چیخ نکلی۔ وہ ٹھنڈی یخ نم سڑک پر بہت بے ہودا انداز سے گری تھی، اور یہ بھی شکر تھا کہ سامنے سے ہادی کی گاڑی نے اسے گرتے دیکھ کر بڑی مہارت سے بریک لگائی، ورنہ رات کے اندھیرے میں وہ انہی کی گاڑی کے نیچے آکر کچلی جاتی۔

''اوہ مائی گاڈ، کیا ہوا آپ کو۔۔۔؟ وہ دونوں بوکھلا کر گاڑی سے اترے اور گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں انہوں نے اسے پہچان بھی لیا تھا۔

''میرا پاؤں۔۔۔'' طوبیٰ درد کی شدت سے رو پڑی۔۔۔

''میرا خیال ہے، کوئی مسل pull ہوا ہے ان کا۔۔۔'' ہادی نے فکرمند لہجے میں سعد سے کہا۔

''پھر تو ہوسپٹل لے جانا ہوگا ان کو۔۔۔''

''پلیز خاتون، آپ کو تھوڑی ہمت کرنا ہوگی۔۔۔'' ہادی نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا، وہ بمشکل کھڑی ہوئی، تکلیف کا احساس اس کے چہرے کے ایک ایک نقش سے نمایاں تھا اور وہ بار بار کراہ رہی تھی۔

ہادی اور سعد نے اسے اپنی گاڑی میں بیٹھایا اور پاس ہی ڈاکٹر کے کلینک پر لے گئے۔

''جتنی ان کو تکلیف ہے، مجھے تو یہ سیدھا سادھا فریکچر لگ رہا ہے، آپ کو ایکسرے کروانا ہوگا۔'' اس وقت کلینک پر ڈاکٹر کا اسسٹنٹ موجود تھا، جس نے طوبیٰ کی چیخ و پکار کے دوران بمشکل ہی اسکے پاؤں کا جائزہ لیا تھا۔

''اب کیا کریں۔۔۔؟؟؟'' ہادی نے پریشانی سے سعد کا چہرہ دیکھا۔

''آپ پلیز شاہ میر کو کال کریں میرے سیل فون سے، وہ آجائے گا۔۔۔'' طوبیٰ نے بازو کی پشت سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''کہاں ہے آپکا فون۔۔۔؟'' سعد نے حیرانگی سے پوچھا۔

''اوہ مائی گاڈ، میرا کلچ کہاں ہے۔۔۔؟'' طوبیٰ نے بوکھلا کر دائیں بائیں ہاتھ مارا۔

''میں نے تو ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی تھی آپ کے ہاتھ میں۔۔۔'' سعد کے اس جملے نے طوبیٰ کی پریشانی کو بڑھا دیا۔

''میرا خیال ہے، وہیں گر گیا ہے وہ۔۔۔'' طوبیٰ نے گھبرا کر اپنا سر پکڑ لیا۔

"کوئی بہت قیمتی چیز تھی اس میں۔۔۔؟" ہادی نے اسے روتے دیکھ کر گھبرا کر کہا۔۔

"نہیں، بس میرا سیل فون اور پیسے تھے کچھ۔۔۔۔"

"میرا خیال ہے ہادی، ہم لوگ انہیں گھر ہی چھوڑ آتے ہیں، راستے میں ان کا پرس بھی چیک کر لیں گے، کیا پتا مل جائے۔" سعد نے رسٹ واچ سے ٹائم دیکھا، رات کے آٹھ بج رہے تھے۔۔۔۔

کمپاؤڈر نے طوبیٰ کے پیر کی بینڈ یج کر دی تھی لیکن وہ اتنا سوچ چکا تھا کہ اب جوتے میں آنا ناممکن تھا، سعد اور ہادی نے اسے سہارا دے کر دوبارہ گاڑی میں بیٹھایا۔ راستے میں انہوں نے رک کر طوبیٰ کا پرس بھی تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ شاید کسی کے ہاتھ لگ چکا تھا کیونکہ طوبیٰ کا نمبر بند جا رہا تھا۔

"آپ پلیز مجھے گھر چھوڑ دیں۔۔" طوبیٰ کو پاؤں میں تکلیف کا احساس بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

سعد کی گاڑی جیسے ہی میر ہاؤس کے سامنے پہنچی، پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی طوبیٰ نے جیسے ہی اپنے لان کا منظر دیکھا، اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہ بے ساختہ پیچھے کو ہو کر بیٹھ گئی۔۔

سڑک چونکہ اونچائی پر تھی، اور گھر خاصی ڈھلوان پر تھا اس لیے باہر سے اندر کا منظر صاف نظر آتا تھا، داجی اس وقت برآمدے میں لکڑیاں جلائے، کچھ مردوں کے ساتھ براجمان تھے، اور یہ کسی صورت بھی ممکن نہیں تھا کہ طوبیٰ گیٹ سے اندر داخل ہوتی اور داجی اور مہمانوں کی نظروں سے بچ جاتی۔

"پلیز گاڑی اپنے گھر لے جائیں۔۔۔" طوبیٰ نے بوکھلا کر کہا اور ہادی اور سعد بھی ایک لمحے میں ساری سچوئشن سمجھ گئے۔

"لیکن آپ ہمارے گھر جا کر کیا کریں گی۔۔۔؟" ہادی کو فطری سی پریشانی نے گھیرا۔

"میں پچھلی سائیڈ والے لان سے کود کر اندر چلی جاؤں گی لیکن پلیز آپ لوگ چلیں یہاں سے، ورنہ داجی میرے ساتھ ساتھ آپکو بھی گولی مار دیں گے۔" طوبیٰ کی یہ بات سن کر سعد نے بوکھلا کر دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کی۔

وہ لوگ جیسے ہی ہادی کے پورچ میں پہنچے، آسمان پر کڑکتی بجلیوں کو جوش آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے بارش کے ساتھ برف کے ننھے ننھے سے گولے بھی پوری قوت سے زمین پر گرنے لگے۔ مری کا موسم اچانک ہی پلٹا کھاتا تھا۔

"آپ کیسے جائیں گی اپنے گھر، کیونکہ پچھلے لان میں تو ویسے ہی برف کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔" سعد نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے پریشانی سے مڑ کر اس کی طرف دیکھا جو پچھلی سیٹ پر سکڑی ہوئی بیٹھی تھی۔ نم آلود سڑک اور برف پر گرنے سے اسکا لباس گیلا ہو گیا تھا۔ جس سے سردی کی شدت کا احساس بھی بڑھ گیا تھا۔

"آپ پلیز اپنا سیل فون دیں ذرا۔۔۔" طوبیٰ اب درشہوار سے مدد مانگنے کا فیصلہ کر چکی تھی، ہادی نے اپنا فون اسکی طرف بڑھایا۔

طوبیٰ نے تیزی کے ساتھ درشہوار کا نمبر ڈائل کیا، جو پہلی ہی بیل پر اٹھا لیا گیا، دوسری طرف درشہوار کی آواز میں شدید حیرت تھی، جس سے طوبی کو اندازہ ہو گیا کہ اس کے پاس ہادی کا نمبر پہلے سے محفوظ تھا۔۔

''درشہوار، یہ میں ہوں طوبی۔۔۔!!!'' وہ دبے دبے لہجے میں بولی۔

دوسری طرف موجود درشہوار کو ہادی کے سیل فون سے آنے والی طوبی کی آواز نے ٹھیک ٹھاک شاک لگایا تھا، وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ یہ تو خیریت تھی کہ وہ اس وقت اپنے کمرے میں اکیلی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ، تم ہادی کے گھر پہنچی ہوئی ہو بے غیرت، مجھے کیوں نہیں بتایا۔۔۔'' درشہوار چیخ کر بولی اور سیل فون کا والیوم فل ہونے کی وجہ سے گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہادی اور سعد نے اسکا یہ جملہ مکمل ہوش وحواس کے ساتھ سنا تھا۔ ہادی کے چہرے پر نا گواری کا تاثر ابھرا۔

''بکواس بند کرو، مجھے شاہ میر نے بلوایا تھا کوئی ضروری بات کرنے کے لیے۔۔''

''پڑوس میں۔۔۔؟ ہادی کے گھر۔۔۔؟'' درشہوار شاکڈ لہجے میں گویا ہوئی۔۔

''تم اپنی زبان بند کر کے سکون سے میری بات نہیں سن سکتیں دو منٹ کے لیے۔۔۔'' طوبیٰ جھنجھلا سی گئی۔

''ہاں بولو، ہمہ تن گوش ہوں میں۔۔۔''

''میرو نے بلوایا تھا مجھے جی پی او چوک پر۔۔۔'' اس نے قدرے آہستگی سے کہا۔

''پھر۔۔۔؟'' درشہوار نے بے تابی سے پوچھا

''سڑک پر پھسلنے سے میرا پاؤں زخمی ہو گیا تھا یار اور شکر ہے یہ لوگ راستے میں مل گئے مجھے۔۔۔''

''تو پھر گھر آتی ناں ڈاریکٹ۔۔۔'' درشہوار نے بیزاری سے کہا۔

''بے وقوف لڑکی، سامنے والے برآمدے میں داجی پنچایت سجائے بیٹھے ہیں۔ کیسے آؤں میں گھر۔۔۔؟ طوبی نے اپنی پریشانی بتائی۔

''جب میرے بغیر جاؤ گی تو ایسا تو ہو گا ہی اور میرو بھیا کو تو میں پوچھوں گی۔۔'' دوسری طرف درشہوار کو غصّہ آ گیا۔

''بعد میں پوچھتی رہنا، لیکن پلیز مجھے نکالو یہاں سے کسی طرح، مجھ سے تو ایک قدم بھی نہیں چلا جا رہا۔۔'' طوبیٰ کی پریشان آواز پر اسے ترس آ ہی گیا۔

''اس وقت تم ہو کہاں۔۔؟؟؟''

''ہادی بھائی کے پورچ میں۔۔۔''

طوبی نے جیسے ہی ہادی کا نام لیا، درشہوار کے کان کھڑے ہو گئے اور اب اسے وہاں پہنچنے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی۔

☆......☆......☆

''بے وقوف انسان، اپنے گھر کی لڑکیوں کو کون بلواتا ہے اس طرح اکیلے۔۔۔؟؟؟''

ارسل سیل فون پر شاہ میر سے بات کرتے ہوئے ایکدم غصّے میں آیا، کیونکہ شاہ میر نے دو گھنٹے طوبیٰ کا انتظار کرنے اور اسکا فون مسلسل آف جانے کی وجہ سے گھبرا کر ارسل کو کال کر دی تھی، جو سارا قصّہ سننے کے بعد اچھا خاصا بوکھلا گیا تھا۔

''یار برتھ ڈے تھا کل اس کا، سوچا تھا وِش کر کے گفٹ دے دوں گا اسے۔۔''شاہ میر نے شرمندگی سے جواب دیا۔

''اب وہی گفٹ ہار میں پرو کر اپنے گلے میں لٹکا لو۔۔''ارسل نے جل کر کہا۔

''تم چوکیدار سے جا کر تو پوچھو۔۔۔''شاہ میر نے پریشانی سے اسے مشورہ دیا۔

''تمہاری پہلی کال کے بعد یہی کیا تھا میں نے۔۔۔''ارسل نے بیزاری سے مزید وضاحت کی۔''گھر کا ایک ایک کمرہ دیکھ لیا اور چوکیدار سے پوچھا تو پتا چلا وہ دو گھنٹے پہلے گھر سے اکیلی نکلی تھی۔۔''

''اوہ مائی گاڈ، لیکن کہاں گئی وہ۔۔۔؟''شاہ میر کے ہاتھوں کے بھی طوطے اڑائے۔۔۔

''تم کہاں ہو اب۔۔؟''ارسل نے الجھ کر پوچھا۔

''اپنے گھر کی باہر والی روڈ پر، گھر سے جی پی او تک کا سارا راستہ دو دفعہ دیکھ آیا ہوں، لیکن وہ تو کہیں بھی نظر نہیں آئی مجھے۔۔''شاہ میر نے پریشانی سے کہا۔

''سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس نے اپنا سیل فون کیوں آف کر رکھا ہے۔۔''ارسل کو بھی تشویش لاحق ہوئی۔

''یار ارسل، مجھے سخت ٹینشن ہو رہی ہے۔۔کوئی حادثہ نہ ہو گیا ہو اس کے ساتھ۔۔''

''اللہ نہ کرے، تم یہیں رکو، میں باہر آتا ہوں، ایک دفعہ دونوں دوبارہ دیکھ کر آتے ہیں۔۔''

''چھتری لے آنا، باہر بہت تیز بارش ہو رہی ہے۔۔۔''شاہ میر نے فکرمندانہ انداز میں کہہ کر کال کاٹ دی۔

دوسری طرف اب ارسل بھی ٹھیک ٹھاک پریشان ہو چکا تھا، اور یہ بات بھی ایسی تھی جو وہ گھر میں کسی سے شیئر نہیں کر سکتا تھا کیونکہ شاہ میر کے گھر چھوڑنے کے بعد حالات خاصے سرد چل رہے تھے۔۔

☆......☆......☆

تیز موسلا دھار بارش اور برف کے اولوں نے زمین پر ایک اودھم مچا رکھا تھا۔

جسم کو کاٹتی ہوئی سرد ہواؤں نے ایک دفعہ تو دُرشہوار کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے، وہ جو اپنی طرف سے ٹارزن بن کر گھر سے نکلی تھی، میر ہاؤس اور ہادی کے گھر کے درمیان کی منڈیر عبور کر کے جب وہاں پہنچی تو اچھی خاصی بارش میں بھیگ چکی تھی، اسکا جسم باقاعدہ کانپ رہا تھا۔

مجبوراً ہادی اور سعد کو انہیں پورچ سے سیٹنگ روم میں لانا پڑا، جہاں آتش دان جلنے کی وجہ سے ماحول کافی گرم تھا اور درشہوار کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ آتش دان کے اندر گھس کر بیٹھ جائے۔۔۔

''یہ کافی پیئیں گرم گرم۔۔۔'' سعد نے مسکراتے ہوئے چھوٹی سی ٹرے ان دونوں کے آگے رکھی۔

ہادی، درشہوار اور طوبیٰ کو مکمل طور پر نظر انداز کیے ایک سائیڈ پر رکھے صوفے پر بیٹھا، اپنے سیل فون پر مصروف تھا اور درشہوار بار بار کنکھیوں سے اسکی طرف دیکھ رہی تھی، اور کیسے ممکن تھا کہ ہادی اسکی اس حرکت کو نوٹ نہ کرتا۔ وہ کوفت بھرے انداز میں دو دفعہ پہلو بدل چکا تھا۔۔

''گھر کیسے جائیں گے۔؟ باہر تو تیز بارش ہے۔۔'' طوبیٰ نے پریشانی سے درشہوار کی طرف دیکھا، جو اس وقت ایسے ریلکس انداز میں بیٹھی تھی جیسے اپنے کسی قریبی رشتے دار کے ہاں رہنے کے ارادے سے آئی ہو۔۔

''جب تک بارش نہیں رکتی، میں تو ہرگز نہیں جاؤں گی۔۔''

درشہوار کے بلند آواز میں کیے گئے اعلان پر ہادی نے گھبرا کر سعد کی طرف دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ اس لڑکی کا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔

''بارش اگر صبح تک نہ رکی تو کیا یہیں بیٹھے رہیں گے۔۔؟'' طوبی نے ہلکا سا جھنجلا کر دبے دبے انداز میں کہا۔

''ذرا باہر نکل کر دیکھو، لگ پتا جائے گا، مجھے نمونیا کروانے کا کوئی شوق نہیں۔۔'' اس نے کمال بے نیازی سے جواب دیا۔

''تم ارسل کو فون کرو، وہ گاڑی لے کر آ جائے گا۔۔'' طوبیٰ نے ہلکا سا سوچ کر مشورہ دیا۔

''گاڑی لے کر نہیں داجی کا پسٹل لے کر آئے گا، میرا ابھری جوانی میں فوت ہونے کا کوئی ارادہ نہیں۔۔'' اسکی شوخی ہادی کو سخت ناگوار گذری۔

''مس طوبیٰ ٹھیک کہہ رہی ہیں، آپکو فون کر لینا چاہیے ارسل کو۔۔'' سعد نے ہلکا سا جھجک کر مشورہ دیا۔

''لیکن، میں کیا کہوں گی اس سے۔۔'' درشہوار شش و پنج کا شکار ہوئی۔

''وہی جو اصل بات ہے، حادثہ تو کہیں بھی اور کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔۔'' اس دفعہ جواب خلاف توقع ہادی کی طرف سے آیا تھا اور اس بات کے بعد تو درشہوار کا سوچنا بنتا ہی نہیں تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر ارسل کا نمبر ڈائل کیا، جو پہلی ہی بیل پر اٹھا لیا گیا۔

''ارسل کہاں ہو تم۔۔؟''

''شاہ میر کے ساتھ، اور تم کدھر ہو۔۔؟'' ارسل نے محتاط انداز میں پوچھا۔

''اپنے پڑوس میں، ہادی صاحب کے گھر۔۔۔''

''واٹ۔۔۔؟'' دوسری طرف ارسل کو شاک لگا۔

''زیادہ اوورا یکٹینگ کرنے کی ضرورت نہیں ،طوبیٰ کے پاؤں میں فریکچر ہو گیا ہے شاید، وہ بھی ساتھ ہے میرے، اور اسی نے بلوایا تھا مجھے یہاں۔۔''

درشہوار کے ساتھ طوبیٰ کا نام سن کر دوسری طرف ارسل کے اعصاب کچھ پرسکون ہوئے۔

''اچھا، تم لوگ بیٹھو، ہم لوگ آرہے ہیں وہاں۔۔۔'' ارسل نے جلدی سے فون بند کیا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد ارسل اور شاہ میر دونوں ہی ہادی کے سیٹنگ روم میں پہنچ چکے تھے اور شاہ میر خاصی پریشان نظروں سے طوبیٰ کی طرف دیکھ رہا تھا جو اس وقت منہ پھلائے بیٹھی تھی۔۔

''تمہیں واپس اپنے گھر جانا چاہیے تھا طوبیٰ۔۔۔'' شاہ میر نے دبے دبے انداز میں کہا۔

''ہزار دفعہ بتا چکی ہوں، سامنے داجی بیٹھے تھے، اور ان کے سامنے اس حالت میں جاتی تو اس وقت تم لوگ میری تدفین کی تیاریاں کر رہے ہوتے۔'' طوبیٰ اس دفعہ چڑ کر بولی اور ہادی اور سعد کے سامنے اس بات نے ارسل اور شاہ میر دونوں کو ہی خفت میں مبتلا کیا۔

''اچھا، اچھا، اب اتنے بھی ظالم نہیں ہیں وہ۔۔۔'' شاہ میر نے بات سنبھالنے کی کوشش کی، جو اسی کے گلے آن پڑی۔

''ظالم نہیں ہیں تو تمہیں گھر سے کیوں نکالا ہے ان سب نے مل کر۔۔۔'' وہ بیزاری سے گویا ہوئی، ہادی اور سعد دونوں کو سارا معاملہ سمجھ آ گیا، جبکہ اس سچوئشن میں شاہ میر اور ارسل دونوں ہی طوبی کی باتوں پر کوفت میں مبتلا ہوئے۔۔

''فضول بولنا بند کرو، اور اٹھو۔۔۔'' ارسل کو حد درجہ شرمندگی ہو رہی تھی۔ کچھ بھی تھا، وہ لوگ ان کے پڑوسی تھے اور کسی بھی صورت حال میں وہ اپنے گھر کی خواتین کو کیسے ان دو اکیلے مردوں کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھنے دے سکتے تھے۔

''میں کیسے چلوں۔۔۔؟'' طوبی نے بیزاری سے اپنے پیر کی بینڈ یج کی طرف اشارہ کیا۔

''میرو کی گاڑی ہے، میں اندر تک چھوڑ آتا ہوں، کوئی پوچھے گا تو کہہ دوں گا میرے ساتھ تھیں تم دونوں'' ارسل نے سنجیدگی سے کہا۔

''لیکن گاڑی تک بھی کیسے جاؤں گی۔۔۔؟''

''میں اٹھا کر پھینک آؤں۔۔۔؟'' شاہ میر کو اس کا مسلسل بولنا کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔ اس دفعہ اس نے بھی بدلحاظی دیکھائی۔ درشہوار نے تو ان دونوں کے بگڑے تاثرات دیکھ کر کان لپیٹ لیے تھے۔۔

''چلو اٹھو ہمت کرو، میں اور میرو بھیا سہارا دیتے ہیں تمہیں۔۔'' درشہوار نے اپنے بھائی کا خراب موڈ بھانپ لیا تھا۔

ارسل، فوراً سیٹنگ روم سے باہر نکلا، وہ شاہ میر کی گاڑی گھر کے اندر تک لے آیا، بارش رک چکی تھی، لیکن سرد اور خنک ہوائیں

جسم کی ہڈیوں تک گھسی چلی آرہی تھیں۔ ہادی کے گھر کا دروازہ کھلا، طوبی، درشہوار اور شاہ میر کے سہارے بمشکل چلتی ہوئی گاڑی تک پہنچی، شاہ میر نے انتہائی احتیاط کے ساتھ اسے پچھلی سیٹ پر بیٹھایا۔ ارسل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور درشہوار جھٹ سے اسکے ساتھ فرنٹ سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔

''میں ادھر ہی ہوں، انہیں چھوڑ کر جلدی واپس آنا۔۔۔'' شاہ میر نے گہری نظروں سے طوبی کا تپا تپا ہوا چہرہ دیکھتے ہوئے ارسل سے کہا۔

''شرافت سے مجھے نیا سیل فون لے کر بھیج دو، ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔۔۔'' طوبیٰ نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کر کے شاہ میر کو انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

''وہ کس خوشی میں۔۔۔؟'' شاہ میر کا موڈ کچھ بہتر ہوا۔ اس وقت ہادی اور سعدان کے ساتھ موجود نہیں تھے۔

''تمہیں ہی ملنے کا شوق تھا، اچھا خاصا میرا معاشی اور جسمانی نقصان کروا دیا۔'' طوبیٰ کے ناراض لہجے پر شاہ میر بے ساختہ ہنس پڑا۔

''ذرا باتیں سنو میڈم طوبیٰ کی، ان کا ''معاشی'' اور ''جسمانی'' نقصان ہو گیا ہے۔۔۔'' شاہ میر نے شرارت سے ارسل کو اشارہ کیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی ارسل کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی، ایک دم شاہ میر کو کچھ یاد آیا۔۔۔

''ایک منٹ، ایک منٹ، ایک چیز تو رہ ہی گئی۔۔۔'' شاہ میر نے جلدی سے اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک چھوٹا سا لفافہ نکال کر طوبی کی طرف بڑھایا۔

''یہ لو، اسی کے لیے بلوایا تھا میں نے۔۔۔''

''یہ کیا ہے۔۔۔؟'' اس نے کھا جانے والی نظروں سے شاہ میر کو دیکھا، جسکی گہری نظریں اسکے چہرے کا حصار کیے ہوئے تھیں۔

''تمہارا برتھ ڈے گفٹ۔۔۔'' شاہ میر کے محبت بھرے انداز پر طوبیٰ کے چہرے کے تاثرات میں نمایاں تبدیلی آئی۔

''تھینک یو۔۔۔'' وہ منہ بنا کر مسکرائی۔۔

''بھائی، خدا کے واسطے بس کر دیں، گھر سے کوئی نکل آیا تو شامت آ جائے گی ہماری۔۔۔'' درشہوار نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کر کے ہلکا سا چڑ کر کہا، تو شاہ میر نے ارسل کو گاڑی چلانے کا اشارہ کیا۔

گاڑی کے باہر نکلتے ہی شاہ میر نے حسرت بھری نگاہوں سے اپنے گھر کی طرف دیکھا، جس کے دروازے اس کے لیے بند ہو چکے تھے اور اللہ جانے کب تک بند رہنے تھے۔

☆......☆......☆

''ندرت امّی، آپ مانیں یا نہ مانیں، لیکن اندر کوئی بڑا فیصلہ ہو رہا ہے۔۔۔''

نمیرہ جو کہ داجی کے دروازے سے کان لگائے اندر کی گفتگو سننے میں ناکام ہو گئی تھی، وہ دبے پاؤں واپس پلٹ آئی اور اس وقت ندرت امّی کے کمرے میں موجود انہیں بھڑکانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ شروع سے میر ہاؤس میں ندرت امّی کے ہی قریب تھی جو رشتے میں اسکی چھوٹی ممانی لگتی تھیں لیکن اس نے انابیہ اور طوبیٰ کی دیکھا دیکھی انہیں ندرت امّی ہی کہنا شروع کر دیا تھا۔

''ہاں وہ تو جیٹھانی صاحبہ اور سوتن صاحبہ کے بلوانے پر ہی ماتھا ٹھنک گیا تھا میرا۔۔'' وہ بھی اس وقت تپی بیٹھی تھیں کہ اس اہم اجلاس میں شرکت کرنے کی انہیں دعوت نہیں دی گئی تھی۔

''بڑے ابا، آپ کے ساتھ تو اکثر ہی زیادتی کر جاتے ہیں۔۔'' نمیرہ نے بظاہر ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں، انہوں نے خاقان صاحب کی دوسری شادی کو کہاں دل سے قبول کیا، تبھی تو سارے اہم موقعوں پر شارقہ کو آگے رکھتے ہیں۔'' ندرت امّی نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر مزید کہا۔۔ ''اللہ اولاد کے نام پر ایک بیٹی ہی دے دیتا، چلو پیر تو مضبوط ہو جاتے میرے۔''

''چھوڑیں ندرت امّی، دو بیٹیوں کی ماں بن کر شارقہ ممانی نے کون سا تیر مار لیا، خاقان ماموں تو آج بھی آپ کا ہی دم بھرتے ہیں۔۔'' اس نے ان کی دل جوئی کی خاطر کہا تو ایک استہزائیہ مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔۔

''چھوڑو بیٹا، خاقان صاحب کی طبعیت میں ٹھہراؤ کہاں، مزاج میں رنگینی کا عالم تو یہ ہے کہ اب تک تو انہیں خود اپنے ہی معاشقوں کی اصل تعداد بھول چکی ہوگی۔۔'' ندرت بیگم کو خاقان صاحب کی سیماب طبعیت بہت کھلتی تھی اور آج اسکا اظہار انہوں نے بھی کھلے لفظوں میں کر دیا تھا۔

اسی وقت ملازمہ ٹرے میں چائے کے دو کپ رکھے اندر داخل ہوئی۔ دونوں چپ کر گئیں۔

''بڑے ابا کے کمرے کا دروازہ کھلا کہ نہیں۔۔؟'' نمیرہ نے بے چینی سے پوچھا۔

''وہ سب تو چلے بھی گئے اسلام آباد۔۔'' ملازمہ کے جواب پر نمیرہ کے ساتھ ساتھ ندرت امّی کو بھی دھچکا لگا۔

''کچھ پتا چلا کہ کیا بات کر رہے تھے بڑے ابا۔۔؟'' نمیرہ نے دانستہ اپنا لہجہ سرسری بنا کر پوچھا، کیونکہ اتنا تو وہ بھی جانتی تھی کہ اس میٹنگ میں ملازمہ دو دفعہ اندر چائے اور قہوہ وغیرہ پہنچانے گئی تھی۔

''جی بی بی جی، برہان صاحب اور انابیہ بی بی کی رخصتی کی تاریخ طے ہوئی ہے۔۔'' ملازمہ نے ان دونوں کے کانوں میں بم پھوڑا۔ ندرت بیگم نے تو ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ بھی بوکھلا کر واپس ٹرے میں رکھ دیا۔

''کب ہے رخصتی۔۔۔؟''

''اگلے مہینے کی چودہ تاریخ کو۔۔'' ملازمہ کے پاس خبر پوری تھی۔

''ٹھہر جائیں ندرت امّی، باقی تفصیلات میں لے کر آتی ہوں درشہوار سے، اسے سب پتا ہوگا۔۔'' نمیرہ بھی اپنی چائے

وہیں چھوڑ کر بے چین انداز سے کمرے سے نکلی، جبکہ ندرت بیگم کے چہرے پر ہلکی سی پریشانی ابھری۔۔۔

☆......☆......☆

''سخت زیادتی ہے امّی۔۔۔'' برہان نے غصّے سے ٹہلتے ہوئے پلٹ کر تاجدار بیگم کو دیکھا۔

وہ اپنے بیٹے کی فراخ پیشانی پر پڑے ہوئے بلوں کو دیکھ کر کچھ مضطرب ہوئیں، برہان کے اندر لاوا ابل رہا تھا، جو شادی کی ڈیٹ فکس ہونے کی خبر کے ساتھ ہی باہر امنڈ پڑا تھا، انہوں نے اسکی جھنجھلاہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''جب نکاح ہوا تھا بیٹا، تو رخصتی تو ہونی ہی تھی کبھی نہ کبھی۔۔۔''

''تو نکاح کون سا میری مرضی سے ہوا تھا، اٹھا کر زبردستی مسلط کر دیا تھا اپنی پوتی کو میرے سر پر داجی نے۔۔۔'' برہان جھنجھلا کر گویا ہوا۔

''تو ٹھیک ہے اس وقت انکار کر دیتے۔۔۔'' انہوں نے قدرے ناگواری سے کہا۔

''خاک انکار کرتا، داجی نے باہر جا کر پڑھنے کی شرط ہی یہ لگائی تھی۔۔۔'' اس نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

''جب ان کی شرائط پر باہر پڑھنے گئے تھے تو اب بات بھی ماننی پڑے گی، ویسے بھی کیا کمی ہے انابیہ میں، اس گھر کی سب سے زیادہ سمجھدار اور سلجھی ہوئی بچی ہے وہ۔۔۔'' تاجدار بیگم نے نرم لہجے میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''میرا دل نہیں مانتا امّی، اور میں نے لائف پارٹنر کا جو خاکہ بنا رکھا ہے اپنے ذہن میں، وہ بالکل بھی پورا نہیں اترتی اس پر۔'' برہان نے اس دفعہ دو ٹوک انداز میں صاف صاف کہا۔

''چھوڑو بیٹا، دو چار سالوں میں لڑکیاں ویسے ہی سانچے میں ڈھل جاتی ہیں، جیسا ان کے شوہر چاہتے ہیں۔۔۔'' تاجدار بیگم نے نرمی سے کہا۔

''اگر اس سے پہلے ہی اپنے پسندیدہ سانچے میں ڈھلا ہوا کوئی ہو آپ کے پاس تو۔۔؟'' انہوں نے ہلکا سا جھجک کر اپنی ماں کی طرف دیکھا، جن کے ماتھے کی تیوری کے بل ایک دم ہی گہرے ہوئے۔

''تو ایسے کسی وجود کی نہ تو ہمارے گھر میں اور نہ ہی دل میں کوئی گنجائش نکلتی ہے۔۔۔'' انکے سفاک لہجے پر برہان کو دھچکا لگا، وہ خاموش رہے۔

''نکاح ہوا ہے تمہارا انابیہ کے ساتھ، کوئی مذاق نہیں، اب یہ فضول باتیں کرنا بند کرو تم۔'' وہ ایکدم غصّے میں آ کر کھڑی ہوئیں، برہان نے بے بس انداز میں انکی طرف دیکھا۔ وہ نظریں چرا گئیں۔

''شاہ میر کی دفعہ تو پھر بھی تمہارے باپ نے کچھ لحاظ کر لیا تھا میرے بڑھاپے کا، لیکن تمہاری دفعہ تو وہ خود ہاتھ سے پکڑ کر نکالیں

گے مجھے اس گھر سے، اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے، اپنی ماں کو ذلیل کروالو، یا بڑوں کی بات مان لو۔۔''لفظوں کی تیز تلوار ان کے وجود پر چلا کر وہ کمرے سے نکل گئیں۔

برہان جھنجھلا کر اپنے بیڈ پر بیٹھ گئے، اسی وقت ان کے سیل فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف مناہل قریشی تھی، جسے پہلی ہی نظر میں ان کے دل نے قبول کر لیا تھا اور ان کی آنکھوں نے ہمیشہ اسی کے ساتھ کے خواب دیکھے تھے۔۔۔

''ہاں مناہل بولو۔۔۔؟؟؟''ان کا بجھا ہوا لہجہ دوسری طرف مناہل نے فوراً ہی محسوس کیا۔

''برہان، آپکی طبعیت ٹھیک ہے۔؟ کچھ ڈپریس سے لگ رہے ہیں آپ۔۔۔''مناہل کے لہجے میں فکرمندی چھلکی۔

''ہاں، بس طبعیت ٹھیک نہیں، تم بتاؤ، خیریت سے کال کی تھی تم نے۔۔؟؟؟''

''آپ کو پتا تو ہے رات کو جب تک آپ سے بات نہ کروں، نیند نہیں آتی مجھے۔''وہ ہلکے پھلکے لہجے میں گویا ہوئی، کبھی مناہل کے اس طرح کے معنی خیز جملے گھنٹوں ان کا موڈ خوشگوار رکھتے تھے لیکن آج تو دا جی نے ایک ہی جھٹکے میں ان کے سارے کس بل نکال دیئے تھے۔

''انسان کو ہر قسم کے حالات کو فیز کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے مناہل۔۔''وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئے۔

''سوری جو عادتیں، آپ نے خراب کی ہیں، وہ آپ ہی کو برداشت کرنا پڑیں گی۔۔''مناہل کے لہجے میں چاہے جانے کا زعم تھا اور برہان کے اندر چھن کر کے کچھ ٹوٹا اور کچھ لمحے تک تو وہ کچھ بول ہی نہ سکے۔۔۔

☆......☆......☆

کمرے میں زیرو واٹ بلب کی مدھم سی روشنی تھی۔۔۔

رومیصہ اس وقت شہزاد کی گود میں سر رکھے افسردہ انداز میں لیٹی ہوئی تھی، اس نے رومی کے اسٹائلش سے بیڈ سے ٹیک لگا رکھی تھی اور اپنے نرم ہاتھوں سے اسکے بالوں کو سہلا رہی تھی۔

دونوں بہنوں کے درمیان خاموشی گفتگو کر رہی تھی۔۔۔

نہ تو شہزاد میں اتنی ہمت تھی کہ وہ اس واقعے کی تفصیلات پوچھتی اور نہ رومیصہ میں اتنا حوصلہ تھا کہ وہ اس طوفانی بارش والی رات کا سارا قصّہ اس کے سامنے دہرا سکتی۔ جب ہارون رضا اچانک اسکے کمرے میں گھس آئے تھے اور اسکی چیخوں نے ٹینا ہاؤس کے در و بام ہلا دیئے تھے لیکن اس رات ٹینا بیگم اپنے کلب کے اینول ڈنر میں مصروف تھیں۔

''رومی۔۔۔!!!''

''ہوں۔۔۔''وہ اپنی انگلیاں چٹخانے لگی۔

''کچھ بولو ناں۔۔۔''شہزاد نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

''کیا بولوں۔۔۔؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، اور زخمی نگاہوں سے شہزاد کو دیکھنے لگی، جو اس سے نظریں چرائے بیٹھی تھی۔

''تم نے اس وقت کیوں نہیں بتایا مجھے۔۔۔؟'' وہ سر جھکا کر مدھم لہجے میں بولی۔

''کیا بتاتی، جب مام نے ہی اس وقت میری بات کا یقین نہیں کیا، انہیں لگا، میں الزام لگا رہی ہوں ان پر۔۔'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ چہرے پر لا کر بولی۔ اس کا سرخ و سپید اجلا چہرہ خون کی حدت سے دہکا اور دودھیا پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک اٹھے۔

''تو پھر کیسے یقین آیا۔۔۔؟''

''سچائی کو وقتی طور پر دبایا جا سکتا ہے لیکن ہمیشہ کے لیے دفن نہیں کیا جا سکتا۔۔۔'' رومیصہ تلخی سے گویا ہوئی۔

''ٹھیک کہتی ہو تم، اس لیے بہتر ہوگا کہ ارتضی بھی جو تم سے پوچھ رہا ہے، اسے صاف صاف بتا دو۔۔'' شہزاد نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے سمجھانے کی کوشش کی تو رومیصہ نے بے ساختہ اپنی نظریں چرائیں، جو شہزاد کی زیرک نگاہوں سے چھپی نہیں رہ سکیں۔

''میں نے سب کچھ ٹھیک بتایا ہے انہیں۔۔۔'' رومیصہ کی آواز میں پہلے کی طرح دم نہیں تھا۔

''اس بات کا فیصلہ تو وقت کرے گا اور تم جانتی ہو کہ وقت کے بعض فیصلے بہت بے رحم ہوتے ہیں۔۔'' شہزاد اپنی بات مکمل کر کے رکی نہیں اور کمرے سے نکل گئی، رومیصہ کے دل و دماغ میں بے شمار اندیشے اور وہم جگہ بنا کر بیٹھ گئے۔

اسی وقت اس کے سیل فون کی گھنٹی اسے حقیقت کی دنیا میں لے آئی، دوسری طرف ارسل تھا جو اس وقت خاصا تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔

''کیسی ہو رومی۔۔۔؟؟''

''خیال آ گیا تمہیں میرا۔۔۔؟'' رومیصہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ کیا۔

''تمہارا شکوہ بجا ہے میری جان، لیکن کیا کرتا، گھر آتے ہی بہت سے ایشوز میں پھنس چکا ہوں، بہت دنوں سے یونیورسٹی بھی نہیں جا پایا، اسکی علیحدہ ٹینشن ہے مجھے۔۔'' ارسل کے ایک ایک لفظ سے پریشانی چھلک رہی تھی، جسے محسوس کر کے رومیصہ بے چین ہوئی۔

''لیکن تم تو کہہ رہے تھے کہ تمہارے پیرنٹس کا انتقال ہو چکا ہے اور بس ایک چھوٹی بہن ہے۔۔۔'' رومیصہ نے اسے یاد دلایا۔

''والدین کا بے شک انتقال ہو چکا ہے، لیکن الحمدللہ میں ایک بھرے پرے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، میرے نانا، دو ماموں اور ان کی آل اولادیں سب ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔۔۔'' اس نے اس دفعہ تفصیل سے بتایا۔

''اوہ، آئی سی۔۔۔'' اسکے منہ سے بمشکل یہی نکلا۔

''رومی، ایک بات مانو گی میری۔۔۔'' ارسل کے التجائیہ لہجے پر اس کے کان کھڑے ہوئے۔

''ہاں بولو۔۔۔''

''بہت دل کر رہا ہے میرا، تمہیں دیکھنے کو۔۔۔'' ارسل کی اگلی بات پر اسکا دل اتنی زور سے دھڑکا، کہ وہ کچھ لمحوں کے لیے بول ہی

نہیں پائی۔

"تم کل آسکتی ہو یونیورسٹی۔۔۔؟" وہ بڑے مان بھرے انداز سے پوچھ رہا تھا۔

"ماما اور شیری مجھے اکیلے نہیں جانے دیں گی کہیں بھی۔۔۔" رومی نے اپنی مشکل سے آگاہ کیا۔

"ڈرائیور کے ساتھ کوئی بھی بہانہ بنا آجانا۔ میں لائبریری میں ہوں گا۔۔۔"

"اوکے، کوشش کروں گی۔۔۔" رومیصہ کھل کر مسکرائی، سچ بات تو یہ تھی کہ وہ خود بھی اس دشمن جاں سے ملنا چاہتی تھی، ایسا لگتا تھا جیسے اسے دیکھے ہوئے صدیاں بیت گئیں ہوں۔ وہ ارسل کے ساتھ اس رات دو گھنٹے بات کر کے سوئی تو اسکے بعد اسکی آنکھ اگلی صبح ہی کھلی۔

☆......☆......☆

برہان اور انابیہ کی شادی کی بات پورے گھر میں آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔

کچن میں طوبیٰ کے لیے سوپ بناتی ہوئی انابیہ، داجی کے اس انا فانا فیصلے کے پیچھے چھپے تمام محرکات سے بخوبی آگاہ تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ اس وقت برہان کس قیامت سے گذر رہے ہونگے۔۔۔

"تم نے اپنی تائی اماں کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھے، ایک لفظ نہیں بولیں بابا جان کے سامنے تمہاری شادی والے معاملے پر۔" شارقہ بیگم نے کارن فلور اسکے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بیزاری سے کہا، ویسے بھی انہیں اپنے تمام دکھ سکھ انابیہ ہی سے کہنے کی عادت تھی۔

"وہ خفا جو ہیں داجی اور تایا ابا سے۔۔۔" بیانے لاشعوری طور پر ان کا دفاع کیا۔

"ہاں اس گھر میں ایسے نخرے جیٹھانی صاحبہ کے ہی اٹھائے جاسکتے ہیں، ہم لوگ تو سوچ بھی نہیں سکتے۔" وہ جل کر بولیں۔ ویسے بھی انہیں اور ندرت بیگم کو ہمیشہ اس بات کا قلق رہتا تھا کہ تاجدار بیگم کو ان کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

"تایا ابا نے بھی کون سا لحاظ کیا تھا ان کا، یاد نہیں شاہ میر والے واقعے پر کیسے پورے خاندان کے سامنے جھڑک دیا تھا تائی اماں کو۔" انابیہ نے یاد دلایا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے تاجدار بھابھی معاف کر دیں گی انہیں۔۔؟؟" شارقہ بیگم نے استہزائیہ نگاہوں سے اپنی بیٹی کا حیران چہرہ دیکھتے ہوئے مزید کہا۔ "گھٹنوں پر ہاتھ لگوا کر معافی نہ منگوائی انہوں نے پورے خاندان سے، تو نام بدل دینا میرا۔۔۔"

"اچھا چھوڑیں آپ تائی اماں کو، میں طوبیٰ کو سوپ دے آؤں، طبیعت ٹھیک نہیں ہے اسکی۔۔" اس نے گرم گرم سوپ باؤل میں انڈیلتے ہوئے بات ختم کرنا چاہی۔۔ ویسے بھی اپنی رخصتی والی بات سن کر اسکا موڈ کچھ بہتر تھا۔

"ہاں جا کر پوچھو اس سے، کہاں سے چوٹ لگوائی ہے اس نے پاؤں پر۔؟ اندھوں کی طرح تو چلتی ہے یہ لڑکی۔۔" شارقہ بیگم کی بڑبڑاہٹ نے کچن کے دروازے تک اس کا پیچھا کیا۔

انابیہ جیسے ہی ہال کمرے میں پہنچی، سامنے سے برہان خاصے بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ ایک سرد اور لاتعلق سے نگاہ انہوں نے اس پر ڈالی، انابیہ کے ہاتھوں میں پکڑا باؤل کانپا، وہ تو خیریت رہی کہ وہ اسے ایک لفظ بھی کہے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے اور انابیہ اپنے روم میں چلی آئی جہاں اس وقت طوبی کے علاوہ درشہوار اور نمیرہ بھی موجود تھی۔ درشہوار کا منہ لٹکا ہوا تھا۔

''سچ سچ بتاؤ، تم لوگ کہاں کی خاک چھان کر آ رہی ہو۔۔۔'' نمیرہ نے کمر پر ہاتھ رکھ کر مشکوک نگاہوں سے درشہوار اور طوبیٰ کو گھورا۔

''ان بارشوں کے موسم میں کون سی خاک اڑتی ہے فضاؤں میں۔۔۔'' طوبی نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

''تو پھر کون سے موت کے کنویں میں چھلانگ لگا کر یہ چوٹ لگوائی ہے تم نے۔۔؟'' نمیرہ نے طنزیہ انداز میں اسکے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔

''بتایا تو ہے، پچھلے لان میں پاؤں پھسل گیا تھا میرا۔''

''پچھلے لان میں درشہوار کا پاؤں پھسلنا تو سمجھ میں آتا ہے، یہ تم کس خوشی میں چوٹیں لگواتی پھر رہی ہو۔'' نمیرہ کو مطمعن کرنا آسان نہیں تھا۔

''بکواس بند کرواپنی، پہلے ہی اتنا درد ہو رہا ہے مجھے۔۔۔'' طوبیٰ نے بیزاری سے کہا۔

''محترمہ آپ کو لگتا ہے بھائی کی رخصتی کی اطلاع سن کر سکتہ ہو گیا ہے۔۔؟'' نمیرہ نے بالکل خاموش بیٹھی درشہوار کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو درشہوار نے گھبرا کر انابیہ کی طرف دیکھا جسکے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر ابھرا تھا۔۔

''خوشی سے تو نہیں البتہ صدمے سے ضرور سکتہ ہو سکتا ہے ان دونوں بہن بھائیوں کو۔۔۔'' انابیہ کے کھلم کھلا طنز پر درشہوار خفت زدہ انداز میں فوراً کھڑی ہوئی۔ اتنے سرد موسم میں بھی اسکی پیشانی پسینے کی ننھی ننھی بوندوں سے بھر گئی تھی۔

''تم کہاں جا رہی ہو یار، بیٹھ کر ڈھولکی کا پروگرام سیٹ کرتے ہیں۔۔۔'' نمیرہ رخصتی کی خبر سن کر خاصی پرجوش تھی۔۔

''میں ذرا امّی کو دیکھ آؤں، وہ بلوا رہیں تھیں مجھے۔۔۔'' وہ چھلاوے کی مانند کمرے سے نکلی اور اپنے کمرے میں آ کر ہی سکون لیا۔

ہادی کے گھر واپسی پر برہان اور انابیہ کی رخصتی کی اطلاع نے حقیقتاً درشہوار کے ہونٹوں پر تالے لگا دیئے تھے، وہ جو سمجھ رہی تھی کہ اگر برہان کے دل کی خواہش پوری ہو گئی تو وہ بھی کسی نہ کسی طرح مناہل کے ذریعے ہادی تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی جائے گی لیکن داجی کے اس اچانک فیصلے نے دونوں بہن بھائیوں کی خوشی ملیامیٹ کر دی تھی لیکن درشہوار کے لیے زیادہ پریشانی کی یہ بات بھی تھی کہ آخر انابیہ کو انکے دل کی بات کیسے پتا چلی۔؟ اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے وہ اب انابیہ کا سامنا کیسے کرے گی۔۔

☆......☆......☆

جس وقت جارج گھر میں داخل ہوا۔۔۔شام کے سرمئی سائے ہر طرف پر پھیلا چکے تھے۔

فضا میں دونوں وقت ملنے پر جو گہرا سکوت چھا جاتا ہے، وہ اس وقت ہر چیز پر حاوی تھا۔ فضاؤں میں بسا حزن اور کچھ اپنے مشن میں ناکامی کی افسردگی جارج کے پورے وجود سے لپٹی ہوئی تھی۔ وہ تھکے تھکے انداز میں برآمدے میں رکھے تخت پر آ کر بیٹھ گئے۔

مارتھا نے کچن کی کھڑکی سے باہر جھانکا اور اپنے ساتھ پکوڑوں کا آمیزہ تیار کرتی مونیکا کی طرف ناراضگی سے دیکھا۔ ''تم نے اپنے باپ کی حرکتیں دیکھی ہیں مونیکا۔۔۔؟؟؟''

''اب کیا ہوا۔۔۔؟'' مونیکا نے پیار کاٹتے ہوئے اپنی ماں کا برہم چہرہ دیکھا۔ وہ کچن کی کھڑکی سے اپنے شوہر کو گھور رہی تھیں۔

''تمہارے باپ نے رات بھی دیر سے آنے کی وجہ نہیں بتائی، اور صبح صبح گھر سے نکل گئے اور اب پھر شام ڈھلے تھکے ہارے لوٹے ہیں، پتا نہیں کن چکروں میں گم ہیں۔۔۔'' مارتھا کا ایک ایک لفظ تشویش میں ڈوبا ہوا تھا۔

''اچھا، آپ جا کر پوچھیں ناں ان سے، اور پلیز آرام سے بات کیجئے گا، میں چائے تیار کر کے لاتی ہوں۔۔۔'' مونیکا نے ماں کا بازو پکڑ کر نرمی سے باورچی خانے کے دروازے کی طرف دھکیلا۔

''آخر آپ بتاتے کیوں نہیں ہیں کہ مسئلہ کیا ہے۔۔؟'' مارتھا اپنے شوہر کے پاس جا کر بیٹھ گئیں اور مونیکا کی ہدایات کے مطابق نرمی سے پوچھا۔

''تم ٹھیک کہتی تھیں، مجھے یہ گھر خریدنا ہی نہیں چاہیے تھا۔۔۔'' انہوں نے اپنی پٹاری سے اصل بات نکالی۔ ویسے بھی وہ اکیلے ٹینشن لے لے کر تھک گئے تھے اور انہوں نے اب اپنی پریشانی شیئر کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

☆......☆......☆

ٹینا بیگم کو اس دن ڈپریشن کا شدید دورہ پڑا تھا۔

وہ پچھلے چوبیس گھنٹے سے اپنے کمرے میں بند تھیں اور ان دونوں بہنوں نے بھی اندر جھانکنے کی زحمت نہیں کی۔۔۔

شہرزاد کو آفس پہنچے ہوئے ابھی دس منٹ ہی ہوئے تھے جب گھر سے آنے والی رومیصہ کی کال نے اسے بوکھلا دیا۔

وہ گاڑی اڑاتی ہوئی گھر پہنچی تو ٹینا بیگم کے دروازے کے باہر نوکروں کا ہجوم تھا اور رومیصہ ایک طرف پتھر کا بت بنی اندر سے آنے والی آوازوں کو سن رہی تھی لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ان کے دروازے پر دستک دے پاتی۔

ٹینا بیگم نے شاید کوئی بھاری چیز ڈریسنگ کے شیشے پر پوری قوت سے ماری تھی تبھی تو کرچیوں کی آواز پورے گھر میں گونجی۔

''آپ لوگ جائیں یہاں سے۔۔۔'' شہرزاد کے سخت لہجے پر سبھی ملازمین وہاں سے کھسک گئے۔

''مام دروازہ کھولیں پلیز۔۔۔'' شہرزاد نے ان کے کمرے کا دروازہ کھٹکٹایا۔

''وہ نہیں کھولیں گی۔۔۔'' دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی رومیصہ نے آہستگی سے کہا۔

''مام فار گاڈ سیک دروازہ کھولیں، کیوں تماشا بنوا رہی ہیں اپنا۔۔۔''شہزاد نے دبے دبے لہجے میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔
ٹینا بیگم نے شاید، غصّے میں اپنے دماغ کا سوئچ آف کر رکھا ہے، تبھی تو ان پر کسی بات کا اثر نہیں ہو رہا تھا، اندر سے چیزیں توڑنے کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں، لگتا تھا انہوں نے بھی آج ہر چیز تہس نہس کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

''آ جاؤ ادھر سے، کچھ دیر بعد خود ٹھیک ہو جائیں گی۔۔۔''رومی نے اسکا ہاتھ پکڑا اور سیٹنگ روم کی طرف لے آئی۔

''پہلے کبھی انہوں نے ایسا کیا ہے۔۔۔؟''شہزاد نے فکر مند لہجے میں اس سے دریافت کیا۔

''ہاں، جب ہارون رضا نے ان سے شادی کے بعد کسی سیکرٹری کی بیٹی سے افیئر چلایا تھا۔۔۔''ایک استہزائیہ مسکراہٹ رومی کے چہرے پر ابھری۔شہزاد نے اسکی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور دانستہ موضوع بدلا۔

''صبح تم سے کوئی بات ہوئی ہے ان کی۔۔۔؟''

''نہیں، لیکن آج کے نیوز پیپر میں سیف الرحمٰن کے حوالے سے ایک نیوز ضرور پبلش ہوئی ہے۔۔۔''

''کیا۔۔۔؟''شہزاد نے بے تابی سے پوچھا۔

''بیوروکریٹ سیف الرحمٰن کی نئی ابھرتی ہوئی ماڈل میگھا میں دلچسپی اور دونوں نجی محفلوں میں اکھٹے دیکھائی دے رہے ہیں اور مام کے لیے یہ بات یقیناً کسی بڑے ڈپریشن سے کم نہیں ہوگی۔۔۔''رومیصہ کے لہجے اور لفظوں سے ٹپکتی خوشی، شہزاد کو ناگوار گزری۔۔

''رومی، وہ ماں ہیں ہماری۔۔۔'' اس نے جتاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مائیں ایسی ہوتی ہیں کیا۔۔۔؟''رومیصہ نے استہزائیہ لہجے میں الٹا اس سے پوچھا۔

''کبھی تم نے ان کی پوزیشن کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔؟ ان کی جگہ پر خود کو رکھ کر دیکھا ہے کبھی۔۔؟ شہزاد کی بات پر وہ بیزاری سے بولی۔

''تم کہنا کیا چاہ رہی ہو۔۔۔؟''

''کیا مام کی قسمت میں کسی مخلص بندے کا ساتھ نہیں۔؟ ہمارا باپ ہمیں دنیا میں لا کر مر گیا، تم خود ایمانداری سے سوچو ایک عورت اس سوسائٹی میں اکیلے کب تک سروائیو کر سکتی ہے۔؟ مام کی بدقسمتی ہے، انہیں ہمیشہ مرد کی طرف سے دھوکا اور فریب ملا، ہر وہ شخص جسے انہوں نے اپنی زندگی میں خلوص دل سے شامل کرنے کی کوشش کی، اسی نے دغا دیا انہیں۔۔۔''شہزاد کے تلخ انداز پر رومی کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہوئی۔

''اور جو وہ کرتی رہیں ہیں ان سب کے ساتھ۔۔۔؟ رومیصہ نے نظریں چرا کر کہا۔

''انہوں نے ہارون رضا کے ساتھ وہی کیا، جو وہ ڈیزور کرتا تھا۔اگر وہ خود کو ان تک محدود نہیں رکھ پایا تو مام کو کتنے نفلوں کا ثواب

تھا کہ وہ اس کرپٹ بندے کے لیے خود پر خوشیوں کے دروازے بند کر لیتیں۔۔۔'' شہزاد کی اپنی ماں کے معاملے میں بہت پریکٹیکل اپروچ تھی۔

''اور جوان کی وجہ سے میرے ساتھ ہوا۔۔۔؟'' رومیصہ نے اسے لاجواب کرنے کی کوشش کی۔

''مجھے یقین ہے، اس بات پر وہ کہیں نہ کہیں گلٹی ضرور ہونگیں، کون ماں اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا چاہ سکتی ہے۔۔۔؟''

''آئی ایم سوری شیری، میں تمہاری طرح یہ سوچ کر مام کو کسی قسم کا مارجن نہیں دے سکتی۔۔''

''مت دو، لیکن کسی انسان سے فرشتوں والی توقعات بھی مت لگایا کرو۔۔'' شہزاد کے لہجے میں گہری سنجیدگی در آئی۔

اسی وقت ملازمہ حواس باختہ انداز میں سیٹنگ روم میں داخل ہوئی، دونوں بہنوں نے چونک کر اسکی طرف دیکھا جو شدید بوکھلاہٹ کا شکار تھی۔

''کیا ہوا رضیہ۔۔۔؟'' شہزاد نے پریشانی سے پوچھا۔

''شیری بی بی، بڑی بیگم صاحبہ نے خودکشی کر لی، ان کے کمرے سے خون نکل رہا ہے۔۔۔''

ملازمہ کی بات پر دونوں بہنوں کا دماغ بھک کر کے اڑا۔ وہ سراسیمگی کی کیفیت میں ٹینا بیگم کے کمرے کی طرف بھاگیں۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

ٹینا بیگم کے کمرے کی کھڑکی توڑ کر انہیں باہر نکالنے اور شفاء انٹرنیشنل ہوسپٹل کی ایمرجنسی میں لانے میں انہیں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لگا، اور اس عرصے میں اپنی ماں کے چہرے پر پھیلی زردی، دونوں بہنوں کو خاصی تشویش میں مبتلا کر چکی تھی۔

ٹینا بیگم نے پھل کاٹنے والی تیز دھار چھری سے اپنے ہاتھ کی کلائی کو کاٹنے کی کوشش کی تھی اور اس کے نتیجے میں ان کا کافی خون بہہ گیا اور یہی وجہ تھی کہ جب وہ ہوسپٹل پہنچیں تو نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھیں۔

شہزاد نے ایمرجنسی میں پہنچنے سے پہلے ہی اپنے کو ٹیکٹس استعمال کر کے ٹینا بیگم کو ضروری کاروائی کے بعد اپریشن تھیٹر میں پہنچا دیا تھا، جہاں ان کی کٹی ہوئی رگ کو ڈاکٹرز نے چند گھنٹوں میں ہی جوڑ دیا تھا اور اب وہ خطرے سے باہر تھیں۔

اس تمام عرصے میں شہزاد کا اپنے حواس پر پورا کنٹرول تھا اور وہ ہر جگہ بڑے پر اعتماد انداز میں ساری چیزوں کو ہینڈل کر رہی تھی ، جبکہ اس کے برعکس رومیصہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ خوفزدہ انداز سے ایک کونے میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

''شیری، مام ٹھیک ہو جائیں گی ناں۔۔؟'' وہ جیسے ہی اسکے پاس پہنچی، رومیصہ نے بے تابی سے پوچھا۔۔

''ڈونٹ ووری، میری بات ہوئی ہے ڈاکٹر سے، وہ اب اسٹریس میں ہیں، اس لیے انہیں نیند کا انجکشن دے دیا گیا ہے ۔۔'' شہزاد اپنی بہن کا بازو پکڑ کر اسے ویٹنگ ایئریا کی طرف لے آئی۔

''اپریشن تو ٹھیک طریقے سے ہو گیا ناں۔۔؟'' رومیصہ کی تسلی نہیں ہو پا رہی تھی۔

''ہاں ہاں، معمولی سا اپریشن تھا، وہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔۔۔''

ان دونوں کو ویٹنگ ایریا میں بیٹھے ہوئے بمشکل آدھا گھنٹہ ہوا تھا جب ارتضی حیدر کو عالیہ قریشی کے ذریعے اس واقعے کا علم ہوا اور وہ فوراً ہی وہاں پہنچا تھا، اسے دیکھ کر شہزاد جلدی سے کھڑی ہوئی۔۔

''کیسی طبعیت اب آنٹی کی۔۔۔'' ارتضی نے فکرمند انداز میں اس سے پوچھا۔۔

''شی از فائن ناؤ۔۔''

''دیٹس گڈ، لیکن یہ سب کیوں کیا انہوں نے۔۔۔؟'' اس نے محتاط انداز میں وجہ پوچھنے کی کوشش کی۔

''آئی ڈونٹ نو، یہ تو مام ہی بتا سکتیں ہیں۔۔۔'' شہزاد نے سراسر اسے ٹالا۔

''کوئی اسٹریس چل رہا تھا ان دنوں۔؟ یا کوئی جھگڑا ہوا تھا ان کا کسی سے۔۔؟'' ارتضی حیدر کو فطری سی تشویش لاحق ہوئی، جو شاید اس کے پروفیشن کا بھی تقاضا تھی اور اس لیے وہ چاہتے ہوئے بھی خود کو سوال کرنے سے روک نہیں پا رہا تھا۔

''آئی ڈونٹ تھنک سو، مام بہت مضبوط اعصاب کی حامل خاتون ہیں، اور مجھے واقعی علم نہیں، انہوں نے ایسا کیوں کیا۔۔؟''

''آپ کو علم ہے کہ ٹی وی پر بھی یہ ٹیکر چل رہا ہے کہ مشہور و معروف ڈریس ڈیزائنر ٹینا سہگل نے خودکشی کی کوشش کی ہے۔۔'' ارتضی کی بات پر شہزاد کا دماغ بھک کر کے اڑا اور رومیصہ نے بھی پریشانی سے سر اٹھا کر انکی طرف دیکھا۔

''واٹ۔۔۔؟ کس نے خبر آؤٹ کی یہ۔۔۔۔؟'' وہ بوکھلا گئی۔

''میرا خیال ہے گھر کے کسی ملازم کا کارنامہ ہے یہ۔۔'' ارتضی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اوہ مائی گاڈ، اب ایک نیا گوسپ کا طوفان آجائے گا سوشل میڈیا پر۔۔۔'' رومیصہ دل ہی دل میں بدمزا ہوئی۔

''اس خبر کی کمی تھی جو وہ بھی پوری ہوگئی۔۔۔'' شہزاد اچھی خاصی کوفت کا شکار ہوئی۔

''ڈونٹ ووری میں کسی سے بات کر کے یہ نیوز رکوانے کی کوشش کرتا ہوں۔۔۔'' ارتضی نے اپنا سیل فون نکال کر کوئی نمبر ڈائل کرنا شروع کیا۔

''رہنے دیں، جتنا ہم لوگ اس نیوز کا اسٹریس لیں گے، اتنا ہی میڈیا زیادہ ایکٹو ہو جائے گا۔۔۔'' شہزاد خود کو سنبھال چکی تھی۔

''ویسے میرے لیے بہت حیران کن ہے یہ۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھجک کر گویا ہوا تو شہزاد نے سوالیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔

''آپ کی بات میں سمجھی نہیں۔۔۔''

''میں حیران ہوں کہ مسز سہگل ایسا بھی کر سکتی ہیں۔۔۔'' اس نے اس بار ذرا قدرے کھل کر اظہار کیا۔

''جو چیز انسان کی گمان کی آخری سرحدوں پر بھی نہ ہو، وہی انسان کو سب سے زیادہ حیران کرتی ہے۔۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''یہ بتائیں، ہوسپٹل والوں نے تنگ تو نہیں کیا، آئی مین پولیس میں رپٹ وغیرہ درج کرنے کے لیے۔۔؟''

''ناٹ ایٹ آل، میرے ایک کلائنٹ کے فادر ہیں یہاں ایڈمنسٹریشن میں، اس لیے معاملہ فی الحال تو ہینڈل ہو گیا ہے۔۔''

''میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور بتایئے گا۔۔۔'' شہزاد کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے بے تکلفی سے کہا۔۔

''فی الحال تو رومی کو گھر ڈراپ کر دیں، میں اسے اکیلے بھجوانا نہیں چاہتی ہوں۔۔'' شہزاد، اپنی بہن کے معاملے میں خاصی محتاط تھی۔

''ڈونٹ وری، میرا ڈرائیور چھوڑ آئے گا انہیں۔۔۔۔''

''بہتر ہوگا کہ ارتضی، آپ خود چھوڑ آئیں، آئی ایم سوری، آپکو بار بار تنگ کر رہی ہوں۔۔۔۔''

''پلیز شہزاد، آپ ایسی فارمل گفتگو مت کیا کریں میرے ساتھ۔۔۔''

''ایکچوئلی، رومی کے معاملے میں، میں آپ کے علاوہ کسی پر بھی اعتبار نہیں کر سکتی۔۔۔'' شہزاد کی بات پر ارتضی کے دل کی کلی کھل اٹھی۔

''اور میرے لیے اس سے بڑھ کر اعزاز کی کوئی بات ہو نہیں سکتی۔۔'' ارتضی نے گہری نظروں سے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا، جو اسکے دل میں مضبوطی سے اپنے قدم جما چکی تھی۔

''رومی، تم گھر جاؤ، میں مام کے پاس رہوں گی۔۔۔''

''لیکن مجھے بھی ان کے پاس رہنا ہے۔۔۔'' رومیصہ نے ضدی انداز میں کہا۔

''تمہارا اس طرح پبلک پلیس پر رہنا بہتر نہیں ہے رومی۔ بات کو سمجھنے کی کوشش کرو پلیز۔۔'' شہرزاد نے اسے ڈھکے چھپے الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی۔

''کچھ نہیں ہوتا، وہ معاملہ ٹھنڈا ہو چکا ہے اب۔۔۔'' رومیصہ سمجھ چکی تھی کہ وہ اسے جسٹس محمود کے بیٹے کے مرڈر کیس کے حوالے سے کہہ رہی ہے جو ابھی تک کورٹ میں چل رہا تھا۔۔

''ابھی کچھ بھی ٹھنڈا نہیں ہوا، تم یہ غلط فہمی اپنے دل سے نکال دو، کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔۔۔'' اسکے لہجے میں ہزاروں اندیشے اور وہم پنہاں تھے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟'' رومی نے بیزاری سے پوچھا۔

''دشمن کی خاموشی عموماً کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور میں تمہیں انجانے میں اب کسی طوفان کی زد میں آنے نہیں دوں گی۔ تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات۔۔؟'' شہرزاد نے اسکا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی اور رومیصہ نے افسردگی سے سر جھکا دیا۔

''شہرزاد ٹھیک کہہ رہی ہیں اور نیکسٹ ویک اس کیس کی پیشی بھی ہے کورٹ میں۔۔۔'' ارتضیٰ نے بھی اس گفتگو کے درمیان میں لقمہ دیا۔

''جب تک اس کیس کا کوئی فائنل فیصلہ سامنے نہیں آ جاتا، بہتر ہوگا کہ تم اپنی نقل و حرکت گھر تک محدود رکھو۔۔'' شہرزاد کی اس بات نے رومی کو پریشان کیا کیونکہ وہ ارسل کے ساتھ کل یونیورسٹی میں ملنے کا وعدہ کر چکی تھی۔

''چلو شاباش، ابھی جاؤ گھر، مام جیسے ہی ریلیکس ہونگیں، میں تمہاری ان سے بات کروا دوں گی۔۔۔'' شہرزاد ان دونوں کے ساتھ چلتے ہوئے پارکنگ میں آ گئی تھی، اس نے خود ارتضیٰ کی جیپ کا دروازہ کھول کر اسے فرنٹ سیٹ پر بیٹھایا۔

''میں رومیصہ کو ڈراپ کر کے واپس آتا ہوں۔۔۔'' رتضیٰ نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اسے تسلی دینے کے انداز میں کہا تو وہ زبردستی مسکرا دی۔

ارتضیٰ حیدر خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا ایکسپریس وے پر لے آیا تھا، اور رومیصہ اسکے ساتھ بیٹھی ہوئی اپنی ہی سوچوں میں گم تھی، ٹینا سہگل کی اس حرکت نے اسے اندر تک ہلا دیا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس حد تک جا سکتیں ہیں۔

ان کی گاڑی ٹریفک سگنل پر جس گاڑی کے عین برابر میں رکی، اس میں اس وقت ارسل موجود تھا، وہ اس وقت مری سے نور محل جا رہا تھا۔ ارسل کو رومیصہ کے ساتھ کسی اور مرد کو دیکھ کر شاک پہنچا۔

اسی وقت رومیصہ کو اپنے چہرے پر کسی کی نظروں کی تپش محسوس ہوئی تو اس نے لاشعوری طور پر دائیں بائیں مڑ کر دیکھا اپنی بائیں سائیڈ پر موجود گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ پر ارسل کو دیکھ کر وہ مضطرب ہوئی۔

ارسل کے چہرے پر ناگواری کا تاثر نمایاں تھا، جسے رومیصہ اس سے کچھ فٹ کے فاصلے پر ہونے کے باوجود بھی محسوس کر سکتی تھی۔اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اپنے ساتھ پولیس یونیفارم میں موجود ارتضیٰ حیدر کی موجودگی اسے کچھ پسند نہیں آئی، کیونکہ کچھ بھی تھا، وہ اب اسکی منکوحہ تھی۔۔

''آپ ٹھیک ہیں ناں۔۔۔؟'' ارتضیٰ اس کی بے چینی بھانپ کر بولا۔۔

''جی۔۔۔'' رومیصہ نے بڑی سرعت سے خود کو سنبھالا، اتنا تو وہ بھی جان چکی تھی کہ اس کے ساتھ موجود شخص کوئی عام انسان نہیں تھا، اسکی آنکھوں میں اچھی خاصی تیز ایکسرے مشین فٹ تھی اور وہ اسے کم از کم ارسل کی طرف سے مشکوک کرنا نہیں چاہتی تھی۔

اسی وقت ٹریفک سگنل کھل گیا اور ارسل کی گاڑی کسی کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح تیزی سے نکلی اور رومیصہ کا دل بے شمار اندیشوں کی آماجگاہ بن گیا۔

☆......☆......☆

مسز ٹینا سہگل اعصاب کو سکون بخشنے والی ادویات کے زیر اثر گہری نیند میں تھیں۔۔۔

''مام کی اس حرکت نے سخت خوفزدہ کر دیا ہے مجھے۔۔۔'' شہزاد ان کے روم میں رکھے صوفے پر اکیلی بیٹھی ہوئی بہت آہستگی کے ساتھ فون پر بات کر رہی تھی اور دوسری طرف ہمزاد تھا جو ٹی وی کے ذریعے اس بات سے باخبر ہو چکا تھا۔

''اگر مسز سہگل جیسی خاتون ایسی حرکت کر سکتی ہیں تو تم خود سوچو وہ کون سی ایسی بات ہو سکتی ہے جس نے انہیں اس حد تک مایوس کر دیا کہ ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بچا۔۔۔'' ہمزاد کی بات میں دم تھا، تبھی تو وہ کچھ لمحے بول نہیں پائی۔

''ہاں بات تو واقعی چھوٹی نہیں ہو سکتی وہ۔۔۔'' اس نے فوراً تائید کی لیکن ہمزاد کے اگلے جملے نے اس کا دماغ بھک کر کے اڑا دیا۔

''کہیں سیف الرحمٰن کے فلمسٹار میگھا کے ساتھ اسکینڈل نے تو انہیں ڈسٹرب نہیں کیا۔۔۔؟''

وہ ہلکا سا جھجک کر بولا تو شہزاد خفت زدہ انداز سے کچھ لمحے بول ہی نہیں پائی۔

ٹینا بیگم کی ذاتی زندگی اتنی زیادہ اوپن ہے اسے اس بات کا اندازہ تو تھا لیکن ہمزاد واحد شخص تھا جس کے سامنے وہ ان چیزوں کو ڈسکس کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن تقدیر بار بار اسے اسی پوائنٹ پر لا کر کھڑا کر رہی تھی۔

''میرا نہیں خیال کہ مام اس بات پر اتنا جارحانہ ردعمل دیں گی۔۔'' شہزاد نے بادل نخواستہ انداز میں اس بات پر تبصرہ کیا۔

''وہ جس پوزیشن پر اسٹینڈ کرتی ہیں، انہیں کرنا بھی نہیں چاہیے۔۔'' ہمزاد نے بھی بے تکلفی سے کہا۔

اس سے پہلے کہ شہرزاد اس بات پر کوئی اور تبصرہ کرتی، کمرے کا دروازہ کسی نے ہلکا سا ناک کیا، شہرزاد نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور اپنے سامنے سیف الرحمٰن کو دیکھ کر اس کے اعصاب تناؤ کا شکار ہوئے۔

لائیٹ گرے ٹو پیس سوٹ میں ان کی پرسنالٹی خاصی پُر وقار لگ رہی تھی۔ وہ بھی شہرزاد کو سامنے دیکھ کر ہلکی سی شش و پنج کا شکار ہوئے۔

''السلام علیکم۔۔۔!!!'' انہوں نے ٹشو پیپر سے اپنے ماتھے پر آیا نادیدہ پسینہ صاف کیا۔

''وعلیکم السلام۔۔۔!!!'' شہرزاد لاشعوری انداز سے کھڑی ہوئی، ان کی آمد بالکل غیر متوقع تھی۔

''ٹینا، سو رہی ہیں شاید۔۔۔''

''جی۔۔۔!!! شہرزاد کو اچانک یاد آیا کہ فون کال پر دوسری طرف ہم زاد ہے، جس کی کمرے میں آنے والی مردانہ آواز پر ساری سماعتیں ایک دم ہی بیدار ہو گئی تھیں۔

''شہرزاد کون آیا ہے روم میں۔۔۔؟'' اس نے محتاط انداز میں پوچھا۔

''بعد میں بتاتی ہوں آپ کو، ابھی فون بند کر رہی ہوں۔۔۔ اس نے دوسری طرف ہم زاد کی بات سنے بغیر فون کال ڈسکنٹ کر دی، جبکہ سیف الرحمٰن آہستگی سے چلتے ہوئے ٹینا بیگم کے بیڈ کے پاس جا کھڑے ہوئے۔

''کیسی طبیعت ہے اب ٹینا کی۔۔۔'' ؟ انہوں نے فکرمند انداز سے سائیڈ میز پر رکھی ان کی فائل اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''بہتر ہیں۔۔۔'' شہرزاد نے خود کو سنبھال لیا۔

وہ ان کی طرف دیکھ کر ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ اسے کس طرح کے ردعمل کا اظہار کرنا چاہیے۔ جبکہ سیف الرحمٰن اب خود کو سنبھال چکے تھے۔

''کچھ اندازہ ہے کہ ٹینا نے ایسا کیوں کیا۔۔۔؟'' انہوں نے پریشانی سے شہرزاد کی طرف دیکھا۔

''یہ بات آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔۔۔؟'' شہرزاد نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں لاجواب کیا۔

''ایکچوئلی مجھے پوچھنی تو نہیں چاہیے لیکن وہ کل سے کافی ڈسٹرب تھی رومیصہ کی وجہ سے۔۔۔'' انہوں نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

''رومیصہ کی وجہ سے۔۔۔؟ اس نے بے یقین نظروں سے انکی طرف دیکھا اور مزید گویا ہوئی۔

''آپ سے کیا ایسی کوئی بات ہوئی تھی ان کی۔۔۔؟'' شہرزاد کو ان کی بات نے حیران کیا۔

''یس آف کورس، ورنہ اتنی بڑی بات میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔۔۔''

''کیا کہا تھا انہوں نے۔۔۔؟'' شہرزاد کے لہجے سے بے تابی چھلکی۔

''میرا خیال ہے ان کا رومیصہ کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا تھا اور اس وجہ سے وہ کافی ٹینس تھیں۔۔۔''

''لیکن وہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں تھی۔۔۔'' شہرزاد نے دانستہ لاپرواہ انداز اپنایا۔

''میں اتنا جانتا ہوں کہ کوئی چھوٹی موٹی بات ٹینا کو اتنا ٹینس نہیں کر سکتی۔اس کے اعصاب خاصے مضبوط ہیں۔۔'' وہ اپنے موقف پر جمے ہوئے تھے۔

''آپ سے ریلیٹڈ بھی تو کوئی معاملہ ہو سکتا ہے۔۔۔''اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں طنز کیا۔

''وہ سب میڈیا کا منفی پروپیگنڈا ہے اور کچھ نہیں۔۔''انہوں نے پراعتماد لہجے میں اس الزام کو رد کیا۔

''لیٹس سی، اسکا فیصلہ تو اب بعد میں ہی ہوگا۔۔۔''شہرزاد نے اپنی طرف سے بات ختم کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف وہ بھی سمجھ گئے تھے کہ وہ اس موضوع پر مزید گفتگو کرنا نہیں چاہ رہی، اس لیے دانستہ خاموش ہو گئے۔۔۔

☆......☆......☆

رومیصہ نے ہوسپٹل سے ''ٹیناہاؤس'' تک کا سارا رستہ خاصی ٹینشن میں گذارا۔

وہ بار بار اپنا سیل فون نکال کر دیکھ رہی تھی، اسے یقین تھا کہ ارسل کی کال اسے ضرور آئے گی اور وہ دل ہی دل میں دعا گو تھی کہ ارتضی حیدر کی موجودگی میں ایسا نہ ہو اور اللہ نے اس کی سن لی تھی۔

رومیصہ جیسے ہی گھر پہنچی، سیل فون کی گھنٹی بجی اور اسکرین پر ارسل کا نمبر دیکھ کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے میں پہنچی اور عجلت بھرے انداز میں دروازہ لاک کر کے کال اٹینڈ کی۔

''کس کے ساتھ گھوم رہی تھیں تم۔۔۔؟ارسل کی خفگی سے بھرپور آواز اسکی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''اے ایس پی ارتضی حیدر تھے۔۔۔''نہ چاہتے ہوئے بھی رومیصہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ در آئی۔

''کیوں ان کی ذمے داری کب سے بن گئی ہو تم یا بیچ میں کوئی اور مسئلہ ہے۔۔''ارسل ہلکا سا جھنجھلا کر گویا ہوا۔

''کیوں، کیا ہوا۔۔؟''رومیصہ کو اپنے لیے اسکی یہ شدت پسندی اچھی لگی لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ اگلا جملہ اسکی ساری خوشی ملیامٹ کر دے گا۔

''دیکھو رومی، مجھ پر یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم ٹینا سہگل کی بیٹی ہو۔۔''وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا، اسکے زہر آلود لہجے پر وہ ایک لمحے کو سن ہوئی اور اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔۔؟''رومیصہ بمشکل بولی۔۔

''میرا جو مطلب ہے، تم اچھی طرح سے جانتی ہو، اور میں تمہیں وہ سب کچھ کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا جو ٹینا سہگل آج تک کرتی آئی ہیں، بیوی ہو تم میری، اس بات کو اپنے ذہن میں رکھا کرو۔۔۔''

ارسل کے اس جملے سے اس کے اندر چھن کر کے کچھ ٹوٹا، آنسوؤں کا ایک گولا اس کے حلق میں اٹک گیا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ارسل اسے اس کی ماں کے حوالے سے بھی کوئی طعنہ دے سکتا ہے۔

''مجھے یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ میں ٹینا سہگل کی ہی بیٹی ہوں، اور نکاح نامے پر سائن کرنے سے پہلے تم بھی یہ بات اچھی طرح جانتے تھے۔۔۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی۔۔۔؟'' دوسری طرف وہ بھی طیش میں آیا۔

''ایسا کیا کر دیا ہے میں نے۔۔؟ ذرا کھل کر بتائیں ناں۔۔۔'' وہ بھی دوبدو میدان میں اتر آئی۔

''ضرورت کیا ہے تمہیں ان کے ساتھ گھومنے کی۔۔۔؟'' وہ جھنجھلا گیا۔

''اگر اصل بات کا علم نہیں ہے آپ کو تو بہتر ہوگا کہ خاموش رہیں۔۔۔'' رومیصہ غصّے سے فون بند کر چکی تھی۔ اس کا دماغ اس وقت کھول رہا تھا۔ ارسل کے ان جملوں نے اسے آسمان سے زمین پر لا پٹخا تھا۔

☆......☆......☆

ارسل کو نور محل آئے ہوئے کچھ گھنٹے ہی ہوئے تھے۔۔۔

بے چینی، پریشانی اور غصے کی ملی جلی کیفیت اسکے چہرے کے ایک ایک نقش سے عیاں تھی۔

اسلام آباد آنے والے میر ہاؤس کے مکینوں کا مسکن ہمیشہ نور محل ہی ہوتا تھا اور ارسل کے تو ویسے ہی کل سے ایگزام اسٹارٹ تھے اس لیے فارحہ بھابھی نے اسکا کمرہ سیٹ کروا دیا تھا اور اب اسے آنے والے کئی دنوں تک یہیں رہنا تھا۔۔

رومیصہ کے جملوں کی وجہ سے اسکا دل و دماغ کھولن کی زد میں تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ٹینا ہاؤس میں پہنچ کر وہاں کی اینٹ سے اینٹ بجادے۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے کبھی صوفے پر بیٹھ جاتا اور کبھی ایک ہاتھ کا مکہ فضاؤں میں لہرا کر اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''سمجھتی کیا ہے وہ خود کو، ایک بار میری کال تو اٹینڈ کرے۔۔'' اس نے بیزاری سے اسکا نمبر کوئی بیسویں بار ملایا لیکن ہر دفعہ پاورڈ آف کی ٹیپ اس کے اشتعال میں اضافہ کرنے کا موجب بنتی۔

فارحہ بھابھی ایک چھوٹی ٹرے میں بلیک کافی کے دو کپ رکھے اندر داخل ہوئیں اور جانچتی ہوئی نگاہوں سے ارسل کا بیزار چہرہ دیکھا۔ وہ اب صوفے پر بیٹھ چکا تھا لیکن اس کا ماتھا شکنوں سے پُر تھا۔

''ارسل کوئی مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔۔۔؟'' فارحہ بھابھی نے کافی کا کپ اسکی طرف بڑھاتے ہوئے اچانک پوچھا تو وہ گڑبڑا سا گیا۔

''نن نہیں تو، آپ کو کس نے کہا۔۔۔؟'' اس نے تیزی سے خود کو سنبھالا۔

''جب سے تم یہاں آئے ہو خاصے ٹینس دیکھائی دے رہے ہو، میر ہاؤس میں تو سب ٹھیک ہے ناں۔؟'' فارحہ نے ہلکا سا جھجک کر اس سے پوچھا۔ وہ عموماً دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی ذرا کم ہی کرتی تھیں۔

''ارے نہیں بھابھی، ایسا کچھ نہیں ہے، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔۔۔'' وہ زبردستی مسکرایا۔

''تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں، ورنہ میری چھٹی حس تو کوئی اور ہی اشارہ دے رہی ہے۔۔'' فارحہ بھابھی کی اس بات پر اس نے گھبرا کر بات بنائی۔

''آپکی چھٹی حس غلط کہہ رہی ہے، اکیچوئلی میں اپنے فائنل وائیوا کی وجہ سے تھوڑا اپ سیٹ ہوں، تیاری نہیں ہے اور ایک فرینڈ نے اسائمنٹس بھی گم کر دی ہیں میری۔۔۔'' اس نے فارحہ بھابھی کو مطعمن کرنے کی پوری کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔

''تھینکس گاڈ میں تو ڈر ہی گئی تھی۔۔۔'' وہ مسکرائیں اور ارسل نے بڑی ذہانت کے ساتھ موضوع گفتگو تبدیل کیا۔۔

''آپ یہ بتائیں، وہاج بھائی کدھر ہیں نظر نہیں آ رہے یہاں۔۔''

''نظر بھی کیسے آئیں گے، وہ ملتان گئے ہوئے ہیں پچھلے اتوار سے۔۔۔''

''خیریت۔۔۔؟'' وہ ہلکا سا چونکا۔۔

'پتا تو ہے الیکشن قریب ہوں تو ان کا زیادہ وقت وہیں گذرتا ہے۔۔'' انہوں نے پھیکے سے انداز میں مسکرا کر جواب دیا، ویسے بھی وہاج کے یہاں نہ ہونے سے وہ زیادہ ریلکس رہتی تھیں کیونکہ صبح و شام کوئی ذہنی اذیت دینے والا نہیں ہوتا تھا۔

''تو آپ میر ہاؤس میں آ جاتیں، یہاں اکیلے کیسے رہ رہی ہیں۔۔'' ارسل کا سارا دھیان رومیصہ کی طرف تھا اور وہ دانستہ خود کو دوسری طرف لگانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس میں اسے مسلسل ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

''اکیلی کہاں ہوں، داجی اور بابا بھی تو صبح و شام یہیں ہوتے ہیں۔۔۔''

انہوں نے سائیڈ میز پر رکھا ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول اٹھا کر ٹی وی آن کیا۔

وہ جو کافی کا مگ پکڑے مسلسل بے چینی کی کیفیت کے ساتھ وہاں براجمان تھا، اس نے یونہی سامنے دیکھا، کسی نیوز چینل پر چلنے والی پٹی پر اسے ہلکا سا جھٹکا لگا سامنے ٹی وی پر ٹیکر چل رہا تھا، مشہور و معروف فیشن ڈائزائنر، اور بیوٹیشن ٹینا سہگل کی خود کشی کے معاملہ پر خاندانی ذرائع نے تصدیق کرنے سے معذرت کر لی اور ان کی بیٹیاں اس معاملے پر کوئی بھی بیان دینے پر راضی نہیں۔۔ ارسل نے ہاتھ میں پکڑا کافی کا مگ پریشانی سے سائیڈ میز پر رکھ دیا۔

''ٹینا سہگل کی خود کشی کا کیا قصّہ ہے بھابھی۔۔۔؟'' اس نے دانستہ لاپرواہی سے پوچھا کیونکہ اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ فارحہ بھابھی کا زیادہ ٹائم ٹی وی اسکرین کے سامنے ہی گذرتا تھا اور ارسل کو اس خبر نے ٹھیک ٹھاک پریشان کیا۔۔۔

''زیادہ ڈیٹیل تو نہیں پتا چل سکی، لیکن میڈیا کے لوگوں کا کہنا ہے کہ بیورو کریٹ سیف الرحمٰن کی بیوفائی کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا ہے، لیکن تم کیسے جانتے ہو انہیں۔۔۔'' فارحہ بھابھی نے چونک کر اسکی طرف دیکھا۔

''یہ وہی ہیں ناں جو ٹیناز کے نام سے بیوٹی سیلون کی ایک چین چلا رہی ہیں، ان کو کون نہیں جانتا۔۔۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔اس نے اپنے چہرے کے تاثرات کو حتی المکان نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی اور اس میں کامیاب بھی رہا تھا۔

''ہاں میڈیا میں خاصی ان رہتی ہیں، پچھلے دنوں ان کی بیٹی کے اغواء کا بھی خاصا ایشو رہا ہے۔۔'' فارحہ بھابھی کی بات پر ارسل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''کیا کہتے ہیں لوگ۔۔۔؟ کس نے کڈنیپ کیا ہوگا اسے۔۔؟''

''جسٹس محمود کی فیملی کا ہاتھ ہی بتا رہے ہیں، باقی اللہ جانتا ہے۔۔'' فارحہ بھابھی نے اپنی بات مکمل ہی کی تھی کہ ان کے سیل فون پر کوئی کال آنے لگی اور وہ فون اٹھا کر اپنے روم کی طرف بڑھ گئیں۔

ارسل نے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی کی آواز بند کی، ٹینا سہگل کی خودکشی کی خبر نے اسکا سارا سکون غارت کر دیا تھا اور اسے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ وہ رومیصہ کے ساتھ غصّے میں کچھ غلط کر چکا ہے۔

☆......☆......☆

محمد ہادی، آج کافی دنوں بعد قریشی ولا میں داخل ہوا تو شام کے سائے ڈھل چکے تھے۔۔۔

اس کی گاڑی سرمئی تارکول کی بنی ہوئی سڑک پر بڑے ہموار انداز سے چلتی ہوئی پورچ میں آن کر کھڑی ہوگئی، وہ جیسے ہی گاڑی سے باہر نکلا، اس نے مناہل کو لان میں اکیلے بیٹھا دیکھا تو وہیں چلا آیا، وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

''کیا ہوا منّو، شکل پر بارہ کیوں بجے ہوئے ہیں۔۔۔؟'' اس نے سامنے آکر اپنا ہاتھ لہرایا تو وہ گویا کسی گہری نیند سے ہڑبڑا کر جاگی۔

''ارے تم کب آئے۔؟ پتا ہی نہیں چلا۔۔۔''

''خیر ہے ناں منو، ایسی کون سی گہری سوچ میں گم تھیں جو میری گاڑی کے ہارن کی آواز بھی سنائی نہیں دی۔۔'' وہ پریشان ہوا۔

''بس تھیسس جمع کروانے کی آخری تاریخ آ رہی ہے اور کام کافی پڑا ہوا ہے۔۔'' اس نے جلدی سے بات بنائی، حقیقتاً وہ برہان کی وجہ سے خاصی ٹینشن میں تھی جو پچھلے تین دن سے نہ تو یونیورسٹی آ رہے تھے اور نہ ہی اسکی کوئی کال اٹینڈ کر رہے تھے۔

''کوئی محبت وحبت کا روگ تو نہیں پال لیا تم نے۔۔۔'' ہادی نے اسے چھیڑا۔

''تمہیں پتا ہے یہ میرے بس کا روگ نہیں، تم سناؤ تمہارا عشق کہاں تک پہنچا۔۔۔''؟

''وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا، اب اس کا حال سنائیں کیا۔۔'' وہ شرارت سے گنگنانے لگا، مناہل کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ محض

اسے ٹرخانے کے لیے ایسا کر رہا ہے اس لیے اس نے بھی فوراً ٹاپک تبدیل کیا۔

''کتنے دن کے لیے آئے ہو گھر۔۔۔؟''

''کل شام کو چلا جاؤں گا، یہ بتاؤ رومیو جولیٹ کہاں ہیں، نظر نہیں آ رہے۔۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اپنے والدین کے بارے میں پوچھا۔

''ماموں کا آج کوئی آفیشل ڈنر تھا اور عالیہ ممانی ہوسپٹل گئیں ہیں شہزاد کی ممی کی عیادت کرنے۔۔'' مناہل کی بات پر وہ چونکا۔

''کیا ہوا انہیں۔۔۔؟ سب خیریت تو ہے ناں۔۔۔؟''

''لگتا ہے تم نے آج صبح کی نیوز نہیں سنیں، ورنہ آج کا تو ہاٹ ایشو بنا ہوا ہے یہ ٹاپک۔۔''

''اچھا چلو پھر اندر جا کر دیکھتے ہیں اور تمہارے ہاتھ کے نگٹس کے ساتھ چائے پیتے ہیں۔۔'' ہادی نے بے تکلفی سے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا، وہ جو سست انداز میں بیٹھی ہوئی تھی بادل نخواستہ اٹھی، اور اسی وقت اس کے سیل فون کی گھنٹی بجی اور برہان کا نام دیکھ کر اسکا دل بے اختیار دھڑکا۔

''کہاں ہیں آپ۔۔۔؟ صبح سے کئی کالز کر چکی ہوں میں، کم از کم بندہ کسی ٹیکسٹ کا جواب ہی دے دیتا ہے۔۔'' مناہل کچھ لمحوں کے لیے تو ہادی کی موجودگی کو بھی فراموش کر بیٹھی۔

''آئی ایم سوری مناہل، گھر میں تھوڑا سیریس ایشو چل رہا تھا، اس لیے سیل فون اٹینڈ نہیں کر پایا۔۔'' دوسری طرف سے برہان کی تھکی تھکی آواز مناہل کی سماعتوں سے ٹکرائی اور وہ چلتے چلتے رک گئی۔

ہادی نے بلا ارادہ اسکا چہرہ بہت غور سے دیکھا اور اسکی بے چینی اور بے قراری بہت سی ان کہی داستانیں سنا رہی تھی۔ اس نے ہاتھ کی انگلی سے ہادی کو اندر جانے کا اشارہ کیا اور خود لان میں ہی کھڑی ہو گئی۔

''کون سا سیریس ایشو، سب ٹھیک تو ہے ناں۔۔؟'' مناہل کا دل عجیب سی لے میں دھڑکا۔

''تمہارے مطلب کی بات نہیں ہے وہ، ایکچوئلی علاقے کی سیاست کا معاملہ ہے، الیکشن قریب ہے ناں اس لیے سب کی دوڑیں لگی ہوئی ہیں۔'' برہان نے صاف صاف اسے ٹالا، ویسے بھی اپنی شادی کی بات وہ اسے فون پر کیسے بتا سکتے تھے۔

''آپ کا سیاست سے کیا لینا دینا، بس چھوڑیں ان سارے معاملات کو اور کل یونیورسٹی آئیں۔ مجھے ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔۔''

مناہل نے دھونس جمانے والے انداز میں حکم صادر کیا تو وہ ایک لمبی سی سرد آہ بھر کر رہ گئے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اسے ایک لفظ بھی نہیں کہہ پائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مناہل قریشی اتنی بڑی بات آسانی سے سہہ نہیں پائے گی اور انہیں اب یہ سوچنا تھا کہ وہ اس

سارے معاملے سے کس طرح نبٹیں۔جوان کے اور مناہل کے بیچ دیوارِ چین کی مانند حائل ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

میر ہاؤس میں انابیہ اور برہان کی رخصتی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔۔۔

شارقہ بیگم صبح سے اسٹور میں رکھے بڑے بڑے لوہے کے باکس سے سامان باہر نکلوا کر انہیں دھوپ لگوا رہی تھیں، ویلوٹ کے لحاف، گرم بستر، چادریں اور پشاور سے منگوائے گئے دوپٹوں کے تھان اور اللہ جانے کیا کچھ پٹیوں سے نکل رہا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ ممانی، یہ کتنی خوبصورت انڈین ساڑھی ہے۔۔۔'' نمیرہ نے ایک شاپر سے بنارسی ساڑھی کا کپڑا نکالا۔

''تمہارے خاقان ماموں انڈیا سے لائے تھے میرے لیے، لیکن میں نے انابیہ کے لیے رکھ دی۔۔'' آج تو شارقہ بیگم کا موڈ بھی خاصا خوشگوار تھا۔

''بڑی امّی، برّی کی شاپنگ کے لیے کراچی جائیں گی، آپ بھی پلیز پروگرام بنالیں ناں۔۔'' کرسی پر بیٹھی طوبیٰ نے بھی ماں سے فرمائش کی۔

''پہلے زخمی پیر تو ٹھیک کر لو اپنا اور پھر کراچی بھی چلی جانا۔۔'' شارقہ بیگم نے اپنی بیٹی کو جھاڑا تو اسکا منہ بن گیا۔۔

''نمیرہ جا کر انابیہ کو بلوا کر لاؤ، اللہ جانے اس لڑکی کی نیند کیوں پوری نہیں ہوتی۔۔'' شارقہ بیگم نے نمیرہ کو اسکے کمرے کی طرف بڑھایا۔

''ہاں آجکل ساس بہو میں نیندیں پوری کرنے کا مقابلہ چل رہا ہے۔۔'' ندرت امّی نے تاجدار بیگم پر کھلم کھلا طنز کیا، وہ پچھلے کچھ دنوں سے اپنے کمرے تک ہی محدود تھیں، اور سب جانتے تھے کہ انہوں نے شاہ میر والی بات کو دل سے لگا لیا ہے۔

''اور یہ درشہوار بھی لگتا ہے اپنے کمرے میں بیٹھ کر کوئی چلہ کاٹ رہی ہے، ذرا جو احساس ہو اس لڑکی کو کہ بھائی کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی ہے، ویسے تو تیسرے محلے میں بھی پہنچ جاتی ہے ڈھولک بجانے، بندہ کوئی تو ہلہ گلہ کرتا ہے، لیکن یہاں تو کسی کو ہماری خوشی کا احساس ہی نہیں۔۔۔'' ندرت امّی کو بھی آج ضرورت سے زیادہ ہی انابیہ پر لاڈ آرہا تھا۔

''ارے چھوڑو ندرت، ابھی بہت دن پڑے ہیں اس ہلے گلے کے لیے۔۔۔''

شارقہ بیگم نے اپنی سوتن کو تسلی دی تو طوبیٰ نے سخت حیرانگی سے ان دونوں کو دیکھا جو آج بہت عرصے کے بعد ایک ہی رنگ میں رنگی نظر آرہی تھیں۔ورنہ دونوں سوکنوں میں اینٹ کتے کا بیر تھا اور یہ بات پورا خاندان جانتا تھا۔

اسی وقت نمیرہ کے ساتھ انابیہ جمائیاں لیتے ہوئے اپنے کمرے سے نکلی اور جیسے ہی سیڑھیاں اتر کر ہال کمرے میں پہنچی تو شارقہ بیگم کے ساتھ بڑے خوشگوار موڈ میں بیٹھیں ہوئی ندرت امّی کو دیکھ کر اسے جھٹکا لگا۔اس نے ایکدفعہ زور سے آنکھوں کو مل کر دیکھا۔

''یہ نظر کا دھوکا نہیں، حقیقت ہے پیاری بہن، اور مجھے لگتا ہے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی بھی۔'' طوبیٰ نے شرارتی لہجے میں اپنی بہن کو تسلی دینے کے انداز میں کہا، وہ سمجھ گئی تھی کہ اسے بھی شارقہ بیگم اور ندرت امّی کا ایک ساتھ بیٹھنا ہضم نہیں ہو رہا۔

''ارے بیا، بہت اچھے موقعے پر آئی ہو تم، یہ دیکھو اپنی شادی کا انویٹیشن کارڈ۔۔۔'' نمیرہ جو ندرت امّی کے ساتھ چپک کر بیٹھ گئی تھی، ایکدم بولی۔

''شادی کارڈ۔۔۔!!!'' بیا کا دل بے ہنگم انداز میں دھڑکا۔

''ابا جی نے تو ایسے راتوں رات کارڈ پبلش کروا لیے ہیں جیسے گھر میں ہی چھاپہ خانہ کھول رکھا ہو۔'' ندرت امّی قہقہہ لگا کر ہنسیں۔

''تمہارا اور ہانی بھیا کا نام دیکھو کتنا خوبصورت لگ رہا ہے۔'' نمیرہ نے سلور گرے کلر کا ایک نفیس سا کارڈ نابیہ کی طرف بڑھایا۔

ندرت امّی اور شارقہ بیگم کی موجودگی میں اس نے ہلکا سا جھجک کر کارڈ پکڑا اور نہ چاہتے ہوئے بھی ایک ہلکی سی مسکراہٹ اسکے چہرے پر در آئی، اس نے بے یقینی سے اپنا اور برہان کا نام ایک ساتھ دیکھا، دل میں بہت عرصے بعد ایک سچی خوشی کا احساس بیدار ہوا لیکن اسکی عمر خاصی مختصر تھی۔

برہان عجلت بھرے انداز میں اپنا لیپ ٹاپ والا بیگ اٹھائے اپنے کمرے سے نکلے اور اپنی دونوں چاچیوں کو ایک ساتھ دیکھ کر وہ ہلکا سا چونکے اور پھر سر جھٹک کر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔۔۔

''ہانی بھیا یہ دیکھیں ذرا۔۔۔!!!'' نمیرہ لپک کر ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور شرارت سے کارڈ انکی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

''کیا ہے یہ۔۔۔؟'' ان کے چہرے پر ہلکی سی ناگواری در آئی۔۔

''ندرت امّی، دولہے میاں پوچھ رہے ہیں، کس کی شادی کا کارڈ ہے یہ، کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں انہیں۔۔۔؟'' نمیرہ کی شوخی برہان کو زہر لگی لیکن وہ ندرت امّی کے سامنے اسے ڈانٹنے کا رسک نہیں لے سکتے تھے کیونکہ وہ نمیرہ کے معاملے میں خاصی جذباتی ہو جاتی تھیں۔

''نمیرہ پیچھے ہٹو، مجھے یونیورسٹی سے دیر ہو رہی ہے۔۔۔'' ناگواری ان کے لہجے سے چھلکی۔

''ارے بیٹا، اپنی شادی کا کارڈ تو دیکھ لو، اتنی محبت سے بہن تمہیں دیکھا رہی ہے۔'' ندرت امّی کی بات پر انہیں پانچ سو واٹ کا جھٹکا۔

''کس کی شادی کا کارڈ ہے یہ۔۔۔؟''

انہوں نے بوکھلا کر نمیرہ کے ہاتھ سے انویٹیشن کارڈ پکڑا اور خوفزدہ نظروں سے سامنے لکھی تحریر کو پڑھا اور ان کا دماغ بھک کر کے اڑ گیا۔

میر حاکم علی ان کے سارے پر کاٹ چکے تھے اور انہیں اب ساری زندگی ان کے عطا کردہ پنجرے میں سر مارتے ہوئے گذارنی تھی کیونکہ اس کے علاوہ ان کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔

☆......☆......☆

''مجھے یہ گھر خریدنا ہی نہیں چاہیے تھا۔۔''

جارج نے اپنی بیوی مارتھا کے سامنے یہ جملہ کوئی تیسری دفعہ دہرایا تو وہ ہلکا سا چڑ گئیں۔۔''ایک ہی بات بار بار کیوں کر رہے ہیں آپ۔۔؟''

''تم نہیں جانتی ہو اس گھر کی وجہ سے اس علاقے کے کرپٹ کونسلر نے کتنا زچ کر رکھا ہے مجھے۔۔''

''کچھ نہیں بگاڑ سکتا وہ ہمارا۔۔۔'' مارتھا نے اپنے شوہر کو تسلی دینے کی ناکام کوشش کی۔

'''خام خیالی ہے یہ تمہاری، اس شخص کی شہرت بہت زیادہ خراب ہے اور لینڈ مافیا اور اعلیٰ حکام کے ساتھ تعلقات ہونے کی وجہ سے کوئی بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکا۔اسی کی وجہ سے پرانا مالک مکان اپنی جان چھڑا کر گیا ہے یہاں سے۔۔'' جارج نے اپنی بیوی کو ڈھکے چھپے الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی۔

''اور جاتے جاتے ہمیں پھنسا گیا۔اسے اصل بات بتانی چاہیے تھی۔۔۔؟'' مارتھا کو بھی ایک دم غصّہ آ گیا۔

''اس بیچارے کو تو ہم نے پھر بھی اس کمرشل جگہ کی اچھی خاصی قیمت ادا کر دی ہے، یہ کارنر کے پلاٹ پر بنا ہوا گھر ہے اور وہ کونسلر تو کوڑیوں کے بھاؤ اس سے خریدنا چاہتا تھا۔۔۔'' جارج نے اسے کھل کر اصل معاملہ بتایا۔

''تو وہ اب ہم سے کیا چاہتا ہے۔۔۔؟''

''یہی کہ ہم بھی اونے پونے داموں اسے بیچ کر یہ گھر خالی کر دیں۔۔۔''

''جب ہم اسے سیل کرنا ہی نہیں چاہتے تو کیا وہ زبردستی ہم سے خریدے گا۔۔۔'' مارتھا نے بیزاری سے کہا۔

''ہاں اس کے ارادے تو مجھے کچھ ایسے ہی لگ رہے ہیں، تبھی اس کے بندے ہر جگہ دھمکانے کے لیے آ جاتے ہیں مجھے۔۔۔''

''آپ پولیس اسٹیشن میں ان کے خلاف رپٹ درج کروا دیں۔۔۔'' مارتھا کے مشورے پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ جارج کے چہرے پر آ گئی۔

''تھانے بھی گیا تھا میں اور جا کر پتا چلا کہ وہ اس شہر کے ایم این اے کا خاص بندہ ہے۔۔۔''

''تو ہم کیا کریں پھر۔۔۔؟'' مونیکا نے بُرا سا منہ بنا کر تبصرہ کیا۔

''ایس ایچ او صاحب نے کہا کہ سکون سے جا کر اپنے گھر بیٹھ جائیں اور کونسلر صاحب کی بات مان لیں کیونکہ اس تھانے میں میر صاحب کے کسی بندے کے خلاف کوئی رپٹ نہیں کاٹی جا سکتی۔۔۔'' جارج کی بات پر مارتھا کے چہرے پر پہلی دفعہ تشویش کے سائے نمودار ہوئے۔۔

''چھوڑو تم اس بات کو، مونیکا کہاں ہے، اسکا لاہور کا ٹکٹ لے آیا ہوں میں۔۔''

''مائیکل کب آ رہا ہے پاکستان۔۔۔؟''

''اگلے اتوار کو۔۔'' جارج کی بات سن کر مونیکا کا اپنے بیگ کی زپ بند کرتا ہوا ہاتھ رکا۔ وہ ٹھیک ٹھاک پریشان ہوئی۔

''بس اس کے آتے ہی ہم مونیکا کا فرض ادا کر دیتے ہیں، کچھ تو ہمارا بوجھ ہلکا ہو۔۔۔''

''ہاں اس کے باپ سے بات ہو چکی ہے میری۔۔ وہ راضی ہے۔۔''

''خداوند، خیر خیریت سے یہ خوشی کا موقع لائے۔ ورنہ دل تو بہت زیادہ ڈرا ہوا ہے۔۔'' مارتھا کی آواز میں ڈھیروں وہم پوشیدہ تھے۔

''کچھ نہیں ہوتا، تم تسلی رکھو، خدوند ہمارے ساتھ کبھی بُرا نہیں کرے گا۔۔'' جارج نے اپنی بیوی کو تسلی دینے کی کوشش کی، لیکن کمرے میں موجود مونیکا کا سارا سکون اور اطمینان برباد ہو گیا۔

اسی وقت پڑوس میں واقع مسجد سے عصر کی اذان کی آواز گونجنے لگی، جسے سنتے ہی مونیکا کے چہرے کے تاثرات میں ایک تغیر رونما ہوا۔

اس کے دل کے اندر سے سکون اور سرشاری کی چھوٹی چھوٹی لہریں نکلیں اور پورے وجود میں چھا گئیں اسے یقین ہو گیا کہ رب کائنات اس کے ساتھ کچھ بُرا نہیں کرے گا۔

کئی گھنٹوں کی مسافت کے بعد وہ ملتان سے لاہور پہنچی تو ذوالکفل اسے لینے کے لیے ریلوے اسٹیشن پر موجود تھا، اسے اپنے سامنے دیکھ کر مونیکا کی ساری تھکن چند سیکنڈوں میں دُور ہو گئی۔۔۔

''تم اپنے فیصلے پر ابھی بھی قائم ہو ناں۔۔۔'' اسکی گاڑی میں بیٹھتے ہی مونیکا نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

''تم یہ بات کیوں پوچھ رہی ہو۔۔۔'' وہ زیرلب مسکرایا۔

''پتا نہیں کیوں، مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے خدانخواستہ کچھ غلط نہ ہو جائے۔۔۔''

''اللہ کہتا ہے کہ جیسا گمان رکھو گے، ویسا ہی دوں گا۔۔۔'' ذوالکفل نے محبت بھرے انداز سے اسکی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دی۔ اسکا سینہ ایمان کی روشنی سے بھرا ہوا تھا اور یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کا رب اسے اکیلا چھوڑ دیتا۔

اگلی شام کو بادشاہی مسجد میں ان دونوں کا نکاح چند دوستوں کی موجودگی میں بہت خاموشی سے پڑھا دیا گیا اور ذوالکفل مونیکا کا ہوسٹل سے سامان اٹھا کر اپنے فلیٹ میں لے آیا، جہاں دونوں اپنے اپنے خاندانوں کو بتائے بغیر اپنی نئی زندگی کی شروعات کر چکے تھے۔۔

☆......☆......☆

''مجھے ایسے کیوں لگ رہا ہے جیسے برہان بھائی اس رخصتی سے خوش نہیں ہیں۔۔''

اپنی واڈروب سیٹ کرتی ہوئی انابیہ کے ہاتھ اس جملے پر رکے اور اس نے مڑ کر استہزائیہ نظروں سے سامنے بیٹھی ہوئی اپنی

ماں جائی کی طرف دیکھا۔ وہ پیر پر بینڈیج کیے اپنے بیڈ سے ٹیک لگائے بڑے افسردہ انداز سے نیم دراز تھی۔

''تمہیں اب محسوس ہوا ہے اور میں کئی سالوں سے جانتی ہوں۔۔۔'' اس کے ایک ایک لفظ میں چھپا کرب طوبیٰ کے دل کو تڑپا گیا۔ اس نے بہت غور سے اپنی بہن کا بجھا ہوا چہرہ دیکھا، جس کے حصّے میں قسمت نے ساری ہی ادھوری خوشیاں لکھ دی تھیں۔

''اگر اس فیصلے میں ان کی خوشی شامل نہیں تھی تو انہیں نکاح کے وقت ہی حامی نہیں بھرنی چاہیے تھی۔۔۔'' طوبیٰ ناراضگی سے گویا ہوئی۔

''اس وقت ان کے لیے مجھ سے زیادہ اہم ان کی پی ایچ ڈی تھی۔۔'' انابیہ نے واڈروب کا پٹ بند کر کے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''لیکن یہاں تو لگتا ہے پورا خاندان ہی اس فیصلے پر خوش نہیں، جس کو دیکھو اس کے چہرے پر بارہ بجے ہوئے ہیں جیسے خدانخواستہ سب کو باجماعت سولی پر لٹکایا جا رہا ہو۔۔۔'' طوبیٰ نے اس بار ذرا کھل کر تبصرہ کیا۔

''کیوں، کیا ہوا۔۔۔؟'' انابیہ کا دل بُری طرح سے دھڑکا۔ ''کیا تائی امّی نے کچھ کہا ہے۔۔۔''

''وہ تو تب کہیں گی، جب اپنے حجرے سے باہر قدم رنجہ فرمائیں گی۔۔'' طوبی نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

''شاہ میر والی بات پر ان کی ناراضگی چل رہی ہے داجی اور تایا ابا سے۔۔۔'' انابیہ نے غیر دانستہ طور پر ان کی سائیڈ لی۔

''چھوڑو بیا، مجھے تو لگتا ہے کہ وہ بھی اپنے بیٹے کے ساتھ کی جانے والی زبردستی پر خوش نہیں ہیں، اسی لیے تو خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیا ہے، ورنہ اتنی بھی بڑی بات نہیں، جتنی وہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔۔۔''

تمہیں درشہوار نے کچھ کہا ہے کیا۔۔۔؟'' انابیہ نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

''ان محترمہ کو بھی لگتا ہے کہ اس اعلان کے بعد سانپ سونگھ گیا ہے، مجال ہے کہ ایک لفظ بھی مبارکباد کا اس کے منہ سے نکلا ہو، ورنہ تم تو جانتی ہو، وہ تو سات گھر چھوڑ کر بھی کسی کی شادی ہو تو وہاں جانے کو مچلنے لگتی ہے۔۔۔''

طوبی کے لہجے کی بیزاری اور تلخی گواہ تھی کہ اس نے ان سب کے رویئوں کا بہت باریک بینی کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے اور اس وجہ سے وہ خاصی دکھی تھی۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں، جب میری قسمت میں ہی ایسا لکھا ہے۔۔'' انابیہ سارے کام چھوڑ کر اسکے پاس آن بیٹھی۔

''تم کھل کر بات کیوں نہیں کرتی ہو ہانی بھیا سے۔۔۔''

''یہ رخصتی اسی کا خمیازہ ہی تو ہے۔۔۔''

''مطلب۔۔۔؟؟؟'' طوبیٰ نے الجھ کر بیا کا افسردہ چہرہ دیکھا۔

''داجی نے ہم دونوں کی باتیں سن لی تھیں، انہیں بھی پتا چل گیا کہ برہان کا انٹرسٹ کسی اور میں ہے۔۔'' انابیہ نے ہلکا سا جھجک کر بتایا۔

''اور اس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ تمہیں زبردستی برہان نامی کھونٹے سے باندھ دیا جائے، ہے ناں۔۔''طوبی جی بھر کر بدمزا ہوئی۔

''وہ ہر چیز کا حل زور زبردستی میں ہی ڈھونڈتے ہیں، یہ مزاج ہے ان کا۔۔''ایک تلخ مسکراہٹ نے اسکے چہرے کا احاطہ کیا۔

''اب کیا زبردستی کسی کے دل میں بھی گھسائیں گے وہ۔۔۔''طوبیٰ نے بُرا سا منہ بنایا۔

''دل میں تو بس مناہل قریشی کا ڈیرہ ہے اور اسکی موجودگی میں وہاں کون داخل ہوسکتا ہے۔۔۔''انابیہ نے اپنی انگلیوں کو چٹخانا شروع کر دیا۔ جو اسکے اندرونی اضطراب کی عکاسی کر رہا تھا۔

''کیا بہت خوبصورت ہے مناہل قریشی۔۔؟''

''محبت کسی عام سے چہرے کو بھی خوبصورت بنا دیتی ہے، ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے اس میں۔۔''انابیہ زبردستی مسکرائی۔

''تمہارے ہی ڈیپارٹمنٹ میں ہوتی ہے ناں وہ۔۔''طوبیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا تو انابیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو۔۔؟''انابیہ نے الجھ کر طوبیٰ کا چہرہ دیکھا، جس پر کسی فیصلہ کن سوچ کا عکس تھا، اور لبوں پر ایک پراسراری مسکراہٹ نے ڈیرہ جما لیا تھا، انابیہ کو اس زہر آلود تبسم سے ہلکا سا خوف محسوس ہوا لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہی۔

☆......☆......☆

''مام چکن کارن سوپ بنواؤں آپ کے لیے۔۔۔؟''

شہزاد نے ٹینا بیگم کی تازہ ترین رپورٹس پڑھتے ہوئے فکرمند لہجے میں پوچھا اور دوسری طرف حسب توقع جواب نفی میں ہی آیا۔ ٹینا بیگم کو ہوسپٹل سے گھر شفٹ کر دیا گیا تھا لیکن ان کے ہونٹوں پر خاموشی کی جو مہر ثبت ہو چکی تھی ہو گھر آنے کے بعد بھی ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی اوپر سے وہ مسلسل ٹریکنولائزر کا استعمال کر رہی تھیں اور چوبیس میں سے اٹھارہ گھنٹے غنودگی میں گذار دیتیں۔ یہ بات شہزاد اور رومیصہ دونوں کو فکرمند کرنے کے لیے کافی تھی۔۔

''ڈاکٹرز اتنی زیادہ میڈیسن کیوں دے رہے ہیں انہیں۔۔؟''رومیصہ نے پریشانی سے سائیڈ میز کی طرف دیکھا، جو اس وقت رنگ برنگی ادویات سے بھرا ہوا تھا۔

''مام کے اعصاب کو پرسکون رکھنے کے لیے۔۔۔''شہزاد نے ہاتھ میں پکڑی فائل احتیاط سے ایک سائیڈ پر رکھی۔

''تین دن سے یہ مسلسل سو رہی ہیں اور یہ مسئلے کا حل تو نہیں۔۔۔''رومیصہ بیزاری سے گویا ہوئی۔

''ڈاکٹرز بہتر طریقے سے جانتے ہیں کہ ان کا ٹریٹمنٹ کیسے کرنا ہے۔''شہزاد نے متحمل انداز سے جواب دیا۔

''تم نے شکل دیکھی ہے ان کی، ایسا لگتا ہے جیسے برسوں کی بیمار ہوں۔۔''وہ بیزار لہجے میں بولی۔

''فار گاڈ سیک رومی یہ بات تم مام کے سامنے مت کہہ دینا، وہ ایک نئے ڈیپریشن میں چلی جائیں گی۔۔۔''شہزاد نے ہلکا سا

جھنجھلا کر کہا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ٹینا بیگم اپنے معاملے میں کس حد تک کونشس ہیں۔

''میں تو چاہتی ہوں کہ وہ ان فضول قسم کے ڈیپریشن سے نکل کر اپنے اوپر دھیان دیں۔۔''

رومیصہ کے افسردہ انداز پر شہرزاد نے چونک کر اسکی طرف دیکھا جو ہاتھ میں پکڑے سیل فون کی اسکرین کو غور سے دیکھ رہی تھی، سیل فون کی آواز بند تھی، اس لیے اسکرین پر ایک نمبر بلنک کر رہا تھا جو صرف رومیصہ جانتی تھی کہ ارسل کا ہے جس سے وہ سخت خفا تھی۔

''کال اٹینڈ کیوں نہیں کر رہی ہو تم۔۔۔؟'' شہرزاد نے اپنے لہجے کو سرسری بنا کر کہا۔

''میرا موڈ نہیں ہے۔۔۔''

''کون ہے۔۔۔؟''

''ایک فرینڈ ہے یونیورسٹی کی۔۔۔'' رومیصہ نے جھوٹ بولتے ہوئے کال ایک دفعہ پھر کاٹ دی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ارسل کو اسکی مدر کی بیماری کا علم ہو چکا ہے اور وہ اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اسی وقت ٹینا بیگم نے آنکھیں کھولیں، دونوں بہنیں بے اختیار ان کی طرف متوجہ ہوئیں، ان کی آنکھوں کے پپوٹے مسلسل سونے کی وجہ سے سوج چکے تھے اور چہرے کی جلد سے بھی ساری تروتازگی ختم ہو چکی تھی۔ ان کے سارے وجود پر محسوس کی جانے والی تھکن کا بسیرا تھا۔

''مام، کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ۔۔۔؟'' شہرزاد لپک کر ان کے پاس پہنچی، اور انہوں نے ہلکا سا سر اثبات میں ہلا کر ٹھیک ہونے کا اشارہ کیا، اسی وقت ملازمہ دروازہ ہلکا سا ناک کر کے اندر داخل ہوئی۔

''کیا بات ہے رشیدہ۔۔۔؟'' رومیصہ نے سر اٹھا کر ملازمہ کی طرف دیکھا۔

''بی بی جی، کوئی سیف الرحمٰن صاحب آئے ہیں بیگم صاحبہ سے ملنے کے لیے۔۔۔'' ملازمہ کی بات پر ناگواری کی ایک لہر رومیصہ کے چہرے پر دوڑی اور شہرزاد نے پریشانی سے اپنی ماں کا چہرہ دیکھا جو بالکل سپاٹ تھا۔۔

''مجھے کسی سے نہیں ملنا۔۔۔'' ٹینا بیگم کے منہ سے نکلنے والے اس بے ساختہ جملے پر دونوں نے تعجب بھرے انداز سے ان کی طرف دیکھا، چار دن کے بعد انہوں نے یہ مکمل پانچ لفظی جملہ بولا تھا۔

''مام، آپ کو مل لینا چاہیے ان سے، وہ آپ کے لیے بہت زیادہ اپ سیٹ ہیں۔۔۔'' شہرزاد نے دبے دبے انداز میں کہا تو رومیصہ نے ایک ناراضگی سے بھرپور نظر شہرزاد پر ڈالی، جیسے اسکی بے وقوفی پر یقین آ گیا ہو۔

''جب وہ ملنا نہیں چاہتیں، تو تم کیوں زبردستی کر رہی ہو۔۔۔'' رومیصہ ہلکا سا چڑ کر گویا ہوئی۔

''میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ مام نارمل لائف کی طرف واپس آ جائیں، اس طرح کتنے دن لوگوں سے کٹ کر رہا جا سکتا ہے۔'' شہرزاد نے اپنی بہن کو سمجھانے کی کوشش کی جو بے سود رہی۔

''نارمل لائف گذارنے کے لیے سیف الرحمٰن سے ملنا کوئی ضروری نہیں۔۔'' رومیصہ کے لہجے میں کوفت کا بھرپور عنصر شامل تھا۔

''بی بی جی، کیا کہوں ان سے۔۔۔؟'' ملازمہ ان دونوں کی بحث سے پریشان ہو چکی تھی۔

''ان سے کہہ دو کہ بیگم صاحبہ سو رہی ہیں اور انہوں نے جگانے سے منع کیا ہے۔۔۔'' شہرزاد نے رشیدہ کی مشکل آسان کی۔ وہ جلدی سے واپس مڑ گئی اور اس نے اپنی ماں کا چہرہ غور سے دیکھا، ان کی پلکوں پر اٹکا ہوا ایک آنسو شہرزاد کا سکون برباد کر چکا تھا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ماما نے محض رومیصہ کی وجہ سے ان سے ملنے سے انکار کیا ہے۔

☆......☆......☆

ارسل لائبریری سے باہر نکلا تو دوپہر کے دو بج رہے تھے، اس نے کوئی دو گھنٹے وہاں بیٹھ کر رومیصہ کا انتظار کیا تھا۔

لیکن اس نے بھی شاید نہ آنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

ارسل نے رات چار پانچ میسجز سوری کے کر کے اسے یونیورسٹی آنے کو کہا تھا، لیکن رومیصہ نے ایک بھی ٹیکسٹ میسج کا جواب دینا گوارہ نہیں کیا، جو اس بات کی عکاسی کر رہا تھا کہ وہ اس سے اب بھی خفا ہے اور اسکی خفگی ارسل کو بے چین کر رہی تھی۔

اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس دن وہ ارتضیٰ حیدر کے ساتھ ہوسپٹل سے ہی آ رہی ہو گی اور وہ اب اپنی جذباتیت پر خاصا شرمندہ تھا اور اس سے مل کر اپنے رویئے کی معذرت کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اس کی کال اٹینڈ کرنا تو دُور کی بات اسکے کسی میسج کا جواب دینا بھی پسند نہیں کر رہی تھی۔

ارسل بوجھل قدموں کے ساتھ پارکنگ کی طرف چلا آیا، جہاں اسکی گاڑی کھڑی تھی۔

اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی کچھ سوچ کر آخری بار رومیصہ کا نمبر ڈائل کیا اور اس بار خلاف توقع کال اٹینڈ کر لی گئی۔ ارسل کے حلق سے ایک پرسکون سانس خارج ہوئی۔

''تھینکس گاڈ میری جان، تم نے کال تو اٹینڈ کی۔۔۔'' ارسل کے ہلکے پھلکے انداز پر دوسری طرف رومیصہ سمجھ چکی تھی کہ اسکا سارا غصّہ ختم ہو چکا ہے لیکن رومیصہ اسے اتنی آسانی کے ساتھ بخشنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''کیوں کال کی ہے مجھے۔۔۔؟؟'' وہ ناراضگی سے گویا ہوئی۔

''سوری کرنے کے لیے۔۔۔'' وہ اس کے ناراض لہجے پر ہلکا سا مسکرایا۔

''ہاں، پتا چل گیا ہو گا کہ میں اس دن میں ارتضیٰ حیدر کے ساتھ ہنی مون منا کر نہیں اپنی بیمار ماں کی عیادت کر کے آ رہی تھی۔''

''دیکھو رومیصہ غلط بات مت کرو۔۔۔'' وہ اس کے لفظ ہنی مون پر بُرا مان کر بولا۔۔۔

''میں خود بھی سراپا غلط ہوں اور میری باتیں بھی غلط ہیں اس لیے بہتر ہو گا کہ آپ اپنے لیے کوئی درست انتخاب کر لیں۔۔'' اسکے لہجے میں طنز کی آمیزش شامل تھی اور ارسل کو اندازہ ہو گیا تھا کہ دوسری طرف حالات خاصے خراب ہیں۔۔

''لیکن میرا دل تو ایک غلط لڑکی پر ہی اٹک گیا ہے۔کیا کروں۔۔؟''اس نے شرارتی انداز سے کہا۔

''غلطیوں کی تصیح کر لینی چاہیے اس سے پہلے کہ وقت ہاتھوں سے نکل جائے۔۔۔''رومیصہ نے کھلے دل سے اسے مشورہ دیا جو اسے بالکل پسند نہیں آیا۔

''تم اگر ایسے ہی جلے کٹے انداز میں گفتگو کرو گی تو میں تمہارے گھر آ کر اٹھا کر لے جاؤں گا تمہیں۔۔''ارسل نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

''اتنی ہمت ہے تو آ جاؤ۔۔۔''وہ استہزائیہ انداز سے گویا ہوئی۔۔

ریسیور کے دوسری طرف ارسل کی جانب بالکل خاموشی چھا گئی اور چار پانچ سیکنڈ کے وقفے کے بعد کال ڈسکنٹ ہو گئی۔رومیصہ نے بھی بیزاری سے سر جھٹک کر اپنا سیل فون بیڈ پر پھینک دیا، پتا نہیں کیوں،ارسل کے ان زہر آلود جملوں کا اثر زائل ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔وہ بالوں میں برش کر کے سیٹنگ روم کے کاؤچ میں آ کر لیٹ گئی۔

رومیصہ کو اپنے بیڈروم سے نکل کر سیٹنگ روم میں آئے بمشکل بیس منٹ ہی ہوئے تھے جب انٹر کام سے چوکیدار نے رومیصہ کو اطلاع دی کہ کوئی ارسل صاحب اس سے ملنے آئے ہیں۔

رومیصہ کا دماغ بھک کر کے اڑ گیا اور کچھ لمحوں کے لیے تو اسے لگا جیسے ٹینا ہاؤس کی چھت اسکے سر پر آن گری ہو،وہ انٹر کام کا ریسیور ہاتھ میں پکڑے بالکل سُن انداز میں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

☆......☆......☆

''پتا ہے کسی لڑکی کے لیے سب سے بڑی انسلٹ کی بات کیا ہوتی ہے۔؟؟؟''

مناہل قریشی نے یونیورسٹی کیفے ٹیریا میں اپنے سامنے بیٹھے برہان کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے پوچھا تو انہوں نے جھٹ سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''جب سامنے بیٹھے مرد کی نظریں اس لڑکی پر اور دل و دماغ کہیں اور الجھا ہوا ہو۔''

مناہل کے گلہ آمیز انداز پر وہ ہلکی سی خفت کا شکار ہوئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آج مناہل کا شکوہ بالکل جائز ہے،وہ دونوں پورے چار دن کے بعد ملے تھے اور برہان کا دماغ واقعی کہیں اور الجھا ہوا تھا۔

وہ مسلسل اسی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ کس طرح اسے اپنے نکاح اور اب رخصتی کے بارے میں بتائیں۔وہ مرحلہ جس سے وہ اتنے سالوں سے ڈرتے آئے تھے آج نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے سامنے آ چکا تھا۔

''آخر ہوا کیا ہے برہان،آپ کھل کر کیوں نہیں بتا رہے۔۔؟''مناہل کو اپنی پسندیدہ بلیک کافی کا ذائقہ آج سے پہلے اتنا تلخ

کبھی محسوس نہیں ہوا۔

''ارے بابا، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔''انہوں نے مسکرا کر سامنے بیٹھی لڑکی کو مطمعن کرنے کی کوشش کی۔

''تو پھر آپ اتنے الجھے الجھے کیوں ہیں۔۔۔؟''وہ ان کے مزاج کے سب موسموں کی ساتھی تھی۔

''بس دو چار دن سے عجیب سی کیفیت ہے، شاید موسم تبدیل ہو رہا ہے۔۔''افسردگی ان کے ایک ایک لفظ سے عیاں تھی۔

''آپ کے دل کا موسم اچھا ہونا چاہیے، باہر کے موسموں کی خیر ہے۔۔''مناہل نے سینڈوچ کا ایک نوالہ لے کر باقی ان کی طرف بڑھایا جو انہوں نے مسکراتے ہوئے پکڑ لیا۔۔''تم سناؤ، کیا چل رہا ہے تمہاری طرف۔۔؟''

''کچھ خاص نہیں، کل ماموں اور ممانی کی تیسویں ویڈنگ اینورسری ہے میریٹ میں اور آپ درشہوار کے ساتھ انوائیٹڈ ہیں۔۔''مناہل نے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک نفیس سا انویٹینشن کارڈ نکال کر انکی طرف بڑھایا۔

''مناہل میں وہاں آ کر کیا کروں گا۔۔؟''

''دھمال ڈالیں گے، کتنی عجیب بات کر رہے ہیں آپ۔؟ ان فنکشنز میں کوئی آ کر بھلا کیا کرتا ہے۔۔؟''وہ ہلکا سا چڑ گئی۔

''میرا یہ مطلب تھا کہ میں تو ان سب کو نہیں جانتا۔۔''انہوں نے بوکھلا کر وضاحت دی۔

''کسی سے ملیں گے تو جان پہچان کے مرحلے طے ہونگے ناں، ویسے بھی مجھے ہادی سے ملوانا ہے آپ کو۔۔''وہ لاڈ بھرے انداز سے گویا ہوئی۔

''کون ہادی۔۔؟؟؟''برہان نے بے دھیانی میں پوچھا۔

''اوہ مائی گاڈ، اب آپ پوچھیں گے کہ کون ہادی۔؟ وہ جھنجلا کر مزید گویا ہوئی۔۔''میرا کزن، ماموں کا بیٹا، میرا دودھ شریک بھائی، ہزار دفعہ بتا چکی ہوں میں آپ کو اس کے بارے میں۔۔''وہ ٹھیک ٹھاک بُرا مان گئی۔

''کیا ہوا مناہل۔۔؟''وہ پریشان ہوئے۔

''بس بہت ہوگئی، آپ اٹھیں اور گھر جا کر آرام سے ریسٹ کریں، کل میریٹ میں ملاقات ہوگی۔ اب میں آپکی مزید بہکی بہکی باتیں نہیں برداشت کر سکتی۔۔''مناہل نے زبردستی برہان کا ہاتھ پکڑا اور کیفے ٹیریا سے باہر لے آئی۔۔۔

☆......☆......☆

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ارسل۔۔۔؟''رومیصہ اڑتی ہوئی ڈرائینگ روم میں پہنچی۔

اس نے گھبرائے ہوئے انداز سے گلاس وال کے آگے بلائنڈز کیے تا کہ باہر گھومتے ہوئے ملازموں کو اندر کا منظر دکھائی نہ دے، جبکہ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے اسکی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہو رہا تھا وہ تو شکر تھا کہ ٹینا بیگم سو رہی تھیں اور شہرزاد اپنے آفس گئی ہوئی

تھی ورنہ اس سچوئشن کو سنبھالنا خاصا مشکل ہو جاتا اس کے لیے۔۔۔

''کیا مرنے کا ارادہ ہے تمہارا۔۔؟'' رومیصہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''اپنی بے رخی سے ماردو یا اپنے گارڈز کے ہاتھوں، بات تو ایک ہی ہے ناں۔۔'' وہ بڑے مطمعن انداز سے ایسے بیٹھا تھا جیسے سسرال والوں نے خصوصی دعوت نامہ دے کر بلوایا ہو۔

''ارسل ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ، شیری گھر آ گئی تو اسے کیا جواب دوں گی میں۔۔'' وہ سخت پریشان تھی۔

''بتا دینا بہنوئی ہے تمہارا۔۔'' اس نے سائیڈ میز پر پہلے سے رکھے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور سکون سے پینے لگا۔

''تمہیں پتا ہے کہ گیٹ پر سی ٹی وی کیمرہ لگا ہوا ہے۔ ریکارڈنگ ہوتی ہے ساری۔۔۔''

''ہاں تو میں بھی تو اچھا خاصا شیو کر کے اچھی طرح تیار ہو کر آیا ہوں۔۔'' وہ رومیصہ کی کسی بھی بات کو سنجیدگی سے نہیں لے رہا تھا۔

''اٹھو اور نکلو یہاں سے۔۔۔'' رومیصہ نے اسکا بازو پکڑ کر زبردستی اٹھایا اور اس نے کھڑے ہوتے ہی شرارت سے اسکے ہاتھ کو اپنے ہونٹوں سے ہلکا سا چھوا تو وہ ایک دم گڑبڑا کر پیچھے ہٹی، اسکی بوکھلاہٹ سے ارسل خاصا محظوظ ہوا۔۔

''اب بھی خفا ہو مجھ سے۔۔؟''

وہ اپنی گہری نظروں کی تپش سے اسے اچھا خاصا پزل کر چکا تھا، تبھی تو وہ اس سے نظریں چرائے، سرخ چہرے کے ساتھ مسلسل نفی میں سر ہلا کر اسے ناراض نہ ہونے کا یقین دلا رہی تھی۔ اس کی بہادری اور بے خوفی نے رومیصہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے تھے، وہ تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس قدر دھڑلے سے اسے منانے کے لیے اسکے گھر آ سکتا ہے۔۔

''نن نہیں ارسل، تم پلیز جاؤ، ہم فون پر بات کر لیں گے۔۔۔'' رومیصہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے کوئی منتر پڑھ کر غائب کر دے۔

''پہلے وعدہ کرو، کل یونیورسٹی آؤ گی مجھ سے ملنے۔۔۔'' ارسل کا لہجہ محبت کی شرینی سے لبریز تھا۔

''آئی پرامس۔۔۔'' اس وقت تو وہ جان بھی مانگ لیتا تو رومیصہ انکار نہ کرتی۔

''او کے خیال رکھنا اپنا۔۔۔' اس نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے اسکے دائیں گال کو ہلکا سا چھوا اور وہ بدک کر کچھ قدم پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

ارسل اسکی گھبراہٹ پر ہنسا اور سائیڈ میز پر رکھی اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ڈرائینگ روم سے نکل گیا۔ رومیصہ نے جان بچ جانے پر سکون کا سانس لیا اور صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

میر ہاؤس پر عجیب سی نحوست کا سایہ چھایا ہوا تھا۔

برہان اس دن گھر لوٹے تو ذہنی اور جسمانی طور پر سخت تھکے ہوئے تھے انہوں نے درشہوار کو بلوا کر انوٹیشن کارڈ اس کے سامنے رکھا تو درشہوار کے چہرے پر پھیلنے والی فطری خوشی کا عکس اتنا نمایاں تھا کہ وہ بھی چونک گئے۔۔۔

''تم اتنا خوش کیوں ہو رہی ہو۔؟ میرا جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔۔'' برہان کی بات پر درشہوار کا دل دہل کر رہ گیا۔

''بھائی اٹس ناٹ فئیر۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھنجھلا کر مذید گویا ہوئی۔''مناہل بہت زیادہ ہرٹ ہو گی۔۔۔''

''اچھا ہے اسے ابھی سے اس چیز کی عادت ڈال لینی چاہیے۔۔'' انہوں نے بیزاری سے اپنی سوکس اتار کر پاؤں بیڈ پر رکھے۔

''آپ نے اپنی شادی کا بتایا نہیں۔۔؟'' اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔۔۔

''نہیں۔۔۔'' انہوں نے بے اختیار نظریں چرا کر کہا۔

''ابھی بتانے کی ضرورت بھی نہیں۔۔۔'' درشہوار کی بات پر وہ چونکے اور تعجب انگیز انداز سے اسکی طرف دیکھا۔

''میرا یہ مطلب تھا کہ اتنے دن پہلے بتا کر انہیں ٹینس کرنے کا کیا فائدہ اور کیا پتا، اللہ کوئی بہتر راستہ نکال دے۔۔'' درشہوار نے بھائی کی دلجوئی کے لیے یونہی کہا ورنہ تو وہ بھی جانتی تھی کہ میر ہاؤس میں کیسے جانے والے فیصلے کبھی تبدیل نہیں کیے جاتے۔

''کیا راستہ نکلے گا بیچ کا۔۔۔؟'' ایک زہر آلود تبسم نے ان کے لبوں پر انگڑائی لی۔

''جب خاقان چچا دو دو بیویاں رکھ سکتے ہیں تو آپ کیوں نہیں۔۔۔'' درشہوار نے اپنے بھائی کو نیا سبق پڑھایا، کچھ لمحوں کے لیے تو برہان بھی بول نہیں پائے لیکن درشہوار کی بات میں کچھ نہ کچھ تو دم تھا، ان کے تنے ہوئے اعصاب کچھ پرسکون ہوئے۔

''بس فیصلہ ہو گیا، ہم لوگ کل ضرور جائیں گے اس فنکشن میں۔۔'' درشہوار کے لاڈ بھرے انداز سے برہان کے گلے میں بازو ڈالے، یہ اسکا اپنے بھائیوں سے بات منوانے کا ایک خاص انداز تھا، جس کے آگے سبھی بے بس ہو جاتے۔

برہان نے بھی زبردستی مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ درشہوار کے دل کی کلی کھل اٹھی، وہ ابھی سے سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھی کہ ہادی اسے اچانک سامنے دیکھ کر کیساری ایکٹ کرے گا اور وہ اس فنکشن میں بہت دل سے تیار ہو کر جانا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

پہاڑوں پر اترتی شام میں آج اداسی کا رنگ نمایاں تھا۔۔

بہت دنوں بعد طوبیٰ، اور نمیرہ دونوں آج سامنے والے لان میں ڈیرہ ڈال کر بیٹھی ہوئی تھیں، طوبیٰ کا پاؤں ابھی بھی ٹھیک نہیں ہوا تھا اس لیے اسے چلنے پھرنے میں کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اس لیے وہ جس جگہ بیٹھ جاتی تو گھنٹوں بیٹھی ہی رہتی۔۔۔

اسی وقت انابیہ ان دونوں کی چائے کی ٹرے لیے باہر نکلی تو نمیرہ کو ایک دم یاد آیا۔'' آپ نہیں جائیں گی آج فنکشن میں۔۔۔؟''

''کون سا فنکشن۔۔۔؟'' انابیہ حیران ہوئی۔

''لو جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے۔۔۔'' نمیرہ نے اپنی پلیٹ میں ایک ساتھ تین کباب ڈالتے ہوئے طنز کیا۔

''کیا مطلب۔۔۔؟''

''ذرا درشہوار صاحبہ کے کمرے میں جھانک کر دیکھیں، رات سے فیشل، کلینزنگ، مینی کیور، پیڈی کیور اور اب سولہ سنگھار کر کے محترمہ برہان بھائی کے ساتھ ڈیپارٹمنٹ کے کسی فنکشن میں جا رہی ہیں، ہمیں تو یہی بتایا گیا ہے۔۔۔''

''ڈیپارٹمنٹ کا فنکشن۔؟ لیکن آج کل تو سب اسٹوڈنٹس کو فری کر دیا گیا ہے اور ایسا کوئی فنکشن ہوتا تو مجھے ضرور علم ہوتا۔۔۔'' انابیہ حیران ہوئی۔

''تو پھر کہاں جا رہے ہیں دونوں بہن بھائی اتنا سج دھج کر، درشہوار سے تو اپنی خوشی سنبھالی ہی نہیں جا رہی۔۔۔'' نمیرہ کے کان کھڑے ہوئے۔

''ہوسکتا ہے فیکلٹی کا کوئی فنکشن ہو، جس میں اسٹوڈنٹس انوائیٹڈ نہ ہوں۔۔'' انابیہ کے انداز میں سادگی تھی۔

''تو پھر درشہوار کی جانے کی کیا تک بنتی ہے بھلا۔؟ اور بے مروتی کی انتہاء دیکھو، اس خودغرض لڑکی نے ایک دفعہ بھی ہم میں سے کسی کو جھوٹے منہ بھی ساتھ چلنے کو نہیں کہا۔۔'' نمیرہ کے اپنے ہی خودساختہ دکھ تھے۔

''خودغرض لوگ بس اپنی ذات کے خیمے میں ہی رہتے ہیں، دوسروں کے اوپر کیا گذرتی ہے، ان کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا۔'' طوبیٰ نے بلند آواز میں تبصرہ کیا، وہ بھی آجکل درشہوار پر تپی ہوئی تھی۔۔

اسی وقت گھر کا اندرونی دروازہ کھلا اور تینوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

درشہوار ٹی پنک کلر کی اسٹائلش سی میکسی میں اپنے سارے ہتھیاروں سے لیس نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی ،اس کے ساتھ براؤن کلر کے ٹو پیس سوٹ میں برہان کی تیاری بھی کسی سے کم نہیں تھی۔

انابیہ نے نظر اٹھا کر ان دونوں بہن بھائیوں کی خصوصی تیاری کی طرف دیکھا اور اپنی چائے میں چینی ملانا بھول گئی۔

''ہائے۔۔۔'' پنسل ہیل کے ساتھ بڑی نزاکت کے ساتھ چلتی ہوئی درشہوار نے ان تینوں کو دیکھ کر زبردستی ہاتھ ہلایا پورچ میں کھڑی برہان کی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔۔۔

''یہ تو ایسے لگ رہا ہے جیسے کسی فیشن شو میں حصّہ لینے جا رہی ہو۔۔'' طوبیٰ نے بیزاری سے جواب دیا۔

''اور مجھے تو لگ رہا ہے جیسے دونوں بہن بھائی کسی خاص جگہ پر انوائیٹڈ ہوں، ورنہ درشہوار کہاں ڈھنگ سے ہاتھ منہ دھوتی ہے لیکن رات تو اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی بیوٹی سیلون میں بکنگ کروا لے اپنی۔۔'' نمیرہ کی بات پر انابیہ کے دماغ میں خطرے کا الارم بجا۔

''بیا پتا تو کرواؤ، آخر فیکلٹی میں ایسا کون سا فنکشن ہے۔۔۔؟'' طوبیٰ کا بھی ماتھا ٹھنکا۔

''کرن سے کہتی ہوں، اسکی ایک کزن ہمارے ہی ڈیپارٹمنٹ میں وزیٹنگ پروفیسر ہے۔۔'' انابیہ نے اپنا سیل فون اٹھایا۔ اسی وقت میر ہاؤس کا دروازہ کھلا اور شاہ میر کی خاکی جیپ اندر داخل ہوئی، ان تینوں کو ایک دم دھچکا سا لگا۔ طوبیٰ نے گھبرا کر پورچ کی طرف دیکھا، داجی، تایا ابا اور بابا کی گاڑیاں غائب تھیں۔ اسکا مطلب تھا کہ وہ بھی اپنی پوری تسلی کر کے ہی آیا تھا۔

''ہائے لیڈیز، کیا آج سے پہلے اتنا ہیڈسم اور ڈیشنگ بندہ نہیں دیکھا۔۔۔؟'' اسکی شوخی عروج پر تھی۔

''ہم نے تو بہت دیکھے ہیں، بس دعا کرو کہ داجی اور تایا ابا نہ دیکھیں۔۔۔'' جواب حسب توقع طوبی کی طرف سے ہی آیا۔

''بندے کی شکل اگر پیاری ہو تو اسے بات بھی پیاری ہی کرنی چاہیے، کیوں بھاوج۔۔؟'' اس نے انابیہ کو بھاوج کہہ کر چھیڑا تو وہ ایکدم بلش کر گئی۔

''اُف یہ لالیاں برہان بھائی دیکھ لیں تو قسم سے پاگل ہو جائیں۔۔۔'' اس نے مذید مسکا لگایا۔

''داجی کو پتا ہے کہ تم اس وقت میر ہاؤس میں موجود ہو۔۔'' نمیرہ نے اسے تیکھی نظروں سے گھورا۔

''نہیں تم فون کر کے بتا دو اس کے بعد امّی کی پشاوری چپل سے بچنے کے لیے نور محل چلے جانا۔۔''

''تائی امی نے بلوایا ہے تمہیں۔۔؟''

''ظاہر ہے اس گھر میں دو ہی لوگوں کے کہنے پر میں اڑتا ہوا آ سکتا ہوں، ایک تو میری پیاری ماں ہے اور باقی دوسرے کو جاننے کے لیے تم تینوں پرچیاں ڈال لو۔ جس کا نام نکلے گا وہی ہوگی۔'' اس نے طوبی کی پلیٹ سے دو نگٹس ایک ساتھ اٹھا کر شرارت سے منہ میں ڈالے۔

''باتیں کروا لو اس سے جتنی مرضی۔۔۔'' نمیرہ نے اسکی بات کو چٹکیوں میں اڑایا۔

''چائے بناؤں تمہارے لیے۔۔۔؟'' انابیہ نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں، چائے تو میں اماں کی گود میں سر رکھ کر پیوں گا، ویسے ہیں کہاں وہ اس وقت۔۔؟'' شاہ میر کا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔

''وہ تو جس دن سے تم گئے ہو اپنے کمرے سے ہی نہیں نکلیں۔۔'' نمیرہ کی اطلاع پر وہ غیر سنجیدگی سے طوبی کی طرف دیکھ کر شرارت سے بولا۔ ''کچھ لوگ میری محبت میں کمرے سے ہی نہیں نکلے اور کچھ نے تو پیر ہی زمین پر رکھنے سے انکار کر دیا، یا اللہ اتنی محبتیں پا کر کہیں میں مر ہی نہ جاؤں۔''

''اللہ نہ کرے۔۔۔'' طوبی کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور شاہ میر اسکی بے ساختگی پر قہقہ لگا کر ہنسا تو وہ نمیرہ اور انابیہ کی موجودگی میں ایک دم خفت کا شکار ہوئی جبکہ نمیرہ حیرانگی سے ان دونوں کی شکلیں دیکھ رہی تھی کیونکہ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ان دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے۔

☆......☆......☆

میریٹ کے اس ہال میں رنگ و بو اور روشنیوں کا ایک سیلاب سا آیا ہوا تھا۔

مسز عالیہ قریشی اور عبداللہ صاحب ریسپشن پر کھڑے مسکراتے ہوئے اپنے مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔ محمد ہادی بلیک ڈنر سوٹ میں مناہل کے ساتھ وہیں موجود تھا، آج تو مناہل کی بھی تیاری دیدنی تھی سیاہ رنگ کے سوٹ میں سلیقے کے ساتھ میک اپ کیے وہ خاصی کیوٹ لگ رہی تھی۔

''تمہارے اسپیشل گیسٹ نہیں پہنچے ابھی تک۔۔۔'' ہادی نے رسٹ واچ پر ٹائم دیکھتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''بات ہوگئی ہے میری، ابھی دس منٹ میں پہنچنے والے ہیں۔۔'' مناہل نے مسکرا کر جواب دیا۔

وہ آج برہان کا اپنی فیملی کے ساتھ خصوصی تعارف کروانا چاہتی تھی اور ہادی کو کچھ کچھ اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ خاص مہمان ،مناہل کے لیے واقعی خاص تھے کیونکہ وہ بار بار بے چینی سے ریسپشن کی طرف دیکھ رہی تھی۔۔

''ارے شہرزاد، تم۔۔۔؟؟؟'' مسز عالیہ قریشی کے لیے شہرزاد کی آمد بالکل غیر متوقع تھی کیونکہ انہیں امید نہیں تھی کہ ٹینا بیگم کی خراب طبعیت کی وجہ سے شہرزاد اس فنکشن کو اٹینڈ کر پائے گی۔

''بہت بہت مبارک ہو مسز قریشی۔۔۔'' شہرزاد نے بکے ان کی طرف بڑھاتے ہوئے خلوص دل سے کہا۔

''تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے مجھے۔۔۔'' انہوں نے والہانہ انداز سے شہرزاد کو اپنے گلے لگایا، یہ لڑکی انہیں پہلے دن سے اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوتی تھی اور اس نے بڑی جلدی محنت سے ان کے چیمبر میں اپنا ایک خاص مقام بنا لیا تھا۔۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو تم۔۔۔'' مسز قریشی نے پیار بھری نظروں سے شہرزاد کی طرف دیکھا تو وہ ہلکا سا مسکرا دی۔۔

آف وائٹ نیٹ کے سوٹ کے ساتھ اس کے گھنے بال ایک فرنچ ٹیل کی صورت میں بندھے ہوئے تھے۔ ہلکے سے میک اپ اور نفیس ڈائمنڈ جیولری میں وہ عام دنوں سے ہٹ کر بہت منفرد لگ رہی تھی، اس کی شخصیت میں ایک محسوس کیے جانے والا وقار تھا۔۔

اس فنکشن میں شہر کی پوری کریم جمع تھی اور قریشی صاحب اور انکی مسز کا حلقہ احباب خاصا وسیع تھا۔ اس کا اندازہ شہرزاد کو ہال میں پہنچتے ہی ہو گیا تھا۔ وہ ایک سائیڈ پر سب مہمانوں سے الگ تھلگ رکھے صوفے پر بیٹھی تھی جب اسکے سیل فون کی مترنم گھنٹی بجی۔ ہم زاد کا نام دیکھ کر اسکے لبوں پر بے ساختہ سی مسکراہٹ دوڑی۔

''فار گاڈ سیک اب یہ مت کہنا کہ تم بھی اس گیدرنگ میں موجود ہو۔۔'' شہرزاد کی بات پر ہلکا سا ہنسا اس کے سیل فون کے بیک گراؤنڈ میں چلتا ہوا دھیما دھیما سا میوزک اسے اس بات کا یقین دلا گیا تھا کہ وہ بھی کہیں آس پاس موجود ہے۔

''میرا فیورٹ کلر جہاں پہنوگی، وہاں آنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکے گا۔۔۔'' وہ قہقہ لگا کر ہنسا اور شہرزاد بلا ارادہ اٹھ کر دائیں بائیں دیکھنے لگی، ہال کافی بڑا تھا اور اس وقت سبھی مہمان سوفٹ ڈرنکس وغیرہ پینے میں مشغول تھے۔

''کہاں ہوتم۔۔۔؟'' شہزاد کو اتنے سارے لوگوں کے ہجوم میں اسے تلاش کرنے میں دقت ہوئی۔

''تمہارے دل میں۔۔۔'' وہ شرارت سے ایک بار پھر ہنسا۔۔

''اٹس ناٹ فیئر۔۔۔!!!'' وہ ہلکا سا جھنجھلائی۔۔

''اس فنکشن میں جو سب سے ہینڈسم مرد ہوگا، سمجھ لینا میں وہ ہوں۔۔۔'' اس نے ایک بار پھر شوخی سے کہا۔

''تو پھر مجھے اس ہینڈسم مرد کی تلاش آج کر ہی لینی چاہیے۔۔۔'' شہزاد فیصلہ کن انداز میں اٹھی، اسکی متلاشی نگاہیں پورے ہال میں دوڑنے لگیں۔

''صوفے پر رکھا اپنا کلچ بھی اٹھا لو، کیوں میری خاطر اپنا نقصان کرواؤ گی۔۔۔''

وہ ہنس کر فون بند کر چکا تھا۔شہزاد کی دل کی دھڑکنیں بے ربط ہوئیں، وہ جان چکی تھی کہ وہ اس کے بالکل آس پاس ہے ورنہ صوفے پر رکھا اس کا چھوٹا سا کلچ اسے کیسے نظر آتا۔اس نے کھوجتی نگاہوں سے اپنے اردگرد کھڑے گروپس کی شکل میں موجود لوگوں کو غور سے دیکھنا شروع کیا سبھی انجان چہرے تھے۔وہ ہلکی سی مایوسی کا شکار ہوئی۔۔۔

دوسری طرف مناہل سیل فون کان سے لگائے ہادی کا ہاتھ پکڑے اسے ریسپشن کی طرف لے جا رہی تھی، اس کے چہرے پر موجود بے تابی نے آج ہادی کے سامنے بہت سے پردے ہٹا دیئے تھے۔۔

''اب ایسے کون سے نواب صاحب ہیں، جن کو ریسیو کرنے کے لیے پارکنگ میں جانا ضروری ہے۔۔'' ہادی کو مناہل کی بے چینی اب بیزاری میں مبتلا کر رہی تھی، وہ بادل نخواستہ انداز میں اسکے ساتھ چل رہا تھا۔

''بکومت اور اپنے چہرے کے زاویئے درست کرو، سمجھے۔۔۔'' مناہل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے اسے بُری طرح سے ڈانٹا۔

''منّو، ہم ریسپشن پر بھی تو ان کو ویلکم کہہ سکتے تھے۔۔۔'' اس نے بُری سی شکل بنائی۔۔

''دو چار قدم چل لو گے تو کیا ٹانگیں ٹوٹ جائیں گی تمہاری، میری خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتے۔۔۔'' وہ چلتے چلتے ناراضگی سے رکی۔

''اچھا بابا چلو، اگر تم کہتی ہو تو ان کے استقبال کے لیے سائیڈ سے کوئی گملا بھی اٹھا لیتا ہوں۔۔'' ہادی نے اسکی خاطر اپنا موڈ سیٹ کیا۔

''تم اپنے پھول گملے اپنے سسرال والوں کے لیے سنبھال کر رکھو، بس ان کو پورے فنکشن میں اسپیشل پروٹوکول دینا ہے۔میرے بار بار اصرار کرنے پر آنے کے لیے راضی ہوئے ہیں وہ۔۔۔'' مناہل پارکنگ کی طرف بڑھتے ہوئے اسے ساتھ ساتھ ہدایات دے رہی تھی۔

''ایسے بھی کون سے نواب آف کالا باغ ہیں وہ۔۔۔'' ہادی نے شرارتی نظروں سے مناہل کا سرخ چہرہ دیکھا۔

''بس تم نواب ہی سمجھ لو انہیں۔۔۔''

''تمہارے دل کی سرزمین کے۔۔۔؟'' ہادی نے شوخ لہجے میں لقمہ دیا۔

''ہاں۔۔۔'' مناہل کے جواب نے اسے ہکا بکا کر دیا۔

''اب چلو، یہ ایکٹنگ بعد میں کر لینا ڈرامے باز۔۔۔'' مناہل نے اسکا بازو پکڑ کر گھسیٹا۔ وہ دونوں جیسے ہی ہوٹل کی مین ریسپشن پر پہنچے، گلاس ڈور کھلا اور برہان کے ساتھ درشہوار نے بڑے پر اعتماد انداز سے اندر قدم رکھا۔

''لو آ گئے برہان۔۔۔۔!!!'' مناہل کے والہانہ پر جوش انداز پر ہادی نے سر اٹھا کر تجسس بھرے انداز سے سامنے دیکھا۔

اپنے سامنے میر برہان اور درشہوار کو دیکھ کر اسے ایک دم شاک لگا اور اس کے قدم سست پڑ گئے۔ وہ صدمے بھرے انداز میں درشہوار کی طرف دیکھنے لگا جس کی آنکھوں میں محبت اور چاہت کا ایک جہان آباد تھا۔

ہادی سو بار مر کر بھی دوبارہ زندہ ہوتا تو تب بھی اس بات پر یقین نہ کرتا کہ مناہل جس شخص کی اتنی بے چینی اور بے تابی سے منتظر تھی وہ میر ہاؤس کا کوئی فرد ہو سکتا ہے، لیکن تلخ حقیقت اسکے سامنے کھڑی اسکا منہ چڑا رہی تھی۔۔۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

میریٹ ہوٹل میں ہونے والے مسز قریشی کے ڈنر کی رونقیں عروج پر تھیں۔۔۔

رنگ و بو اور روشنیوں کے طوفان کے پیچھے بجتا ہوا دھیمے سروں کا میوزک اب ہادی کے دماغ کو ناگواری کا احساس بخش رہا تھا۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ان سب چیزوں پر لعنت بھیج کر خود کو اس منظر سے غائب کر لیتا۔

درشہوار اس کے سامنے تھی، پنک کلر کی میکسی کے ساتھ اس نے اپنے چہرے کے دلکش نقوش کو بڑی مہارت اور نفاست سے کیے جانے والے میک اپ کے ساتھ اجاگر کرنے کی شعوری کوشش کی تھی۔آنکھیں اسکی پہلے ہی دلکش تھیں اوپر سے اس نے اپنی نوکیلی پلکوں پر مسکارے کا گہرا کوٹ لگا کر انہیں مزید جاذب نظر بنا لیا تھا۔

براؤن کلر کے ٹو پیس سوٹ میں میر برہان کی تیاری بھی کسی سے کم نہیں تھی لیکن ہادی کو ان دونوں بہن بھائیوں سے یکساں بیزاری اور کوفت محسوس ہوئی اور پریشانی کی بات یہ تھی کہ درشہوار کی نظریں مسلسل اسکے وجود کا احاطہ کیے ہوئی تھیں۔

"ارے ہادی صاحب آپ۔۔۔؟؟؟" برہان کے لہجے سے چھلکتی شناسائی پر مناہل چونکی۔۔

"آپ لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں کیا۔۔۔؟" مناہل بے تابی سے گویا ہوئی۔

"مجھے ان کے پڑوسی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔۔" ہادی نے جان بوجھ کر طنزیہ انداز اختیار کیا۔

"دیٹس گریٹ، پھر مجھے تو مستقل طور پر مری میں شفٹ ہو جانا چاہیے۔۔۔" مناہل کھلکھلا کر ہنسی۔

"تم جس جگہ پر ہو، وہیں رہو تو بہتر ہوگا۔۔۔" ہادی نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے سمجھانے کی کوشش کی، جو اس وقت برہان کو سامنے پا کر خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی اور اسکے رنگ ڈھنگ اسے خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھے۔۔۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مناہل ہر وقت جس ہادی کا ذکر کرتی ہے وہ آپ ہو سکتے ہیں۔۔"

"جی یہ محض ایک اتفاق ہے۔۔۔" اس کے لہجے میں موجود سنجیدگی اور فراخ پیشانی پر گہرے ہوتے بل درشہوار کے اندر مایوسی کا دھواں پھیلا رہے تھے لیکن اس سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑے ہونے کا احساس بھی فی الحال کافی تھا۔وہ شعوری طور پر تھوڑا اس کے قریب آ کر کھڑی ہوئی، اس کے لباس سے اٹھتی قیمتی کولون کی مسحور کن مہک نے درشہوار کو لمحہ بھر کے لیے بے بس کیا۔۔۔

"آئیں ناں برہان، آپکو ماموں اور ممانی جان سے ملواتی ہوں۔۔۔" مناہل کے لہجے سے چھلکتی بے چینی ہادی کو سخت بُری لگی۔

"شیور۔۔۔!!!" برہان کی گہری نظریں مناہل کے چہرے کا حصار کیے ہوئے تھیں۔۔

"صرف ملوانا، ان سے تعارف مت کروانا۔" ہادی نے اسکے ساتھ چلتے ہوئے مناہل کے تھوڑا قریب آ کر ہلکی سی سرگوشی کی۔

مناہل نے پلٹ کر پریشان نظروں سے اسکی طرف دیکھا، اور ہادی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے کچھ سمجھانے کی کوشش

کی، جو مناہل کو سمجھ تو نہیں آئی لیکن اس کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی نے اسے لمحے بھر کو تشویش میں مبتلا ضرور کیا۔

"ایکسکیوز می برہان، ایک منٹ۔۔۔"

وہ پریشان انداز سے ہادی کے پاس آئی، جو اس وقت ساری دنیا ہی سے خفا خفا سا لگ رہا تھا۔ درشہوار اور برہان دونوں نے چونک کر انہیں دیکھا، لیکن ہال میں بجتے ہوئے میوزک کی وجہ سے وہ ان کی گفتگو سمجھنے سے قاصر تھے، البتہ ہادی کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کم از کم خوشگوار نہیں تھی۔۔۔

"تم بتا کیوں نہیں رہے ہو آخر پرابلم کیا ہے۔۔۔؟"

"کہا ناں ممی پاپا سے تعارف مت کروانا ان لوگوں کا، باقی ڈیٹیل بعد میں بتا دوں گا۔۔۔" وہ ہلکا سا جھنجھلایا۔۔

مناہل نے کچھ لمحے اسے غور سے دیکھا، اور پھر سر جھٹک کر بے نیازی کے ساتھ اپنے اسپیشل مہمانوں کی طرف بڑھ گئی، جبکہ ہادی کا تو سارا مزا ہی کرکرا ہو گیا تھا، وہ زبردستی کی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے جاننے والے لوگوں سے ملتا ہوا نسبتاً ایک خالی گوشے کی طرف آ گیا، جہاں ذرا الگ تھلگ رکھے صوفے پر شہرزاد براجمان تھی۔

مناہل کی بے تابیوں اور بے چینیوں نے اسکا سکون تو برباد کیا ہی تھا لیکن اسے اس بات پر بھی حیرانگی تھی کہ میر برہان محتشم اپنی بہن کو لیے اتنے دھڑلے سے انجان لوگوں کی گیدرنگ میں کیسے آ سکتے ہیں، اور بہن بھی اس وقت سولہ سنگھار کیے کسی بھی اچھے بھلے شخص کے ہوش اڑا سکتی تھی لیکن آگے بھی ہادی تھا جو اپنے دل کے دروازے سختی سے بند کر کے چابی کہیں دُور جنگلوں میں پھینک چکا تھا۔

"پاگل ہیں دونوں بہن بھائی۔۔۔" وہ دل ہی دل میں ان دونوں کو کوستا ہوا غیر دانستہ طور پر شہرزاد کے عین برابر میں بیٹھ گیا۔ اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ ان دونوں کے درمیان میں بس چند انچ کا فاصلہ ہے۔

"آپ کی طبعیت ٹھیک ہے ہادی۔۔۔؟" شہرزاد اسکی غائب دماغی کو بھانپ چکی تھی۔

"اوہ آئی ایم سوری۔۔۔" وہ خفت زدہ انداز میں تھوڑا فاصلہ رکھ کر بیٹھا۔۔

"اٹس او کے۔۔۔ مجھے لگتا ہے آپ کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے شاید۔۔۔" وہ چہرے پر نرم مسکراہٹ لیے اسکی طرف دیکھ رہی تھی۔

"جی، کچھ ایسا ہی ہے، سر میں درد ہے، لگتا ہے کوئی پین کلر لینی پڑے گی۔۔۔" ہادی نے اپنی دو انگلیوں سے ماتھے کو لاشعوری انداز میں مسلا۔

"آپ کسی ویٹر کو بلوا کر پوچھیں، مل جائے گی ادھر ہی سے۔۔۔" وہ تھوڑا فکرمند ہوئی۔

"ارے نہیں، ایسی بھی کوئی بات نہیں، آپ سنائیں کیسی ہیں اور کیا ڈر گئی ہیں میر فیملی سے، جو دوبارہ مری کا رخ ہی نہیں کیا آپ نے۔" اس نے دانستہ اپنا دھیان مناہل اور برہان سے ہٹانے کے لیے اس سے گفتگو کا آغاز کیا۔۔۔

''ایک بات یاد رکھیے گا محمد ہادی صاحب، جس دن شہرزاد نے اپنے پروفیشن سے ڈرنا شروع کیا، اسے اگلے دن وہ سب کچھ چھوڑ کر اپنی ماما کا سیلون سنبھال لے گی، کیونکہ اس کے لیے پھر یہی شعبہ بہتر ہوگا۔۔۔''اس کے پراعتماد انداز پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔

''یہی اسپرٹ ہونی چاہیے زندگی کے ہر معاملے میں، اور مجھے یقین ہے کہ ایسا دن کم از کم آپکی زندگی میں کبھی نہیں آئے گا۔۔''

''اللہ کرے، میں آپ کی امیدوں پر پورا اتروں۔۔۔''شہرزاد نے ویٹر کی ٹرے سے فریش جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے مسکرا کہا۔

''مجھے تو شجاع غنی والے کیس سے بہت امیدیں تھیں کہ کم از کم میر فیملی پر ہاتھ ڈالنے کا ایک مضبوط جواز ہاتھ میں آجائے گا۔۔۔''وہ اب بہت تسلی سے اس سے گپ شپ لگانے کے موڈ میں تھا۔

''امیدیں تو مجھے بھی بہت تھیں لیکن، وہی حضرت علی کا قول ہے ناں میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے خدا کو پہچانا۔۔''وہ تھوڑا افسردہ ہوئی۔

''میں آپ کی بات سے متفق ہوں، شجاع غنی کے پیچھے ہٹنے کے بعد کوئی اور مضبوط جواز بھی تو نہیں رہا تھا اس کیس کو لڑنے کا، لیکن آپ کو جب موقع ملے اس کیس کا بدلہ ضرور لیجیے گا۔۔۔۔''

''میں کسی ذاتی عناد یا دشمنی پر تو لوگوں پر کیس نہیں کر سکتی، لیکن جب کبھی ان کے خلاف ایسا کچھ ملا تو پیچھے نہیں ہٹوں گی۔۔۔''شہرزاد نے اسے اپنے ارادوں سے باخبر کیا۔۔

''انشاءاللہ کچھ نہ کچھ ایسا ضرور مل جائے گا کیونکہ، یہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز تو آنے والے ہیں نہیں۔۔''ہادی نے کافی فاصلے پر کھڑی درشہوار کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کھل کر کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ مضبوط جواز مل چکا ہو مجھے، جو ان کے پورے خاندان کی سیاست کی بنیادیں ہلا دے۔''اسکے پراعتماد لہجے میں کچھ تھا، ہادی ایک دم سنبھل کر بیٹھا گیا اور اسے اپنا سارا سر درد فضاؤں میں تحلیل ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

''آر یو شیور۔۔۔؟؟؟''اس نے شہرزاد کا چہرہ کھوجنے کی کوشش کی۔۔

''آف کورس، میں کوئی ایسی بات اندازوں پر تو کر نہیں سکتی۔۔۔''وہ ابھی بھی پراعتماد تھی۔

''اگر ایسی کوئی بات ہے تو میں بے چینی سے اس وقت کا منتظر ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کروائیں گی۔''ہادی کی بات پر شہرزاد کے لبوں پر ایک جاندار مسکراہٹ دوڑنے لگی۔۔

''میں نے مسز عالیہ قریشی یعنی آپکی والدہ سے زندگی کا ایک ہی اصول سیکھا ہے ابھی۔۔۔''وہ اسکی بات پر چونکا۔۔۔''کیا؟''

''زندگی بھی شطرنج کی بساط کی مانند ہوتی ہے جہاں درست وقت پر درست مہرے کا استعمال ہی آپکی کامیابی کی ضمانت بنتا ہے۔۔۔''وہ مسکرائی۔

''اور یہ بات مجھ سے زیادہ بہتر کون جان سکتا ہے کہ کسی سیاسی خاندان کے لیے الیکشن کے قریب کا وقت ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہوتا ہے، اس وقت پر لگنے والی چوٹ کے اثرات بہت دیرپا ہوتے ہیں۔۔۔'' اسکی آنکھوں میں موجود چمک پر شہرزاد مسکرائی۔

''مسز قریشی کی اولاد کو اتنا ہی ذہین ہونا چاہیے جتنا دنیا انہیں سمجھتی ہے۔۔''

''اس کا مطلب ہے، میرا اندازہ درست ہے، آپ بھی اسی وقت کا انتظار کر رہی ہیں۔۔'' ہادی کی بات کو اس نے مسکرا کر ٹالا۔

اسی ہال میں کچھ فاصلے پر موجود درشہوار کی نظریں ان دونوں پر جمی ہوئیں تھیں، شہرزاد کا پروقار انداز میں مسکرانا اور ہادی کے محویت کے ساتھ اسے غور سے دیکھتے ہوئے جواب دینا، یہ ساری تلخ چیزیں بھولنے کے لیے درشہوار کو پہاڑ جتنا حوصلہ چاہیے تھا۔۔

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ شہرزاد کا ہاتھ پکڑ کر اسے ہال سے کہیں دُور پھینک آتی یا ہادی کو گھسیٹتی ہوئی وہاں سے کہیں اور لے جاتی۔ اسے دنیا میں کوئی لڑکی اتنی بُری نہیں لگی تھی، جتنی اس وقت ہادی کے ساتھ بیٹھی ہوئی شہریار لگ رہی تھی۔

ہادی اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے کسی جاننے والے کے ساتھ محوِ گفتگو ہو گیا اور شہرزاد کی ساری توجہ اسکے سیل فون پر آنے والے ٹیکسٹ میسج نے اپنی طرف مبذول کروالی، وہ میسج کی مخصوص بپ سے جان چکی تھی کہ دوسری طرف ہم زاد ہو گا اور وہی تھا۔ اسکرین پر نظریں دہراتے ہوئے اس کے لب خود بخود مسکرائے، کیونکہ سامنے تحریر تھا۔

؎ الٰہی کیوں نہیں اٹھتی قیامت، ماجرا کیا ہے۔۔۔

ہمارے سامنے پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں

شہرزاد نے اسکرین پر جگمگاتے اسکے نام کو مسکراتے ہوئے دیکھا، ایک ساتھ کئی جگنو اسکی اپنی بھی آنکھوں میں چمکے اور اس نے شرارت سے فوراً اس کے شعر کا جواب تیزی سے ٹائپ کیا۔۔۔

؎ خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں

صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

جیسے ہی شہرزاد کا ٹیکسٹ گیا، اگلے ہی منٹ میں اسکا شاعری ہی کی زبان میں برجستہ میسج کی صورت میں فوراً جواب آیا۔۔

؎ عشق مقتل میں کبھی ہم کو پکارے تو سہی۔۔

پا بجولاں ہی چلے آئیں گے چھم چھم کرتے۔۔

وہ بھی کون سا کسی سے کم تھی، جھٹ سے شان بے نیازی سے اسے لکھ مارا۔

؎ انہی قدموں نے تمہارے، انہی قدموں کی قسم

خاک میں اتنے ملائے ہیں، کہ جی جانتا ہے۔

اس شعر کے بعد چند منٹوں کا سناٹا چھا گیا، اسے پتا تھا کہ یہ بات ڈاریکٹ اسکے دل کو لگی ہوگی، تبھی دو منٹ اور تین سیکنڈ کے بعد سیل فون اسکرین پر اسکا جواب آیا۔

کوئی فتنہ، تا قیامت، نہ پھر آشکار ہوتا۔۔۔

تیرے دل پہ کاش ظالم، مجھے اختیار ہوتا۔۔۔

شہزاد جان سکتی تھی کہ اس شعر کے اندر اسکی ایک حسرتوں کا جہاں آباد ہے۔اس نے بھی اس بار امید کی ڈور اسکے ہاتھ میں تھمائی۔

اسی دنیا کے، اسی دور کے ہیں

ہم تو دلی میں بھی بجنور کے ہیں

شہزاد کو اندازہ نہیں تھا کہ آگے بھی ہم زاد تھا جس سے چاہ کر بھی وہ کسی بھی معاملے میں جیت نہیں سکتی تھی۔

تجھ کو دعوی ہے محبت میں گرفتاری کا۔۔۔

لا دیکھا، پاؤں میں زنجیر ہمارے جیسی۔۔۔

اس نے ہم زاد کے اس دعوے پر تپ کر اسے فورا لکھا۔۔۔

وہ ہر ایک بات کا پہلو نکال لیتا ہے۔۔۔

میں کچھ کہوں تو، ترازو نکال لیتا ہے۔۔

شہزاد کے اس دل جلے انداز پر اس نے ہنستے ہوئے لکھا۔۔۔

آخر میں تیرے کام تو آیا، کسی طرح۔۔۔

آخر میری مثال ہی دینا پڑی تجھے۔۔۔

اسی شعر کے نیچے لکھا ہوا تھا، اب بیت بازی ختم اور جا کر کھانا کھا لیجئے، شہزاد نے چونک کر ہال کی طرف دیکھا، ہادی پتا نہیں کب وہاں سے اٹھ کر جا چکا تھا اور اس وقت سبھی مہمان ڈنر میں مصروف تھے۔اس نے بھی اپنا سیل فون ہینڈ بیگ میں ڈالا اور مسز قریشی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔

☆......☆......☆

وال کلاک کی سوئیاں اس وقت ایک کے ہندے پر ٹھہری ہوئیں تھیں۔۔۔

ہادی اور مناہل کے درمیان بوجھل خاموشی کا وقفہ کچھ لمحوں کے لیے آ کر ٹھہر گیا، مناہل نے ہلکا سا جھنجھلا کر اپنے کزن کو دیکھا، جس کے بارے میں اسے دعوی تھا کہ وہ اسے ساری دنیا سے زیادہ جانتی ہے لیکن اسکا یہ روپ تو اس نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔

''تم پوچھنا کیا چاہ رہے ہو ہادی، صاف صاف کہو۔۔؟'' وہ ہلکا سا چڑ کر بولی۔

''مجھے تم صرف اتنا بتاؤ، تم میر برہان کی فیملی کے بارے میں کتنا جانتی ہو۔۔؟'' اسکا سخت لہجہ مناہل کو چونکا گیا۔

''تمہارے لہجے سے تو لگ رہا ہے جیسے مجھ سے زیادہ تم ان کو جانتے ہو۔۔'' وہ سیریس ہوئی۔

''اسی بات کا تو افسوس ہے، جو بات تمہیں جاننی چاہیے تھی، وہ مجھے بتانی پڑ رہی ہے۔۔'' وہ جتاتے ہوئے انداز میں گویا ہوا۔

''ایسی کیا بات ہے جو تم اتنا زیادہ سیریس ہو رہے ہو۔۔'' وہ دونوں بازو سینے پر باندھ کر اسکے عین سامنے آن کھڑی ہوئی۔۔

''سوچ لو، شاید سن کر تمہیں اچھا نہ لگے۔۔۔۔'' اسکے طنزیہ انداز پر مناہل کو جھٹکا لگا۔

''میں برہان کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں اور میں نے انہیں ہر لحاظ سے پرفیکٹ پایا ہے انہیں۔۔''

''اس کے خاندان کو جانتی ہو۔۔''؟ اس نے طنزیہ نگاہوں سے اسے گھورا۔

''میرا اس کے خاندان سے کیا لینا دینا۔۔'' اس نے دوبدو جواب دیا۔

''مناہل صاحبہ، یہ پاکستان ہے اور یہاں لڑکی کا اپنے شوہر سے زیادہ اپنے سسرال والوں سے لینا دینا ہوتا ہے، پھر تم یہ بات کیسے بھول سکتی ہو۔۔'' اسکا استہزائیہ انداز اسے اچھا نہیں لگا۔

''جو بات ہے ہادی تم صاف صاف کیوں نہیں کرتے ہو۔۔۔؟'' وہ جھنجھلا کر مذید گویا ہوئی۔

''اس سے پہلے تم خود کو راضی کر لو تلخ سچائی کو ہضم کرنے کے لیے۔۔''

''میرا ہاضمہ اتنا کمزور نہیں ہے، تم جو بھی کہنا چاہتے ہو، کھل کر کہو، میرے سامنے پہلیاں مت بجھواؤ، کیونکہ مجھے سخت الجھن ہو رہی ہے۔۔'' آگے بھی مناہل تھی، جس سے بحث میں جیتنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

''صرف اتنا بتا دو کہ تم برہان کے علاوہ اسکے خاندان کے کتنے لوگوں کو جانتی ہو۔۔؟'' اس نے غور سے اسکے چہرے کے تاثرات جانچتے ہوئے کہا اور جواب حسب توقع وہی آیا تھا، جس کی اسے سو فیصد امید تھی۔

''اسکی بہن درشہوار سے ایک دو بار ملاقات ہوئی ہے میری، اور اچھی لگی ہے وہ مجھے۔۔'' مناہل کی اس بات نے اسکا موڈ خراب کیا۔

''واہ منو صاحبہ واہ، یہ کون سی دنیا کی محبت ہے جہاں محبوب کے علاوہ کسی اور چیز کا علم نہیں اور اسکے ساتھ نئی دنیا بسانے کے خواب دیکھے جا رہے ہیں۔'' اس نے اس بار اسکی عزت افزائی کی۔

''ہادی بھول گئے ہو کیا، تم نے بھی تو محبت کرتے ہوئے ہر چیز بھلا دی تھی۔۔'' اسکے طعنے پر وہ تڑپ اٹھا۔

''سب کچھ بھلا دیا ہوتا تو وہ اس وقت میرے گھر میں میرے ساتھ ہوتی، میں یکطرفہ محبت کی سزا نہ کاٹ رہا ہوتا۔۔۔''

''ہاں کرلو ہمت، اب بھی کیا بگڑا ہے۔۔۔'' مناہل کا یہ وار بھی خاصا کاٹ دار تھا۔

''بگڑا تو کچھ بھی نہیں ہے، بس کسی کی دوستی کا مان ٹوٹ جائے گا، اسی چیز کی حیا مار دیتی ہے مجھے۔۔۔'' وہ تلخی سے گویا ہوا۔

''جب تم خود کچھ نہیں کر سکتے تو میرے راستے کی رکاوٹ کیوں بن رہے ہو، کیا پرابلم ہے تمہارا۔۔۔؟'' اس دفعہ وہ بھی بُرا مان گئی۔

''میرا پرابلم تم ہو مناہل، تمہیں بہن کہا ہی نہیں، ہمیشہ سمجھا بھی ہے اور میں تمہیں کسی اندھے کنوئیں میں گرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔''

اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا تھا لیکن اسکی اس بات پر مناہل نے بیزاری سے اپنے کندھے جھٹکے۔۔۔

''برہان، اندھا کنواں نہیں ہے۔۔۔'' مناہل نے تصیح کرنے کی کوشش کی، جو خاصی مہنگی پڑی۔۔

''میر حاکم علی کا خاندان ایک ایسی اندھی کھائی ہے، جہاں اندر گرنے کے تو بے شمار راستے ہیں لیکن باہر نکلنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے موت، یہ لوگ سانسوں پر پہرے لگاتے ہیں، دوسروں کی زندگیوں کا اختیار اپنی مٹھیوں میں رکھنے کے قائل ہیں۔'' اس نے نادان لڑکی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''تم یہ بات اتنی تفصیل سے کیسے جانتے ہو۔۔۔؟'' مناہل مشکوک ہوئی۔

''میں ہی نہیں ممی، پاپا سب جانتے ہیں، پاپا کے پاس ان کی کرپشن کے ڈھیروں ثبوت ہیں، جا کر دیکھ سکتی ہو تم۔۔۔۔۔''

''سیاست سے تعلق رکھنے والے خاندانوں پر ایسے الزامات لگتے ہی رہتے ہیں، یہ کون سا نئی بات ہے۔۔۔'' اس نے اس بات کو چٹکیوں میں اڑایا۔

''اس کا خاندان کرپشن، دھوکا دہی، قتل و غارت، اغواء اور لینڈ مافیا کے حوالے سے بھی مشہور ہے۔'' وہ ہلکا سا جھنجلا کر گویا ہوا۔

''بے شک ایسا ہو گا، لیکن برہان ایسا نہیں ہے، وہ بہت مختلف ہے۔۔۔'' اس بار اسکی آواز تھوڑی مدھم ہوئی۔۔

''منو، غلط فہمی ہے تمہاری، وہ سب لوگ اوپر سے لے کر نیچے تک ایک جیسے ہیں، ہمیں ان کا خاندان بالکل بھی سوٹ نہیں کرتا، ان کے مردوں کے لیے علیحدہ اصول ہیں اور خواتین کے لیے الگ۔۔۔۔'' ہادی نے تلخ انداز اپنایا۔

''اگر ایسا ہوتا تو برہان بھی پروفیسری کی بجائے اپنی فیملی کے باقی لوگوں کی طرح سیاست کر رہا ہوتا، اس نے پورے خاندان سے بغاوت کر کے یہ پروفیشن اپنایا ہے، اسے نفرت ہے سیاست سے۔۔۔۔'' اسکے پاس بھی دلیل تھی۔

''لیکن وہ تمہارے ساتھ سیاست کر رہا ہے، میری یہ بات لکھ لو تم ۔۔۔'' ہادی کے طنز پر وہ تڑپ کر بولی۔

''تم اسکی فیملی کے بارے میں غلط بات ضرور کرو لیکن برہان کے بارے میں نہیں۔۔ وہ ٹھیک ٹھاک بُرا مان گئی۔

''اس لیے کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتی ہو۔۔۔'' اس نے غصّے سے کہا۔

''میں جاننا بھی نہیں چاہتی، وہ لوگ جو بھی ہوں، جیسے بھی ہوں، لیکن میں اور برہان ایک دوسرے کو نہیں چھوڑ سکتے۔۔'' مناہل

نے اس بار صاف گوئی سے اپنا موقف بتایا، اور ہادی کا تو ایک بار دل چاہا کہ وہ سامنے والی دیوار سے جا کر ٹکر مار لے، کیونکہ مناہل کوئی بھی بات ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھی۔۔

''کیا کوئی شخص اپنے خاندان، برادری اور رشتے داروں سے کٹ کر رہ سکتا ہے۔؟ کیا وہ ان سب لوگوں کو تمہارے لیے چھوڑ سکتا ہے کیونکہ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ میر خاندان میں پہلی بہو کا اعزاز صرف انکے اپنے خاندان کی عورت کو ہی ملتا ہے۔۔۔؟''اس نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

''مطلب کیا ہے تمہارا۔۔۔'' مناہل بیزاری سے گویا ہوئی۔

''وہ اپنی پہلی شادی تو اپنے خاندان میں ہی کرے گا، لکھ لو تم میری یہ بات، اور اسکے بعد تم اسکی دوسری یا تیسری بیوی بننا چاہو تو یہ الگ بات ہے۔'' ہادی کے استہزائیہ انداز پر وہ جذباتی ہوئی۔۔۔''برہان ایسا کبھی نہیں کر سکتے۔۔۔''

''خوش فہمیوں کی ریت پر اونچے اونچے محل مت بناؤ، اور ہو سکے تو اس موضوع پر اس سے کھل کر بات کرو، تب ہی تم کسی نتیجے پر پہنچو گی۔۔''اس نے مناہل کو ایک نئی راہ دیکھائی تو وہ بھی کچھ الجھن کا شکار ہوئی۔

''بات تو میں کر لوں گی لیکن کیا ماموں اور ممانی مان جائیں گے۔۔؟'' مناہم کے لہجے میں کئی اندیشوں نے ایک ساتھ سر اٹھایا۔

''میں ان کی گارنٹی نہیں دے سکتا، کیونکہ ممی کی اسسٹنٹ شہزاد پر فائرنگ برہان کے دادا اور باپ نے کروائی تھی اور یہ بات وہ لوگ اچھی طرح سے جانتے ہیں، اس لیے تمہیں اپنا مقدمہ خود لڑنا ہوگا۔۔'' ہادی نے اسے کسی خوش فہمی میں رکھنا مناسب نہیں سمجھا۔

اپنی بات مکمل کر کے وہ رکا نہیں اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے کمرے سے نکل گیا۔

''اوہ مائی گاڈ۔۔۔!!! اب کیا ہوگا۔۔۔؟؟؟'' مناہل کو قطعاً بھی اس سچوئشن کا اندازہ نہیں تھا، اس نے وال کلاک پر ٹائم دیکھا، رات کے دو بج رہے تھے اس نے کچھ سوچ کر برہان کا نمبر ڈائل کیا، چند سیکنڈ بعد پاورڈ آف کی بیل پر وہ مایوس ہوئی۔ اس نے پریشانی سے سیل فون ایک سائیڈ پر رکھ دیا، ہادی سے اس ایک گھنٹے کی بحث کے بعد وہ جان چکی تھی کہ اسکے اور برہان کے راستے اتنے بھی آسان نہیں تھے جتنے اس نے سمجھ لیے تھے۔

☆......☆......☆

میر ہاؤس اس وقت تاریکی اور خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔۔۔

درشہوار کے کمرے کی جلتی لائیٹ دیکھ کر نمیرہ نہ چاہتے ہوئے بھی ادھر نکل آئی، اسے پتا تھا کہ وہ اور برہان بھائی فنکشن سے ابھی ابھی لوٹے ہیں اور وہ مزے کے قصّے سننے کے چکر میں اس کے پاس آئی تھی۔

اس نے ہلکا سا دروازہ کھول کر درشہوار کے کمرے میں جھانکا اسے دھچکا لگا۔۔۔

درشہوار کی ٹی پنک میکسی، جیولری، دوپٹہ اور ہار سنگھار کی ساری چیزیں بے دردی سے زمین پر پڑی ہوئیں اپنی بے وقعتی کا ماتم کر رہی تھیں اور وہ ڈریسنگ کے شیشے کے سامنے کھڑی گویا اپنے حواسوں میں نہیں تھی، سفید رنگ کی ٹی شرٹ اور ٹراوز میں وہ اپنے مخصوص نائیٹ ڈریس میں تھی۔

اسکی آنکھوں میں عجیب سی وحشت اور بے بسی کا ڈیرہ تھا، اس نے اپنے بازو کی پشت سے اپنے ہونٹوں کو رگڑ کر میرون کلر کی لپ اسٹک اتارنے کی کوشش کی اور سفید رنگ کی آستین پر میرون رنگ عجیب سا دکھائی دینے لگا، اسے اس چیز سے تسلی نہیں ہوئی تو اس نے فرش پر بیدردی سے پڑے اپنی میکسی کے ساتھ کے گلابی دوپٹے کو اٹھایا اور بیدردی سے اپنا میک اپ رگڑ رگڑ کر اتارنے لگی۔ نمیرہ کو جھٹکا لگا۔۔

''کیا ہو گیا ہے درشہوار، پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔۔۔'' نمیرہ نے بھاگ کر اسکا دوپٹہ چھینا۔۔۔

''میرا دوپٹہ واپس کرو۔۔۔'' وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

''پاگل لڑکی، اتنا قیمتی سوٹ برباد کرنا ہے کیا، دیکھو ذرا کتنے داغ لگ گئے ہیں اس پر۔۔۔'' نمیرہ نے پریشانی سے اسکا قیمتی دوپٹہ دیکھا جو اس کے سیاہ کاجل، اور آئی شیڈز کے مختلف رنگوں کے ساتھ خاصا بدنما ہو چکا تھا۔ ''کیا ہوا ہے تمہیں۔۔؟''

''دماغ خراب ہو گیا ہے میرا، دل کرتا ہے کہ پوری دنیا میں آگ لگا دو، کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑوں۔۔۔'' وہ اب رونے لگی۔

''برہان بھائی نے کچھ کہا ہے تمہیں۔؟ فنکشن تو ٹھیک رہا ناں، تم تو اتنی خوش خوش گئیں تھیں۔۔'' وہ پریشان ہوئی۔

''مجھے جانا ہی نہیں چاہیے تھا، خوامخواہ سے منہ اٹھا کر چلی گئی اپنی انسلٹ کروانے۔ پتا نہیں عقل کس دن آئے گی مجھے۔۔۔'' وہ اب بلند آواز میں خود کو کوس رہی تھی اور اسکی یہ لعن طعن کمرے میں داخل ہوتی طوبیٰ نے بقائمی ہوش وحواس سنی اور اسکے چہرے پر ایک زہر آلود تبسم نے انگڑائی لی۔

''تمہاری انسلٹ۔۔۔؟ کس نے کی۔۔۔؟'' اسکی بات پر نمیرہ بوکھلا گئی۔

''اپنی انسلٹ کروا کر کون بتاتا ہے۔۔؟'' طوبیٰ نے اسکا مذاق اڑایا۔

''تم کیوں میرے ہر دکھ اور ہر تکلیف پر اتنا خوش ہوتی ہو، شرم آنی چاہیے۔۔۔'' درشہوار نے اپنا غصّہ طوبی پر اتارا۔

''جو انسان خود دوسروں کے لیے بُرا سوچے وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے۔۔۔'' وہ اسکے سامنے آ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''کس کے لیے بُرا سوچا ہے میں نے۔۔؟ کس کے ساتھ غلط کیا ہے میں نے۔۔؟'' وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

''یہ تم بیٹھ کر جب ایمانداری کے ساتھ اپنا احتساب کرو گی تو تمہیں خود پتا چل جائے گا۔۔۔'' طوبی کی صاف گوئی اس کے تن بدن میں آگ لگا گئی۔

''اٹھو تم دونوں اور ابھی اور اسی وقت نکلو میرے کمرے سے، میں تم لوگوں کی منحوس شکلیں نہیں دیکھنا چاہتی۔۔۔'' درشہوار نے

دونوں کے بازو پکڑے اور گھسیٹتی ہوئی انہیں دروازے کی طرف لے گئی۔

''یار میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا تمہیں۔۔۔'' نمیرہ نے بوکھلا کر صفائی دینے کی کوشش کی۔

''مجھے تم میں سے کسی سے بھی بات نہیں کرنی۔۔'' در شہوار نے ان کو باقاعدہ دھکا دے کر اپنے کمرے سے نکالا۔

''اسکا تو واقعی دماغ خراب ہو گیا ہے اور عقل گھاس چرنے چلی گئی ہے، بہت اچھا ہوا اس کے ساتھ، جس نے بھی کیا۔۔'' نمیرہ کو اسکی بدتمیزی پر بے تحاشا غصّہ آیا۔طوبی اسکا ہاتھ پکڑ کر سیٹنگ روم کے صوفے کی طرف لے آئی۔

''جتنی پاگل یہ ہو رہی ہے لگتا ہے اسی ہمسایوں کے لڑکے سے بے عزتی کروا کر آئی ہے کیونکہ وہی اسے اسکی اوقات یاد دلاتا ہے۔۔'' طوبیٰ کی زبان پھسلی۔

''ہادی، وہ اسے کہاں ملا۔۔۔'' نمیرہ بے اختیار چونکی اور طوبیٰ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''کہیں بھی مل سکتا ہے یار۔۔۔'' اس نے بات کو ٹالنے کی کوشش کی لیکن آج طوبی کے ساتھ ساتھ در شہوار کے بھی ستارے گردش میں تھے، برہان جو کہ خود در شہوار کے کمرے سے کوئی پین کلر ڈھونڈنے کے لیے اوپر آ رہے تھے، ان دونوں کی بات پر انکے قدم ساکت ہوئے۔

''در شہوار اور اس پڑوسیوں کے لڑکے ہادی کا کوئی چکر چل رہا ہے ناں۔؟ شک تو مجھے پہلے ہی تھا لیکن آج یقین آ گیا۔۔'' نمیرہ پراسرار انداز میں مسکرائی۔

''وہ تو گھاس بھی نہیں ڈالتا در شہوار کو، یہ ہی پاگل ہو رہی ہے اس کے پیچھے، ورنہ میرے سامنے کئی دفعہ جھاڑا ہے اس نے، یاد نہیں ایک دفعہ شکایت لے کر بھی آ گیا تھا وہ۔۔۔'' طوبیٰ کی بات پر برہان کو یوں لگا جیسے کسی نے ابلتا ہوا سیسہ ان کے کانوں میں ڈال دیا ہو۔

''ایسے ہی اپنی قیمت بڑھا رہا ہو گا، ورنہ در شہوار کو کون لڑکا انکار کر سکتا ہے۔۔'' نمیرہ کو اسکی بات کا یقین نہیں آیا جبکہ برہان کا دماغ کھولنے لگا۔

''اس چھچھوری کو عقل کرنی چاہیے جو ہر وقت اس نثار ہونے کے لیے تیار رہتی ہے، گھنٹوں اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھتی ہے اور اسکا بس نہیں چلتا کہ جا کر اس سے اپنی محبت کی بھیک مانگنے لگے۔۔۔'' اس سے زیادہ سننا برہان کے بس میں نہیں تھا، وہ تیز تیز قدموں کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر نیچے چلے گئے۔

''ہمیں کتنے نفلوں کا ثواب مل رہا ہے ان دونوں کو آدھی رات کو ڈسکس کر کے، چلو اٹھو، تائی امّی آ گئیں تو انہیں تو پہلے ہی اعتراض ہوتا ہے کہ ہم ساری رات بدروحوں کی طرح پورے گھر میں گھومتے ہیں۔۔۔'' طوبیٰ اپنی بات مکمل کر کے کھڑی ہوئی۔

''ہم تو صرف گھومتے ہیں اور ان کی اپنی سگی بیٹی تو ڈریکولا بن چکی ہے، جسکا بس چلے تو ہمارا ہی خون پینا شروع کر دے، دیکھو ذرا کیسے دھکے مار کر نکال دیا کمرے سے، اب اس فضول لڑکی کو منہ لگانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔۔'' نمیرہ کا غصّہ ابھی بھی کم نہیں ہوا تھا، تبھی تو وہ

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے مسلسل بولتی رہی، جبکہ طوبی کے پاس اب ایک بے ضرر سی مسکراہٹ کے علاوہ کوئی اور جواب نہیں تھا۔

☆......☆......☆

شہزاد، میڈم عالیہ قریشی کے ڈنر سے ابھی ابھی گھر پہنچی تھی۔۔۔

اپنی گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے جیسے ہی وہ باہر نکلی، اسکی نظر لان میں اکیلے بیٹھی ہوئی سندس پر پڑی، جو کہ رشیدہ مائی کی بیٹی تھی، اس کے چہرے پر اس قدر وحشت اور اداسی تھی کہ درشہوار کے لیے اپنے قدم اٹھانا مشکل ہو گئے۔

"تم اس وقت رات کے ایک بجے یہاں بیٹھی ہوئی کیا کر رہی ہو۔۔۔"

"کچھ نہیں بی بی جی، ویسے ہی اندر دم گھٹ رہا تھا۔۔۔" سندس نے بڑی مہارت سے اپنے آنسو خشک کیے تو شہزاد کو حیرانگی ہوئی، جنوری کے سخت سردی کے موسم میں کسی کو اپنے سرونٹ کوارٹر میں گھٹن کا احساس بے وجہ نہیں ہو سکتا تھا، یہ بات وہ بن کہے سمجھ سکتی تھی۔

"کل جب میں آفس سے آؤں تو میرے کمرے میں آنا، اس وقت اٹھو اور جاؤ اپنے کمرے میں، باہر اچھی خاصی ٹھنڈ ہے۔"

شہزاد اسے اٹھا کر سیٹنگ روم کا دروازہ کھول کر اندر چلی آئی، سامنے ایکوریم کے پاس رکھے کاؤچ پر رومی لاپرواہی سے نیم دراز تھی اور اسکے ہاتھوں میں اسکا سیل فون تھا، جس پر وہ اس وقت کوئی ٹیکسٹ کرنے میں بزی تھی، شہزاد نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی۔

"مام نے میڈیسن لی۔۔۔؟؟؟"

"نہیں۔۔۔" اسکے جواب پر وہ فکر مند ہوئی۔

"رومی، میں جانے سے پہلے کتنی دفعہ تمہیں یاد دلا کر گئی تھی کہ مام کو ٹائم پر میڈیسن ضرور دے دینا۔۔۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں نے ان سے نہیں پوچھا ہوگا۔۔؟ اور اصرار کرنے پر جھاڑ نہیں کھائی ہوگی۔۔۔؟" اس نے الٹا اسے لاجواب کیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ آج پھر اسٹریس کا شکار ہیں۔۔۔" وہ پریشان ہوئی۔

"یہ تو اب روز کا معمول بن چکا ہے اور میرے ساتھ تو شاید انہیں خاص پرابلم ہے، دس باتیں پوچھتی ہوں تو تب جا کر وہ کسی ایک کا ڈھنگ سے جواب دیتی ہیں، جیسے میں نے ان کا پتا نہیں کیا نقصان کر دیا ہو۔۔۔۔" رومیصہ کا موڈ بھی ٹھیک ٹھاک خراب تھا۔۔۔

"تم ٹینشن مت لو، ان کی ذہنی حالت ہی ایسی ہے۔۔" اس نے نرمی سے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"ابھی سیف الرحمٰن صاحب تشریف لے آئیں تو پھر دیکھنا کیسے ان کی ساری بیماری دو منٹ غائب ہو جاتی ہے۔۔"

"وہ ان سے ملنے اور بات کرنے سے انکار کر چکی ہیں۔۔۔"

"تمہارے سامنے ڈرامے بازی کر رہی ہیں، ورنہ مام اور سیف الرحمٰن کو چھوڑ دیں، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔" رومیصہ آج

اپنی پرانی جون میں تھی۔

''تمہیں کیا پرابلم ہے سیف الرحمٰن سے۔؟ کم از کم ہارون رضا سے تو ہزار گنا بہتر ہیں وہ۔۔۔''شہزاد نے متحمل انداز میں کہا۔

''یقیناً وہ بہتر ہونگے۔لیکن مجھے اب اپنے سوشل سرکل کے اس عمر کے مردوں پر تو قطعاً بھی اعتبار نہیں رہا، جو گھروں میں اپنی بیویوں کو رکھے ہوئے دوسری عورتوں سے افیئر چلا رہے ہوتے ہیں اور اس چیز پر ان کا ضمیر بھی ان کو ملامت نہیں کرتا۔۔۔''

''میں اللہ سے دعا کروں گی کہ زندگی میں تمہیں کوئی ایسا مرد نہ ملے۔۔۔''شہزاد نے بات کو ہلکے پھلکے انداز میں نبٹانے کی کوشش کی، اور اس کے اس جملے پر رومیصہ کے چہرے پر بڑے بے ساختہ سا گلابی رنگ چھلکا۔

اس کے اسکے ذہن کے پردے پر ارسل کا چہرہ نمودار ہوا، جو کل دھڑلے سے اس کے گھر تک پہنچ گیا تھا، اور اس منظر کو یاد کرتے ہی ایک دلکش مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کیا، جبکہ شہزاد کی زیرک نگاہوں نے بھی اسکے چہرے کے تاثرات کو تیزی سے پڑھا۔

''کیا ہوا۔۔؟ کیا ایسا کوئی شخص ڈھونڈ لیا ہے تم نے۔۔۔؟''اس نے دانستہ لاپرواہی سے اسے چھیڑا۔

''ن نہیں تو، بھلا کہاں سے ڈھونڈوں گی۔۔۔''وہ صاف مکرتے ہوئے مزید بولی۔''ویسے ہی تمہاری بات پر تھوڑا غور و فکر کیا تو قسم سے اپنے سوشل سرکل کا ایک بھی بندہ ذہن میں نہیں آیا۔''رومیصہ کے دل جلے انداز پر شہزاد نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی۔

''اچھا تم چھوڑو ان باتوں کو، میں جا کر دیکھتی ہوں مام کو۔۔۔''شہزاد مسکراتے ہوئے ٹینا بیگم کے کمرے کی طرف بڑھ گئی، جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا، سامنے ٹینا بیگم چھت پر نظریں ٹکائے بالکل ساکت و جامد لیٹی ہوئی تھیں۔ان کا چہرہ اتنا سپاٹ تھا کہ اسے ایک لمحے کو خوف سا آیا، ایسا لگتا رہا تھا جیسے کوئی زندگی سے عاری وجود اسکے سامنے موجود ہو۔

شہزاد کو دیکھ کر بھی ان کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں آئی، وہ چلتے چلتے ان کے پاس پہنچ گئی، اور ہلکا سا جھک کر ان کے ماتھے کا بوسہ لیا، ٹینا بیگم کے چہرے پر ہلکا سا تغیر رونما ہوا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ان کی یہ بیٹی محبتوں کے اظہار کے معاملے میں بالکل کوڑی ہے اور رومیصہ تو اپنی بڑی بہن کے لیے اکثر مشین یا روبوٹ کا لفظ استعمال کرتی تھی۔

''مام کیسی ہیں آپ۔۔؟ آپکو پتا ہے، پی سی میں ویک اینڈ پر ایک فیشن ویک اسٹارٹ ہو رہا ہے۔۔۔''شہزاد نے دانستہ اپنے لہجے کو ہلکا پھلکا رکھا۔ٹینا بیگم اسکی بات پر پھیکے سے انداز میں ہلکا سا مسکرائیں۔

شہزاد نے ان سے ہلکی پھلکی سی روٹین کی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ان کی میڈیکل فائل اٹھائی اور پھر میڈیسن پر سرسری سی نگاہ ڈال کر لاپرواہی سے پوچھا۔

''رات کی ڈوز نہیں لی ناں آپ نے۔؟ میرا انتظار کر رہی ہونگیں، پتا ہے مجھے۔۔۔''شہزاد نے بڑی محبت سے ان کی میڈیسن انکی طرف بڑھائی۔

''میرا دل نہیں کر رہا۔۔'' انہوں نے نظریں چرا کر آہستگی سے کہا۔

''آپ سے ہمیشہ میں نے ایک چیز سیکھی ہے کہ زندگی کے زیادہ فیصلے دل سے نہیں دماغ سے کرنے چاہییے۔ ہے ناں۔۔؟'' اس نے ماں کو بولنے کے لیے اکسایا، جس کا خاصا مثبت نتیجہ نکلا تھا۔

''فیصلہ چاہے دل کا ہو یا دماغ کا، جو خواری قسمت میں لکھی ہو، انسان اس سے نہیں بچ سکتا۔۔'' وہ افسردگی سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''اگر خواری ہی کاٹنی ہے تو پھر مزے سے کاٹنی چاہیے مام، چلیں اٹھیں اور فٹافٹ کھائیں میڈیسن۔۔'' وہ بڑی مہارت سے ان کو ایک ایک کر کے سب دوائیاں کھلاتی گئی۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ اچھی کاصی گپ شپ لگا کر ٹینا بیگم کے پاس سے اٹھنے لگی تو انہوں نے بے اختیار اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔۔

اس نے حیرانگی سے اپنی ماں کا زرد چہرہ دیکھا۔۔ ''کیا ہوا مام۔۔؟''

''شیری، تم دنیا کی سب سے بیسٹ بیٹی ہو۔۔'' ٹینا بیگم کے لہجے میں موجود محبت کو محسوس کر کے اسکی آنکھیں نم ہوئیں۔

''شاید اس لیے کہ میں دنیا کی سب بیسٹ مام کی اولاد ہوں۔۔!!!'' اس نے محبت سے ان کا ہاتھ دبایا۔۔

''میں اچھی ماں ہوتی تو رومی کے ساتھ ایسا نہ ہوتا۔۔'' ان کا دماغ اسی ایک پوائنٹ پر آ کر رک گیا تھا۔ شہرزاد نے انکی آنکھ کے کونے پر اٹکے ہوئے آنسو سے بے ساختہ نظریں چرائیں۔

''اگر رومی کی قسمت میں ایسا ہی لکھا تھا تو میں یا آپ مل کر بھی اسے نہیں بچا سکتے تھے، اس لیے جو ہونا تھا اسے بھول جائیں اور نیکسٹ کے لیے دیکھیں، کیونکہ ہم دونوں کو آپ کی ضرورت ہے۔۔'' اس کا لہجہ محبت سے بھرپور تھا۔

''میں پوری کوشش کروں گی۔۔'' وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائیں۔۔

''تھینک یو۔۔ ہاں انکل سیفی سے بات کر لیجئے گا، بہت اپ سیٹ ہیں وہ آپکے لیے۔۔۔'' شہرزاد دروازے کی طرف جاتے ہوئے لاپرواہی سے گویا ہوئی اور اسکی بات پر ٹینا بیگم کے چہرے پر نمودار ہونے والی مسکراہٹ ایک پل کو غائب ہوئی اور اسکی جگہ تشکر نے لے لی تھی، وہ جانتی تھیں کہ شہرزاد کا دل بہت بڑا ہے اور وہ اپنی ماں کو انسان ہونے کا کافی مارجن دیتی تھی، ورنہ ایسی کسی بات کی توقع وہ رومیصہ سے تو ہرگز نہیں کر سکتی تھیں۔

☆......☆......☆

برہان کا دماغ اس وقت کھولن کی زد میں تھا۔۔

شدید ٹھنڈ کے موسم میں بھی وہ رات کے اس پہر اپنے گھر کے سامنے والے لان میں مسلسل ٹہل رہے تھے۔ ٹہلتے ہوئے وہ ہادی کے گھر کی طرف غصّے سے نگاہ اٹھا کر دیکھتے اور اس کے ساتھ ہی ان کے وجود میں اٹھتا لاوہ پھٹنے کو تیار ہو جاتا۔

''طوبیٰ اور نمیرہ کی باتوں نے انہیں گویا آسمان سے زمین پر لا پٹخا، انہیں درشہوار کا مناہل کے فنکشن میں اصرار کر کے جانا اور بار بار مناہل سے شادی کے لیے اکسانے کے پیچھے موجود اصل وجہ سمجھ آ گئی تھی، جو خاصی تلخ اور دل دکھا دینے والی تھی۔

میر برہان اور انکی بہن درشہوار ایک ہی کشتی کے مسافر تھے لیکن برہان کی خاندانی روایات اور نام نہاد غیرت اپنی بہن کے معاملے میں ان کو اپنا ظرف بڑا کرنے کی اجازت قطعاً نہیں دے رہی تھیں تبھی تو وہ اس وقت آگ بگولہ ہوئے گھوم رہے تھے، ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ درشہوار کے کمرے میں گھس کر اسکا چہرہ تھپڑوں سے لال کر دیتے یا اسکی گردن تو ضرور ہی مروڑ دیتے۔

''واہ میر برہان واہ، اپنے لیے زندگی کے اصول الگ اور بہن کے لیے علیحدہ۔۔'' ان کے اندر موجود ضمیر نامی چیز استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''ہاں ہاں، میں اپنے خاندان کی کسی عورت کو اپنی روایات سے بغاوت کی اجازت نہیں دے سکتا، میں بے شک یورپ سے پڑھ کر آیا ہوں لیکن داجی بالکل ٹھیک کہتے ہیں ہماری کوئی مشرقی اور خاندانی روایات بھی ہیں۔۔'' انہوں نے ضمیر کو پٹخا مار کر گرانے کی کوشش کی۔

اپنے کمرے کے ٹیرس میں کھڑی انابیہ نے یہ منظر انتہائی دکھی انداز سے دیکھا، اسے میر برہان کی پریشانی، بے بسی اور افسردگی کے پیچھے بس مناہل قریشی کا ہی چہرہ نظر آ رہا تھا۔ جو اسے باقی رات کے لیے دکھی کرنے کے لیے کافی تھا جبکہ برہان کا سوچتے سوچتے دماغ شل ہو گیا تو وہ فیصلہ کن انداز میں کھڑے ہوئے۔

''مجھے امی سے بات کرنی چاہیے، کیونکہ ہمارا خاندان ایسے کسی اسکینڈل کا متحمل نہیں ہو سکتا۔۔'' وہ تیز تیز قدموں سے لان کو عبور کر کے گھر کے اندر داخل ہوئے، جس وقت وہ تاجدار بیگم کے کمرے کا دروازہ ناک کر رہے تھے اس وقت میر ہاؤس کے ہال کمرے میں لگے گھڑیال پر ڈھائی بجے کا وقت تھا۔

''برہان تم۔۔؟ خیریت تو ہے ناں بیٹا۔۔'' تاجدار بیگم اسے سامنے دیکھ کر بوکھلا گئیں، ان کی آنکھوں کی نیند ایک جھٹکے سے غائب ہوئی۔

''مجھے آپ سے انتہائی ضروری بات کرنی ہے ابھی اور اسی وقت۔۔'' برہان جانتے تھے کہ میر محتشم اس وقت اسلام آباد والے گھر میں ہیں، اسی لیے وہ بے دھڑک ماں کے کمرے کی طرف چلے آئے۔

''سب ٹھیک تو ہے ناں۔۔؟'' وہ پریشانی سے ان کا بازو پکڑ کر اپنے بیڈ کے پاس لے آئیں، ان کا دل انہونی کے خیال سے کانپنے لگا۔۔

''امّی جو بات میں آپ کو بتا رہا ہوں، یہ آپ کے اور میرے بیچ رہنی چاہیے، وعدہ کریں مجھ سے۔۔؟''

''ہاں ہاں بولو۔۔کیوں پہلیاں بجھوا رہے ہو۔۔؟'' انہوں نے خوفزدہ انداز میں اپنے بیٹے کی طرف دیکھا، اتنا تو انہیں بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ رات کے اس پہر وہ کوئی بم پھوڑنے ہی آئے ہیں۔

''بولو ناں برہان، چپ کیوں ہو۔۔؟'' انہیں شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر وہ جھنجلا گئیں تو انہوں نے دل کڑا کر کے اپنا منہ کھول ہی لیا۔ وہ آہستگی سے انہیں درشہوار اور ہادی کے بارے میں سب بتاتے چلے گئے۔

جیسے سنتے ہی تاجدار بیگم کا چہرہ بھی انڈے کی زردی کی مانند گہرا پیلا ہوگیا، وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ بمشکل انداز میں بیڈ پر بیٹھیں، ابھی تو شاہ میر کی لائی ہوئی قیامت کو وہ اپنے اوپر جھیل رہی تھیں اور اب درشہوار کے تازہ ترین کارنامے نے ان کو دہلا دیا تھا۔

''اوہ میرے خدایا، یہ میری اولاد کا باجماعت دماغ کیوں خراب ہوگیا ہے، یہ سب مجھے اباجی کی نظروں میں ذلیل کر کے ہی رہے گی، اس درشہوار کی تو میں ابھی جا کر طبعیت درست کرتی ہوں۔'' وہ جذباتی انداز میں کھڑی ہوئیں۔

''امّی خوامخواہ کی جذباتیت سے مسئلہ مت بگاڑیں، تھوڑا تحمل سے کام لیں، یہی سب کچھ کرنا ہوتا تو میں آپ سے بہتر کر سکتا تھا۔۔'' برہان نے جھنجلا کر اپنی ماں کا ہاتھ پکڑا اور انہیں بیڈ پر دوبارہ بیٹھایا۔

''میرا تو ذہن ہی کام نہیں کر رہا، اس بے وقوف لڑکی کو نہیں پتا، ہمارے ہاں عورتیں تو دُور کی بات مردوں کی شادیاں بھی خاندان سے باہر نہیں کی جاتیں، بھول گئی وہ ماضی کا تلخ قصّہ، آدھا گاؤں جل مرا تھا جس میں۔۔'' وہ تلخ انداز سے گویا ہوئیں۔

''آپ درشہوار کی ضدی طبعیت کو اچھی طرح سے جانتی ہیں، اسے جس کام سے منع کیا جائے، وہ کرنا تو اس پر گویا فرض ہو جاتا ہے، اس لیے میرے خیال میں ہمیں عقلمندی سے اس سارے معاملے کو ہینڈل کرنا ہوگا۔۔'' برہان نے اپنی ماں کو ایک نئی راہ دیکھائی۔

''اور وہ طریقہ بھی اب تم ہی بتا دو، کیونکہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''مجھے تو داجی سولی چڑھا ہی رہے ہیں، ساتھ میں یہ قصّہ بھی نبٹا دیں۔۔'' ایک تلخ مسکراہٹ نے ان کے لبوں کا احاطہ کیا۔

''وہ کیسے، کھل کر بتاؤ بیٹا، میرا تو اس وقت دماغ ہی کام نہیں کر رہا۔۔؟'' انہیں اپنی ماں پر بُری طرح سے ترس آیا، جنہوں نے ایک اچھی بہو بننے کے لیے ساری زندگی داؤ پر لگا دی تھی لیکن اب ان کی اپنی ہی اولاد ان کی ساری عمر کی عزت کو داؤ پر لگانے کے لیے تلی بیٹھی تھی۔

''درشہوار اور ارسل کا نکاح کر دیں، بلکہ میری مانیں ڈائریکٹ رخصتی بھی کر دیں، کیونکہ ارسل کی ڈگری مکمل ہونے والی ہے اور بابا نے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اسکی جاب کے لیے بات بھی کر لی ہے۔۔'' ان کے مشورے پر تاجدار بیگم کے چہرے پر تھوڑی سکون کی کیفیت پیدا ہوئی۔

''لیکن ارسل کے لیے تو ندرت، طوبی کا سوچے بیٹھی ہے۔۔'' وہ پریشان ہوئیں۔۔

''طوبیٰ کی بعد میں دیکھی جائے گی پہلے آپ اپنے گھر میں لگی ہوئی آگ تو بجھالیں، فورا بات کریں دا جی کے ساتھ، میری مانیں بالکل بھی وقت ضائع نہ کریں، ورنہ بہت مشکل ہو جائے گی۔۔۔'' برہان کی لہجے کی سنگینی نے ان کو ایک بار پھر دہلا دیا۔

ان کا ذہن تیزی سے تانے بانے بننے لگا، خاندانی سیاست اور جوڑ توڑ میں ان کا دماغ ویسے ہی بہت تیز چلتا تھا اور اسکا بات کا اعتراف تو پورا خاندان کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ برہان کو یہ تسلی تھی کہ اسکی والدہ یقیناً بہت جلد اس مسئلے کا حل نکال لیں گی۔

☆......☆......☆

کافی کا مگ لیے شہرزاد کھڑکی کے پاس اپنی مخصوص جگہ پر آن کھڑی ہوئی۔

اس کے سیل فون کی مترنم گھنٹی بجی اور اسکے ساتھ ہی اسکے دل نے بے ربط انداز میں دھڑک کر گواہی دی کہ اس وقت اسکے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ شہرزاد نے مسکراتے ہوئے سیل فون کی کال اٹینڈ کی۔

''آج آپ بتا ہی دیں، کب تک یہ آنکھ مچولی کا کھیل جاری رکھیں گے میرے ساتھ۔۔۔؟'' اس نے طنز کیا۔

''جب تک آپ میرے رقیبوں کے ساتھ گھومنا پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا بند نہیں کریں گی۔۔۔'' دوسری طرف ہم زاد بھی غیر سنجیدہ تھا۔

''آپ کو یہ کیوں لگتا ہے کہ ساری دنیا بس میرے ہی پیچھے ہے۔۔۔'' وہ مسکرائی۔

''تم ساری دنیا کو چھوڑو، یہ مسز قریشی کا بیٹا، آج کس چکر میں اتنا جڑ کر بیٹھا ہوا تھا تمہارے ساتھ۔۔؟'' اسکے دل جلے انداز پر وہ بے ساختہ ہنسی۔ وہ کبھی اسے انتہائی احترام سے ''آپ'' کہہ کر اور کبھی بے تکلفی کی ساری حدیں عبور کر کے ڈاریکٹ ''تم'' پر اتر آتا۔

''آپ بھی تو وہیں موجود تھے ناں، آپ وہاں آ کر بیٹھ جاتے، کس نے منع کیا تھا۔۔'' وہ شرارتی انداز میں گویا ہوئی۔

''جس دن میں بیٹھ گیا ناں تمہارے پاس، ساری زندگی کے لیے اٹھنا بھول جاؤ گی۔۔۔'' اسکے ذومعنی انداز پر شہرزاد کی دھڑکن تھمی۔

''اور میں جانتی ہوں، وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔۔۔'' اس نے مسکرا کر اطلاع دینے کے انداز میں کہا۔

''وجہ پوچھ سکتا ہوں۔۔۔؟'' وہ ہلکا سا بے چین ہوا۔

''نہ آپ میں اتنی ہمت ہوگی کہ اپنی نقاب کشائی کر سکیں اور نہ آپ زندگی میں کبھی میرے سامنے بیٹھنے کی جرائت کر سکیں گے، اس لیے معاملہ بیچ میں ہی اٹکا رہے گا، ویسے حد ہوتی ہے بزدلی کی بھی۔۔۔'' وہ سراسر اسے اکسا رہی تھی اور دوسری طرف وہ اسکی بات کے اندر چھپے مفہوم کو سمجھ کر ہنسا۔

اسی وقت ہم زاد کے بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور سیل فون کے ریسیور سے آتی ہوئی ایک اور مردانہ بھاری آواز پر شہرزاد کے کان کھڑے ہوئے، کوئی اسکے بہت قریب آ کر انگلش میں بولا تھا۔۔۔

''بیٹا، یہ ٹکٹس ہیں اور صبح چھے بجے چیک ان شروع ہو جائے گا، ائیر پورٹ ٹائم سے پہنچنا ہے، اس لیے ٹائم سے سو جانا۔۔۔''

''ابی، چیک ان کو چھوڑیئے، میرا تازہ ترین غم سنیے، آپکا دل بھی دہل جائے گا۔۔'' وہ شرارت سے اسے سنانے کو بلند آواز میں گویا ہوا۔

''فون پر بات کر رہے ہو تم۔۔'' انہوں نے تصدیق چاہی۔۔

''جی ہاں، اور پتا ہے فون کے دوسری طرف موجود لڑکی آپکے بیٹے کو بزدل اور کم ہمت کہہ رہی ہے۔۔'' اس نے اپنے باپ کو بھڑکانے کی کوشش کی۔

''اور وہ لڑکی شہرزاد کے علاوہ کوئی اور ہو نہیں سکتی۔۔'' اس مردانہ جملے پر وہ ساکت ہوئی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہم زاد کے خاندان کا کوئی اور فرد بھی اسے جانتا ہوگا۔ کافی کے مگ پر اس کی انگلیاں مضبوط ہوئیں۔ جب کہ اس کا رواں رواں مجسم سماعت بن گیا۔

''میں اس کے علاوہ اور کس سے بات کرتا ہوں۔؟ ابی کیوں مشکوک کر رہے ہیں آپ اسے میری طرف سے۔۔'' وہ شوخ لہجے میں گویا ہوا جبکہ شہرزاد خود کو ایک عجیب سی سچوئشن میں پھنسا ہوا محسوس کر رہی تھی۔۔

''اچھا نالائق انسان، میری بات کرواؤ اس سے۔۔'' دوسری طرف سے آنے والی فرمائش پر شہرزاد کا دل بُری طرح سے دھڑکا۔

''بات کرو گی میرے فادر سے۔۔۔؟'' وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں۔۔۔!!!'' یہ سنہری موقع وہ کیسے ہاتھ سے جانے دیتی۔۔

''یہ لیں ابی، پلیز میری شکایتیں مت لگایئے گا۔ ایسا نہ ہو وہ پھر مجھ سے ڈر کر دوبارہ لندن بھاگ جائے۔۔'' اس نے فون ان کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے نصیحت کی۔

''ہیلو بیٹا، ہاؤ آر یو، اس نالائق کی باتوں کو دل پر لینے کی ضرورت نہیں، اسے شروع ہی سے ڈرامے بازی کرنے کی عادت ہے۔۔'' وہ امریکن انگلش لہجے میں اسکے ساتھ بہت پیار اور اپنائیت سے گویا ہوئے۔۔

''ڈونٹ وری انکل، بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں میں بھی۔۔'' اس نے بھی جواباً انگلش میں ہی جواب دیا۔

''تم مجھے ابی کہو گی تو اچھا لگے گا مجھے۔۔'' انکی اگلی فرمائش اردو میں آئی اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ مسکرا دی۔۔

''کیسے ہیں آپ۔۔؟ اور کیا چل رہا ہے آجکل۔۔؟'' اس نے فوراً ہی پوچھا۔

''لائف الحمدللہ بہت اسٹیبل ہے، کل میں اور یہ نالائق جا رہے ہیں امریکہ، شاید اس نے بتایا ہو تمہیں۔۔'' انکی اس اطلاع پر اسکا دل یکبارگی دھڑکا۔

''نہیں، میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں۔۔'' وہ زبردستی مسکرائی۔

''آپ تو زیادہ ہی فری ہو رہے ہیں، فٹافٹ فون دیں میرا اور جا کر سو جائیں۔۔ گڈ نائیٹ۔۔'' وہ ان سے اپنا فون واپس

لے چکا تھا۔

''اوکے بیٹا، گڈ نائیٹ، الارم لگا لینا، ورنہ فلائیٹ نکل جائے گی۔۔۔'' وہ کمرے سے نکلتے نکلتے بولے۔۔

''کیوں، ڈر گئے، کہیں آپکی اصلیت نہ بتا دیں مجھے۔۔۔'' شہزاد نے اسے چھیڑا۔۔۔

''تم پوچھ لیتیں تو وہ کبھی جھوٹ نہ بولتے۔۔۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔۔

''اچھا تو پھر دوبارہ بات کروائیں میری۔۔۔'' وہ بے تاب ہوئی۔۔

''کیوں، میں صبح وشام گھاس کھاتا ہوں کیا۔؟ اتنا پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے۔۔۔'' اس کا لہجہ شوخی سے لبریز تھا اس لیے اس نے بات ہی پلٹ دی۔

''اچھا پھر اپنی ممی سے بات کروا دیں۔۔؟'' اسکی بھی نئی شرارت سوجھی۔

''ضرور کروا دیتا، اگر وہ قبرستان میں دائمی نیند نہ سو رہی ہوتیں۔۔۔''

''اوہ سوری۔۔۔ مجھے پتا نہیں تھا۔۔۔''

''اٹس اوکے، ڈونٹ ووری۔۔۔۔''

''اور بہن بھائی۔۔۔؟؟؟'' اس نے محتاط انداز میں پوچھا۔

''ایک چھوٹا بھائی کراچی میں پوسٹڈ ہے ان دنوں اور سب سے چھوٹی بہن اسپیشلائزیشن کرنے امریکہ گئی ہوئی ہے۔'' اس نے پہلی دفعہ اپنی فیملی کے بارے میں اتنی ڈیٹیل سے کھل کر بتایا تھا۔

''اور آپ کیا کرتے ہیں۔۔۔؟'' وہ شرارتی انداز میں گویا ہوئی۔

''ایک معصوم سی پیاری سی لڑکی سے محبت کرتا ہوں اور دن رات اسکی جھاڑ کھاتا ہوں، اتنے سالوں سے اسے پٹانے کی کوشش کر رہا ہوں، لیکن افسوس وہ مجھے گھاس ہی نہیں ڈال رہی، دیکھا میں کتنا مشکل کام کرتا ہوں۔۔۔۔۔'' وہ پھر پٹڑی سے اترا۔

''آپ سے تو بات کرنا ہی بے کار ہے، انتہائی فضول انسان ہیں آپ۔۔۔'' دوسری طرف موجود شہزاد اسکی غیر سنجیدگی پر تپ گئی، اس نے غصّے سے فون بند کیا اور اگلے ہی تیس سیکنڈ کے بعد اسکی کال دوبارہ آنے لگی، اس بار شہزاد نے فون ہی پاورڈ آف کر دیا۔

''میں ہی پاگل ہوں، جو اتنے عرصے سے اسکے ہاتھوں بے وقوف بن رہی ہوں، اگر کسی کو پتا چل جائے تو یقیناً میری عقل پر ماتم ہی کرے۔۔۔'' وہ غصے سے اٹھ کر ٹہلنے لگی۔

''آخر مجھے اس سے بات کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، جو بندہ اپنی شناخت چھپا سکتا ہے وہ کیسے قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔'' ایک اور سوچ نے اس کے دماغ کا احاطہ کیا، اس نے خود کو کوسنا چھوڑا اور اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا، اسکا ارادہ سنجیدگی سے اب کچھ کام کرنے کا تھا۔

اسی وقت ملازمہ ہلکا سا دروازہ کھٹکٹا کر اندر داخل ہوئی، اسکے ہاتھ میں کارڈلیس فون دیکھتے ہی وہ سمجھ گئی کہ دوسری طرف ہم زاد کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا، اس نے یقیناً اسکا سیل فون آف دیکھ کر اسکے گھر کے نمبر پر کال کرلی تھی۔۔

''بی بی جی کال ہے آپ کی۔۔۔'' ملازمہ نے اسکی طرف کارڈلیس پکڑایا جو اسے نہ چاہتے ہوئے بھی پکڑنا پڑا۔

''اچھا جاؤ تم۔۔۔'' اسکی تیوری کے بل گہرے ہوئے۔

ملازمہ کے کمرے سے نکلتے ہی وہ ریسیور ہاتھ میں پکڑتے ہی ناراضگی سے شروع ہوگئی۔ ''ہزار دفعہ میں نے آپ سے کہا ہے ،گھر کے نمبر پر کال مت کیا کریں مجھے، لیکن آپکو یہ بات سمجھ ہی نہیں آتی، کیوں ہاتھ منہ دھو کر پیچھے پڑ گئے ہیں میرے۔۔۔؟''

''آئی ایم سوری، شیری یہ میں ہوں ارتضی حیدر۔۔۔!!!''

ریسیور کے اندر سے نکلنے والی ارتضی کی آواز سن کر اسے لگا جیسے کسی نے فریج سے ٹھنڈے یخ پانی کی بوتل نکال کر اسکے اوپر الٹ دی ہو۔ اس کے ہونٹوں پر ایلفی سی جم گئی اور کانوں میں شائیں شائیں کا شور بڑھ گیا۔۔

''اس سے پہلے تو آپ نے مجھے کبھی گھر کے نمبر پر کال کرنے سے منع نہیں کیا۔۔'' اسکی خفت زدہ آواز سن کر شہرزاد کا شدت سے دل چاہا کہ وہ جا کر اس کے منہ پر مضبوطی سے اپنے دونوں ہاتھ رکھ دے، اسکا ایک ایک لفظ اسے شرمندگی کی گہری دلدل میں دھکیل رہا تھا۔۔

''اوہ آئی ایم سوری، میں کوئی اور سمجھی تھی۔۔۔!!!'' اس نے پوری طاقت لگا کر چند لفظ بولے۔

''اگر آپ کو کوئی تنگ کر رہا ہے تو مجھے بتائیں، یہ تو کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں ہے، دو دن میں حل ہو جائے گا۔۔۔'' دوسری طرف موجود ارتضی بھی سمجھ چکا تھا کہ اسے جھاڑ کسی اور کی غلط فہمی کے نتیجے میں پڑی ہے، لیکن اس غلط فہمی نے اس کے سارے حواس چوکس کر دیئے تھے۔

''اٹس او کے ارتضی، آپ نے خیریت سے اس وقت کال کی۔۔۔؟'' اس نے جان بوجھ کر موضوع گفتگو بدلا لیکن اسکا ماتھا عرق انفعال سے تر تھا اور اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فوراً فون بند کر دے لیکن یہ اس سے بھی بڑھ کر بدتہذیبی ہوتی۔۔۔

''صبح رومیصہ کی پیشی ہے اور میں چاہتا ہوں آپ کچھ پوائنٹس انہیں راستے میں اچھی طرح سے سمجھا دیں۔ میں نے آپ کو ابھی ایک ای میل کی ہے، آپ ٹائم نکال کر اسے چیک کر لیجئے گا۔۔۔'' وہ بڑے مہذب انداز میں اسے بتا رہا تھا۔

''جی تھینک یو، میں ابھی دیکھ لیتی ہوں، صبح انشاءاللہ بات ہوگی۔۔۔''

اس نے جیسے ہی فون بند کیا، کارڈلیس کی گھنٹی ایک دفعہ پھر بج اٹھی۔ اس دفعہ اس نے ذرا احتیاط انداز میں ہیلو کہا۔

''اس طرح خفا ہو کر فون بند کرو گی تو ساری رات سو نہیں پاؤں گا۔۔۔'' ہم زاد کا مخصوص لہجہ سن کر اسکے حلق سے ایک لمبی سانس برآمد ہوئی۔

''اور اتنی لمبی لمبی سانسیں لو گی تو اسلام آباد کا موسم مزید سرد ہو جائے گا۔۔''

''آپ کو پتا ہے اس وقت کیا ہوا ہے۔۔؟'' وہ ناراضگی سے گویا ہوئی۔ ''آپکے فون کال سے پہلے ارتضی کی کال آئی تھی اور میں نے آپکے چکر میں اسے بیچارے کو بُری طرح سے جھاڑ دیا اور بعد میں پتا چلا وہ آپ نہیں تھے۔۔

ڈیٹس گریٹ۔۔۔!!!'' اسکی بات سن کر وہ بے ساختہ ہنسا۔ ''گندی گندی گالیاں دی تھیں ناں اس خبیث کو؟ پولیس یونیفارم پہن کر خود کو دبنگ والا ہیرو سلمان خان ہی سمجھنے لگتا ہے گدھا۔۔'' اسکی شوخی آج عروج پر تھی۔

''کیا چیز ہیں آپ۔۔۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسکی باتوں پر ہنس پڑی۔۔

''تھینک یو، آج رات بہت سکون کی نیند آئے گی مجھے، بس آپ یونہی میرے رقیبوں کو جھاڑتی رہا کریں، اب اجازت دیں، ٹیک کیئر، بائے۔۔۔'' وہ فون بند کر چکا تھا، شہرزاد نے بھی اپنی فائل اٹھائی اور اس پر نیکسٹ پیشی کے نوٹس لکھنے لگی۔۔

☆......☆......☆

''ہادی یار، بات تو خاصی پیچیدہ ہے یہ۔۔'' سعد نے محتاط انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''پیچیدہ ہی نہیں باعث رسوائی بھی۔۔۔'' ہادی نے اپنا شل ہوتا ہوا دماغ سنبھالتے ہوئے سعد کی طرف دیکھا، وہ دونوں دوست اس وقت مال روڈ کے ایک ریسٹورنٹ میں موجود تھے اور ان کے سامنے رکھی آئس کریم کافی حد تک پگھل چکی تھی۔۔

ہادی جب سے مری واپس آیا تھا۔ اس وقت سے شدید قسم کی ٹینشن کا شکار تھا، مناہل کی خودسری نے اسکے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے تھے اور اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ وہ ضدی لڑکی جس چیز کے لیے اڑ جاتی، اسے حاصل کر کے ہی دم لیتی تھی۔

اس نے کافی غور و فکر کے بعد سعد سے یہ بات شیئر کرنے کا فیصلہ کر لیا، اور اسی لیے اسے لے کر یہاں آیا تھا، راستے میں آتے ہوئے وہ اسے کافی تفصیل سے مناہل اور برہان کا قصّہ سنا چکا تھا۔

''میرے خیال میں تمہیں فوراً آنٹی سے بات کر لینی چاہیے۔۔'' سعد نے سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔

''لیکن اس سے پہلے میں میر برہان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔۔'' ہادی کی بات پر وہ چونکا۔

''میرے خیال میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ جب کوئی لڑکی اس حد تک خودسری اور ضد پر اتر آئے تو یقیناً اس کے پیچھے کسی مرد کی دی ہوئی شہہ ہی ہوتی ہے۔۔'' سعد نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

''تمہارے خیال میں میر برہان سیریس ہے اس کے لیے۔۔؟'' اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

''اس کے سیریس ہونے سے کچھ نہیں ہوگا کیونکہ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے یہ لوگ خاندان سے باہر شادیاں نہیں کرتے اور اگر کر بھی لیں تو انہیں وہ عزت اور اہمیت نہیں دیتے جو ایک عورت کا بیوی بننے کے بعد حق ہوتی ہے۔۔''

''ہاں میر خاقان علی کے چٹ پٹے قصے کون نہیں جانتا، سوائے میری بے وقوف بہن کے۔۔۔'' ہادی نے طنزیہ انداز میں لقمہ دیا۔

''تمہیں یہ بات تفصیل سے بتانی چاہیے مناہل کو۔۔۔''

''وہ کچھ سننے کو تیار بھی تو ہو، برہان نے اسکا دماغ کافی خراب کر رکھا ہے،اسے میر فیملی کی غلط ریپوٹیشن سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔''وہ خاصا تپا ہوا تھا۔

''مجھے لگتا ہے یہ ساری برہان کی، کی ہوئی برین واشنگ ہے، بلکہ پورا خاندان ہی اس کام میں ماہر ہے،اب اسکی بہن کو ہی دیکھ لو،کتنی کوشش کی اس نے تمہاری توجہ حاصل کرنے کی۔۔۔''سعد نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔

''حالانکہ اس سے بھی آدھی کوشش تمہارے لیے کرتی تو اب تک تم دونوں بھاگ کر شادی کر چکے ہوتے۔۔۔''ہادی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''بکواس بند کرو، میرا دماغ سیٹ ہو چکا ہے اب،اور ویسے بھی مجھے اتنی منہ زور لڑکیاں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔۔۔''وہ پہلی دفعہ اتنا کھل کر بولا۔

''تو صاف صاف کہو ناں اسکے خاندان کے ساتھ کوئی پنگا افورڈ نہیں کر سکتے۔۔۔''ہادی نے اسے چھیڑا۔

''اتنے بھی پھنے خان نہیں ہیں وہ،اور شایدان کا مقابلہ کر بھی لیتا،لیکن سچ پوچھو تو درشہوار کی خودسری اور بے باکی نے دل کھٹا کر دیا ہے میرا،اور ویسے بھی اسکے تمام تر نیک جذبات اب صرف تمہارے لیے ہیں تو میں پھر اس دیوار سے سر کیوں پھوڑوں۔۔۔''سعد کے لہجے کی سچائی گواہ تھی کہ اسے عقل آ چکی ہے۔

''اسکا مطلب ہے کہ میں تمہاری طرف سے انکار سمجھوں۔۔۔؟''ہادی ہنوز شرارتی موڈ میں تھا۔

''ہاں۔اگر تم اس کے ساتھ بھاگنا چاہو تو میں اس کا انتظام کروا سکتا ہوں۔۔۔'' سعد نے بھی اپنا حساب پورا کرنے کی کوشش کی

''شٹ اپ۔۔۔۔!!!''اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

''یقین مانو میر خاندان سے بدلہ لینے کا یہ ایک بہترین طریقہ ہے یا گر میر برہان نے مناہل کے ساتھ کوئی زیادتی کرنے کی کوشش کی تو شطرنج کا یہ مہرہ کھیل کر تم اس خاندان کو ناکوں چنے چبوا سکتے ہو۔۔۔''سعد نے اسے ایک نئی پٹی پڑھانے کی کوشش کی۔

''یہ دیکھو۔۔۔!!!''ہادی نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑے۔''ابھی اتنا بُرا وقت نہیں آیا مجھ پر کہ میں کسی عورت کے کندھوں پر رکھ کر بندوق چلاؤں،اگر ایسا کوئی موقع آیا بھی تو میں خود سینہ تان کر ان کے سامنے جا سکتا ہوں۔۔۔''اس نے بیزاری سے جواب دیا۔

''ہاں ایک بہادر ماں کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔۔۔''سعد اسکی طرف دیکھ کر ہنسا۔

''چل اب اٹھ یہاں سے،سردی میری رگوں میں گھسی جا رہی ہے۔۔۔''ہادی اپنی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ گھسا کر کھڑا ہوا۔وہ

دونوں لمبی واک کرتے ہوئے جب مال روڈ سے نکلے تو سعد چلتے چلتے چونکا۔

''شاہ میر کا اس لڑکی کے ساتھ کوئی چکر چل رہا ہے کیا۔۔۔؟''

کے ایف سی کے عین سامنے کھڑے شاہ میر اور طوبیٰ کو دیکھ کر سعد نے سرگوشی کے انداز میں تبصرہ کیا تو وہ تپ اٹھا۔''اس خاندان کے لڑکے لڑکیوں کو بھی لگتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے، اب اس سے سلام دعا کرنے مت کھڑے ہو جانا، بس آنکھ بچا کر نکل جاؤ۔''

ہادی اور سعد دونوں کمال کی اداکاری کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے، دوسری طرف شاہ میر بڑی دلچسپ اور شرارتی نگاہوں سے طوبیٰ کی طرف دیکھ رہا تھا، جو اس کے دیکھنے پر تھوڑا اپزل ہو رہی تھی۔

''قسم سے طوبیٰ، اس رومینس کا مزا لینے کے لیے تو مجھے کافی عرصہ پہلے ہی گھر چھوڑ دینا چاہیے تھا۔۔۔''شاہ میر نے ڈسپوزیبل گلاس میں اسٹرا گھماتے ہوئے طوبیٰ کو جان بوجھ کر چھیڑا۔ وہ دونوں آج سب سے نظر بچا کر یہاں اکھٹے تھے۔

''آج تو آگئی ہوں، دوبارہ ہرگز نہیں آؤں گی۔۔۔''طوبیٰ نے اسے صاف ہری جھنڈی دکھائی۔

''یہ تو وقت آنے پر ہی پتا چلے گا جناب، ویسے بھی اپنی محبت پر اتنا یقین ہے مجھے کہ کچے دھاگے سے چلے آئیں گے سرکار بندھے۔۔۔''وہ شوخی سے گویا ہوا۔

''تمہاری فضول باتیں ختم ہو گئی ہوں تو کیپٹن صاحب، مجھے گھر چھوڑ آئیں، داجی آگئے تو آپکا تو پتا نہیں، میرا کورٹ مارشل ضرور ہو جائے گا۔''طوبیٰ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ڈسپوزیبل گلاس ڈسٹ بن میں اچھالا تو شاہ میر نے بھی رسٹ واچ پر ٹائم دیکھا، شام کے پانچ بج رہے تھے اور اس سے زیادہ باہر رہنا دونوں کے لیے خطرناک تھا۔

☆......☆......☆

''غضب خدا کا پورے میر ہاؤس کا حلیہ بگڑ چکا ہے۔۔۔!!!

میر حاکم ٹہلتے ٹہلتے رکے اور مزید گویا ہوئے۔''جس کو دیکھو ہر کوئی اپنا اپنا قبلہ بنائے بیٹھے ہیں آجکل۔۔۔''

بہت دن بعد آج میر حاکم کے سامنے تاجدار بیگم کی پیشی تھی، اور وہ جو شاہ میر کو گھر سے نکالے جانے پر احتجاجاً سب کا واک آؤٹ کر کے خود کو اپنے کمرے تک محدود کر چکی تھیں، انہیں اندازہ نہیں تھا کہ اس بار میر حاکم ڈائریکٹ انہی کے بیڈروم میں آ کر کچہری سجا لیں گے۔

''تایا جی اس گھر میں میرے علاوہ بھی اور لوگ ہیں۔۔۔''تاجدار بیگم نے ڈھکا چھپا انداز اپنایا۔

''جانتا ہوں میں، تمہارا اشارہ شارقہ اور ندرت کی طرف ہے، ان میں اتنی عقل ہوتی تو مل کر خاقان کو نہ سنبھال لیتیں، وہ جگہ جگہ منہ مارتا ہوا نہ پھرتا اور نہ ہی اسکی رنگ برنگی داستانیں سننے کو ملتیں۔۔۔''انکا طنزیہ انداز تاجدار بیگم کے دل و دماغ پر پھوار بن کر برسا۔

انہوں نے جتاتی ہوئی نگاہوں سے اپنے سامنے خاموش بیٹھے میر محتشم کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہی ہوں کہ سن لیں اس خاندان

کی واحد سمجھدار خاتون کا تاج انہی کی بیوی کے سر پر ہے،اور سونے پہ سہاگہ نام بھی تو ان کا تاجدار بیگم تھا۔

''آپ کچھ بھی کہیں تایا جی،اس گھر اور خاندان کے لیے میں نے اپنی ہڈیاں تک گلا لیں لیکن۔۔۔''

''لیکن کیا۔۔؟

''آج تک میرا کسی نے لحاظ نہ کیا،اور پورے خاندان کے سامنے دو ٹکے کا کر دیا مجھے،آپ اپنے ایمان سے کہیں،میں کس منہ سے اپنے کمرے سے نکلوں اور اپنی دیورانیوں کے ساتھ جا کر بیٹھوں۔۔۔''انہوں نے جذباتیت کی انتہاء کرتے ہوئے آنسو تک نکال لیے۔

''شاہ میر والی بات پر میں ہزار دفعہ معذرت کر چکا ہوں،خدا کے واسطے بس کر دو اب۔۔۔''میر محتشم اپنے والد صاحب کے سامنے دوبارا انہی باتوں پر جھنجھلا سے گئے اور میر حاکم نے اپنی سب سے لاڈلی بہو کا آنسوؤں سے بھرا ہوا چہرہ دیکھا تو ان کا دل پسیج گیا۔

''ماں ہوں میں کیسے بس کر دوں،ساری ساری رات مجھے نیند نہیں آتی،اتنے سالوں سے پوسٹنگ ہو رہی ہے اسکی،پہلی دفعہ تو اپنے گھر کے پاس پوسٹ ہوا تھا اور آپ نے نکال دیا اسے۔۔۔''وہ میر حاکم کو جذباتی کرنے کے لیے ذرا اونچی آواز میں رونے لگیں۔

''اس بے وقوف نے بھی تو ایک دفعہ بھی معافی مانگنا گوارہ نہیں کی اپنے باپ سے۔۔''میر محتشم ہلکا سا چڑ کر بولے۔

''اس سلسلے میں دو تین بار آ چکا ہے وہ،لیکن میں نے ہی بھگا دیا کہ تمہارا باپ سخت غصّے میں ہے۔۔۔''تاجدار نے آنسو پونچھتے ہوئے اپنی طرف سے آدھا جھوٹ اور آدھا سچ بولا،شاہ میر گھر آیا ضرور تھا لیکن صرف اپنی ماں سے ملنے کے لیے۔

''اچھا محتشم تم چھوڑ دو اپنا غصّہ،اولاد ہی نا ہنجار ہو تو انسان کیا کر سکتا ہے،فون کر کے بتا دینا اسے،جب چاہے آ سکتا ہے۔۔۔''میر حاکم علی کی بات پر تاجدار کا چہرہ ایکدم کھل سا اٹھا،ان کے شوہر محتشم صاحب نے جھنجھلا کر انہیں دیکھا لیکن مصلحتاً خاموش رہے۔۔

''تایا ابا ایک اور درخواست کرنی تھی آپ سے۔۔۔؟''تاجدار بیگم نے اس موقعے سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ایک اور کوشش کی۔

''ہاں ہاں بولو۔۔۔''

''مجھے نہیں پتا آپ میری اس بات کو کیسے لیتے ہیں،لیکن میری اور برہان کی دلی خواہش ہے کہ اسکی شادی کے ساتھ درشہوار اور ارسل کا قصّہ بھی نبٹا دیا جائے۔۔۔''وہ محتاط انداز میں گویا ہوئیں۔۔۔

''لیکن درشہوار ابھی تھوڑا ان میچورڈ لگتی ہے مجھے،میرا خیال ہے اسے گریجویشن کر لینی چاہیے۔۔''محتشم صاحب نے رنگ میں بھنگ ڈالا۔

''اس سے بھی تھوڑی عمر تھی میری،جب میں بیاہ کر اس گھر میں آئی تھی اور ویسے بھی دو چار سال بعد بھی درشہوار کی عقل میں اضافے کی مجھے تو قطعاً بھی امید نظر نہیں آتی تو اچھا ہے لگے ہاتھوں یہ قصّہ بھی نبٹ جائے۔۔''تاجدار بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے میاں کو وہ ساری داستان سنا دیں جس نے ان کی راتوں کی نیند حرام کر رکھی تھی۔

''ویسے تاجدار کی بات میں دم تو ہے، اچھا ہے گھر کی بچیوں کے فرض سے ہم جتنی جلدی سبکدوش ہو جائیں، تم کیا کہتے ہو محتشم۔؟۔'' میر حاکم آج اپنی بہو کے چینل پر ہی چل رہے تھے، ان کی بات پر تاجدار بیگم نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''دیکھ لیں بابا جان، جو بات آپ کو مناسب لگے۔۔۔''

''میری مانیں تو تایا ابا، آپ بس بسم اللہ کریں، تیاری میں ایک ہفتے میں کرلوں گی۔اسکی فکر مت کیجئے گا۔۔'' تاجدار بیگم نے بے تابی سے کہا۔

''چلیں بابا جان، اس بہانے آپکی بہو کے پیروں کی مہندی تو اترے گی ناں، ورنہ گھر کا نظام یوں ہی درہم برہم رہے گا۔۔۔'' محتشم صاحب نے بھی اپنی بیگم کا موڈ بہتر کرنے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو میر حاکم مسکرا دیئے اور انکی مسکراہٹ کے پیچھے چھپی رضامندی نے تاجدار بیگم کے سینے پر دھرا بوجھ تھوڑا کم کر دیا تھا۔۔۔

☆......☆......☆

جسٹس محمود کے بیٹے روحیل کے قتل کے واقعے میں ایک دلچسپ موڑ آیا تھا۔۔۔

رومیصہ کی آج صبح عدالت میں پیشی تھی اور وہ شہرزاد اور ارتضی کے ساتھ ٹائم پر وہاں موجود تھی۔۔۔

اسکے آنے سے پہلے ہی احاطہ عدالت میں مختلف چینلز کے رپورٹرز کی چھل پہل نظر آرہی تھی، جو آج کسی خاص خبر کے منتظر تھے اور شہرزاد نے بھی ان کو مایوس نہیں کیا۔

کمرہ عدالت میں دیئے جانے والے رومیصہ کے بیان کے ساتھ روحیل محمود کے بیسٹ فرینڈ صارم خان کی گواہی نے ہر طرف ایک تھرتھلی سی مچادی تھی۔اسکے ساتھ ہی میڈیا میں رنگ برنگی خبروں کا طوفان آگیا۔

صارم خان، شہرزاد تک رومی کے توسط سے پہنچا تھا اور اسے یہاں تک لانے میں ساری محنت ارسل کی تھی، جو خود بھی اس وقت کمرہ عدالت میں موجود تھا لیکن اس کی پوری کوشش تھی کہ وہ میڈیا کے کسی نمائندے کے سامنے نہ آئے، بلکہ صارم اور رومیصہ کے علاوہ کوئی بھی ارسل کو نہیں جانتا تھا۔

صارم خان نے دوٹوک انداز میں کمرہ عدالت میں بتایا کہ اس رات گاڑی رومیصہ نہیں کنزہ وقار چلا رہی تھی اور چونکہ صارم بھی اپنے دوست کی مدد کے لیے اپنی گاڑی پر اسکے پیچھے تھا، چنانچہ یہ سارا منظر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور صارم نے مذید یہ دعوی یہ بھی کیا تھا کہ یہ بات اس کلب کے چوکیدار کے علاوہ بھی کچھ اور لوگ جانتے تھے کہ گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر کنزہ وقار تھی۔

کورٹ سے پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے رومیصہ نے کئی دفعہ ارسل کی طرف دیکھا، جس کی آنکھوں میں اس کے لیے ایک خاموش دلاسہ تھا، اس کے وہاں ہونے کا احساس رومیصہ کو خاصی تقویت بخش رہا تھا۔

دوسری طرف میڈیا کے نمائندے وقار درانی کے گھر کے باہر ڈیرہ جما کر بیٹھ گئے تھے، اور ان کے خاندان میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی، وقار درانی کا غصّے اور پریشانی سے بُرا حال تھا کیونکہ شہزاد نے ان کی کوئی بھی کال اٹینڈ نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

''ہم انشاء اللہ یہ کیس جیت جائیں گے، میں تمہارے ساتھ ہوں۔۔۔'' رومیصہ نے ارسل کا یہ ٹیکسٹ میسج گاڑی میں بیٹھتے ہوئے پڑھا۔

''تمہاری محبت میری زندگی کے راستوں کو آسان ہی نہیں بلکہ خوبصورت بھی بنائے گی اور مجھے اس بات کا یقین ہے۔'' اس نے فوراً یہ میسج ارسل کے نمبر پر بھیج کر گاڑی کی پشت سے ٹیک لگا لی تھی۔

شہزاد اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی مسلسل اپنی کولیگز کی کالز اٹینڈ کر رہی تھی، جو اس کیس میں اس کے ساتھ کھڑے تھے۔

''ویل ڈن شیری۔۔۔ تم وکٹری اسٹینڈ کے بہت قریب پہنچنے والی ہو۔'' مسز عالیہ قریشی کی کال ہمیشہ اسکا حوصلہ بڑھاتی تھی۔

''یہ سب آپ کی وجہ سے ہے میم۔۔۔'' اس نے بھی کھلے دل سے اعتراف کیا۔

مسز عالیہ قریشی کی کال جیسے ہی بند ہوئی، انٹرنیشنل نمبر سے آنے والی اگلی فون کال نے اسکے دل کی دھڑکنوں کو بے ربط کیا، وہ لاکھوں میل کے فاصلے پر بھی اسکی ایک ایک چیز پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

''تم نے تو اس بار مجھے حیران کر دیا، کہاں سے ڈھونڈ لائی ہو تم صارم خان کو۔۔۔'' ہم زاد کے لہجے میں چھپی ستائش نے اسکے حوصلوں کو مزید بلند کیا۔

''تم ساری باتوں کو چھوڑو یہ بتاؤ میری یہ موو کیسی لگی تمہیں۔۔۔؟''

''بہت زبردست لیکن وقار درانی کے بارے میں بہت زیادہ محتاط ہو جاؤ، وہ اب تمہارے سامنے ہر قسم کا چارہ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔۔۔'' وہ امریکہ میں بھی اس کے لیے فکرمند تھا اور یہ بات شہزاد کو ہلکا پھلکا کرنے کے لیے کافی تھی۔

''آپ بس مجھے ایزی لینا چھوڑ دیں، باقی چیزیں میں خود سنبھال لوں گی۔۔۔'' شہزاد کے لہجے کی کھنک پر رومیصہ نے چونک کر اپنی بہن کی طرف دیکھا، اور پہلی دفعہ اس کے ذہن میں بھی کوئی الارم گونجا، وہ فون بند کر چکی تھی لیکن اسکے لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ ابھی بھی موجود تھی۔

دونوں بہنیں گھر پہنچیں تو ٹینا بیگم کو خلاف توقع اپنے بیڈروم سے سیٹنگ روم میں دیکھتے ہی انہیں خوشگوار حیرت ہوئی۔ ان کی نظر ابھی سیف الرحمٰن پر نہیں پڑی تھی جو سیٹنگ لاؤنج کی دائیں دیوار کے پاس رکھے سنگل صوفے پر براجمان سگار پی رہے تھے۔

''مبارک ہو شیری، درست موقعوں پر درست پتوں کا استعمال ہی کسی بیرسٹر کی کامیابی کی ضمانت ہوتا ہے ۔۔'' سیف الرحمٰن کی سنجیدہ آواز پر وہ دونوں چونکیں اور رومیصہ کا چہرہ تناؤ کا شکار ہوا۔

''تھینک یو سر۔۔۔''اس نے پروقار انداز میں جواب دیا اور ٹینا بیگم کی طرف متوجہ ہوئی۔ مام کیسی ہیں آپ۔۔۔؟''

''یہ صارم خان کہاں سے ملا تمہیں۔۔۔؟ وہ بے تابی سے گویا ہوئیں، بہت دن بعد انہوں نے روٹین لائف کے کسی مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار کیا تھا اور یقیناً اس کے پیچھے سیف الرحمٰن کی محنت اور کاوش تھی۔

''رومیصہ کے ریفرنس سے آیا تھا وہ لڑکا۔۔۔''شہرزاد نے اپنی بہن کی طرف دیکھا، جو سیف الرحمٰن کو نظر انداز کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی اور شہرزاد کو اسکی بداخلاقی پر تھوڑی شرمندگی ہوئی۔

''سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر وہ روحیل کا بیسٹ فرینڈ ہے تو اس نے رومیصہ کے حق میں گواہی کیوں دی۔۔؟''سیف الرحمٰن کے اس سوال پر وہ ہلکا سا گڑبڑائی۔

''ہم سچائی کو زیادہ دیر تک بند کمروں یا بند ذہنوں کے پیچھے نہیں چھپا سکتے۔۔۔'' وہ عین ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی اور پراعتماد انداز میں گویا ہوئی۔

''لیکن ایسی دل دکھا دینے والی سچائی جس سے اس کے بیسٹ فرینڈ کا سارا خاندان ہرٹ ہوسکتا ہے، اس کے لیے وہ کیسے راضی ہوا۔؟ میرا یہ مطلب ہے کہ اسے اس پوائنٹ تک کون لے کر آیا اور اسکا کیا مقصد تھا۔؟ وہ کیوں رومیصہ کی ہیلپ کرنا چاہتا ہے۔؟''سیف الرحمٰن نے بیوروکریسی میں اتنے سال سروکیا تھا اور ان کا چیزوں کو دیکھنے کا اپنا زاویہ نگاہ تھا۔۔۔

''بس کرو سیفی، اس بچے کا ضمیر جاگ گیا ہوگا۔۔۔''ٹینا بیگم کو ان کی باتیں بے وقت کی راگنی محسوس ہوئیں اور دوسری طرف انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں شہرزاد ان کی باتوں کا بُرا نہ مان جائے۔

''اٹس اوکے مام۔۔۔''شہرزاد نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بولنے سے منع کیا۔ وہ سیف الرحمٰن کے عین سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''آپ کے خیال میں اسکی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔۔؟''شہرزاد نے سنجیدگی سے ان کی طرف دیکھا، اس کا دماغ اسی پوائنٹ پر چلنے لگا تھا، جس پر سیف الرحمٰن اسے لانا چاہتے تھے۔

''بیٹا میں کوئی کنفرم بات تو نہیں کرسکتا لیکن ان تمام چیزوں کے درمیان میں کوئی کنکشن ایسا ہے جو نظروں سے اوجھل ہے، اور تمہیں اس کو بھی نظر میں رکھنا چاہیے کیونکہ ایسا نہ ہو کل کو خدانخواستہ ساری بساط پلٹ جائے۔۔۔''انہوں نے ڈھکے چھپے انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تھینک یو انکل، تھینک یو سو مچ۔۔۔ میں آپکا پوائنٹ بالکل سمجھ چکی ہوں۔ آپ کافی حد تک ٹھیک کہہ رہے ہیں۔۔۔''وہ ایک گہرا سانس لے کر کھڑی ہوئی۔

اور ٹینا بیگم نے حیرانگی سے سیف الرحمٰن کی طرف دیکھا۔

''ٹینا، تمہاری بیٹی بہت لائق ہے، اور اسی رفتار سے چلتی رہی تو بڑے بڑے لوگوں کے چیمبرز بند کروا دے گی۔'' اسکے سیٹنگ روم سے نکلتے ہی انہوں نے کھل کر شہزاد کو سراہا اور ٹینا بیگم بے ساختہ انداز میں مسکرا دیں، کیونکہ وہ بھی اپنی بیٹی کی بھرپور اڑان سے واقف ہو چکی تھیں۔

☆......☆......☆

یونیورسٹی میں چاروں طرف خزاں کے زرد پتوں کا راج تھا۔۔۔

مناہل کی گاڑی کیمپس کی پارکنگ میں آن رکی اور وہاں پہلے سے موجود برہان کی گاڑی دیکھ کر اسکے دل میں طمانیت کا احساس پیدا ہوا۔ برہان پچھلے دو روز سے یونیورسٹی نہیں آ رہے تھے اور مناہل نے یہ اڑتالیس گھنٹے باقاعدہ کڑھتے ہوئے گزارے تھے کیونکہ ان کا سیل فون بھی مسلسل بند تھا۔

وہ جیسے ہی اپنی گاڑی سے اتری، ٹھنڈی ہوا کے یخ جھونکے اسکے چہرے کے ساتھ ٹکرائے، زرد پتوں کو اپنے پیروں سے کچلتی ہوئی وہ اپنے آفس کی طرف بڑھ رہی تھی، ایک چھوٹی سی منڈیر پر بیٹھی ہوئی انابیہ نے حسرت بھری نگاہوں سے مناہل کی طرف دیکھا۔ وہ آج برہان کے ساتھ ہی یونیورسٹی آئی تھی اور اس وقت اپنی دوست کرن کے انتظار میں وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔

بلاشبہ انابیہ اس سے کہیں زیادہ حسین تھی اور اس کے باوجود برہان کی نظریں مناہل قریشی کے چہرے کا طواف کرتی رہتیں، تب انابیہ کو احساس ہوا کہ محبت جسمانی ساخت اور حلیے سے بے نیاز ہوتی ہے۔

مناہل نے جیسے ہی ڈیپارٹمنٹ میں قدم رکھا، پہلی کلاس کے روسٹرم کے سامنے کھڑے برہان کو دیکھ کر اس کا دل بغاوت کر گیا، وہ کچھ لمحوں کے لیے رکی اور اندر جھانک کر دیکھا، کئی اسٹوڈنٹس کی نظریں اس پر اٹھیں اور وہ ہلکی سی خفت کا شکار ہو کر تیزی سے اپنے آفس کی طرف چل پڑی۔ اپنی اس بے وقوفی پر اس نے خود کو دل ہی دل میں لتاڑا۔۔

''میم تھوڑی دیر پہلے آپ کا یہ کوریئر آیا ہے۔۔۔'' پیون نے ایک خاکی لفافہ اسکی طرف بڑھایا۔

وہ لفافہ لیے اپنے چھوٹے سے آفس میں گئی، وال کلاک کی طرف دیکھا، اسکی کلاس میں دو گھنٹے کا وقفہ تھا اور وہ اسی ڈیپارٹمنٹ میں وزیٹنگ لیکچرار تھی، اور اپنے تھیسس کے ساتھ ساتھ فرسٹ اور سیکنڈ سمسٹر کی کلاسز بھی لیتی تھی۔

اس نے کرسی پر بیٹھتے ہی احتیاط سے وہ لفافہ کھولا تو اندر سے ایک نفیس سا سلور گرے کلر کا شادی کارڈ نکلا، مناہل نے بڑی خوشگوار حیرت کے ساتھ وہ انویٹیشن کارڈ پکڑا، وہ سمجھی تھی کہ شاید کسی فرینڈ یا کلاس فیلو کی طرف سے سرپرائز ہو گا لیکن اندر کھولتے ہی جن ناموں پر اسکی نظر پڑی، ایک لمحے کو اسے پوری کائنات اپنے اوپر گرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اسکی آنکھوں کے سامنے سرخ رنگ کے دائرے ناچنے لگے

اور دل تو گویا سینے کی ساری پسلیاں توڑ کر باہر نکلنے کو بے تاب تھا۔قسمت نے اس کے ساتھ کیسا ہولناک مذاق کیا تھا، وہ یہ چیز سمجھنے سے قاصر تھی۔اس نے گھبرا کر کارڈ میز پر رکھا۔جیسے اس کے اندر کوئی آتش فشاں چھپا ہوا ہو۔اس نے لمبے لمبے سانس لے کر خود کو سنبھالنے کی پوری کوشش کی۔

اس کے بعد اس نے خوفزدہ نگاہوں سے اپنے سامنے میز پر رکھے کارڈ کو دیکھا جہاں ''میر برہان محتشم'' کے نام کے آگے لکھا'' انابیہ خاقان'' کا نام اس کا منہ چڑا رہا تھا۔وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں سمجھ گئی تھی کہ یہ انابیہ کون ہے لیکن ابھی اس کا دل و دماغ اس تلخ حقیقت کو ماننے سے سخت انکاری تھا۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

"یہ کیسے ممکن ہے بھلا۔۔۔؟؟؟" اس نے دوبارہ کارڈ اٹھایا اور اپنی آنکھوں کو زبردستی مسل کر دیکھا۔

برہان اور انابیہ۔۔۔اس کی آنکھوں کے آگے دھند کی چادر سی تن گئی۔۔

حقیقت کو بھلا آنکھیں بند کر کے کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے تبھی تو مناہل کو نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی آنکھیں کھولنی پڑیں۔اب وہ دل پر جبر کر کے اس کارڈ پر لکھے اس کے باقی فیملی ممبرز کے نام دیکھ رہی تھی۔اسکی آنکھوں سے کئی آنسو ایک ساتھ بہہ نکلے۔۔۔

اتنے سالوں کی محبت کا ایک ایک لمحہ اسکا منہ چڑا رہا تھا، برہان کے کہے ہوئے ادھورے جملے، خوبصورت گفٹس اور ان گنت یادوں کا ایک جہان تھا جو باری باری فلم کی صورت میں اسکے دماغ کی اسکرین پر چل رہا تھا اور اسے اذیت کے سمندر میں دھکیل رہا تھا۔۔

مناہل نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے وہ انویٹیشن کارڈ اپنے بیگ میں ڈالا اور سائیڈ میز پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور ایک ہی گھونٹ میں پی گئی اس کے وجود کے اندر ایک ان دیکھا آلاؤ جل اٹھا ،جس نے اسے باہر کے موسموں سے بے نیاز کر دیا تھا۔

"اتنا بڑا دھوکا۔۔۔اتنی بڑی غلط بیانی۔۔۔" اسکا دل اس تلخ حقیقت کو قبول کرنے سے انکاری تھا۔

"برہان میرے ساتھ بھلا کیسے یہ کر سکتے ہیں۔۔۔" کمرے میں گھٹن کا احساس ایکدم بڑھ گیا۔

"تمہیں اس سے بات کرنی چاہیے اور یہ کارڈ اس کے منہ پر مارنا چاہیے۔۔" دل سرکشی پر اتر آیا۔

"اس شادی کارڈ کے بعد بھی بھلا بات کرنے کی کوئی گنجائش بنتی ہے، کیا تم اپنے آپ کو اس حد تک گراؤ گی مناہل۔۔" اسکے دماغ نے اسے لتاڑا۔

"اس سے پوچھنا تو چاہیے کہ آخر اس نے یہ سب تمہارے ساتھ کیوں کیا۔؟ کیا وہ تمہارے جذبات کے ساتھ کھیل رہا تھا۔۔" دل پھر باغی ہوا۔

"اگر اس نے صاف انکار کر دیا کہ ہمارے بیچ تو ایسا کچھ تھا ہی نہیں تو بتاؤ، تمہاری کیا اوقات رہ جائے گی۔۔۔" دماغ نے ایکدفعہ پھر اسے پچھاڑ دیا اور مناہل کو اپنی عزت نفس تو محبت سے بھی زیادہ عزیز تھی، تبھی وہ اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل آئی۔

ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ کے اسسٹنٹ کو اپنی خرابی طبعیت کا بتا کر جب وہ ڈیپارٹمنٹ سے نکلی تو اس کا سر حقیقتاً چکرا رہا تھا۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ پورے کیمپس کو آگ لگا دیتی یا ایک دفعہ تو پوری زمین کو پلٹ کر رکھ دیتی۔

"کس منہ سے ہادی کا سامنا کروں گی۔۔؟" اس سوچ نے اسکے قدم سست کیے۔۔

"کیسے پاگلوں کی طرح وہ مجھے سمجھا رہا تھا اور میں نے ہی اس کی بات نہ ماننے کی قسم کھا رکھی تھی۔" اس نے بیدردی سے بازو کی پشت سے اپنی آنکھوں کو رگڑا، وہ یہاں پر کوئی تماشا نہیں کرنا چاہتی تھی۔اسی وجہ سے وہ ایک سائیڈ پر کھڑی ہو کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

پانچ منٹ کے بعد وہ جب پارکنگ کی طرف جا رہی تھی تو خود کو کافی حد تک کمپوز کر چکی تھی۔ جیسے ہی وہ پارکنگ میں پہنچی، اس کی نظر اپنی اسٹوڈنٹس انابیہ اور کرن پر پڑی۔ وہ دونوں چھوٹی سی منڈیر پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

کرن کے ہاتھ میں پکڑا وہ سلور گرے کلر کا انوٹیشن کارڈ مناہل کو ایک دفعہ پھر اذیت میں مبتلا کر گیا۔ ان کے پاس پہنچتے ہی مناہل کے قدم کچھ سست ہوئے۔

"السلام علیکم میم، کیسی ہیں آپ۔۔۔؟" کرن نے بڑے بھرپور انداز سے انہیں سلام کیا۔

"فائن۔۔۔" مناہل نے آنسوؤں کے گولے کو پورا زور لگا کر اندر کی طرف دھکیلا۔

"میم ایک سرپرائز ہے، آپکی اسٹوڈنٹ انابیہ کی رخصتی ہے سر برہان کے ساتھ۔۔۔" کرن کی بات پر مناہل ایک دم چونکی۔

"مبارک ہو انابیہ۔۔۔" نظریں چرا کر وہ بمشکل بولی۔

"تھینکس میم۔۔۔" انابیہ کے لہجے میں خوشی کی کھنک تھی۔۔

"کب ہوا تھا آپ کا نکاح۔۔۔؟" اس نے دانستہ اپنا لہجہ لاپرواہ بنا کر اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔۔

"جب برہان ڈاکٹریٹ کے لیے انگلینڈ جا رہے تھے۔۔۔"

انابیہ کے اس جملے پر مناہل کو لگا جیسے کسی نے مٹھی بھر سرخ مرچیں اٹھا کر ان کی آنکھوں میں ڈال دی ہوں۔ اعتماد اور بھروسے کی بھاری بھرکم دیوار اسی کے نازک وجود پر آن گری جو اس نے برہان کی محبت کے اردگرد قائم کر رکھی تھی۔۔

"میم، آپ تو آئیں گی ناں۔۔؟" کرن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ مناہل کا بازو پکڑ کر ابھی سے اسے شادی ہال میں پہنچا دیتی۔

"کوشش کروں گی۔۔" مناہل بمشکل مسکرائی اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی اور انکی چال کی لڑکھڑاہٹ کو انابیہ نے واضح انداز میں محسوس کیا۔

مناہل نے بمشکل گاڑی کو ریورس کر کے تیزی سے کیمپس سے نکالا، آنکھوں کے گرد تنی آنسوؤں کی چادر کی وجہ سے اسے سامنے کا راستہ دیکھنے میں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ بار بار بازو کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑ رہی تھی، اور جب ضبط کرنا بس سے باہر ہو گیا تو اس نے گاڑی ایک سائیڈ پر کھڑی کی اور اسٹیرنگ پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ڈیش بورڈ میں رکھے سیل فون پر آنے والی برہان کی کال نے اس کی اذیت میں مذید اضافہ کیا، اس نے غصے سے فون اٹھایا اور بیدردی سے اسکی کال کاٹ کر اپنا فون ہی پاور ڈ آف کر دیا۔

☆......☆......☆

موسم کافی حد تک بدل چکا تھا۔۔۔

درختوں پر کھلنے والے شگوفے بہار کی آمد کا کھل کر اعلان کر رہے تھے لیکن شہرزاد کے سامنے بیٹھی ہوئی اس بچی کے چہرے پر خزاں کا راج تھا۔

سندس کی آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے اور چہرے پر بے بسی، غربت اور لاچارگی کے رنگ اتنے نمایاں تھے کہ شہرزاد کو مجبوراً اسکے پورے وجود سے نگاہ ہٹانی پڑی۔اس کے دل پر گویا گھونسہ ہی تو آن لگا تھا۔

''کیا نام بتایا تم نے۔۔۔؟؟؟'' شہرزاد نے دوبارہ تصدیق کرنے کے انداز میں پوچھا۔

''وہاج محتشم۔۔۔!!!'' سندس کے چہرے پر نفرت کا ایک جہان آباد ہوا۔

''تم لوگوں کے پاس اس چیز کا کیا ثبوت ہے۔۔۔؟؟''

''صندل کا لکھا ہوا آخری خط۔۔۔'' سندس نے ہاتھ میں پکڑا صفحہ احتیاط سے شہرزاد کی طرف بڑھایا، جو اس نے جلدی سے تھام لیا۔

شہرزاد کی نظریں جوں جوں اس صفحے پر پھسل رہی تھیں، ویسے ویسے اسکے چہرے پر سنجیدگی کا تاثر بڑھتا جا رہا تھا، سندس آج وعدے کے مطابق شہرزاد کے کمرے میں موجود تھی اور تھوڑی بہت تفصیل تو شہرزاد پہلے ہی جان چکی تھی لیکن سیاق و سباق سے بیان کیا جانے والا یہ واقعہ میر فیملی کی پوری سیاست کو ہلا دینے کے لیے کافی تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو۔۔۔؟'' رشیدہ مائی جو ٹرے میں کافی کا مگ لیے شہرزاد کے کمرے میں آئی تھی، اپنی چھوٹی بیٹی کو وہاں دیکھ کر خوفزدہ ہوئی۔

''رشیدہ آپ نے اپنی بیٹی کے قاتلوں کو اتنی آسانی سے معاف کر دیا۔۔۔؟''

شہرزاد کے لہجے میں کچھ تھا، رشیدہ مائی کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے ہلکی سی لرزی اور اس نے گھبرا کر ٹرے میز پر رکھی، اسکے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''شیری بی بی، ہمارے اندر اتنا دم نہیں ہے کہ ان سے لڑ سکیں۔اللہ ان سب کو غارت کرئے۔۔''

''اس لیے تم نے سوچا کہ گھر بیٹھ کر بد دعائیں دے کر اپنی بیٹی کا بدلہ لے لوگی۔۔۔''

''اللہ بہترین بدلہ لینے والا ہے بی بی، ہم بہت کمزور لوگ ہیں، اتنا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔۔۔'' رشیدہ کی آنکھوں سے صاف خوف چھلک رہا تھا۔

''اور قیامت والے دن اپنی بیٹی کو کیا جواب دوگی، کیسے سامنا کروگی اس کا۔۔۔؟'' شہرزاد کے سنجیدہ انداز پر رشیدہ کی آنکھوں سے آنسو چھلکے۔

''وہ جانتی ہے کہ اس کے والدین میں اتنی طاقت نہیں کہ ظالموں کا گریبان پکڑ سکیں۔۔۔''

''جانتی ہو رشیدہ، تم جیسے مظلوموں کا یہی رویّہ، ظالموں کو مزید ظلم کرنے کے لیے اکساتا ہے، کیا تم یہ چاہتی ہو کہ کسی اور کی بیٹی کے ساتھ بھی وہی کچھ ہو جو تمہاری صندل کے ساتھ ہوا۔۔۔؟''شہزاد نے اسکی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

''اللہ نہ کرے جی، کوئی ماں اس قیامت سے گذرے، مجھے تو صندل کی سسکیاں آج بھی سکون سے سونے نہیں دیتیں، میری راتوں کی نیند حرام ہو چکی ہے۔''

رشیدہ مائی نے اس دفعہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

''سکون کی نیند سونا چاہتی ہو تو تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔۔۔''

''آپ اماں ابا کو چھوڑیں، میں آپکا ساتھ دوں گی، اس خبیث کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بجھوا کر ہی دم لوں گی۔۔۔''رشیدہ سے پہلے اسکی بیٹی سندس بے تابی سے گویا ہوئی تو شہزاد نے جانچتی نگاہوں سے اس لڑکی کا چہرہ کھوجا، جس کے چہرے پر بدلہ لینے کی دھن سوار تھی۔

''ہوسکتا ہے ہمیں صندل کی ڈیڈ باڈی کا پوسٹ مارٹم کروانا پڑے، ہوسکتا ہے ہمیں، اس کے لیے اس حد تک جانا پڑے، جو تم لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو، لیکن میرا وعدہ ہے کہ میں ہر مرحلے پر تم لوگوں کا ساتھ دوں گی۔۔۔''شہزاد نے انہیں مطمعن کرنے کی پوری کوشش کی۔

''میرے پاس سرکاری ہسپتال کی ڈاکٹرنی کی رپورٹ ہے، جو میں نے کسی کو نہیں بتائی تھی۔۔''رشیدہ نے نظریں چرا کر کہا تو شہزاد چونکی، جبکہ سندس نے گلہ آمیز نگاہوں سے اپنی ماں کو دیکھا، جو اتنا بڑا راز اپنے دل میں چھپائے بیٹھی تھی۔

''کہاں ہے وہ رپورٹ۔۔۔؟''وہ بے تابی سے گویا ہوئی

''میرے ٹرنک میں، میں آپکو لا کر دیتی ہوں۔۔۔''

رشیدہ مائی دس منٹ کے بعد ایک خاکی لفافے کے ساتھ آئی تو اس میں موجود رپورٹس دیکھ کر شہزاد کو حیرت کا دھچکا لگا، الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ کے ساتھ موجود دو تین ٹیسٹوں کی رپورٹس میر فیملی کے تابوت میں آخری کیلیں ٹھونکنے کے لیے کافی تھیں۔

ان دونوں سے تفصیلی بات چیت کرنے کے بعد شہزاد، رومیصہ کے بیڈ روم کی طرف آ گئی، ہلکا سا دروازہ ناک کر کے وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی، رومی نے بڑی پھرتی سے سیل فون اپنے کانوں سے ہٹا کر کال منقطع کی۔ وہ شاید نہیں یقیناً کسی سے بات کر رہی تھی، اسکے چہرے پر پھیلنے والی اس بوکھلاہٹ کو شہزاد نے بطور خاص نوٹ کیا۔

''آؤ شیری، مام کیسی ہیں اب۔۔۔؟''رومیصہ نے اپنے تاثرات کو بڑی تیزی سے نارمل کیا۔

''پہلے سے کافی بہتر ہیں وہ، اور مجھے لگتا ہے دو چار دن میں اپنا سیلون بھی جوائن کر لیں گی۔۔۔''

''دیٹس گریٹ۔۔۔کافی منگواؤں تمہارے لیے۔۔۔''رومیصہ کے اس نارمل رویئے پر وہ چونکی۔

''کم آن رومی، تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میں تمہارے پاس مہمان آئی ہوں۔۔''شہرزاد نے کھوجتی نگاہوں سے اسکے ہاتھ میں پکڑا سیل فون دیکھا، جس کی آواز سائلنٹ تھی لیکن اس پر بلنک کرنے والا نمبر وہ نہیں پڑھ سکتی تھی۔اسکی نظروں کے تعاقب میں رومیصہ نے گھبرا کر سیل فون کی طرف دیکھا اور جلدی سے فون ہی پاورڈ آف کر دیا۔

وہ جانتی تھی کہ دوسری طرف موجود ارسل اس کے اچانک کال بند کر دینے پر ٹھیک ٹھاک پریشان ہو چکا ہوگا، تبھی وہ بار بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور شہرزاد نے دانستہ اس بات کر نظر انداز کیا، سیف الرحمٰن کی باتوں نے اسکا زاویۂ نگاہ بدل دیا تھا۔

''رومی، صارم خان تمہیں کہاں ملا تھا۔۔؟؟؟''اس کی طرف سے آنے والا یہ سوال خاصا غیر متوقع تھا، اس لیے وہ ہلکا سا بوکھلائی۔

''اس نے خود مجھ سے رابطہ کیا تھا۔۔''رومیصہ کی اطلاع پر اس نے استعجابیہ نگاہوں سے اپنی بہن کی طرف دیکھا ۔''کیسے۔۔؟

''کچھ دن پہلے اپنے گھر آیا تھا وہ۔۔'' اس نے نظریں چرا کر جھوٹ بولا۔

''اچھا تم نے مجھ سے تو اس کا ذکر نہیں لیا، لیکن خیر وہ یہ فیور تمہیں کیوں دینا چاہتا ہے۔۔۔؟''شہرزاد نے اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھا۔

''صارم کا کہنا ہے کہ میرے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، اس لیے وہ ہر حال میں سچائی کا ساتھ دے گا۔۔''

'دیکھو رومیصہ، کوئی ایسی بات تو نہیں جو بعد میں ہمارے لیے مسئلہ کھڑا کر دے، بہتر ہوگا کہ تم اس اسٹیج پر مجھ سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش مت کرنا۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا شیری، ڈونٹ وری۔۔''رومیصہ نے سائیڈ میز پر رکھا چائے کا کپ اٹھایا اور گھونٹ بھرا، اور اگلے ہی لمحے اسکے چہرے کے تاثرات میں بڑا تغیر رونما ہوا اور وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر واش روم کی طرف بھاگی۔

''کیا ہوا رومی۔۔۔''شہرزاد اس کے پیچھے لپکی۔

''کچھ دن سے معدہ بہت زیادہ گڑبڑ کر رہا ہے، لگتا ہے تیزابیت ہو رہی ہے مجھے۔۔''وہ نڈھال انداز سے واش روم سے نکلی تو شہرزاد نے تشویش بھری نگاہوں سے اپنی بہن کی طرف دیکھا۔

''ڈونٹ بی سلی یار، تم ڈاکٹر انکل کو فون کرو یا پہلی فرصت میں ان کے کلینک کا وزٹ کرو، اپنی صحت کے معاملے میں ایسی لاپرواہی بالکل اچھی نہیں۔''

''کل جاؤں گی ڈاکٹر کے پاس۔۔۔''رومیصہ نے اسے صاف ٹالا۔

''اور یہ چائے کا کپ ایک سائیڈ پر رکھو، خبر دار اپنا معدہ مزید جلانے کی ضرورت نہیں۔۔''

شہرزاد نے اسکے ہاتھ سے چائے کا کپ زبردستی پکڑ کر ایک سائیڈ پر رکھا تو وہ اسکے محبت بھرے انداز پر مسکرا دی، دونوں بہنوں کے درمیان ایسا تعلق بہت سالوں بعد قائم ہوا تھا اور رومیصہ اس کے لیے بہت زیادہ ترسی تھی۔

☆......☆......☆

درشہوار نے ماں کی طرف ایسے دیکھا، جیسے وہ پاگل ہو گئی ہوں۔۔۔

''کیا کہا آپ نے۔۔۔؟'' اسے لگا جیسے اسکی سماعتوں کو دھوکا ہوا ہو، اس نے بے یقینی سے اپنے سامنے بیٹھیں ہوئیں تاجدار بیگم کو دیکھا، جو آج بطورِ خاص اس کے کمرے میں موجود تھیں۔۔

''کیوں کانوں میں تیل ڈال رکھا ہے تم نے۔۔۔'' وہ ہلکا سا چڑ کر مزید گویا ہوئیں۔

'دو دفعہ بتا چکی ہوں، تمہارے داجی کا فیصلہ ہے کہ انابیہ کے ساتھ ساتھ تمہاری بھی ارسل کے ساتھ رخصتی ہو گی۔۔''

''داجی تو واقعی ہی سٹھیا گئے ہیں ان سے کہیں کہ یہ ان کا اللہ اللہ کرنے کا ٹائم ہے، اوٹ پٹانگ، فیصلے کرنے کا نہیں۔۔۔''

درشہوار نے بدتمیزی کی انتہاء کر دی، تاجدار بیگم نے بوکھلا کر اس کے کمرے کا دروازہ بند کیا کہ کہیں بیٹی کی باغیانہ آواز باہر کسی کے کانوں تک نہ پہنچ جائے۔

''دماغ تو لگتا ہے تمہارا خراب ہو گیا ہے، اچھی طرح جانتی ہو، ہمارے ہاں صرف خاندانوں میں شادیوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔۔'' انہوں نے دانستہ طور پر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ان فیصلوں کا اطلاق کیا صرف خاندان کی عورتوں پر ہی ہوتا ہے، خاقان چچا کی خفیہ شادیوں کی گنتی بھول گئیں آپ۔؟'' اسکی خودسری سے پہلی دفعہ تاجدار بیگم کو خوف آیا اور انہیں اپنے بیٹے برہان کا فیصلہ بالکل درست محسوس ہوا۔

''ان خفیہ شادیوں کا انجام بھول گئی ہو تم۔؟ کون جانتا ہے ان عورتوں کو، آج بھی خاقان کے حوالے سے صرف شارقہ اور ندرت کا نام ہی لیا جاتا ہے۔'' تاجدار بیگم نے اس خاندان کی سب سے لاڈلی اور ضدی لڑکی کو جھنجھلا کر دیکھا۔

''مجھے اس چیز سے کوئی غرض نہیں، لیکن مجھے داجی کا یہ فیصلہ بھی منظور نہیں، میں ابھی اور اسی وقت ان کو خود انکار کر کے آتی ہوں۔۔'' درشہوار فیصلہ کن انداز

اٹھی اور تاجدار بیگم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا، انہوں نے گھما کر ایک زناٹے دار تھپڑ درشہوار کے منہ پر دے مارا، اسے دن میں تارے نظر آ گئے۔

''اپنے منہ سے ایک لفظ بھی نکالا تو زبان کاٹ کر رکھ دوں گی۔۔۔'' انہوں نے انگلی اٹھا کر مشتعل انداز سے اسے وارننگ دی،

درشہوار نے بے یقین نگاہوں سے اپنی ماں کا یہ روپ پہلی دفعہ دیکھا۔

''تم کس بھول میں ہو۔۔؟اس گھر میں اگر تمہیں پلکوں پر بیٹھا رکھا جاتا ہے تو یہ مت سمجھنا کہ تم میں کوئی سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں،اس کے پیچھے تمہارے ماں باپ کی اتنے سالوں کی محنت اور ریاضت ہے،ورنہ تین بیٹوں کی ماں کو کس طرح تمہارے باپ نے پورے خاندان کے سامنے آسمان سے اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا،یہ واقعہ اتنا پرانا نہیں۔۔۔''تاجدار بیگم کا لہجہ سرد اور کاٹ دار تھا۔

درشہوار کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں،ابھی تو اس نے محبت کی پہلی اڑان بھری تھی اور اس کے پر کاٹ دینے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔

تاجدار بیگم اسے ٹھیک ٹھاک سنا کر کمرے سے نکلیں تو وہ بھی تیر کی طرح برہان کے کمرے میں پہنچی،اب اسکا آخری سہارہ اسکا یہی بھائی تھا۔جس کی وہ آجکل خوب چہیتی تھی اور اسے یقین تھا کہ وہ اس کا ساتھ ضرور دیں گے۔۔

دوسری طرف برہان،جب سے کیمپس سے گھر آئے تھے،مناہل کا نمبر ڈائل کر کر کے ان کی انگلیاں تھک گئیں تھیں،مناہل کا سیل نمبر مسلسل پاورڈ آف جا رہا تھا اور جیسے جیسے وقت گذر رہا تھا،برہان کے دل میں مختلف وہم سر اٹھا رہے تھے۔۔

''آخر کیا ہوا مناہل کو جو وہ مجھ سے ملے بغیر گھر چلی گئی۔۔؟''وہ اپنی کلاس لے کر سیدھے اسکے آفس پہنچے تو پیون نے اطلاع دی کہ میڈم،خراب طبعیت کی وجہ سے اپنی ساری کلاسز کینسل کر کے گھر جا چکی ہیں۔

اس اطلاع نے انہیں حیران کم اور پریشان زیادہ کیا،کیونکہ آخری دفعہ مناہل نے جب نے ان کے کلاس روم میں جھانکا تھا تو اس وقت اسکا چہرہ خاصا تروتازہ اور فریش تھا،انہیں بہت زیادہ سوچنے کے بعد بھی ایسی کوئی بیماری یا کمزوری اسکے چہرے پر محسوس نہیں ہوئی۔

وہ اپنی سوچوں سے الجھ رہے تھے اور انہیں اندازہ نہیں ہوا کہ درشہوار ان کے بیڈروم کا دروازہ کھول کر اندر آ چکی تھی،برہان نے ایک لاتعلق سی نگاہ اس پر ڈالی اور اسکے چہرے پر موجود سراسیمگی سے انہیں اندازہ ہو گیا کہ تاجدار بیگم اس پر ارسل کے نام کا بم پھوڑ چکی ہیں۔

''بھائی،مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔۔''وہ ان کے سامنے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں چٹختے ہوئے ہلکا سا جھجک کر گویا ہوئی۔

''اگر ارسل والا معاملہ ہے تو آئی ایم سوری،میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا،کیونکہ میرے خیال میں یہ ایک بہترین فیصلہ ہے۔''انہوں نے اس کے بولنے سے پہلے ہی اسے ہری جھنڈی دیکھائی۔ویسے ہی انہیں درشہوار پر بے تحاشا غصّہ تھا،جو ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتی آئی تھی۔

درشہوار نے بوکھلا کر اپنے خاندان کے سب سے زیادہ پڑھے لکھے شخص کو دیکھا،ان کے چہرے پر بھی وہی سختی،رعونت اور تکبر نظر آیا جو اس گھر کے زیادہ تر مردوں کے چہروں سے چھلکتا تھا۔اپنے بھائی کا چہرہ اسے پہلی دفعہ اجنبی سا محسوس ہوا۔

''یہ میری زندگی ہے بھائی،اور مجھے اس چیز کا اختیار ہونا چاہیے کہ میں اپنی پسند سے کوئی فیصلہ کر سکوں۔۔''درشہوار نے اپنا

مقدمہ لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

"آج تک تم اپنے لیے کوئی ڈھنگ کے کپڑوں اور جوتوں کا انتخاب تو کر نہیں پائیں، اور زندگی کا فیصلہ خود کرو گی، درشہوار کچھ تو عقل سے کام لو۔۔" برہان کے استہزائیہ اندار پر وہ شاکڈ نظروں سے انکی طرف دیکھنے لگی۔۔

"ارسل میں کیا برائی ہے۔؟ وہ اس خاندان کا ویل ایجوکیٹڈ اور سینس ایبل لڑکا ہے اور اسکا ساتھ کسی بھی لڑکی کے لیے فخر بن سکتا ہے۔۔" وہ رکھائی سے بھرپور انداز سے بولے۔

"بھائی میں میں نے ارسل کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا۔۔" اسکی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں۔

"ہم اپنے خاندان کی لڑکیوں کو اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتے کہ وہ کسی شرعی تعلق سے پہلے کسی بھی لڑکے کو اس نظر سے دیکھنے کی کوشش کریں، تم بھی اپنی حدود میں رہو تو بہتر ہوگا۔۔۔" برہان نے ایکدفعہ پھر اس کی طبعیت درست کی۔

"بھائی، آپ کسی بات پر خفا ہیں مجھ سے۔۔" درشہوار کے منہ سے نکلنے والے اس سوال پر برہان ہلکا سا جھنجھلائے۔

"میں کیوں خفا ہوں گا تم سے، اور جاؤ مجھے اسٹوڈنٹس کی کچھ اسائمنٹس چیک کرنی ہیں۔۔ انہوں نے بے رخی کی انتہاء کر دی۔

درشہوار نے چند لمحے اپنے بھائی کے چہرے پر موجود بے رخی اور بیزاری کو جانچنے کی کوشش کی اور پھر اکتا کر باہر نکل آئی، سامنے سے ارسل گنگناتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے پورشن کی طرف جا رہا تھا، درشہوار کو اسے دیکھ کر کرنٹ سا لگا۔

"ایک منٹ ارسل، میری بات سنو پلیز۔۔" وہ بھاگ کر سیڑھیاں چڑھی اور حیران پریشان ارسل کا بازو پکڑ کر اسے دوبارہ نیچے لان کی طرف لے آئی۔ وہ گھر میں آنے والے اس طوفان سے بالکل بے خبر تھا۔

☆......☆......☆

مونیکا، لاہور میں ذوالکفل کے ساتھ ایک نئی زندگی کی شروعات کر چکی تھی۔

وہ اس کے لیے اللہ کا بہترین تحفہ تھا، شادی کے بعد اس کے شوہر نے سب سے پہلے اسکے شناختی کارڈ پر نام تبدیل کر کے اسکا پاسپورٹ بنوایا تھا۔ ذوالکفل کا تعلق معاشی طور پر ایک مضبوط خاندان سے تھا۔

وہ لبرٹی میں اپنے ایک ذاتی فلیٹ میں رہتا تھا اور اس کے پاس اپنے استعمال کے لیے ایک بہترین گاڑی تھی، وہ مونیکا کو باتوں باتوں میں کئی دفعہ بتا چکا تھا کہ اس کے والدین ٹھیک ٹھاک لینڈ لارڈ ہیں لیکن مونیکا نے کبھی ان باتوں میں دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔

ان دونوں کے فائنل ایگزام چل رہے تھے اور گھر سے آنے والی کالز سے اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ میکائیل پاکستان آ چکا ہے اور گھر میں اسکی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں اور دوسری طرف جوزف نے اپنے مکان کے سلسلے میں پریشر ڈالنے والے لوگوں سے اپنی بیٹی کی شادی تک مہلت مانگ لی تھی۔ اس لیے وہاں بھی کافی سکون تھا۔

وہ سارا کچن سمیٹ کر عشاء کی نماز پڑھ کر کمرے میں آئی تو ذوالکفل بیڈ پر لیٹا ہوا کوئی کتاب پڑھنے میں مگن تھا، وہ اس کے برابر میں آن کر لیٹ گئی، اور اس نے اپنے شوہر کے بازو پر بڑی مان اور چاہت کے ساتھ اپنا سر رکھا۔

''کیا بات ہے آج بہت لاڈ آ رہے ہیں۔۔'' وہ کتاب کا صفحہ پلٹتے ہوئے مسکرایا۔

''مجھے اپنے گھر والوں سے کب ملوائیں گے۔۔۔؟'' اس فرمائش پر وہ حیران ہوا۔

''خیریت۔؟ آج بیٹھے بیٹھائے گھر والے کہاں سے یاد آ گئے۔۔'' اس نے کتاب بند کر کے سائیڈ میز پر رکھ دی۔

''ہم اپنی اس شادی کو کب تک اپنے اپنے خاندانوں سے چھپا سکتے ہیں۔۔۔؟'' وہ کچھ فکرمند تھی۔

''جب تک ہم دونوں اپنے اللہ کے گھر سے حاضری دے کر واپس نہیں آ جاتے۔۔۔'' ذوالکفل کی اس بات پر وہ بے چینی سے اٹھ بیٹھی۔

''کیا ہم جا رہے ہیں۔؟ اور کب۔۔۔'' ایک فطری خوشی نے اس کے سارے وجود کا احاطہ کیا۔

''انشاءاللہ اسی ہفتے ویزہ لگ کر آ جائے گا اور اس کے فوراً بعد ہم نکل جائیں گے۔۔'' اپنے شوہر کی اس بات پر اسکا دل تشکر کے گہرے احساس سے بھر گیا اور اسے بے اختیار ہی اپنے اللہ پر پیار آیا۔۔

اگلے دن وہ آخری پیپر دے کر گھر آئی تو مارتھا کی کال نے اسے تشویش میں مبتلا کیا، وہ اسے فوراً ملتان واپس آنے کا کہہ رہی تھیں۔

''میرے دو پیپرز ابھی رہتے ہیں، میں اتنی جلدی نہیں آ سکتی۔۔۔'' اس نے دل پر جبر کر کے جھوٹ بولا، تو دوسری طرف مارتھا کو مایوسی ہوئی۔

''تمہاری شادی کی ڈیٹ فکس کر دی گئی ہے۔۔۔'' اس اطلاع نے اسے پریشان کیا۔

''آپ کو اتنی جلدی کرنے کی کیا ضرورت تھی، مجھے سکون سے پیپرز تو دینے دیں۔۔'' وہ ہلکا سا جھنجھلا گئی۔

''تمہارے پیپرز اس اتوار تک مکمل ہو جائیں گے اور تم فوراً واپس آ جانا، بیچ میں پورے ایک ہفتے کا گیپ ہے۔۔'' مارتھا اپنا پورا حساب کتاب کر چکی تھی اور ویسے بھی یہ اس کے گھر کی پہلی شادی تھی اس لیے اس کے والدین کا پریشان ہونا بنتا تھا۔۔

''اچھا ٹھیک ہے۔۔۔'' مونیکا نے بیزاری سے کہہ کر فون بند کر دیا، اور خود سر پکڑ کر بیٹھ گئی، اسے اس وقت شدت سے احساس ہوا کہ اسے اپنے والدین کو اس شادی کا بتا دینا چاہیے کیونکہ اس کی شادی میں بہت کم دن رہ گئے تھے۔ سارا دن اسکا پریشانی میں گزرا۔

رات کو ذوالکفل بڑے پرجوش انداز میں گھر آیا اور اس نے اسے عمرے کا ویزہ لگنے کی خوشخبری سنا دی۔ جسے سن کر کئی سیکنڈ کے لیے اسکا منہ کھلا اور پھر بند ہونا بھول گیا، وہ اس کے اندرونی احساسات کا بہت اچھی طرح سے اندازہ کر سکتا تھا۔ مونیکا خاموش تھی لیکن اسکی آنکھوں سے بے آواز آنسو بہہ رہے تھے اور اسکا رواں رواں اپنے خدا کا مشکور تھا۔

ٹھیک پانچ دن بعد جب اسے اپنی شادی میں شرکت کرنے کے لیے ملتان جانا تھا، وہ اس وقت سعودیہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی اور مارتھا کے گھر میں ایک کہرام مچا ہوا تھا کیونکہ مونیکا کا ڈاک کے ذریعے بھیجا جانے والا خط اس کے گھر والوں کو مل چکا تھا جس میں اس نے اپنی شادی کا اعتراف کر کے نکاح نامے کی فوٹو کاپی اور ایک تصویر بھیجی تھی اور اس نے ان کے پورے گھر پر ایک قیامت برپا کر دی تھی، وہ شاید اسکی شادی کو قبول بھی کر لیتے لیکن ان کے نزدیک اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرنا ایک ایسی غلطی تھی جسے وہ لوگ مر کر بھی معاف نہیں کر سکتے تھے۔

☆......☆......☆

مری کے پہاڑوں پر جمی برف پر موسم بہار نے کوئی اثر نہیں ڈالا۔۔

البتہ دھوپ کھل کر نکلنے کی وجہ سے پہاڑیاں چمکنے لگی تھیں۔۔۔ایسا لگتا تھا جیسے قدرت نے ہر طرف سفید رنگ کا چونا پھیر دیا ہو۔

ہادی اور سعد آفس سے ابھی ابھی گھر پہنچے تو مسز قریشی کی کال نے اسے بوکھلا دیا۔

"ہادی تم فوراً گھر پہنچو، مناہل کا شاید کسی دوست سے جھگڑا ہو گیا ہے اور وہ سب کچھ چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے آج رات دوبئی جا رہی ہے اور وہاں سے پرسوں فلائیٹ ہے اسکی جدہ کی۔۔۔"

"لیکن ابھی تو اس کے تھیسس کا ڈیفنس باقی ہے، آپ نے پوچھا نہیں، کہ کیا مسئلہ ہے ۔۔۔" وہ پریشان ہوا۔

"مجھے کچھ نہیں بتا رہی وہ، بہت زیادہ ڈپریشن کا شکار ہے، اللہ جانے کیا ہوا ہے، ہادی میرا تو دل سخت گھبرا رہا ہے اور تمہارے پاپا بھی سمجھا سمجھا کر تھک گئے ہیں اسے۔۔۔" مسز قریشی کا لہجہ پریشانی میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ماما پلیز ڈونٹ ووری میں، آ رہا ہوں۔۔۔" اس نے سامنے رکھی کھانے کی ٹرے سے نظریں ہٹائیں اور اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی۔ سعد نے پریشانی سے اسکا چہرہ دیکھا۔ "کیا ہوا۔۔۔؟ سب خیریت تو ہے ناں۔۔؟"

"شاید معاملہ کچھ گڑبڑ ہے، ماما کی کال آئی ہے کہ مناہل اچانک دوبئی جا رہی ہے، اس لیے مجھے اسلام آباد جانا ہو گا۔۔۔"

"کوئی پریشانی کی بات ہے تو میں تمہارے ساتھ چلوں۔۔؟" سعد بھی فوراً کھڑا ہوا۔

"تم کیا کرنے جاؤ گے۔۔۔؟" وہ حیران ہوا۔۔

"ظاہر ہے رات کو تم واپس تو آؤ گے ناں، کل ورکنگ ڈے ہے، اچھا ہے میں بھی اسلام آباد میں ایک دو کام نبٹا لوں گا۔۔۔ چلو پھر کھانا بھی گھر جا کر ہی کھاتے ہیں۔۔" ہادی اپنے ملازم کو ضروری ہدایات دے کر باہر نکلا۔

اس کی گاڑی جیسے ہی میر ہاؤس کے سامنے سے گذری، سامنے والے لان میں ارسل کے ساتھ بیٹھی درشہوار نے سر اٹھا کر بے تابی سے اسکی طرف دیکھا، ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ہادی کو دیکھ کر اسکا دل بے اختیار دھڑکا۔ ہادی نے کوفت بھرے انداز میں گاڑی کو اسپیڈ دی۔

وہ دونوں ایک گھنٹے بعد گھر پہنچے تو مناہل کا بڑا بریف کیس اور ساتھ ایک ہینڈ کیری ٹی وی لاؤنج میں رکھا ہوا تھا، جبکہ مسز قریشی اور عبداللہ صاحب پریشانی کے عالم میں وہیں موجود تھے، ہادی کے دوست سعد کو دیکھ کر مسز قریشی نے خود پر ضبط کیا، ورنہ وہ اسے دیکھتے ہی شروع ہو جاتیں۔۔

''کہاں ہے منو۔۔؟''اس نے بھی لاپرواہی سے پوچھا۔۔

''اپنے روم میں۔۔۔''جواب اسکے باپ کی طرف سے آیا۔۔

''سعد تم ماما، پاپا کے پاس بیٹھو، میں ذرا اس سے مل کر آتا ہوں۔۔۔''وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مناہل کے کمرے کے باہر پہنچا، ہلکا سا دروازہ ناک کر کے وہ اندر داخل ہوا، سامنے مناہل ڈریسنگ کے سامنے کھڑی لپ اسٹک لگا رہی تھی، اسے دیکھ کر وہ دانستہ ہلکا سا رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''ہیلو ڈرامہ کوئین، یہ کیا چل رہا ہے گھر میں۔۔۔؟''

''پتا تھا مجھے ممانی جان اب تمہیں ہی بلوائیں گی۔۔۔''اس نے آئی شیڈ اٹھا کر اپنی آنکھوں کا میک اپ گہرا کرنے کی دانستہ کوشش کی۔

ہادی کو اسکے انداز میں ایک غیر معمولی پن سا محسوس ہوا، وہ آہستگی سے اسکے پیچھے آن کھڑا ہوا، ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں مناہل کا افسردہ چہرہ، متورم آنکھیں اور نڈھال وجود صاف دیکھائی دے رہی تھیں۔۔

''آنکھوں کی سرخی اور اداسی کو دنیا کا کوئی میک اپ نہیں چھپا سکتا۔۔۔''اس نے نرمی سے آئی شیڈ اسکے ہاتھ سے پکڑ کر دوبارہ ڈریسنگ پر رکھا۔

''کیا بات ہے۔۔۔۔؟ وہ جانچتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔

''کیا چھپا رہی ہو تم مجھ سے۔۔۔؟اس نے اگلا سوال کیا۔۔

''کچھ نہیں۔۔۔''مناہل کا چہرہ زرد ہوا۔۔

''ادھر دیکھو میری طرف۔۔۔''ہادی نے زبردستی کندھے سے پکڑ کر اسکا چہرہ اپنی طرف کیا۔

مناہل کا خود پر لگایا ہوا ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا، وہ جذباتی انداز میں اسکا بازو پکڑ کر بچوں کی طرح سسکنے لگی۔ چند گھنٹوں میں وہ بالکل ٹوٹ چکی تھی، برہان نے اسکا سارا مان توڑ دیا تھا۔

وہ محبت جس کے بل بوتے پر وہ ساری دنیا کو فتح کرنے کے لیے نکلی تھی، وہی محبت ایک کونے میں کھڑی اسکا منہ چڑا رہی تھی۔

''منو، میری جان کیا ہوا ہے۔۔؟''وہ ایکدم گھبرا گیا اور اسے اپنے ساتھ لگا کر نرمی سے تھپکنے لگا، وہ کسی خوفزدہ بچی کی مانند اسکے

چوڑے شانے سے چپکی ہوئی بے اختیار رو رہی تھی، اور اسکے آنسو، ہادی کی شرٹ کو نم کرنے کے ساتھ ساتھ اسکے دل میں طرح طرح کے خدشات ابھار رہے تھے۔

''برہان نے کچھ کہا ہے تم سے۔۔۔؟'' اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا، اس بات پر اس کے رونے کی شدت میں اضافہ ہوا تو ہادی کو اپنے سارے اندیشے سچ ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔

''کیا کہا ہے اس نے تمہیں۔۔۔؟'' اسکا دل بے ہنگم انداز میں دھڑکا۔۔''بتاؤ مجھے، ورنہ میں ابھی جا کر اسکا گریبان پکڑ لوں گا۔۔۔''

''اسے کچھ بھی مت کہنا، مجھے اس جیسے خودغرض اور جھوٹے انسان سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔ میرے لیے وہ صبح دس بج کر سولہ منٹ پر مر گیا تھا۔۔''

''اچھا تو اس کی تدفین کرنے جا رہی ہو دوبئی۔۔۔؟'' اس نے ہلکا پھلکا انداز اپنایا۔

''بس یہی سمجھ لو، تم سچ کہتے تھے، وہ پورا خاندان ہی جھوٹوں کا ہے، لوگوں کے جذبات سے کھیلتے ہیں وہ لوگ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ انہیں اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا۔۔۔'' وہ بُری طرح سے ٹوٹ چکی تھی۔

''لیکن پتا بھی تو چلے کہ آخر اس کی اصلیت کیسے کھل کر تمہارے سامنے آئی۔۔؟'' وہ حیران ہوا۔

''مناہل نے اپنے بیگ کی زپ کھول کر اندر سے ایک انویٹیشن کارڈ نکالا اور اسکی طرف بڑھایا وہ اسے کھولے بغیر بھی جان سکتا تھا کہ یہ کس کی شادی کا کارڈ ہے، اسے مناہل کا دکھ اپنے اندر اترتا ہوا محسوس ہوا۔

''اتنے سالوں سے اسکا نکاح ہو چکا تھا اسکی کزن انابیہ کے ساتھ اور اس نے یہ بات مجھ سے چھپائے رکھی۔۔۔'' وہ ایک دفعہ پھر رو دی۔

''تم نے اسے کچھ کہا نہیں۔؟ اس کا منہ نہیں توڑا، جب اس نے یہ کارڈ تمہیں دیا۔۔۔'' ہادی کو ایکدم غصّہ آیا۔

''اسے تو علم بھی نہیں کہ میں اسکی حقیقت جان چکی ہوں۔۔۔'' وہ آنکھوں میں پھیلا ہوا کاجل ٹشو سے صاف کرنے لگی۔

''تمہیں درشہوار نے بتایا ہے کیا۔۔۔؟''

''نام مت لو اس لڑکی کا بھی میرے سامنے، وہ بھی اپنے بھائی کی طرح خودغرض اور دو نمبر ہے، مجھ سے کئی دفعہ فون پر بات کی لیکن اس نے بھی کبھی اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا، یہ کارڈ تو شاید انابیہ نے پوسٹ کیا ہے مجھے۔۔۔''

''انابیہ۔۔۔ یہ کون ہے۔۔۔؟'' وہ ہلکا سا چونکا۔

''برہان کی کزن، جو میری اسٹوڈنٹ بھی ہے اور اسی کے ساتھ نکاح ہوا ہے اس چیپ انسان کا۔۔'' مناہل فل ٹائم اس پر تپی

ہوئی تھی۔

''ادھر بیٹھو اور اب تفصیل سے بتاؤ کہ کس نے تمہیں کیا بتایا ہے۔۔؟''

وہ خاموشی سے مناہل کی داستان سنتا رہا، اس کے پاس بتانے کے لیے کچھ بہت زیادہ ڈیٹیل نہیں تھی لیکن محبت کے اس سفر میں اتنی بڑی بے ایمانی نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب وہ مسلسل بیس منٹ بولنے کے بعد چپ ہوئی تو اسکا اچھا خاصا کتھارسس ہو چکا تھا۔

''منو، تم اس شخص کے لیے اپنا کیئریر تباہ کرو گی جو اتنے سال تمہیں بے وقوف بناتا رہا۔۔'' ہادی نے نرمی سے اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنائیت سے پوچھا۔

''میں اسکی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔۔'' وہ بچگانہ انداز میں بسوری۔۔

''بے وقوف لڑکی، ایسے لوگوں کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونے کا ہی تو اصل لطف ہے، تم کہیں نہیں جاؤ گی، اسی کیمپس میں رہ کر اسکا سامنا کرو گی، وہ خود تم سے نظریں چھپاتا پھرے گا، کیونکہ دھوکا اس نے دیا ہے، تم نے نہیں۔۔''

''یہ بہت مشکل ہے، میں نہیں کر پاؤں گی۔۔'' اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

''یہ کوئی مشکل نہیں ہے، تم اس کو روز آئینہ دیکھاؤ گی، وہ روز مرے گا۔ تم سے چھپنے کے لیے اسے دنیا میں کوئی اوٹ نہیں ملے گی، اگر میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤ گی تو وہ تو مزے سے اپنی نئی زندگی میں مگن ہو جائے گا۔۔'' ہادی کی بات پر اس نے نظریں اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔

''تم بالکل ٹھیک کہتے ہو ہادی، میں اسے ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گی، لیکن ابھی مجھے جانے دو۔۔'' اس نے نظریں چرائیں تو وہ جھنجھلا گیا۔

''آخر کیوں۔۔؟ جو کام کل کرنا ہے وہ آج کیوں نہیں۔۔''

''اسکی شادی کا ہنگامہ جیسے ہی ختم ہو گا، میں واپس آ جاؤں گی، ابھی میں اتنی بہادر نہیں ہوئی ہوں، مجھے تھوڑا ٹائم دو پلیز۔۔''

ہادی نے کارڈ کھول کر شادی کی ڈیٹ دیکھی۔ ''پھر وعدہ کرو مجھ سے، دس اپریل کو تم یہاں اپنے کمرے میں دوبارہ موجود ہو نگیں۔۔۔''

اس نے نرمی سے اسکا ہاتھ پکڑ کر اس سے وعدہ لیا تو مناہل نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ویسے بھی کتھارسس کے بعد وہ اب کافی ریلکس تھی اور اسی لیے جب وہ مسکراتی ہوئی باہر نکلی تو مسز قریشی کے ساتھ ساتھ عبداللہ صاحب نے بھی سکون کا سانس لیا۔ سامنے صوفے پر بیٹھے سعد نے چونک کر اس لڑکی کو دیکھا، اسکی آنکھیں رونے کے بعد خاصی نکھر گئی

تھیں، لیکن پورے وجود پر ایک محسوس کی جانے والی سوگواریت کا راج تھا۔

سعد کی نظریں بھٹک کر مناہل کیے چہرے کا طواف کر رہی تھیں، یہ ان دونوں کی پہلی باضابطہ ملاقات تھی اور مناہل نے اسے بالکل بھی مخاطب نہیں کیا تھا، حالانکہ ہادی نے دونوں کا تعارف بھی کروایا تھا۔۔۔

''چلو بھئی سعد، اسکوائیر پورٹ پھینک کر پھر ہم مری کے لیے نکلتے ہیں۔۔۔'' ہادی ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ میز پر رکھ کر کھڑا ہوا۔

''منو جلدی واپس آنا ہے بیٹا، ورنہ ہمارا گھر ویران ہو جائے گا۔۔۔'' مسز قریشی نے اسکے ماتھے کا بوسہ لیا۔

''ہادی کی شادی کریں ناں، کب تک خالی ہاتھ لٹکا تا پھرے گا۔۔۔'' اس نے خود کو فریش ظاہر کرنے کی دانستہ کوشش کی۔

''اگلی بار تم دونوں کو ایک ساتھ ہی نبٹائیں گے۔۔۔'' عبداللہ صاحب نے محبت بھرے انداز میں کہا۔۔

''ایسی باتیں تو لازمی کریں آپ، تاکہ وہ ڈر کر واپس آنے کا ارادہ ہی ملتوی کر دے۔۔۔'' ہادی نے اپنی گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔

''بے فکر رہو، تمہاری بہن ہوں، بزدل نہیں ہوں میں۔۔۔'' مناہل نے خود کو سعد کی نظروں سے بچانے کے لیے اپنے بیگ سے گلاسز نکال کر آنکھوں پر لگائے اور گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

وہ گھر سے نکلتے نکلتے سعد کا سارا سکون بھی ساتھ ہی چرا کر لے گئی تھی۔۔۔

☆......☆......☆

ارسل کو تو لگتا تھا کسی نے مسلسل چلنے کی بددعا دے دی تھی۔۔۔

پچھلے ایک گھنٹے سے وہ لگاتار اپنے ہی کمرے میں ٹہل رہا تھا، درشہوار نے جو صور اسکے کانوں میں پھونکا تھا، اسکی بازگشت سے ابھی بھی اسے اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔۔۔

''ارسل، اب سوچ لو تم، کیا کرنا ہے۔۔۔'' درشہوار تازہ دم ہو کر دوبارہ اسکے کمرے میں موجود تھی۔

''یہ شادی تو میں بالکل نہیں کر سکتا۔۔۔'' اس نے رومیصہ کی آنے والی کال کاٹتے ہوئے اسے اطلاع دی۔

''تو میں کون سا مری جا رہی ہوں تم سے شادی کرنے کے لیے، اسی لیے تو کہہ رہی ہوں، کچھ کرو، برہان بھائی نے تو صاف ہری جھنڈی دیکھا دی ہے اور باقی کسی سے مجھے کوئی امید نہیں، اب صرف تم رہ گئے ہو۔۔۔'' وہ بُری طرح چڑ کر گویا ہوئی۔۔

''لیکن مجھ سے تو ابھی تک کسی نے اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کی، نہ نانا ابا نے نہ ماموؤں میں سے کسی نے مجھ سے میری رائے مانگی، آخر میری رضامندی کے بغیر میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ یہ لوگ کیسے کر سکتے ہیں۔۔۔'' وہ بُری طرح سے تپا ہوا تھا۔

''اس لیے کہ وہ تمہیں اس قابل نہیں سمجھتے کہ تم سے کچھ پوچھیں، تم تو ان کے غلام ہو، ظاہر ہے انہوں نے تمہاری پرورش کی ہے

،اب اس چیز کا خراج تو تمہیں دینا ہی پڑے گا۔۔۔'' درشہوار مسلسل اسے بھڑکا رہی تھی۔

''میں ان کے گاؤں کا کوئی کمی کمین نہیں ہوں، جو ان کی خیرات پر پلا ہوں، میرے والدین کروڑوں کی جائیداد چھوڑ کر مرے ہیں، ان کی ایک ایک چیز میں میرا اور نمیرہ کا حصّہ نکلتا ہے۔'' وہ آتش فشاں کی مانند پھٹا۔

''یہ باتیں مجھے نہیں، ان سب کو بتانے کی ضرورت ہے، جو بیٹھ کر دوسروں کی زندگیوں کے فیصلے کرتے ہیں۔۔۔'' درشہوار انتہائی بدظن ہو چکی تھی اور برہان سے مایوس ہو کر اب اس نے ڈاریکٹ ارسل کی مدد لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔۔

اسی وقت ملازمہ ہلکا سا دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوئی، دونوں نے چونک کر اسکی طرف دیکھا، ارسل کا بلاوہ آ چکا تھا اور درشہوار اسے کمرے سے نکلنے تک بھڑکا رہی تھی۔ یہی وجہ سے تھی کہ جب وہ میر حاکم کے خواب گاہ تک پہنچا تو اسکا دماغ اس وقت کھول رہا تھا۔

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی اسے دھچکا لگا، سامنے اسکے دونوں ماموں، میر خاقان، میر محتشم کے ساتھ حاکم علی خود بھی موجود تھے اور پاس ہی خوشی سے بحال انداز میں بیٹھیں ہوئی ندرت بیگم موجود تھیں، جنہیں زندگی میں پہلی بار یہ اعزاز بخشا گیا تھا کہ وہ اس خاندان کے کسی فیصلے کا حصّہ بن سکیں، اس لیے ان کی یہ خوشی ان کے برابر میں بیٹھیں ہوئی انکی جیٹھانی تاجدار بیگم کو سخت ناگوار گزر رہی تھی۔

ارسل نے اندر داخل ہوتے ہی سب کو ہلکا سا گڑ بڑا کر سلام کیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت گھر کے سبھی بڑے یہاں موجود ہونگے۔ وہ خاموشی سے سامنے رکھے کاؤچ پر میر خاقان سے قدرے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

میر حاکم علی اپنی چھڑی پر زور دے کر کھڑے ہوئے، وہ اپنے سارے اہم فیصلے اسی طرح کھڑے ہو کر کیا کرتے تھے۔ یہ ان کا مخصوص انداز تھا جو اس گھر کے سبھی مکین جانتے تھے۔

''دیکھو ندرت، تمہارا تعلق ہمارے خاندان سے براہ راست تو نہیں لیکن شجرہ نسب کہیں نہ کہیں سے آپس میں جا ملتا ہے اور ہم نے تمہیں خاقان کی دوسری بیوی کے حوالے سے کھلے دل سے قبول کیا۔۔'' میر حاکم کی اس غیر متعلقہ بات پر ارسل کے ساتھ ساتھ ندرت بھی چونکیں۔

''تمہیں اللہ نے اولاد نہیں دی تو ہم نے اپنا نواسہ اور نواسی دونوں تمہاری گود میں ڈال دیئے، اور مڑ کر تم سے نہیں پوچھا کہ تم نے ان کی تربیت کیسے کی۔؟ ان کو کیسے پالا، انہیں خاندانی روایات سکھائیں یا نہیں سکھائیں۔۔؟'' میر حاکم کی اس بات پر ندرت بیگم ہلکا سا سہم گئیں۔

''آج تک اس گھر میں ہونے والے فیصلوں میں کبھی کسی کی اولاد سے یہ نہیں پوچھا گیا کہ انہیں ہمارا یہ فیصلہ منظور ہے کہ نہیں، کیونکہ ہمیں اپنی اولاد پر پورا مان اور بھروسہ ہوتا ہے۔۔'' ان کی اس بات پر ارسل کے دل و دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی۔

''ابا جی، انشاء اللہ ارسل اور نمیرہ بھی کبھی آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔۔'' وہ محتاط انداز میں گویا ہوئیں۔

ندرت بیگم کی اس بات پر ارسل نے دہل کر اپنی ماں کا چہرہ دیکھا، جنہوں نے اسے جنم نہیں دیا تھا لیکن ان دونوں بہن بھائیوں کو اس وقت گود میں لیا، جب انہیں ماں کی سخت ضرورت تھی، انہوں نے اپنی راتوں کی نیندیں ان دو بچوں کے لیے حرام کیں، اور خاندانی معاملات میں ان کے لیے ویسے ہی بولیں، جیسے کہ ایک ماں اپنے بچوں کے حق میں بولتی ہیں۔

کمرے میں سناٹے کا راج تھا۔ میر حاکم علی ٹہل رہے تھے اور اسی وقت ارسل کے سیل فون کی گھنٹی نے کمرے کے ماحول میں ارتعاش برپا کیا۔۔ اس نے بوکھلا کر رومیصہ کی کال کاٹی۔ شاید دوسری طرف اسکا دل بھی کسی انہونی کے احساس کو جگا چکا تھا۔

"اب وہ وقت آچکا ہے کہ ہم اپنے ان بچوں کی زندگیوں کے بارے میں بھی کچھ فیصلے کر سکیں۔۔۔" وہ دوٹوک انداز میں گویا ہوئے۔

اس سے پہلے کہ ارسل میر حاکم کے لہجے کی سنگینی پر غور کرتا، اس کے سیل فون کی مترنم گھنٹی ایک دفعہ پھر گونجی اور میر حاکم کے ضبط کی دھجیاں اڑا گئی۔ ایسی گستاخی کی اجازت تو انہوں نے کبھی اپنے بیٹوں کو نہیں دی تھی، جو اپنے باپ کے پاس کسی خاص پنچایت کے دوران اپنے سیل فونز کی آوازیں بند کر کے بیٹھتے تھے۔

میر حاکم علی غصے سے آگے بڑھے، ارسل کے ہاتھ سے سیل فون چھینا اور کمرے کی کھڑکی کھول کر مشتعل انداز سے باہر اچھال دیا۔ کمرے میں موجود سب لوگوں کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ ارسل کی تو یہ حالت تھی جیسے کاٹو تو بدن سے لہو کا ایک قطرہ نہ نکلے۔۔۔

"تم نے اسے یہ تمیز سکھائی ہے، بڑوں کی محفل میں بیٹھنے کی۔۔۔" انہوں نے ندرت بیگم کو جھاڑا تو ندرت کا منہ سرخ ہو گیا۔

"آئی ایم سوری۔۔۔۔!!!" ارسل کے سارے حوصلے پست ہو گئے۔

"آپ صرف اپنا فیصلہ سنائیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔۔" خاقان علی نے کمرے کے ماحول کو تھوڑا ٹھنڈا کرنے کی دانستہ کوشش کی۔ ویسے بھی وہ اس وقت ارسل کے سرپرست کی حیثیت سے یہاں موجود تھے۔۔

"فیصلہ یہی ہے کہ انابیہ کی رخصتی کے ساتھ درشہوار کا ارسل سے نکاح ہو گا۔۔" ان کے اس اعلان پر ارسل کا رنگ اڑا۔

"اور اس کے ساتھ ساتھ میرا یہ فیصلہ بھی ہے کہ نمیرہ اور شاہ میر کی منگنی کا بھی اعلان کر دیا جائے۔۔"

حاکم علی کے اگلے فیصلے پر تاجدار بیگم پر تو گویا خودکش حملہ ہوا انہوں نے حواس باختہ نظروں سے اپنے سسر کو دیکھا، جنہوں نے اس فیصلے کی کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی، انہوں نے بے چینی سے پہلو بدلا کیونکہ وہ جانتی تھیں شاہ میر اس فیصلے پر طوفان کھڑا کر دے گا، قدرت نے ان کی اولاد کو آزمائش کی صورت میں ان کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔۔۔

"کسی کو میرے فیصلے پر اعتراض تو نہیں۔۔۔؟؟؟" میر حاکم علی نے رسماً پوچھا۔

ارسل نے احتجاجی نظروں سے ندرت بیگم کی طرف دیکھا، جن کی آنکھوں میں اس وقت التجا کا ایک جہان آباد تھا بس ہاتھ جوڑنے کی کسر باقی رہ گئی تھی، حاکم علی کے اس فیصلے نے جہاں ارسل کی بتی بجھائی تھی وہاں میر خاقان کا دل بھی خاصا خراب کیا جو اپنی بیٹی طوبی

کے لیے شاہ میر کا سوچ بیٹھے تھے اور چونکہ ان کے ہاں خاندان سے باہر شادیوں کا کوئی رواج نہیں تھا اس لیے انہیں ابھی سے اپنی بیٹی کسی غلط فیصلے کی بھینٹ چڑھتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

☆......☆......☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔۔۔

شہرزاد کا دروازہ زور زور سے بجا، وہ گہری نیند سے بیدار ہوئی اور اس نے وال کلاک پر ٹائم دیکھا تو صبح کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔ اس نے ہڑبڑا کر دروازہ کھولا تو سامنے ملازمہ نیند بھری آنکھوں کے ساتھ موجود تھی اور اسکے ہاتھ میں کارڈلیس تھا۔

''بی بی جی، کسی صاحب کی بار بار کال آ رہی ہے اور آپ سے بات کروانے کا کہہ رہے ہیں۔۔۔''

''مجھ سے۔۔۔'' اس نے پریشانی سے ریسیور پکڑا۔۔۔

''شہرزاد اپنا سیل فون آن کرو، میں تمہیں کال کر رہا ہوں۔۔۔'' ہم زاد کے لہجے کی سنگینی پر اسکا دل دھڑکا، اس نے بے اختیار سائیڈ میز پر موجود اپنا سیل فون چارجر سے اتارا، جسے اس نے رات سوتے وقت بے دھیانی میں پاور ڈ آف کر دیا تھا۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔۔'' اس نے روم کا دروازہ لاک کر کے اپنے سیل فون کو آن کیا۔۔۔

''میں مانتی ہوں اس وقت امریکہ میں دن ہوگا، لیکن انسان کم از کم دوسروں کی ٹائمنگز کا ہی خیال کر لیتا ہے۔۔۔'' اس نے ہم زاد کی کال اٹینڈ کرتے ہی شکوہ کیا، لیکن دوسری طرف سے آنے والی اطلاع نے اسکے چودہ طبق روشن کر دیئے۔۔

''میرے پاس تمہارے لیے ایک اہم اطلاع ہے۔۔''

''وہ کیا۔۔۔؟'' شہرزاد کی دھڑکن بے ربط ہوئی۔

''رومیصہ کیس کے اہم گواہ، صارم خان کا مرڈر کر دیا گیا ہے۔۔'' اس نے اسکی سماعتوں میں بم گرایا۔

''واٹ۔۔۔؟'' وہ ایک دم چیخی۔۔۔ ''کب، کس وقت۔۔۔؟''

''ابھی ایک گھنٹہ پہلے اور بظاہر یہ ڈکیتی کی واردات ہے لیکن میرے سورسز بتاتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں۔۔۔''

''اوہ مائی گاڈ۔۔۔!!! کس نے کیا یہ سب۔۔۔؟''

''وہی جو رومیصہ سہگل کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھنا چاہتے ہیں، سنو شہرزاد تم ارتضی سے کہہ کر اپنے گھر کی سیکورٹی بڑھا دو، یا مجھے بتاؤ، میں کچھ پرائیوٹ گارڈز کا انتظام کر دیتا ہوں۔۔۔'' وہ اتنی دُور بھی اس کے لیے پریشان ہو رہا تھا۔

''کیا رومی کی جان کو بھی خطرہ ہے۔۔۔؟'' وہ فطری پریشانی میں مبتلا ہوئی۔

''نہیں۔۔۔'' ہم زاد کی بات پر وہ چونکی۔ ''تو پھر ایسی بات کیوں کر رہے ہیں آپ۔۔۔؟''

"شہزاد تمہاری جان کو خطرہ ہے اور تمہیں کچھ ہو، یہ میں ہونے نہیں دوں گا، میں کل واپس آ رہا ہوں۔۔" وہ فون بند کر چکا تھا اور شہزاد کی آنکھوں سے نیند غائب ہو گئی۔ اس نے کچھ سوچ کر ارتضی حیدر کا نمبر ملایا، گہری نیند میں ڈوبی ہوئی آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی۔

"ارتضی، میں شہزاد بات کر رہی ہوں۔۔" اس کی فون کال نے دوسری طرف موجود ارتضی کی بھی نیند غارت کی۔ "خیریت تو ہے ناں سب۔۔؟"

"صارم خان کا مرڈر ہو گیا ہے تھوڑی دیر پہلے۔۔۔"

"کیا۔۔؟" فون کال کی دوسری جانب موجود ارتضی کو بھی دھچکا لگا۔ "ایک منٹ مجھے ٹی وی آن کرنے دیں۔۔"

کچھ ہی سیکنڈ کے بعد کمرے میں ٹی وی کی آواز گونجنے لگی، وہ تیزی سے چینلز سرچ کر رہا تھا۔ "ٹی وی پر تو ایسا کچھ نہیں چل رہا، میں اس علاقے کے پولیس اسٹیشن میں فون کر کے رپورٹ لیتا ہوں۔۔"

"ارتضی میں اپنے سورسز کے مطابق کہہ رہی ہوں ناں، کہ اسکا ایک ڈکیتی کے واقعے میں مرڈر کر دیا گیا ہے، تو آپکو یقین کر لینا چاہیے۔۔" اسکا جتاتا ہوا لہجہ ارتضی کو خفت میں مبتلا کر گیا، تبھی اس نے ہلکا پھلکا انداز اپنایا۔

"بہت تیز سورسز ہیں آپ کے، میڈیا سے پہلے آپکو اطلاع پہنچ گئی۔۔۔"

"میرا تو خیال ہے، اس علاقے کے تھانے میں بھی یہ خبر نہیں پہنچی ہو گی، آپ وہاں پہنچ کر اس کا کریڈٹ لے سکتے ہیں۔۔" شہزاد نے طنزیہ لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے فون بند کر دیا۔ دوسری طرف وہ خاصا شرمندہ ہو چکا تھا۔

اسے اپنے کمرے میں گہری گھٹن کا احساس ہوا، اور وہ اپنے کمرے میں موجود ٹیرس کی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

اسکا کمرہ گھر کے مین گیٹ کے عین سامنے تھا، جہاں سے لان اور باہر سڑک کا منظر بھی صاف دکھائی دیتا تھا، گیٹ پر موجود چوکیدار کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا اور سیکورٹی گارڈز اسے کہیں نظر نہیں آئے، اس نے اپنے سیل فون سے چوکیدار کا نمبر ملایا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔

"فضل، سیکورٹی گارڈز کدھر ہیں دونوں۔۔۔" شہزاد کی آواز نے چوکیدار کو الرٹ کر دیا۔

"بی بی جی، باہر والے کیبن میں ہونگے۔۔۔"

"چیک کر کے مجھے بتاؤ۔۔۔" اس نے فون کال بند نہیں کی، لیکن وہ اس سیاہ رنگ کی کار کو دیکھ کر ضرور چونکی، جو اسکی گلی سے پانچ منٹ کے وقفے کے بعد دوبارہ گذری تھی۔ چوکیدار کے ساتھ ڈھیلے ڈھالے انداز میں اندر آنے والے سیکورٹی گارڈز کو اس نے ٹیرس پر کھڑے بھانپ لیا تھا کہ وہ انہیں گہری نیند سے بیدار کر کے لایا ہے۔۔

شہزاد تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اتر کر اپنے سیٹنگ روم میں پہنچی اور دروازہ کھول کر جیسے ہی باہر نکلی، سیکورٹی گارڈز اسے دیکھ کر الرٹ ہو گئے۔ اگلے دس منٹ ان کی جھاڑ پٹی کر کے وہ اوپر پہنچی۔ اسے ہم زاد کی باتوں نے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ

زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اپنے
حوالے سے وہ کبھی بھی زیادہ کونشس نہیں ہوئی تھی۔

لیکن صارم خان کی موت نے اسے پھر ایسے پوائنٹ پر لا کھڑا کیا تھا، جس میں رومیصہ کو آنے والے دنوں میں کافی مسائل کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا، دور سے آنے والی فجر کی پہلی اذان پر اس نے وضو کیا اور اپنے اللہ کے سامنے گڑگڑا کر دعا کی۔

صبح وہ ناشتے کے لیے ڈائننگ ہال پہنچی تو سامنے رومیصہ اور ٹینا بیگم کو انتہائی صدمے کی کیفیت میں پایا، ٹینا بیگم ہاتھ میں چائے کا مگ پکڑے بیٹھیں تھیں اور انہیں شاید اس بات کا احساس ہی نہیں تھا تبھی چائے پر گہری ملائی کی تہہ جم چکی تھی۔۔

''شیری، تمہیں صارم کا پتا چلا۔۔؟'' رومی نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

''ہاں، کیا بتا رہے ہیں ٹی وی پر۔۔؟ وہ خود کو کافی کمپوز کر چکی تھی، ٹینا بیگم نے انتہائی حیرانگی سے اسکا پرسکون چہرہ دیکھا۔

''ٹی وی پر تو اسے کوئی ڈکیتی کی واردات بتا رہے ہیں لیکن اسکا باپ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اسکے بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کیا گیا ہے۔۔'' ٹینا بیگم نے افسردگی سے اسے بتایا تو شہرزاد نے چونک کر رومیصہ کی طرف دیکھا، جو ہاتھ میں پکڑا ٹوسٹ کھانا بھول گئی تھی۔

''رومی۔۔۔!!!'' اس نے محبت سے اپنی بہن کو پکارا، تو اس نے چونک کر دیکھا، اسکی نیلگوں آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

''ڈونٹ ووری، میری جان، کچھ نہیں ہوگا۔۔'' شہرزاد نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے دلاسا دیا۔

''صارم تو بہت اچھا انسان تھا شیری، ان لوگوں نے اسے کیوں مار دیا۔۔'' وہ اسکے گلے لگ کر سسکنے لگی۔

''بے فکر رہو، جو کسی پر ناحق ذرا سا بھی ظلم کرے گا اسے اسی دنیا میں اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔۔'' وہ رومی کو بہت محبت سے سمجھا رہی تھی جب ہمزاد کی کال نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''جی۔۔۔!!!'' اس نے رومی کی موجودگی میں محتاط انداز اپنایا۔

''میجر توصیف، تمہارے گھر کے باہر موجود ہیں، ان کو اندر بلوا لو۔۔''

''لیکن کیوں۔۔؟'' وہ ہلکی سی پریشان ہوئی۔

''وہ گھر میں تمام سیکورٹی انتظامات کا جائزہ لیں گے اور جن جن جگہوں پر کیمروں کی ضرورت ہوگی، وہ لگوا دیں گے، ان کے ساتھ رضا ہے، جو آج سے تمہارے ساتھ گاڑی، آفس، کورٹ بلکہ ہر جگہ موجود ہوگا۔۔''

''اب یہ رضا کس خوشی میں میرے ساتھ ہوگا۔۔؟'' وہ ہلکا سا جھنجھلا کر کھڑی ہوئی۔

''میری خوشی کے لیے۔۔'' اسکا دوٹوک انداز شہرزاد کو ایک دم چپ کروا گیا دوسری طرف وہ مزید پوچھ رہا تھا۔

''میری اتنی سی خوشی اگر قابل قبول نہیں ہے تو بتا دو میں منع کر دیتا ہوں۔۔'' وہ ضرورت سے زیادہ حساس ہوا۔

''اٹس اوکے۔۔میں آفس کے لیے نکل رہی ہوں۔اجازت ہے۔۔''اس کے طنزیہ انداز پر وہ مسکرایا۔

''ایسے مت پوچھا کرو، مجھے خود پر مجازی خدا کا گمان ہونے لگتا ہے۔۔''اسکی شرارت پر شہرزاد ہلکا سا مسکرائی، کیونکہ رات سے وہ پہلی دفعہ اسے تھوڑا پرسکون لگا تھا ورنہ اس کے لہجے کی سنگینی، اسے پریشان کر رہی تھی۔وہ فون پر بات کرتے ہوئے باہر نکلی، سامنے، میجر توصیف اس کے پورچ میں کھڑے سیکورٹی گارڈز سے گفت وشنید کر رہے تھے۔

''میں بعد میں بات کرتی ہوں۔۔۔''اس نے فون بند کیا۔۔

''آپ بیرسٹر شیری ہیں شاید، مجھے اسپیشل آرڈرز کے طور پر بجھوایا گیا ہے یہاں۔۔''اس نے فوراً آگے بڑھ کر اپنا تعارف کروایا۔

''کس کو رپورٹ کریں گے آپ۔۔۔۔؟''شہرزاد نے انجان بن کر پوچھا۔۔

''ہیڈکوارٹر میں لیفٹیننٹ جنرل خالد صاحب کو۔۔۔''

''اوکے، آپ آئیں، میں ممی سے ملوادوں آپ کو۔۔۔

ٹینا بیگم اور رومی، یونیفارم میں موجود اس آفیسر کو دیکھ کر ہلکی سی پریشانی میں مبتلا ہوئیں، لیکن شہرزاد نے انہیں کسی طرح مطمئن کر ہی دیا۔صارم والے واقعے کی وجہ سے وہ دونوں کافی اپ سیٹ تھیں۔

رضا سے اس نے آفس کے راستے میں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے انٹرویو لے لیا تھا، وہ تیس بتیس سال کا ایک دراز قد، چوڑے شانوں والا پراعتماد سا نوجوان تھا، اور کسی پرائیوٹ سیکورٹی کمپنی سے وابستہ تھا اور اس انٹرویو سے وہ کافی حد تک مطمئن ہوگئی۔۔۔

جیسے ہی وہ آفس میں پہنچی، مسز قریشی کے آفس میں ہادی کے ساتھ ارتضی حیدر کو دیکھ کر ہلکا سا چونکی، ارتضی رات والی بات کی وجہ سے کچھ شرمندہ سا دکھائی دے رہا تھا، اس نے دونوں کو مشترکہ سلام کیا۔

''ہادی آپ کب آئے۔۔؟''اس نے ارتضی کو نظر انداز کر کے اس سے پوچھا۔۔

''بس ایک پرانے کیس کے کچھ حوالہ جات چاہیے تھے، اس لیے صبح صبح آنا پڑا۔''وہ ایک فائل کے ڈاکومنٹس کو غور سے دیکھتا ہوا لاپرواہی سے گویا ہوا۔اسی وقت شہرزاد کے سیل فون پر دوبارہ ہم زاد کا نمبر بلنک کیا۔

''ایکسکیوزمی۔۔۔''اس نے معذرت خواہانہ نظروں سے سب کی طرف دیکھا اور کال اٹینڈ کر کے آفس سے باہر نکل آئی۔

''میں نے تمہارے گھر کے دونوں سیکورٹی گارڈز کو فارغ کر دیا ہے اور انکی جگہ پر میجر توصیف شام تک نئے لوگوں کو بجھوا دے گا۔۔''اس اطلاع پر وہ ہلکی سی کوفت کا شکار ہوئی۔۔''آخر کیا ضرورت تھی ان کو نکالنے کی، ممی مائنڈ کریں گی۔۔''

''ایسے ڈفر لوگوں کو نکالنے پر مائنڈ نہیں کرنا چاہیے بلکہ شکریہ کہنا چاہیے، ابھی تھوڑا مصروف ہوں، شام کو تفصیل سے بات ہوگی۔''

وہ فون بند کر چکا تھا، شہزاد بیزاری سے سر جھٹک کر اندر آئی تو ارتضی حیدر مسز قریشی کے ساتھ صارم خان کے مرڈر کیس کو ہی ڈسکس کر رہا تھا اور ان دونوں کے چہروں پر تشویش کے سائے تھے۔۔

''ارتضی، کچھ مذید پیش رفت ہوئی اس کیس میں۔۔۔؟'' وہ ارتضی کے عین سامنے آ کر بیٹھ گئی۔۔

''کیس تو واقعی مشکوک ہے، کیونکہ ڈاکو، گھر سے کوئی خاص قیمتی چیز نہیں لے کر گئے اور فیملی کے بیانات کے مطابق اس وقت صارم اپنے کمرے میں سو رہا تھا، اور ایسی صورت میں کسی مزاحمت کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔'' اس نے تفصیلا بتایا۔

،اس لیے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اسے قتل کیوں کیا گیا ہے۔۔'' وہ اپنے سامنے کافی کا رکھا کپ اٹھا کر سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''یقیناً اس کے پیچھے رومی والا کیس ہی ہے۔۔'' مسز عالیہ قریشی نے تبصرہ کیا، جبکہ ہادی ان کی گفتگو سے بے نیاز اپنے کام میں مگن تھا۔

''مجھے تو کنزہ وقار کے والد کا کارنامہ لگ رہا ہے۔۔'' شہزاد نے کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''لیکن جسٹس محمود کی فیملی کو بھی ہم نظر انداز نہیں کر سکتے کیونکہ یہ گواہی ان کے بیٹے کے خلاف جا رہی تھی، کیونکہ صارم نے اگلی پیشی میں کھل کر روحیل کی رومیصہ کے ساتھ کی جانے والی بدتمیزی کے بارے میں بھی بتایا تھا۔۔'' ارتضی کی بات پر وہ چونکی اور اثبات میں سر ہلایا، ارتضی کی بات میں دم تو تھا۔

''میرے خیال میں شیری، ہمیں ان کے ہاں افسوس کے لیے جانا چاہیے۔۔۔'' مسز عالیہ قریشی نے اچانک کہا۔

''جی، ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، میں بھی یہی سوچ رہی تھی لیکن بہتر ہو گا کہ ہم ایک دو دن ٹھہر جائیں۔۔۔'' اس نے فوراً ہی جواب دیا۔

''ہاں تھوڑا رش بھی کم ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ کچھ نئی چیزیں بھی سامنے آ جائیں گی۔۔۔'' وہ فوراً متفق ہوئیں۔

''مام، میں نکلتا ہوں، میرا کام ہو گیا ہے۔۔'' ہادی نے جلدی جلدی اپنے سیل فون میں ڈاکومنٹس کی چند تصویریں بنا کر فائل بند کی۔

''ہادی، آپ سے مجھے بھی ایک ضروری کام تھا۔۔۔'' شہزاد نے اچانک اسے مخاطب کیا۔

''خیریت۔۔۔'' وہ چونکا اور ارتضی نے بطور خاص سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی کا سادہ، شفاف چہرہ دیکھا، اس پر کوئی خاص تاثر نہ پا کر وہ مطمئن ہوا۔۔

''ایک دو دن میں، ارتضی کے ساتھ آپکے آفس کا چکر لگاؤں گی، پھر وہاں بیٹھ کر ڈسکس کریں گے۔۔'' اس بات نے تو ارتضی کو اور بھی ریلکس کر دیا۔

''شیور۔۔اوکے مام ٹیک کیئر۔۔۔'' وہ ان سے مل کر تیزی سے آفس سے نکل گیا۔۔

''ہر وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتا ہے یہ لڑکا۔۔'' مسز عالیہ قریشی کے لہجے میں اپنے بیٹے کے لیے محبت ہی محبت تھی، وہ بھی مسکرا کر خاموشی سے چائے پینے لگی، ارتضیٰ بھی اٹھ کر اپنے آفس جا چکا تھا۔

☆......☆......☆

پورے میر ہاؤس میں گویا صف ماتم بچھ گئی تھی۔۔۔

ہر کوئی ایک دوسرے سے نظریں چرائے گھوم رہا تھا، حاکم صاحب کے فیصلوں نے بہت سے لوگوں کے ہونٹوں پر احتجاجی خاموشی کی مہر لگا دی تھی، ایسے عالم میں ایک صرف درشہوار تھی، جو باغیانہ انداز میں پورے گھر میں پاؤں پٹختی ہوئی گھوم رہی تھی۔

شارقہ بیگم کا رو رو کر بُرا حال تھا اور انابیہ ان کو سمجھانے کے چکروں میں بے حال تھی، جبکہ نمیرہ کی گالوں پر لالیاں بکھری ہوئی تھیں، وہ شاہ میر کو دل ہی دل میں کافی پسند کرتی تھی لیکن اسے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ قدرت اسے اتنی آسانی سے اس کی گود میں ڈال دے گی، جبکہ طوبیٰ ابھی تک شدید صدمے کی کیفیت میں مبتلا تھی، اس نے شاہ میر کی اپنے فون پر آنے والی پچیسویں کال کو بھی اٹینڈ نہیں کیا تھا۔

شاہ میر دو دن پہلے ہی گھر شفٹ ہوا تھا اور اس وقت آتے جاتے تاجدار بیگم کو سرخ آنکھوں کے ساتھ گھور رہا تھا۔

''خدا کے لیے میرو، بس درشہوار کے نکاح تک چپ کر جاؤ۔۔'' انہوں نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر اسے خاموش رہنے کی تلقین کی۔

''مر جاؤں گا لیکن طوبیٰ کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گا۔۔'' وہ اپنے مخصوص ہٹ دھرم انداز میں بولا۔

''میں خود تمہارا ساتھ دوں گی لیکن درشہوار کا نکاح ہونے دو۔۔''

''تو آپکا کیا خیال ہے ارسل بعد میں درشہوار کو معاف کر دے گا۔ جب میں اسکی بہن سے شادی سے انکار کروں گا، اس لیے بہتر ہو گا ظل الٰہی سے کہیں کہ اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کر لیں۔۔'' شاہ میر نے انہیں نئی پریشانی میں مبتلا کیا۔

''تمہارے داجی، کبھی نہیں مانیں گے بیٹا۔۔'' وہ پریشانی سے گویا ہوئیں۔

''میں بھی انہی کا پوتا ہوں یہ بات یاد رکھیے گا۔۔'' وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گیا۔

شاہ میر غصّے سے تاجدار بیگم کے کمرے سے نکلا تو سامنے سے ارسل آ رہا تھا، اس نے ایک ناراض نگاہ اس پر ڈالی، ارسل سمجھ چکا تھا کہ وہ اس سے خفا ہے کیونکہ اس گھر میں اسکی اور طوبیٰ کی محبت کو ارسل کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

''شاہ میر، پلیز میری بات سنو۔۔'' ارسل نے پریشانی سے اسکا ہاتھ پکڑا۔

''مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔۔۔'' وہ اس وقت ساری ہی دنیا سے خفا تھا۔

''دیکھو اس سارے قصّے میں میرا کوئی قصور نہیں، اور یقین مانو، جتنا دھچکہ تمہیں لگا ہے اس سے زیادہ تکلیف مجھے ہوئی ہے۔۔'' اس نے جذباتی انداز سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں نمیرہ سے شادی نہیں کر سکتا۔۔'' وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے باکی سے بولا۔

''اور میں درشہوار سے۔۔۔'' ارسل نے نظریں چرا کر کہا تو شاہ میر کو ایک اور دھچکہ لگا۔

''صرف اس لیے کہ میں تمہاری بہن کے لیے انکار کر رہا ہوں۔۔'' شاہ میر بدگمان ہوا۔

''نہیں، اس لیے کہ میری زندگی میں کوئی ''اور'' ہے۔۔'' اس نے اپنی زندگی کے سب سے بڑے راز میں اسے شامل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔شاہ میر نے ایکدم حیران ہو کر اپنے بیسٹ فرینڈ کا چہرہ دیکھا، ارسل کے چہرے پر موجود سچائی کو کسی اور گواہ کی ضرورت نہیں تھی۔

''تم میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں تفصیل سے بتاتا ہوں۔۔۔'' ارسل اسکا بازو پکڑ کر ہال کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا، اسی وقت دروازہ کھلا اور طوبیٰ اندر داخل ہوئی، اسکی آنکھیں شدت گریہ کی وجہ سے سرخ تھیں۔شاہ میر کے دل کو کچھ ہوا۔

''حالت دیکھی ہے تم نے اس کی۔۔؟ یہ سمجھ رہی ہے جیسے یہ سب میں نے خود کروایا ہو۔۔'' شاہ میر، ارسل کے سامنے شکایتی انداز میں بولا۔

''طوبیٰ اتنی بے وقوف نہیں، وہ جانتی ہے اس گھر میں رہنے والے لوگوں کی ڈوریاں کسی اور کے ہاتھ میں ہیں، اس لیے ہماری ایک دوسرے سے ناراضگی تو بنتی ہی نہیں۔۔'' ارسل نے طوبیٰ کا دل صاف کرنے کی شعوری کوشش کی۔۔۔

''لیکن اس کے باوجود اسکا سارا غصّہ میرے اوپر اترتا ہے، صبح سے پچیس کالز کر چکا ہوں، لیکن اس نے تو شاید میری آواز نہ سننے کی قسم کھا رکھی ہے۔'' شاہ میر جو کہ خود اس فیصلے کی وجہ سے اچھا خاصا پریشان تھا، اوپر سے طوبیٰ کے رویئے نے اسے بُری طرح سے ہرٹ کیا تھا۔

اسی وقت ارسل کے سیل فون پر رومیصہ کی کال آنے لگی، وہ دونوں ہی صارم خان کے اچانک قتل کی وجہ سے کافی ڈسٹرب تھے، اور ارسل پر تو دہری قیامتیں ٹوٹی ہوئی تھیں، جن کو وہ چاہ کر بھی رومیصہ کے ساتھ ڈسکس نہیں کر سکتا تھا۔

''تم دونوں بات کرو، میں ایک ضروری کال اٹینڈ کر کے آتا ہوں۔۔'' وہ عجلت بھرے انداز میں کال اٹینڈ کر کے باہر لان کی طرف نکل گیا۔

''تم ذرا آؤ میرے ساتھ۔۔'' شاہ میر زبردستی اسکا ہاتھ پکڑ کر پچھلے لان کی طرف لے گیا، طوبیٰ بالکل خاموش تھی، افسردگی، مایوسی اور پژمردگی اسکے سارے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔

''بے وقوف لڑکی، تمہیں خود پر یقین نہیں ہے یا میرے اوپر۔۔؟'' اس نے تاسف بھری نظروں سے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا، جو اس وقت اذیت کی انتہاء پر تھی، اس نے شاہ میر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، اسکی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں طوبیٰ، کیوں ٹینشن لے رہی ہو۔۔'' اس نے اسکا ہاتھ پکڑ کر دلاسہ دینے کی کوشش کی۔

''داجی اپنے فیصلے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔۔'' آنسوؤں سے لبریز لہجے کے ساتھ وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

''تو بے فکر رہو، ہم بھی پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہیں، میرے اوپر کوئی زور زبردستی کریں تو دوبارہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا میں۔'' شاہ میر کے انداز سے ہی ہٹیلا پن چھلک رہا تھا اور طوبیٰ کا دل گویا کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔۔

''خود سے محبت کی اتنی بڑی سزا دو گے، ہمیشہ اپنے لیے ہی کیوں سوچتے ہو تم، میری ذات کی ایک لمحے میں نفی کرتے ہوئے تمہارا دل نہیں کانپتا۔۔'' خود پر قابو پاتے ہوئے بھی وہ اپنی سسکی نہیں روک پائی۔

''تمہارا کیا خیال ہے ان ظالم اور بے حس لوگوں کے بیچ میں چھوڑ کر جاؤں گا تمہیں۔۔؟'' وہ اسکی بے وقوفی پر جھنجھلایا۔''اس دفعہ ایسا نہیں ہوگا طوبی، ہم دونوں ایک ساتھ جائیں گے بلکہ اس دفعہ کچھ ایسا کریں گے کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے ہمارا۔۔''

''کیا کرو گے تم۔۔؟ بولو، جواب دو۔۔'' وہ ترش انداز سے گویا ہوئی۔۔

''نکاح۔۔۔تمہارا اور میرا۔۔!!!'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا، طوبی نے اس کی طرف ایسے دیکھا، جیسے اس کی خرابی دماغ کا یقین آ گیا ہو۔۔

''داجی ہماری بوٹی بوٹی کر کے کتوؤں کے آگے پھنکوا دیں گے۔۔۔''

''اپنی اولاد کے ساتھ یہ سب کرنا اتنا آسان کام نہیں ہوتا۔۔'' اس نے اسکی بات کو استہزائیہ انداز میں اڑایا۔

''تم ایک دفعہ تایا ابا سے بات کر کے دیکھو ناں شاہ میر، کیا پتا کوئی اور راستہ نکل آئے۔۔'' طوبی نے درمیانی راہ نکالنے کی کوشش کی۔

''خبردار منہ سے بھاپ بھی مت نکالنا، ان لوگوں کو بھنک بھی پڑ گئی تو منگنی کی بجائے ڈائریکٹ شادی کر دیں گے میری اور نمیرہ کی، میں ان کو پہلے سے ہوشیار کرنا نہیں چاہتا۔۔'' شاہ میر نے تھوڑا ہوش سے کام لیا۔

''لیکن شاہ میر میں کوئی ایسا ویسا قدم نہیں اٹھانا چاہتی، جو کل کو ہمارے لیے طعنہ بنے، پلیز تم کچھ اور سوچو۔۔'' طوبیٰ کی پریشانی پر وہ تپ اٹھا۔

''پھر ایسا کرو ہال کمرے میں ڈھولک اٹھا کر بیٹھ جاؤ اور ان اوٹ پٹانگ شادیوں پر خوشی کے گانے گاؤ، جھومو، ناچو، اس سے کوئی نہیں روکے گا تمہیں۔'' وہ ناراضگی سے کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ہال کمرے کی طرف بڑھا۔

جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا، سامنے نمیرہ کپڑوں کا بڑا سارا شاپر اٹھائے مٹکتی ہوئی اندر آ رہی تھی، خوشی اس کے انگ انگ سے عیاں تھی، شاہ میر کو دیکھ کر وہ بڑے دلکش انداز میں مسکرائی اور تخت پر بیٹھی ہوئیں تاجدار بیگم کی طرف بڑھی، جو اس وقت اپنی دیورانی ندرت بیگم کے ساتھ پردوں کا کوئی جوڑ توڑ کرنے میں مگن تھیں۔۔

''ممانی جان یہ لیں، وہ سارے پردے جو آپ نے منگوائے تھے۔۔'' نمیرہ کی پرشوق نگاہیں شاہ میر پر اور قدم تاجدار بیگم کی طرف اٹھ رہے تھے، وہ راستے میں رکھے ہوئے میز سے ٹکرائی اور اس کے منہ سے سی کی آواز نکلی۔۔

''ارے میر و دیکھنا، کیا ہوا اسے۔۔؟'' تاجدار بیگم بوکھلائیں۔۔

''جب اندھوں کی طرح چلے گی تو پیر ہی ٹوٹیں گے ناں۔۔'' وہ زہر آلود لہجے میں کہتا ہوا باہر کی طرف بڑھ گیا۔اس نے نظر اٹھا کر بھی زمین پر بیٹھی نمیرہ کی طرف نہیں دیکھا تھا، جیسے ہی وہ پورچ میں پہنچا، سامنے ارسل اپنی گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا، شاہ میر نے سوالیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔

''تھوڑا مسئلہ ہو گیا ہے یار، مجھے فوراً اسلام آباد جانا ہے، کل تفصیل سے بیٹھ کر بات کریں گے۔۔'' ارسل اپنی بات مکمل کر کے عجلت بھرے انداز میں گاڑی نکال کرلے گیا اور شاہ میر لان میں رکھی چیئرز کی طرف بڑھ گیا، اسے وہاں بیٹھ کر اب کافی دیر کے لیے کڑھنا تھا۔

☆......☆......☆

''اس گھر میں ہمیشہ زیادتی ہوتی آئی ہے میری بچیوں کے ساتھ۔۔''

شارقہ بیگم دوپٹہ منہ پر رکھے، پچھلے ایک گھنٹے سے خاقان صاحب کے سامنے رو رہی تھیں، جو اس وقت سگار پر سگار پھونک رہے تھے۔اچھی خاصی ٹینشن میں تو وہ بھی تھے لیکن ان کی مجبوری تھی کہ مرد ہونے کے ناطے وہ اس پر واویلہ نہیں مچا سکتے تھے۔

آج کافی دن کے بعد وہ تاجدار بیگم کے کمرے میں آئے تھے،ان کی دونوں بیویوں کے بیڈروم علیحدہ علیحدہ تھے اور وہ اکثر ہی ندرت کے کمرے میں پائے جاتے، لیکن آج ان کا اپنا دل دکھا ہوا تھا، اس لیے شارقہ بیگم کی طرف چلے آئے، جن کی رو رو کر آنکھیں سوج چکی تھیں لیکن انہیں صبر پھر بھی نہیں آ رہا تھا اسی لیے وقفے وقفے سے ان کی سسکیاں دوبارہ گونجنے لگتیں۔

خاقان علی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ انہیں کس طرح سے تسلی دیں۔۔

''افسوس تو مجھے بھی بہت ہوا ہے اباجی کے اس فیصلے پر۔۔'' انہوں نے ہلکا سا جھجک کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''آپ کو اسی وقت احتجاج کرنا چاہیے تھا ان کے سامنے، ہمیشہ میری ہی اولاد کو پیچھے کیوں رکھا جاتا ہے۔۔''

''جاہل عورت، ایک بیٹی کا باپ ہونے کی حثیت سے میں ایسی بات کیسے کر سکتا تھا، جب محتشم بھائی اور بھابھی بھی وہیں موجود تھے۔۔'' وہ ہلکا سا جھنجلائے۔

''تاجدار بھابھی نے بھی تو زبردستی اپنی بیٹی تھوپی ہے ارسل کے سر پر۔۔۔'' وہ تپ کر بولیں۔

''تمہیں کس نے بتائی ہے یہ بات۔۔؟'' وہ حیران ہوئے۔

''تو آپ کا کیا خیال ہے کہ اس گھر میں کوئی بات زیادہ دیر تک چھپی رہ سکتی ہے،اسی ایک بات کو منوا کر ہی تو تاجدار بھابھی نے اپنی خود ساختہ جلاوطنی چھوڑی ہے، ورنہ وہ تو ہر چیز پر لعنت بھیج کر اپنے کمرے میں خود کو قید کر چکی تھیں۔۔۔''

''لیکن تاجدار بھابھی کو ایسا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔۔؟'' وہ تھوڑا چونکے۔

''کیونکہ انہیں ڈر تھا کہیں ارسل کا رشتہ طوبیٰ کے ساتھ نہ ہو جائے اور درشہوار کے جوڑ کا تو اب پورے خاندان میں کوئی لڑکا بچا

بھی نہیں۔۔۔'' وہ غصّے سے اٹھ کر بیٹھ گئیں، ان کی بات میں دم تھا تبھی خاقان کچھ دیر کے لیے بالکل چپ ہو گئے۔۔

''لڑکا تو اب کوئی طوبیٰ کے لیے بھی نہیں رہا، اسی بات کی تو ٹینشن کھائے جا رہی ہے مجھے۔۔۔'' ان کی تیوری کے بل گہرے ہوئے۔

''ایک بات کان کھول کر سن لیں خاقان صاحب، چاہے کچھ بھی ہو جائے، میں اپنی بیٹی کا گلا گھونٹ دوں گی لیکن کوئی بے جوڑ رشتہ ہونے نہیں دوں گی، جو اس خاندان کی ہمیشہ سے روایت رہی ہے۔۔۔'' وہ سلگ کر بولیں۔

''بے وقوفوں جیسی باتیں مت کرو شارقہ، ہم اپنی خاندانی روایات سے ہٹ کر کچھ نہیں کر سکتے۔۔''

''یہ خاندانی روایات صرف لڑکیوں کے معاملے میں ہی کیوں آتی ہیں، مردوں کو جگہ جگہ منہ مارنے کی اجازت کیوں دے رکھی ہے انہوں نے۔'' تاجدار بیگم نے طیش کے عالم میں ان کو آئینہ دیکھایا، وہ جھٹکے سے اٹھے، ان کی آنکھوں میں غیض اترا۔

''بکواس بند کرو اپنی، ورنہ منہ توڑ دوں گا میں تمہارا۔'' وہ تلملا اٹھے اور شارقہ بیگم کو غضب ناک نگاہوں سے گھورتے ہوئے کمرے سے نکل گئے، شارقہ کو یقین تھا کہ وہ اب اگلے دس پندرہ دن تک ان کے کمرے کے قریب پھٹکیں گے بھی نہیں۔

☆......☆......☆

ارتضیٰ کی جیپ اس وقت مری کے بل دار راستوں پر تیزی سے گامزن تھی۔

شہرزاد اس کے ساتھ ہادی کے آفس میں جا رہی تھی اور ارتضیٰ کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی اب پریشانی میں ڈھل چکی تھی کیونکہ وہ اسے کھل کر صندل والا قصّہ سنا چکی تھی اور چونکہ اگلے ماہ الیکشن تھے اور اس سے پہلے شہرزاد اس کیس کو میڈیا پر اچھالنے والی تھی۔

''دیکھیں شہرزاد، ویسے تو آپ خود بہت سمجھدار خاتون ہیں، لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ اس کیس میں خود کو انوالو مت کریں۔۔''

''کیوں ڈر لگ رہا ہے آپ کو۔۔۔؟'' اس نے استہزائیہ انداز سے اسکا مذاق اڑایا۔

''میں ڈرنے والا ہوتا تو کبھی بھی پولیس ڈیپارٹمنٹ جوائن نہ کرتا، میں صرف اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ان لوگوں کے نزدیک انسانی جان کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اور اس چیز کو وہ آسانی سے ہضم نہیں کریں گے۔۔۔'' اس نے ڈھکے چھپے انداز میں اسے معاملے کی سنگینی سے آگاہ کیا۔

''میں موت سے ڈرنے والی نہیں ہوں ارتضیٰ۔۔۔!!!'' وہ اسکی بات کا بُرا مان کر بولی۔

''لیکن جو لوگ آپ سے محبت کرتے ہیں، ان کو ابھی ضرورت ہے آپکی۔۔'' اسکے گہرے لہجے پر وہ چونکی۔

''بے فکر رہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا اور آپ ٹینشن مت لیں، مجھے اپنی حفاظت کرنا آتی ہے۔''

''آپ نے میم عالیہ سے یہ کیس ڈسکس کیا۔۔؟'' وہ محتاط انداز میں گویا ہوا۔

''آپ کو پتا ہے کہ میں کسی بھی کیس پر پہلے اپنی ورکنگ کر کے اور معاملات کو تمام پہلوؤں سے دیکھ کر ہی ان کو انوالو کرتی ہوں۔''

''بہتر ہوگا، آپ صندل کا پوسٹ مارٹم کروانے سے پہلے ایک دفعہ ان سے مشورہ کر لیں، کیونکہ اتنے چھوٹے شہر میں یہ بات زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہے گی اور اس سے بعد آپ کے لیے کافی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔۔۔''

اس سے پہلے کہ وہ ارتضی کی بات کا کوئی جواب دیتی، سیل فون پر آنے والی ہم زاد کی کال نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا، وہ شاید پاکستان واپس آ چکا تھا، اس نے جیسے ہی کال اٹینڈ کی، وہ دوسری طرف ناراضگی سے گویا ہوا۔

''تم نے اپنے سیکورٹی گارڈ رضا کو آفس سے گھر کیوں بجھوا دیا، اور خود کہاں ہو۔۔؟''

''مری کے راستے میں ہوں ارتضی کے ساتھ، کچھ ضروری کام تھا مجھے۔۔۔''اس نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

''واٹ دا ہیل یار، میں نے تمہیں کہا تھا کہ اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھو، تمہیں میری بات ایک دفعہ کہنے سے سمجھ کیوں نہیں آتی۔''ہم زاد کا یہ انداز شہرزاد کو ہلکا سا ناگوار گذرا۔

''انسان کی اپنی کوئی پرسنل لائف بھی ہوتی ہے اور میں اسے چوبیس گھنٹے سر پر سوار نہیں کر سکتی۔ ٹرائے ٹو انڈراسٹینڈ مائی پوزیشن۔''شہرزاد کا انداز دھیما لیکن لہجہ خاصا تپا ہوا تھا اور ارتضی کی موجودگی میں وہ کھل کر اس کے ساتھ بحث بھی نہیں کر سکتی تھی۔۔۔

''اچھا تو اب ارتضی حیدر کے ساتھ تمہارے پرسنل میٹرز شروع ہو گئے ہیں، ہیں ناں۔۔۔؟''دوسری طرف وہ سلگ کر رہ گیا شہرزاد نے کنکھیوں سے ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص کو دیکھا، جسکا سارا دھیان بظاہر سڑک کی طرف تھا۔۔

''میں گھر آ کر تفصیل سے بات کرتی ہوں، اس وقت تھوڑا ابزی ہوں۔۔۔''اس نے بیزاری سے کال منقطع کی تو ارتضی نے ایک جانچتی ہوئی ایک نگاہ اسکے چہرے پر ڈالی اور سرسری انداز میں پوچھا۔۔''گھر سے کال تھی کیا۔۔؟''

''جی، اپنے سیکورٹی گارڈ کو گھر بجھوا دیا ہے ناں اسی بات پر جھاڑ پڑ رہی تھی۔۔۔''اس نے گول مول انداز میں جواب دیا۔

''ایسے محبت کرنے والے لوگوں کی کیئر کیا کریں، کسی کے دل میں ہمارے لیے کچھ ہوتا ہے تو وہ پریشان ہوتا ہے، ورنہ کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہمارے لیے ٹینس ہو۔۔''ارتضی نے اسے سمجھانے کی غرض سے نرم لہجے میں کہا تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ دوسری طرف موجود شخص اس وقت گرم توے پر پڑے کسی دانے کی طرح اچھل رہا ہوگا اور اس وقت تک اسے سکون نہیں آئے گا جب تک وہ اپنے اندر کی ساری بھڑاس نہیں نکال لے گا۔

☆......☆......☆

ارسل اور رومیصہ کے درمیان خاموشی کا مختصر وقفہ آیا۔

آج رومیصہ، ارسل کے کہنے پر اس کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں موجود تھی اور دونوں کے ہی چہرے ستے ہوئے تھے، صارم خان کے اس اچانک قتل نے ان دونوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور چونکہ وہ ارسل کا بہت قریبی دوست تھا اس لیے اسکا تو صدمہ بھی گہرا تھا۔

''میری تو ہمت ہی نہیں ہوئی انکل آنٹی کا سامنا کرنے کی اور میں کیسے ان کو جا کر بتاؤں گا کہ اس نے یہ سب میرے کہنے پر کیا

تھا۔۔'' وہ مضطرب انداز میں خالی گلاس اپنے دونوں ہاتھوں میں گھما رہا تھا۔

''بہت بُرا ہوا اس بیچارے کے ساتھ اور اب پتا نہیں میرے ساتھ کیا ہوگا۔۔'' رومیصہ کے لہجے سے خوف جھلکا۔۔

ارسل نے گہری نظروں سے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی کو دیکھا، جو اسے اب ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہوگئی تھی، اس نے ہاتھ میں پکڑا گلاس ایک سائیڈ پر رکھ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں اسکی بے جان انگلیوں کو تھام کر محبت کی توانائی بخشنے کی کوشش کی۔

''میں بہت زیادہ ڈر گئی ہوں، جو لوگ اسے مار سکتے ہیں، وہ مجھے کیوں چھوڑیں گے بھلا۔۔؟

''ایسا کچھ نہیں ہوگا، تم ایسی فضول باتیں مت سوچو، میں ہوں ناں تمہارے ساتھ، تمہارا لائف پارٹنر، تمہیں کسی بھی مقام پر اکیلا تھوڑی چھوڑوں گا۔۔'' اس نے آہستگی سے اسکے ہاتھ کا بوسہ لیا تو رومیصہ نے نم آنکھوں سے اسکی طرف دیکھا۔

وہ اس وقت شدید کرب کے گرداب میں پھنسی ہوئی تھی۔ صارم کی موت نے اسے ایک دفعہ پھر ایک ایسی اندھی گلی میں لا کھڑا کیا تھا جہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا۔ دوسری جانب ارسل کا اپنا دماغ بھی داجی کے فیصلے میں بُری طرح الجھا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود وہ بہت محبت کے ساتھ اسے تسلی دینے کی بھرپور کوشش کررہا تھا۔ ویٹر نے ٹیبل پر کھانا سرو کر دیا تھا۔۔

''تم کھانا کھاؤ، انشاء اللہ اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا، یہ بتاؤ تمہاری بہن کیا کہتی ہے۔۔؟'' ارسل نے سر جھٹک کر اپنے ذہن سے گھر کے مسئلے کو نکالا اور رومیصہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''شیری تو بہت مطمئن ہے اور اسکا کہنا ہے کہ صارم اپنی گواہی دے چکا ہے اور اسکی موت پر عدالت یقیناً اس طرف سوچنے پر مجبور ہوگی کہ ایک بے گناہ شخص کو مارنے کے پیچھے وہی لوگ تو نہیں جو مجھے ناحق پھنسانا چاہتے ہیں۔۔'' رومیصہ نے تھوڑے سے فرائیڈ رائس پلیٹ میں نکالے۔

''تمہاری بہن بہت اسٹرونگ لیڈی ہے، میں نے اسے ہمیشہ بہت تحمل کے ساتھ میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

ارسل نے ایک دو چکن ونگز رومیصہ کی پلیٹ میں ڈالیں تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔

''بہت کمزور لگ رہی ہو تم کھانا دھیان سے نہیں کھاتی ہو کیا۔۔؟'' وہ بہت پیار سے اسے ٹوک رہا تھا۔

''آجکل تو کچھ بھی کھانے کو دل نہیں کر رہا، طبعیت عجیب سی ہو رہی ہے۔۔''

''آج جب تک یہ سارا نہیں کھاؤ گی، میں تمہیں یہاں سے ہلنے بھی نہیں دوں گا۔۔'' اس نے مسکرا کر ایک کباب اسکی پلیٹ میں اور رکھا۔

رومیصہ نے جیسے ہی دوسرا نوالہ منہ میں ڈالا اسے ایک دم ابکائی آئی اور وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ریسٹورنٹ کے واش روم کی طرف بھاگی، ارسل نے انتہائی پریشانی سے اسکی طرف دیکھا اور لپک کر اسکے پیچھے گیا۔ وہ باہر نکلی تو کافی نڈھال لگ رہی تھی، اس وقت ریسٹورنٹ میں رش نہ ہونے کے برابر تھا، وہ اسے تھام کر کرسی تک لایا۔'' رومیصہ کیا ہوا ہے۔؟ کوئی ٹمپریچر وغیرہ تو نہیں ہے۔۔؟''

''ڈونٹ ووری، میرا اسٹامک کا ایشو چل رہا ہے کچھ دن سے، تم ٹینشن مت لو۔'' رومیصہ نے ٹشو سے منہ صاف کرتے ہوئے اسے تسلی دی۔

''تم چھوڑو کھانے کو اور میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلو فورا۔'' وہ فکر مند ہوا۔

''کچھ نہیں ہوتا، ابھی تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔۔۔''

''رومی، فضول باتیں مت کرو، شکل دیکھی ہے تم نے اپنی، رنگ کیسے زرد ہو گیا ہے تمہارا۔ بس اٹھ جاؤ، یہاں پاس ہی ایک اچھا ہوسپٹل ہے وہاں چلتے ہیں۔'' وہ آج اسے بخشنے کو تیار نہیں تھا۔

''لیکن ارسل تم کھانا تو کھا لو، سب کچھ ویسے کا ویسے رکھا ہے۔۔۔'' رومیصہ نے کھانے کی ٹیبل کو دیکھا۔

''نہیں یار، میں نے تو صرف تمہارے لیے منگوایا تھا، میرا بالکل بھی موڈ نہیں۔''

اس نے ویٹر کو بلوا کر بل منگوایا اور اگلے ہی پندرہ منٹ میں وہ ایک قریبی ڈاکٹر کے کلینک میں تھے جنہوں نے اسی کلینک میں بیٹھنے والی ایک گائنا کولوجسٹ کی طرف اسے ریفر کر دیا تھا۔ ماتھا تو دونوں کا اسی وقت ٹھنکا تھا، لیکن رومی نے دل پر جبر کر کے اپنے ایک دو ٹیسٹ کروا ہی لیے۔۔۔

''کیوں ٹینشن لے رہی ہو تم۔۔۔'' اس نے نرمی سے اسے ٹوکا، لیکن رومی کی چھٹی حس اب اسے کوئی اور ہی سگنل دے رہی تھی۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ارسل۔۔۔'' وہ سخت گھبرائی ہوئی تھی جب ایک نرس ڈاکٹر کا بلاوہ لے کر ان کے پاس آئی، ان کی لیب رپورٹ آ چکی تھی۔

''یہ آپ کے ہسبینڈ ہیں۔۔۔؟'' ڈاکٹر نے مسکرا کر دونوں کو بیٹھنے کو کہا تو ارسل نے جھٹ سے ہاں میں سر ہلا دیا۔۔

''سب خیریت ہے ناں۔۔۔'' وہ بے تابی سے گویا ہوا۔۔

''مبارک ہو، آپ دونوں کے ہاں گڈ نیوز ہے۔۔'' ڈاکٹر کے منہ سے نکلنے والے ان الفاظ پر رومی کو لگا جیسے کلینک کی چھت اس پر آن گری ہو، اسکا چہرہ خوف سے سپید پڑ گیا اور وہ ہکا بکا انداز سے ارسل کی طرف دیکھنے لگی۔۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہرزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

رومیصہ شدید شاک کی زد میں تھی۔۔۔

اس کی آنکھوں میں عجیب سے خوف کی سی کیفیت تھی، وہ ارسل کا بازو، ہاتھ کی گرفت میں لے کر باقاعدہ کھینچتی ہوئی باہر آئی تو اسکی سانس پھول گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے حواسوں میں نہ ہو۔

''کیا ہو گیا ہے رومی، ایسے کیوں ری ایکٹ کر رہی ہو۔۔۔؟''

ارسل کو اسکے چہرے پر چھائے ہوئے تاثر سے خوف سا آیا اس لیے اس نے ذرا درشتی سے پوچھا، لیکن اس وقت رومیصہ جذباتیت کی انتہاء پر تھی، اس نے سر اٹھا کر ارسل کی طرف دیکھا اور اسے جھٹکا لگا کیونکہ ارسل کے چہرے پر اس وقت خوشی کا لامتناہی سمندر بہہ رہا تھا۔

''تم خوش ہو رہے ہو اس بات پر۔۔۔؟؟؟''

''اس میں نہ خوش ہونے والی کیا بات ہے رومیصہ، ہم نے نکاح کیا ہے، تم بیوی ہو میری اور تم سوچ بھی نہیں سکتی ہو کہ یہ آنے والا بچہ ہم دونوں کے رشتے کو کتنا مضبوط کر دے گا۔۔''

''لیکن میں دنیا والوں کو کیا جواب دوں گی۔۔۔؟ مام اور شیری تو مجھے جان سے مار دیں گی۔۔۔'' وہ ایکدم رو دی۔۔۔

''اچھا تم یہاں بیٹھو۔۔۔'' ارسل نے محبت سے اسکا ہاتھ تھام کر اسے بینچ پر بیٹھایا اور تاسف بھری نگاہوں سے اسکی طرف دیکھنے لگا، زندگی واقعی انہیں اس مقام پر لے آئی تھی جہاں اتنی بڑی خوشی کی خبر اپنے ساتھ اندیشوں کا ایک جہاں لیے ہوئے تھی۔

''میرا کیس چل رہا ہے عدالت میں اور ساری سچوئشن تمہارے سامنے ہے، تمہیں اندازہ نہیں ہے اس موقعے پر کتنی انگلیاں میرے کردار پر اوپر اٹھیں گی، میں لوگوں کے سوالات کا جواب کیسے دوں گی۔۔۔؟''

''دیکھو رومی، تم اس موقعے پر صرف اور صرف اپنے آنے والے بچے کے بارے میں سوچو۔۔۔'' ارسل نے اسکے سرد ہاتھوں کو تھام کر انہیں اپنی محبت کی حرارت دینے کی کوشش کی لیکن اسکی آنکھوں سے آنسو بہے جا رہے تھے۔ وہ سر جھکائے ایسے بیٹھی تھی جیسے اپنی کسی غلطی پر بہت زیادہ نادم ہو۔

''میں ایسا نہیں سوچ سکتی ارسل، تمہیں اندازہ نہیں ہے میری پوزیشن کا۔۔۔''

''یار کچھ نہیں ہوا تمہاری پوزیشن کو، بھاڑ میں جائے ساری دنیا۔ ہمیں کسی سے کوئی لینا دینا نہیں، ہم دونوں ہی کافی ہیں ایک دوسرے کے لیے۔'' وہ اسے ریلیکس کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا، لیکن رومیصہ اس وقت کچھ بھی سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

''نہیں ارسل، ہمیں کچھ اور سوچنا ہو گا۔۔'' وہ آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت لیے بولی۔

''مثلاً۔۔۔؟؟؟'' اس کا ماتھا ٹھنکا۔۔۔

''ہمیں نہیں چاہیے ابھی یہ بے بی، میں ڈاکٹر سے بات کرتی ہوں۔'' رومیصہ فیصلہ کن انداز میں کھڑی ہوئی اور وہ دنگ رہ گیا۔

''کیا کہا تم نے۔۔؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔؟ تم اپنے حواسوں میں تو ہو۔۔؟'' ارسل بولا نہیں غرایا تھا۔

''ہاں نہیں ہوں میں اپنے حواسوں میں، کیونکہ یہ سب مجھے اکیلے کو فیس کرنا ہے، تمہارا کیا جائے گا تم تو ہاتھ جھاڑ کر ایک سائیڈ پر کھڑے ہو جاؤ گے۔'' وہ مشتعل لہجے میں بولی تو ارسل کا چہرہ ضبط کی کوشش میں سرخ ہوا۔

''کس موقعے پر میں نے تمہیں اکیلا چھوڑا ہے، تم ایک بار ہاں کرو، میں ابھی لے جاتا ہوں تمہیں میر ہاؤس۔۔''

''سوری، مجھے ضرورت نہیں ہے، اور میں واقعی فیصلہ کر چکی ہوں۔۔۔''

''تم ایسا کچھ نہیں کرو گی رومیصہ، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔۔'' اسے طیش آیا۔

''آئی ایم سوری ارسل، تم مجھے اس بات کے لیے مجبور نہیں کر سکتے، میں اس موقعے پر یہ مصیبت اپنے گلے میں نہیں ڈال سکتی۔۔۔'' رومیصہ کے منہ سے نکلنے والے لفظ ''مصیبت'' پر ارسل کا ہاتھ اٹھا اور چٹاخ کر کے اسکے منہ پر جا پڑا۔ وہ ششدر رہ گئی اور فق چہرے کے ساتھ اپنے سامنے کھڑے اس شخص کو دیکھنے لگی جس کا آج یہ اجنبی روپ پہلی دفعہ کھل کر اسکے سامنے آیا تھا۔

☆......☆......☆

مہندی لگا کے رکھنا۔۔۔!!!

ڈولی سجا کے رکھنا۔۔۔!!!

لینے تجھے او گوری آئیں گے تیرے سجنا۔۔۔!!!

ڈھولک کی آواز میر ہاؤس میں گونجتے ہوئے درشہوار کے ضبط کا گہرا امتحان لے رہی تھی۔۔

ارسل پچھلے دو دن سے غائب تھا اور یہ بات درشہوار کو پریشان کرنے کے لیے کافی تھی، اور سونے پہ سہاگہ وہ اسکا نمبر بھی اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔ جیسے جیسے وقت گذر رہا تھا، درشہوار کی امیدوں کے پل ایک ایک کر کے ٹوٹتے جا رہے تھے۔

''کہیں اس منحوس نے ہتھیار تو نہیں ڈال دیئے بزرگوں کے اس فیصلے پر۔۔۔'' درشہوار کو اس سوچ نے بے چین کیا۔

''اگر اس نے ایسا کیا تو میں اپنے ساتھ ساتھ اسکی زندگی بھی حرام کر دوں گی۔۔۔'' وہ مختلف قسم کی سوچوں سے نبرد آزما تھی۔

''لیکن وہ مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کر رہا۔۔۔'' اس نے غصّے سے اپنا سیل فون اٹھایا، ارسل کا نمبر ڈائل کیا اور دوسری طرف پھر پاورڈ آف کی ٹیپ سن کر اسکا دماغ گھوم اور اس بار اس نے سیل فون انتہائی بیدردی کے ساتھ اپنے بیڈ پر پٹخا طوبی نے چونک کر اسکی طرف دیکھا اور پھر اپنے ہاتھ کے ناخن اضطراری انداز میں چبانے لگی۔ وہ خود بھی شدید ڈپریشن کی کیفیت کا شکار تھی۔

میر ہاؤس میں شادی کی تیاریاں پورے زور و شور سے شروع ہو چکی تھیں، ویسے بھی بیچ میں صرف ایک ہفتہ ہی تو تھا، تاجدار بیگم کل ہی ندرت امی کے ساتھ رابی سینٹر کا چکر لگا کر آئی تھیں، سارا دن کپڑوں کا حساب کتاب لگایا جاتا اور ملتان سے دو خصوصی ملازمائیں اسی مقصد کے لیے بلوائی گئی تھیں جو سارا دن سلائی مشین پر بیٹھیں ہوئیں دھڑ دھڑ سلائیوں کے کام سرانجام دے رہی تھیں۔

چونکہ درشہوار اور رانا بیہ دونوں نے اسی گھر میں رہنا تھا اس لیے جہیز کی تو قطعاً بھی ضرورت نہیں تھی، البتہ کپڑوں اور زیورات کے معاملے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جا رہی تھی۔

آج نمیرہ نے ندرت امی سے پوچھ کر ڈھولکی بھی رکھ لی اور خوشی تو اسکے انگ انگ سے نمایاں تھی، وہ پورے گھر میں بن پیے ہی جھومتی پھر رہی تھی، اور اسکی یہ ادائیں درشہوار اور طوبی دونوں کے لیے ناقابل برداشت تھیں، جنکا غم ایک تھا۔۔۔

''دل کر رہا ہے جمال گھوٹا ڈال کر پلا دوں اس نمیرہ کی بچی کو کسی چیز میں، تاکہ سارا دن واش روم کے باہر کھڑی رہے۔'' درشہوار نے اپنے سامنے بت بنی بیٹھی طوبی کو دیکھ کر کہا جسکے چہرے پر سوگواریت کا رنگ نمایاں تھا۔ ہال کمرے میں نمیرہ نے شوخی سے ایک نئی تان اٹھائی۔

میری دلاری گھونگھٹ کھول، راج دلاری گھونگھٹ کھول۔۔۔

گھونگھٹ گھونگھٹ منہ سے بول، راج دلاری گھونگھٹ کھول۔۔

باوا کی پیاری گھونگھٹ کھول، اماں کی دلاری گھونگھٹ کھول۔۔۔

اس گیت کو سنتے ہی درشہوار کا دماغ کھول اٹھا اور ضبط کی ساری طنابیں ٹوٹ گئیں، وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی اور پاؤں پٹختی ہوئی لاؤنج کی سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ سامنے ہال کمرے میں نمیرہ، ندرت امی اور کچھ ملازمین کے بچوں کو اپنے ساتھ بیٹھائے بڑے پر جوش انداز میں ڈھولکی بجا رہی تھی، اسے دیکھ کر اس نے شرارت سے آنکھیں مٹکائیں، کچھ بھی تھا اب درشہوار اسکی ہونے والی بھابی تھی۔ اس لیے اس نے شرارت سے فوراً گانا بدلا اور ساتھ ہی بلند آواز میں گانے لگی۔۔۔

مہندی ہے رچنے والی۔۔۔

ہاتھوں میں گہری لالی۔۔

کہے سکھیاں، اب کلیاں ہاتھوں میں کھلنے والی ہیں۔۔۔

تیرے من کو، جیون کو نئی خوشیاں ملنے والی ہیں۔۔۔

''یہ کیا بکواس ہے، اس گھر میں کیا کوئی سکون سے لیٹ بھی نہیں سکتا۔۔۔'' وہ بولی نہیں بلکہ دھاڑی تھی۔

اسٹور روم سے شادی کے لیے سامان نکلواتے ہوئے تاجدار بیگم نے چونک کر اپنی لاڈلی بیٹی کو دیکھا، جس کے ملگجے سوٹ پر پڑی شکنوں سے زیادہ اسکے ماتھے کے بل گہرے تھے، بال بکھرے ہوئے اور چہرہ ستا ہوا۔ وہ غضب ناک آنکھوں کے ساتھ سب کو گھور رہی تھی۔

''شادی میں اتنے کم دن تو رہ گئے ہیں، اب بندہ اپنے چاؤ بھی پورے نہ کرے۔'' ندرت امّی برہمی سے بولیں، ویسے بھی وہ اب درشہوار کی ساس کے رتبے پر فائز ہونے جارہی تھیں اس لیے یہ ان کا حق بنتا تھا۔

''یہ چاؤ شاؤ اپنے کمروں میں جاکر پورے کریں، میرا دماغ مت خراب کریں۔۔۔'' درشہوار نے بدتمیزی کی انتہاء کردی۔

''آئے ہائے بھابھی، دیکھیں ذرا اس لڑکی کو۔۔۔'' ندرت امّی نے تپ کر اپنی جیٹھانی کی طرف دیکھا جو خود بھی اس حملے پر ہلکا سا گڑبڑا گئیں تھیں۔

''درشہوار یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا۔۔۔'' تاجدار بیگم کا لہجہ قدرے نرم ہی تھا کیونکہ وہ اپنی اولاد کے سارے ہی رنگ ڈھنگ جانتی تھیں اور درشہوار تو ویسے ہی آجکل آگ کا گولہ بنی ہوئی تھی۔

''مجھے تو بس یہی طریقہ آتا ہے، جس نے بات کرنی ہے وہ کرے، جس نے نہیں کرنی وہ مت کرے۔۔'' وہ انگارے چبا کر بولی۔

''ارے چھوڑو درشہوار، آجاؤ شرماؤ مت، اپنی شادی کے نہ سہی برہان بھائی کے لیے گانے گالو۔ مجھے پتا ہے تمہیں کتنا شوق ہے ہلہ گلہ کرنے کا۔۔'' نمیرہ نے تو گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال لیا۔ اس کی بات سنتے ہی درشہوار کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''بے فکر رہو، ایسا طبلہ بجاؤں گی، پورا خاندان یاد رکھے گا۔۔'' وہ غضب ناک انداز میں نمیرہ کی طرف بڑھی، اسکے آگے رکھی ڈھولک اٹھائی اور گھما کر ہال کمرے کے دوسری طرف اچھال دی۔

وہ ڈھولک اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے محتشم صاحب کے قدموں میں جاگری اور انہوں نے تھوڑا اچھل کر خود کو اس ہتھیار سے بچایا۔ کمرے میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ تاجدار بیگم کے ساتھ ساتھ وہاں موجود سبھی لوگوں کا سانس خشک ہوا۔

محتشم صاحب نے نظر اٹھا کر اپنی صاحبزادی کی طرف دیکھا، جس کا چہرہ انار کی طرح سرخ ہورہا تھا اور بات اسکے مشتعل ہونے کی نہیں اس کے انداز سے چھلکنے والی بغاوت کی تھی، جس نے ایک لمحے کو انہیں بھی گنگ کردیا تھا۔۔

''یہ کیا حرکت ہے درشہوار، تمیز تمہیں چھو کر نہیں گذری کیا۔۔؟'' اپنی بیٹی کے اس انداز پر وہ تو گویا انگاروں پر جا بیٹھے۔

''رات سے بخار ہے اسے، ڈھولک کی آواز سے تنگ ہورہی تھی بیچاری، منع بھی کیا تھا میں نے نمیرہ کو۔۔'' تاجدار بیگم نے معاملہ سنبھالنے کی کوشش کی۔

''بخار لگتا ہے صاحبزادی کے دماغ کو چڑھ گیا ہے، اسے تھوڑا انسانوں کی طرح رہنا سکھاؤ۔۔'' ان کی پرجلال آواز پر تاجدار بیگم تو بوکھلا گئیں جبکہ درشہوار پر اس لتاڑ کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا، وہ یوں کھڑی تھی جیسے میر محتشم اس سے نہیں اس کمرے کی دیواروں سے مخاطب ہوں۔

''درشہوار تم جاؤ اپنے کمرے میں، اور جاکر میڈیسن لو۔۔'' تاجدار بیگم نے معاملہ فہمی کا ثبوت دیتے ہوئے سب سے پہلے اس

فساد کی جڑ کر منظر سے غائب کرنا چاہا اور ساتھ ہی آنکھ کے اشارے سے نمیرہ اور بچوں کو اٹھنے کا اشارہ کیا جو فوراً ہی کھسک گئے۔

درشہوار نے بیزاری سے سر جھٹکا اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور تاجدار بیگم نے کنکھیوں سے اپنے شوہر کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو جانچا، جن کی نظریں درشہوار پر جمی ہوئی تھیں اور اتنے تو زمانہ شناس وہ بھی تھے کہ اپنی اولاد کے رنگ ڈھنگ نہ پہچان پاتے۔

''تم ذرا کمرے میں آ کر میری بات سنو۔۔۔'' محتشم صاحب کے سرد لہجے نے تاجدار بیگم کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی، وہ لمحہ آ چکا تھا، جس کا انہیں ڈر تھا اور ان کا دل سہم کر رہ گیا۔

☆......☆......☆

میر محتشم کے کمرے کے بھاری پردے گرے ہوئے تھے۔

وہ جانچتی ہوئی نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھی ہوئیں تاجدار بیگم کو دیکھ رہے تھے اور تاجدار بیگم کو ان کی خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔ انہیں ان کے کمرے میں آئے ہوئے پورے پانچ منٹ گذر چکے تھے انہوں نے سامنے وال کلاک پر لگے گھڑیال کو دیکھ کر اندازہ لگایا اور ابھی تک محتشم صاحب نے اپنی گفتگو کا آغاز نہیں کیا تھا۔

''کیا چل رہا ہے تمہاری صاحبزادی کے دماغ میں۔۔۔؟؟؟'' لہجے کی کاٹ فطرت ثانیہ تھی اور بغیر طنز کے ان کی گفتگو کبھی مکمل نہیں ہوتی تھی۔

''میری صاحبزادی تو یوں کہہ رہے ہیں جیسے میں جہیز میں ساتھ لائی تھی۔۔۔'' تاجدار بیگم نے دانستہ تلخ انداز اپنایا کیونکہ اتنا تو وہ بھی جانتی تھیں کہ اس موقعے پر نرمی کا مظاہرہ کرنا خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔

''لیکن بچوں کی تربیت تو ماں ہی کی ذمے داری ہوتی ہے ہمارے خاندان میں اور اس حوالے سے پوچھ رہا ہوں تم سے۔۔۔'' آگے بھی محتشم تھے، جن کے پاس ہر سوال کا جواب موجود تھا۔

''خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں، آخرت میں پوچھا تو ماں باپ دونوں سے ہی جائے گا، اور جہاں تک بات درشہوار کی ہے تو پورا خاندان جانتا ہے کہ وہ مزاجاً اپنے دادا پر گئی ہے۔۔'' تاجدار بیگم نے بھی سارا الزام اپنے سسر کے مزاج پر رکھ دیا۔

''لیکن اب کیا مسئلہ ہے اسے۔۔؟ ان ساری چیزوں کا مقصد کیا ہے آخر۔۔۔؟ وہ ہلکا سا جھنجھلا کر گویا ہوئے۔

''کوئی بھی مقصد نہیں ہے، بتا تو رہی ہوں، اسکی طبیعت خراب ہے اور نمیرہ بھی تو بار بار اسے چڑانے سے باز نہیں آ رہی تھی۔'' تاجدار بیگم نے اپنے لہجے کو دانستہ لاپرواہ بنا کر سارا الزام نمیرہ کے سر پر رکھ دیا اتنا تو انہیں بھی پتا تھا کہ وہ کون سا تصدیق کرنے کے لیے جائیں گے۔۔

''دیکھ لو تاجدار بیگم، کوئی بات چھپا تو نہیں رہی ہو مجھ سے۔۔؟'' انہوں نے کھوجتی ہوئی نظروں سے اپنی بیگم کی طرف دیکھا تو انہوں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ''کمال کرتے ہیں آپ بھی، ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا کر رکھ دیا، ایسی بھلا کون سی بات ہونی ہے۔اچھا خاصا پتا بھی ہے درشہوار کے مزاج کا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپے سے باہر ہو جاتی ہے وہ۔'' انہوں نے نظریں چرا کر حتی الامکان اپنے میاں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور دل ہی دل میں درشہوار کو دو چار صلواتیں بھی سنائیں جس نے انہیں آج کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا۔۔۔

''ایک بات اپنے دماغ میں بیٹھا لو، تمہاری اولاد جو بھی غلط قدم اٹھائے گی، اسکی باز پرس تم سے ہی کی جائے گی، اس لیے اپنی زبان میں سمجھا دو اس کو۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ رکے نہیں اور لمبے لمبے ڈگ بڑھتے ہوئے کمرے سے نکل گئے، تاجدار بیگم کو تو لگتا تھا جیسے سانپ ہی سونگھ گیا ہو۔

☆......☆......☆

رومیصہ جب سے گھر واپس آئی تھی اسکے کمرے کا دروازہ بند تھا۔۔!!!

ارسل کے ہاتھ اٹھانے والے واقعے نے اسے بہت زیادہ ہرٹ کیا تھا، حالانکہ وہ بار بار اس سے راستے میں معذرت کرتا آیا تھا لیکن رومیصہ کے دل میں گرہ پڑ گئی تھی۔ وہ تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ارسل اس طرح بھی آپے سے باہر بھی ہو سکتا ہے۔اس چیز نے اسے کافی خوفزدہ کر دیا تھا۔

''آئی ایم سوری یار، تم نے اتنی غلط بات کی، مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا۔''

وہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے بار بار پریشانی سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا جسکی آنکھوں سے ابھی تک بے آواز آنسو بہہ رہے تھے اور وہ ارسل کو ندامت میں مبتلا کر رہے تھے۔

''تم نے سوچا بھی کیسے کہ ہم اپنے ہونے والے بچے کو خود اپنے ہاتھوں سے ختم کر دیں، کم از کم میں تو اتنا ظالم نہیں ہو سکتا اور تمہیں بھی میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانے دوں گا، تم مجھ پر اعتماد رکھو، میں انشاءاللہ بہت جلد چیزوں کو ہینڈل کر دوں گا، تم میری محبت ہی نہیں اب عزت بھی ہو۔'' ارسل اسے سارا راستہ تسلیاں دیتا آیا تھا لیکن رومیصہ کے ہونٹوں پر ایک جامد خاموشی کی مہر ثبت ہو چکی تھی۔

''اگر تم اسی طرح سے خاموش رہو گی تو میں گاڑی نہیں چلاؤں گا۔۔'' ارسل نے سچ مچ گاڑی سڑک کے کنارے پر کھڑی کر دی اور بیچارگی سے اپنے ساتھ بیٹھی اس لڑکی کو دیکھا، جو اب اسے اپنی زندگی سے بھی پیاری تھی۔

''کیسے ہینڈل کرو گے تم چیزوں کو؟ مجھے صرف اتنا بتا دو۔۔؟'' وہ روتے روتے ایک دم پھٹ پڑی۔

''تم نیکسٹ ٹائم میرے ساتھ چلو، پہلے نادرا کا آئی ڈی کارڈ بننے دیں گے اور جیسے ہی تمہارا کارڈ آ جائے گا میں ارجنٹ پاسپورٹ بنوا لوں گا۔'' ارسل کی اس بات نے اسے چونکا دیا۔ ''تم کیا کرنا چاہ رہے ہو۔۔؟

"میں نے باہر ایک دو جگہوں پر اپلائی کیا ہے، انشاءاللہ کہیں نہ کہیں سے پوزیٹو جواب آ جائے گا، بس ہم دونوں خاموشی سے نکل جائیں گے۔۔۔" اس نے رومیصہ کو اپنے ارادوں سے آگاہ کیا۔ اس نے سخت بے یقینی سے اسکی طرف دیکھا۔

ارسل نے استحقاق بھرے انداز سے اپنا بازو آگے بڑھا کر اسے اپنے ساتھ لگایا اور وہ جذباتی ہو کر رو دی، ارسل کا بھی دل بھر آیا قسمت نے ان دونوں کو ایک عجیب سے دوراہے پر کھڑا کر دیا تھا۔

"تم مجھ سے وعدہ کرو رومی، تم خود کو اور اس بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گی۔۔" ارسل نے اسکے ماتھے کا بوسہ لیا، اور وہ اسکی محبت کے آگے ہار گئی، اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے وہ وعدہ کرنا پڑا، جو اس کے لیے کسی پل صراط سے کم نہیں تھا۔

گھر آ کر اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا اور ریٹا بیگم نے جب تیسری بار ملازمہ کو اسکے کمرے میں بھجوایا تو اسکے صبر کی انتہا ہو گئی، وہ جو خود اکیلے بیٹھ کر اپنے لیے کچھ سوچنا چاہ رہی تھی، کمرے کے دروازے پر ہونے والی بار بار کی دستک اسے بُری طرح سے ڈسٹرب کر رہی تھی، تبھی تو اس نے دروازہ کھول کر سامنے کھڑی سندس کو بُری طرح سے لتاڑا۔ اور پھر دروازہ پوری قوت سے بند کر دیا۔۔۔

سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتی ہوئی شہرزاد نے سندس کا تاریک ہوتا چہرہ غور سے دیکھا اور ایک لمحے میں اسے اسکا پس منظر معلوم ہو گیا تھا۔ سندس اسے دیکھ کر خفت زدہ انداز میں مسکرائی۔۔۔

"کیا ہوا۔۔؟ رومی نے ڈانٹا ہے کیا۔۔۔؟" شہرزاد کے نرم انداز پر سندس نے شرمندگی سے وضاحت دی۔

"بڑی بیگم صاحبہ ان کو کھانے پر بلا رہی ہیں، لیکن وہ شاید غصّے میں ہیں۔۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ، میں بات کرتی ہوں اس سے۔۔" شہرزاد نے ہلکا سا دروازہ ناک کیا۔

دوسری طرف رومیصہ سمجھی کہ شاید سندس دوبارہ اسے بلانے کے لیے آ گئی ہے۔ تبھی وہ دروازہ کھولتے ہی دھاڑی۔۔۔ "کیا تکلیف ہے۔؟ ایک دفعہ کی کہی ہوئی بات سمجھ نہیں آتی کیا۔۔؟"

"کیا ہوا ہے رومیصہ۔۔۔؟" اپنے سامنے شہرزاد کو دیکھ کر رومیصہ کے چہرے پر غصّے کی جگہ جھنجھلاہٹ نے لے لی۔

"اس گھر کے ملازموں کو ذرا بھی تمیز نہیں ہے، ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ کہہ چکی ہوں کہ مجھے بھوک نہیں ہے لیکن بار بار بلانے آ رہے ہیں۔"

"اس میں سندس بیچاری کا کوئی قصور نہیں، مام بھجوا رہی ہیں اسے۔۔"

"مام بھی حد ہی کر دیتی ہیں، اب کیا زبردستی منہ کھول کر ڈالیں گی کھانا۔۔" وہ بُری طرح سے چڑ کر بولی۔۔۔

"اٹس اوکے۔۔۔ ٹیک اٹ ایزی۔۔" شہرزاد کو لگا وہ اچھے ذہنی خلجان کا شکار ہے۔۔۔

"ذہن پہلے ہی اتنا الجھا ہوا ہے، اوپر سے ان کی ٹھک ٹھک ہی ختم نہیں ہو رہی۔۔" وہ اپنے بکھرے بالوں کا جوڑا بنانے لگی۔

''صارم خان کی ڈیتھ کی وجہ سے ڈسٹرب ہو گیا۔۔؟'' شہزاد نے اسکی متورم آنکھوں کو دیکھ کر آہستگی سے پوچھا۔

''تو کیا نہیں ہونا چاہیے۔۔؟'' رومیصہ کو اسکی پریشانی کا بھرپور جواز اس نے خود ہی فراہم کر دیا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس سے استفادہ نہ کرتی۔

''میری راتوں کی نیندیں اور دن کا سکون خراب ہو چکا ہے۔۔'' وہ جھنجھلا کر اسکے سامنے بیٹھ گئی۔

''ٹینشن مت لو، صارم خان کی موت زیادہ دیر تک معمہ نہیں رہے گی اور پولیس بہت جلد ملزموں تک پہنچ جائے گی۔۔''

''ہونہہ۔۔۔پولیس پہنچ ہی نہ جائے کہیں۔۔۔'' رومیصہ نے استہزائیہ انداز اپنایا۔

''ہر بار ایسا نہیں ہوتا رومی، بعض دفعہ انجانے میں ملزم خود کوئی نہ کوئی ایسا ثبوت چھوڑ جاتے ہیں اور صارم کے کمرے سے ان لوگوں کا گرا ہوا ایک سیل فون ملا ہے اور پولیس اسکا سارا ڈیٹا نکلوا رہی ہے۔۔'' اس کی اس بات پر رومیصہ بُری طرح سے چونکی۔ اسکی آنکھوں میں حیرانگی در آئی۔

''تم ساری باتوں کو چھوڑو، ڈاکٹر کے پاس گئیں تھیں کہ نہیں۔۔۔؟'' شہزاد نے انجانے میں اسکی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تو اسکا رنگ اڑا۔

''مجھے پتا تھا اس معاملے میں تم انتہائی سست ہو، اس لیے میں نے ڈاکٹر سہیل سے آج شام کی اپائنمنٹ لے لی تھی۔۔''

''نن نہیں، میں گئی تھی آج ڈاکٹر کے پاس۔۔۔'' رومیصہ نے بوکھلا کر کہا تو اس نے سوالیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔

''بس اسٹامک تھوڑی گڑبڑ کر رہا ہے، اس کے لیے انہوں نے میڈیسن دے دی ہے، اب جانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''چلو یہ تو بہت اچھا ہو گیا، میں بھی تھوڑا فریش ہو جاؤں، پھر مل کر کھانا کھاتے ہیں۔۔۔'' شہزاد اب مطمئن ہو کر کمرے سے نکل گئی۔

☆......☆......☆

برہان کسی زندہ لاش کی طرح پورے گھر میں گھوم رہے تھے۔۔۔

مناہل کا پاورڈ آف نمبر انہیں وہ ان کہی داستانیں سنا رہا تھا، جو وہ سننا نہیں چاہتے تھے، ان کی چھٹی حس چیخ چیخ کر انہیں کسی انہونی کا احساس دلا رہی تھی اور یہ بات ان کے لیے شرم سے ڈوب مرنے کے مترادف تھی کہ ان کی شادی کی خبر کسی اور کے ذریعے مناہل تک پہنچتی۔

مختلف قسم کی سوچوں نے ان کا دماغ شل کر دیا اور وہ کچھ سوچ کر پچھلے لان کے برآمدے سے نکلے، ان کا ارادہ ہادی کے گھر جانے کا تھا، آخر کار انہوں نے ڈھیٹ بننے کا ارادہ کر ہی لیا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلے تاجدار بیگم ان کی طرف دیکھ کر لپک کر آئیں۔

''برہان تم انابیہ اور درشہوار کو شاپنگ کے لیے اسلام آباد تو لے جاؤ انہوں نے برائیڈل ڈریس لینے ہیں۔۔۔'' ان کی فرمائش سن کران کا دماغ گھوم گیا۔

''امی، مجھے کیا پتا ان چیزوں کا، آپ ندرت چچی سے کہیں۔۔۔'' وہ ہلکا سا چڑ گئے۔

''اب کیا اکیلی لڑکیوں کو بھجوادوں، شاہ میر کو چھٹی نہیں ملی اور ارسل خود اسلام آباد گیا ہوا ہے۔۔۔'' وہ بُرا مان گئیں۔۔۔

''ڈرائیور کو بھجوادیں ساتھ۔۔۔'' اس نے اپنی طرف سے مسئلے کا حل بتایا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، درشہوار کی طرف سے دل ڈرا ہوا میرا اور اسے تو کسی صورت نہیں بھجواؤں گی میں اکیلے۔۔'' تاجدار بیگم نے ان کو جھاڑا۔

''اچھا ٹھیک ہے، آپ ان کو ریڈی کروائیں، میں ذرا ایک کام نبٹا کر آتا ہوں۔۔۔''

وہ جیسے ہی میر ہاؤس سے باہر نکلے، سامنے ہی سعد پیدل چلتا ہوا ہادی کے گھر کی طرف آ رہا تھا، برہان اسکی طرف دیکھ کر پھیکے سے انداز میں مسکرائے لیکن سعد نے تو مروتاً بھی ایسا کوئی مظاہرہ نہیں کیا، مناہل والے قصے کے بعد تو اسے بھی برہان سے شدید قسم کی چڑ سی ہو گئی تھی لیکن پڑوسی ہونے کے ناطے اب وہ بالکل ہی بے مروتی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا تبھی تو ان کے سلام کا جواب دے دیا۔

''کیسے ہو سعد، ہادی نظر نہیں آ رہا تمہارے ساتھ۔۔۔'' وہ انجان بن کر بولے۔

''وہ اسلام آباد گیا ہوا ہے اپنے گھر، آپ سنائیں۔ سنا ہے شادی ہو رہی ہے آپکی، پیشگی مبارکباد قبول کریں۔۔۔'' سعد نے ان پر بم گرایا۔۔

''آپ کو کس نے بتایا۔۔؟'' برہان ایکدم بوکھلائے، ان کے خیال کے مطابق تو یہ بات ابھی میر ہاؤس تک ہی محدود تھی۔۔

''آپ کیوں اتنے حیران ہو رہے ہیں۔۔۔؟'' سعد نے کمینگی کا مظاہرہ کیا۔

''ایکچوئلی ابھی کارڈز وغیرہ زیادہ نہیں دیئے تو اس لیے تھوڑی حیرانگی ہوئی۔۔۔'' برہان نے خود کو سنبھالا۔ ''ویسے کس نے بتایا۔۔؟'' ان کی سوئی اسی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔

''ہادی ذکر کر رہا تھا کچھ ایسا۔۔۔'' سعد دل ہی دل میں ان کی حالت سے محظوظ ہوا۔

''لیکن ہادی کو کیسے پتا چلا، میں نے تو ایسا کوئی ذکر نہیں کیا تھا اس کے سامنے۔۔۔'' ان کا چہرہ دھواں دھواں سا ہوا۔

''شاید اسکی سسٹر مناہل کو لگ گیا ہے آپکی۔۔۔'' سعد نے انکے چہرے پر پھیلی سراسیمگی کو غور سے دیکھتے ہوئے مزید کہا۔ ''مناہل ہی نے ذکر کیا ہو گا، آپ نے بلایا تو ہو گا اپنے ڈیپارٹمنٹ کے لوگوں کو۔۔'' سعد نے ان کے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی۔ برہان کو اپنی سانس سینے میں اٹکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ انہوں نے اپنے دماغ میں کڑیاں جوڑنے کی ناکام کوشش کی اور پھر تھک ہار کر گویا ہوئے۔۔

''ہاں شاید۔۔۔اینی ہاؤ،آپ کا اور ہادی کا انویٹیشن کارڈ میرے پاس پڑا ہے۔ٹائم ملے تو ضرور آیئے گا۔۔۔''

''آف کورس۔۔۔!!!''سعد کو اپنے اندر ٹھنڈک سی اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔

برہان نے اپنا سر دھوتا ہوا ہاتھ بمشکل سعد سے ملایا اور بوجھل قدموں کے ساتھ اپنے گھر کی طرف بڑھ گئے،ان کے دماغ میں بہت دنوں سے الجھی ہوئی گتھی سلجھ تو گئی تھی لیکن کچھ اس طرح سے سلجھی تھی کہ اس نے ان کی پوری زندگی کو الجھا کر رکھ دیا تھا۔

☆......☆......☆

شہزاد نے ساتویں دفعہ ہم زاد کا نمبر ڈائل کرنے کے بعد سیل فون مایوسی سے میز پر رکھ دیا۔

اسکا نمبر مسلسل پاورڈ آف جا رہا تھا۔۔۔

اس وقت وہ ٹینا ہاؤس کے خوبصورت لان میں ٹہل رہی تھی اور پچھلے دو دن کی مصروفیت میں اسے ایک پل کو بھی ہم زاد کا خیال نہیں آیا،صندل کی پورسٹ مارٹم رپورٹ اور اس کے کیس کے ساتھ ساتھ رومیصہ کی چیزوں نے اسے ہوش وحواس سے بیگانہ کر رکھا تھا۔آج اسے تھوڑی فراغت محسوس ہوئی تو ساتھ ہی اسے کسی چیز کی کمی کا احساس بھی پوری شدت سے جاگا۔۔۔

''اوہ شٹ۔۔۔!!!اکافی سوچنے کے بعد اسے یاد آیا کہ ہم زاد کی آخری کال اسے مری جاتے ہوئے راستے میں آئی تھی جس کا اختتام قطعاً بھی خوشگوار نہیں تھا،تبھی تو اس نے دوبارہ اس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔

''عجیب شخص ہے،بات بات میں بچوں کی طرح خفا ہو جاتا ہے۔۔''وہ ہلکی سی کوفت کا شکار ہوئی۔

''سونے پہ سہاگہ نمبر بھی مسلسل آف کر رکھا ہے،آن کرنے کے بعد نوٹیفکیشن تو ملے ہی ہونگے اسے۔۔''

وہ آسٹریلین گھاس پر ٹہلتے ہوئے مسلسل کڑھ رہی تھی جب اسکی نظر سیکورٹی گارڈ کے کیبن میں بیٹھے ہوئے اپنے باڈی گارڈ رضا پر پڑی،جو سیل فون پر کوئی ٹیکسٹ کرنے میں بزی تھا،شہزاد کچھ سوچ کر اس کیبن کی طرف بڑھی اور رضا اسکی طرف دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہوا۔۔۔

''رضا،میجر توصیف کو کیسے جانتے ہیں آپ۔۔۔؟وہ ملازمین کے ساتھ بھی احترام سے بات کرنے کی قائل تھی۔

''توصیف صاحب ہماری کمپنی کے پرانے کلائنٹ ہیں اور اکثر اسپیشل لوگوں کے لیے مجھے ہی ہائر کرتے ہیں۔۔''اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

''ان کا نمبر ہے آپ کے پاس،ذرا دیں مجھے۔۔۔''اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

رضا نے اپنے سیل فون سے ایک نمبر اسے جلدی سے لکھوایا،وہ نمبر ڈائل کر کے لان کی دوسری طرف آ گئی،میجر توصیف نے چوتھی بیل پر فون اٹھا لیا تھا۔

السلام علیکم،شہزاد کیسی ہیں آپ۔۔۔؟''میجر توصیف کے پہچاننے پر وہ مسکرائی،یقیناً اس کا نمبر اس کے پاس محفوظ تھا۔

''میں ٹھیک ہوں میجر توصیف، آپ سے کچھ ایک دو باتیں کرنا تھیں مجھے۔۔۔'' وہ محتاط انداز میں گویا ہوئی۔۔

''آف کورس، کیوں نہیں۔۔۔''

''کیا میں آپ سے پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کو میرے سلسلے میں آفیشلی آرڈرز کس نے دیئے تھے۔۔؟''

''دیکھیں میم، آفیشلی تو ایسے آرڈرز ممکن نہیں لیکن جیسا کہ آپکو علم ہے کہ ہم اپنے کولیگز کے لیے بہت سی چیزیں ان آفیشلی بھی کر رہے ہوتے ہیں اور آپکے معاملے میں بھی بالکل ایسا ہوا تھا، مجھے کرنل طاہر نے کہا تھا اور انہیں شاید لیفٹیننٹ جنرل خالد صاحب نے۔۔''

''اور یقیناً انہیں کسی اور نے کہا ہوگا۔۔۔'' شہزاد کے لہجے میں چھپے طنز کو بھانپ کر وہ ہلکا سا مسکرایا۔۔

''اس بات سے اندازہ لگا لینا چاہیے کہ ہماری آرمی کا شمار دنیا کی بہترین افواج میں کیوں ہوتا ہے۔۔؟'' وہ مسکرایا۔

''جی اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے۔۔۔'' شہزاد ہلکا سا بیزار ہوئی۔

''آپ کہیں تو میں آپکو کرنل طاہر کا نمبر دے سکتا ہوں۔۔۔'' اس نے ہلکا سا سوچ کر آفر کی۔

''تھینک یو۔۔۔اسکی ضرورت نہیں۔۔۔!!!''

وہ میجر توصیف کے ساتھ بات کر رہی تھی جب اسے کال ویٹنگ میں ہم زاد کی کال کا نوٹیفیکیشن ملنے لگا، شہزاد کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ یقیناً اس کے سورسز اسے الرٹ کر چکے تھے۔ شہزاد نے عجلت بھرے انداز میں اسے خدا حافظ کر کے ہم زاد کی کال لی تو دوسری طرف سے ایک ٹھنڈی آہ بھری گئی۔

''یقیناً آپ کو علم ہو گیا ہوگا کہ میں اس وقت میجر توصیف سے بات کر رہی ہوں۔۔۔''

''اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اسکی آواز مجھ سے زیادہ خوبصورت نہیں ہو سکتی۔۔'' اسکے بے ساختہ انداز پر شہزاد مسکرائی۔

''مجھے یقین ہے کہ وہ آپ سے زیادہ ہینڈسم بھی نہیں ہوگا لیکن آپکو پتا ہے ناں کہ مجھے مردوں میں ہمیشہ ذہانت اٹریکٹ کرتی ہے۔''

''پھر تو میں تسلی رکھوں کہ مجھ سے کوئی نہیں جیت سکتا۔۔۔'' خلاف توقع اسکا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔

''اللہ آپکی خوش فہمیوں میں مزید اضافہ کرے، لگتا ہے آپ پاکستان میں قدم رنجہ فرما چکے ہیں۔۔'' شہزاد نے بالکل درست اندازہ لگایا۔

''آ جائیں، آپکو ''چائے خانہ'' میں چائے پلواتا ہوں۔۔'' وہ شرارتی انداز سے گویا ہوا۔

''اور میں آ بھی جاؤں گی، اس بات کا بھی آپکو علم ہے۔۔۔'' وہ مسکرائی۔

''آ تو میں بھی گیا تھا پچھلی بار، لیکن آپ ہی فائرنگ کی آواز سن کر بھاگ گئیں تھیں۔۔'' وہ دامن کوہ والے واقعے کی طرف ہنستے ہوئے اشارہ کر رہا تھا۔

''بے فکر رہیں اس بار میدان آپ ہی چھوڑ کر بھاگیں گے۔۔۔'' وہ پُروقار انداز میں مسکرائی۔

''چلیں پھر آ جائیں، بیٹھ کر اپنی زندگیوں کے مسائل کا حل نکالتے ہیں۔۔۔'' اسکی سنجیدگی پر وہ ہلکا سا چونکی جبکہ وہ مزید کہہ رہا تھا۔''لیکن شرط یہ ہے کہ سیاہ رنگ کا سوٹ پہن کر آئیں گی آپ۔۔'' اسکی اگلی فرمائش پر وہ بدکی۔

''آپ کو یہ غلط فہمی کب سے ہوگئی کہ آپ ایسی کوئی بے تکی فرمائش کریں گے اور میں ٹین ایجر لڑکیوں کی طرح پوری کر کے بھاگتی ہوئی آؤں گی۔'' شہرزاد نے اپنے بلیک کلر کے سوٹ سے دانستہ نظریں چرائیں کیونکہ وہ چاہ کر بھی اسے نہیں بتا سکتی کہ وہ اس وقت یہی رنگ پہنے ہوئے ہے۔

''جن سے ہم محبت کرتے ہوں انکی فرمائش پوری کرنا آپکی نزدیک امیچورٹی ہے کیا۔۔؟'' وہ سنجیدہ ہوا۔

''فرمائش بھی تو کوئی ڈھنگ کی ہو۔۔'' اس نے بھی منہ بنا کر کہا۔

''اب آپ سے میں کوئی ایٹمی دھماکہ کرنے یا تازہ بجٹ بنانے کی فرمائش تو نہیں کر سکتا۔۔'' وہ ہلکا سا چڑ کر گویا ہوا۔

''مجھے اچھا لگے گا اگر آپ عام لڑکیوں کی طرح ٹریٹ نہیں کریں گے مجھے۔۔۔''

''یاد رکھیے گا شہرزاد، ہم سب اس دنیا میں عام لوگ ہی ہیں، ہم سے محبت کرنے والوں کی نظریں ہی ہمیں ''خاص'' بناتی ہیں۔'' وہ بھی باقاعدہ بحث کرنے پر اتر آیا۔

''بے شک ایسا ہوگا، لیکن مجھے ذاتی طور پر ایسی چیزیں پسند نہیں۔۔۔'' وہ بیزاری سے گویا ہوئی۔

''اور آپ میری ایک بات آج لکھ لیجئے گا کہیں، جب انسان محبت کو اوڑھ لیتا ہے تو پھر وہ سب کچھ کرنے لگتا ہے جو عام دنوں میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا، اور ایک دن آپ بھی وہ سب کچھ کریں گی اور بہت دل سے کریں گی۔۔۔'' اسکا لہجہ یقین میں ڈوبا ہوا تھا۔

''یہ تو آنے والا وقت ثابت کرے گا، اس لیے بہتر ہوگا کہ ہم ایسی بحث ابھی مت کریں۔'' وہ اسکے لہجے اور انداز میں چھپی ہلکی سی ناگواری کو بھانپ کر بولا۔

''چلیں پھر کام کی بات کرتے ہیں میڈم، صارم خان کے قاتلوں کا سراغ تقریباً مل چکا ہے۔۔۔'' ہمزاد تھوڑا فارمل ہوا۔

''یقیناً اسکے ڈانڈے جسٹس محمود یا بریگیڈئیر وقار کے خاندان سے ملتے ہونگے کہیں نہ کہیں سے۔۔۔'' اُس نے آہستگی سے لقمہ دیا۔

''لڑکی حسین ہی نہیں ذہین بھی ہیں آپ، ویسے بتا سکتی ہیں کہ یہ اندازہ کیسے لگایا آپ نے۔۔؟'' دوسری طرف وہ حیران ہوا۔

''سیدھی سی بات ہے کہ بریگیڈئیر وقار اپنی بیٹی کو بچانے کے لیے اور جسٹس محمود اپنی نیک نامی پر دھبہ نہ لگانے کے لیے ہی کوئی انتہائی قدم اٹھا سکتے ہیں اور صارم کی گواہی ان کے بیٹے کے کریکٹر پر ایک سوالیہ نشان ہی تو ہے۔۔۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ہاں اس دفعہ یہ بے وقوفی واقعی جسٹس محمود کی طرف سے ہوئی ہے جو کم از کم رومیصہ کے حق میں بہتر ثابت ہوگی۔۔'' وہ خاصا

مطمئن تھا۔

''لیکن مجھے صارم خان کی موت کا بہت دکھ ہے، اور کم از کم اس حد تک ان لوگوں کو نہیں جانا چاہیے تھا۔۔''

''ابھی تو پارٹی شروع ہوئی ہے، آپ بھی تھوڑا احتیاط کریں، کیونکہ آپ نے بھی اپنے دشمنوں کی لسٹ میں خاصا اضافہ کرلیا ہے۔'' وہ فکرمند ہوا۔

''جب تک آپ جیسے دوستوں کی دعائیں میرے ساتھ شامل ہیں، مجھے کسی چیز کا خوف نہیں۔۔'' وہ اسکے بے خوف لہجے پر ہلکا سا جھنجھلایا۔

''ان ساری باتوں کے ساتھ آپ یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ آپ ایک عورت بھی ہیں اور کسی عورت کے لیے سب سے قیمتی چیز اسکی عزت ہوتی ہے۔''

''تو اس عزت کی حفاظت کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے۔۔؟'' وہ ہلکے پھلکے لہجے میں گویا ہوئی۔۔

''مجھ سے شادی۔۔۔'' جواب انتہائی برجستہ انداز میں آیا اور شہزاد کے دل کی دھڑکن بے ربط ہوئی۔ اس کا سفید اجلا چہرہ گویا خون کی حدت سے دہک اٹھا، اور قوت گویائی سلب ہوکر رہ گئی۔ ہم زاد کو کچھ لمحوں کی غیر معمولی خاموشی کے بعد اندازہ ہوا کہ کال منقطع کی جا چکی تھی۔

☆......☆......☆

برہان شدید قسم کے ڈپریشن کا شکار تھا۔۔۔

اس کے باوجود وہ ندرت چچی کے ساتھ جناح سپر مارکیٹ آ گیا تھا اور انابیہ اور درشہوار بھی اسکے ساتھ تھیں، وہ چاروں اس وقت محسن سنز پر برائیڈل ڈریسز کھلوا کر دیکھ رہے تھے اور جو سچ بات تھی کہ برہان ذہنی طور پر کہیں اور تھا اور درشہوار کو بھی اپنے سامنے رکھے قیمتی لہنگوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

انابیہ کنکھیوں سے اسکے چہرے پر پھیلی پریشانی کا دل ہی دل میں اندازہ لگا چکی تھی کیونکہ اسکی فرینڈ کرن کے مطابق میم مناہل ایکس پاکستان لیو پر ایک ماہ کے لیے جا چکیں تھیں اور انابیہ نے یہ سن کر سکون کا سانس لیا تھا۔

''برہان یہ فان کلر کیسا ہے۔۔۔؟'' ندرت چچی نے اسکی بیزاری کو بھانپ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''مجھے کیا پتا، میں نے کون سا کلرز پر ریسرچ کر رکھی ہے۔'' وہ دکاندار کا لحاظ کیے بغیر تپ کر بولے۔

''جب کچھ بتانا ہی نہیں تھا تو دونوں بہن بھائی کرنے کیا آئے تھے یہاں۔۔۔''

انہوں نے نسبتاً دھیمی آواز میں دونوں کو جھاڑا تو برہان نے چونک کر درشہوار کی طرف دیکھا، جس کے چہرے پر کوفت، بیزاری

اور جھلاہٹ ایک ایک نقش سے نمایاں تھی، وہ اسٹول پر اس طرح سے بیٹھی تھی جیسے ان لوگوں کے ساتھ نہ آئی ہو۔

''درشہوار، تم بتاؤ یہ لہنگا کیسا ہے۔۔۔؟'' ندرت چچی نے بادل نخواستہ درشہوار کا کندھا ہلا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''ٹھیک ہے۔۔۔'' اس نے نظر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

''تمہارے لیے پیک کروالوں۔۔۔'' وہ جھنجھلا کر گویا ہوئیں۔

''مرضی ہے آپ کی۔۔۔'' درشہوار نے ان کو مزید تپایا۔

''باجی آپ یہ دوپٹہ لے کر پلیز مرر میں چیک کریں، بہت زبردست چیز ہے یہ۔۔'' سیلز مین نے درشہوار کو مشورہ دیا جو اسے سخت ناگوار گذرا۔

''یہ مشورے آپ ان لوگوں کو دیں، جو دیکھ رہی ہیں۔ میرے ساتھ باجی شاجی کہہ کر رشتے داریاں گانٹھنے کی ضرورت نہیں۔۔'' اسکے نخوت زدہ انداز پر سیلز مین ہلکی سی خفت کا شکار ہوا۔ اسے اندازہ ہوا کہ باجی اس وقت خاصی مرچیں چبا کر بیٹھی ہوئی ہیں۔

''میں انابیہ کے لیے پیک کروا چکی ہوں، اب تم بھی دیکھنے کی تھوڑی زحمت کرلو ورنہ بعد میں گھر جا کر شور مچاؤ گی۔۔''

ندرت چچی نے دبے دبے انداز میں اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کی، لیکن درشہوار کی دل کی دنیا میں تو اس وقت طلاطم برپا ہو چکا تھا، ہادی اپنی والدہ مسز عالیہ قریشی کے ساتھ اسی شاپ میں داخل ہو رہا تھا اور اس کی نظر بھی درشہوار اور برہان پر پڑ چکی تھی۔۔

''آئیں آئیں مسز قریشی، آپکا آرڈر بالکل ریڈی ہے۔۔۔'' ایک سیلز مین پرجوش انداز میں انکی طرف بڑھا۔

جب کہ برہان اور ہادی دونوں کے لیے یہ انتہائی آکورڈ پوزیشن تھی اور اتفاق سے مسز قریشی بھی برہان اور درشہوار کو پہچان چکی تھیں جنہیں مناہل نے انکی پارٹی میں بطور خاص ان سے ملوایا تھا۔ برہان خفت زدہ انداز میں ان سے اٹھ کر ملا اور درشہوار کی آنکھوں میں بھی چمک در آئی۔

''السلام علیکم آنٹی، کیسی ہیں آپ۔۔۔'' درشہوار کا گمشدہ اخلاق واپس لوٹ چکا تھا اور وہ بظاہر مسز قریشی سے مخاطب تھی لیکن اسکی نظریں بھٹک کر ہادی کے بیزار چہرے کی طرف جا رہی تھیں جو برہان سے بہت سرد انداز میں ملا تھا اور مجبوراً انہیں بھی اپنے ساتھ آئی ہوئیں اپنی چچی اور کزن انابیہ کا تعارف کروانا پڑا، مسز عالیہ قریشی ان سب سے بڑے پرجوش انداز میں ملیں۔

''لگتا ہے آپکے ہاں کسی کی شادی کا فنکشن ہے۔۔۔'' انہوں نے سامنے رکھے لہنگے کو دیکھ کر مسکرا کر اندازہ لگایا۔

''ایک نہیں، ماشاءاللہ دو دو شادیاں ہیں، ایک تو برہان کی اور دوسری اسکی بہن درشہوار کی۔۔۔'' ندرت چچی کی بات پر درشہوار نے بے چینی سے کھڑے کھڑے پہلو بدلا، جبکہ ہادی کے چہرے پر بھی تھوڑے سکون کے تاثرات نمودار ہوئے اور اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

''ماشاءاللہ، اللہ پاک قسمت بہت اچھی کرے۔۔۔'' مسز قریشی نے کھلے دل سے دعا دی۔

''ویسے مسز قریشی کی پسند بھی بڑی لاجواب ہے، ہماری بہت پرانی کسٹمر ہیں آپ ان سے بھی مشورہ لے سکتی ہیں۔۔۔'' سیلز مین نے مزید خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔۔۔

''جی جی آنٹی بتائیں، ان سب میں کون سا بیسٹ ہے۔؟'' درشہوار کے لہجے میں چھپی بے تابی برہان کو سخت زہر لگی جبکہ مسز قریشی کی نظریں سامنے کھلے ہوئے نفیس اور خوبصورت دوپٹوں پر تھیں اور ہادی مسلسل اپنے سیل فون پر کوئی ٹیکسٹ کرنے میں مصروف تھا۔

''بیٹا، آپ خود دیکھیں ناں، آپکی تو شادی ہے۔۔۔'' مسز قریشی نے مسکرا کر ٹالنے کی کوشش کی۔

''نہیں آنٹی، آپ بتائیں پلیز۔ مجھے خوشی ہوگی۔'' درشہوار مچلی تو انہوں نے مجبوراً، دو تین دوپٹوں کو اٹھا کر دیکھا۔

''میرا خیال ہے کہ یہ فان اور ڈیپ ریڈ بہت اچھا لگے گا فرسٹ ڈے کے لیے۔۔۔'' ان کے منہ سے نکلنے کی دیر تھی اور درشہوار جھٹ سے بولی۔

''بس یہی پیک کر دیں۔۔۔'' ندرت چچی اور انابیہ نے حیرانگی سے اسکی طرف دیکھا، جس نے ڈیڑھ لاکھ کا لہنگا لینے کے لیے ڈیڑھ منٹ بھی نہیں سوچا تھا اور کھڑے کھڑے پیک کروانے کا حکم دے دیا، لیکن ندرت چچی اس وقت کڑوا گھونٹ پینے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتیں تھیں، اتنا تو انہیں بھی اندازہ تھا کہ وہ اگر دو لاکھ کے ڈریس پر بھی ہاتھ رکھ دیتی تو تاجدار بیگم بھی اپنی لاڈلی کی فرمائش پوری کرنے کے لیے دو منٹ بھی نہ سوچتیں۔

مسز عالیہ قریشی، اپنا آرڈر اٹھا کر ان سے مل کر جا چکیں تھیں لیکن ہادی کے لباس سے اٹھنے والی قیمتی کولون کی مہک درشہوار کو مدہوش کیے جا رہی تھی، وہ لاشعوری طور پر اسی جگہ پر آکر کھڑی ہوگئی تھی جہاں کچھ دیر پہلے ہادی کھڑا تھا جبکہ برہان کا موڈ مزید آف ہو چکا تھا، ہادی کے تاثرات سے انہیں بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ مناہل کے غائب ہونے کی اصل وجہ صرف اور صرف ان کی شادی ہی ہے اور اس سوچ نے انہیں مزید انابیہ سے بیزار کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

''شیری سچ سچ بتاؤ، آج مجھے کیا مسئلہ ہے۔۔۔؟''

وہ ابھی ابھی آفس سے گھر آئی تھی، سامنے ٹینا بیگم بالوں میں کرل ڈالے، ماسک لگائے سیٹنگ روم کے کاؤچ پر نیم دراز تھی، اسے دیکھتے ہی انہوں نے جلدی اسے اپنا ماسک اتارا، اور اس کے سامنے آن کھڑی ہوئیں۔ ان کے چہرے پر تشویش کے رنگ غالب تھے۔

''کیوں، کیا ہوا۔۔؟'' شہرزاد کو آج اتنے عرصے بعد انہیں پرانے روپ میں دیکھ کر خاصی خوشی ہوئی۔

''یہ میجر توصیف آج پھر پورے گھر میں گھسا ہوا تھا، ایک ایک روم کی سیکورٹی کے حوالے سے علیحدہ علیحدہ چیزیں گنوا رہا تھا وہ

۔۔'' وہ ہلکا سا تپ کر بولیں۔

''مام وہ قابل اعتبار بندہ ہے، جو کر رہا ہے اسے کرنے دیں۔۔'' شہرزاد نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

''بات اعتبار کی نہیں ہے شیری۔۔۔'' وہ ہلکا سا جھنجھلائیں۔۔'' بات اس خطرے اور پریشانی کی ہے، جس کی وجہ سے یہ سب کچھ کرنے کی ضرورت پیش آ رہی ہے، تم مجھے سچ سچ بتاؤ کہ تمہاری جان کو خطرہ ہے یا رومی کی، یا اصل بات کیا ہے۔۔۔''

''مام ایسا کچھ نہیں ہے، آپکو پتا ہے ناں مسز قریشی میرے حوالے سے کتنی کونشس رہتی ہیں، اور میجر توصیف ان کے بیٹے ہادی کا دوست ہے اور اسی وجہ سے وہ یہ سب کر رہا ہے، ورنہ آفیشلی تو ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔'' شہرزاد نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے مسز قریشی کے خاندان کا حوالہ دیا۔

''آپ بس اپنا بیوٹی سیلون دیکھیں اور باقی معاملات میرے اوپر چھوڑ دیں، یہ بتائیں انکل سیفی نہیں آئے کافی دن سے۔۔''

شہرزاد نے دانستہ سیف الرحمٰن کا نام لیا کیونکہ اسے یقین واثق تھا کہ اس نام کو سننے کے بعد ٹینا بیگم باقی ساری چیزوں کو بھلا دیں گی، اور وہی ہوا، وہ یہ موضوع بھلا کر وہ اسے سیف الرحمٰن کے کوریا کے تازہ ترین وزٹ کے بارے میں بتانے لگیں، ان کے ساتھ ایک گھنٹہ گپ شپ لگانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی اور جیسے ہی اس نے اندر قدم رکھا، ایک جانی پہچانی سحر انگیز کولون کی خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔۔

شہرزاد کے پاؤں زمین پر جم گئے، وہ خاموش و ساکت کھڑے کھڑے ایک دم چونک گئی۔۔۔

دل حلق کے راستے باہر آنے کے جتن کرنے لگا۔۔۔

ہم زاد جس مخصوص کولون کا استعمال بیدردی سے کرتا تھا اسکی خوشبو اس کے بیڈ روم میں رقص کر رہی تھی۔۔۔

وہ حواس باختہ انداز میں پلٹی اور تیز تیز سیڑھیاں اترتی ہوئی سیٹنگ روم میں پہنچی، ٹینا بیگم نے چونک کر اسکی طرف دیکھا۔ وہ ہاتھ میں ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول پکڑے بیٹھی ہوئیں چینل سرچنگ میں مصروف تھیں۔

''مام، میجر توصیف کے ساتھ کون آیا تھا آج گھر میں۔۔۔؟'' اسکا لہجہ تجسس کا لبادہ اوڑھ چکا تھا۔

''آئی ڈونٹ نو۔۔۔ مجھے تو رشیدہ نے بتایا تھا، یہ آ رہی ہے اس سے پوچھ لو۔۔۔'' ٹینا بیگم نے کمرے میں داخل ہوتی ہوئی رشیدہ کی طرف اشارہ کیا، جس نے ٹرے میں کافی کا بڑا مگ رکھا ہوا تھا۔

''رشیدہ، آج میجر توصیف کے ساتھ کون آیا تھا گھر میں اور میرے کمرے میں کون گیا تھا۔۔۔؟''

''چار لوگ تھے جی، اور وہ تو سبھی کمروں میں گئے تھے۔۔۔''

''آرمی کے یونیفارم میں تھے کیا۔۔۔؟''

''نہیں جی، ایک ہی تھا یونیفارم میں، جو پہلے بھی آیا تھا اپنے گھر میں۔۔۔'' رشیدہ کا اشارہ میجر توصیف کی طرف تھا۔ وہ کوئی بھی جواب دیئے بغیر پلٹی اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ہم زاد کا نمبر ڈائل کر چکی تھی۔

''زہے نصیب۔۔۔'' دوسری طرف وہ چہکا۔۔۔

''ہم تو نظر تک چاہتے تھے، آپ جان تک آ گئے۔۔۔'' اس نے طنزیہ انداز اپنایا۔ وہ اپنے بیڈ روم میں دوبارہ پہنچ گئی تھی۔۔

''بائے گاڈ، آپکی خواب گاہ سے کچھ نہیں چرایا سوائے ایک خوشبو کے۔۔۔'' دوسری طرف وہ شرارت سے ہنسا تو وہ چونک گئی، ڈریسنگ ٹیبل سے اسکی پسندیدہ خوشبو کی بوتل غائب تھی۔

''دوسروں کی خوشبوئیں چراتے چراتے اپنے خوشبو کو وہیں چھوڑ آئے۔ بہت خوب۔۔۔ ایسے لٹیرے پہلی دفعہ دیکھے ہیں زندگی میں۔'' وہ ہلکا سا تپ کر بولی۔

''ہم کچھ لو اور کچھ دو کے اصولوں پر چلتے ہیں جناب، اپنی سائیڈ میز کی دراز کھولیے، ایک چھوٹا سا نذرانہ چھوڑ آئے ہیں وہاں، دل چاہے تو قبول کر لیجئے گا یا پھر واش روم کے دروازے کے پاس رکھے نیلے رنگ کی ڈسٹ بن میں ڈال دیجئے گا۔۔

وہ اس کے کمرے کا خاصی گہری نظروں سے جائزہ لے کے گیا تھا اور اسکا ثبوت وہ ہر بات میں دے رہا تھا، جبکہ شہرزاد کی سوئی تو ایک ہی پوائنٹ پر اٹکی ہوئی تھی تبھی وہ جتاتے ہوئے انداز میں بولی۔۔ ''میجر توصیف دوستی کا حق خوب نبھا رہے ہیں۔۔۔''

''شکر ہے آپ نے مجھ پر میجر توصیف ہونے کا ہی دعوی نہیں کر دیا، قسم سے اس بار تو میں شرم سے مر ہی جاتا۔۔۔'' اسکا مزاج خاصا خوشگوار تھا۔

''شاید اس طرف بھی سوچ لیتی، اگر پہلے دن اسکے سامنے کھڑے ہو کر آپ سے بات نہ کی ہوتی۔۔۔'' وہ مسکرائی۔

''بہت مہربانی آپکی، ورنہ یہ صدمہ تو واقعی مجھے لے ڈوبتا۔۔۔'' وہ شرارتی انداز سے گویا ہوا۔

''اینی ہاؤ، اس ہنگامی وزٹ کی وجہ پوچھ سکتی ہوں میں۔۔۔؟''

''کچھ دن میں جسٹس محمود، صارم خان کی فیملی اور بریگیڈیر وقار کے خاندانوں کے درمیان ایک عظیم دنگل شروع ہونے والا ہے، اس لیے سوچا کہ اس سلسلے میں ہم بھی اپنے انتظامات کر لیں۔۔''

''میرے لیے کیا حکم ہے۔۔۔؟'' شہرزاد نے شوخ لہجے میں پوچھا۔

''پہلی فرصت میں اپنا بیڈ روم چینج کر لیں، کیونکہ وہاں پر رسائی سب سے زیادہ آسان ہے۔۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آپ میرے بیڈ روم میں پہنچ گئے تو کوئی بھی منہ اٹھا کر آ سکتا ہے۔۔؟'' وہ ہلکا سا بُرا مان گئی۔

''اگر کوئی میری زندگی میں ایسا کرنے کی کوشش کرے گا تو اسے کم از کم میرے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکتا، اتنا اپنی صلاحیتوں پر ٹرسٹ ہے مجھے۔۔''

''تو ٹھیک ہے جب تک آپ زندہ ہیں تب تک تو کھل کر جی لینے دیں۔۔۔''اس نے مذاق میں بات اڑانی چاہی۔

''چلیں جناب، ہم آپ کی خاطر اپنی نیندیں قربان کر دیں گے، اگر اتنی بھاری ذمے داری مجھ پر ڈال ہی دی ہے تو۔۔''ہم زاد کا قہقہہ فضاؤں میں گونجا اور اس سے بات کرتے کرتے شہرزاد نے اپنی سائیڈ میز کی دراز کھول کر دیکھی، اس میں رائل بلیو کلر کی ویلوٹ کی چھوٹی سی تھیلی تھی، اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اسے کھولا تو وائٹ گولڈ میں ایک دلکش سا بریسلیٹ اسکے ہاتھ میں آ گیا۔

''یہ گفٹ کس خوشی میں دیا گیا ہے مجھے۔۔؟''وہ اتنا قیمتی تحفہ دیکھ کر تھوڑا سنجیدہ ہوئی۔

''بے فکر رہیں، میں اپنا گفٹ اتنے ان رومینٹک طریقے سے نہیں دوں گا، یہ آپ کے لیے گڑیا نے بھجوایا ہے امریکہ سے۔۔''اس نے اپنی چھوٹی بہن کا نام لیا تو وہ کچھ مطمئن ہوئی، اس کے والد سے بات کر کے اتنا تو اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اسکی ساری فیملی اچھی طرح سے شہرزاد سے واقف ہے۔

''میری طرف سے تھینکس کہہ دیجئے گا اسے۔۔''شہرزاد مسکرائی اور اس کے بعد ان دونوں کے درمیان رومیصہ کے کیس پر جو ڈسکشن اسٹارٹ ہوئی، وہ ارتضی پر آ کر ختم ہوئی۔

''احمد عباسی کرپشن کیس، ارتضی کے گلے پڑ جائے گا۔ اس بے وقوف کو سمجھاؤ کہ ذرا طریقے سے چیزوں کو ہینڈل کرنا سیکھے۔''ہم زاد کی بات پر وہ چونکی، آج کل احمد عباسی کرپشن کیس میں اخبارات میں خاصا ان تھا، ارتضی حیدر نے کئی کامیاب چھاپوں کے ذریعے بہت سے ثبوت اکھٹے کر لیے تھے اور اپنا کام وہ بہت دیانت داری سے کرنے کا قائل تھا۔

''ہاں میں اسے اکثر کہتی ہوں، لیکن وہ اپنے اصولوں پر کوئی کمپرومائز کرنے کو تیار نہیں۔۔''

''دیٹس گریٹ۔۔۔لیکن زندگی کے بعض معاملات میں تھوڑا بیک فٹ پر بھی کھیلنا پڑتا ہے۔۔''ہم زاد خاصا سنجیدہ تھا۔

''چلیں میں بات کروں گی اس سے، اب تھوڑا مجھے رومیصہ کو بھی ٹائم دینا ہے، وہ خاصی ڈسٹرب ہے ان دنوں۔۔''شہرزاد اس سے الوادعی سلام دعا کے بعد فون بند کر چکی تھی۔

☆......☆......☆

''قسم سے خود کو بڑا ہی ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں میں آج۔''

ہادی کافی کا مگ پکڑے سعد کے ساتھ ٹیرس پر کھڑا تھا اور ان دونوں کی نظریں میر ہاؤس پر لگے ہوئے برقی قمقموں پر تھیں، جو شاید نہیں یقیناً برہان کی شادی کی خوشی میں لگائے گئے تھے اور اس گھر کی روشنیاں پہلی بار ہادی کو اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

''کیا واقعی درشہوار کی بھی شادی ہو رہی ہے۔۔۔؟''سعد کو یقین نہیں آ رہا تھا۔۔

''کیوں دکھ ہو رہا ہے تمہیں۔۔۔؟''ہادی نے اسے چھیڑا۔

''میری بلا سے بلکہ خس کم جہاں پاک ۔۔۔'' وہ ہلکا سا چڑ کر بولا۔

''تمہاری محبت تو پانی کے بلبلے سے بھی کم مدت کی نکلی ٹھاکر۔۔۔'' ہادی کا موڈ آج بڑا فریش تھا۔

''ہزار دفعہ بتا چکا ہوں کہ اسکی شوخی اور شرارتیں اچھی لگی تھیں شروع شروع میں، لیکن بعد میں تو سخت چھچھوری لگنے لگی تھی وہ مجھے۔ بائی داوے تمہیں کیوں اتنی خوشی ہو رہی ہے ۔۔۔؟'' سعد نے حیرانگی سے اسکا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھا۔

''ویسے ہے تو یہ بہت گھٹیا بات لیکن سچ پوچھو تو درشہوار سے زیادہ مجھے برہان کی شادی کی خوشی ہے۔۔۔'' اسکی بات پر سعد چونکا۔

''میں سمجھا نہیں تمہاری بات۔۔۔''

''کم از کم منو کی تو جان چھوٹ گئی ان گھٹیا لوگوں سے اور اب تو یہ میر برہان سونے کا بھی بن کر آ جائے تو وہ تھوکے گی بھی نہیں اس پر۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں اس کے مزاج کو۔۔۔'' ہادی نے لاشعوری طور پر وہ ذکر چھیڑ دیا جس کو سننے کے لیے آجکل سعد کی سماعتیں بے تاب تھیں۔۔

''تمہارا کیا خیال ہے، مناہل آسانی سے بھول جائے گی اس شخص کو۔۔؟'' اس نے ہلکا سا جھجک کر ہادی سے پوچھا۔

''اگر اسکی زندگی میں کوئی بہت مخلص اور ٹوٹ کر چاہنے والا کوئی بندے کا پتر آ گیا تو یقیناً بھول جائے گی، لڑکیوں کے لیے ان کی محبت سے زیادہ ان کی عزت نفس اہم ہوتی ہے، یا کم از کم مناہل کے لیے تو ایسا ہی ہے۔۔۔'' وہ شرارتی انداز میں گویا ہوا۔

''اور بندے کے پتر ہی تو ملنا مشکل ہیں آج کے دور میں۔۔۔'' سعد بھی غیر سنجیدہ ہوا۔

''ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ منو کی قسمت میں کوئی بہت محبت کرنے والا انسان ضرور آئے گا۔'' اسکے سنجیدہ انداز پر سعد نے کنکھیوں سے اسکی طرف دیکھا، جو میر ہاؤس پر نظریں جمائے اس وقت خاصا خوش و خرم تھا۔ سعد نے دانستہ انداز میں موضوع گفتگو بدلا۔

''ہمسایوں کے ہاں سے شادی کا کارڈ آ چکا ہے، کیا تم جاؤ گے۔۔۔؟'' وہ شرارتی انداز سے گویا ہوا۔

''میرا دماغ خراب ہے، تم جاتے رہنا۔۔۔''

''میں تو اس ویک اینڈ پر گھر جا رہا ہوں امّی سے ملنے، وہ بھائی کے پاس سے واپس آ رہی ہیں پاکستان۔۔'' سعد نے اپنی والدہ کا بتایا جو اسکے بڑے بھائی کے پاس پچھلے دو سال سے قطر کے شہر دوحا میں مقیم تھیں۔

''میرے تو خود کا نوینٹ دور کے کچھ فرینڈز دو دن کے لیے اکٹھے ہو رہے ہیں بھوربن میں، بس وہیں انجوائے کروں گا اس ویک اینڈ پر۔'' ہادی نے بھی اسے اپنے ارادوں سے آگاہ کیا۔۔

☆......☆......☆

ارسل کے کمرے کا دروازہ پوری قوت سے کھلا۔۔۔!!!

اس نے ناگواری سے اپنے جوگرز کے تسمے کھولتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھا۔۔۔

سامنے درشہوار خطرناک عزائم کے ساتھ اسے گھور رہی تھی، اسے یقیناً اسکی آمد کی اطلاع پہنچ چکی تھی۔ اس کے انداز دیکھ کر وہ بُری طرح سے ٹھٹکا، وہ شاید اسٹریس لے لے کر پاگل پن کی سرحدوں پر پہنچ چکی تھی۔

"ہاں درشہوار کیسی ہو۔۔۔؟" اس نے ایک گہرا سانس بھر کر اسے مخاطب کیا جبکہ وہ تو کسی پریشر ککر کی طرح پھٹی۔۔

"میرا حال احوال چھوڑو، تم بتاؤ مجھے، تمہارے ارادے کیا ہیں آخر۔۔۔؟ اس کے انداز میں جھلاہٹ نمایاں تھی۔

"اپنے ارادوں کا میں تمہیں پہلے دن سے بتا چکا ہوں۔۔۔" وہ خشک انداز میں کہہ کر کھڑا ہوا۔

"ایک بات یاد رکھنا ارسل، میرے ساتھ اگر تم نے کچھ غلط کرنے کی کوشش کی تو بہت بُرا حشر کروں گی میں، کیونکہ جس طرح کا رویہ تم نے آجکل اپنا رکھا ہے وہ چیخ چیخ کر بتا رہا ہے تمہارے عزائم۔۔۔" وہ بازو چڑھا کر اسکے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"مثلاً کیا ہیں میرے عزائم، مجھے بھی تو پتا چلیں۔۔۔۔؟" ارسل کو اسکا انداز سخت ناگوار گذرا۔

"تم جس طرح سے گھر سے غائب ہو رہے ہو، میرا فون سننے سے گریزاں ہو، مجھے لگ رہا ہے تم نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔" وہ جارحانہ انداز سے گویا ہوئی کیونکہ پچھلے چار دن سے ارسل کی غیر موجودگی نے اسے انگاروں پر لا کھڑا کیا تھا۔۔

"ہاں ڈال دیئے ہیں اب بولو۔۔۔؟" ارسل اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد انداز میں بولا، اسے درشہوار کا اسٹائل سخت بُرا لگا تھا، تبھی تو وہ بھی جواباً بدتمیزی پر اتر آیا، ورنہ اس کا کوئی ایسا ارادہ نہیں تھا۔

"تم۔۔۔" درشہوار کے منہ سے چند لمحوں کے صبر آزما مراحل کے بعد طیش کے عالم میں اتنا ہی نکل سکا۔

"ہاں۔۔۔میں۔۔۔" ارسل بھی بے حد کوشش کے بعد اپنا ضبط کھو بیٹھا۔

"اس کا مطلب ہے شروع دن سے تمہاری نیت خراب تھی اور تم صرف اور صرف مجھے دھوکا دینے کے لیے ایکٹینگ کر رہے تھے، اسی لیے تم نے اپنا نمبر بند کیا اور اسلام آباد بھاگ گئے، تم کیا سمجھتے ہو پاگل بنا لو گے مجھے۔۔۔" وہ بے قابو ہو کر چیخنے لگی۔

"تم جیسی پاگل کو مذید پاگل بنانے کی ضرورت کیا ہے اور تم ہو کس خوش فہمی میں۔۔؟ کبھی آئینے میں شکل دیکھی ہے اپنی۔؟ ہر کسی کو اپنا ذاتی ملازم سمجھ رکھا ہے تم نے کیا۔۔؟ نکل جاؤ میرے کمرے سے۔۔۔" وہ دانت پیس کر بولا۔

"تم ابھی اور اسی وقت داجی کو انکار کر کے آؤ۔۔۔" درشہوار کے اگلے حکم پر اسکا دماغ الٹ گیا۔

"تمہاری منہ پر تالے لگے ہوئے ہیں کیا، جو بکواس تم اس وقت میرے سامنے کر رہی ہو جا کر کرو اپنے باپ اور دادا کے سامنے۔"

وہ سلگ کر رہ گیا۔ ویسے بھی وہ پچھلے کئی دن سے رومیصہ کی وجہ سے ٹینشن میں تھا اور رہی سہی کسر آج درشہوار کی فضول باتوں نے پوری کر

دی، تبھی وہ اسی لہجے میں اس سے بات کرنے لگا جس میں وہ اس سے مخاطب تھی۔۔

''گھٹیا انسان میں چھوڑوں گی نہیں تمہیں۔تم نے سمجھ کیا رکھا ہے مجھے۔۔''اس نے سائیڈ میز پر رکھا سنگ مرمر کا گلدان اٹھا کر پوری قوت سے ڈریسنگ کے شیشے پر دے مارا، اور چھناکے کی آواز پورے گھر میں گونجی۔

وہ طیش کے عالم میں آگے بڑھ کر اس کے پرفیوم اور مختلف چیزوں کو اٹھا اٹھا کر دیوار میں مارنے لگی، اس وقت وہ بالکل بھی ہوش وحواس میں نہیں تھی۔وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر زور زور سے چیخ رہی تھی۔۔

''جاہل لڑکی، دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔۔''اس نے رومیصہ کا دیا ہوا پرفیوم جب دیوار پر مارا تو اسکے ضبط کا بندھن مزید ٹوٹا۔

''میں مر جاؤں گی لیکن تم سے شادی نہیں کروں گی، جا کر بتا دو یہ بات جس کو بھی بتانی ہے، میں کسی کے باپ سے بھی نہیں ڈرتی۔جس نے میری زبان کاٹنی ہے آ کر کاٹ لے، جس نے میری ٹانگیں توڑنی ہے آ کر توڑ لے۔۔'' وہ بول نہیں رہی تھی بلکہ چنگھاڑ رہی تھی۔

ارسل نے اسکا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا، وہ آگے بڑھا اور اس نے کھینچ کر ایک زناٹے دار تھپڑ اسکے منہ پر دے مارا، جو اسے ہوش کی دنیا میں لے آیا اور اب وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسکی طرف دیکھنے لگی، اسکے نچلے ہونٹ کے دائیں کنارے سے ہلکا سا خون بہنے لگا۔

اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور شاہ میر کے ساتھ تاجدار بیگم حواس باختہ انداز میں اندر داخل ہوئے، سامنے کا منظر دیکھ کر دونوں بُری طرح سے ٹھٹکے۔ارسل کی ڈریسنگ کے شیشے کی کرچیاں ٹوٹ کر فرش پر پھیلی ہوئی تھیں اور کمرے کی حالت دیکھ کر شاہ میر نے الجھن بھری نگاہوں سے ارسل کی طرف دیکھا۔کمرے کی حالت چیخ چیخ کر کوئی اور ہی کہانی سنا رہی تھی۔

''اب بتاؤ ان لوگوں کو، تم نہیں کرنا چاہتی ہو مجھ سے شادی اور اب چپ کیوں کر گئی ہو۔۔؟'ارسل کے مشتعل انداز پر دونوں ماں بیٹے کو دھچکا لگا انہوں نے بوکھلا کر درشہوار کی طرف دیکھا جو اسے متنفر نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کمرے سے نکلی۔

''ساری دنیا کو بتاؤں گی کہ مجھے نہیں کرنی تم سے شادی، دیکھتی ہوں کون روکتا ہے مجھے۔۔'' درشہوار کے باغیانہ انداز پر شاہ میر نے پریشانی سے اپنی ماں کا ہراساں چہرہ دیکھا، اسے کسی بڑی گڑبڑ کا احساس ہوا۔

''خدا کے واسطے ارسل، آہستہ بولو، ابا جی گھر پر ہیں۔۔'' تاجدار بیگم نے بوکھلا کر اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

''جب وہ نہیں کرنا چاہتی مجھ سے شادی تو آپ لوگ کیوں زبردستی کر رہے ہیں۔۔'' وہ ترشی سے گویا ہوا۔

''امی آپ جائیں مجھے اکیلے میں بات کرنے دیں ارسل سے۔۔'' شاہ میر نے اپنی ماں کا بازو نرمی سے پکڑ کر کمرے سے نکالا اور پھر جانچتی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے عین اس کے سامنے کھڑا ہوا۔

''تم بھی تو اس سے شادی کرنا نہیں چاہتے۔۔'' وہ شاہ میر کے غیر معمولی انداز پر ٹھٹکا۔

''بے شک ایسا ہی ہے لیکن جہاں پر بات خاندان کی عزت اور وقار کی ہوگی تم مجھے کسی سے بھی کم نہیں پاؤ گے اور میں نے تو بزرگوں کے فیصلے پر سر جھکا دیا ہے اور یہ میرے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتی ہے، اور ایسا میں ہرگز نہیں کروں گا۔۔'' ارسل نے مصلحتاً جھوٹ بولا، اسے درشہوار کے آج کے رویئے سے اندازہ ہو گیا تھا کہ لاٹھی توڑے بغیر اس نے سانپ کیسے مارنا ہے۔ اس کے رویئے پر شاہ میر الجھ کر رہ گیا۔

''لیکن درشہوار کے آج کے جارحانہ رویئے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ اس کے پیچھے ایک مضبوط وجہ ہے، وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے یا اس سے محبت کرتی ہے اس کا مجھے علم نہیں، لیکن اگر ایسا کچھ ہوا تو یہ میرے ساتھ اس گھر میں ہونے والی سب سے بڑی زیادتی ہوگی۔۔۔'' ارسل کی بات پر شاہ میر کا چہرہ تاریک ہوا، کیونکہ ارسل اپنے کورٹ سے گیند نکال چکا تھا۔

''تمہارے خیال میں وہ کون ہو سکتا ہے۔۔۔؟'' شاہ میر نے دل پر جبر کر کے وہ سوال کیا، جو شاید وہ اپنی بہن کے حوالے سے سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

''ظاہر ہے خاندان کا تو کوئی فرد ہو ہی نہیں سکتا، یقیناً کوئی ایسا ہے، جس کے لیے میرے خاندان کے بزرگ کبھی نہیں مانیں گے تبھی تو درشہوار ڈپریشن کی اس انتہا پر پہنچی ہوئی ہے، جہاں وہ اپنی خاندانی روایات کی دھجیاں کسی بھی وقت اڑا سکتی ہے۔''

ارسل کی بات سن کر شاہ میر کا منہ سرخ ہوا اور اسے اپنے اندر ایک آلاؤ سا بھڑکتا ہوا محسوس ہوا، وہ اپنے ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے لمبے لمبے ڈگ بڑھتا ہوا اس کے کمرے سے نکلا تو ارسل نے سکون کا سانس لیا۔ اپنے پاس رکھا ہوا اس نے ڈاکومنٹس کا لفافہ ایک سائیڈ پر رکھا جس میں رومیصہ کا اس کے نام کے ساتھ بننے والا آئی کارڈ اور نکاح نامہ تھا، اب اسے ارجنٹ بنیادوں پر اسکا اپنے نام کے ساتھ پاسپورٹ بنوانا تھا۔

☆......☆......☆

طوبیٰ ہراساں نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شاہ میر کے سنجیدہ چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی۔۔۔

وہ دونوں اس وقت سامنے والے لان میں موجود تھے اور شاہ میر خصوصی طور پر اسے درشہوار کے متعلق بات کرنے کے لیے یہاں لایا تھا۔ طوبیٰ کا چہرہ سوگواری میں ڈوبا ہوا تھا لیکن شاہ میر کے اس اچانک سوال نے اسکے دماغ کی ساری بند کھڑکیاں کھول دیں۔ وہ بالکل چوکنی ہو گئی۔

''کیا، کہا تم نے۔۔۔؟'' طوبیٰ نے دوبارہ تصدیق چاہی۔

''مجھے سچ سچ بتاؤ طوبیٰ، درشہوار کس میں انٹرسٹڈ ہے۔؟ کون ہے وہ، جس نے اسے اتنی جرات عطا کی ہے۔؟؟؟''

''مجھے کیا پتا میرو۔۔۔'' اس نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا، وہ کیوں پرائی آگ میں کودتی۔

''تمہیں میری قسم طوبی، اور اس محبت کی قسم جو تم مجھ سے کرتی ہو۔'' شاہ میر کی اس بات پر وہ ایکدم بوکھلائی۔

''تم جا کر ڈائریکٹ درشہوار سے پوچھو ناں، وہ بتا دے گی تمہیں۔۔۔'' اس نے اپنی جان چھڑانی چاہی۔۔۔

''میں مانتا ہوں کہ اس کی میرے ساتھ بہت زیادہ بے تکلفی ہے، لیکن بہن بھائیوں کے رشتے کے درمیان موجود فطری جھجک کو ختم کرنا ہم دونوں کے لیے ہی آسان نہیں ہوگا، اس لیے میں نے سوچا کہ تم سے پوچھ لوں، کیونکہ میں خود کو یا درشہوار کو کسی امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا۔۔'' شاہ میر نے اسے اپنی مجبوری بتائی، ویسے بھی ارسل کی باتوں نے اسکو گہری تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔

''دیکھو میرو، اب باتوں کا اب کوئی فائدہ نہیں اور ویسے بھی یکطرفہ چیزیں زیادہ دیر تک نہیں چلتیں۔۔'' وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئی تھی۔

''کون ہے وہ۔۔۔؟ جس کے ساتھ یکطرفہ امیدوں کے پل کھڑے کر رکھے ہیں اس نے۔۔'' شاہ میر کے لہجے کی شکستگی اب صاف عیاں تھی، اور ویسے بھی اپنی سگی بہن کے حوالے سے اس قسم کی کوئی بات سننا اتنا بھی آسان مرحلہ نہیں تھا۔ شاہ میر خود کو پل صراط پر کھڑا محسوس کر رہا تھا۔

''میں بتا تو دوں گی لیکن یہ بات پہلے کلیئر کر دوں کہ دوسری پارٹی کی طرف سے درشہوار کو کبھی بھی پوزیٹو رسپانس نہیں ملا، اس لیے وہ زیادہ اذیت کا شکار ہے اور شاید وہ شخص اسے پسند بھی نہیں کرتا۔۔'' طوبیٰ نے ہلکا سا جھجک کر تمہید باندھی۔

''فار فاڈ سیک طوبیٰ، جو بھی ہے صاف صاف بتاؤ، تمہیں اچھی طرح سے پتا ہے کہ میں میر ہاؤس کے باقی مردوں کی طرح نہیں ہوں اور لڑکیوں کو بھی جینے کا حق دینے کا قائل ہوں۔۔۔'' شاہ میر کے لہجے کی سچائی پر طوبی کو کبھی بھی شک نہیں ہوا تھا۔

''تو پھر سنو، اُس گھر میں رہتا ہے وہ۔۔۔'' طوبیٰ نے ہادی کے گھر کی طرف اشارہ کیا، شاہ میر نے جیسے ہی اس کے اشارے کو سمجھا، اسکا چہرہ ضبط کی کوشش میں لال ہوا۔

''کیا سعد کو پسند کرتی ہے وہ۔۔۔؟'' اس کے حلق سے پھنسی ہوئی آواز نکلی۔

''نہیں۔۔۔ ہادی کو۔۔۔!!!'' طوبی کی اس بات پر دونوں کے درمیان ایک مہیب قسم کا سکوت طاری ہو گیا۔

اس نے کنکھیوں سے شاہ میر کے چہرے پر موجود مبہم تاثرات پڑھنے کی ناکام کوشش کی، اسکا چہرہ اس وقت اتنا سپاٹ اور پتھریلا تھا کہ طوبیٰ کو اس سے خوف محسوس ہوا۔ وہ کچھ لمحے کسی گہری سوچ میں غرق رہا اور پھر جھٹکے سے اٹھا اور اندر کی جانب چل پڑا، لیکن اسکی چال کی لڑکھڑاہٹ وہ وہاں بیٹھے ہوئے بھی محسوس کر سکتی تھی۔

☆......☆......☆

ارسل نے اپنی طرف سے جو کھیلا تھا۔۔۔!!!

''وہ تو درشہوار کے کورٹ میں گیند پھینک کر اپنی تئیں ریلکس ہو گیا تھا۔۔۔

لیکن جیسے جیسے دن گذر رہے تھے، ارسل کے دل میں بھی طرح طرح کے اندیشے اور وہم اب سر اٹھانے لگے تھے۔ درشہوار اس کے ساتھ بالکل وہی کر رہی تھی جو اس نے کچھ دن پہلے اس کے ساتھ کیا تھا۔''اب تو کل اس کی اور برہان کی مہندی کا فنکشن بھی آن پہنچا تھا اور پرسوں برات تھی۔

وہ جو درشہوار کی طرف سے گھر میں کسی بڑے ہنگامے کا منتظر تھا، وہاں اب طوفان سے پہلے والی خاموشی کا راج تھا، نہ جانے درشہوار میر ہاؤس کے کس کونے کھدرے میں جا کر چھپ گئی تھی اور تاجدار بیگم آتے جاتے ہوئے ارسل کو التجائیہ نظروں سے ضرور دیکھتیں اور وہ نظریں چرا کر رہ جاتا، کیونکہ قسمت نے ان سب کو عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔

وہ شام کو اپنے کمرے سے باہر نکلا تو ہال کمرے میں نمیرہ ڈھولک لے کر بیٹھی ہوئی بڑے پر جوش انداز میں مہندی کے گیت گا رہی تھی، سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے ایک نظر سامنے صوفے پر بیٹھی درشہوار کی طرف دیکھا، جو کم از کم اسے تو خاصی فریش لگی تھی۔ درشہوار نے نظریں اٹھا کر اسکی طرف دیکھا، اسکی آنکھوں میں ارسل کو ایک عجیب سی سرد مہری نظر آئی، وہ سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔

''آخر درشہوار کے دل میں کیا چل رہا ہے، اس نے کیا ٹھان رکھا ہے۔''اس سوچ نے اسے بے چین کیا۔

سامنے لان میں برہان ہاتھ میں سگریٹ پکڑے کسی گہری سوچ میں گم تھے، ارسل کو تھوڑی حیرانگی ہوئی کیونکہ اس نے اس سے پہلے انہیں کبھی اسموکنگ کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ان کے چہرے پر اس وقت اس قدر وحشت اور ویرانی تھی کہ ارسل گھبرا کر گھر سے باہر نکل آیا۔

وہ پیدل چلتا ہوا کشمیر پوائنٹ کی طرف چل نکلا، راستے میں اس نے پورا آدھا گھنٹہ رومیصہ کے ساتھ بات کی۔ جو آئی ڈی کارڈ بننے کے بعد خاصی ریلکس تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال لے گا۔

جبکہ ارسل دل ہی دل میں اپنا اگلا لائحہ عمل طے کر چکا تھا، اس کی برونائی دارالسلام کی ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب ہو گئی تھی جس کا انٹرویو اسکائپ پر ہوا تھا، اسے اب کمپنی کی طرف سے فیملی ویزے کا انتظار تھا۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر گھر والے درشہوار کے نام کی کوئی زنجیر اس کے پیروں میں ڈالیں گے تو وہ خاموشی سے یہ کڑوا گھونٹ پی لے گا کیونکہ مصلحت کا یہی تقاضا تھا کہ وہ کسی کو بھی اپنے ارادوں کی بھنک بھی نہ پڑنے دے کیونکہ اس خاندان کی پہنچ اور اختیارات کو اس سے زیادہ کون جانتا تھا۔ وہ انہیں وقت سے پہلے اپنی طرف سے خبردار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس نے رومیصہ کے پیپرز بنوانے کا کام بہت تیزی سے شروع کر رکھا تھا اور جیسے ہی رومیصہ کے پیپرز مکمل ہوتے وہ چپ چپاتے اسکے ساتھ ملک سے باہر نکل جاتا اور باہر جاتے ہی اسکے ذہن میں تھا کہ وہ درشہوار کو طلاق کے کاغذات بجھوا دے گا، لیکن اسے

اندازہ نہیں تھا کہ کاتب تقدیر اس سے پہلے ہی میر ہاؤس کے مکینوں کے لیے کچھ اور لکھ چکا ہے جو آنے والے دنوں میں اس گھر کی بنیادوں کو ہلانے والا تھا۔۔۔

☆......☆......☆

ویک اینڈ پر ہادی اپنے گھر سے نکل رہا تھا جب اسے درشہوار کی کال آئی۔۔۔

مری کے پر پیچ راستوں پر گاڑی چلاتے ہوئے اس نے کال اٹینڈ کی اور دوسری طرف سے آنے والی آواز سن کر اسکا پیر خود بخود بریک پر جا پڑا، وہ اب شاہ بلوط کے درخت کے پاس اپنی گاڑی روک چکا تھا۔

اسے اندازہ تھا کہ دوسری طرف موجود محترمہ اپنی باتوں سے کسی کا بھی دماغ گھما دینے میں ماہر ہیں اور وہ اس وقت سڑک پر کوئی بھی حادثہ افورڈ نہیں کرسکتا تھا۔ اس لیے اس نے سوچا کہ خاموشی سے اسکی بات سن لی جائے۔

''جی فرمایئے، کس لیے کال کرنے کی زحمت کی آپ نے۔۔۔؟'' ہادی نے دانستہ اپنا لہجہ تھوڑا سخت رکھا۔

''مجھے آپ سے ابھی اور اسی وقت ملنا ہے۔۔۔'' وہ مایوں کے زرد جوڑے میں کسی اور کے نام کی مہندی ہاتھوں پر لگائے اس سے فرمائش کر رہی تھی۔

''آر یو ان یور سینسز۔۔۔؟'' ہادی ہلکا سا جھنجھلایا۔ ''محترمہ آج رات آپکی مہندی اور کل شادی ہے۔۔۔'' اس نے غصّے سے یاد دلایا۔

''اس لیے تو کہہ رہی ہوں کہ مجھے آپ سے ملنا ہے، میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔۔۔'' درشہوار دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر رو دی۔

''سو واٹ۔۔؟ مجھے اس چیز میں کوئی انٹرسٹ نہیں کہ آپ یہ شادی کیوں نہیں کرنا چاہتیں، یا کہاں کرنا چاہتی ہیں کیونکہ یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے، اس لیے براہ مہربانی مجھے دوبارہ کال مت کیجیئے گا۔۔۔'' ہادی نے بے رخی کے ساتھ اسکی طبعیت صاف کرنے کی کوشش کی۔

''اگر آپ میری بات نہیں سنیں گے تو میں خود کشی کرلوں گی۔۔۔'' اس کے لہجے میں کچھ تھا جو ہادی کا کال کاٹتا ہوا ہاتھ فضا میں معلق ہوا۔

''آپ مجھے ایموشنل بلیک میل کر رہی ہیں۔۔۔؟ وہ سلگ کر رہ گیا۔

''آپ مرد لوگ کتنے ظالم اور منافق ہوتے ہیں، جب کسی لڑکی سے خود محبت کرتے ہیں تو بڑے فخر سے اس کے سامنے اظہار کرتے ہیں اور اگر کوئی لڑکی ایسا کرنا چاہے تو اس پر ہزاروں فتوے لگا دیتے ہیں، اسے بدکردار گردانتے ہیں، کیا جذبات اور احساسات صرف ایک مرد کی پراپرٹی ہوتے ہیں۔؟'' دوسری جانب وہ گویا پھٹ ہی پڑی۔

''محترمہ مجھے آپ کے ان فضول قسم کے دلائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، آپکو یہ بات سمجھ کیوں نہیں آرہی۔۔'' وہ ایکدم تپ اٹھا۔

''آخر پرابلم کیا ہے آپ کے ساتھ۔۔؟ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہیں آپ۔۔۔؟''

''آپ مجھ سے آخری بار مل لیں ہمارے گھر کے پچھلے لان میں، اس کے بعد میرا وعدہ ہے کہ آپکو کبھی بھی تنگ نہیں کروں گی۔''

وہ منتوں پر اتر آئی۔

''پلیز میری یہ آخری بات مان لیں۔۔۔'' وہ ایک دفعہ پھر رو دی۔۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔۔'' ہادی نے صاف انکار کیا۔ ویسے بھی اسے دو گھنٹے کے بعد اپنے فرینڈز کے ساتھ پی سی بھوربن میں ایک محفل موسیقی کو اٹینڈ کرنا تھا اور اس کے دوست بے چینی سے اس کے منتظر تھے۔

''آپ کو مجھ سے ہر حال میں اور ہر قیمت پر ملنا ہوگا۔۔۔'' وہ بھی ضد پر اتر آئی۔۔۔

''اچھا۔۔۔؟؟؟'' اس نے استہزائیہ انداز اپنایا۔ ''اگر نہ ملوں تو کیا کر لیں گی آپ۔۔۔''؟

''میں پھر کچھ ایسا کروں گی کہ ساری زندگی کا عذاب آپکو بھگتنا پڑے گا۔۔۔'' وہ بھی باقاعدہ دھمکیوں پر اتر آئی۔

''پھر آپ، اب آپ کچھ کر ہی لیں کیونکہ میں کسی کی دھمکیوں میں آنے والا نہیں ہوں۔۔'' ہادی نے بھی غصّے سے کہہ کر اپنا سیل فون پاورڈ آف کر دیا، درِشہوار نے اسکے دماغ کا میٹر گھما دیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی لڑکی اس حد تک بلیک میلینگ اور دھمکیوں پر بھی اتر سکتی ہے۔

درِشہوار نے فون تو بند کر دیا تھا لیکن اس کے دل و دماغ میں ایک جنگ سی جاری تھی، اپنی ذات اور اپنی محبت کی توہین اسے بالکل برداشت نہیں ہو رہی تھی، پورے گھر میں ڈیک کی آواز گونج رہی تھی، اسکی مہندی کا فنکشن بھی ایک گھنٹے بعد پی سی بھوربن کے ہال میں ہی تھا۔ وہ ایک گھنٹہ تک اپنے کمرے میں ٹہلتی رہی، اس دوران کئی لوگوں نے اسکے کمرے کا دروازہ ناک کیا لیکن اس نے کسی کو بھی لفٹ نہیں کروائی اور جب اسکا دماغ سوچ سوچ کر شل ہو گیا تو وہ تھک ہار کر بیٹھ گئی۔

تاجدار بیگم کے کہنے پر وہ خاموشی سے انابیہ کے ساتھ پارلر چلی گئی اور وہیں سے اسے طوبیٰ اور نمیرہ ہال تک لائیں تھیں، اسکی خاموشی سب کو وہم میں ڈال رہی تھی، اس نے مہندی کے فنکشن میں ساری رسمیں چپ چاپ کروالی تھیں۔ اپنی کزنز کی چھیڑ چھاڑ کا بھی بُرا نہیں مانا تھا۔ نمیرہ اس سارے فنکشن میں سب سے زیادہ نمایاں تھی، ایک تو وہ دلہا کی بہن تھی اور دوسرے وہ ہر رسم کو بھرپور طریقے سے انجوائے کر رہی تھی۔

''وہاج بھائی پلیز میری ایک فٹ قسم کی تصویر تو بنائیے گا۔۔۔'' نمیرہ نے پاس سے گذرتے ہوئے وہاج کو روکا، سنہری رنگ کے شرارے میں اسکا ان چھوا حسن وہاج کو چونکا گیا۔ وہ آج دل لگا کر تیار ہوئی تھی، نفاست سے کیا ہوا میک اپ اور ماتھے پر جھومتی ہلکی سی بندیا کے ساتھ وہ خوب بجلیاں گرا رہی تھی۔

''ادھر دکھائیں مجھے، کیسی تصویر آئی ہے۔۔۔؟'' وہ وہاج کے ہاتھ میں موجود سیل فون پر جھکی ہوئی انجانے میں بھڑکتے ہوئے

شعلوں کو مزید ہوا دے گئی۔ ویسے بھی اب وہ صندل والے صدمے سے باہر آ چکے تھے اس لیے انہیں بھی ہری ہری ہی سوجھ رہی تھی۔ نمیرہ کی اس درجہ قربت نے انہیں گویا مفلوج کیا۔ انہوں نے اس کی روشن پیشانی پر جھولتی ہوئی لٹ کو چھونے سے خود کو بمشکل روکا۔

''یہاں پر کھڑی رہو، میں بناتا ہوں تمہاری تصویریں۔۔۔'' انہوں نے جان بوجھ کر اسکا بازو پکڑ کر ایک کونے میں کھڑا کیا اور پھر کیمرے کی آنکھ سے اپنے اندر کی ہوس کو تسکین دینے لگے۔ نمیرہ کو شدید قسم کی الجھن کا احساس ہوا۔

''بس کر دیں وہاج بھائی، اتنی ہی تصویریں بہت ہیں۔۔'' وہ اپنا سیل فون لے کر زبردستی اسٹیج کی طرف آ گئی لیکن وہاج کی گرم نظریں اسکے چہرے کا حصار کیے ہوئے تھیں اور اب اسے کوفت میں مبتلا کر رہی تھیں، اتنی تو بچی وہ بھی نہیں تھی کہ ان کی نظر کے زاویئے کو نہ سمجھتی۔۔۔

درشہوار کے برابر میں جب ارسل کو اور انابیہ کے ساتھ برہان کو لا کر بیٹھایا گیا تو دونوں دلہا حضرات کے چہروں پر غیر معمولی سنجیدگی تھی، ایسے لگ رہا تھا جیسے یہ شادی نہیں کوئی ماتم گاہ ہو، ہر چہرہ افسردگی کا اشتہار تھا۔

تاجدار بیگم کے ساتھ ساتھ شاہ میر بھی درشہوار کو خاموش دیکھ کر تھوڑا پرسکون تھا، کیونکہ انہیں لحہ لحہ یہ خوف کھا رہا تھا کہ وہ اٹھ کر ایک دم کوئی ہنگامہ نہ شروع کر دے، لیکن درشہوار تو شاید دل میں کچھ اور ہی ٹھان کر بیٹھی تھی کیونکہ وہ بھی اپنی ضد کی غلام تھی اور آج تو ہادی نے باقاعدہ اسے للکارہ تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اسکا جواب نہ دیتی۔۔۔

☆......☆......☆

نمیرہ نیند میں جھومتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔۔

مہندی کا فنکشن رات بارہ بجے ختم ہوا تھا اور اس کے بعد ندرت امّی نے نمیرہ کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ ملتان سے آئے ہوئے مہمانوں کے سب بستر لگوا کر ہی اپنے کمرے میں جائے گی، ملازمین کی ایک فوج اسکے ہمراہ تھی، ان سب کاموں سے فارغ ہو کر وہ تھک کر چور ہو چکی تھی، جب تاجدار بیگم کے کمرے سے آتی ہوئی دبی دبی سی آوازوں پر اسکے کان کھڑے ہوئے۔۔۔

فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ تاجدار بیگم کے کمرے کی طرف چلی آئی، دروازہ ہلکا سا کھلا ہوا تھا، اور اندر وہاج اپنی والدہ کے ساتھ باقاعدہ بحث کر رہے تھے اور ان کی آوازیں بحث کے دوران اتنی بلند ضرور ہو چکی تھی کہ دروازے میں کھڑے کسی بھی انسان کو صاف سنائی دیتی۔

''یہ دوسری شادی کا بھوت کہاں سے تمہارے دماغ پر سوار ہو گیا ہے۔۔'' تاجدار بیگم جھنجھلا کر بولیں۔

آجکل وہاج اور فارحہ بھابھی نے شادیوں کے فنکشن کے لیے میر ہاؤس میں ہی ڈیرے ڈال رکھے تھے اور برہان کے ولیمے پر تو میر حاکم نے سیاست سے تعلق رکھنے والے کافی لوگوں کو مدعو کر رکھا تھا، اور پرنٹ میڈیا بھی اس شادی کو خاصی کوریج دے رہا تھا۔

''اچھی خاصی تو ہے فارحہ۔۔؟ وہ بیزاری سے گویا ہوئیں۔

''اتنی ٹھنڈی عورت کے ساتھ اب میرا گذارا نہیں ہے، آپ کیا چاہتی ہیں کہ میں بھی خاقان چچا کی طرح باہر منہ مارنا شروع کر دوں۔'' وہ متنفر لہجے میں گویا ہوئے اور باہر کھڑی نمیرہ کو دھچکا سا لگا۔

''تمہیں پتا ہے ناں، ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادی کرنے کا رواج نہیں ہے تو کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں کوئی لڑکی۔۔'' تاجدار بیگم اکتا کر بولیں۔

''لڑکی میں آپکو بتا دوں گا لیکن آپ بابا سے بات کریں اس حوالے سے۔۔'' وہاج کی بات پر تاجدار بیگم کے کان کھڑے ہوئے۔

''اگر تو طوبیٰ کی بات کر رہے ہو تو صاف بتا دوں شاہ میر قتل کر دے گا تمہارا، وہ ویسے بھی اٹھتے بیٹھتے دھمکیاں دے رہا ہے مجھے کہ طوبیٰ کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرے گا۔۔'' ان کا پہلا دھیان طوبیٰ کی طرف ہی گیا کیونکہ اب وہی ایک تو بچتی تھی پورے خاندان میں۔ اس لیے انہوں نے صاف صاف اپنے بیٹے کو بتایا اور باہر کھڑی نمیرہ نے دیوار کا سہارا لے کر خود کو گرنے سے بچایا۔۔

''جب وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو آپ لوگ نمیرہ کے نام کا ہار کیوں ڈال رہے ہیں اس کے گلے میں۔۔؟'' وہ ہلکا چڑ کر بولے۔

''کیوں وہ ہار تم نے ڈالنا ہے اپنے گلے میں۔۔۔'' انہوں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاں تو ہرج ہی کیا ہے اس میں۔۔۔؟'' وہاج کی بات سن کر نمیرہ کو زوردار شاک لگا، اور وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر خوفزدہ انداز سے اپنے کمرے کی طرف بھاگی، اسے وہاج سے پہلی دفعہ گھن سی محسوس ہوئی اور ان کی گرم نظروں کے پیچھے چھپی خواہش اب مجسم صورت میں اسکے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

شہرزاد آج سارا دن آفس میں مصروف رہی۔۔۔!!!

رومیصہ کے کیس کے سلسلے میں خاصی مثبت پیش رفت ہو رہی تھی پولیس صارم خان کے قاتلوں تک تقریباً پہنچ چکی تھی۔

جسٹس محمود کی فیملی کو اب رومیصہ کی بجائے اپنی جان بچانے کی لگ گئی تھی۔ وہ اپنے ہی بچھائے ہوئے جال میں بُری طرح سے پھنسنے کو تیار تھے اور اس کے پیچھے ان کے اکلوتے بھتیجے سلمان کا ہاتھ تھا جو کہ صارم اور روحیل کا بیسٹ فرینڈ بھی تھا اور اس نے رومی کے حق میں گواہی دینے پر صارم کے ساتھ نہ صرف اچھا خاصا جھگڑا بھی کیا تھا بلکہ کچھ لوگوں کے سامنے اسے جان سے مارنے کی دھمکی بھی دی تھی۔۔

''مجھے لگتا ہے کہ جسٹس محمود کی فیملی اب رومیصہ کے کیس سے جان چھڑانے کی کوشش کرے گی۔۔'' ارتضیٰ اسکے آفس میں موجود تھا، اور وہ اسکی بات پر مسکرائی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اب ایسا ہی ہو گا۔

''رومیصہ کا کیس جیسے ہی ختم ہو گا میں صندل کا کیس فائل کر دوں گی۔۔۔'' شہرزاد نے اسے اپنے ارادوں سے آگاہ کیا، ویسے بھی اب اسکی ارتضیٰ کے ساتھ اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی اور وہ بھی اپنے کام کے سلسلے میں اس کے مشوروں کو خاصی اہمیت دیتا تھا۔

''یعنی کہ آپ نے قسم کھالی ہے کہ نہ تو سکون سے آپ خود بیٹھیں گی اور نہ ہی کسی اور کو بیٹھنے دیں گی۔۔۔'' ارتضی مسکرایا۔

''نہیں صندل کے کیس کے بعد میں تھوڑی بریک لوں گی، مام اور رومیصہ کے ساتھ کچھ باہر کے وزٹ پلان کرنے ہیں۔''

''ان دونوں کے ساتھ کیوں، اپنے لائف پارٹنر کے ساتھ جائیں، زندگی میں کچھ فیصلے وقت پر کر لینے چاہیے۔۔۔'' ارتضی کی بے تکلفی پر وہ کچھ چونکی اور اسکا دھیان ایک دم ہم زاد کی طرف گیا، جس نے اس دن شادی کی بات اچانک ہی چھیڑ دی تھی اور پھر دوبارہ اس کا ذکر نہیں کیا۔

''شادی ابھی دو سال تک میری پلاننگ میں نہیں ہے، رومی کو سیٹ کرنے کے بعد ایسا کچھ سوچوں گی۔'' شہزاد نے اپنی میز پر رکھی فائلوں کو ترتیب سے رکھتے ہوئے انتہائی سرسری انداز سے جواب دیا اور ساتھ ہی بڑی مہارت کے ساتھ موضوع گفتگو بدل دیا۔

''میرا خیال ہے ہمیں نکلنا چاہیے، آج صارم کے والد کے ساتھ میٹنگ بھی تو ہے ہماری۔۔'' شہزاد نے اسے یاد دلایا تو ارتضی اسے کچھ کہتے کہتے رک سا گیا، شاید ابھی یہ مناسب وقت نہیں تھا۔

''لیٹس موو۔۔۔'' وہ اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے مسکراتا ہوا کھڑا ہوا، صارم کے والد کے ساتھ ہونے والی میٹنگ خاصی حوصلہ افزا تھی، اور جیسے ہی وہ دونوں ان کے گھر سے نکلے، اس وقت مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں، اور ہلکا ہلکا سا ملگجا اندھیرا چاروں طرف پھیل چکا تھا، ایک سیاہ رنگ کی کار ان کے تعاقب میں آئی اور ارتضی نے بہت جلد اسے نوٹ کر لیا تھا، جبکہ شہزاد نے اس بار بھی رضا کو اپنی گاڑی کے ساتھ آفس میں ہی چھوڑ دیا تھا۔

''ہماری گاڑی کا تعاقب ہو رہا ہے۔۔۔'' ارتضی کے لہجے کی سنگینی پر وہ تھوڑا الرٹ ہوئی۔

''اپنا روٹ چینج کر لیں آپ۔۔۔'' شہزاد کے مشورے پر اس نے گاڑی تھوڑا رش والے ایریا میں ڈال دی تھی اور شاید دوسری طرف ان لوگوں کو بھی اندازہ ہو چکا تھا اس لیے اگلے چوک پر اس گاڑی کے ساتھ ایک اور سفید رنگ کی کرولا بھی شامل ہو چکی تھی۔

ارتضی بہت تیزی کے ساتھ سیل فون پر اپنے ماتحتوں کو مسلسل ہدایات دینے میں مگن تھا جبکہ شہزاد پرسکون انداز میں اسکے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی جب اسے ہم زاد کی کال آئی، وہ تھوڑا بے چین لگ رہا تھا۔

''سنو شہزاد، آغا شاہی ایونیو کے سگنل پر تمہاری گاڑی کے عین برابر میں میری جیپ آئے گی، یہ سگنل تھوڑا لمبا ہوتا ہے، تم اس گاڑی سے نکل کر میری جیپ میں آ جاؤ۔۔۔'' اسکے مشورے پر شہزاد کا دماغ بھک کر کے اڑا۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے، میں کیسے آ جاؤں۔۔۔؟'' وہ اس بات پر تھوڑا جھنجھلائی۔

''احمق لڑکی، ان لوگوں کا تم سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، تم کیوں پرائی آگ میں کود رہی ہو، یہ ارتضی کے پیچھے ہیں، تم اس کے ساتھ مفت میں ماری جاؤ گی۔۔۔ میری بات تمہیں سمجھ کیوں نہیں آ رہی تمہیں۔'' وہ ایکدم غصے میں آیا۔

''آئی ایم سوری میں ارتضٰی کو اکیلا چھوڑ کر نہیں آ سکتی۔۔''اس کی بات پر ارتضٰی نے پریشانی سے اسکی طرف دیکھا۔بات دل کو خوش کرنے والی تھی لیکن یہ موقع ایسا نہیں تھا۔

''فارگاڈ سیک شہزاد،ان لوگوں کا تم سے کوئی لینا دینا نہیں ہے،وہ تمہیں نہیں جانتے۔۔''وہ جھنجھلایا۔

''جب ان کا مجھ سے کوئی لینا دینا نہیں ہے تو بے فکر رہو،وہ مجھے کچھ نہیں کہیں گے۔۔۔'' شہزاد نے غصّے سے فون بند کر دیا۔

''کیا ہوا،میرے بارے میں کون بات کر رہا ہے۔۔؟''اس نے تشویش زدہ انداز میں پوچھا۔

''میرے سیکورٹی گارڈ رضا کی کال تھی۔۔۔''شہزاد نے مصلحتا جھوٹ بولا۔''ہمارے پیچھے ایک جیپ میں ہے وہ۔اور اسکا کہنا ہے کہ اگلے سگنل پر میں اس کی گاڑی میں آ جاؤں کیونکہ وہ لوگ آپکے پیچھے ہیں۔۔۔۔''

''وہ ٹھیک کہہ رہا ہے،آپ کو اس کی بات مان لینی چاہیے۔۔''ارتضٰی نے سنجیدگی سے کہا،وہ اس وقت شہزاد کی وجہ سے خود بھی ٹینشن میں تھا۔

''لیکن ارتضٰی،میں آپکو اکیلے کیسے چھوڑ دوں۔۔''؟

''ڈونٹ وری ان کی گاڑی کے پیچھے بھی دو گاڑیاں سادہ کپڑوں میں موجود اہلکاروں کی ہیں،آپ ٹینشن مت لیں۔بس اگلے سگنل پر اتریں،میں بھی آپ کی وجہ سے ہی ٹینس ہو رہا ہوں۔۔۔''ارتضٰی مسلسل بیک مرر سے اپنے پیچھے کھڑی گاڑی پر نظر رکھے ہوا تھا۔

آغا شاہی ایونیو کا اشارہ آ چکا تھا،اور گاڑی جیسے ہی سگنل پر رکی،شہزاد نے ہلکا سا جھک کر ارتضٰی کی سائیڈ پر دیکھا،اس کی گاڑی کے برابر میں ایک جیپ آ کر رکی تھی،اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا ہم زاد اس کے برابر میں بیٹھے ہوئے ایک آرمی آفیسر کی اوٹ میں تقریباً چھپا ہوا تھا،اس نے چہرے پر گلاسز لگا رکھے تھے۔

شہزاد کے سیل فون کی گھنٹی بجی،اس کا دل بے اختیار دھڑکا،اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کال اٹینڈ کی۔

''کم آن شہزاد۔۔۔تھوڑا گھوم کر آنا پڑے گا،میں تمہاری رائٹ سائیڈ پر ہوں۔پلیز آ جاؤ میری جیپ میں۔'' اسکے لہجے کی سنجیدگی سے اسے معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔

''او کے میں ٹرائی کرتی ہوں۔۔؟''زندگی میں پہلی دفعہ اس کے ہاتھ پیر پھولے،کیونکہ ارتضٰی اسے مسلسل گاڑی سے اترنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

''بات کرواؤ میری تم ارتضٰی کے ساتھ۔۔۔''ہم زاد کی اگلی بات نے اسے حیران کیا۔

اس نے خاموشی سے سیل فون ارتضٰی کی طرف بڑھایا،اتنا تو اسے بھی پتا تھا کہ اس مصروف شاہراہ پر ان کے تعاقب میں آنے والے لوگ ابھی کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے آگے اور پیچھے گاڑیوں کی لمبی قطاریں تھیں۔ہم زاد نے ارتضٰی سے صرف تیس سیکنڈ بات کی تھی۔

''آپ پلیز اتریں اور پیچھے سے گھوم کر جانے کی بجائے آگے سے جائیں۔۔۔'' ارتضٰی اپنے حواسوں میں تھا اور اسے بھی اس وقت صرف اسی کی ٹینشن تھی۔

شہزاد نے ہلکا سا جھجک کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور اسی وقت برابر والی جیپ کا بھی دروازہ کھلا اور ہم زاد نیچے اترا۔۔۔

''پلیز شیری، جلدی جائیں، سگنل کھل جائے گا۔۔۔'' ارتضٰی ایکدم چیخا۔۔

''ہاں، ہاں جا رہی ہوں۔۔۔'' شہزاد نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنا پہلا قدم نیچے رکھا۔۔

''فار گاڈ سیک، جلدی کریں، ٹائم نہیں ہے۔۔'' شہزاد نے جیسے ہی زمین پر دوسرا قدم رکھا، پچھلی گاڑی میں موجود لوگ یہ سمجھے کہ شاید ارتضٰی بھی اسکے ساتھ اتر رہا ہے ان گاڑیوں کے دروازے جھٹکے سے کھلے اور تین چار لمبے تڑنگے نوجوان بڑی سرعت کے ساتھ کلاشنکوف لیے نیچے اترے۔

شہزاد نے خوفزدہ انداز سے ان سب کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ اسے لگا جیسے موت اسکے تعاقب میں آ رہی ہو، ان لوگوں کی آنکھوں میں اس قدر اشتعال، غصّہ اور وحشت تھی کہ وہ خوفزدہ انداز سے وہیں کھڑی ہوگئی۔۔۔

''شہزاد۔۔۔لیٹس موو۔۔۔!!!!'' ہم زاد اپنی جیپ سے نکلتے ہوئے بلند آواز میں چیخا۔ ''گاڑی کے سامنے سے آؤ، پیچھے سے نہیں۔۔''

لیکن اس کے قدم زمین پر جم چکے تھے، اس نے رائفلوں کا رخ اپنی جانب دیکھا اور اسے لگا کہ ہم زاد کو غلط فہمی ہوئی ہے وہ لوگ ارتضٰی کے نہیں شاید اسی کے پیچھے آئے تھے اور اس سوچ نے اس کی روح فنا کر دی تھی۔۔

اس کے ساتھ وہ ہوا، جس کا کسی نے سوچا ہی نہیں تھا۔ فضا ایک دم گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور انسانی چیخوں کی آوازوں سے گونج اٹھی، اردگرد کے ماحول میں سراسیمگی سی پھیل گئی۔ شہزاد اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر بے اختیار زمین پر بیٹھتی گئی اس کے قدموں میں خون کی ایک لکیر تیزی سے بہتی ہوئی آ رہی تھی۔

جب اس نے ایک مضبوط انسانی ہاتھ اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔۔۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

''آئی ایم سوری میں ارتضٰی کو اکیلا چھوڑ کر نہیں آسکتی۔''

اس کی بات پر ارتضٰی نے پریشانی سے اسکی طرف دیکھا۔بات دل کو خوش کرنے والی تھی لیکن یہ موقع ایسا نہیں تھا۔شہزاد اس کے لیے پریشان ہو رہی تھی، عام حالات میں تو یہ خبر سن کر تو اس پر شادی مرگ طاری ہو جاتا۔

''فار گاڈ سیک شہزاد، ان لوگوں کا تم سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، وہ تمہیں نہیں جانتے۔'' ہم زاد جھنجھلایا۔

''جب ان کا مجھ سے کوئی لینا دینا نہیں ہے تو بے فکر رہو، وہ مجھے کچھ نہیں کہیں گے۔۔۔'' شہزاد نے غصّے سے فون بند کر دیا جبکہ دوسری طرف ہم زاد کا دماغ کھول اٹھا۔

'کیا ہوا، میرے بارے میں کون بات کر رہا ہے۔؟'' ارتضٰی نے تشویش زدہ انداز میں پوچھا۔

''میرے سیکورٹی گارڈ رضا کی کال تھی۔۔۔'' شہزاد نے مصلحتاً جھوٹ بولا۔'' ہمارے پیچھے ایک جیپ میں ہے وہ۔اور اسکا کہنا ہے کہ اگلے سگنل پر میں اس کی گاڑی میں آجاؤں کیونکہ وہ لوگ آپکے پیچھے ہیں۔۔۔۔''

''وہ ٹھیک کہہ رہا ہے، آپ کو اس کی بات مان لینی چاہیے۔۔'' ارتضٰی نے سنجیدگی سے کہا، وہ اس وقت خود بھی شہزاد کی وجہ سے ٹینشن میں تھا۔

''لیکن ارتضٰی، آپکو کیسے اکیلا چھوڑ دوں میں۔۔''؟ شہزاد کی فکر مندی اسے اچھی لگی۔

''ڈونٹ ووری ان کی گاڑی کے پیچھے بھی دو گاڑیاں سادہ کپڑوں میں موجود اہلکاروں کی ہیں، آپ ٹینشن مت لیں۔بس اگلے سگنل پر اتریں، میں بھی آپ کی وجہ سے ہی ٹینس ہو رہا ہوں۔۔۔'' ارتضٰی مسلسل بیک مرر سے اپنے پیچھے کھڑی گاڑی پر نظر رکھے ہوا تھا۔

آغا شاہی ایونیو کا اشارہ آچکا تھا، اور گاڑی جیسے ہی سگنل پر رکی، شہزاد نے ہلکا سا جھک کر ارتضٰی کی سائیڈ پر دیکھا، اس کی گاڑی کے برابر میں ایک جیپ آکر رکی تھی، اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا ہم زاد اس کے برابر میں بیٹھے ہوئے ایک آرمی آفیسر کی اوٹ میں تقریباً چھپا ہوا تھا، اس نے چہرے پر گلاسز لگا رکھے تھے۔

شہزاد کے سیل فون کی گھنٹی بجی، اس کا دل بے اختیار دھڑکا، اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کال اٹینڈ کی۔

''کم آن شہزاد۔۔۔تھوڑا گھوم کر آنا پڑے گا، میں تمہاری رائٹ سائیڈ پر ہوں۔پلیز آجاؤ میری جیپ میں۔'' ہم زاد کے لہجے کی سنجیدگی سے اسے معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔

''اوکے میں ٹرائی کرتی ہوں۔۔؟'' زندگی میں پہلی دفعہ اس کے ہاتھ پیر پھولے، کیونکہ ارتضٰی اسے مسلسل گاڑی سے اترنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

''بات کرواؤ میری تم ارتضی کے ساتھ۔۔۔'' ہم زاد کی اگلی بات نے اسے حیران کیا۔

اس نے خاموشی سے سیل فون ارتضی کی طرف بڑھایا، اتنا تو اسے بھی پتا تھا کہ اس مصروف شاہراہ پر ان کے تعاقب میں آنے والے لوگ ابھی کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے آگے اور پیچھے گاڑیوں کی لمبی قطاریں تھیں۔ ہم زاد نے ارتضی سے صرف تیس سیکنڈ بات کی تھی۔

''آپ پلیز اتریں اور پیچھے سے گھوم کر جانے کی بجائے آگے سے جائیں۔۔۔'' ارتضی اپنے حواسوں میں تھا اور اسے بھی اس وقت صرف اسی کی ٹینشن تھی۔

شہرزاد نے ہلکا سا جھجک کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور اسی وقت برابر والی جیپ کا بھی دروازہ کھلا اور ہم زاد نیچے اترا۔۔۔

''پلیز شیری، جلدی جائیں، سگنل کھل جائے گا۔۔۔'' ارتضی ایکدم چیخا۔

''ہاں، ہاں جا رہی ہوں۔۔۔'' شہرزاد نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنا پہلا قدم نیچے رکھا۔

''فار گاڈ سیک، ہری اپ، ٹائم نہیں ہے۔۔'' شہرزاد نے جیسے ہی زمین پر دوسرا قدم رکھا، پچھلی گاڑی میں موجود لوگ یہ سمجھے کہ شاید ارتضی بھی اسکے ساتھ

اتر رہا ہے ان گاڑیوں کے دروازے جھٹکے سے کھلے اور تین چار لمبے تڑنگے نوجوان بڑی سرعت کے ساتھ کلاشنکوف لیے نیچے اترے۔

شہرزاد نے خوفزدہ انداز سے ان سب کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ اسے لگا جیسے موت اسکے تعاقب میں آ رہی ہو، ان لوگوں کی آنکھوں میں اس قدر

اشتعال، غصّہ اور وحشت تھی کہ وہ خوفزدہ انداز سے وہیں کھڑی ہو گئی۔۔۔

''شہرزاد۔۔۔ لیٹس موو۔۔۔!!!!'' ہم زاد اپنی جیپ سے نکلتے ہوئے بلند آواز میں چیخا۔ ''گاڑی کے سامنے سے آؤ، پیچھے سے نہیں۔۔''

لیکن اس کے قدم زمین پر جم چکے تھے، اس نے رائفلوں کا رخ اپنی جانب دیکھا اور اسے لگا کہ ہم زاد کو غلط فہمی ہوئی ہے وہ لوگ ارتضی کے نہیں شاید اسی کے

پیچھے آئے تھے اور اس سوچ نے اس کی روح فنا کر دی۔۔

اس کے ساتھ وہ ہوا، جس کا کسی نے سوچا ہی نہیں تھا۔ فضا ایک دم گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور انسانی چیخوں کی آوازوں سے گونج اٹھی، اردگرد کے ماحول میں سراسیمگی سی پھیل گئی۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر بے اختیار زمین پر بیٹھتی گئی اس کے قدموں میں خون کی ایک لکیر تیزی سے بہتی ہوئی آ رہی تھی

جب اس نے ایک مضبوط انسانی ہاتھ اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔۔

''ارتضی۔۔۔!!!''شہرزاد نے خوفزدہ نگاہوں سے گاڑی کی طرف دیکھا۔

''وہ ٹھیک ہے، تم چلو میرے ساتھ۔۔۔''ہمزاد نے اسکا بازو نرمی سے پکڑ کر اسے اٹھنے میں مدد دی۔شہرزاد صرف ایک نظر ہی اس کی طرف دیکھ پائی اور مغرب کے بعد پھیلنے والے اندھیرے میں اس کے نقوش کچھ جانے پہچانے سے لگے۔

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھی، اور اسی وقت اس کی نگاہ، زمین پر گری ہوئی ان چار بندوں کی لاشوں پر پڑی، جنہوں نے اس پر بندوقیں تانی تھیں اور

اس کے دل کو تھوڑا اطمینان ہوا لیکن اگلے ہی لمحے اسکی نظر اپنی گاڑی کے دروازے کے پاس گرے ہوئے ارتضی پر پڑی، اسکا دل دھک کر کے رہ گیا، ارتضی کے بازو سے خون کا فوارہ پھوٹ رہا تھا اور وہ تکلیف سے دہرا ہو رہا تھا۔

''ارتضی۔۔۔ارتضی۔۔۔''وہ ہمزاد سے اپنا ہاتھ چھڑا کر اسکی طرف بھاگی، ارتضی کے اردگرد سیکورٹی اہلکاروں کا ہجوم اکھٹا ہو رہا تھا، اور شہرزاد کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا، کچھ لمحوں کے لیے وہ ہمزاد کو بالکل بھول گئی۔

وہ تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی اور وہاں گاڑی کا شیشہ ٹوٹنے کی وجہ سے زمین پر بکھری ہوئی کرچیوں میں ایک نوکیلا شیشہ شہرزاد کے جوتے کی تلوے کو کاٹتا ہوا اسکا پیر زخمی کر گیا اور اسکے منہ سے بلند آواز میں سسکی نکلی اور وہ بیٹھ گئی۔۔

وہ تیزی سے اسکے تعاقب میں پہنچا اور تاسف بھری نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا، اسکے پاؤں سے بھی خون بہہ رہا تھا۔اس نے فوراً بیٹھ کر اپنی جیب سے رومال نکالا اور اسکے پاؤں پر باندھا۔

''ڈونٹ بی ایموشنل شہرزاد۔۔۔میڈیا کی گاڑیاں پہنچ رہی ہیں یہاں، تماشا بن جائے گا، لیٹس موو۔۔''اس نے دوبارہ اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھنے میں مدد

دی، فضا میں ایمبولینس اور پولیس کی گاڑیوں کے ہارن گونج رہے تھے۔وہ اسکا سہارا لے کر لنگڑاتی ہوئی جیپ تک پہنچی۔اس نے دروازہ کھول کر اسے

بیٹھنے میں مدد دی۔۔

''تم نکلو انہیں لے کر، میں باقی سچوئشن ہینڈل کرتا ہوں۔۔''میجر توصیف اسکے پاس آ کر عجلت بھرے انداز میں گویا ہوئے۔

''تھینکس توصیف لیکن شہرزاد کا نام نہیں آنا چاہیے میڈیا میں۔!!!''ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے میجر توصیف کو ہدایت دی۔

''ڈونٹ ووری۔۔''میجر توصیف کا لہجہ پراعتماد تھا۔جبکہ شہرزاد میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھ سکے۔

وہ اپنے فون پر آنے والی کالز میں مسلسل بزی تھا اور ہائی کمانڈز کو اس سلسلے میں آگاہ کر رہا تھا، جبکہ شہرزاد کے دل و دماغ پر اس

وقت ارتضی کا زخمی وجود سوار تھا اور وہ آنکھیں بند کیے اسکے لیے دعا گو تھی، اور اب تو اسے اپنے پیر کی تکلیف بھی بھول چکی تھی۔۔

''آپ ٹھیک ہیں ناں۔۔۔؟'' اس نے جیپ ڈرائیو کرتے ہوئے اپنا سیل فون ڈیش بورڈ پر رکھ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی کالز سے فارغ ہو چکا تھا اور اب بڑے اطمینان اور سکون سے اپنے بالکل برابر میں بیٹھی ہوئی لڑکی کی طرف گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

یہ وہ لڑکی تھی جس کے ساتھ وہ محبت کی مضبوط ڈور میں بہت سالوں سے بندھا ہوا تھا اور اتنے سالوں کی آنکھ مچولی کے بعد اب اسکے دل میں یہ شدت سے تمنا جاگی تھی کہ وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسکے سامنے بات کر سکے، وہ لمحہ آ چکا تھا۔

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں، تم ٹھیک ہو ناں۔۔؟'' وہ فکرمند انداز میں گویا ہوا۔

''جی۔۔۔!!!'' شہرزاد کو اپنے سر پر منوں وزن محسوس ہوا، اس کے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ سر اٹھا کر اپنے سے چند انچ پر بیٹھے ہوئے اس شخص کو دیکھ سکے جس نے کتنے سالوں سے اسکی راتوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔

اسکی گاڑی قریبی ہوسپٹل کی پارکنگ میں رک چکی تھی، وہ جلدی سے نیچے اترا اور اسکی سائیڈ والا دروازہ کھولا، سورج غروب ہو چکا تھا، ملگجا سا اندھیرا ہر چیز پر

غالب آ چکا تھا، پارکنگ میں لگی لائٹس جل چکیں تھیں۔

''اپنا ہاتھ دو مجھے۔۔۔'' ہم زاد نے گہری نظروں سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ اسکی طرف بڑھایا تاکہ اسے اترنے میں مدد دے سکے۔

''میں اتر جاؤں گی۔۔'' آگے بھی شہرزاد تھی، اس نے مضبوطی سے دروازے کے ہینڈل کو پکڑ کر جیپ سے اترنے کی کوشش کی، شیشے کی کرچیاں اسکے پاؤں میں کافی اندر تک دھنسی ہوئی تھیں، یہی وجہ تھی اس نے جیسے ہی پیر نیچے رکھنے کی کوشش کی، اسکے منہ سے سسکی کی آواز بے ساختہ نکلی۔

''جب ضرورت سے زیادہ بہادری دیکھاتی ہو تو بالکل اچھی نہیں لگتی ہو۔'' وہ ہلکا سا جھنجلا کر گویا ہوا، وہ ایک الیکٹرک پول کے عین نیچے کھڑا تھا۔ اس کی لہو گرما دینے والی نظریں شہرزاد کے چہرے پر جمی ہوئیں تھیں۔ ''اب کیوں سر جھکائے کھڑی ہو۔۔؟''

شہرزاد نے ہمت کر کے سر اٹھایا اور اپنے سامنے کھڑے شخص کی شہد رنگ آنکھوں کی طرف دیکھا، ہم زاد نے شرارت سے اسے فوجی اسٹائل میں سلیوٹ کیا، وہ بوکھلا گئی، گھبراہٹ اسکے چہرے سے مترشح تھی، شہرزاد کا چہرہ سرخ ہوا، اس نے محض ایک نظر اسے دیکھا اور اسکے نقوش اسے جانے پہچانے لگے۔

''دیکھ لو، تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔۔'' وہ نچلا ہونٹ دبائے، بڑے دلکش انداز میں مسکرایا۔

اسکا سارا اعتماد اس وقت دھواں بن کر فضاؤں میں تحلیل ہو چکا تھا۔ وہ اسے پہچان چکی تھی۔ دراز قد، کلین شیو، گھنے بال اور

سرخ وسپید رنگت والا یہ ہینڈسم لڑکا اسے یاد آ ہی گیا،جس کی ٹھوڑی پر ہلکا سا بھورے رنگ کا تل تھا اور بات کرتے ہوئے اسکی آنکھوں میں چمکتے جگنو، مدمقابل کو کنفیوژ کرنے کے لیے کافی تھے۔وہ مری کونوینٹ میں اس سے ایک سال سنئیر تھا،اور اسکے حوالے سے ماضی کی کئی خوشگوار یادیں اسکے دماغ میں محفوظ تھیں۔

''شہرزاد غور سے دیکھو اور پہچانو،کون ہوں میں۔۔۔''وہ شرارت بھرے انداز میں بولا۔

''اتنی کمزور یاداشت نہیں ہے میری حمزہ خالد۔۔۔!!!''اس نے ہلکا سا جل کر اسکا پورا نام لیا تو وہ قہقہ لگا کر ہنسا۔۔

''حمزہ نہیں میجر حمزہ،اور تمہارا ہم زاد۔۔!!!''وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر شرارت سے جھکا۔۔

''اٹس ناٹ فیئر۔۔۔!!!'' اس نے اپنے پاؤں کی تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''میرے نذدیک بھی محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز نہیں ہوتی لیکن اتنے سالوں سے تمہارے پیچھے دربدر ہو رہا ہوں،اب اتنا مارجن تو دو گی ناں۔؟''وہ جگنوؤں کی طرح چمکتی ہوئی نگاہوں سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے بڑے دوستانہ انداز میں بولا تھا۔

شہرزاد کی نظریں اسکے مضبوط ہاتھوں پر جمی ہوئیں تھیں،جنہیں وہ سینے پر باندھے بڑی فرصت سے اسکے سامنے کھڑا بڑی گہری نظروں سے اسے تک رہا تھا۔اس میں اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ دوبارہ نگاہ اٹھا کر اسکی طرف دیکھ سکے۔

''امید ہے اس بار دوستی کا ہاتھ نہیں ٹھکراؤ گی۔۔۔''حمزہ اسے بہت سال پرانی بات کا حوالہ دے رہا تھا۔

''اچھا نہیں کیا آپ نے۔۔۔''وہ ہلکا سا جھینپ کر بولی۔

''اور تم نے اچھا کیا تھا،یاد ہے صرف تمہارے ایک ووٹ کی وجہ سے ہارا تھا میں اسکول کا الیکشن۔''وہ شرارتی انداز میں گویا ہوا۔

''اس چیز کا بدلہ لیا ہے آپ نے۔۔''اس نے بھی برجستگی کا مظاہرہ کیا۔

''بدلہ صرف نفرت کا لیا جاتا ہے محبت کا نہیں،محبت تو صرف دینے کا نام ہے شہرزاد سہگل،لیکن تم یہ بات نہیں سمجھو گی۔۔''وہ معنی خیز انداز میں گویا ہوا۔اسے اس وقت اپنے ساری ڈیوٹیز بھولی ہوئیں تھیں۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ساری زندگی یونہی اسے دیکھتے ہوئے گذار دے،یہ وہ لڑکی تھی جسے اس نے برسوں چاہا تھا۔سیاہ رنگ کے سوٹ میں وہ بالوں کو لاپرواہی سے کیچر میں باندھے ہوئے بالکل عام سے حلیے میں اسے بہت خاص دیکھائی دے رہی تھی۔

جبکہ شہرزاد کی نگاہیں اب اسکے فوجی بوٹوں پر جمی ہوئیں تھیں۔۔

''ہاں تو میم کیا کہتی ہیں آپ۔۔۔؟''وہ ایک دفعہ پھر شرارتی انداز سے گویا ہوا۔

''فی الحال تو میرے پاؤں کی تکلیف مجھے کچھ کچھ بھی کہنے سے روک رہی ہے۔۔۔''اس نے گھبرا کر بات پلٹی۔

''اوہ آئی ایم سوری،تم یہیں کھڑی ہو،میں اندر سے وہیل چئیر لے کر آتا ہوں۔۔۔''وہ فکرمند ہوا۔

''نہیں، میں خود چل لوں گی۔۔۔'' شہزاد نے ہلکا سا لنگڑا کر چلنے کی کوشش کی، اور حمزہ نے تاسف بھری نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔

''تم کبھی نہیں بدلو گی شہزاد۔۔۔'' وہ اسکی بات پر اب پہلی بار کھل کر مسکرائی، اور اس نے دوسری بار پر اپنے سامنے کھڑے اس مضبوط شخص کی طرف دیکھا، جس کے ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ تھی، وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ایک باز پھر پزل کر گیا اور وہ بوکھلا کر تیز تیز چلنے لگی۔

☆......☆......☆

مری کی پہاڑوں پر اترنے والی وہ دوپہر بہت عجیب تھی۔۔۔

جو اپنے دامن میں بے شمار طوفان لیے نمودار ہوئی تھی لیکن میر ہاؤس کے مکین اس بات سے انجان تھے۔

میر ہاؤس میں صبح سے افراتفری کا سماں تھا، کیونکہ شام میں در شہوار اور رانا بیہ کی برات اور ولیمے کا فنکشن اکھٹا تھا، گھر دور دراز سے آئے ہوئے مہمانوں سے بھرا ہوا تھا اور آج تو نمیرہ کی بیٹری بھی مکمل آف تھی۔ اس نے جب سے وہاج اور تاجدار بیگم کی گفتگو سنی تھی، اسکا دماغ کھول رہا تھا، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ یہ
بات کسی سے بھی شیئر نہیں کر سکتی تھی۔

''بھابھی، یہ ساری لڑکیاں کہاں ہیں، مہمان بار بار پوچھ رہے ہیں ان کا۔۔'' ندرت بیگم بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنی جیٹھانی کے کمرے میں داخل ہوئیں
جو کہ ساڑھی کا بلاؤز ہاتھ میں پکڑے بغور اسکا معائینہ کر رہی تھیں۔

''مجھے تو لگتا ہے ان لڑکیوں کو کسی نے بد دعا دے دی ہے، جس کو دیکھو، منہ پھلائے گھوم رہی ہے، چلو در شہوار اور رانا بیہ کی تو شادی ہے، یہ طوبیٰ اور نمیرہ کو کیا تکلیف ہے۔۔۔'' تاجدار بیگم نے ہاتھ میں پکڑا بلاؤز بیڈ پر پھینکا۔۔

''ان کے بھی مزاج بگڑے ہوئے ہیں، جس کو دیکھو، کونے کھدرے میں چھپی بیٹھی ہے، ایسا لگتا ہے شادی نہیں خدانخواستہ کوئی بربادی چل رہی ہو اس گھر میں۔۔۔۔'' ندرت امّی تلخی سے گویا ہوئیں۔

''گھر مہمانوں سے نہ بھرا ہوتا تو ایک دفعہ تو ضرور میں ان چاروں کی طبعیت سیٹ کر دیتی۔۔۔'' تاجدار بیگم جھنجلا کر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ ''ویسے پوچھ کون رہا ہے بچیوں کا، پتا بھی تو چلے۔۔۔''

''پھپھو اصغری چار دفعہ پوچھ چکی ہیں، ان کو تو اس بات کا غم کھائے جا رہا ہے کہ در شہوار ان کو سلام کرنے کیوں نہیں آئی اور رانا بیہ کیوں منہ چھپائے بیٹھی ہے ان سے۔۔۔'' ندرت امی نے اپنا مسئلہ بتایا۔

''پھپھو اصغری کو بھی اللہ جانے کون سا کیڑا کاٹتا ہے، ہر اس معاملے میں کوئی گھستی ہیں، جس سے ان کا کوئی لینا دینا نہیں ہوتا

،انہیں بیٹھاؤ ناں شارقہ کے کمرے میں، وہی دے ان کے سوالوں کے جوابات۔۔۔‘‘

تاجدار بیگم کا سارا دھیان اپنے بلاؤ کی طرف تھا جس کی سلائیاں ان کی درزن نے خاصی تنگ کر دی تھیں اور اس وجہ سے وہ خاصی ٹینشن میں تھیں۔

’’سوتن صاحبہ کے اپنے مزاج بگڑے ہوئے ہیں، وہ اپنی ایک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائے گھوم رہی ہیں، مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی کہ آخر پورے گھر میں چل کیا رہا ہے، مسئلہ کیا ہے سب کے ساتھ۔۔؟‘‘ ندرت کی بات پر تاجدار بیگم نے چونک کر اپنی دیورانی کا چہرہ دیکھا۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ کھول کر نمیرہ بجھے بجھے انداز میں اندر داخل ہوئیں۔ دونوں نے غور سے اسکی افسردہ شکل کو دیکھا۔

’’ممانی جان، ڈرائیور سے کہیں، درشہوار اور انابیہ کو پارلر چھوڑ آئے۔۔‘‘

’’پارلر تو وہ چھوڑ آئے گا یہ تم کس خوشی میں منہ لٹکائے گھوم رہی ہو۔۔‘‘ تاجدار بیگم نے لگے ہاتھوں اسکی کلاس لی تو وہ ایک دم گڑبڑا سی گئی۔

’’ایسی تو کوئی بات نہیں ہے ممانی جان، میں تو بس ایسے ہی۔۔۔‘‘ اس نے گھبرا کر صفائی دینے کی کوشش کی۔

’’ایک دفعہ شادی خیر خیریت سے نبٹ جائے تو میں سیٹ کرتی ہوں تم سب کے دماغ، فی الحال تو میں اس کم بخت شریفاں کو دیکھوں، جس نے سارے بلاؤز کا ستیاناس مار دیا ہے، رات کو فنکشن پر پہننا تھا مجھے۔۔۔‘‘ وہ اپنا بلاؤز اٹھا کر کمرے سے نکل گئیں۔

’’درشہوار کا موڈ، کچھ ٹھیک ہوا کہ نہیں۔۔۔؟‘‘ ندرت بیگم نے دائیں بائیں دیکھ کر ذرا سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

’’اس کا موڈ تو مری کے موسم کی طرح پل پل بدلتا ہے، اب ہونٹوں پر خاموشی کا تالا لگائے بیٹھی ہے، اللہ جانے کیا چل رہا ہے اسکے دماغ میں۔‘‘ نمیرہ بیزاری سے کہتی ہوئی ان کے پاس بیٹھ گئی۔

’’میری تو دعا ہے بس آج کی رات گذر جائے، کل کو خود ہی ارسل سیٹ کر دے گا اسے۔۔۔‘‘ ندرت بیگم منہ بنا کر گویا ہوئیں، تو نمیرہ نے یوں حیرت سے ان کا چہرہ دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ وہ سیٹ کر ہی نہ دے۔

☆......☆......☆

ٹینا بیگم نے جھنجھلا کر ہاتھ میں پکڑا سیل فون صوفے پر پھینکا۔۔۔

ٹی وی لاؤنج میں ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھی ہوئی رومیصہ نے پریشانی سے ماں کا چہرہ دیکھا۔۔

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے ٹی وی اسکرین کے سامنے ٹہلتے ہوئے بیسوں دفعہ شہزاد کا نمبر ڈائل کر چکیں تھیں، جو مسلسل پاورڈ آف جا رہا تھا۔ ارتضی پر ہونے والے حملے کی خبر اس وقت میڈیا کا ہارٹ فیورٹ ٹاپک بنی ہوئی تھی، حالانکہ چاروں حملہ آور موقعے پر ہی مارے جا چکے تھے، لیکن اس خبر پر ہونے والے تبصروں نے ماحول خاصا گرم کر رکھا تھا۔

ٹی وی پر آنے والی نیوز کے مطابق ارتضی حیدر اس وقت اکیلے ڈرائیو کر رہے تھے، اس سارے قصّے میں شہزاد کا نام کہیں پر بھی نہیں لیا جا رہا تھا لیکن شیری کے پرائیوٹ گارڈ رضا کی طرف سے آنے والی اطلاع نے ٹینا بیگم کو شدید قسم کی تشویش کا شکار کر دیا، جسکے مطابق، شیری اس حملے کے وقت ارتضی کے ساتھ تھی، اور اس خبر کی تصدیق شہزاد کے سیل فون کے مسلسل پاورڈ آف ہونے نے بھی کر دی تھی۔

''یا اللہ میری بچی کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا۔۔'' وہ فکر مند انداز میں دعائیں مانگ رہی تھیں۔

''مام، اگر شیری ان کے ساتھ ہوتی تو کم از کم کوئی ایک چینل تو یہ نیوز دیتا۔۔'' رومیصہ نے ماں کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

''ہو سکتا ہے اسکا نام ارتضی نے نکلوا دیا ہو ۔۔'' ان کو تسلی نہیں ہوئی۔

''ارتضی تو خود زخمی ہو کر ہوسپٹل پہنچے ہوئے ہیں، ان کو کہاں اس وقت ایسی چیزوں کا ہوش ہوگا۔ مجھے تو لگتا ہے رضا کو واقعی کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' اس نے ایکدفعہ پھر ٹینا بیگم کو سمجھانے کی ناکام کوشش کی۔

''بے وقوف لڑکی۔۔۔رضا ایسی غلط بیانی کیوں کرے گا۔؟ وہ بتا چکا ہے مجھے کہ اسکی شیری سے دو دفعہ بات ہوئی تھی، جب وہ ارتضی کے ساتھ پنڈی سے نکلی تھی۔۔'' ٹینا بیگم نے جھنجھلا کر اسے تفصیل سے بتایا۔

''تو پھر اس بے وقوف کو کس نے کہا تھا کہ اسے اکیلا چھوڑے، تنخواہ کس چیز کی لے رہا ہے وہ۔۔'' رومی کو اسکے گارڈ پر غصہ آیا۔

''اپنی بہن کی حرکتوں کا اندازہ نہیں ہے تمہیں۔؟ ایک کی بجائے دس گارڈز بھی ہوتے تو اس نے یہی حرکت کرنی تھی۔ خود کو بہت پھنے خان سمجھتی ہے ناں۔ اب پتا نہیں کس حال میں ہوگی۔۔؟'' ٹینا بیگم کی پریشانی کسی طور بھی کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

''مام ٹھیک ہونگیں وہ، اگر خدانخواستہ انہیں کچھ ہوا ہوتا تو اس وقت ٹی وی پر ٹیکر چل رہا ہوتا۔۔'' وہ روانی میں کچھ غلط بول گئی۔

''شٹ اپ رومی، بات کرنے سے پہلے کچھ تو سوچ لیا کرو، سگی بہن ہے وہ تمہاری، کیسے منہ پھاڑ کر تم نے اتنی بڑی بات کہہ دی، اللہ نہ کرے میری بیٹی کو کچھ ہو، تم بھی کمال کر دیتی ہو۔۔۔'' وہ ایکدم غصّے میں آ گئیں۔

''آئی ایم سوری مام، میرا یہ مقصد نہیں تھا، لیکن آپ بھی تو بچوں کی طرح ری ایکٹ کر رہی ہیں، اتنے بڑے حادثے کے بعد کہاں انسان کو اپنا ہوش رہتا ہے، رابطہ کر لے گی وہ۔ آپ خواہ مخواہ سے اپ سیٹ ہو رہی ہیں۔۔۔'' رومی ہلکا سا چڑ گئی۔

''جب خود ماں بنو گی تو تب پتا چلے گا تمہیں، ماؤں کے دل کیسے ہوتے ہیں۔۔۔'' ٹینا بیگم انجانے میں اسکی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ گئیں، رومیصہ نے گھبرا کر اپنا دوپٹہ پھیلا لیا، ابھی تو اسکی پریگنسی کا اسٹارٹ تھا لیکن وہ حد درجہ کونشس ہو چکی تھی۔

ٹینا بیگم کے سیل فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف سیف الرحمٰن تھے، انہوں نے کنکھیوں سے رومی کی طرف دیکھتے ہوئے کال اٹینڈ کی، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ وہ ان کو پسند نہیں کرتی۔

''ہاں سیفی، بتاؤ کچھ پتا چلا شیری کا۔۔؟؟؟'' انہوں نے محتاط انداز میں پوچھا، دوسری طرف رومی کا چہرہ بالکل بے تاثر

تھا۔وہ مسلسل اپنے سیل فون پر کوئی ٹیکسٹ کرنے میں بزی تھی ،دوسری طرف سیف الرحمٰن نے شاید کوئی تسلی بخش اطلاع دی تھی جسے سنتے ہی ان کا چہرہ پرسکون ہوا۔

''تھینکس گاڈ، چلو کچھ تو تسلی ہوئی مجھے،اب خود کو ٹیکٹ کرلے گی وہ۔۔''ٹینا بیگم کے حلق سے ایک لمبا سانس خارج ہوا اور رومی کی وجہ سے انہوں نے سیف الرحمٰن سے مختصر ابات کر کے فون بند کر دیا۔

''کیا کہہ رہے تھے سیفی انکل۔۔۔؟؟؟'' رومی کے اس سوال پر انہیں خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا،وہ کہاں ان کے بارے میں اتنی تمیز سے بات کرتی تھی۔

''بتا رہے ہیں شیری، میجر توصیف کے ساتھ ہے اور بالکل خیریت سے ہے،لیکن ارتضی خاصا زخمی ہوا ہے اس حادثے میں۔۔''

''آپ کو جانا چاہیے ان کی عیادت کے لیے۔۔۔''رومیصہ نے دانستہ ماں کی توجہ دوسری جانب مبذول کروائی۔

''جب تک میری شیری کے ساتھ بات نہیں ہوتی، میں کہیں نہیں جاؤں گی۔''ٹینا بیگم کے ضدی انداز پر وہ ہلکا سا مسکرائی۔اسی وقت اس کے سیل فون کی مترنم گھنٹی گونجی اور خوش قسمتی سے دوسری طرف شہرزاد ہی تھی۔۔۔

''شیری کہاں ہو تم۔۔۔؟'' رومی بے تابی سے گویا ہوئی تو ٹینا بیگم جلدی سے اسکے پاس آن کھڑی ہوئیں۔۔

''ہوسپٹل میں ہوں یار۔۔۔'' دوسری طرف شہرزاد خاصی تھکی تھکی سی تھی۔وہ اس وقت میجر حمزہ کے ساتھ اپنے پاؤں پر بینڈیج کروا رہی تھی۔

ٹھیک تو ہو ناں۔۔؟ رومیصہ کو فطری سی پریشانی نے آن گھیرا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں، بس ایک گھنٹے تک پہنچ جاؤں گی گھر۔۔''شہرزاد نے اسے تسلی دی۔

مام کا ٹینشن سے بُرا حال ہے، یہ لو بات کروان سے۔۔''اس نے سیل فون ٹینا بیگم کی طرف بڑھایا، جو انہوں نے بے تابی سے پکڑ لیا۔

فون کی دوسری سائیڈ پر موجود شہرزاد نے اللہ جانے ان پر کیا پڑھ کر پھونکا تھا جو وہ ایک دم ریلکس ہوگئیں۔رومی نے بھی دل ہی دل میں سکون کا سانس لیا ورنہ اسے اپنے اگلے دو گھنٹے مذید برباد ہوتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

☆......☆......☆

درشہوار کے پورے وجود پر ایک محسوس کیا جانے والا ٹھہراؤ تھا۔۔۔!!!

اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ بیوٹی پارلر جانے کے لیے اپنا بیگ تیار کیا،اور بہت سوچ سمجھ کر چیزیں رکھیں، زرد رنگ کے مایوں والے سوٹ میں ملبوس انابیہ جو اس وقت اسکے کمرے میں موجود تھی اس نے حیرانگی سے اسکا پرسکون چہرہ دیکھا۔

"آپ نے چیزیں رکھ لیں اپنی۔۔۔" درشہوار نے چھوٹے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بیا کی طرف سرسری انداز میں دیکھا۔

"ہاں رکھ لیں، لیکن درشہوار، تم ٹھیک تو ہو ناں۔۔۔؟" بیا پریشانی سے بیڈ سے اٹھ کر اسکے پاس چلی آئی۔

ویسے تو برہان کے سرد رویئے نے اسے بھی ہرٹ کر رکھا تھا لیکن اس وقت اس کی تشویش کی ایک بڑی وجہ درشہوار کی پراسرار خاموشی تھی، رات مہندی کے فنکشن کے بعد سے اسکے پورے وجود پر ایک سکوت سا طاری تھا، جو اسکی فطرت اور مزاج دونوں کے خلاف تھا۔

"کیوں بیا۔۔؟ مجھے کیا ہونا ہے۔۔؟" اس نے نظریں چرا کر اپنے بالوں میں برش کیا، وہ بیا کی طرف دیکھنے سے دانستہ گریزاں تھی۔

"تمہاری ارسل کے ساتھ کوئی بات ہوئی ہے کیا۔۔؟" انابیہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس طرح سے بات کا آغاز کرے۔

"مجھے اب کسی سے کوئی بات نہیں کرنی بیا، ان سب نے جو کرنا تھا، بس کر لیا۔۔" اسکا لہجہ اتنا سرد اور سپاٹ تھا کہ بیا نے گھبرا کر اسکی طرف دیکھا۔

"اس کا مطلب ہے، تم نے حالات کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔۔؟" وہ اسکا تلخ انداز دیکھ کر افسردہ ہوئی۔

"اس کے علاوہ اور کیا آپشن ہے اس گھر کی لڑکیوں کے پاس۔۔؟" درشہوار اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عجیب سے انداز میں مزید گویا ہوئی۔ "ہمارے ہاں تو لڑکیوں کو اپنی مرضی سے سانس لینے کا حق نہیں دیا جاتا، لائف پارٹنر کا انتخاب تو بہت دُور کی بات ہے۔

"ارسل بہت اچھا لڑکا ہے درشہوار۔۔" انابیہ نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

"لیکن میں میر ہاوس کی سب سے بُری اور ضدی لڑکی ہوں۔۔۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی، انابیہ کو اسکی ہنسی بین ڈالتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس بات پر کوئی تبصرہ کرتی، طوبیٰ منہ بناتی ہوئی کمرے کے اندر داخل ہوئی۔

"آپ دونوں کی باتیں ہی ختم نہیں ہو رہیں، شاہ میر ویٹ کر رہا ہے باہر گاڑی میں۔۔" اسکی اطلاع پر درشہوار چونکی اور ہلکی سی بے چینی کا شکار ہوئی۔ "کیا میرو بھیا جائیں گے ہمیں پارلر چھوڑنے۔۔۔؟

"ظاہر ہے دو دو دلہنوں کو کوئی اکیلا تھوڑی بھیجے گا اور سلمیٰ بوا بھی ساتھ ہونگیں۔" طوبیٰ کی اگلی بات نے درشہوار کو مزید پریشان کیا لیکن اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔ اس کا ذہن اب تیزی سے کوئی حساب کتاب کرنے میں مگن تھا۔

"چلیں بیا۔۔۔" درشہوار نے سیاہ رنگ کی چادر سے خود کو ڈھانپتے ہوئے کمرے پر الوداعی نظر ڈالی۔

"ہاں چلو، ٹائم بھی کافی ہو گیا ہے۔۔" انابیہ نے اپنا بھی سامان اٹھایا اور وال کلاک کی طرف نظر ڈالی جہاں شام کے پانچ بج رہے تھے۔

"منہ ڈھانپ کے باہر نکلنا، کافی مرد ہیں لان میں۔۔" ٹی وی لاونج میں بیٹھیں ہوئیں تاجدار بیگم نے دونوں کو ایک ساتھ

نصیحت کی۔

''خدا حافظ امّی۔۔۔'' درشہوار کے منہ سے بلا ارادہ نکلنے والے ان دو لفظوں نے تاجدار بیگم کو ہلکا سا چونکایا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ ان پر غور کرتیں، درشہوار اور انابیہ دونوں سیڑھیاں اتر کر ہال کمرے کی طرف بڑھ چکی تھیں۔

میر ہاؤس میں اس وقت مہمانوں کا جم غفیر تھا، اور ملازمین کی دوڑیں لگی ہوئیں تھیں، آج شام سات بجے پی سی میں درشہوار اور نمیرہ دونوں کا مشترکہ فنکشن تھا، چونکہ انابیہ اور برہان کا نکاح ہو چکا تھا اس لیے ان کا ولیمہ اور درشہوار اور ارسل کی برات کا فنکشن تھا۔

میر ہاؤس کے بڑوں نے سب فنکشنز کو ایک ریسپشن میں نبٹانے کا فیصلہ کیا تھا اور وقت پی سی بھوربن میں ملک کے کئی اہم منسٹرز اور سیاست سے تعلق رکھنے

والے لوگوں کی آمد متوقع تھی۔

''تم ٹھیک ہوناں۔۔۔؟؟'' درشہوار جیسے ہی شاہ میر کی جیپ میں آکر بیٹھی، اس نے بغور اپنی بہن کا پرسکون چہرہ حیرانگی سے دیکھا۔

''مجھے کیا ہونا ہے۔۔؟ آپ گاڑی چلائیں بس۔۔'' وہ اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں بولی تو شاہ میر نے تھوڑا سکون کا سانس لیا۔

انابیہ اور سلمٰی بوا بھی دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکیں تھیں۔ درشہوار نے باہر نکلتے ہوئے دیکھا ان کے پورے لان میں قناتیں لگی ہوئیں تھیں اس لیے ہادی کے گھر کا منظر بالکل بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ ان کی سائیڈ بالکل کور ہو چکی تھی۔

لان میں اس وقت کافی لوگ موجود تھے، شاہ میر نے جب ان تینوں کو پارلر کے سامنے اتارا تو اسکی چھٹی حس اسے کسی بڑی گڑبڑ کا اشارہ کررہی تھی، لیکن پریشانی کا سرا اسکے ہاتھ نہیں آرہا تھا۔ وہ سلمٰی بوا کو ان کا دھیان رکھنے کا کہہ کر بھی پارلر کے سامنے پورے پانچ منٹ تک کھڑا رہا لیکن محتشم صاحب کی کال پر اسے واپس جانا پڑا۔

وہ مری کی ایک خوبصورت کوٹھی میں بنا ہوا ایک جدید قسم کا سیلون تھا، اور آجکل شادیوں کا سیزن ہونے کی وجہ سے وہاں کافی رش تھا۔ انابیہ اور درشہوار دونوں ویٹنگ ایریا میں پہنچ گئی تھیں اور ریسپشن پر موجود لڑکی نے انہیں وہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ایک ورکر لڑکی ان کے برائیڈل ڈریس لینے ان کے پاس آئی تو درشہوار نے جلدی سے اپنا بیگ کھولا۔۔۔

''اوہ نو۔۔۔ اپنے لہنگے کی چولی تو گھر بھول آئی ہوں میں۔۔'' درشہوار نے پلان کے مطابق انابیہ کی سماعتوں میں بم پھوڑا۔

''فون کردوناں، طوبیٰ بجھوا دے گی۔۔۔'' انابیہ فکرمند ہوئی۔

''لیکن واڈروب کی چابیاں تو میرے پاس ہیں۔۔۔'' درشہوار نے جان بوجھ کر پریشانی کا مظاہرہ کیا۔

''پلیز آپ جلدی منگوائیں، آپ کے بعد دو اور برائیڈز کی بکنگ ہے ہمارے پاس۔۔'' ورکر کے فکرمند انداز پر انابیہ گھبرا کر بولی۔

''میں شاہ میر کو فون کرتی ہوں، وہ چابی آکر لے جائے گا۔۔۔''

''رہنے دو اس کا ویسے ہی موڈ خراب ہے، سلمی بوا آپ آرام سے ٹیکسی میں چلی جائیں اور چپکے سے لے کر آجائیے گا۔''

درشہوار کے مشورے پر انابیہ ہلکا سا پریشان ہوئی۔''بوا اکیلی کیسے جائیں گی۔۔؟؟؟''

''دس منٹ کی ڈرائیو پر تو گھر ہے، بوا آپ پلیز ٹیکسی لے کر چلی جائیں۔۔۔'' درشہوار کے دوٹوک انداز پر بوا پریشانی سے کھڑی ہوئیں۔

''کیا سوچ رہی ہیں، جلدی جائیں، ٹائم بہت کم ہے، سات بجے پہنچنا ہے ہمیں ہال میں۔۔''اس نے بوا کو کچھ بھی سوچنے کا موقع دیئے بغیر بازو سے پکڑا اور دروازے کی طرف لے گئی اور سلمٰی بوا کو اسکے ضدی انداز پر ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔

''پلیز آپ برائیڈل روم میں آجائیں اور آپ کا ڈریس جیسے ہی آتا ہے گھر سے تو بتا دیجئے گا۔۔'' ورکر، جیسے ہی انابیہ کو لے کر وہاں سے نکلی، درشہوار نے سکون کا سانس لیا، اب میدان صاف ہو چکا تھا اس نے اپنی چادر اتار کر بیگ کے اندر سے اپنا سیاہ رنگ کا گاؤن نکالا اور خاموشی سے دوسرے پورشن کی طرف چلی گئی، وہاں جا کر گاؤن پہنا، اچھی طرح سے چہرے پر نقاب لیا اور بڑے اطمینان سے اپنا بیگ اٹھا کر پارلر سے نکل گئی۔

☆......☆......☆

شہرزاد کے پاؤں پر بینڈیج ہو چکی تھی۔۔۔

وہ حمزہ کے ساتھ ہوسپٹل سے نکلی تو اس وقت شدید ذہنی اور جسمانی تھکن کا شکار ہو چکی تھی۔

ایک تو یہ حادثہ اور اوپر سے حمزہ کے ساتھ اس اچانک ملاقات نے بھی اسے خاصا بوکھلا رکھا تھا، وہ دانستہ طور پر اسکی طرف دیکھنے سے انکاری تھی اور حمزہ کی گہری نظریں اسے بار بار بوکھلاہٹ کا شکار کر رہی تھیں اور اسے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اسکی یہ فطری سی بوکھلاہٹ میجر حمزہ کو کتنا محظوظ کر رہی تھی، اور وہ باقاعدہ اس چیز کا لطف لے رہا تھا جبکہ شہرزاد کو دل ہی دل میں خود پر غصہ آ رہا تھا اور وہ خود کو پراعتماد ظاہر کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی۔

اسی دوران حمزہ اپنے سیل فون پر اس حادثے کی مسلسل اپ ڈیٹس لے رہا تھا۔اسے یکطرفہ گفتگو سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ میجر توصیف سارا معاملہ ہینڈل کر چکا ہے اور ارتضی کو ہوسپٹل میں شفٹ کر دیا گیا ہے اور اسکی حالت اب خطرے سے باہر تھی۔

''میڈم چلیں گھر۔۔'' وہ چلتے چلتے رکا اور جھک کر اسکے پاؤں کو دیکھنے لگا۔''وہیل چیئر منگوالوں پارکنگ تک جانے کے لیے۔''

''نہیں، میں چل لوں گی۔۔۔'' وہ بینڈیج کی وجہ سے بمشکل چل رہی تھی۔۔

''اب درد تو نہیں ہو رہا۔۔؟'' حمزہ نے جیپ میں بیٹھتے ہوئے فکر مند لہجے میں پوچھا۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسکی تکلیف کو سیکنڈوں میں دُور کر دیتا۔اس نے شہرزاد کے منع کرنے کے باوجود پین کلر انجکشن بھی لگوا دیا تھا۔

''نہیں، بہتر ہوں۔۔۔'' وہ زبردستی مسکرا کر بولی تو اس کا چابی گھماتا ہوا ہاتھ ساکت ہوا۔شہرزاد نے چونک کر اسکی طرف

دیکھا۔اس شخص کی نظروں کا سامنا کرنا بھی کسی بڑے امتحان سے کم نہیں تھا اور اس بات کا ادراک اسے ابھی ابھی ہوا تھا۔

''کیا ہوا۔۔۔'' وہ نظریں چرا کر بولی۔

''جب تم مسکراتی ہو تو اچھی لگتی ہو لیکن جب ''زبردستی'' مسکراتی ہو تو اس سے بھی زیادہ اچھی لگتی ہو، کیونکہ اس زبردستی کی مسکراہٹ کے پیچھے کسی دوسرے کو ریلکس کرنے کی دانستہ کوشش ہوتی ہے۔۔۔''حمزہ معنی خیز انداز میں بولتا ہوا اسکے دل کی دھڑکنوں کو ایک دفعہ پھر بے ربط کر گیا۔

''مجھے آپکی باتیں سمجھ نہیں آتیں۔۔۔'' وہ جان بوجھ کر انجان بنی اور گاڑی کے شیشے سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔اسے لگ رہا تھا جیسے اسکا دل پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا اور شہرزاد کو پہلی دفعہ اندازہ ہوا کہ محبت کے معاملے میں ساری لڑکیاں ایک جیسی ہی ہوتی ہیں۔

''اگر تمہیں میری باتیں سمجھ نہیں آتیں تو یقین مانو دنیا کا کوئی بھی بندہ حمزہ خالد کو نہیں سمجھ سکتا۔۔۔'' وہ گاڑی کی اسپیڈ جان بوجھ کر آہستہ رکھے ہوئے تھا۔

''حمزہ خالد کو اس دور میں بھی کوئی سمجھ نہیں پایا تھا، تو اب کیا خاک سمجھے گا۔۔۔'' وہ ماضی کا حوالہ دے رہی تھی۔

''سچ سچ بتاؤ، مجھے دیکھ کر شاک تو لگا ہوگا تمہیں۔۔۔؟'' اسکے لہجے سے شوخی چھلکی۔

''ہاں بہت زیادہ، کیونکہ میں دنیا کے ہر بندے پر ہمزاد ہونے کا شک کرسکتی تھی لیکن آپ پر نہیں۔۔۔''اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''اس لیے کہ ہماری آپس میں کبھی بھی بہت زیادہ بات چیت یا دوستی نہیں رہی۔تم ایک سال جونیئر بھی تو تھیں مجھ سے۔'' وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔

''میری اس دور میں کسی کے ساتھ بھی دوستی نہیں تھی۔۔۔'' شہرزاد نے اسے یاد دلایا۔۔

''ہاں تبھی تو اچھی لگتی تھیں مجھے، ہمیشہ تمہیں اپنی چھوٹی بہن کے لیے پریشان ہوتے ہی دیکھا تھا میں نے۔'' وہ اسکی باتوں کو مسکراتے ہوئے سن رہی تھی۔

''اور میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ تم پتا نہیں مجھے پہچان بھی پاؤ گی یا نہیں، بیچ میں اتنے سالوں کا گیپ بھی تو تھا۔اس کے علاوہ ہماری کبھی بہت زیادہ فرینڈشپ بھی تو نہیں رہی تھی،لیکن تم نے تو میرا پورا نام لے کر حیران کر دیا شہرزاد۔۔''

''یہ اتنی بھی حیرانگی کی بات نہیں کیونکہ میں آج بھی وہ بات نہیں بھولی، جب آپ نے رومی کی خاطر چار لڑکوں کی ٹھکائی کی تھی۔۔۔'' اس نے بھی سکول دور کے ایک واقعے کی طرف اشارہ کیا، جب رومی کا اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ جھگڑا ہوا تھا اور اس موقعے پر حمزہ نے ان لڑکوں کو اچھا خاصا مارا تھا۔

''ٹرسٹ می، تمہاری خاطر تو میں پورے مری کونو ونیٹ سے لڑ سکتا تھا لیکن تم نے کبھی موقع ہی نہیں دیا۔'' اسکے معنی خیز انداز پر وہ ہلکا سا بوکھلائی اور فوراً موضوع گفتگو تبدیل کیا۔

''پلیز ان ساری باتوں کو چھوڑیں، اور مجھے ہوسپٹل ڈراپ کر دیں۔۔۔'' شہرزاد کو اس وقت ارتضیٰ کی خاصی ٹینشن تھی۔

''کون سے ہوسپٹل۔۔۔؟'' وہ حیران ہوا۔

''جہاں ارتضیٰ کو ایڈمٹ کیا ہوا ہے۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''شہرزاد آر یوان یور سینسز۔۔۔ تم سے چلا جا نہیں رہا اور تم ہوسپٹل جاؤ گی۔۔'' وہ ہلکا سا جھنجھلا گیا۔ اسے ارتضیٰ کے لیے اسکی بے چینی بالکل بھی اچھی نہیں لگی اور اس پہلی ملاقات میں تو اسکی توقعات ویسے ہی ہائی تھیں۔

''یار وہ زخمی ہے اور میں اس حادثے کے وقت اس کے ساتھ تھی، اچھا تھوڑی لگتا ہے ایسے۔۔'' وہ جذباتی ہوئی۔

''اور جو مجھے بُرا لگ رہا ہے کہ تم میرے ساتھ ہو کر ارتضیٰ کے لیے ٹینس ہو رہی ہو۔۔۔؟'' وہ ناراض ہوا تو شہرزاد چپ ہو گئی۔

''کیا واقعی تم نے ہوسپٹل جانا ہے اس سے ملنے کے لیے۔۔۔؟'' اس نے آس بھری نظروں سے اسکی طرف دیکھا، اسکا خیال تھا کہ شاید وہ اسکی ناراضگی محسوس کر کے انکار کر دے گی لیکن شہرزاد نے بھی آج اسکی ساری امیدوں پر پانی پھیرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

''ہاں مجھے اس سے ملنے جانا ہے۔۔۔'' اسکی سنجیدگی پر حمزہ نے میجر توصیف کو کال کر کے ہوسپٹل کی معلومات لیں اور گاڑی کا رخ موڑ دیا۔

حمزہ دل ہی دل میں اس سے خفا ہو چکا تھا۔ ان دونوں کے درمیان محسوس کی جانے والی خاموشی کا طویل وقفہ آ چکا تھا۔ اس نے گاڑی ہوسپٹل کی پارکنگ میں کھڑی کی اور اسکی سائیڈ کا دروازہ کھول کر خود دوسری سائیڈ پر دیکھنے لگا۔

شہرزاد ہلکا سا جھجک کر نیچے اتر آئی۔ اس نے کنکھیوں سے اسکے چہرے کے بگڑے ہوئے نقوش دیکھے، اسکی رنگت خاصی شفاف تھی اور ہلکی سی ناراضگی پر اسکا چہرہ سرخ ہو کر دہکنے لگتا۔ اپنی فوجی ہیر کٹ اسٹائل اور دراز قامتی کے ساتھ وہ اچھا خاصا ہینڈسم تھا، اور کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے لگا، شہرزاد کا خیال تھا کہ وہ اسے ڈراپ کر کے یہیں سے واپس چلا جائے گا لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ جب وہ پس پشت رہ کر اسکا اتنا خیال کرتا ہے تو سامنے آ کر کیسے اسے بیچ راستے میں چھوڑ سکتا ہے۔

شہرزاد پاؤں میں بینڈیج کی وجہ سے بہت آہستگی کے ساتھ چل رہی تھی اور وہ اسکا ساتھ دینے کے لیے خود بھی سست رفتاری سے چل رہا تھا۔ جیسے ہی وہ لوگ ریسپشن پر پہنچے، سامنے مسز عالیہ قریشی کھڑی تھیں، جو اسکی طرف دیکھ کر بے تابی سے اسکی طرف لپکیں، لیکن اس سے پہلے کہ وہ شہرزاد سے ملتیں، انکی نظر اسکے ساتھ کھڑے میجر حمزہ پر پڑی اور ان کے چہرے پر تغیر رونما ہوا۔ وہ بے تابی سے اسکی طرف بڑھیں۔۔

''ارے حمزہ بیٹا، تم کب آئے پاکستان۔۔؟ ہادی نے بتایا ہی نہیں مجھے۔۔۔'' وہ بڑے پرجوش انداز میں اس سے ملیں، اور اسکے

ماتھے کا بوسہ لیا۔ وہ خود بھی بڑے والہانہ انداز میں ان سے ملا۔

''بس دو تین دن ہی ہوئے ہیں آنٹی، کہاں پر ہے وہ آپکا خبیث بیٹا۔۔۔؟''اسکی بے تکلفی پر شہزاد چونکی۔ اس کے ذہن میں چھپا کا سا ہوا اور اس کے ساتھ ہی کئی منظر ایک ساتھ روشن ہوئے۔ اسے اب جا کر یاد آیا کہ ہادی کا چہرہ اسے اتنا جانا پہچانا کیوں لگتا تھا، وہ حمزہ کا کلاس فیلو تھا۔

'' کچھ فرینڈز آئے ہوئے ہیں اسکے، ان کے ساتھ بزی ہے وہ۔۔'' وہ مسکراتے ہوئے اب شہزاد کی طرف متوجہ ہوئیں۔

'' چار دفعہ کالز کر چکا ہوں، ایک دفعہ بھی ملنے نہیں آیا۔۔۔''اس نے شکایت کی۔

''تو تم خود چلے جاؤ ناں مری، وہ کون سا دُور ہے۔۔''انہوں نے مسکرا کر کہا اور شہزاد کی طرف دیکھا۔

''تم ٹھیک ہو ناں شیری، اور یہ حمزہ کہاں سے مل گیا تمہیں۔؟'' وہ محبت بھرے انداز میں اس سے ملیں اور اس سے پہلے کہ شہزاد ان کی بات کا کوئی جواب دیتی ان کی نظر اسکے پاؤں پر پڑی۔''یہ کیا ہوا ہے۔۔؟ کیسے چوٹ لگی۔۔؟''

'' آنٹی، یہ ارتضی کے ساتھ تھیں اس حادثے کے وقت۔۔۔''حمزہ کی اطلاع پر مسز عالیہ قریشی کا رنگ اڑا۔

''او مائی گاڈ، مجھے تو کسی نے نہیں بتایا۔ تم ٹھیک ہو ناں شیری۔۔''وہ ایکدم پریشان ہوئیں۔

''یہ تو ٹھیک ہی ہوتی ہیں آنٹی، بس اپنے ساتھ رہنے والوں کو پریشان رکھتی ہیں۔۔''اسکے جتاتے ہوئے لہجے پر وہ ہلکی سی الجھن کا شکار ہوئیں اور چونک کر ان دونوں کی طرف دیکھا، حمزہ کے ساتھ اسکی موجودگی ان کو حیران کر رہی تھی۔

''میری بہت اچھی فرینڈ ہے شیری، کونوینٹ میں مجھ سے اور ہادی سے ایک سال جونیئر تھی، اس حادثے میں، میں ہی ریسکیو کر کے لایا ہوں انہیں۔۔''اس نے ہلکے پھلکے انداز میں انکی معلومات میں اضافہ کیا۔

''مسز قریشی، کیسی طبعیت ہے اب ارتضی کی۔۔۔؟''شہزاد نے دانستہ ان کی توجہ دوسری جانب مبذول کی۔

''اب تو کافی بہتر ہے، گولی نے اسکے بازو کو چھوا ہے اور اس وجہ سے خون بھی خاصا ضائع ہو چکا ہے اسکا۔''انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

'' مجھے ملنا تھا اس سے۔۔۔''اسکی بے چینی پر حمزہ ایک دفعہ پھر کوفت کا شکار ہوا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔۔۔''وہ ان دونوں کو لے کر ارتضی کے روم کی طرف چلی آئیں۔ کوریڈور میں سیکورٹی گارڈز اور پولیس کی کافی نفری موجود تھی۔ وہ تینوں جیسے ہی ارتضی کے روم میں داخل ہوئے، وہ اس وقت مکمل ہوش میں تھا، اور ایک نرس اسکے ہاتھ پر ڈرپ لگا رہی تھی۔

ارتضی نے جیسے ہی شہزاد کی طرف دیکھا، اسکی آنکھوں کی چمک میں ایکدم اضافہ ہوا جو حمزہ کی زیرک نگاہوں سے چھپ نہ سکا۔ شہزاد بھی فکرمند انداز میں اسکی طرف بڑھی، لیکن اس سے پہلے ارتضی کی نظر اس کے پاؤں پر پڑی۔

''شیری کیا ہوا آپ کے پاؤں کو۔؟ آپ ٹھیک ہیں ناں۔۔۔؟''اس نے بے چین انداز میں اٹھنے کی کوشش کی،اور ایک درد کی ٹیس اسکے بازو سے اٹھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسکے منہ سے سسکی نکل آئی۔

''بیٹا،دھیان سے کیا ضرورت ہے اٹھنے کی۔۔۔''مسز قریشی نے آگے بڑھ کر اسے دوبارہ لٹانے کی کوشش کی۔

''وہ بالکل ٹھیک ہے لیکن تم اپنا خیال رکھو۔''

''کیسی طبعیت ہے ارتضی۔۔۔؟''وہ ہلکا سا جھجک کر گویا ہوئی اور ساتھ ہی اس نے کنکھیوں سے حمزہ کی طرف دیکھا،جو اس وقت ہونٹ بھینچے بالکل خاموش اور ضرورت سے زیادہ ہی سنجیدہ کھڑا تھا۔ایسے لگ رہا تھا جیسے اسے زبردستی یہاں پر لایا گیا ہو۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر ہوسپٹل سے نکل جاتا۔

''میں''اب''ٹھیک ہوں۔۔''ارتضی کے معنی خیز انداز پر حمزہ نے بے چینی سے کھڑے کھڑے پہلو بدلا۔اسی وقت ارتضی کی بھی اس پر نظر پڑی تو اس نے سوالیہ نظروں سے مسز قریشی کی طرف دیکھا تو انہوں نے فوراً تعارف کی رسم نبھائی۔

''ان سے ملو،یہ میجر حمزہ ہیں،ہادی کے بیسٹ فرینڈ اور شیری کے ساتھ بھی کافی دوستی ہے ان کی۔۔''مسز قریشی کے ہلکے پھلکے انداز پر وہ مسکرایا اور اس نے اپنا دایاں ہاتھ حمزہ کی طرف بڑھایا،جسے اس نے بادل نخواستہ انداز میں تھاما تھا۔

''نائس ٹو میٹ یو۔۔۔''حمزہ نے رسماً کہا اور کوفت بھرے انداز میں ایک بار پھر اسکی طرف دیکھا،جسکی نظریں بار بار بھٹک کر شہرزاد کی طرف جا رہی تھیں اور اس کے صبر کا پیمانہ لبریز کر رہی تھیں لیکن خیریت ہوئی اسے کوئی آفیشل کال آ گئی،جسے سنتے ہی وہ الرٹ ہوا۔

''آئی ایم سوری،مجھے نکلنا ہوگا۔۔۔''وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''شیری کی ٹینشن مت لو،اسے میں ڈراپ کر دوں گی۔۔''مسز عالیہ قریشی نے اسکی مشکل آسان کی۔

''اوکے ارتضی،اینڈ شہرزاد۔۔۔نائس میٹنگ ود یو۔۔''وہ رسمی سی گفتگو کر کے دروازے کی طرف بڑھا اور باہر نکلنے سے پہلے اس نے پلٹ کر دیکھا،شہرزاد کی نظریں اس پر اور ارتضی کی والہانہ نگاہیں شہرزاد پر جمی ہوئیں تھیں اور وہ جی بھر کر بدمزا ہوا۔

''جنرل خالد کا بیٹا ہے یہ،اسکی ماں بیسٹ فرینڈ تھی میری۔۔۔''مسز عالیہ قریشی نے اسکے کمرے سے نکلتے ہی بلند آواز میں تبصرہ کیا تو شہرزاد چونک گئی،وہ دل ہی دل میں اندازہ لگا چکی تھی کہ اگر وہ ہادی کا بیسٹ فرینڈ ہے تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ ہادی ان دونوں کے تعلق سے واقف نہ ہو۔

☆......☆......☆

شادی ہال اس وقت بقعہ نور بنا ہوا تھا۔۔۔

لہراتے آنچل،روشنیاں،خوشبوئیں اور بیک گراؤنڈ میں بجتا ہوا میوزک۔۔۔۔!!!

پی سی بھوربن کے اس ہال کی ریسپشن پر میر حاکم علی سفید رنگ کے کلف لگے سوٹ میں اپنے دونوں بیٹوں محتشم علی اور خاقان علی کے ساتھ موجود تھے۔ان سب کے چہرے خوشی کے ساتھ دمک رہے تھے۔

ایک طرف برہان کا ولیمہ تھا تو دوسری طرف ارسل اور درشہوار کی شادی کا فنکشن تھا۔اس وقت شہر کی کریم یہاں پر موجود تھی اور خواتین اور مردوں کا علیحدہ علیحدہ سے انتظام کیا گیا تھا۔

نیوی بلیو کلر کی کام والی فراک میں طوبیٰ کا سوگوار سا حسن دیکھنے والوں کو دور ہی سے اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔وہ لوگ تیار ہو کر ٹائم سے پہلے شادی ہال میں پہنچ چکیں تھیں، تاکہ مہمانوں کو ریسیو کر سکیں۔شاہ میر جو کہ کسی کام سے خواتین والے پورشن میں آیا تو طوبیٰ کو دیکھ کر اسکی طرف چلا آیا۔سیاہ کلر کے پینٹ کوٹ میں وہ اس وقت بے حد جاذب نظر آ رہا تھا۔

’’فار گاڈ سیک طوبی، آج تو موڈ اپنا فریش رکھو۔۔‘‘

اس نے ذرا آہستگی سے اسکے پاس آ کر کہا تو طوبی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، وہ آجکل ویسے ہی ضرورت سے زیادہ حساس ہو رہی تھی۔شاہ میر اسکے آنسو دیکھ کر پریشان ہوا اور محبت سے اسکا ہاتھ پکڑ کر ہال کے ایک کونے کی طرف لے آیا اور نمیرہ نے اسٹیج پر کھڑے ہوئے یہ منظر بڑے بوجھل دل کے ساتھ دیکھا تھا۔اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ اسکے نصیب کی بارشیں کسی اور کی چھت پر برس چکی ہیں۔

’’میں نے کہا ناں، میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا، تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے یا خود پر۔۔؟‘‘ وہ طوبیٰ کی ٹھیک ٹھاک کلاس لے رہا تھا۔

’’پتا نہیں کیوں میرو، بہت دل گھبرا رہا ہے میرا۔۔‘‘ اسکی سہمی ہوئی آنکھیں دیکھ کر شاہ میر کو ایکدم اس پر پیار آیا۔

’’جب اتنا ہینڈسم لڑکا تمہارے سامنے کھڑا ہو گا تو دل تو گھبرائے گا ناں۔۔‘‘ وہ اسکے تھوڑا اور قریب ہو کر کھڑا ہوا اور اسکی قربت نے طوبی کو پگھلا سا دیا۔

’’بہت پیاری لگ رہی ہو تم، دل چاہ رہا ہے داجی سے کہوں کہ ہمارا بھی آج ہی نکاح پڑھوا دیں۔۔‘‘ وہ اس کے صبیح چہرے کو بھرپور نظروں سے جانچ رہا تھا اور طوبی کا چہرہ بلش کرنے لگا۔

’’پلیز میرو جاؤ یہاں سے، کوئی دیکھ لے گا۔۔۔‘‘ وہ گھبرا کر دائیں بائیں دیکھنے لگی۔

’’اچھا ہے کوئی دیکھ ہی لے بلکہ داجی ہی دیکھ لیں تاکہ انہیں اپنا فیصلہ بدلنے میں آسانی ہو جائے۔۔‘‘ وہ شرارت بھرے انداز میں گویا ہوا۔۔

’’کیا مصیبت ہے یار، جاؤ ناں۔۔‘‘ وہ ہلکا سا جھنجھلا اٹھی، ویسے بھی آج دوپہر سے اسکی دل کی عجیب سی کیفیت تھی۔جسے وہ کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھی، پریشان تو شاہ میر بھی تھا لیکن مرد ہونے کی حیثیت سے وہ کسی بھی چیز کو زیادہ دیر تک خود پر طاری نہیں کر سکتا تھا۔

’’تم چھوڑو ساری باتوں کو اور یہ تو پہنو ناں، بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔۔۔‘‘ اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک نازک

سی گولڈ کی انگوٹھی نکال کر زبردستی اسکے ہاتھ میں پہنائی اور طوبیٰ کا شرم کے مارے بُرا حال ہو گیا۔

''اب گھر کے بڑوں کو ہی خیال نہیں تو ہمیں ہی سب کچھ کرنا ہو گا ناں۔۔۔'' وہ شوخی سے بولا تو طوبیٰ مسکرا دی۔

''شاہ میر میری بات سنو پلیز۔۔۔'' اسی وقت حواس باختہ انداز میں نمیرہ انکی طرف آئی۔ طوبیٰ نے گھبرا کر اپنا انگوٹھی والا ہاتھ دوپٹے کے نیچے چھپالیا، اور نمیرہ کا پریشان چہرہ دیکھا۔ ''کیا ہوا۔۔۔؟''

''قیامت ٹوٹ پڑی ہے شاہ میر۔۔۔'' لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر اسکے منہ سے نکلے۔

''ہوا کیا ہے آخر۔۔۔؟'' وہ بوکھلایا۔

''انابیہ کی کال آئی ہے پارلر سے اور، درشہوار وہاں سے غائب ہو گئی ہے۔۔'' اس نے ان دونوں کی سماعتوں میں بم پھوڑا۔

''واٹ۔۔؟ کہاں غائب ہو گئی۔۔۔؟'' شاہ میر کی پریشانی سے آواز بلند ہوئی۔

''آہستہ بولو پلیز کوئی سن لے گا۔'' اس نے خوفزدہ انداز میں چاروں طرف دیکھا، سب مہمان خوش گپیوں میں مصروف تھے، جبکہ شاہ میر کے چہرے کا رنگ بدل چکا تھا، اس کے سارے وہم اور اندیشے مجسم ہو کر اسکے سامنے آچکے تھے۔ درشہوار کی خاموشی کا بھید کھل چکا تھا۔

''وہ اپنے بیگ سمیت پارلر سے کہیں چلی گئی ہے اور انابیہ بہت ٹینشن میں ہے۔۔ پلیز جاؤ تم وہاں۔۔۔

''مائی گاڈ۔۔۔!!!'' شاہ میر کے ساتھ ساتھ طوبیٰ کا بھی دماغ بھک کر کے اڑا۔۔

''یہ کیا کیا اس پاگل لڑکی نے۔۔۔'' طوبیٰ نے خوفزدہ نگاہوں سے شاہ میر کی طرف دیکھا جس کے وجود کا سارا لہو اسکے چہرے پر سمٹ آیا تھا۔

''تم پلیز فوراً جاو، وہ بہت رو رہی ہے، میں ندرت امی کو بتاتی ہوں۔۔۔'' نمیرہ کا آدھا جملہ ابھی منہ میں ہی تھا اور شاہ میر میزائل کی سی تیزی کے ساتھ وہاں سے نکلا، اس کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔، وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا پارکنگ کی طرف بڑھا۔ سامنے وہاج اپنے کچھ فرینڈز کے ساتھ کھڑا خوش گپیوں میں مصروف تھا، وہ شاہ میر کو پریشان انداز میں اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر فوراً اسکی طرف لپکا۔

''یار امّی سے پوچھو کتنی دیر ہے درشہوار اور بیا کو۔؟ داجی بار بار پوچھ رہے ہیں۔۔۔؟''

''آپ میرے ساتھ چلیں وہاج بھائی۔۔۔'' شاہ میر نے زبردستی ان کا ہاتھ پکڑا اور اسکے لہجے میں کچھ تھا جو وہاج کو اپنی ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسناہٹ سی اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔

☆......☆......☆

مونیکا کی چوری چھپے شادی کے فیصلے نے جارج کو ہوسپٹل تک پہنچا دیا تھا۔

انجائنا اٹیک کے بعد وہ تین دن ہوسپٹل میں رہا اور جب گھر پہنچا تو بدنامی اور رسوائی اسکے گھر کی دہلیز پر اپنے پنجے گاڑ چکی تھی، مونیکا نے ان سب کو اپنی کرسچئن کمیونٹی میں کہیں منہ دیکھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

''اس سے تو اچھا تھا میں اسکا پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دیتی۔۔'' مارتھا اٹھتے بیٹھتے ہوئے اسے بددعائیں دے رہی تھی اور اس کے چھوٹے بہن بھائی منہ چھپائے گھر بیٹھے ہوئے تھے اور انہوں نے سکول جانا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہاں کی کمیونٹی کے بچے ان پر مونیکا کے حوالے سے فقرے کستے اور ان کو تحمل کے ساتھ برداشت کرنا کوئی اتنا بھی آسان کام نہیں تھا۔۔

''میں چھوڑوں گا نہیں اسے۔۔'' مونیکا کا چھوٹا بھائی آنکھیں لال کیے سارا دن بیٹھ کر ایک ہی فقرے کی گردان کرتا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اپنی بہن کو کھڑے کھڑے گولی مار دیتا، اوپر سے جارج کو اس علاقے کے کونسلر نے گھر خالی کرنے کے لیے دن رات تنگ کر رکھا تھا۔

دوسری طرف مونیکا،، ذوالکفل کے ساتھ عمرہ کر کے واپس آئی تو بہت پرسکون تھی اور دونوں لاہور میں اپنی نئی اور خوشگوار زندگی کا آغاز کر چکے تھے، مذہب کی تبدیلی نے مونیکا کی زندگی میں ایک ٹھہراؤ سا پیدا کر دیا تھا، اسکے اندر کا اضطراب اور بے چینی ختم ہو چکی تھا اور سونے پہ سہاگہ، اللہ نے جلد ہی اسے خوشخبری سنا دی تھی اور اس خبر نے ان دونوں کی زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کر دی تھی۔

''اللہ مجھے جو بھی اولاد دے گا میں اس کو حافظ قرآن بناؤں گی۔۔'' اس دن کھانا ٹیبل پر لگاتے ہوئے مونیکا نے بڑے پرجوش انداز میں اپنے شوہر کو بتایا تو اسکا نوالہ منہ کی طرف لے جاتا ہوا ہاتھ رک گیا۔

''مونیکا اس سے پہلے تم میری ایک بات مانو گی۔۔؟؟؟'' ذولکفل کے لہجے میں کچھ تھا وہ ٹھٹک گئی اور سوالیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھنے لگی۔

''آپ کی ہر بات ہی تو مانتی ہوں۔۔'' اس کے چہرے پر بے ریا مسکراہٹ تھی۔

''میرے خیال میں ہمیں اپنے پیرنٹس سے معافی مانگ کر ان کو منا لینا چاہیے، وہ لوگ ہم سے خفا ہیں۔۔''

''کیا مطلب۔۔۔؟ میں سمجھی نہیں۔۔۔'' مونیکا نے الجھ کر اسکا چہرہ دیکھا۔

''میں چاہتا ہوں ہم دونوں ملتان جائیں اور میں تمہیں اپنی حویلی میں لے جا کر تمہیں، تمہارا حق دلاؤں تاکہ کل کو میری اولاد کو کوئی مسئلہ نہ ہو۔۔''

''کیا وہ لوگ مجھے قبول کر لیں گے۔۔'' مونیکا کے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہوئیں۔

''تھوڑا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔۔۔'' وہ پرامید تھا۔

''بس ٹھیک ہے پھر ہم لوگ کل ہی ملتان کے لیے نکل جاتے ہیں۔۔'' وہ فوراً تیار ہو گئی اور ذوالکفل کے چہرے پر ایک بے ساختہ

مسکراہٹ در آئی کیونکہ اپنی شادی شدہ زندگی کے اس مختصر عرصے میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ مونیکا کی طبعیت میں بے انتہاء لچک تھی اور ذوالکفل کی باتوں پر وہ آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی تھی اور اسکا روز بروز بڑھتا ہوا یہ یقین ذوالکفل کی اسکے حوالے سے ذمے داریوں میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

ارسل نے جھنجھلا کر واڈروب کا پٹ بند کیا اور سیل فون کان سے لگا کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔۔۔

دوسری طرف فون کال پر رومیصہ تھی۔

جس نے آج خلاف معمول کوئی تیسری دفعہ اسے کال کی تھی اور اسے عجیب سی بے چینی لاحق تھی، جبکہ ارسل مر کر بھی اسے نہیں بتا سکتا تھا کہ آج اسکا اور درشہوار کا نکاح ہونے جا رہا ہے، کیونکہ رومیصہ جیسی جذباتی لڑکی سے کوئی بعید بھی نہیں تھا کہ وہ وہاں شادی ہال میں پہنچ کر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتی۔

''رومی میری جان، کیوں اتنا زیادہ پچی ہو رہی ہو تم۔۔۔'' وہ ہر ممکن اسے مطمعن کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں پتا ارسل، تم بس ہر حال میں کل اسلام آباد واپس آؤ۔۔۔'' وہ ضدی انداز میں بولی۔

''آخر ہوا کیا ہے، کچھ پتا بھی تو چلے۔۔۔'' وہ پریشان ہوا۔

''مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے، عجیب سی طبعیت ہو رہی ہے میری ان دنوں۔۔'' رومیصہ کی اس بات پر وہ ہلکا سا پریشان ہوا۔

''اچھا تم ٹینشن مت لو، میں کل آنے کی کوشش کرتا ہوں۔۔۔'' ارسل نے فوراً ہی دل ہی دل میں حساب کیا اور جلدی سے جوتے پہننے لگا، اسے شادی ہال میں پہنچنا تھا کیونکہ رومیصہ کی کال کے دوران بار بار شاہ میر کی کالز آ رہی تھیں۔۔

''تم آ رہے ہو ناں۔۔۔؟'' رومیصہ مشکوک ہوئی۔

''ارے یار کیوں نہیں آؤں گا، مجھے کیا تمہاری حالت کا اندازہ نہیں ہے۔'' اس کے محبت بھرے انداز پر وہ تھوڑا مطمعن ہوئی۔

''اچھا فون بند کرو تم، بعد میں بات کرتا ہوں تم سے، کیونکہ ماموں کی کال آ رہی ہے بیچ میں۔۔'' ارسل نے نرم لہجے میں اسے کہا تو وہ خلاف توقع مان ہی گئی۔ رومیصہ سے بات کر کے وہ پریشان ہوا اور المیہ یہ تھا کہ وہ یہ پریشانی اسکے ساتھ بالکل بھی شیئر نہیں کر سکتا تھا۔۔

وہ غیر ارادی طور پر ڈریسنگ کے شیشے کے سامنے آن کھڑا ہوا، فان کلر کے پینٹ کوٹ میں اسکے سارے وجود پر بیزاری چھائی ہوئی تھی، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ میر ہاؤس سے کہیں دور بھاگ جائے۔ وہ درشہوار نام کا کوئی بھی طوق اپنے گلے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا لیکن حالات اسے اس نہج پر لے آئے تھے جہاں پر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اسی وقت ملازمہ دروازہ ہلکا سا ناک کر کے اندر داخل ہوئی، اسکے ہاتھ میں پھولوں کے گلدستے تھے جو وہ اسکے کمرے میں سجانے کے لیے لائی تھی۔

''اٹھاؤ یہ پھول شول، کوئی ضرورت نہیں ہے میرے کمرے میں یہ گند پھیلانے کی۔۔'' اس نے اپنا غصہ ملازمہ پر اتارا، تو وہ سہم کر اسے دیکھنے لگی۔

''یہ تو بڑی بیگم صاحبہ کا حکم ہے، وہ خفا ہونگیں۔۔۔'' ملازمہ نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

''جو خفا ہوتا ہے، وہ ہوتا رہے، تم جاؤ یہاں سے۔۔'' اسکے مشتعل انداز پر ملازمہ گھبرا کر بکے اسکے بیڈ پر رکھ کر کمرے سے نکل گئی۔

ارسل نے بیڈ کی سائیڈ پر رکھا بکے غصّے سے اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ پورے گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا، اسی وقت اسکے سیل فون پر میر حاکم علی کی کال آنے لگی، اسکا دماغ ایکدم ٹھکانے پر آیا اور اس نے ایک لمبا سانس خارج کر کے خود کو نارمل کیا اور ان کی کال اٹینڈ کی، اور دوسری جانب حسب توقع وہ اسے شادی ہال میں آنے کا حکم دے رہے تھے اور اس حکم کو ٹالنا کم از کم اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

☆......☆......☆

میر ہاؤس پر کسی نے ڈرون حملہ ہی تو کیا تھا۔۔۔!!!!

پورے گھر میں ایسا زلزلہ آچکا تھا جس نے اسکی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور اس حادثے کی سب سے پہلے خبر بھی تاجدار بیگم کو ہوئی تھی۔۔

اس وقت سب مہمان ہوٹل جا چکے تھے جب انابیہ کی تاجدار بیگم کو کال آئی، جسے سنتے ہی ان کا رنگ فق ہوا، وہ گھر کے کمروں کو لاک لگوا رہی تھیں تاکہ مکمل سکون اور تسلی کے ساتھ شادی ہال میں جا سکیں۔

''بی بی جی ارسل صاحب کے کمرے میں فریش پھول اور بکے رکھ دیئے ہیں۔۔'' ایک ملازمہ دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی اندر داخل ہوئی تو سامنے تاجدار بیگم کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہوا ہوا تھا، ملازمہ گھبرا کر پانی کا گلاس لینے کے لیے کچن کی طرف دوڑی۔

وہ صوفے پر بیٹھیں ہوئیں لمبے لمبے سانس لے کر اپنی رکی ہوئی سانسوں کو ہموار کرنے کی بمشکل کوشش کر رہی تھیں۔ اسی وقت ہال کمرے کی سیڑھیوں سے تیزی سے اترتا ہوا ارسل ان کی حالت دیکھ کر چونکا۔

''کیا ہوا ممانی جان، آپ گئیں نہیں ہوٹل۔۔۔؟'' وہ پریشانی سے ان کے پاس آیا۔

''ادھر آؤ ارسل۔۔۔ میری بات سنو بیٹھ کر۔۔۔'' وہ خوفزدہ انداز میں کھڑی ہوئیں، ارسل انکی حالت دیکھ کر فکرمند ہوا، تاجدار بیگم نے صدمے کی سی کیفیت میں اسکا ہاتھ پکڑا تو ارسل کو احساس ہوا کہ وہ برف کی طرف سرد ہو چکیں تھیں۔۔

''کیا ہوا ہے ممانی جان۔۔؟ سب خیریت تو ہے ناں۔۔؟'' وہ گھبرا گیا۔

''تم جلدی سے اپنے ماموں کو کال کرو، انہیں بتاؤ، ہم پر قیامت ٹوٹ گئی ہے۔ فوراً گھر پہنچیں۔'' تاجدار بیگم کے منہ سے لفظ

ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے، اور ارسل کے اندر انہونی کا احساس جاگا اور اسکا پہلا دھیان درشہوار کی طرف ہی گیا۔

''بتائیں تو سہی، ہوا کیا ہے۔؟ تا کہ اس حساب سے انہیں بلوا سکوں۔'' ارسل نے ان کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی صوفے پر بیٹھایا اور ملازمہ کے ساتھ سے پانی کا گلاس لے کر ان کے منہ سے لگایا، جسے وہ ایک ہی سانس میں پی گئیں۔

اسی وقت حواس باختہ انداز میں شاہ میر اور وہاج ہال کمرے میں داخل ہوئے، ان کے پیچھے دلہن بنی ہوئی انابیہ انتہائی سہمے ہوئے انداز میں اندر آئی، ان دونوں کو دیکھ کر تاجدار بیگم خوفزدہ انداز میں کھڑی ہوئیں۔۔

''پتا چلا درشہوار کا۔۔؟'' تاجدار بیگم کے اس جملے کو سنتے ہی ارسل کے سر پر پورے گھر کی چھت آن پڑی، اس نے بوکھلا کر شاہ میر اور وہاج کی طرف دیکھا، جن کے چہرے بہت سی ان کہی داستانیں سنا رہے تھے۔

''پتا چلتا تو اس وقت وہ خود نہیں اسکی لاش یہاں پڑی ہوتی۔۔'' وہاج کا مشتعل انداز ارسل کو سارا معاملہ سمجھا گیا، وہ سمجھ چکا تھا کہ درشہوار اپنا کارنامہ سرانجام دے چکی ہے، اگرچہ اس سے پورے خاندان کی عزت داؤ پر لگ گئی تھی لیکن ارسل کو دل ہی دل میں ایک کمینی سی خوشی کا احساس ہوا، بظاہر اس نے اپنے چہرے پر حد درجہ پریشانی طاری کر رکھی تھی لیکن وہ اب اندر سے کافی حد تک ریلکس ہو چکا تھا۔۔

''سچ سچ بتاؤ بیا، تم سے کوئی ذکر کیا تھا اس نے۔۔؟'' تاجدار بیگم انابیہ کی طرف لپکیں اور التجائیہ نظروں سے اسکی طرف دیکھا۔

''خدا کی قسم تائی اماں مجھے نہیں پتا، میں تو برائیڈل روم میں تھی، اسی نے سلمٰی بوا کو گھر بھیجا تھا زبردستی۔۔'' انابیہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے، اسکے لہجے کی سچائی پر ایمان لا کر تاجدار بیگم صوفے پر بیٹھ گئیں اور دوپٹہ منہ پر رکھ کر رونے لگیں۔۔

''وہ ہم سب کی عزت خاک میں ملا کر جا چکی ہیں، میں چھوڑوں گا نہیں اسے۔۔'' وہاج جس وقت آپے سے باہر ہو رہا تھا اور اسی وقت میر حاکم ہال کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے، ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور یقیناً نمیرہ اور ندرت امی ان کو اس سانحے سے باخبر کر چکیں تھیں۔ ان کو دیکھ کر تاجدار بیگم بوکھلا کر کھڑی ہوئیں۔ ان کے پیچھے محتشم علی اور میر خاقان تھے، جس طوفان سے وہ ڈر رہی تھیں وہ پوری قوت کے ساتھ آ چکا تھا۔

☆......☆......☆

درشہوار کو ہادی ہاؤس کے گیراج میں رکھے سامان کے پیچھے چھپے ہوئے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔۔

اس وقت مری کے پہاڑوں پر ایک گہری تاریک رات اپنے پنجے گاڑ چکی تھی اور آج تو آسمان پر دور دور تک کوئی ستارے بھی نہیں تھے، وہ ٹیکسی کروا کر پارلر سے سیدھی وہیں پہنچی تھی اور دبے قدموں سے اس گھر کے گیراج میں آ کر بیٹھ گئی، ان کے گھر میں چاروں طرف قناتیں لگی ہوئی تھیں اس لیے وہ خاصی مطمئن تھی کہ یہاں کا منظر وہاں سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔۔

وہ بے چینی سے اس بات کی منتظر تھی کہ ہادی کا ملازم گھر سے باہر نکلے اور وہ موقع پر اندر گھس جائے، اتنا تو اسے بھی اندازہ تھا کہ

ہادی اور سعد دونوں ہی اس وقت گھر پر نہیں تھے، اور نہ جانے کیوں اسے اس بات کی شدید خوش فہمی تھی کہ میر ہاؤس کے مکینوں کا دھیان کبھی بھی اس گھر کی طرف نہیں جا سکتا تھا۔ اسی

وقت اس نے ہادی کے ملازم کو گنگناتے ہوئے باہر جاتے دیکھا۔۔۔

رات کے ملگجے اندھیرے میں وہ آہستگی سے اٹھی، اور دیوار کی اوٹ سے جھانک کر دیکھا، ملازم کے ہاتھ میں بڑے بڑے دو شاپر تھے اور جیسے وہ شاید کوڑے کے ڈرم میں ڈالنے کے لیے لے جا رہا تھا۔

درشہوار کا دل بُری طرح سے دھڑکا، وہ اس وقت اپنی ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہادی کے گھر آئی تھی، جس نے اسے مہندی کی شام بُری طرح سے دھتکارا تھا اور اس نے اسی وقت دل ہی دل میں اس سے بدلہ لینے کی ٹھان لی تھی اور درشہوار جو ٹھان لیتی تھی اس سے ایک انچ بھی ہٹانا انتہائی مشکل کام تھا۔

وہ ملازم سے نظریں بچا کر تیزی سے گھر کے اندر داخل ہوئی اور سیڑھیاں چڑھ کر ہادی کے بیڈروم میں داخل ہو گئی، اس نے بڑے اطمینان سے اپنا چھوٹا بیگ اسکی واڈروب میں رکھا اور بڑے مطمعن انداز سے بیڈ پر لیٹ گئی۔ وہ اب بڑے سکون سے اندازہ کر سکتی تھی کہ اس وقت میر ہاؤس میں کیا قیامت ٹوٹی ہوئی ہو گی۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ اس گھر کے مکین اس خبر کو ہر ممکن چھپانے کی کوشش کریں گے۔

دوسری طرف میر ہاؤس کے ہال کمرے میں اس وقت موت کا سا سناٹا تھا، میر محتشم کے کندھے جھکے ہوئے اور خاقان علی کے چہرے پر ایک مبہم سا استہزائیہ تاثر تھا جو بہت غور کرنے پر ہی سمجھ میں آ سکتا تھا۔

''وہ منحوس لڑکی جہاں ملے بس اسے گولی ماردو، اس گھر میں اسکی لاش بھی نہیں آنی چاہیے۔۔۔'' حاکم علی نے فون پر کسی کو سرد لہجے میں احکامات دیئے اور تاجدار بیگم سمیت سب نے دہل کر ان کے پتھریلے چہرے کی طرف دیکھا اور سب کی سانس رک گئی۔۔

''میں اس لڑکی کو پورے خاندان کے لیے عبرت کا نشان بنا دوں گا، آئندہ اس خاندان کی کوئی بھی لڑکی ایسی حرکت کرنے سے پہلے سو بار سوچے گی۔'' وہ مشتعل انداز میں اپنے ارادوں سے آگاہ کر رہے تھے۔

''لیکن ابا جی یہ بتائیں اب کرنا کیا ہے۔۔؟'' شارقہ بیگم نے تھوک نگلتے ہوئے بولنے کی ہمت کی۔ وہ بھی شادی ہال سے گھر آ چکیں تھیں اور وہاں ندرت بیگم ہی سارے خاندان کو سنبھال رہی تھیں، ابھی یہ خبر گھر کے بڑوں کے درمیان ہی تھی اور اسے ہر ممکن چھپایا جا رہا تھا۔

'' سارا قصور اس جاہل عورت کا ہے میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔۔'' محتشم علی نے سرخ آنکھوں سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ تاجدار بیگم اپنے میاں کا جارحانہ مزاج دیکھ کر سہم گئیں، وہ جانتی تھیں کہ آنے والا وقت ان کے لیے کتنا سنگین ہو سکتا ہے۔۔۔

''چھوڑوں گا تو میں بھی کسی کو نہیں، لیکن یہ وقت جوش سے نہیں ہوش سے کام لینے کا ہے محتشم علی۔۔۔'' حاکم علی جھنجھلا کر گویا ہوئے۔ ''تم لوگ ہمیشہ اپنی جذباتیت سے معاملات کو خراب کر دیتے ہو، عمر گذر گئی سیاست میں لیکن معاملات کو ہینڈل کرنا نہ آیا۔''

”مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی میں کیا کروں ۔۔؟“ محتشم صاحب نے اذیت کی انتہاء پر اپنے سر کے بال کھینچے، تو تاجدار بیگم کا سانس رک گیا۔انہوں نے کب اپنے میاں کو اس حالت میں دیکھا تھا۔

”فی الحال محتشم تم اور خاقان جاؤ اور برہان کا ولیمہ نبٹاؤ، کہہ دینا کہ میری طبعیت ٹھیک نہیں اس لیے درشہوار اور ارسل کا نکاح بعد میں ہوگا۔۔“ وہ اپنے ہاتھ کی چھڑی پر زور ڈال کر کھڑے ہوئے، خاقان علی نے گھبرا کر انکی طرف دیکھا۔۔

”ابا جی لوگ طرح طرح کے سوال کریں گے۔۔۔“

”لعنت بھیجو تم لوگوں پر۔ابھی اس خبر کا دھواں تک نہیں نکلنا چاہیے باہر، ورنہ بہت جگ ہنسائی ہوگی۔میں، تاجدار اور ارسل کے ساتھ اسلام آباد جا رہا ہوں اور تم سب لوگ یہی کہو گے کہ مجھے انجائنا کا اٹیک ہوا ہے اور درشہوار اور اسکی ماں میرے ساتھ ہیں۔۔“ ان کے اگلے حکم پر تاجدار بیگم نے کچھ سکون کا سانس لیا، وہ ویسے بھی یہاں رہ کر مہمانوں کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھیں۔

”لیکن بابا جان، سب لوگ اسلام آباد پہنچ جائیں گے آپکی خیریت پوچھنے۔۔۔“ خاقان نے گھبرا کر کہا۔

”تم آج کی اس مصیبت کو نبٹاؤ، کل کی کل دیکھی جائے گی۔۔۔“ وہ بیزار لہجے میں گویا ہوئے۔

اسی وقت تھکے تھکے انداز میں وہاج اور شاہ میر اندر داخل ہوئے، ان کے جھکے ہوئے کندھوں کو دیکھ کر اندر موجود لوگوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ درشہوار کی تلاش میں ناکام لوٹے ہیں۔

”مجھے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر درشہوار زندہ یا مردہ حالت میں چاہیے ورنہ میں تم دونوں کو گولی مار دوں گا۔۔“ میر حاکم کی اس عجیب وغریب دھمکی پر وہاج اور شاہ میر نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا جہاں پر کسی کے لیے بھی کوئی رعایت نہیں تھی۔۔۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

بہترین نئے اُردو ناول پڑھنے کیلئے وزٹ کرتے رہیں ۔۔۔ http://kitaabghar.com

میر ہاؤس میں اس وقت موت کا سکوت طاری تھا۔۔۔!!!

ایسی خاموشی جو طوفان کے گذر جانے کے بعد گھر کے در و بام سے لپٹ جاتی ہے۔۔۔!!!

درشہوار اس گھر کے مکینوں کو ایسا گھاؤ لگا گئی تھی، جس کو بھرنے کے لیے بہت زیادہ عرصہ درکار تھا۔ وہ اس گھر کی سب سے ضدی اور باغی لڑکی تھی اور اس نے قدم بھی ایسا اٹھایا تھا جو اس گھر کی باقی لڑکیوں میں سے کوئی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

ندرت بیگم اور گھر کے بڑوں نے برہان اور انابیہ کا ولیمہ تو جیسے تیسے نبٹا دیا تھا لیکن ان کے چہروں سے جھلکتی پریشانی ان کے رشتے داروں کی زیرک نگاہوں سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ اس کے باوجود ان لوگوں نے کسی نہ کسی طرح سب کو مطمئن کر ہی دیا تھا۔ اوپر سے میر حاکم علی کے چھوٹے انجائنا اٹیک کی خبر نے بہت سے لوگوں کے منہ وقتی طور پر بند کر دیئے تھے، اور سچ بات تو یہ تھی کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس خاندان کی کوئی لڑکی ایسی بھی کوئی حرکت کر سکتی ہے اس لیے اس طرف تو کسی کا دھیان جا ہی نہیں سکتا تھا۔

حاکم علی صاحب، تاجدار بیگم، وہاج اور ارسل کے ساتھ اسلام آباد کے لیے نکل گئے تھے جبکہ شاہ میر اور برہان دونوں پاگلوں کی طرح درشہوار کی تلاش میں تھے۔ ایک ایک جگہ چھان ماری تھی لیکن درشہوار کی کہیں سے بھی کوئی اطلاع نہیں مل رہی تھی۔ فی الحال گھر کے صرف خاص ملازمین کو ہی اس بات کی خبر تھی اور باقیوں سے اس خبر کو حتی الامکان چھپایا جا رہا تھا۔

میر محتشم کے چند ہی گھنٹوں میں کندھے جھک گئے تھے، انہیں لگ رہا تھا جیسے وہ اب ساری زندگی اپنے باپ اور بھائی کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کر سکیں گے۔ انہیں دل ہی دل میں درشہوار سے سخت نفرت اور بیزاری محسوس ہو رہی تھی۔

دوسری طرف انابیہ حجلہ عروسی میں ساری رات برہان کا انتظار کرتی رہی۔ اس کے کمرے کو تاجدار بیگم نے تازہ پھولوں سے سیٹ کروایا تھا جو اس وقت مرجھا چکے تھے اور ان پھولوں سے زیادہ مردنی تو انابیہ کے چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت ایک ایک پل میر ہاؤس کے مکینوں پر قیامت کی طرح گذر رہا ہوگا، خود اسکا اپنا دل وہم اور اندیشوں سے لبریز تھا، آنے والے وقت کا خوف اسکے سارے وجود پر آکاس بیل کی طرح چھایا ہوا تھا۔

درشہوار جاتے جاتے ایک دفعہ تو اس خاندان کی باقی لڑکیوں کو زندہ درگور کر گئی تھی اور انابیہ جانتی تھی کہ اسکی یہ غلطی اس خاندان کی تاریخ میں کبھی بھی معاف نہیں کی جائے گی اور اسکا خمیازہ آنے والی نسلوں کو بھی بھگتنا پڑے گا۔

صبح کے کوئی چار بجے تھے جب برہان بیزار انداز میں کمرے میں داخل ہوئے، اس وقت انابیہ اپنے دلہن والے روپ میں موجود تھی اور اسے دیکھ کر برہان نے یوں شکل بنائی جیسے اس کی خرابی دماغ کا یقین آ گیا ہو۔

”تم کیا پاگلوں کی طرح ابھی تک اسی حلیے میں بیٹھی ہو۔۔؟؟؟“

انہوں نے بیزاری سے جوتا اتار کر پاؤں سے ایک سائیڈ پر کیا، انابیہ کا چہرہ خفت اور شرمندگی سے سرخ ہو گیا۔ اسے لگا جیسے اسکی اوقات اس جوتے سے بھی گئی گذری ہو۔

''بس چینج کرنے ہی والی تھی۔۔۔'' وہ بوکھلا کر کھڑی ہوئی تو برہان نے اسکا گھبرایا ہوا چہرہ غور سے دیکھا۔

''سچ سچ بتاؤ، تمہیں پتا تھا درشہوار کی اس حرکت کا۔۔۔''؟ انہوں نے ایکدم ہی اس سے پوچھا تو اس کے چہرے کا رنگ اڑا۔

''خدا کی قسم برہان! میرے تو فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں تھی، بلکہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔۔'' انابیہ نے بوکھلا کر صفائی دی، اور حقیقت بھی یہی تھی کہ درشہوار نے اس بات کا دھواں تک نکلنے نہیں دیا۔

''اس منحوس نے جو پورے خاندان کے سر میں خاک ڈالی ہے اسکا انجام بہت بُرا ہوگا۔۔'' انابیہ نے الجھ کر اس گھر کے فارن کوالفائیڈ شخص کا چہرہ دیکھا اور اسے برہان اور میر حاکم کے چہرے پر موجود کرختگی میں پہلی دفعہ کوئی فرق محسوس نہیں ہوا۔

ان دونوں کے درمیان ماضی میں بھی کوئی اچھا اور خوشگوار تعلق تو کبھی بھی نہیں رہا تھا لیکن درشہوار کی اس باغیانہ حرکت نے اسکی شادی شدہ زندگی کی پہلی صبح کا آغاز بھی خاصا بدصورت کر دیا تھا۔

میر ہاؤس میں درشہوار کی گمشدگی کی خبر کو حتی الامکان طور پر چھپایا جا رہا تھا جو مہمان یہاں موجود تھے، وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ درشہوار اس وقت اپنی ماں اور دادا کے ساتھ اسلام آباد گئی ہوئی ہے اور اسلام آباد والے گھر میں بھی کسی کو میر حاکم سے ملنے نہیں دیا جا رہا تھا ،لیکن اندرون خانہ وہ سب لوگ درشہوار کی تلاش میں کتوں کی طرح بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ میر محتشم کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنی لاڈلی کو پاتال میں سے بھی نکال کر لے آئیں اور اسے چوک میں پھانسی پر لٹکا دیں۔

دوسری طرف طوبیٰ اور نمیرہ دونوں پچھلے برآمدے میں رکھے ہوئے لکڑی کے بڑے جھولے میں بیٹھی ہوئیں تھیں، ان دونوں کے چہروں پر بھی گہری اداسی تھی لگتا تھا درشہوار جاتے جاتے سب کے چہروں کی رونق بھی چھین کر لے گئی ہو۔

''درشہوار نے اچھا نہیں کیا، ماموں لوگ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔۔'' نمیرہ نے مضطرب انداز میں اپنی سب سے چھوٹی انگلی کا ناخن چبایا۔ اس سے پہلے کہ طوبیٰ اس کی بات کا کوئی جواب دیتی، شاہ میر دروازہ کھول کر باہر نکلا، اس کے بال بکھرے ہوئے اور آنکھیں متورم تھیں، اسکے وجود پر چھائی کثافت اور جھنجھلاہٹ دُور ہی سے دیکھائی دے رہی تھی۔

''تم جاؤ نمیرہ، مجھے بات کرنی ہے طوبیٰ سے۔۔'' شاہ میر کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ نمیرہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور برآمدے سے نکل گئی۔

شاہ میر آہستگی سے چلتا ہوا نمیرہ والی جگہ پر اس کے برابر میں آ کر بیٹھ گیا، وہ اس وقت ضبط کی انتہاء پر تھا ایسا لگتا تھا جیسے وہ خود کو بمشکل سمیٹے ہوئے گھوم رہا ہو، طوبیٰ نے تاسف بھری نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا وہ آنکھیں بند کیے ٹانگیں پھیلائے ہوئے ایسے بیٹھا تھا جیسے اپنے دامن میں صدیوں کی تھکن سمیٹ کر لے آیا ہو۔ طوبیٰ نے ہلکا سا جھجک کر اپنا نرم ہاتھ اسکے مضبوط ہاتھ پر رکھا، شاہ میر نے اپنی لہو

رنگ آنکھیں کھولیں، ان میں تیرتے پانیوں سے طوبیٰ نے بمشکل نظریں چرائیں۔۔۔

"تمہارے خیال میں وہ کس کے ساتھ گئی ہوگی۔۔؟" شاہ میر نے نظریں چرا کر رنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"میں کچھ کہہ نہیں سکتی، ایز سچ تو اس کا ایسا کسی کے ساتھ بھی تعلق نہیں تھا۔۔" طوبیٰ نے ہلکا سا جھجک کر جواب دیا۔

"کوئی لڑکی اتنا بڑا قدم بغیر کسی سہارے کے نہیں اٹھا سکتی، تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا وہ ہادی۔۔۔" شاہ میر ضبط کی انتہاء پر تھا اس لیے اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑی، لیکن اس سے پہلے ہی طوبیٰ فوراً نفی میں سر ہلانے لگی۔

"میں نے پہلے بھی بتایا تھا میرو، اس کی طرف سے ایسا کوئی رسپانس نہیں تھا۔۔"

"میں مان ہی نہیں سکتا۔۔" وہ ایک دم چلا کر بولا تو طوبی سہم گئی اور خوفزدہ نگاہوں سے شاہ میر کی طرف دیکھنے لگی، جسکی آنکھوں سے بس لہو ٹپکنے کی کسر رہ گئی تھی اور اسے بھی شاید اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اس لیے اس نے جھنجھلا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پاؤں سے جھولا جھلانے لگا۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے حواسوں میں نہ ہو، طوبیٰ کو پہلی دفعہ اس پر ترس آیا، وہ سمجھ سکتی تھی کہ درشہوار کی اس حرکت نے اس گھر کے مردوں کو کتنی بُری طرح سے ہلا کر رکھ دیا تھا، اور شاہ میر کو تو اس پر سب سے زیادہ مان تھا۔

☆......☆......☆

اللہ اکبر، اللہ اکبر۔۔۔

صبح کے اولین سحر آفرین لمحات میں دعوت عام کی آواز چاروں طرف گونج رہی تھی۔۔۔

ہادی کا ملازم گل خان، وضو کرنے کیلئے کمرے سے نکلا تو اسے سیٹنگ روم کی سیڑھیوں پر کیچڑ کے کچھ نشان نظر آئے، اسکا ماتھا ٹھنکا، اور اس نے ان قدموں کے تعاقب میں دیکھا، جوتے کے نشان پہلی منزل کی طرف جا رہے تھے۔ وہ فکرمندانہ انداز میں اوپر کی طرف بڑھا۔۔۔

قدموں کے نشانات ہادی کے کمرے کے باہر آکر ختم ہو گئے تھے، گل خان نے چند لمحے ان پر غور کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ یہ کسی مرد کے جوتے کے نشانات نہیں تھے۔ وہ دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھا۔

جیسے ہی اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا، کمرہ اندر سے لاک تھا، گل خان پریشان ہوا، وہ عجلت بھرے انداز میں سیڑھیاں اتر کر نیچے گیا اور اپنے پاس رکھیں ایکسٹرا چابیاں اٹھا کر لے آیا، اتنا تو اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اندر کمرے میں کوئی موجود ہے اور ہادی یا سعد اگر واپس آتے تو اسے سب سے پہلے پتا چلتا اور ویسے بھی پورچ میں دونوں کی گاڑیاں موجود نہیں تھیں۔۔۔

گل خان نے بہت آہستگی کے ساتھ ہینڈل میں چابی گھمائی اور دروازہ کھول کر ہلکا سا اندر جھانکا، سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے کیونکہ درشہوار کمبل اوڑھے ہادی کے بیڈ پر بڑے مزے سے سو رہی تھی اور کمرے کا اے سی چل رہا تھا۔ وہ اس طرح سے مطمئن

ہو کر لیٹی ہوئی تھی جیسے کسی گھر میں خصوصی مہمان بن کر آئی ہو۔۔۔

گل خان کی چھٹی حس نے خطرے کا الارم بجایا، وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ پڑوس میں میر خاندان کے گھر میں اسی لڑکی کی شادی کا فنکشن تھا کیونکہ اسکی شرارتوں کا سب سے زیادہ نشانہ انہی کا گھر بنتا تھا اس وجہ سے وہ کم از کم درشہوار کے نام سے تو اچھی طرح سے واقف تھا اور دوسری طرف اس گھر کے چوکیدار سے اسکی اچھی علیک سلیک تھی، اور اسی سے گپ شپ کے دوران اسے میر ہاؤس کی کئی خبریں مل جاتی تھیں۔ درشہوار کا رات کے اس پہر ان کے گھر میں موجود ہونا کوئی چھوٹی بات نہیں تھی۔۔۔

گل خان نے آہستگی سے کمرے کا دروازہ بند کیا اور تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اتر کر نیچے سیٹنگ روم میں آگیا، اس نے اپنے سیل فون سے جلدی سے ہادی کا نمبر ملایا جو خلاف توقع پاورڈ آف جا رہا تھا، اس نے گھبرا کر سعد کا نمبر ملایا تو وہ بھی اسے بدقسمتی سے بند ہی ملا، اب اس کے پاس کوئی اور چارہ نہیں تھا اس لیے اس نے مجبوراً مسز عالیہ قریشی کا نمبر ملایا، جو اس وقت فجر کی نماز پڑھ کر اپنے کمرے میں آئیں تھیں، ہادی کے ملازم کی کال اتنی صبح دیکھ کر ان کا پریشان ہونا ایک فطری امر تھا اور آگے سے گل خان نے جو خبر انہیں سنائی تھی اسے سن کر مسز عالیہ قریشی ٹھیک ٹھاک پریشان ہوئیں۔

وہ میر حاکم کے خاندان سے اچھی طرح سے واقف تھیں اور مناہل کے حوالے سے وہ برہان اور درشہوار سے بھی دو دفعہ مل چکیں تھیں، ان کا ذہن یہ بات سن کر بُری طرح سے ڈسٹرب ہوا اور ٹھیک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہ عبداللہ قریشی کے ساتھ مری میں ہادی کے گھر پہنچ چکیں تھیں۔

ان کی گاڑی جیسے ہی ہادی ہاؤس میں داخل ہوئی اس وقت مری میں ساون کے بادلوں نے ڈیرہ ڈال رکھا تھا، اور دیکھتے ہی دیکھتے بادلوں کو جوش آیا اور اس کے ساتھ ہی رم جھم کا سماں ہو گیا۔

مسز عالیہ قریشی نے ہی درشہوار کو آ کر اٹھایا تھا اور وہ انہیں دیکھ کر ہلکا سا بوکھلائی لیکن اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا، عالیہ قریشی زمانہ شناس عورت تھیں اور ساری زندگی ان کی کورٹ کچہریوں میں گذری تھی لیکن انہیں اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس وقت اپنی زندگی کا سب سے مشکل کیس اپنے گلے میں ڈالنے جا رہی ہیں۔

درشہوار جیسے جیسے بول رہی تھی، مسز عالیہ قریشی کے ہاتھوں سے حقیقتاً طوطے اڑتے جا رہے تھے، وہ انتہائی پریشان نظروں کے ساتھ اس لڑکی کی داستان سن رہی تھی، انہیں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے بیٹے کے بارے میں پہلی دفعہ سے جان رہی ہوں یا پھر وہ جس کے بارے میں بتا رہی ہے وہ کم از کم ہادی نہیں ہے۔

''تمہارا کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ہادی نے تم سے شادی کا وعدہ کیا تھا اور اس کے بعد مکر گیا۔۔'' عالیہ قریشی کو یقین نہیں آیا۔

''جی آنٹی، وہ میری فیملی سے ڈر گیا تھا، اسے لگا کہ داجی کبھی نہیں مانیں گے۔۔۔'' درشہوار نے اپنی اداکاری میں رنگ بھرنے

کے لیے آنسو بھی نکال لیے۔

''میں نے مہندی والے دن تک اسکی منتیں کیں لیکن وہ اب ہر چیز سے انکاری ہو چکا ہے اور ان سارے محبت کے وعدوں کو بھلا چکا ہے جو اس نے کبھی مجھ سے کیے تھے۔۔'' درشہوار نے بھی آج انتہا کر دی، مسز قریشی نے بے یقین نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔

''اب وہ کہتا ہے کہ میں اس کے پیچھے پڑی ہوئی تھی اور اسے مجھ میں تو کوئی انٹرسٹ ہی نہیں، حالانکہ اس دن آپکی ویڈنگ اینورسری پر اس نے خود مجھے بلوایا تھا برہان بھائی کے ساتھ۔۔'' درشہوار اپنے پاس موجود سارے ہی پتے کھل کر کھیل رہی تھی۔

درشہوار کی باتوں نے مسز عالیہ قریشی کو ہلا کر رکھ دیا، وہ سوچ بھی نہیں سکتیں تھیں کہ ان کا بیٹا اتنی گھٹیا حرکت بھی کر سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی عبداللہ قریشی صاحب کے سامنے رو پڑیں اور پریشان تو قریشی صاحب بھی کافی ہوئے لیکن وہ اس وقت ایک باپ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مضبوط قسم کے مرد بھی تھے اس لیے خود کو سنبھال گئے۔۔۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ہادی ایسا کر سکتا ہے۔۔'' قریشی صاحب کا لہجہ بے یقین تھا۔

''کر دیا ناں وہی مردوں والی روایتی سوچ کا مظاہرہ۔۔'' وہ اپنے شوہر پر برس پڑیں تو انہوں نے بوکھلا کر اپنی صفائی دی۔

''میرا یہ مطلب تھا، ہادی کی تربیت ہم دونوں نے کی ہے اور ہم نے ہمیشہ اسے عورت کا احترام کرنا سکھایا ہے، اس لیے مجھے اس بات کا یقین نہیں آ رہا۔

''یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا تھا لیکن۔۔۔''

''لیکن کیا۔۔؟'' وہ بے تاب ہوئے۔۔

''کوئی لڑکی اپنی شادی والے دن اپنا گھر ایسے ہی چھوڑ کر نہیں آتی قریشی صاحب۔ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی مضبوط وجہ ضرور ہوتی ہے۔۔'' عالیہ قریشی اس وقت صرف اور صرف ایک جذباتی عورت تھیں۔ وہ بھول چکیں تھیں کہ وہ ایک ماہر قانون دان ہیں اور ان کے کریڈٹ پر انتہائی مشکل اور پیچیدہ کیس ہیں۔ وہ اس وقت اپنے بیٹے کو اپنی ہی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر چکیں تھیں۔

''آپکی بات میں دم تو ہے لیکن۔۔۔'' انہوں نے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔۔۔

''یاد رکھیے گا عبداللہ صاحب، اگر اس نے واقعی ایسا کیا تو میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔'' مسز عالیہ قریشی جذباتی ہوئیں۔

''چھوڑوں گا تو میں بھی نہیں اسے، لیکن اس سے پہلے ہر چیز کی تصدیق ضرور کروں گا۔۔'' قریشی صاحب اٹھ کر ٹہلنے لگے۔

دونوں میاں بیوی کو اتنا تو پتا تھا کہ وہ اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ پی سی بھوربن میں ہے اور قریشی صاحب نے ہوٹل کی ریسپشن پر کال کر کے اس کے کمرے کی ایکسٹینشن تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ دوسری طرف ہادی اتنی صبح اپنے والد کی کال سن کر گھبرا گیا۔

''بابا خیریت تو ہے ناں۔۔؟؟

''تم ہماری خیریت کو چھوڑ و اور فوراً گھر پہنچو۔۔۔'' انکے لہجے کی سنجیدگی ہادی کو پریشان کر گئی۔

''کہاں۔۔۔؟ اسلام آباد۔۔۔؟'' وہ گہری نیند سے جاگا تھا اس لیے اسے بات سمجھنے میں دقت کا سامنا تھا۔

''نہیں، ہم لوگ مری میں ہیں۔۔۔اور پندرہ منٹ کے اندر اندر تم واپس آؤ اپنے گھر میں۔۔'' عبداللہ قریشی صاحب نے اپنا حکم صادر کر کے فون بند کر دیا۔ دوسری طرف گل خان، میر ہاؤس کے چوکیدار سے جو خبر لے کر آیا تھا اسے سن کر دونوں میاں بیوی نے اپنا سر تھام لیا کیونکہ، درشہوار کے گھر چھوڑنے کی خبر میر ہاؤس کے تمام ملازمین تک پھیل چکی تھی، اور انہیں اس بات کا بھی علم ہو چکا تھا کہ میر ہاؤس کے مرد اس وقت درشہوار کے خون کے پیاسے تھے اور اس کی تلاش پورے زور و شور سے جاری تھی۔

ہادی کی گاڑی جس وقت اپنے گھر کے سامنے والی روڈ پر پہنچی اس وقت شاہ میر اپنی گاڑی لے کر باہر نکل رہا تھا، ہادی کو دیکھ کر اسکا منہ سرخ ہوا اور اس نے بہت جانچتی ہوئی نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا، جو اسکی گاڑی کے برابر میں لا کر اپنی طرف کا شیشہ نیچے کر رہا تھا۔ شاہ میر نے بہت تیزی سے ضبط کے تمام مراحل طے کیے تھے۔

''کیسے ہو شاہ میر؟ ارسل کو شادی کی مبارکباد دینا، آئی ایم سوری میں آ نہیں سکا۔'' اسکا لہجہ اتنا سادہ تھا کہ شاہ میر چاہ کر بھی اس کے اندر سے طنز کی آمیزش تلاش نہیں کر پایا۔۔

''تم اور سعد کیوں نہیں آئے شادی پر۔ ارسل کافی ویٹ کرتا رہا۔'' شاہ میر نے کھوجتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

''میرے کچھ فرینڈز ابراڈ سے آئے ہوئے تھے، میں رات انہی کے ساتھ پی سی میں تھا اور سعد کی والدہ آئیں ہوئی ہیں آجکل پاکستان اور وہ ان سے ملنے گیا ہوا ہے اسلام آباد۔'' ہادی نے سرسری انداز میں بتایا۔ اس کے تو فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں تھی کہ شاہ میر کی اس بات کا پس منظر کیا ہے۔

''ہوں، ٹھیک ہے، اینی ہاؤ، پھر ملاقات ہوگی۔۔۔'' ہادی کو وہ کچھ الجھا الجھا سا لگا۔

محمد ہادی جس وقت گھر پہنچا اس وقت تک بازی اس کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی، درشہوار رو رو کر عالیہ قریشی کے ساتھ ساتھ عبداللہ صاحب کو بھی اس بات کا یقین دلا چکی تھی کہ ہادی اس سے شادی کا وعدہ کر کے مکر گیا ہے۔ اس نے جیسے ہی سیٹنگ روم میں قدم رکھا، مسز قریشی کے ساتھ بیٹھی ہوئی درشہوار کو دیکھ کر اسے یوں لگا جیسے مری کے سارے پہاڑ اسکے وجود سے ٹکرا گئے ہوں۔۔

اس نے تیزی سے آنکھوں کو مل کے دیکھا، جیسے اسے اپنی نظروں پر یقین نہ آیا ہو۔ وہ مر کر بھی اس بات کا یقین نہیں کر سکتا تھا کہ درشہوار اس وقت اس کے گھر میں اس کے والدین کے پاس یوں موجود ہوگی۔ اسے دیکھ کر وہ صوفے سے ٹیک لگا کر بڑے آرام سے بیٹھ گئی۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے درشہوار۔؟ تم اس وقت کیا کر رہی ہو میرے گھر میں؟'' وہ اسے دیکھ کر بے ساختہ انداز میں گویا ہوا اور اسکی یہی بے ساختگی اسے اپنے والدین کی نظروں میں اچھا خاصا مشکوک کر گئی۔

''تم جانتے ہو اس لڑکی کو۔۔۔؟'' عبداللہ قریشی کے سپاٹ لہجے پر وہ چونکا۔

''ہاں، بہت اچھی طرح۔۔۔'' اسکی اس بات پر درشہوار نے طنزیہ نگاہوں سے عالیہ بیگم کی طرف دیکھا جیسے یہ جتا رہی ہو کہ دیکھا میں نے ٹھیک کہا تھا ناں اور مسز قریشی اسکی نظروں کی تاب نہ لا سکیں۔۔

''لیکن یہ یہاں پر کیا کر رہی ہے۔۔؟'' ہادی کی فراخ پیشانی پر پڑے بل گہرے ہوئے۔

''اچھا تو یہ بات اب تم اس سے پوچھو گے۔۔؟'' مسز عالیہ قریشی نے بھی اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''شادی کا وعدہ کیا تھا تم نے اس کے ساتھ۔۔۔؟'' قریشی صاحب کی بات پر وہ ششدر ہوا اور بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا۔

''اور اسکے بعد تم ان سارے وعدوں سے مکر گئے، ہے ناں۔۔۔؟''

''میں ایسا کیوں کروں گا ممی۔۔۔'' اپنی ماں کی شعلہ بار نگاہوں سے گھبرا کر اس نے بمشکل کہا اور کھا جانے والی نظروں سے درشہوار کو دیکھا جو اس وقت دنیا جہاں کی معصومیت اپنے چہرے پر سجائے بیٹھی تھی۔

''جھوٹ بول رہی ہے یہ، دیکھو درشہوار بہت ہو گیا تمہارا تماشا، اٹھو اور نکلو یہاں سے۔۔'' ہادی ایکدم غصّے میں آیا۔

''شٹ اپ، تمیز سے بات کرو۔۔'' عبداللہ قریشی صاحب ایک دم بھڑک کے تو اس نے بے یقین نظروں سے اپنے والدین کے طرف دیکھا، ان کے چہروں پر موجود بدگمانی اور شک دیکھ کر اسے شدید دھچکا لگا۔

''دیکھو ہادی مجھ سے جھوٹ مت بولنا، ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا، سچ سچ بتاؤ تم دونوں کے درمیان کیا معاملہ تھا۔'' مسز قریشی کا لہجہ کاٹ دار تھا اور ہادی تو ویسے ہی ان کی آنکھوں میں اپنے لیے موجود بدگمانی کو دیکھ کر اندر سے ڈھے چکا تھا۔

''خدا کی قسم ممی! ایسا کوئی معاملہ نہیں تھا۔۔۔'' چند لمحوں کے ناقابل برداشت ضبط کے عالم میں ان کے منہ سے یہی نکل سکا۔

''آنٹی یہ جھوٹ بول رہے ہیں، آپ ان کے ملازم سے پوچھ لیں، کتنی بار تو میں اس گھر میں آ چکی ہوں۔۔'' اسکے بے باک انداز پر ہادی کا چہرہ سرخ ہوا۔

''ان کی وجہ سے میں نے اپنا گھر چھوڑا اور اب میں بالکل واپس نہیں جاؤں گی، وہ لوگ مجھے گولی مار دیں گے۔'' درشہوار نے اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ہی تو انڈیلا تھا، اس نے بوکھلا کر اسکی طرف دیکھا اور اسی وقت اس کے ذہن کے پردے پر شاہ میر کی سرخ آنکھیں نمودار ہوئیں، اسے پہلی دفعہ اس بات کا احساس ہوا تھا کہ وہ بُری طرح درشہوار کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس چکا ہے۔

☆......☆......☆

شہرزاد اپنے زخمی پاؤں کے ساتھ دوسرے ہی دن آفس میں تھی۔۔

آفس پہنچ کر اسے پتا چلا کہ آج مسز قریشی چھٹی پر ہیں اور اس نے ارتضٰی حیدر کے کیس پر ورکنگ اسٹارٹ کر دی تھی، اس پر

فائرنگ کرنے والے مجرموں کی شناخت ہو چکی تھی اور ان کے ڈانڈے ایک مشہور و معروف سیاسی تنظیم کے سربراہ احمد عباسی کی طرف جا رہے تھے۔ جس کی کرپشن کے قصّے کھولنے میں سب سے نمایاں ہاتھ ارتضٰی کا تھا۔

شہرزاد جیسے جیسے احمد عباسی کیس پر کام کر رہی تھی اس کا اس میں انٹرسٹ بڑھتا جا رہا تھا، کام کے دوران اسے وقت گذرنے کا احساس ہی نہیں ہوا، اور جیسے ہی اس کی نظر وال کلاک پر پڑی اس وقت شام کے چار بج رہے تھے۔

اس نے تھک کر اپنی کمر کرسی سے ٹکائی اور خود کو ریلیکس کرنے کے لیے آنکھیں بند کیں۔ اسے یہاں سے فارغ ہو کر ارتضٰی کے پاس ہوسپٹل میں جانا تھا اور اس کی عیادت کے بعد اسکا ارادہ مسز قریشی کے گھر جا کر اس کیس کی باقی تفصیلات کو ڈسکس کرنے کا تھا۔ اس نے مسز قریشی کو کال کرنے کے لیے اپنا سیل فون اٹھایا تو اسے احساس ہوا کہ آج صبح سے حمزہ کا کوئی ٹیکسٹ اور میسج نہیں آیا تھا، ورنہ وہ کچھ عرصے سے اسے باقاعدگی کے ساتھ ''گڈ مارننگ اور گڈ نائیٹ میسجز کرنے کا عادی تھا، جس کا کبھی کبھار شہرزاد جواب دے دیتی تھی اور کبھی محض پڑھ کر مسکرا دیتی۔

اس نے کچھ سوچ کر مسز قریشی کو کال کرنے کی بجائے حمزہ کا نمبر ڈائل کیا، دوسری طرف بیل جا رہی تھی لیکن کال ریسیو نہیں کی گئی، شہرزاد نے دو منٹ کے توقف کے بعد پھر اس کا نمبر ڈائل کیا اور اس بار بھی حسب سابق کال پک نہیں کی گئی۔

اس نے چند لمحوں کے سوچ و بچار کے بعد ایک چھوٹا سا ٹیکسٹ میسج کیا، اور جب میسج کا بھی رپلائی نہیں آیا تو اس بار اسکا ماتھا ٹھنکا۔ اسکے دماغ نے تیزی سے کڑیاں ملائیں اور ٹھیک پانچ منٹ کے بعد اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ اس سے خفا ہے۔ اس سوچ نے ہی اسکا سارا سکون برباد کر دیا اور اس نے ارتضٰی حیدر کیس کی فائل ایک سائیڈ پر کی اور کچھ سوچ کر دوبارہ حمزہ کا نمبر ملایا اور اس بار بھی دوسری طرف نو لفٹ کا بورڈ آویزاں تھا۔

شہرزاد نے ملازم سے کہہ کر اپنی فائلیں گاڑی میں رکھوائیں اور جیسے ہی وہ باہر نکلی، اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی میجر توصیف کا نمبر ملایا اور رسمی سی گفتگو و شنید کے بعد اس نے ڈائریکٹ حمزہ خالد کے گھر کا ایڈریس مانگا تو اس نے بلا جھجک اسے ٹیکسٹ کر دیا۔

وہ شفاء انٹرنیشنل ہوسپٹل سے ارتضٰی سے مل کر گھر پہنچی تو خاصی تھک چکی تھی اور جیسے ہی اسکی گاڑی اندر داخل ہوئی، اس نے سندس کو وہاں ٹہلتے ہوئے دیکھا، اسے دیکھ کر وہ لپک کر اس کے پاس آئی، اس کے چہرے پر دبا دبا سا جوش تھا۔

''کیا ہوا سندس، سب خیریت تو ہے ناں۔۔۔'' اس نے گاڑی سے اترتے ہی پوچھا۔

''شیری باجی، ایک اہم خبر ہے میرے پاس۔۔۔'' سندس نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے رازدانہ انداز میں کہا۔

''کیسی خبر۔۔۔؟'' وہ چونکی۔

''مری والوں کے بارے میں۔۔'' سندس کی بات پر اسکے کان کھڑے ہوئے کیونکہ وہ سمجھ گئی تھی کہ اشارہ میر فیملی کی طرف ہے

،اس نے سوالیہ نگاہوں سے سندس کی طرف دیکھا۔

''وہاج صاحب کی بہن درشہوار اپنی شادی والے دن گھر سے بھاگ گئی۔۔''سندس کی بات پر شہرزاد کو ہلکا سا جھٹکا لگا،اس نے میر حاکم کے پوتے پوتی کے ولیمے کی تصاویر آج صبح کے خبارات میں دیکھیں تھیں اور وہیں نیوز پیپرز نے ان کے انجائنا اٹیک کی خبر کو بھی بڑے نمایاں انداز سے شائع کیا تھا۔

''تمہیں کس نے بتایا۔۔؟''شہرزاد کو یہ خبر سن کر حقیقتاً افسوس ہوا۔

''وہاں کی ایک ملازمہ میری دوست ہے اس سے فون پر خبریں ملتی رہتی ہیں۔اسی نے بتایا ہے کہ بڑے صاحب کی بیماری کی خبر بھی جھوٹی ہے اور وہ لوگ اس بات کو چھپا رہے ہیں۔۔''سندس کو شہرزاد کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر مایوسی ہوئی،اسکا خیال تھا کہ وہ یہ خبر سن کر خوشی سے اچھل پڑے گی یا پھر کم ازکم تھوڑی بہت خوشی کا اظہار تو ضرور کرے گی لیکن دوسری طرف شہرزاد کے چہرے پر تاسف کا رنگ کم ازکم اسے اچھا نہیں لگا۔

''اچھا باجی میں اپنے کوارٹر میں چلتی ہوں۔۔''سندس اس سے مایوس ہو کر اپنے ٹھکانے کی طرف بڑھ گئی۔

شہرزاد نے ایک لمبا سانس لیا اور بمشکل چلتے ہوئے سیٹنگ روم تک پہنچی تو اسے دیکھتے ہی ٹینا بیگم ناراضگی سے گویا ہوئیں۔''اگر دو دن آفس نہیں جاؤ گی تو کوئی قیامت نہیں آجائے گی،انسان کو کم ازکم اپنی حالت کا خود احساس ہونا چاہیے۔۔''

وہ ان کے محبت بھرے انداز پر مسکراتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی،اور ملازمہ کے ہاتھ سے پانی کا گلاس پکڑا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی،جبکہ ٹینا بیگم ہنوز ناراض انداز میں اسکے پاس آکر بیٹھ گئیں۔شہرزاد سمجھ گئی کہ وہ کوئی خاص بات کرنا چاہ رہی ہیں۔

''سیفی سے جسٹس محمود نے خود رابطہ کیا ہے۔۔''

''کس سلسلے میں۔۔؟''شہرزاد نے انجان بن کر پوچھا۔

''وہ رومیصہ کیس کو ختم کرنا چاہتے ہیں،اور اس سلسلے میں تم سے اور مجھ سے ایک میٹنگ کرنا چاہ رہے ہیں۔''

''ممی وہ رومیصہ والے کیس کو ختم کرنا نہیں چاہتے بلکہ اپنے سگے بھتیجے سلمان کو بچانا چاہتے ہیں جس نے آپکی بیٹی کے کیس کے اہم گواہ صارم خان کا مرڈر کیا ہے،اب چونکہ آگ ان کے اپنے گھر تک پہنچ چکی ہے اس لیے وہ ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔۔''

''ہماری بلا سے،وہ جتنے بھی ہاتھ پیر ماریں،لیکن کم ازکم یہ بات تو رومیصہ کے حق میں جاتی ہے۔۔''ٹینا بیگم نے ضرورت سے زیادہ صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔وہ ہر قیمت پر رومیصہ کی اس کیس سے جان چھڑانا چاہ رہی تھیں۔

''صارم خان کی فیملی ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔۔''شہرزاد کو ایک نئی پریشانی نے گھیرا۔

''بھاڑ میں جائے ساری دنیا،مجھے صرف اور صرف اپنی بیٹی کے بارے میں سوچنا ہے۔۔''ٹینا بیگم کے لہجے میں کوئی لچک نہ پا کر

شہزاد نے بھی ہتھیار پھینک دیئے اور اثبات میں سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے آپ سیفی انکل سے کہہ دیں کہ وہ میٹنگ ارینج کروا دیں۔۔'' اس نے بات ختم کرتے ہوئے کہا، اور اٹھ کھڑی ہوئی ۔ٹینا بیگم نے سکون کا سانس لیا کیونکہ انہیں پچھلے دو گھنٹے سے صرف شہزاد کی ٹینشن تھی اور انہیں اس بات کا یقین تھا کہ وہ اتنی آسانی سے نہیں مانے گی، تبھی انہوں نے اپنا انداز ہ شروع سے ہی جارحانہ رکھا اور اس میں ان کو کافی کامیابی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

حمزہ خالد کی خدمات کافی عرصے سے فوج کے ایک خفیہ ادارے کے سپرد کر دی گئی تھیں۔

وہ دوپہر میں لنچ کے لیے گھر آیا تو اسکے بیڈ روم کی سائیڈ ٹیبل پر ایک للّی کے پھولوں کا خوبصورت گلدستہ چھوٹے سے سوری کے کارڈ کے ساتھ رکھا ہوا تھا اور پاس ہی میں ایک خوبصورت اور نفیس سی پیکنگ میں اسکا فیورٹ پرفیوم چینل (Coco Noir) رکھا ہوا تھا۔وہ کارڈ دیکھے بغیر بھی جان سکتا تھا کہ یہ شہزاد نے بجھوایا ہے۔

اس نے مسکراتے ہوئے کارڈ کھولا اس پر کچھ بھی تحریر نہیں تھا صرف ایک کونے میں شہزا کے دستخط تھے اس نے پرفیوم کی بوتل اٹھائی اور ریپر احتیاط سے اتار کر اسے بڑی محبت سے سونگھا اور پھر مسکرا دیا۔۔کم سے کم اتنا تو ہوا تھا کہ شہزاد کو اس کی پرواہ تھی۔۔؟؟

وہ جو کل رات سے جل رہا تھا یکلخت جیسے کسی ٹھنڈے آبشاری جھرنے کے نیچے آن کھڑا ہوا، ایک عجیب قسم کا سکون اسکی رگ وپے میں سرایت کر گیا تھا۔ایک رات اور ایک دن کی اذیت کے بعد وہ کھل کر مسکرایا اور پھر وہ پرفیوم اور للّی کے پھولوں کا بکے اٹھائے اپنے بیڈ پر چلا آیا۔۔للّی کے نازک خوبصورت پھولوں پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ یہ اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ شہزاد کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ للّی کے پھول اسے پسند ہیں، ہاں پرفیوم تو ہمیشہ وہ یہی لگایا کرتا تھا، اور اسکے حلقہ احباب میں موجود تقریباً سبھی لوگ اس بات کو جانتے تھے۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور اسکا خاص ملازم اندر آیا جس کے ہاتھ میں کافی تھی، حمزہ ہمیشہ لنچ کے فوراً بعد کافی لینے کا عادی تھا، ملازم کے ہاتھ سے کافی پکڑتے ہوئے وہ ایک لمحے کو کسی عجیب سے خیال سے چونکا تھا۔

''کیا شہزاد یہ بات جانتی ہوگی کہ مجھے لنچ کے فوراً بعد بلیک کافی پینے کی عادت ہے۔۔؟؟ پھر وہ اپنی اس بیوقوفانہ سوچ پر خود ہی ہنس دیا، بھلا شہزاد کیسے جانتی ہوگی۔۔؟

یہ تو وہ تھا جو اسکے پل پل کی خبر رکھا کرتا تھا، بھیڑ میں جب کبھی اس پر نگاہ پڑا کرتی کسی بھی شاپنگ مال، یا پکنک اسپاٹ پر جہاں پر وہ اپنی فیملی کے ساتھ یا کبھی اکیلی ہوا کرتی وہ ہجوم میں اسے فون کال ملا کر اکثر ہی اسکی تعریف کر دیا کرتا تھا، اور جس بے تابی سے شہزاد کی نگاہیں اسے پورے مال میں ڈھونڈا کرتی تھیں، وہ ان آنکھوں میں بسی حیرت پر جی جان سے قربان ہونے کو تیار ہوتا اور اسکا دل چاہتا کہ وہ اسکے سامنے جا کر اسے مزید حیران کر دے لیکن کچھ تھا جو ہمیشہ اسے روک دیا کرتا تھا۔

اور اب للّی کے پھولوں پر ہاتھ پھیرتے نجانے کتنی ان گنت یادیں تھیں جو اسکے چہرے کو سنہرا پن عطا کر رہی تھیں، محبت عطا ہی ایسی ہے جس دل پر ہو جائے اسے بہت خوبصورت بنا دیتی ہے۔

اور اگر اس سمے شہزاد حمزہ خالد کی آنکھوں میں جمگمگ کرتے اپنے نام کے جگنو اور اسکے چہرے پر پھیلی خوشی و محبت کا سنہرا پن دیکھ لیتی تو پاگل ہو جاتی، قافلے اپنی راہ بھول جاتے، داسی اپنی دیوتا کے قدموں میں تا عمر کے لیے بیٹھ جاتی۔

بلیک کافی کا آدھا مگ شہزاد کی یادوں میں ختم ہو چکا تھا تبھی حمزہ کو احساس ہوا کہ اسے شہزاد کو اس ''سرپرائز سوری'' کے لیے تھینکس کی کال کرنی چاہیے۔ اگلے ہی لمحے وہ اسے کال ملا رہا تھا۔

دوسری جانب شہزاد اپنے کمرے میں بیٹھی احمد عباسی کے کیس کو ایک بار پھر سے پڑھ کر مختلف قسم کے پوائنٹس بنا رہی تھی کیونکہ مسز عالیہ قریشی سے اسکا رابطہ ہو گیا تھا وہ اسلام آباد میں نہیں تھیں لیکن انہوں نے فون پر ہی اسے کچھ انسٹرکشنز دے دی تھیں جنہیں اب شہزاد فالو کر رہی تھی۔

وہ مگن انداز میں اپنے سامنے ایپل کا لیپ ٹاپ کھولے پینسل منہ میں دبائے لیپ ٹاپ کے آگے کی جانب جھکی ہوئی تھی، پاس ہی کافی کا مگ رکھا ہوا تھا جو کہ اب ٹھنڈا ہو چکا تھا، شہزاد کام کے دوران یونہی کھو جایا کرتی تھی۔

لیکن فون کی پہلی ہی بیل پر وہ متوجہ ہوئی تھی یوں جیسے وہ خود بھی اس فون کال کی منتظر تھی۔ نمبر پر نظر پڑتے ہی وہ مسکرا دی، لیکن اس نے اگلے ہی لمحے کال اٹینڈ کرتے ہوئے اپنی مسکراہٹ کا گلہ بڑی صفائی سے گھونٹا، وہ شہزاد تھی جو کہ بالکل بھی عام لڑکی نہیں تھی، اور عام تو حمزہ خالد بھی نہیں تھا، وہ محبت کی عطا میں لپٹا سنہرے دل کا مالک ایک باہمت ذمہ دار فوجی افسر ہونے کے باوجود ایک قابل اور محبت کرنے والا انسان تھا، جس کا بخت بہت بلند اور ماتھا بہت روشن تھا۔ وہ مسکراہٹ لبوں میں دبائے بظاہر شہزاد کو ستانے کے موڈ میں تھا، اب اتنی زیادہ اہمیت ملی تھی، فوراً رام ہونے کی خواہش کے باوجود وہ شہزاد کو ریلیکس ہونے کا موقع کبھی بھی نہیں دیتا۔

''زخم دے کر مرہم لگانے کی وجہ سمجھ نہیں آسکی۔۔؟؟'' کال اٹینڈ ہوتے ہی حمزہ نروٹھے پن سے کہہ رہا تھا شہزاد دوسری جانب ہلکا سا مسکائی اور گھبرائی بالکل بھی نہیں یوں جیسے وہ ایسی ہی کسی بات کی توقع کر رہی تھی۔

'' وجہ تو مجھے بھی سمجھ نہیں آئی۔۔۔۔آپکی بزدلی کی۔'' شہزاد نے جو پینسل منہ میں دبا کر رکھی تھی وہی کانوں کے پیچھے اڑس لی تھی اور اب ریلیکس انداز میں بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر فرصت سے بیٹھ گئی۔

''مجھے بھی اپنے دل سے اسی بات کا گلہ ہے مگر وہ بیچارہ بھی کیا کرے، برسوں جس لڑکی سے محبت کی اگر وہ اسکی بجائے کسی اور بندے کی پرواہ کرے گی تو برا تو لگے گا۔'' حمزہ خالد نے بالکل بھی برا نہیں مانا تھا اور اگلے ہی لمحے جیسے ہتھیار پھینک دیے تھے، اسے اپنی ہار کا اقرار کرنا اچھا لگا تھا، جس سے آپکو محبت ہو اسکے سامنے جھکنے کا اپنا ہی ایک لطف ہے، ایک الگ سا سرور جو کسی بھی قسم کی شرمندگی کی

بجائے ایک تفاخر عطا کرتا ہے۔

"چہ چہ چہ۔۔پھر تو آپکا دل بڑا ہی دھوکے باز نکلا میجر حمزہ، مجھے اس سے ایسی کم ہمتی کی امید نہیں تھی۔" وہ بھی شرارت کے فل موڈ میں تھی۔

"مجھے دل کے اس دھوکہ پر فخر ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں اس نے میرے ساتھ بیوفائی کے لیے کسی عام لڑکی کو نہیں چنا، اور اب وہ ایسی ہزار بھی بیوفائیاں کرے مجھے پرواہ نہیں کیونکہ میری پسند عام نہیں۔" اگلے ہی لمحے شہزاد بری طرح گھبرائی، وہ میجر حمزہ سے ایسی کھلی بات کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"کیا ہوا۔۔؟" اسے کافی دیر کچھ نہ بولتا دیکھ کر وہ اچانک ہی بے تابی سے بولا تھا، شہزاد فوراً اپنے حواسوں میں آئی۔

"کچھ نہیں یہیں ہوں آپکی بات سن رہی تھی۔" اسنے جلدی سے وضاحت دی۔

"اچھا مجھے لگا جیسے میرا محبت نامہ سن کر گھبرا گئی ہو۔۔" وہ جیسے دوسری جانب مسکرایا تھا لیکن شہزاد کا دماغ بھک کر کے اڑا تھا اس قدر صحیح اندازہ لگانے پر، کیا تھا وہ شخص جو سوچیں تک پڑھ لیتا تھا۔

"زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں تھی، ٹیلی پیتھی نہیں جانتا میں، لیکن میں خود بھی نہیں جانتا کیسے تمھارے بارے میں میرا دل مجھے ہر خبر دے دیتا ہے۔"

اگر اسنے سوچا تھا تو حمزہ نے اگلے ہی لمحے اسکی پریشانی دور کرنے کی اپنے طور پر پوری کوشش کی تھی لیکن شہزاد بری طرح ہل گئی تھی۔

"جی نہیں میں حیران نہیں ہو رہی تھی بلکہ یہ سوچ رہی تھی کہ کتنا فضول ٹائم ہے آپکے پاس، جو ایسی بے کار سی باتوں میں ضائع کرتے رہتے ہیں۔" شہزاد نے اگلے ہی لمحے اپنی خفت مٹانے کو خفگی سے بولا تھا، تو حمزہ کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"بھئی یہ فضول اور بیکار کام تو میں ساری عمر کے لیے بغیر کسی صلے اور تمنا کے کر سکتا ہوں بس موقع چاہیے۔" وہ اور بھی زیادہ شوخا ہوا تھا آج تو اسے میجر حمزہ خالد حیران کرنے پر تلا ہوا تھا، اسنے کبھی اس سے ایسی گفتگو نہیں کی تھی جب بھی ہوئی تھی ہمیشہ سنجیدہ سے انداز میں وہ اسے اپنی فکر کرتا دکھائی دیا تھا، مگر وہ یہ بھول رہی تھی کہ وہ حمزہ خالد اب اسکے سامنے اپنے تمام تر جذبوں کی سچائی سمیت آن کھڑا ہوا تھا، اس سے کسی بھی بات کی توقع ممکن تھی۔

"تم نے بتایا نہیں میری سروسز کیسی ہیں اور تمھیں کیسی لگتی ہیں۔۔؟؟؟" وہ ابھی بھی مائل بہ شرارت تھا۔

"میں نے ایسی باتیں سننے کے لیے کال اٹینڈ نہیں کی۔" وہ خفگی سے بولی تو حمزہ ہنس دیا کیونکہ وہ جانتا تھا شہزاد لاجواب ہو رہی ہے اور اسی لیے خفت زدہ بھی۔

"اچھا ٹھیک ہے میں آدھے گھنٹہ میں تمھیں پک کرنے آرہا ہوں ریڈی ہو جاؤ، ڈنر ساتھ کریں گے۔ اسنے اگلے ہی لمحے پلان

ترتیب دیتے ہوئے جیسے آڈر کیا تھا، شہزادسن کو اور بھی خائف ہوگئی۔

''ہرگز نہیں میں بہت اہم کیس پر نوٹس بنا رہی ہوں، مجھے ہر حال میں کل مسز قریشی سے ڈسکس کرنا ہے اور۔۔۔'' لیکن اسنے اسے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

''کوئی مسئلہ نہیں کیس کی فائلز ساتھ لے آؤ۔ نوٹس میں بنا دونگا۔'' اسنے جیسے اسکے انکار کو چٹکی میں اڑایا تھا، شہزاد کو ہنسی آ گئی۔

''اب آپ اوور اسمارٹ ہو رہے ہیں میجر صاحب، یہ آپکا پروفیشن نہیں ہے۔'' اسنے جان بوجھ کر اسکا نام نہیں لیا اور مسکرا دیا۔

''تو کیا ہوا، تم میں اور مجھ میں کوئی فرق تھوڑی ہے، میں تو تمھیں خود سے الگ نہیں سمجھتا کیا تم سمجھتی ہو۔۔۔؟؟'' حمزہ خالد نے اگلے ہی لمحے گھمبیر لہجے میں اپنے لہجے کو سوالیہ کیا تھا۔

لیکن شہزاد کے کان کی لوئیں ہی اس سوال پر گرم ہوگئی تھیں اسی لیے اسنے بغیر کچھ کہے اگلے ہی لمحے فون کال کاٹ دی تھی اور وہ اپنی اس حرکت پر خود ہی ششدر تھی، اس جیسی باعتماد لڑکی سے ایسی توقعات کی بھی نہیں جاسکتی تھی پھر وہ کیا چیز تھی جو شہزاد کو سٹپٹانے پر مجبور کر گئی تھی کیا وہ اپنے جذبات سے خائف ہوگئی تھی وہ سمجھنے سے قاصر تھی لیکن میجر حمزہ خالد جانتا تھا اسکی محبت کی شدت سے شہزاد ابھی واقف نہیں ہے اس لیے اسے قبول کرنے میں اسے کافی وقت لگے گا۔

اسی لیے اسنے فون بند ہونے کا برا مانے بناء ایک میسج کر دیا تھا جس میں اسنے بتایا تھا کہ وہ ابھی کچھ ہی دیر میں وہ اسے پک کرے گا اور اسکی خواہش ہے کہ وہ آج پنک کلر کا لباس پہنے، اور اس یقین سے کے ساتھ سینڈ کیا جیسے اسے یقین ہو کہ وہ اسی رنگ میں اس کے سامنے آئے گی، اسکا موڈ یکلخت ہی بڑا خوشگوار ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

ہادی کا دماغ سوچ سوچ کر اب پھٹنے کے قریب تھا غصہ حد سے سوا تھا اسے درشہوار کی ڈھٹائی تاؤ دلا رہی تھی کس بے شرمی سے وہ اسکے منہ پر جھوٹ بول رہی تھی اور اس کے اسی جھوٹ نے آج اسکے والدین کی نگاہوں میں اسکے کردار کو مشکوک بنا دیا تھا۔

وہ مٹھیاں بھینچے کافی دیر سے لاؤنج میں بیٹھا ہوا تھا، وہ نہیں جانتا تھا کہ درشہوار کہاں پر ہے، لیکن جیسے عبداللہ قریشی اور عالیہ قریشی نے بھی اسے اکیلا چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ اچھی طرح سے سوچ لے کہ اب اسے اگلا کیا لائحہ عمل تیار کرنا ہے آیا وہ خود اپنے اور اسکے تعلق کو مانے گا یا یہ کام اسکے والدین کو خود کرنا ہوگا۔

دوسری جانب درشہوار الگ اندر سے ڈری ہوئی تھی، اتنی بڑی بازی کھیل چکی تھی لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ اب اسکا نتیجہ اسکے حسب منشاء نکلتا ہے یا نہیں، اس نے ضد اور ہٹ دھرمی میں اتنا بڑا قدم تو اٹھا لیا تھا لیکن اسکی نیا ڈوبے گی یا پار لگے گی اس سے وہ بالکل بھی واقف نہیں تھی۔

اسے مسز عالیہ قریشی سعد کے کمرے میں بٹھا کر گئی تھیں، اور وہ کافی دیر سے وہیں پر بیٹھی ہوئی تھی، یہ الگ بات کہ بار بار اسکا دماغ بھٹک بھٹک کر میر ہاؤس کی جانب جا رہا تھا، اس وقت تو جذبات میں آ کر اتنا بڑا قدم اٹھا لیا تھا لیکن اب اسے رہ رہ کر اس خاندان کی لڑکیوں کی فکر ہو رہی تھی اور سب سے زیادہ انابیہ کی۔ جانے گھر کے مرد اس سے کیسے کیسے سوال کر رہے ہونگے اور وہ بیچاری تو کچھ جانتی بھی نہیں تھی، لیکن بھلا کون انکی اس بات کا یقین کرے گا؟

وہ انہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ کمرے کا دروازہ کھول کر عالیہ قریشی اندر داخل ہوئی تھیں، اور جو بات انہوں نے درشہوار کو بتائی تھی اسے سن کر ایک لمحے کے لیے اسکا رنگ فق ہو چکا تھا۔

"دیکھو بیٹا اسکے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی حل نہیں ہے، ہم بھی خاندانی لوگ ہیں ہمیں احساس ہے اس وقت تمھارے گھر والوں پر کیا بیت رہی ہوگی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم تمھیں گھر چھوڑ آئیں۔"

"مجھے جان سے مار دیں آنٹی لیکن مجھے میر ہاؤس واپس مت بھیجیں، وہ لوگ مجھے تو جان سے ماریں گے ہی لیکن ساتھ میں ہادی کی بھی جان لے لیں گے۔"

درشہوار ہاتھ جوڑتے ہوئے روئی تو مسز قریشی کے سینے پر بھی جیسے پاؤں پڑا۔ یہ بات انہوں نے کیوں نہیں سوچی کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے جس قماش کے وہ لوگ تھے ان سے تو کوئی بعید بھی نہیں تھی کہ گھر کی عزت بچانے کو وہ ہادی کو مروا کر اسکا نشان مٹا سکتے ہیں، مسز قریشی کے لیے آگے کنواں، پیچھے کھائی والی سچویشن تھی، ایک جانب ہادی تھا جو یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا کہ اس نے درشہوار سے کوئی وعدے کر رکھے ہیں اور دوسری جانب اس لڑکی کے آنسو اور ہادی کی محبت میں اٹھایا گیا اتنا بڑا قدم تھا، وہ بری طرح سے تھک چکی تھیں۔

"تو تم ہی بتاؤ اسکا کوئی حل ہے۔۔؟؟ "انہوں نے تھک ہار کر درشہوار سے پوچھا اور جواباً جو بات اس نے عالیہ قریشی سے کہی تھی اس بات نے تو ایک لمحے کے لیے انہیں بھی ہلا کر رکھ دیا تھا یہ لڑکی جب سے آئی تھی انہیں جھٹکے پر جھٹکے دے رہی تھی۔

☆......☆......☆

"تو پھر کیا سوچا تم نے۔۔؟؟؟" عبداللہ قریشی نے کب سے خاموش اور الگ تھلگ بیٹھے ہادی سے پوچھا جو اب ان دونوں سے بات نہیں کر رہا تھا۔

"میں اپنا سچ آپ لوگوں کو بتا چکا ہوں، اب آپ پر ڈیپینڈ کرتا ہے کہ سگے بیٹے کی بات کا یقین کرنا ہے یا اس جھوٹی مکار لڑکی کا جو گھر کی عزت مٹی میں رول کر یہاں سکون سے بیٹھی ہوئی ہے۔"

ہادی کے لہجے سے پھوٹتی نفرت کی چنگاریاں ایک لمحے کو عبداللہ قریشی کو چونکا گئی تھیں لیکن بہرحال اس لڑکی کے زندہ سلامت وجود کی اہمیت زیادہ تھی اسی لیے انہوں نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا۔

"تو پھر تم ہی بتاؤ، پھر کیا کیا جائے۔۔ کیونکہ اسنے تو واپس جانے سے منع کر دیا ہے۔؟" عبداللہ قریشی کی بات سن کر ہادی کے چہرے کے عضلات تن جاتے ہیں اور وہ پھنکارا۔

"کیا مطلب، وہ کون ہوتی ہے فیصلہ کرنے والی، میں ابھی خود اسے اسکے گھر چھوڑ کر آ ونگا، بلکہ اسکے کالے کرتوت اسکے خاندان والوں کو بتا کر آؤں گا، جو سیاست اور کرسی کے نشے میں اپنی گھر کی لڑکیوں کی تربیت کرنا بھول گئے ہیں۔"

ہادی کے لہجے کی کاٹ غیر معمولی تھی اور اسے بھی زیادہ حیران کن اسکا اگلا عمل وہ بہت تیزی سے اٹھا تھا اور سعد کے کمرے میں پہنچا تھا جہاں پر وہ بے شرم لڑکی بیٹھی تھی۔

"رک جاؤ ہادی، میں نے کہا رک جاؤ۔۔؟؟ عبداللہ قریشی فوراً ہی اسکی جانب لپکے تھے لیکن ہادی پر تو کوئی جنونیت سوار تھی اسی لیے تو وہ کسی بھی نہیں سن رہا تھا اور اگلے ہی لمحے وہ کسی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوا تھا عالیہ قریشی اور درشہوار اسے یوں اچانک دیکھ کر سہم سی گئی تھیں۔

"اٹھو بہت ہو گیا درشہوار بی بی، بہت کھیل لیا تم نے یہ گھناؤنا کھیل، اب اسکا کلائمکس کا ٹائم ہوا چاہتا ہے۔ ہادی کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے اور زبان زہر اگل رہی تھی درشہوار اندر سے بری طرح ڈر گئی تھی لیکن وہ اپنا ڈر اس وقت ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔

"مم۔۔۔ میں کہاں جاونگی، میں تو اپنے ساری کشتیاں تمھاری خاطر جلا آئی ہوں۔" درشہوار نے منمنا کر کہا تھا اسی وقت عبداللہ قریشی بھی کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ کچھ بھی تھا یہ درشہوار کی زندگی کی سب سے بڑی بازی تھی جسے اسے ہر حال میں جیتنا تھا اسی لیے اسکا حواسوں میں رہنا لازمی تھا۔

"تم نے اپنی کشتیاں ہی نہیں جلائیں بلکہ مجھے بھی جیتے جی مارنے کا پلان بنایا ہے اور اسکی معافی تمھیں ہرگز نہیں ملے گی، تمھاری جرات بھی کیسے ہوئی میری زندگی کے ساتھ کھیلنے کی۔۔۔"

وہ غصے میں اتنا بپھرا ہوا تھا کہ اسے مارنے لپکا لیکن بیچ میں عالیہ قریشی نے آ کر اسے روکا تھا ورنہ وہ درشہوار کی طبعیت ایک بار پھر سیٹ کرنے کے موڈ میں تھا۔

"میں ابھی شاہ میر کو فون کر کے اسے یہاں بلاتا ہوں وہ خود ہی تمھارے بڑوں کو تمھارا کارنامہ بتا دے گا، اپنی بات پر عمل کرتے ہی وہ اگلے ہی لمحے اپنی جیب سے سیل فون نکالنے لگا تھا کہ عالیہ بیگم نے ہادی کے ہاتھ سے فون تقریباً چھیننے والے انداز میں لیا تھا، وہ خود بھی ہلدی کی طرح زرد ہو رہی تھیں

"کیا کر رہے ہو ہادی، جانتے بھی ہو اپنی موت کو خود آواز دیے رہے ہو تم۔" عالیہ قریشی غصے سے کہہ کر اس سے فون چھینتی ہیں لیکن ہادی کو پرواہ نہیں۔

''اس لڑکی کو سبق سکھانے کے لیے مجھے جان سے بھی جانا پڑا تو مجھے پرواہ نہیں ہے ماما، میں اسے یوں من مانیاں نہیں کرنے دونگا'' وہ ایک بار پھر آگے بڑھا لیکن اس بار عالیہ قریشی نے اسے نہیں روکا بلکہ عبداللہ قریشی بیچ میں آ گئے تھے۔

''بس بہت ہو گیا ہادی، تمھیں لڑکی پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔۔'' ہادی اگلے ہی لمحے شانت ہوا یوں جیسے کسی نے ٹھنڈے پانی کی بالٹی اس پر انڈیل دی ہو، اسکے بابا ابھی بھی اس لڑکی کو سپورٹ کر رہے تھے انہیں اپنے بیٹے کی پرواہ تھی نہ اسکا یقین اور یہی بات اسے زیادہ ہرٹ کر رہی تھی۔

''آپ جانتے ہیں یہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہے۔۔'' ہادی بولا تو اسکے گلے میں نمکین سا پھندا لگ گیا۔

''لیکن یہ تم سے ملنے گھر آتی رہی ہے یہ جھوٹ نہیں ہے، اکثر تمھارا اور اسکا سامنا ہوتا رہا ہے اور وہ بلا وجہ نہیں تھا نہ ہی کوئی لڑکی اپنی جان خطرے میں ڈال کر یوں آ سکتی ہے۔' عبداللہ قریشی بولے تو ہادی نے تنفر سے ایک بار پھر درشہوار کو دیکھا جو کہ سر جھکائے بس اپنے ناخن چبائے جا رہی تھی۔

''اس جیسی آوارہ لڑکیاں کچھ بھی کر سکتی ہیں۔'' ہادی کو باپ کی بدگمانی اور درشہوار کی سپورٹ اتنی بری لگی کہ فوراً کہہ گیا۔

'' ہادی۔۔۔ مائنڈ یور لینگویج، میں نے تمھاری ایسی تربیت نہیں کی کہ تم خواتین کی عزت کرنا بھول جاؤ'' وہ دھاڑے تھے عالیہ قریشی آگے بڑھی تھیں اور عبداللہ قریشی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں ریلیکس کرنے کی کوشش کی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے یہ کوئی وقت ہے یوں جھگڑا کرنے کا، صرف یہ سوچیں کہ اس مشکل سے نجات کیسے مل سکتی ہے۔''

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔۔۔ابھی کچھ ہی دیر میں ہم اسلام آباد کے لیے نکل رہے ہیں اور وہاں پہنچتے ہیں ہم ہادی اور درشہوار کا نکاح کروا دیں گے''

عبداللہ قریشی کے اس جملے نے جہاں درشہوار کو خوشگوار حیرانی میں مبتلا کیا تھا وہیں پر ہادی کے وجود کے پرخچے مری کے پہاڑوں میں اڑا کر رکھ دیے تھے وہ بے یقین سا اپنے باپ کی جانب دیکھ رہا تھا، اسکا وجود ایسے ساکت ہو گیا تھا جیسے ہاتھ لگے گا تو ابھی گر جائے گا۔''



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہرزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

میر ہاؤس میں میں آنے والا طوفان اب ہادی کے گھر میں ڈیرہ جما کران سب کے ہوش اڑا چکا تھا۔

ہادی ماں باپ کے ساتھ ایک طویل بحث کے بعد اکتا کر اپنے کمرے میں آ گیا، اسے اب درشہوار کے ساتھ ساتھ اپنے والدین پر بھی سخت غصّہ آ رہا تھا جو اس کی بجائے اس انجان لڑکی کی باتوں پر اعتبار کیے جا رہے تھے۔ جس نے ان سب کو ناکوں چنے چبوا دیئے تھے۔

ایک بار تو ہادی کا دل چاہا وہ درشہوار کو اٹھائے اور مری کے سب سے اونچے پہاڑ سے دھکا دے دے تا کہ اسکی ہڈیوں کا سرمہ بن جائے، وہ کسی بھی قیمت پر اس سے نکاح کرنا نہیں چاہتا تھا، وہ جانتا تھا کہ اس نکاح کا دوسرا نام ساری زندگی کا سمجھوتہ ہے اور اس خود غرض لڑکی کی ویسے ہی اسکی زندگی میں کوئی گنجائش نہیں نکلتی تھی اور اس واقعے کے بعد تو اسے شدت سے اس سے نفرت اور بیزاری محسوس ہو رہی تھی۔۔

''آخر ممی، پاپا میری بات کیوں نہیں سمجھ رہے۔۔'' ہادی کا خون بُری طرح سے کھول اٹھا۔

''کیا مجھے ارسل کو کال کر کے یہ ساری صورتحال بتا دینی چاہیے۔۔'' اسکا سیل فون کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ رک گیا۔ وہ کوئی جذباتی قدم اٹھا کر اپنے پیرنٹس کے لیے مشکلات کھڑی کرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اسے اپنی تو کوئی پرواہ نہیں تھی لیکن پیرنٹس پر وہ کوئی کمپرومائز نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس نے جھنجھلا کر فون ہی بیڈ پر پٹخنے کے انداز میں پھینکا۔

تقدیر کو بھی شاید اس پر رحم آ گیا تھا جو سعد بغیر بتائے گھر واپس لوٹ آیا اور آگے مسز عالیہ قریشی اور عبداللہ صاحب کی موجودگی نے جہاں اسے خوشگوار حیرت میں مبتلا کیا، وہیں ان کی آمد کا اصل مقصد پتا چلتے ہی اس کے چہرے کے زاویئے بگڑے۔

''آئی ایم سوری آنٹی، آپ نے یہ سوچا بھی کیسے کہ ہادی اس لڑکی کے ساتھ کوئی فلرٹ یا کمٹمنٹ کرے گا۔؟ کیا آپکو اپنی تربیت پر بھروسہ نہیں۔؟' سعد کی بات نے مسز عالیہ قریشی کو الجھن میں مبتلا کیا۔ جبکہ سعد انکے اندرونی جذبات سے بے خبر کھل کر اپنی رائے کا اظہار کر رہا تھا۔

''ہادی مر جائے گا لیکن درشہوار جیسی لڑکی کو اپنا لائف پارٹنر کبھی نہیں بنائے گا۔۔'' لاؤنج کی سیڑھیوں کے پاس کھڑی درشہوار نے یہ جملہ بقائمی ہوش و حواس سنا اور اسکے چہرے پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''میں اسے کسی کی بیٹی کے ساتھ ناحق زیادتی کرنے بھی نہیں دوں گا۔۔'' عبداللہ قریشی صاحب ناراضی سے گویا ہوئے۔

''زیادتی آپ اس لڑکی کے ساتھ نہیں اپنی سگی اولاد کے ساتھ کر رہے ہیں، آپکو ہادی کی بات کا یقین کرنا چاہیے۔' سعد اب کھل کر اپنے دوست کا مقدمہ لڑ رہا تھا اور درشہوار کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے کھڑے کھڑے گولی مار دیتی۔

''کوئی لڑکی اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتی ہے۔ یقیناً اس بے وقوف کی طرف سے اسے کوئی نہ کوئی رسپانس تو ملا ہی ہوگا۔۔؟'' مسز عالیہ قریشی کا دماغ اب دوسرے نکتے پر چلنا شروع ہو گیا تھا لیکن اس سے پہلے وہ اپنی بھرپور تسلی کرنا چاہتی تھیں۔

"درشہوار جیسی لڑکی، جو بن بلائے کسی کے ہاں گھس سکتی ہے، انکے دروازوں پر لگے لاک میں ایلفی ڈال سکتی ہے، جو عین اپنی شادی والے دن سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنے گھر سے بھاگ سکتی ہے، آپ کو اس سے کسی بھی چیز کی توقع کر لینی چاہیے۔"
سعد نے درشہوار کے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی۔ درشہوار کا چہرہ ذلت کے احساس سے سرخ ہوا۔

"سعد ٹھیک کہہ رہا ہے ہمیں کھل کر اس بات کی تحقیق کرنی چاہیے، ایسا نہ ہو ہم انجانے میں اپنے بیٹے کے ساتھ کوئی ذیادتی کر جائیں۔۔" عبداللہ صاحب کو سعد کی باتوں نے کافی حد تک قائل کر لیا تھا۔۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے پھر اس لڑکی کا کیا کریں۔۔؟" مسز عالیہ قریشی کو اگلی پریشانی نے گھیرا۔

"کرنا کیا ہے اسکے گھر والوں کو بلوائیں یا میں ارسل سے بات کرتا ہوں وہ آ کر لے جائے گا اسے۔۔" سعد کی اس بات پر درشہوار کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہوا اور وہ پاؤں پٹختی ہوئی ان سب کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"آپ لوگ مجھے کسی دارالامان میں چھوڑ دیں لیکن میں اپنے گھر نہیں جاؤں گی، وہ لوگ زندہ زمین میں گاڑ دیں گے مجھے۔۔" درشہوار کے جذباتی انداز پر مسز قریشی نے چونک کر اس لڑکی کی طرف دیکھا اور اسکے باغیانہ انداز نے سعد کی کہی ہوئی باتوں کی تصدیق کر دی۔

"دیکھو بیٹا، جو بھی بات ہے سچ سچ بتا دو۔۔" مسز قریشی نے ذرا نرم انداز اپنایا۔

"جو سچ تھا میں نے آپ لوگوں کے سامنے کہہ دیا۔۔" وہ ابھی بھی اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

"درشہوار جھوٹ مت بولو، مجھے ایک سنگل میسج یا کوئی ایسی چیز دیکھا دو جس میں ہادی نے تم سے ایسا کوئی وعدہ کیا ہو۔؟" سعد ایک دم بھڑک اٹھا۔

"میں آپ کو کیوں دیکھاؤں۔۔؟" وہ جھنجھلا اٹھی۔

"کچھ ہوگا تو دیکھائیں گی ناں۔۔" سعد استہزائیہ انداز میں گویا ہوا، اور اس بار تو مسز قریشی کو ابھی اسکی بات کا یقین آ گیا۔ جبکہ درشہوار کھا جانے والی نظروں سے سعد کی طرف دیکھ رہی تھی جس نے آ کر رنگ میں بھنگ ڈال دیا تھا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اسلام آباد کے لیے نکلنا ہوگا، وہاں جا کر دیکھتے ہیں کہ اس بچی کا کیا کرنا ہے۔" عبداللہ صاحب نے اپنی بیگم کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ فوراً جانے کے لیے کھڑی ہو گئیں۔۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، مجھے بھی شیری کی دو دفعہ کال آ چکی ہے، آفس سے، ایک ضروری کیس پر ڈسکشن کرنی ہے اس نے۔۔"

"انکل، آپ لوگ ابھی مری سے مت نکلیں۔۔"

سعد کی بات پر وہ دونوں چونکے جو اپنی بات کی وضاحت کر رہا تھا۔ "درشہوار کا اس وقت آپکے ساتھ جانا خطرے سے خالی نہیں

،اس لیے بہتر یہی ہے کہ رات کے اندھیرے میں آپ لوگ یہاں سے جائیں تا کہ کسی کی نظروں میں نہ آسکیں۔۔۔"

وہ جانتا تھا میر ہاؤس کے لوگ اس وقت پاگلوں کی طرح درشہوار کو تلاش کر رہے ہونگے اوران کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا کہ وہ اس وقت ان کے بغل میں واقع گھر میں موجود لوگوں کا بھی سکون غارت کر چکی ہے۔۔

"سعد ٹھیک کہہ رہا ہے قریشی صاحب،ہمیں عشاء کی نماز کے بعد نکلنا چاہیے یہاں سے۔۔۔" مسز قریشی نے بھی محتاط ہونے میں ہی عافیت جانی تو عبداللہ صاحب نے بھی اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔۔

"آنٹی،میں ذرا ہادی سے مل کر آتا ہوں۔۔" سعد آہستگی سے اٹھا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

درشہوار سیڑھیوں کے پاس ہی کھڑی تھی ،اس کے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں سختی سے بھینچی ہوئیں اور آنکھوں میں سے شعلے نکل رہے تھے۔سعد نے اسکے پاس سے گذرتے ہوئے ایک سرد نگاہ اس پر ڈالی۔

وہ جانتا تھا،وہ اس وقت کس قسم کی کھولن کی زد میں ہے،لیکن معاملہ اس کے بہترین دوست کی ریپوٹیشن کا تھا۔وہ اسے کسی بھی قیمت پر درشہوار کی سازش کا شکار ہونے نہیں دے سکتا تھا،سعد نے ہادی کے کمرے میں پہنچتے ہی سارا واقعہ تفصیل سے بتایا۔

"خدا کی قسم یار،آج تم فرشتہ بن کر آئے ہو میرے لیے،ورنہ اس چھٹانک بھر کی لڑکی نے تگنی کا ناچ نچا رکھا تھا ہم سب کو۔" ہادی کے حلق سے ایک پرسکون سانس خارج ہوا۔

"اتنی بھی پھنے خان نہیں ہے وہ،جتنا تم سب لوگوں نے اسے سمجھ لیا ہے۔۔۔"سعد کے لہجے میں طنز کی آمیزش شامل ہوئی۔

"بات اسکی پھنے خانی کی نہیں،میرے پیرنٹس کی نیک نامی کی ہے اور اس گھٹیا لڑکی کا کیا پتا،میرے ساتھ ساتھ ان پر بھی کوئی الزام لگا دے،مجھے اب اس سے ہر چیز کی توقع ہے۔۔" ہادی کے ہونٹوں پر زہر آلود مسکراہٹ نے بسیرا کیا۔

"بے فکر رہو،آنٹی اور انکل اتنے بھی بچے نہیں،اب وہ اپنے طریقے سے سارا معاملہ نبٹائیں گے،تم شکر کرو وہ زبردستی کا نکاح ٹل گیا اور مجھے دعائیں دو،ورنہ میرے آنے تک تمہاری پوزیشن بدل جانی تھی۔۔"سعد شرارت سے ہنسا۔

"خدا کی قسم ایسے لگ رہا ہے جیسے ٹھنڈے پانی کی یخ بستہ بوندیں میرے سلگتے ہوئے اعصاب پر آن گری ہوں۔تمہارا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا میں۔۔۔"ہادی نے مشکور نگاہوں سے اپنے دوست کی طرف دیکھا۔

"اس احسان کا بدلا تمہیں چکانا ہوگا،میں بخشوں گا نہیں۔۔۔"سعد کے دماغ کی اسکرین پر مناہل کا چہرہ روشن ہوا تو وہ مسکرا دیا۔

"ارے بے فکر رہ میرے دوست۔۔۔" وہ اب ریلیکس ہو چکا تھا۔

دوسری طرف مسز قریشی اور عبداللہ صاحب سیٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے سعد کی باتوں پر جیسے جیسے غور وفکر کر رہے تھے انہوں درشہوار کی باتوں میں موجود تضاد صاف دیکھائی دے رہا تھا،اگر واقعی ہادی اور درشہوار کے درمیان میں ایسا کوئی تعلق ہوتا تو ہادی جتنا بھی

اس سے خفا ہوتا، کم از کم نکاح سے انکار نہ کرتا، اور اب تو مسز قریشی کو اس بات کی بھی شرمندگی تھی کہ انہوں نے ایک لڑکی کے کہنے پر اپنے بیٹے کو فوراً کٹہرے میں لا کھڑا کیا، وہ جانتی تھیں کہ یہ مسئلہ کوئی چھوٹا نہیں تھا لیکن اسے عقلمندی سے ہینڈل کرنے میں ہی عافیت تھی۔

اس رات مسز قریشی، عبداللہ صاحب کے ساتھ درشہوار کو خیریت سے قریشی ہاؤس لانے میں کامیاب ہوگئیں تھیں۔

درشہوار بظاہر دل ہی دل میں کھول رہی تھی۔

لیکن امید کا دامن اس نے ابھی بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا، وہ جانتی تھی کہ وہ اس ستم گر کے گھر میں تو آ ہی چکی ہے اور اس کے دل کے دروازے بھی کبھی نہ کبھی تو اس کے لیے کھل ہی جائیں گے۔۔۔

☆......☆......☆

پریس کلب میں شہر بھر کے جرنلسٹ موجود تھے۔۔۔!!!

شہرزاد نے مسز قریشی کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد صندل کے کیس کو میڈیا پر لانے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے جب مسز قریشی کے ساتھ اس کیس کی تفصیلات کو ڈسکس کیا تو انہوں نے فوراً اسے منظر عام پر لانے کی تلقین کی۔

اس کے پیچھے مسز قریشی کی اپنی بھی تھوڑی سی خودغرضی شامل تھی، انہیں یقین تھا کہ جیسے ہی صندل کیس میڈیا پر آئے گا، میر حاکم علی کے خاندان کی ساری توجہ درشہوار کو چھوڑ کر اس کی جانب مبذول ہو جائے گی اور اس عرصے میں وہ کوئی نہ کوئی راستہ اختیار کرلیں گی، وہ حاکم کے خاندان سے کسی مناسب طریقے کے ساتھ جان چھڑانا چاہ رہی تھیں تاکہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

شہرزاد نے رشیدہ مائی، اور اسکے شوہر کو اچھی طرح سے بریفنگ دینے کے بعد اس پریس کانفرنس کا اہتمام کیا تھا، اور مسز قریشی بھی اس کے ساتھ موجود تھیں اور اسی وجہ سے میڈیا بھی اسے اچھی خاصی کوریج دے رہا تھا۔

جیسے ہی رشیدہ مائی نے شہرزاد کے حفظ کروائے ہوئے بیان کو میڈیا کے سامنے بیان کرنا شروع کیا، اگلے ہی پانچ منٹ میں تمام چینلز پر اس کے ٹیکر چلنے لگے، میر حاکم جو کہ انجائنا اٹیک کا بہانہ کر کے بیڈ ریسٹ پر تھے، ان کے تو لگتا تھا کسی نے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا ہو، انہیں اس پریس کانفرنس کی اطلاع ایک قریبی دوست نے دی اور جیسے ہی انہوں نے ٹی وی آن کیا، اپنے خاندانی ملازم بہادر علی کو اپنے خلاف بولتے دیکھ کر ایک لمحے کو ان کا بھی دماغ کام کرنا چھوڑ گیا، انہوں نے بمشکل خود کو سنبھالا اور اپنے بیٹے محتشم کا نمبر ملایا۔

”وہاج کہاں ہے محتشم۔۔؟ اس سے فوراً بات کرواؤ میری۔۔“

”وہ تو درشہوار کی تلاش میں گیا ہوا ہے کسی قریبی گاؤں میں۔۔۔“ محتشم صاحب نے گھبرا کر جواب دیا۔

”لعنت بھیجو درشہوار پر۔۔“ وہ حلق کے بل چیخ کر بولے تو محتشم صاحب کے اپنے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہوئیں۔

”سب ٹھیک تو ہے ناں بابا جان۔۔؟

ذرا ٹی وی چلا کر دیکھو، وہ بے غیرت بہادر علی کیسے ہمارے خاندان کی عزت کی دھجیاں اڑا رہا ہے، یہ سازش ہوئی ہے ہمارے خلاف۔'' میر حاکم نے تو ان کے اچھے خاصے ہاتھ پیر پھلا دیئے، وہ تو شکر ہے وہ اس وقت ٹی وی لاؤنج میں ہی تھے، انہوں نے فورا ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی آن کیا اور اس کے ساتھ ہی ان کا دماغ بھی بھک کر کے اڑ گیا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے بابا جان۔۔۔؟'' ان کے منہ سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

''اسی کا تو پوچھنا ہے وہاج سے، فورا اس سے رابطہ کرو، اور اسے کہو میڈیا کے کسی بندے کی کال لینے کی ضرورت نہیں، پہلے مجھ سے بات کرئے وہ۔'' وہ اپنے آپکو سنبھال کر اب اگلے احکامات دے رہے تھے، جبکہ محتشم علی کی نگاہ ٹی وی اسکرین پر رشیدہ مائی کے ساتھ بیٹھی ہوئی شہرزاد پر جمی ہوئی تھی، جس کے چہرے پر ایک مبہم سی فاتحانہ مسکراہٹ تھی، جیسے وہ اس وقت دل ہی دل میں ان کے خاندان کی حالت کا اندازہ کر کے لطف اندوز ہو رہی ہو۔

''یہ لڑکی وہی ہے ناں جس نے پہلے شجاع غنی کیس میں بھی اسکا ساتھ دیا تھا۔'' میر حاکم کا اشارہ شہرزاد کی طرف تھا اور محتشم علی کے جسم کا سارا لہو سمٹ کر ان کے چہرے پر آ گیا۔ انہیں بھی اندازہ ہو گیا کہ مہرے وہی ہیں لیکن چال بدل چکی ہے۔

میر ہاؤس کی ساری خواتین آہستہ آہستہ ٹی وی لاؤنج میں اکھٹی ہو گئیں جہاں محتشم ایک ہاتھ میں سیل فون پکڑے اور دوسرے سے ریموٹ کنٹرول تھامے شاکڈ نظروں کے ساتھ اپنے سب سے بڑے بیٹے وہاج کی بے غیرتی کی داستان سن رہے تھے۔

تاجدار بیگم تو صدمے کے مارے سینے پر ہاتھ رکھ کر وہیں صوفے پر بیٹھ گئیں جبکہ ندرت بیگم کے چہرے پر پھیلنے والی استہزائیہ مسکراہٹ کو ان کی سوتن شارقہ بیگم نے بڑے غور سے دیکھا۔ نمیرہ کی پھٹی پھٹی نگاہیں بھی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور محتشم صاحب سیل فون کان سے لگائے بمشکل اپنے والد سے بات کر رہے تھے۔

''بابا جان بھلا کیسے ممکن ہے یہ، جھوٹ بول رہا بہادر علی کا خاندان۔۔۔'' میر محتشم تو ابھی تک درشہوار کے صدمے سے ہی نہیں سنبھلے تھے، اس اسکینڈل نے تو ان کی رہی سہی عزت بھی خاک میں ملوا دینی تھی۔ اس لیے ان کے ہاتھوں کے صحیح طوطے اڑے تھے۔

''اس کی وکیل کے پاس پوسٹ مارٹم رپورٹ ہے، تم وہاج کو فورا بلواؤ، پوچھو اس سے کیا معاملہ ہے۔'' میر حاکم فون بند کر چکے تھے۔ میر محتشم نے پریشان نظروں سے تاجدار بیگم کی طرف دیکھا جو صدمے کی سی کیفیت میں مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھیں۔

''آپ کال کریں بہادر علی کو اور پوچھیں کیوں نمک حرامی کر رہا ہے اس کا خاندان۔۔''

''اس سے پہلے میں تمہارے لخت جگر سے تو پوچھ لوں۔'' انہوں نے گھبرا کر وہاج کا نمبر ملایا جو پاورڈ آف جا رہا تھا، ان کا ماتھا ٹھنکا۔ ایسے موقعے پر سیل فون بند ہونے کا ایک ہی مطلب تھا، ورنہ اب تک تو وہاج خود فون کر کے ایک طوفان کھڑا کر چکے ہوتے۔ محتشم علی نے ہاتھ میں پکڑا ریموٹ کنٹرول صوفے پر اچھالا اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ہال کمرے سے نکل گئے۔

نمیرہ بھاگ کر پانی کا گلاس لے آئی اور زبردستی تاجدار بیگم کے منہ سے لگایا، جن کے چہرے کی رنگت ہلدی کی طرح زرد ہو رہی تھی۔

''سچ کہتے ہیں سیانے، اولاد بھی نری آزمائش ہی ہوتی ہے۔۔۔'' ندرت چچی نے اپنی جیٹھانی کی طرف دیکھ کر طنزیہ آہ بھری۔

''خدا کا خوف کرو ندرت، یہ کوئی موقع ہے ایسی باتیں کرنے کا۔۔'' شارقہ بیگم کی تمام تر ہمدردیاں تاجدار بیگم کے ساتھ تھیں جو اب ان کی سمدھن بھی تھیں۔ اسی وقت محتشم علی گاڑی کی چابی لے کر اپنے کمرے سے نکلے اور ایک سرد نگاہ تاجدار بیگم پر ڈالی۔۔

''میر او ہاج ایسا نہیں ہے، اسکے خلاف سازش ہوئی ہے یہ۔۔۔'' وہ انکی طرف دیکھ کر جذباتی انداز میں کھڑی ہوئیں۔

''بکواس بند کرو، تمہیں تو اپنی بے حیا بیٹی بھی ایسی نہیں لگتی تھی، جو زمانے بھر کی خاک ہمارے سروں میں ڈال کر چلی گئی۔ قصور تمہاری اولاد کا نہیں تمہاری تربیت کا ہے۔۔۔'' انہوں نے کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر اپنی بیوی کو جھاڑ دیا اور ہال کمرے سے نکل گئے۔۔

''آپ مانیں یا نہ مانیں بھابھی، کوئی نہ کوئی گڑ بڑ ضرور ہے، ایسے ہی تو بہادر علی کا خاندان راتوں رات گھر چھوڑ کر نہیں چلا گیا تھا۔'' ندرت بیگم نے بھی آج ان کے زخموں پر نمک چھڑکنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

''وہ منحوس صندل کہیں اور سے بھی تو منہ کالا کر کے آسکتی ہے۔۔'' شارقہ بیگم نے اپنی سوتن کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا، جبکہ سیڑھیاں اترتی ہوئی طوبی کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ دوڑی۔ اسے بھی اس سانحے کی خبر ہو چکی تھی اور اسکی تمام تر ہمدردیاں صندل کے خاندان کے ساتھ تھیں کیونکہ میر ہاؤس میں صرف وہی اس بات کی گواہ تھی کہ وہاج نے حقیقتاً صندل کے ساتھ زیادتی کی تھی۔

''میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے، نمیرہ، نمبر ملاؤ وہاج کا۔۔''

''ممانی جان نمبر بند جا رہا ہے۔۔۔'' اس نے پریشانی سے جواب دیا۔

''ایسے ہی تو کوئی اپنا نمبر بند کر کے نہیں بیٹھتا۔۔'' ندرت بیگم کی بڑبڑاہٹ اتنی بھی مدھم نہیں تھی کہ وہ تاجدار بیگم کی سماعتوں تک نہ پہنچتی۔ انہوں نے دل ہی دل میں اس ندرت سے کسی اور موقعے پر بدلہ لینے کی ٹھان لی تھی۔

☆......☆......☆

مری کے آسمان پر بکھری ہوئی سرمئی اور سیاہ بدلیوں کو ایک دم ہی جوش آیا۔۔۔

دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف جل تھل کا سماں ہو گیا، میر وہاج جو اس وقت اپنی ایک قریبی دوست حیدر کے ڈیرے پر موجود تھے جب انہیں صندل کے والدین کی پریس کانفرنس کی اطلاع ملی۔ ان کو ایسا لگا جیسے کسی نے گہری کھائی میں دھکا دے دیا ہو۔

ان کے ہاتھ میں پکڑا ہوا سنگ مرمر کا سفید کپ چھوٹا اور سارا قہوہ پتھریلی زمین پر جا گرا۔ وہ لمحہ آچکا تھا جس سے وہ اتنے عرصے سے کسی آسیب کی مانند ڈرتے آئے تھے۔ یہ وہ گناہ تھا، جس کا عذاب اللہ نے دنیا میں ہی ان کے لیے تیار کر لیا تھا۔

وہ جو سمجھتے تھے کہ صندل کی موت کے ساتھ ہی ان کے ظلم پر بھی پردہ پڑ گیا اور ان کے علاوہ بھلا کون یہ حقیقت جانتا تھا لیکن انہیں علم نہیں تھا گناہ گونگے نہیں ہوتے، جب بھی انہیں موقع ملتا ہے وہ مکافاتِ عمل کی لاٹھی ہاتھ میں پکڑے ایک دم ہی اس انسان کے سر پر آن برستے ہیں، یہ وہ خدا کی لاٹھی ہوتی ہے جو بے آواز ہوتی ہے لیکن انسان کے ہوش لمحوں میں ٹھکانے لگا دیتی ہے۔

''یہ سب کیا ہے یار، میڈیا پر تو طوفان آیا ہوا ہے۔۔''اس سوال نے وہاج کو گڑبڑا دیا، کئی لمحوں تک اسے کوئی لفظ نہ مل سکا۔

''تمہاری تصویر بار بار دکھائی جا رہی ہے ٹی وی پر، تم باہر کیسے نکلو گے۔۔''حیدر کو اگلی پریشانی نے گھیر لیا۔

''مجھے کچھ نہیں پتا یار، میں گھر نہیں جاؤں گا۔۔''میر وہاج کے حواس باختہ چہرے سے ان کے دوست نے بالکل اندازہ لگا لیا کہ، صندل کیس میں یقیناً سچائی تھی، ورنہ وہاج کی حالت اس طرح خراب نہ ہوتی۔ باہر بارش برس رہی تھی اور اندر وہاج کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔

''دیکھو وہاج، مجھ سے غلط بیانی مت کرنا، سچ سچ بتا دو کیا یہ بات ٹھیک ہے۔۔''حیدر نے جانچتی اور ٹٹولتی ہوئی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا، جو اس وقت خفت کے گہرے احساس کے زیرِ اثر سر جھکائے بیٹھے تھے اور انہوں نے محض ہاں میں سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

''کچھ تو خدا کا خوف کرتے یار۔۔''حیدر جھنجھلا اٹھا۔''انسان کو کم از کم اپنے اسٹینڈرڈ کا تو خیال رکھنا چاہیے، تمہیں کیا لڑکیوں کی کمی تھی جو اس ملازمہ پر ہاتھ صاف کر بیٹھے، اب خود سوچو کیسے نبٹو گے اس کیس سے۔۔؟

''خدا کے لیے حیدر، مجھے اس مصیبت سے نکالو، تم سوچ نہیں سکتے ہو، کتنی اذیت میں ہوں میں پچھلے کئی ماہ سے۔۔''وہاج کا خوفزدہ لہجہ اس بات کا گواہ تھا کہ وہ سچ بول رہے ہیں۔ حیدر نے تاسف بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

''مخالف پارٹی کے پاس سارے ثبوت تمہارے خلاف ہیں اور مجھے نہیں لگتا تم اتنی آسانی سے اس کیس سے نکل پاؤ گے۔''حیدر کی اس بات نے ان کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیئے۔

''ٹھیک ہے میں گھر نہیں جاؤں گا، ورنہ داجی مار ڈالیں گے مجھے۔۔''خوف ان کے چہرے سے چھلکنے لگا۔

''گھر نہیں جاؤ گے تو تمہاری گمشدگی اس معاملے کو اور زیادہ خراب کر دے گی، تمہیں جا کر اپنی فیملی اور لوگوں کو فیس کرنا چاہیے، میرا خیال ہے تمہارے داجی کوئی نہ کوئی اس مسئلے کا حل نکال لیں گے، بس جا کر ان کو اصل حقیقت بتا دو۔۔''وہاج کے دوست حیدر نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''تم جانتے نہیں ہو انہیں، اب تو الیکشن میں بھی چند دن رہ گئے ہیں، وہ مجھے گولی مار دیں گے اس حرکت پر۔۔''

''چھپ جانا، کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتا وہاج۔۔''

''تم اگر مجھے یہاں رکھنا نہیں چاہتے تو صاف صاف بتا دو میں ملتان چلا جاتا ہوں۔۔''وہاج کی بات پر انکا دوست جھنجھلا اٹھا۔

''کمال کرتے ہو یار میں نے ایسا کب کہا، میں تو صرف اس لیے کہہ رہا ہوں الیکشن قریب ہیں اور تم خود ملتان کی سیٹ پر لڑ رہے ہو، ایسے موقعے پر تمہارا غائب ہونا تمہارے مخالفین کے حق میں جائے گا، تمہیں اس بات کا اندازہ ہونا چاہیے۔۔'' حیدر نے ایک دفعہ پھر انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''دیکھتا ہوں یار، ابھی تو جانے دو مجھے۔۔'' وہاج نے سیکنڈوں میں اگلا فیصلہ کیا۔

''تم کہو تو میں چلوں تمہارے ساتھ۔۔؟''

''نن نہیں، میں چلا جاؤں گا، تم ٹینشن مت لو۔'' وہاج نے اپنی گاڑی کی چابی لی اور جیسے ہی وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ان کے ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش تھی اور انہوں نے اس واقعے کے بعد سب سے پہلے اپنا سیل فون آف کیا تھا، انہیں یقین تھا کہ داجی اور اسکے گھر والے اس اطلاع کے ملتے ہی ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں گے اور وہ ابھی اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ کسی کے بھی سوالوں کے جوابات دے سکتے۔

☆......☆......☆

شہرزاد پریس کلب سے نکل رہی تھی جب اسے حمزہ کی کال آئی۔۔۔

''آر یو ان یور سینسز۔۔؟ ایسا کرو اپنی بار ایٹ لاء کی ڈگری کو اٹھا کر آگ لگا دو، جو تمہیں مصلحت کے کچھ تقاضے بھی نہیں سکھا سکی۔'' اس نے جیسے ہی فون کان سے لگایا دوسری طرف سے حمزہ اس پر برس پڑا، اس کے لیے حمزہ کا رسپانس خلاف توقع نہیں تھا تبھی وہ مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس پریس کانفرنس پر تپا ہوا ہوگا کیونکہ وہ ہمیشہ اسے میر حاکم کی فیملی سے فاصلے پر رہنے کا مشورہ دیتا تھا۔

''تم جتنی مرضی بڑی ہو جاؤ لیکن تمہیں عقل کبھی نہیں آسکتی۔۔'' وہ شدید غصّے میں تھا، اس لیے اس نے چپ رہنے میں ہی عافیت جانی۔

''تم سمجھتی کیا ہو خود کو۔ ساری دکھی انسانیت کی خدمت کرنے اور ان کو انصاف دلانے کا ٹھیکہ کیا تم نے ہی لے رکھا ہے۔'' حمزہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فون کے اندر سے نکل کر اسکی گردن تو ضرور مروڑ دیتا۔ا

سے اس وقت شہرزاد پر بہت زیادہ غصہ تھا جس نے اس قصّے کی اسے بھی کانوں کان خبر ہونے نہیں دی ورنہ وہ اسے کوئی ڈھنگ کا مشورہ ضرور دے دیتا۔

''یاد رکھنا، یہ کیس بھی شجاع غنی کی طرح تمہارے گلے کا پھندہ بن جائے گا۔۔'' وہ اسکی خاموشی سے خائف ہو کر مزید گویا ہوا۔

''کچھ اور کہنا ہے آپ نے یا میں فون بند کر دوں۔۔'' شہرزاد نے گاڑی کا فرنٹ دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا۔

اس وقت بہادر علی اور رشیدہ خاتون بھی اس کے ساتھ تھیں، اور وہ ان کے ساتھ پریس کلب سے گھر کے لیے نکل رہی تھی۔ پریس کانفرنس بہت کامیاب رہی تھی اور ان دونوں میاں بیوی نے صحافیوں کے سوالات کے جوابات بھی تسلی بخش دیئے تھے جس کی وجہ سے کم از کم شہرزاد بہت ریلیکس تھی۔

''تم نے اگر فون بند کیا تو میں تمہارے گھر پہنچ کر تمہاری مام کو تمہاری ساری حرکتوں کے بارے میں بتا دوں گا۔'' حمزہ خواتین کی طرح دھمکیوں پر اتر آیا اور اسکی اس بات پر نہ چاہتے ہوئے بھی شہرزاد ہنس پڑی۔ اسکی ہنسی کی آواز نے اسے مزید تپا دیا۔

''چلیں آ جائیں، اپنی یہ حسرت بھی پوری کر لیں، ویسے کافی بہت مزے کی بناتی ہیں میری مدر۔۔'' شہرزاد نے سراسر اسکو چھیڑا اور فون بند کر دیا۔

اسکا خیال تھا وہ ایک گھنٹے بعد گھر پہنچ کر اسے تسلی سے کال کر لے گی اور اسے بتا دے گی کہ اس کیس کو اسی وقت منظر عام پر لانے کا فیصلہ اسکا نہیں بلکہ مسز عالیہ قریشی کا تھا۔ اس نے تو محض مشورے کے لیے فون کیا تھا لیکن دوسری طرف مسز قریشی تو گویا تیار بیٹھیں تھیں۔ شہرزاد کو بھی ایک لمحے کو ان کی عجلت پر ہلکی سی حیرانگی ہوئی لیکن وہ جانتی تھی وہ یونہی منٹوں میں فیصلہ کر کے اس پر ڈٹ جانے والی خاتون ہیں۔

شہرزاد جیسے ہی گھر پہنچی، پورچ میں کھڑی ایک انجان گاڑی کو اس نے سرسری انداز میں دیکھا، مسز ٹینا سہگل، خاصی سوشل خاتون تھیں اور ان کے گھر میں ہر وقت کسی نہ کسی کا آنا جانا لگا رہتا تھا، لیکن جیسے ہی وہ گلاس وال ڈور کو دھکیل کر اندر داخل ہوئی، اسکے قدم زمین نے مضبوطی سے جکڑ لیے، وہ دشمن جان عین اس کے سامنے بیٹھا ہوا بڑی سنجیدگی سے کافی پی رہا تھا۔

شہرزاد کچھ لمحوں کے لیے تو گنگ ہی رہ گئی اسے سمجھ ہی نہیں آئی وہ اسے اپنے گھر میں دیکھ کر کیسا ری ایکٹ کرے، جبکہ حمزہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے ممی کی طرف متوجہ تھا، جن کے چہرے پر چھائی ہوئی ضرورت سے زیادہ سنجیدگی سے اسے بھی معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔ اسی وقت ٹینا بیگم کی بھی اس پر نظر پڑی اور وہ تیر کی طرح لپک کر اسکے پاس آئیں۔۔

''شیری تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔ یہ کیا کہہ رہا ہے حمزہ۔؟ تم نے میر حاکم کی فیملی کے خلاف پھر پنڈورہ باکس کھول لیا۔۔'' ٹینا بیگم نے اس طرح بے تکلفی سے حمزہ کا نام لیا جیسے اسے بچپن سے جانتی ہوں۔

وہ واقعی مام کے سامنے اسکی شکایت لگا چکا تھا، شہرزاد نے ایک نگاہ اس پر ڈالی جو لاتعلق انداز میں یوں بیٹھا تھا جیسے اسے جانتا ہی نہ ہو، شہرزاد کو اس پر غصہ آیا اسی لیے وہ ہلکا سا تپ کر بولی۔

''اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے مام۔؟ یہ پروفیشن ہے میرا، اب میں بیرسٹری کر کے کیا کروں۔؟ لوگوں کے کیس نہ لڑوں۔؟'' کیا گھر میں بیٹھ جاؤں۔؟'' اس نے اپنی بات مکمل کر کے کھا جانے والی نظروں سے حمزہ کی طرف دیکھا، جس کے چہرے پر ایک دل جلاتی مسکراہٹ تھی۔

''کیس بھی تو کوئی ڈھنگ کا ہو، تم ہر تیسرے دن بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیتی ہو۔؟ کچھ اندازہ ہے، کس قسم کی فیملی ہے وہ۔؟ اٹھا کر لے جائیں گے اور ساری زندگی سراغ نہیں ملے گا تمہارا۔۔؟؟؟ ٹینا بیگم کو نہ جانے کیوں اس پر غصّہ آئے جا رہا تھا۔

''ایسی بھی کوئی اندھیر نگری چوپٹ راج نہیں ہے۔۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جھنجلا اٹھی۔

''تم نہیں جانتی ہو ان کو، مجھ سے زیادہ۔۔'' وہ روانی میں تھوڑا غلط بول گئیں۔

''آپ کیسے جانتی ہیں انہیں۔۔؟'' شہرزاد نے جانچتی نگاہوں سے اپنی ماں کا سپٹایا ہوا چہرہ دیکھا۔

''ان کو کون نہیں جانتا شہرزاد۔۔؟ پورا ملک واقف ہے اس خاندان کے ایک ایک بندے کو۔۔'' حمزہ نے اسکی ماں کی مشکل آسان کی۔

''کم آن حمزہ، کم از کم آپ جس ادارے سے وابستہ ہیں، آپ تو ایسی بزدلی کی باتیں مت سکھائیں کسی کو۔'' اس نے حمزہ کی بھی طبعیت درست کی۔

''تم حمزہ کو چھوڑو اور اس رشیدہ کو بلاؤ، اس نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ وہ کس خاندان میں جھک مار کے آئی ہے۔'' ٹینا بیگم غصّے سے بولیں۔

''مام آپ اسے کچھ نہیں کہیں گی، اس نے پہلے ہی دن سب کچھ بتا دیا تھا مجھے۔۔۔'' اس نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے میں کچھ نہیں کہوں گی، لیکن اسکی بیٹی کے ساتھ جو ہوا وہ اسکا ذاتی معاملہ ہے، ہمارا اس سے کچھ بھی لینا دینا نہیں، تم بھی اس کا کیس نہیں لڑو گی۔''

''فار گاڈ سیک مام، کیوں بچوں کی طرح ری ایکٹ کر رہی ہیں۔؟ ظلم ہوا ہے ان کے ساتھ، اور میں ان کا ساتھ دوں گی، یہ میرا پروفیشن ہے اور میں اپنے پروفیشن کے ساتھ بددیانتی نہیں کر سکتی۔۔'' وہ ہلکا سا جھنجلا کر گویا ہوئی تو ٹینا بیگم نے شکایتی نظروں سے حمزہ کی طرف دیکھا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو یہ ضرورت سے زیادہ اوور کونفیڈنٹ ہو چکی ہے۔ اسے احساس ہی نہیں یہ اپنے ساتھ ہماری زندگیوں کو بھی خطرے میں ڈال رہی ہے۔'' ٹینا بیگم کے اس الزام پر شہرزاد نے ایک دفعہ پھر تڑپ کر حمزہ کی طرف دیکھا، جو بڑے سکون سے کافی پی رہا تھا۔ جیسے اسی کام کے لیے آیا ہو۔

''کیا کہا ہے آپ نے مام سے۔۔۔؟'' اس نے خفا نظروں سے حمزہ کو گھورا۔

''وہی جو فون پر بتایا تھا میں نے۔۔'' اس نے لاپرواہی سے کندھے اچکا کر کہا اور شہرزاد کو اسکا کندھے اچکانا سلگا کر رکھ گیا۔

''او کے۔۔ آپ نے کافی پی لی ہے ناں، چلیں، جائیں اپنے گھر۔۔'' اسکی بدلحاظی پر ٹینا بیگم کو جھٹکا لگا جبکہ وہ مسکرانے لگا۔

''بی ہیو یور سیلف شیری، تمہارا کلاس فیلو اور فرینڈ ہے وہ، ایک تو تم نے اس سے کبھی ملوایا ہی نہیں، اوپر سے اس کے ساتھ ایسا سلوک کر رہی ہو۔شیم آن یو۔۔۔'' ٹینا بیگم نے حمزہ کے سامنے ہی اسے جھاڑ دیا۔

''کوئی بات نہیں آنٹی یہ اسکی بہت پرانی عادت ہے، کونوینٹ میں بھی یہ ایسے ہی سب کے ساتھ روڈ ہو جایا کرتی تھی۔۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں ٹینا بیگم کی تسلی کے لیے بولا جبکہ شہزاد اب دل ہی دل میں اس سے ٹھیک ٹھاک خفا ہو چکی تھی۔

اسی وقت ٹینا بیگم کے سیل فون کی گھنٹی بجی اور اسکرین پر نمودار ہونے والے سیف الرحمٰن کے نام پر ان کے چہرے کے تاثرات میں تغیر رونما ہوا۔

''تم لوگ بیٹھو میں ذرا سیفی سے بات کر کے آتی ہوں، لگتا ہے ان کو بھی اس معاملے کی اطلاع پہنچ چکی ہے۔'' وہ تیزی سے بولتی ہوئیں سیٹنگ روم سے نکل گئیں تو حمزہ نے پہلی بار بڑی فرصت کے ساتھ اسے دیکھا، جسکا چہرہ اچھا خاصا برہم ہو چکا تھا۔۔

بلیک ڈریس پینٹ کے ساتھ لائیٹ بلو کلر کی شرٹ میں وہ جیل لگا کر بال سلیقے سے بنائے ہوئے مام سے ملنے آیا تھا۔ممی کے کمرے سے نکلتے ہی شہزاد نے

ناراض نظروں سے اسکی طرف دیکھا۔

''کیوں آئے ہیں آپ ہمارے گھر۔۔۔؟''

''کھاؤ قسم، تم نے نہیں کہا تھا کہ آجاؤ، میری مام کافی بہت مزے کی بناتی ہیں۔۔'' اس نے شرارتی انداز میں یاد دلایا، اسکا موڈ کافی بہتر ہو چکا تھا۔

''اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ فوراً منہ اٹھا کر آجائیں۔۔'' وہ ناراضی سے گویا ہوئی۔

''اسکا یہ مطلب بھی نہیں، میں اپنا سارا غصّہ بھلا چکا ہوں، اب خاموشی سے بیٹھ جاؤ اور تمیز سے بتاؤ۔ یہ سب کیا چکر ہے۔کیا کرتی پھر رہی ہو تم۔۔؟'' وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہوا تو شہزاد بھی خاموشی سے اسکی بات مان کر سامنے والے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔

''اچھا۔۔۔'' اس نے طنزیہ انداز میں ناک چڑھایا۔۔''پہلے تو ہر بات کی خبر ہوتی تھی بلکہ آنے والے دنوں کا بھی پتا ہوتا تھا، اب کیا سارے سورسز بھنگ پی کر سو گئے آپ کے۔۔۔'' اسکے جتاتے ہوئے انداز پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔

''جانتا تو ابھی بھی بہت کچھ ہوں۔۔۔'' اسکی مسکراہٹ پر وہ الجھی۔۔۔

''کچھ روشنی ڈالنا پسند کریں گے آپ۔۔۔'' وہ ہنوز سابقہ انداز میں بولی۔

''بات اگر بیچ میں دوستی کی نہ ہوتی تو شاید بتا دیتا لیکن اس وقت مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ میں خاموش رہوں۔۔''

''تو ٹھیک ہے آپ خاموش رہیں اور مجھے کام کرنے دیں میرا۔۔'' وہ بُرا مان گئی۔

''پرابلم بھی تو یہ ہی ہے کہ تمہیں تمہارے حال پر نہیں چھوڑ سکتا میں۔۔۔'' وہ معنی خیز انداز میں گویا ہوا۔

''کیوں۔۔۔؟''

''اپنے دل سے پوچھو، اگر جواب نہ ملے تو میری آنکھوں میں دیکھ لو۔۔۔'' وہ شوخ ہوا۔

''پلیز حمزہ بی سیریس۔ ویسے بھی ایسی باتیں سوٹ نہیں کرتیں آپکو۔۔''

''تمہارے لیے ہی تو سیریس ہوں اتنے سالوں سے یہ بات سمجھا سمجھا کر تھک چکا ہوں۔۔'' وہ اسکی جھنجھلاہٹ پر مسکرایا۔''اور جہاں تک بات سوٹ کرنے کی ہے تو پہلے بھی کہا تھا میں نے'' ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم۔۔۔''

''یہ حلقہ یاراں میں کس دوست کی دوستی کا ذکر کر رہے تھے آپ۔؟ جس نے آپکو زبان بندی پر مجبور کر رکھا ہے۔۔'' شہرزاد کی یہی ذہانت تو اسے متاثر کرتی تھی۔ وہ عام لڑکیوں کی طرح نہیں تھی اور اس بات کا ثبوت وہ پہلے بھی کئی دفعہ دے چکی تھی۔

''میں نے تو یونہی ایک بات کی ہے، آپ تو خوامخواہ ہی پکڑ کر بیٹھ گئیں اسے۔۔'' وہ صاف مکر گیا۔

''میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں حمزہ، جتنا آپ بعض دفعہ فرض کر لیتے ہیں۔۔'' اسکے لہجے میں ناراضی کا عنصر نمایاں ہوا۔

''آپ اتنی عقلمند بھی نہیں ہیں، جتنا خود کو سمجھتی ہیں۔۔۔'' اس نے بھی دوبدو جواب دیا تو وہ خفگی سے چپ کر گئی اور اسکی ناراضگی کا احساس کر کے وہ محتاط انداز میں گویا ہوا۔۔

''فی الحال تو میرے سورسز کہتے ہیں میر وہاج انڈر گراونڈ ہو چکا ہے اور وہ کہاں پر ہے اس بات کی خبر اس کے گھر والوں کو بھی نہیں۔''

''ہاں اتنی ہی معصوم ہے ناں میر فیملی، جس کو پتا ہی نہیں ان کا بیٹا کہاں ہے، یقیناً یہ انکی کوئی نئی سازش ہو گی۔'' اس نے طنزاً کہا۔

''میڈم اگر یہ ان کی کوئی سازش ہوتی تو میرے سورسز یہ بھی بتا دیتے مجھے ۔۔۔'' وہ سنجیدہ ہوا۔

''کون ہے آپکا سورس۔۔'' شہرزاد کی بات پر وہ ہلکا سا ہنسا۔۔''خفیہ ادارے کے لوگوں کے سورسز بھی خفیہ ہی ہوتے ہیں مادام۔ کیوں پوچھ کر بندے کو مشکل میں ڈالتی ہیں۔۔۔''

''اس میں مشکل میں ڈالنے والی کیا بات ہے۔۔'' شہرزاد نے منہ بنا کر کہا تو وہ اسکے چہرے کے تاثرات پر ایک بار پھر مسکرایا۔

''محترمہ جب ایک طرف محبت اور دوسری طرف فرض ہو تو مجھ جیسے بندے کو یہی سکھایا گیا ہے کہ وہ اپنے فرض کو ادا کرے، آپ کیوں فرض اور محبت کے درمیان جنگ کروانا چاہتی ہیں۔۔'' وہ ابھی بھی غیر سنجیدہ تھا۔

''مت بتائیں، میں صرف اتنا جانتی ہوں میر خاندان کے لوگ کچی گولیاں نہیں کھیلتے، یقیناً ان کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ان کا بیٹا گلٹی ہے، اسی لیے انہوں نے اسے انڈر گراؤنڈ کر دیا ہو گا۔۔'' اس نے بھی کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''وہ ان حالات میں ایسا کر ہی نہیں سکتے، کچھ دن بعد الیکشن ہیں اور وہاج انکی ملتان والی آبائی سیٹ پر الیکشن لڑ رہا ہے۔'' وہ بھی

اپنے پوائنٹ پر ڈٹا ہوا تھا۔

''کم آن حمزہ، آپ کون سا نہیں جانتے، ایسے لوگ تو ہمدردی کا ووٹ لینے کے لیے اپنے خونی رشتوں کا بھی سر عام مرڈر کروا دیتے ہیں۔''اس کے استہزائیہ انداز پر وہ مسکرایا، کیونکہ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ جو سوچ چکی ہے اب اس سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے گی۔

اس سے پہلے کہ حمزہ اس کی بات کا کوئی جواب دیتا، رومیصہ عجلت بھرے انداز میں سیٹنگ روم کی سیڑھیاں اتر کر اوپر والے پورشن سے نیچے آئی، حمزہ اور شہزاد کو دیکھ کر وہ ہلکا سا ٹھٹکی، اس نے بہت غور سے حمزہ کی طرف دیکھا اور گڑ بڑا کر سلام کیا، اسکی آنکھوں میں شناسائی کے کئی رنگ ابھرے۔

''ارے آپ۔۔۔؟؟؟'' وہ خوشگوار حیرت کے ساتھ اسکی طرف متوجہ ہوئی۔

''اسکا مطلب ہے آپ نے پہچان لیا مجھے۔۔''حمزہ کی بے تکلفی پر وہ ہلکا سا مسکرائی۔

''آپ کو کیسے بھول سکتی ہوں حمزہ۔۔کیسے ہیں آپ۔۔؟ بہت سال بعد دیکھا آپ کو۔۔''وہ واقعی پہچان چکی تھی۔

''یاداشت ماشاء اللہ بہت اچھی ہے آپ دونوں بہنوں کی۔۔۔''حمزہ ایکدم متاثر ہوا اسکا ذاتی خیال تھا کہ شاید رومیصہ کی یاداشت میں اسکا چہرہ نہ ہو۔

''آپ نے میری خاطر بہت زبردست ٹھکائی لگائی تھی اسامہ کے گروپ کی، اور یہ بات میں کبھی نہیں بھول سکتی۔''رومیصہ نے اسے سکول کی اسی بات کا حوالہ دیا، جس کی وجہ سے ان دونوں کی حمزہ کے ساتھ اچھی سلام دعا ہوئی تھی۔

''تم کہیں جا رہی ہو کیا۔۔۔؟''شہزاد نے اسکے ہاتھ میں پکڑی گاڑی کی چابی دیکھ کر اندازہ لگایا۔

''ہاں ایک پرانی کلاس فیلو نے ڈنر پر بلوایا ہے، ایک گھنٹے میں آ جاؤں گی۔۔۔''رومیصہ نے گھبرا کر جھوٹ بولا، اسی وقت اسکے سیل فون پر ارسل کی کال آنے لگی، جو اس نے بوکھلا کر فوراً کاٹی۔حمزہ کی نظریں اسکے سیل فون کی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں، وہ اس پر ابھرنے والا نام پڑھ چکا تھا۔

''او کے حمزہ اینڈ شیری، سی یو اگین۔۔''وہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔جیسے ہی وہ سیٹنگ روم سے نکلی، حمزہ نے سنجیدگی سے شہزاد کی طرف دیکھا، جو رومیصہ کے اس عجلت بھرے انداز پر ہلکی سی پریشان ہوئی تھی۔

''شہزاد، رومیصہ جھوٹ بول کر گئی ہے باہر۔۔۔''حمزہ نے اسکی سوچ کو الفاظ دیئے تو وہ ششدر رہ گئی۔

''آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔۔۔؟''وہ حیران ہوئی۔

''اسکے سیل فون پر آنے والی کال اسکی کسی فرینڈ کی نہیں کسی ارسل نام کے بندے کی تھی۔۔''حمزہ کی عقابی نظریں اسکے ہاتھ میں پکڑے ہوئے سیل فون کی اسکرین پر ابھرنے والا نام بھی پڑھ چکی تھیں۔''کون ہے یہ ارسل۔۔؟''

''شاید کوئی کلاس فیلو ہوا سکا۔۔'' اس سے پہلے وہ اس بات پر مزید تبصرہ کرتی، ٹینا بیگم تیز تیز چلتی ہوئیں کمرے میں داخل ہوئیں انہوں نے ہاتھ میں کارڈلیس فون اٹھایا ہوا تھا۔'' وہی ہوا ناں، سیفی بھی سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔''

شہزاد نے سوالیہ نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا، جو اپنی بات کی وضاحت کر رہی تھیں۔ ''سیفی کا کہنا ہے اس موقعے پر یہ کانفرنس نہیں ہونی چاہیے تھی ابھی

تو جسٹس محمود کی فیملی کے ساتھ مذاکرات چل رہے تھے ہمارے۔۔۔''

''مام، جسٹس محمود کا اس کانفرنس کے ساتھ کیا تعلق بنتا ہے۔۔؟'' شہزاد کو حمزہ کے سامنے ہلکی سی کوفت کا احساس ہوا۔

''حمزہ بیٹا، تم سمجھاؤ نہ اسے، دشمنوں کے دشمن ایک دوسرے کے بہت اچھے دوست بن کر ہمارے لیے مسائل پیدا کر سکتے ہیں۔''

''ڈونٹ ووری آنٹی، اس بار ایسا نہیں ہوگا۔ جسٹس محمود واقعی اس قصّے سے جان چھڑانا چاہتے ہیں کیونکہ معاملہ اب ان کے اکلوتے بھتیجے کا ہے، اپنے بیٹے سے تو وہ ہاتھ دھو ہی بیٹھے، لیکن بھتیجے کو کسی بھی قیمت پر نہیں گنوائیں گے، انکی فیملی کا بہت زیادہ پریشر ہے ان پر۔۔۔''

''جو بھی ہے تم اسے منع کرو، کوئی ضرورت نہیں ہے اس میر فیملی کے خلاف کیس لڑنے کی۔۔''

''کیس میں نہیں مسز عالیہ قریشی ہینڈل کریں گی۔۔'' شہزاد کے لہجے میں ہلکی سی ناراضی در آئی۔

''آئی تھنک آنٹی، شہزاد اتنی بھی بے وقوف نہیں، یقیناً اپنی سیف سائیڈ رکھ کر ہی یہ معاملہ دیکھے گی، آپ ٹینشن مت لیں۔'' حمزہ کی بات پر انہیں کچھ تسلی ہوئی، دوسری طرف وہ اب جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تو ٹینا بیگم نے حیرانگی سے اسکی طرف دیکھا۔

''تم کہاں جا رہے ہو ڈنر کر کے جانا۔۔'' ٹینا بیگم نے اپنائیت بھرے انداز میں کہا، انہیں حمزہ خالد اپنے فیملی بیک گراؤنڈ سمیت بہت زیادہ پسند آیا تھا اور اس بات کا اظہار ان کے ہر انداز سے عیاں ہو رہا تھا اور ان کی یہی بات شہزاد کے لیے کوفت کا باعث بن رہی تھی۔

''نیکسٹ ٹائم سہی، ابھی ایک دو ضروری کام نبٹانے ہیں مجھے۔ آپ بھی آیئے گا شیری اور رومی کے ساتھ ہمارے ہاں۔۔'' وہ بہت سلجھے ہوئے انداز میں ان کو اپنے ہاں انوائیٹ کر کے باہر نکل آیا، شہزاد اسے سی آف کرنے کے لیے گیٹ تک آئی۔

''پلیز حمزہ ایسی حرکت دوبارہ مت کرنا، مام بہت بچی ہیں میرے اور رومی کے معاملے میں۔۔''

''ہر ماں اتنا ہی بچی ہوتی ہے اپنی اولاد کے لیے لیکن تمہیں بھی ہم سب کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیے۔۔''

''میں نے کیا کیا ہے۔۔؟'' اس نے حیرانگی سے اسکا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

''میں مانتا ہوں تم اپنے پروفیشن کے معاملے میں بہت زیادہ جنونی ہو، لیکن اس سے کہیں زیادہ مخلص تمہیں اپنی ذات کے ساتھ ہونا چاہیے۔'' وہ پورچ کی طرف جاتے ہوئے بہت نرمی اور اپنائیت کے ساتھ اسے سمجھا رہا تھا۔

''میں اپنی ذات کو ہمیشہ آخری نمبر پر رکھتی ہوں حمزہ۔۔'' اس نے جو حقیقت تھی بتا دی۔

''لیکن میں تمہیں ہمیشہ پہلے نمبر پر رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم خود بھی ایسا کرو، کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔'' اس کے لہجے میں کچھ تھا، شہرزاد چلتے چلتے رکی اور اس نے سر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے شخص کی شفاف آنکھوں میں جھانکا، وہاں اسے اپنے لیے چاہت کا ایک لامحدود سمندر نظر آیا، وہ نظریں چرا کر سامنے دیوار پر لگی بوگن ویلیا کی بیل کو دیکھنے لگی۔

''آپ نے خود ہی تو کہا تھا جب تک آپ میرے ساتھ ہیں، کوئی میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔'' وہ اسی کی بات اسے لٹا رہی تھی۔

''ہاں میری ہی ذمے داریوں میں اضافہ کرنا، خود کسی کو سکون سے مت بیٹھنے دینا۔۔'' اس نے ہلکا سا چڑ کر اسکی طرف دیکھا تو وہ دھیمے سے انداز میں ہنس پڑی، اور اسکی شفاف ہنسی نے حمزہ کی ساری ناراضی بھاپ کی مانند اڑا دی۔ جیسے ہی وہ اسے سی آف کر کے واپس سیٹنگ روم میں آئی، ٹینا بیگم نے بے تاب انداز میں اس سے پوچھا۔

''شیری، جنرل خالد کا بیٹا تمہارا کلاس فیلو تھا، تم نے بتایا ہی نہیں۔۔''؟

''مام اس میں کیا خاص بات ہے۔۔؟'' وہ لاپرواہی سے گویا ہوئی۔

''بے وقوف لڑکی، اچھا خاصا ہینڈسم اور ویل سیٹلڈ لڑکا ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ اس میں کیا خاص بات ہے۔'' ٹینا بیگم کو اسکی سادگی پر غصہ آیا۔

''کم آن مام، ایسا ویسا کچھ نہیں ہے ہمارے درمیان، آپ پلیز اسے چھوڑیں اور تھوڑا ارومیصہ پر دھیان رکھیں، ایسا نہ ہو کل کو کوئی نیا مسئلہ کھڑا ہو جائے۔'' وہ بیزاری سے گویا ہوئی تو ٹینا بیگم نے گھبرا کر اسکی طرف دیکھا۔ ''خدانخواستہ کچھ اور تو غلط نہیں کر دیا اس نے۔۔؟''

''فی الحال تو نہیں کیا، لیکن اس پر چیک اینڈ بیلنس رکھنا بہت ضروری ہے۔۔'' اپنی بات کر کے وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

''اچھا اچھا، تم نے تو مجھے ڈرا کر ہی رکھ دیا۔ میں سمجھی پتا نہیں کیا کر دیا ہے اس نے۔''

شہرزاد سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کچھ یاد آنے پر پلٹی۔ ''اور ہاں پلیز آپ رشیدہ اور بہادر علی کو کچھ نہیں کہیں گی، ان کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہوا ہے اور کم از کم میں نہیں چاہوں گی کہ ہم لوگوں کی طرف سے بھی کوئی زیادتی ان کے ساتھ ہو۔۔''

''اب اتنی بھی ظالم نہیں ہوں میں۔۔۔'' ٹینا بیگم اسکی بات کا بُرا مان کر کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ انہیں رات کے کھانے پر کچھ خاص بنوانا تھا کیونکہ سیف الرحمٰن ایک گھنٹے تک پہنچنے والے تھے۔

☆......☆......☆

میر فیملی ایک دفعہ پھر تقدیر کے مضبوط شکنجے میں آ چکی تھی۔۔۔!!!

وہاج اور صندل کا قصّہ گھر کے سب ملازمین کی زبان پر تھا، اور ان سب کا اجتماعی خیال تھا بہادر علی کے خاندان نے بے غیرتی کی

ہے اوران کے سیاسی مخالفین سے پیسہ لے کر وہاج پر کیچڑ اچھالا ہے۔اس سارے قصّے کے دوران محض طوبیٰ ایسی تھی جو دل سے مطمعن اور خوش تھی اسے مکافاتِ عمل پر یقین آ گیا تھا اور وہ دل سے چاہتی کہ وہاج کو اس کے کیے کی سزا ضرور ملنی چاہیے اسکی تمام تر ہمدردیاں صندل کے خاندان کے ساتھ تھیں۔

فارحہ بھابھی کو جیسے ہی اس بات کا علم ہوا،ان کے ہونٹوں پر تو گویا خاموشی کی ایک مہر ثبت ہوگئی،وہ خالی نظروں کے ساتھ ٹی وی اسکرین کو دیکھتی رہتی جس پر صندل کی کہانی کو بڑے چٹے پٹے انداز میں بیان کیا جا رہا تھا۔

کسی رپورٹر کو صندل کی ایک پرانی تصویر بھی مل گئی تھی جسے وہ میر وہاج کی تصویر کے ساتھ جوڑ کر بار بار اسکرین پر دیکھا رہے تھے اور فارحہ کے دل پر چھریاں چل رہی تھیں،پورے خاندان کی نظریں اس موقعے پر ان پر جمی ہوئیں تھیں کیونکہ سب جانتے تھے کہ اپنی موت سے پہلے کا کچھ عرصہ صندل نے اسلام آباد میں فارحہ اور وہاج کے گھر میں گذارا تھا۔

''میرا بیٹا،ایسا نہیں ہوسکتا،سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔'' تاجدار بیگم صبح سے ایک ہی جملے کی گردان کیے جا رہی تھیں۔

فارحہ تم فون کر کے پوچھو ناں اسے،کہاں ہے وہ۔۔''انہیں اپنی بہو کی بے حسی پر غصّہ آیا،جو صدمے بھرے انداز میں بس ایک سائیڈ پر بیٹھی ہوئی،پورے گھر والوں والی کی ایکٹوٹیز خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

محتشم علی اور خاقان صاحب کے سیل فون پر آنے والی کالز پر ان کی بوکھلاہٹ دیدنی تھی،وہ وہاج سے کھل کر بات کیے بغیر اپنا موقف نہیں دینا چاہتے تھے اور وہاج کو تو لگتا تھا کہ زمین نگل گئی تھی یا آسمان کھا گیا تھا،اسکی کہیں سے بھی کوئی خیر خبر نہیں آ رہی تھی اور سیل فون بھی مسلسل بند جا رہا تھا۔

میر ہاؤس کے مکین اس وقت اسلام آباد والے گھر میں اکھٹے تھے،شاہ میر اور برہان بھی پہنچ گئے یہ واقعہ ہی ایسا تھا جس نے سب کو ایک دفعہ تو ہلا کر رکھ دیا۔

سب بظاہر ایک دوسرے سے نظریں چرائے پھر رہے تھے لیکن سب کے ذہنوں میں ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا۔

''وہاج بھائی آخر کہاں جا سکتے ہیں اور اس طرح غائب ہونے کی ضرورت کیا تھی انہیں۔۔؟''ارسل نے الجھن بھرے انداز میں شاہ میر کا پریشان چہرہ دیکھا،وہ بڑی مشکل سے چھٹی لے کر اسلام آباد پہنچا تھا۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں یار۔۔'' وہ واقعی شدید ٹینشن میں تھا،پورے گھر کی توجہ درشہوار سے ہٹ کر اب صرف اپنی عزت بچانے کی طرف تھی کیونکہ دس دن بعد ہونے والے الیکشن میں یہ اسکینڈل ان کے لیے کافی مسائل کا باعث بن سکتا تھا۔

''عجیب ہی پریشانی میں ڈال دیا ہے انہوں نے،ساری یونیورسٹی جانتی ہے وہ میرے فرسٹ کزن ہیں۔لوگ عجیب عجیب سے سوالات کر رہے ہیں۔''ارسل نے پریشان نظروں سے شاہ میر کی طرف دیکھا،جس نے ایکدم ہی وہ سوال کر لیا،جس کی اسے بالکل بھی

توقع نہیں تھی۔

''یہ بیرسٹر شیری کون ہے ارسل۔۔۔؟''

شاہ میر کے سوال پر ارسل کے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہوئیں، اس نے کنکھیوں سے اسکے چہرے کے پریشان تاثرات دیکھے اور نظریں چرالیں۔۔

''مجھے کیا پتا، کون ہے یہ بیرسٹر شیری۔؟ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو۔۔۔''

''پہلے لینڈ مافیا کیس میں اس نے پورے خاندان کو ٹینشن میں ڈالا اور اب اس سارے قصّے کے پیچھے بھی اسی کا ہاتھ ہے۔ آخر پتا تو چلے اسکو پرابلم کیا ہے ہماری فیملی سے۔۔۔۔'' شاہ میر کی اس بات نے ارسل کو مزید پریشان کیا۔

''آئی ڈونٹ نو یار، اللہ بہتر جانتا ہے۔۔۔''

لیکن ارسل اچھی طرح سے جانتا تھا کہ وہ رومیصہ کی بہن ہے اور صندل کی کانفرنس کے دوران اس نے جس اعتماد کے ساتھ رشیدہ مائی اور بہادر علی کو اسپورٹ کیا تھا یہ سب دیکھ کوا یکدفعہ تو ارسل کا بھی فشارخون بلند ہوا، کچھ بھی تھا، وہ اس خاندان کا ایک فرد تھا اور اس کی نیک نامی کے بارے میں اتنا ہی حساس تھا جتنا ایک نارمل شخص کو ہونا چاہیے تھا۔۔۔

وہ دونوں گفتگو کرتے ہوئے سیٹنگ روم میں چل آئے جہاں فارحہ صدمے بھرے انداز میں اکیلی بیٹھی ہوئی ٹی وی دیکھ رہی تھی اس نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر گھبرا کر ٹی وی بند کیا۔ اسی وقت تاجدار بیگم بھی چلی آئیں اور انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے فارحہ کی طرف دیکھا، جو اس وقت سر جھکائے ایسے بیٹھی تھی جیسے اس سارے معاملے کی قصوروار وہ ہو۔

''فارحہ تمہیں کچھ احساس ہے سہی، تمہارا شوہر ہے کہاں۔؟ کیوں نہیں اس سے رابطہ کر رہی ہو۔۔؟'' تاجدار بیگم نے اپنی جھنجھلاہٹ خاموش بیٹھی ہوئی بہو پر اتاری تو شاہ میر نے تاسف بھری نظروں سے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔

''اتفاق سے امی جان، بھابی کے پاس بھی وہاج بھائی کا وہی سیل نمبر ہے، جو آپ سب لوگوں کے پاس ہے، تو بتائیں وہ بیچاری کیسے رابطہ کریں ان سے۔؟ جب نمبر ہی بند جا رہا ہے آپکے لاڈلے بیٹے کا۔۔؟'' شاہ میر نے ڈھکے چھپے الفاظ میں ماں کی طبعیت سیٹ کرنے کی کوشش کی۔

''تم چپ رہو، ہر موقعے پر تمہارا بولنا ضروری نہیں ہوتا۔۔''

''آپ بھی تھوڑا سوچ سمجھ کر بولا کریں، ایسے ہی دوسروں پر چڑھائی نہ کر دیا کریں۔۔'' آگے بھی شاہ میر تھا کسی سے بھی نہ دبنے والا۔

اس سے پہلے ماں بیٹے کی بحث شدت اختیار کر لیتی، میر حاکم، اپنے دونوں بیٹوں محتشم، خاقان اور پوتے برہان کے ساتھ

سیٹنگ روم میں داخل ہوئے، ان کے پیچھے شارقہ بیگم بھی تھیں۔ میر حاکم کے ساتھ ساتھ سب کے اعصاب تنے ہوئے تھے۔ معاملہ بھی تو کوئی چھوٹا نہیں تھا۔

حاکم علی نے اندر کھاتے جو تحقیقات کروائیں تھیں اس سے کوئی حوصلہ افزاء جواب نہیں ملا اور وہاج کے اچانک غائب ہونے پر انہیں یقین ہو گیا تھا کہ دال میں کچھ نہ کچھ کالا ضرور ہے۔ دوسری طرف میڈیا کے لوگوں نے ان سب کا جینا حرام کر رکھا تھا اور ابھی تک ٹی وی اور اخبارات کا یہ سب سے ہاٹ ایشو تھا، اور وہ اس بات کو اچھال رہے تھے کہ میر فیملی کا کوئی تسلی بخش موقف سامنے کیوں نہیں آ رہا۔

''محتشم علی، سخت مایوس کیا ہے مجھے تمہاری اولاد نے، ایک سے بڑھ کر ایک نانجار نکل رہی ہے، اب بتاؤ، ہم الیکشن کے معاملات دیکھیں یا ان گھٹیا قصوں کو نبٹائیں، ہمارے مخالفین ہم پر ٹھٹھے اڑا رہے ہیں، اوپر سے وہ بے غیرت وہاج کسی بل میں چھپ کر بیٹھ گیا ہے۔۔۔''

وہ اپنی چھڑی پر زور ڈال کر غصّے سے بولے تو محتشم علی نے خفت زدہ انداز میں اپنا سر مزید جھکا لیا۔ وہاج کے روپوش ہونے پر ان کا کردار مشکوک ہو گیا تھا۔

''بابا جان اس بیچارے کے ساتھ کوئی حادثہ بھی تو ہو سکتا ہے۔۔'' میر خاقان نے تو گویا یہ بات کر کے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال لیا۔

''ہاں رنگین حادثے ''تمہارے'' اور باقی تم لوگوں کی ''بیچاری'' آل اولاد کے ساتھ ہی ہو سکتے ہیں۔'' ان کے طنزیہ انداز پر خاقان کا چہرہ سرخ ہوا۔

''میں تو ساری زندگی تم لوگوں کے کرتوتوں پر پردہ ڈالتا آیا ہوں۔۔۔'' وہ غصّے سے ٹہلنے لگے۔۔

''ہمارے خاندان کا ایک نام اور مقام تھا، جسے تم سب نے مل کر ڈبو دیا۔ اب بتاؤ لوگوں کو کیا جواب دوں۔؟ ساری دنیا اوٹ پٹانگ سوالات کر رہی ہے، انکو لگ رہا ہے ہم نے چھپایا ہے اس بے غیرت وہاج کو۔۔۔'' حاکم علی شدید قسم کی ذہنی اذیت سے دوچار تھے۔

''اس خاندان کی اوقات ہی کیا ہے بابا جان، جس کے لیے ہم اپنے گھر کے بچے کو چھپا لیں، اور مجھے نہیں لگتا وہاج ایسی گری ہوئی حرکت کر سکتا ہے۔'' خاقان علی نے ایکدفعہ جھاڑ کھانے کے بعد پھر بولنے کی جسارت کر لی۔

''اسکی اوقات کا تو پتا نہیں لیکن پوری دنیا کے سامنے ہماری اوقات کھل کر ضرور سامنے آ گئی ہے، اور وہ لڑکی، کیا نام ہے اسکا بیرسٹر شیری، کیا وہ بھول گئی ہو گی شجاع غنی والا قصّہ۔؟ مجھے تو لگتا ہے اس نے صرف اور صرف اسکی بدلہ لینے کے لیے یہ سارا کھیل رچایا ہے۔'' حاکم صاحب کی بات پر ارسل کا رنگ ہلکا سا فق ہوا، اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''یہ لوگ اس کے پاس کیسے پہنچ گئے۔۔۔؟'' تاجدار بیگم نے خاصے غلط موقعے پر یہ سوال کر لیا۔

''فی الحال تاجدار تم یہ سوچو، تمہارا بیٹا کہاں پہنچا ہوا ہے۔؟ ورنہ ملتان والی سیٹ نکل جائے گی ہمارے ہاتھ سے۔'' ان کے طنزیہ انداز پر وہ شرمندہ ہوئیں۔

''میں نے تو شاہ میر کو بھیجا تھا اسکے دوست سے پوچھنے کے لیے۔۔'' ان کے خفت زدہ انداز پر سب کی نظریں شاہ میر کی طرف اٹھ گئیں۔

''حیدر بھائی سے بات ہوئی تھی میری، وہ کہتے ہیں کہ انہیں تو وہ گھر جانے کا ہی کہہ کر نکلے تھے۔صرف ایک گھنٹے کا تو راستہ تھا ان کے گاؤں سے ہمارے علاقے کا، پتا نہیں کہاں چلے گئے وہ۔۔۔'' شاہ میر کا انداز تھوڑا دھیما تھا۔

''محتشم علی تم مانو یا نہ مانو، تمہارے بیٹے کا یوں چوروں کی طرح چھپ کر بیٹھنا کوئی اور ہی کہانی سنا رہا ہے مجھے۔۔'' وہ ایکدفعہ پھر سلگ کر بولے۔

''آپ فارحہ سے پوچھیں ناں، ہوسکتا ہے اسے وہاج کے کسی دوست کا پتا ہو۔۔'' تاجدار بیگم ہلکا سا جھجک کر بولیں۔

''اس سے میں کیا پوچھوں۔۔؟'' انہوں نے مشتعل انداز میں تاجدار بیگم کی طرف دیکھا۔

''اسے تو تمہارے بیٹے نے ہمیشہ جوتے کی نوک پر رکھا، اولاد نہ ہونے کا قصوروار اسے ٹھہرایا جیسے باقی ساری دنیا اندھی ہو، اور اصل بات نہ جانتی ہو۔۔'' حاکم علی نے روانی میں وہ راز بھی اگل دیا جسے فارحہ نے ہمیشہ اپنے سینے سے لگا کر رکھا تھا، فارحہ نے سہمی ہوئی نگاہوں سے داجی کی طرف دیکھا، جو آج کسی کو

بھی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھے۔

اپنے شریکے کے سامنے اتنی بڑی بات پر تاجدار بیگم کا ایک دفعہ تو دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائیں۔ محتشم علی بھی نظریں چرا کر چپ کے چپ رہ گئے، جبکہ شارقہ بیگم نے حیرانگی سے فارحہ کی طرف دیکھا، ان پر یہ حقیقت ابھی ابھی کھلی تھی۔

''میرے خیال میں بابا جان یہ موقع جذباتی ہونے کا نہیں ہے، ہم وہاج کی روپوشی کو کوئی اور رنگ بھی تو دے سکتے ہیں۔''

خاقان کا دماغ اب کام کرنے لگا تھا، ان کی بات پر حاکم صاحب نے چونک کر انکی طرف دیکھا۔''خیر سے کیا رنگ دینا چاہتے ہو تم۔؟''

''ہمیں پہلی فرصت میں وہاج کے اغوا کی ایف آئی آر اپنے مخالفین کے خلاف کٹوا دینی چاہیے۔اس سے دو فائدے ہونگے ، ایک تو صندل کیس سے لوگوں کی نظریں تھوڑا ہٹیں گی اور دوسرا ہمیں ہمدردی کا ووٹ بھی ملے گا۔۔۔''

''خاقان ٹھیک کہہ رہا ہے بابا جان۔ ہمیں اسی پوائنٹ پر ورکنگ کر لینی چاہیے اپنی۔'' محتشم علی نے بھی بیچ میں لقمہ دیا۔

خاقان علی کا مشورہ، حاکم علی کو ان حالات میں بالکل ٹھیک لگا تھا اور خاندان کی رہی سہی عزت کو سنبھالنے کے لیے اس سے بہتر آپشن کوئی اور نہیں تھا، یہی وجہ تھی کہ اگلے دو گھنٹے کی میٹنگ میں سارے معاملات طے کر لیے گئے۔ یہ خاندان سیاست میں ماہر تھا اور اسکی

گواہی تو ان کے مخالفین بھی دیتے تھے، اور اس بات کا ثبوت ایک دفعہ پھر دنیا والوں کو ملنے والا تھا۔

☆......☆......☆

مارگلہ ہلز کے ٹاپ پر واقع "منال ریسٹورنٹ" میں رومیصہ کو ارسل کے ساتھ پہنچے ہوئے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔

فضا میں ہلکی سی نمی تھی اور خوشگوار ہوائیں اپنے دامن میں ٹھنڈک کا احساس لیے ہوئے جب جسم سے ٹکراتیں تو موسم گرما میں ایک روح افزاء سا احساس رگ وپے میں دوڑنے لگتا۔ رومیصہ جب سے وہاں پہنچی تھی، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے سامنے بیٹھا ہوا ارسل کچھ الجھا ہوا سا ہے۔

"تمہاری بہن کو کیا ضرورت تھی اس قدر بولڈ پریس کانفرنس کروانے کی۔۔؟" وہ چند رسمی باتیں کرنے کے بعد اس موضوع کی طرف آ چکا تھا، جس کے لیے آج اس نے رومیصہ کو خصوصی طور پر بلوایا تھا۔

"اس میں بولڈنیس کی کیا بات ہے، اور ویسے بھی رشیدہ کے خاندان کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔" وہ اپنی ہی دھن میں بولی۔

"تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ ان کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔؟ وہ لوگ جھوٹ بھی تو بول سکتے ہیں۔۔" ارسل نے فوراً اعتراض کیا۔

"اس طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ کسی لینڈ لارڈ پولیٹیکل بیک گراؤنڈ والے خاندان کے اوپر اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکتے، اور ویسے بھی شیری نے مکمل انویسٹی گیشن کی ہے اس سارے معاملے کی۔۔"

"کیا انویسٹی گیشن کی ہے۔۔؟" ارسل نے بے چینی سے بیٹھے بیٹھے پہلو بدلا، اس وقت ویٹر کھانا سرو کر چکا تھا اور رومیصہ کی زیادہ توجہ ڈنر کی طرف تھی۔

"اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں اور اس نے ڈیڈ باڈی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ اور اس لڑکی کی پریگنینسی رپورٹ بھی حاصل کر لی ہیں۔"

"کم آن رومیصہ، یہ سب تو فیک بھی بن سکتا ہے کھڑے کھڑے۔۔" ارسل نے اس بات کو چٹکیوں میں اڑایا۔

"اچھا یہ سب کچھ فیک ہے تو کیا اس لڑکی کا لکھا ہوا آخری خط بھی جعلی ہے۔۔؟" رومیصہ ایکدم چڑ کر بولی تو ارسل کو اس بار جھٹکا لگا۔

"کیسا خط۔۔؟ کیا تم نے پڑھا ہے۔؟ کیا لکھا ہے اس میں۔۔؟" وہ بے چین ہوا۔

"آئی ڈونٹ نو، میں نے نہیں پڑھا لیکن شیری، ممی کو ہی ڈیٹیل سے بتا رہی تھی کہ اس میں تفصیلاً لکھا ہوا کہ وہاج نے اس کے ساتھ زبردستی کی اور اسکے علاوہ بھی کئی چیزیں ایسی ہیں جو اس لڑکی کے حق میں جاتی ہیں۔۔۔" اس کی باتوں نے ارسل کو اب پریشان کیا۔

"میر وہاج کو کیا ایک ملازمہ ہی ملی تھی یہ سب کرنے کے لیے۔۔۔"

"یہ فیوڈل سسٹم سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو بس عورت چاہیے ہوتی ہے جسکی نبض چل رہی ہو۔" رومیصہ اپنی ہی بات پر ہنسی۔

"خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں، انسان کا کوئی اسٹینڈرڈ بھی تو ہوتا ہے، تمہاری بہن کو نہیں لینا چاہیے تھا یہ کیس۔۔" ارسل کی تان

گھما پھرا کر اسی ایک بات پر ٹوٹ رہی تھی اور اب تو رومی بھی ہلکا سا چڑ گئی۔

''کیوں نہیں لینا چاہیے تھا، ملازمین ہیں وہ ہمارے، انکی ہیلپ کرنا فرض بنتا ہے ہمارا۔۔۔''

''وہ لوگ تمہارے سرونٹس ہیں، تم نے بتایا کیوں نہیں۔۔؟'' ارسل کو شاک لگا۔

''اس میں بتانے والی کون سی بات تھی۔؟ ویسے بھی آپ کیوں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں اس معاملے میں۔۔۔؟'' اسکی بات پر وہ ہلکا سا گھبرا گیا۔

''میرے انٹرسٹ لینے کی ایک مضبوط وجہ ہے رومیصہ۔۔'' اسکی بات پر اس نے حیرانگی سے ارسل کی طرف دیکھا، جو مزید بتا رہا تھا۔

''ایکچوئلی اس کیس میں جس بندے پر الزام لگایا گیا ہے میں انکو اچھی طرح سے جانتا ہوں، وہ اس ٹائپ کے بندے نہیں ہیں۔''

''آپ کیسے جانتے ہیں انہیں۔۔؟'' اب پریشان ہونے کی باری رومیصہ کی تھی۔

''میرے بہت اچھے فرینڈ شاہ میر کے بڑے بھائی ہیں وہ۔۔'' ارسل نے نظریں چرا کر جھوٹ بولا۔

''میری مانیں پہلی فرصت میں اس دوست سے جان چھڑا لیں کیونکہ شیری بتاتی ہے اس خاندان کی ریپوٹیشن بالکل بھی اچھی نہیں ، پہلے بھی لینڈ مافیا کے ایک کیس میں انہوں نے دوسری پارٹی کو پیسے دے کر خرید لیا تھا۔'' رومیصہ کی بات پر ارسل کا دماغ بھک کر کے اڑا۔

''کیا ہوا ہے اس خاندان کی ریپوٹیشن کو۔؟ میں نے تو آج تک ان کے بارے میں ایسا ویسا کچھ نہیں سنا۔'' وہ بحث پر اتر آیا۔

''میں شیری سے ڈیٹیل سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ اس کے پاس باقاعدہ ثبوت ہیں ان کی کرپشن کے بارے میں۔۔۔''

''رہنے دو کوئی ضرورت نہیں ہے، اب چپ کر کے کھانا کھاؤ۔'' ارسل کو غصّہ آ گیا۔

رومیصہ کی باتوں نے ارسل کو ایک نئی ٹینشن میں ڈال دیا، وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اسکے خاندان کے بارے میں اس قدر منفی رائے رکھتی ہوگی لیکن اب اسے اپنے خاندان کی ریپوٹیشن کی بجائے وہاج اور صندل کیس کی فکر تھی اور رومیصہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو سے اتنا تو وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ میر فیملی کے لیے ایک مضبوط قسم کا شکنجہ تیار ہونے جا رہا ہے اور میر حاکم کی پریشانی غلط نہیں تھی۔۔

☆......☆......☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔۔۔

طوبیٰ کروٹیں بدلتے بدلتے تھک گئی تو اکتا کر اٹھ بیٹھی، وال کلاک پر رات کا ایک بج رہا تھا، وہ کچھ لمحے تو سائیڈ میز پر رکھی کتاب پڑھنے کی کوشش کرتی رہی اور پھر تنگ آ کر کمرے سے نکل آئی۔ باہر آ کر اس نے کھل کر سانس لیا، پورے گھر پر ایک ہولناک سے سناٹے کا راج تھا۔

طوبیٰ ننگے پاؤں ادھر ادھر ٹہلتی رہی، اور ایک چکر ہال کمرے کا بھی لگا آئی، جیسے ہی وہ اوپر آئی، درشہوار کے کمرے کے سامنے سے گذرتے ہوئے اسکے قدم رک گئے۔ اسکے لبوں سے ایک سرد آہ نکلی، درشہوار کا پسندیدہ ٹیڈی بئیر والا کی چین دروازے کے ساتھ لگے

ہوئے ہک پر ٹنگا ہوا تھا۔طوبیٰ کو ایک دم ہی وہ پوری شدت سے یاد آئی تو اسکی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''پتا نہیں کہاں کی خاک چھان رہی ہو گی اور کیا ملا ہو گا اسے یہ سب کر کے۔۔۔؟''

طوبیٰ نے افسردگی سے سوچا اور آہستگی سے اسکے کمرے کا دروازہ کھولا، یہ جگہ ان سب لڑکیوں کی پسندیدہ آماجگاہ تھی، سب شرارتوں کے پلان یہیں پر بنتے تھے۔طوبیٰ کا دل بھر آیا، کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔اس نے دیوار کے ساتھ ہاتھ ٹٹول کر ٹیوب لائیٹ کا سوئچ آن کیا، اور کمرہ کچھ سیکنڈ میں روشنی سے بھر گیا اور سامنے کا منظر دیکھ کر طوبیٰ کو دھچکا لگا۔۔

دیوار کے ساتھ رکھے کاؤچ پر شاہ میر ایک چھوٹا کشن آنکھوں پر رکھے نیم دراز تھا، کمرے میں ہونے والی روشنی پر اس نے کشن ہٹایا تو طوبیٰ اسکی آنکھوں کی سرخی دیکھ کر وہ گھبرا گئی۔اسے بھی شاید رات کے اس پہر طوبیٰ کی موجودگی کی توقع نہیں تھی۔اس لیے بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

''شاہ میر تم یہاں کیا کر رہے ہو در شہوار کے کمرے میں۔۔؟'' وہ گھبرا کر اسکے پاس پہنچی۔

''تم کیا کرنے آئیں تھیں یہاں۔۔؟'' اسکا سارا لہو سمٹ کر اسکے چہرے پر آچکا تھا، نہ جانے طوبیٰ کو کیوں لگا جیسے وہ روتا رہا ہو۔

''ایسے ہی نیند نہیں آرہی تھی اور۔۔۔'' طوبیٰ نے بات ادھوری چھوڑی۔۔

''اور کیا۔۔؟'' وہ بےزاری سے گویا ہوا۔۔

''در شہوار کی یاد آرہی تھی۔۔'' اس نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

''مر چکی ہے وہ ہم سب کے لیے، مت لیا کرو اسکا نام میرے سامنے۔۔'' وہ ایکدم بھڑک کر بولا تو طوبیٰ سہم کر ایک فٹ دور جا کھڑی ہوئی۔شاہ میر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، وہ کاوچ سے اٹھ کر نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا اور اس نے کاوچ سے ٹیک لگالی، طوبیٰ کو ایسے لگا جیسے وہ اپنے حواسوں میں نہ ہو۔

''آئی ایم سوری یار، پتا نہیں کیا ہو گیا ہے مجھے۔۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

''کیوں اتنی ٹینشن لے رہے ہو میرو۔۔؟'' وہ آہستگی سے چلتے ہوئے اسکے پیچھے رکھے کاوچ پر بیٹھ گئی، شاہ میر کو اسکی موجودگی کا احساس ہوا۔

''ابھی در شہوار کا لگایا ہوا زخم نہیں بھرا تھا، اوپر سے وہاج بھائی۔۔'' اس نے بات ادھوری چھوڑی۔طوبیٰ اسکے جذبات کا اندازہ لگا سکتی تھی۔

طوبیٰ نے آہستگی سے اپنی نرم انگلیاں اس کے سر کے گھنے بالوں میں پھیریں، شاہ میر کو تھوڑا سکون کا احساس ہوا، وہ ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا اور طوبیٰ کی ٹانگوں سے ٹیک لگالی، وہ عین اسکے پیچھے کاوچ پر بیٹھی تھی جبکہ وہ کارپٹ پر ٹانگیں پھیلائے تھکے تھکے انداز سے براجمان تھا، طوبیٰ اپنی انگلیوں سے اسکے سر کا آہستگی سے مساج کرنے لگی۔شاہ میر کو اپنی اذیت میں تھوڑی کمی کا احساس ہوا۔

''ایک بات سچ سچ بتاؤ طوبیٰ۔۔۔'' اسکے لہجے کی سنجیدگی پر طوبیٰ کا ہاتھ تھما۔''ہاں پوچھو شاہ میر۔۔''

''کیا تمہیں بھی لگتا ہے کہ وہاج بھائی نے ایسا کچھ کیا ہوگا صندل کے ساتھ۔۔؟'' اسکے لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے میرو۔۔؟'' طوبیٰ نے الٹا اس سے سوال کیا۔

''میرا دل نہیں مانتا، وہ گھر کی ایک ملازمہ کے ساتھ ایسی گھٹیا حرکت کر سکتے ہیں۔تم کیا کہتی ہو۔۔'' شاہ میر کے افسردہ انداز پر طوبیٰ کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ نے احاطہ کیا۔

''تمہارا دل صرف میرے ہی معاملے میں سچ بولتا ہے شاہ میر۔۔'' وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔۔؟'' وہ فورا پلٹا، اور اپنی سرخ ہوتی ہوئی آنکھوں سے اسے گھورنے لگا، وہ بوکھلا گئی، شاہ میر کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

''ویسے ہی ایک بات کی ہے میں نے۔۔۔'' اسکی بوکھلاہٹ نے شاہ میر کو مشکوک کیا۔

''دیکھو طوبیٰ تمہارے اور میرے تعلق میں جھوٹ کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی، تم اگر کوئی بات مجھ سے چھپاؤ گی تو یہ میرے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔'' وہ اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑے اسے گہری آزمائش میں ڈال چکا تھا۔

''تم یہ سوال مجھ سے کیوں کر رہے ہو۔۔؟'' وہ پریشان ہوئی۔

''اس لیے کہ مجھے لگ رہا ہے جیسے بیچ میں کوئی بات ہے، کوئی ایسی چیز ہے جو میں نہیں جانتا۔۔''

''میرے پاس تمہیں بتانے کے لیے کوئی اچھی چیز نہیں ہے میرو۔۔'' طوبیٰ نے دانستہ اس سے نظریں چرائیں۔

''فار گاڈ سیک بتا دو، کون سی ایسی بات ہے جو تم مجھ سے چھپا رہی ہو، میرے دل میں طرح طرح کے وہم آرہے ہیں۔'' وہ بے قرار و مضطرب لہجے میں گویا ہوا تو طوبیٰ کو لگا کہ وہ زیادہ دیر تک اس سے یہ بات نہیں چھپا پائے گی، ویسے بھی وہ یہ راز اکیلے اپنے دل میں رکھ کر تھک چکی تھی۔

''بات چھوٹی نہیں ہے شاہ میر۔۔۔'' اس نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تم اب ایک لفظ بھی کچھ اور بولیں تو میں ساری زندگی تم سے بات نہیں کروں گا۔۔'' شاہ میر کی دھمکی پر اسکا دل گہری کھائی میں گر گیا۔اس نے ہمت کر کے اس سے سچ بولنے کا ارادہ کر ہی لیا۔

''صندل کا خاندان بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے، وہاج بھائی نے بہت غلط کیا تھا اس کے ساتھ۔۔۔'' طوبیٰ کے انکشاف پر شاہ میر کو لگا جیسے کسی نے خنجر اسکی پیٹھ میں اتار دیا ہو۔وہ تڑپ کر سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔''تم کیسے کہہ سکتی ہو یہ بات۔۔۔؟''

''میں نے خود صندل کے ہاتھ کا لکھا ہوا آخری خط پڑھا تھا جو اس دن مجھے اس کمرے سے ملا جہاں اس نے خودکشی کی تھی۔۔''

طوبیٰ کی آواز لڑکھڑا سی گئی۔

''تمہیں یاد ہے ناں صندل والے واقعے کے بعد میں سب مردوں سے کتنا ڈر گئی تھی اور تم پر بھی شک کرنے لگی تھی۔۔'' وہ اسے یاد دلانے لگی اور یہ واقعہ کوئی اتنا پرانا نہیں تھا جو شاہ میر کو یاد نہ آتا۔ طوبیٰ کی تو ایک ایک حرکت اسکے دل پر نقش تھی۔

''مجھے وہاج بھائی سمیت اس گھر کے سبھی مردوں سے نفرت ہوگئی تھی، انہوں نے بہت ظلم کمایا۔۔''

ایک طوفان تھا جو شاہ میر کے وجود کے پرخچے اڑاتا ہوا گذر گیا، اس نے دہل کر طوبی کی زرد پڑتی ہوئی رنگت کی طرف دیکھا، وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ اس سے زیادہ ضبط کا مظاہرہ وہ نہیں کر سکتی تھی۔

''وہاج بھائی نے اس معصوم لڑکی کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔۔'' وہ رو رہی تھی اور شاہ میر کا دل پھٹ رہا تھا۔

''صندل کی آہ لگی ہے ہمارے خاندان کو، تبھی تو ہر طرف سے ذلت ہی ذلت لکھ دی گئی ہے ہمارے مقدر میں۔ تم مانو یا نہ مانو شاہ میر، یہ مکافات عمل ہے، ہم سب کو اس ظلم کا حساب دینا ہوگا۔۔'' ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنے حواس کھو رہی ہو۔

''کہاں ہے وہ خط۔۔؟ تم دکھا سکتی ہو مجھے۔۔؟'' شاہ میر کی آنکھوں سے بھی جیسے لہو ٹپکنے کو بے تاب تھا۔

''وہ کھو گیا ہے مجھ سے، شاید کسی کتاب میں رکھا تھا، بعد میں بھی کافی ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن نہیں ملا۔۔'' اس نے اپنی نم آنکھوں کے ساتھ اس کی طرف دیکھا، شاہ میر کا سارا وجود لرز رہا تھا اور آنکھیں گرم آنسوؤں کی شدت سے جل رہی تھیں۔

درحقیقت شاہ میر کے اعصاب بھی تھک گئے تھے اور اس انکشاف نے اس کے جوڑ جوڑ کو ہلا دیا۔ وہ ایکدم پلٹا اور کاوچ پر بیٹھی ہوئی طوبی کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا، اسکا سر اب طوبی کی گود میں تھا، وہ اس معصوم بچے کی مانند لگ رہا تھا جو کسی چیز سے ڈر کر اپنی ماں کی آغوش میں چھپ کر بیٹھ جانا چاہتا ہو۔

طوبیٰ کبھی مر کر بھی یہ بات نہیں مان سکتی تھی کہ فولاد جیسے اعصاب رکھنے والا یہ پاک فوج کا جوان اپنے خونی رشتوں کے دیئے ہوئے زخموں پر اس طرح بُری طرح سے ٹوٹ کر بکھر سکتا ہے۔ درشہوار کے بعد وہاج بھائی کی اس حرکت نے حقیقتاً اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے یہاں۔۔۔؟'' نمیرہ جو کہ طوبیٰ کی تلاش میں پورے گھر میں بولائی ہوئی پھر رہی تھی، درشہوار کے کمرے کی جلتی ہوئی لائیٹ دیکھ کر وہ بے ساختہ انداز میں ادھر چلی آئی، سامنے کا منظر دیکھ کر اسکو یوں لگا جیسے کسی نے اسکے کلیجے میں ہاتھ ڈال دیا ہو، شاہ میر اسکا تو کبھی بھی نہیں تھا لیکن اس وقت اسے کسی معصوم بچے کی طرح طوبی کی گود میں سر رکھے دیکھ کر اسکی رہی سہی امید بھی ختم ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

ٹرین پوری قوت کے ساتھ ملتان کی طرف گامزن تھی۔۔۔

مونیکا اور ذوالکفل نے عمرہ سے آنے کے فوراً بعد اپنے آبائی گھر جانے کا فیصلہ کیا تھا، مونیکا بظاہر اندر سے کافی ڈری ہوئی تھی لیکن

ذوالکفل نے اسے کافی حوصلہ دیا تھا، وہ اس کے ساتھ جا کر لبرٹی سے اپنے سسرال والوں کے لیے کافی سارے گفٹس بھی خرید کر لے آئی۔

"کیا وہ لوگ مجھے قبول کر لیں گے۔۔۔؟" یہ سوال اس نے کوئی چوتھی دفعہ کیا تو ذوالکفل اسکی معصومیت پر مسکرا دیا۔

"تمہیں میں قبول کر چکا ہوں اور تمہارے لیے اب یہ ہی بات اہم ہونی چاہیے۔۔۔" اس نے محبت بھرے لہجے میں اسکے کان میں سرگوشی کی، وہ دونوں اس وقت بزنس کلاس کی ایک بوگی میں تھے۔ مونیکا نے عمرہ کرنے کے بعد عبایہ پہننا شروع کر دیا تھا، اس وقت وہ اسکارف کے ساتھ اچھی طرح اپنا سر کور کیے اپنے شوہر کے ساتھ ملتان جا رہی تھی۔۔

"اپنے خاندان کا تو میں تمہیں کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن یہ بتاؤ کیا تمہاری فیملی قبول کر لے گی مجھے۔۔؟" اس نے اچانک مونیکا سے پوچھا۔

"میرے خیال میں نہیں۔۔۔" مونیکا کی صاف گوئی نے اسے تھوڑا مایوس کیا۔

"آخر کیا کمی ہے مجھ میں۔۔؟ کم از کم تمہارے اس منگیتر سے تو بہتر ہی ہوں۔۔" ذوالکفل نے ہلکے پھلکے لہجے میں اسے چھیڑا۔

"تم ہماری ہی کمیونٹی کے ہوتے تو شاید وہ لوگ قبول کر لیتے لیکن ان کے نزدیک میرا مذہب چھوڑنا ایک ناقابل معافی جرم ہوگا اور اس پر وہ شاید کبھی بھی مجھے معاف نہ کریں۔۔" مونیکا نے اسکی دل آزاری کے خوف سے تھوڑا محتاط انداز اپنایا۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں مونیکا، انشاء اللہ میں ان سب کو منا لوں گا۔۔" اس نے نرمی سے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دی تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ محض اسکا دل رکھنے کے لیے اسے تسلی دے رہا ہے، ورنہ اپنے والدین کو وہ اس سے زیادہ بہتر طریقے سے جانتی تھی۔ ان دونوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ لوگ ڈائریکٹ ذوالکفل کے گھر جائیں گے، ان کو منانے کے بعد پھر مونیکا کی فیملی کی طرف رجوع کریں گے۔

☆......☆......☆

برہان اور انابیہ کی ازدواجی زندگی کا یہ کوئی پانچواں دن تھا۔۔!!!

اور انابیہ کو لگتا تھا۔ اسکی زندگی پر بھی کوئی پانچواں موسم ہی چھایا ہوا تھا، اور وہ موسم تھا نحوست اور ناامیدی کا۔۔۔

سب کو بھول چکا تھا کہ اس گھر میں ایک نئی نویلی دلہن کا اضافہ ہو چکا ہے، جس کے کچھ ارمان تھے۔ سب کو یاد تھے تو صرف اور صرف دو لوگ درشہوار اور وہاج، جو پورے خاندان کے سر میں ذلت کی خاک ڈال کر خود منظر عام سے غائب ہو چکے تھے۔

برہان نے اس تمام عرصے میں انابیہ کو گن کر کوئی پانچ دفعہ ہی بحالت مجبوری مخاطب کیا تھا، وہ آس بھری نگاہوں سے اسکی طرف دیکھتی، جبکہ وہ اپنے ہی بہن بھائیوں کے مسائل میں بُری طرح سے الجھا ہوا تھا، اس نے یونیورسٹی سے بھی ایک ماہ کی مزید چھٹی لے لی تھی۔

درشہوار کے گھر سے بھاگنے کے بعد وہاج کی گمشدگی نے اس گھر کے مکینوں کی زندگیوں میں ایک بھونچال برپا کر دیا تھا۔ سب ہی ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو دوڑتے، اندر کھاتے درشہوار کی بھی تلاش جاری تھی اور اس سے زیادہ انہیں وہاج کی ٹینشن تھی، جو ملتان

سے صوبائی اسمبلی کی سیٹ پر الیکشن لڑ رہا تھا، ایسے موقعے پر جب ان کے خاندان کی میڈیا پر مسلسل کردار کشی کی جا رہی تھی، وہاج کا انڈر گراؤنڈ ہو جانا بہت سے سوالات کو ابھار رہا تھا اور خاندان کے سارے مرد بُری طرح سے زچ ہو چکے تھے۔

"میں نے تمہیں کہا تھا اس شرٹ پر بٹن لگا دینا، لیکن تمہارے پاس دو منٹ نہیں ہیں میرے لیے۔۔" برہان جو باہر سے اکتایا ہوا آیا تھا، اس وقت واڈروب کھولے کہیں اور جانے کی تیاری میں مگن تھا، اس نے ایک شرٹ ہینگر سے نکال کر بیزاری سے انابیہ کی طرف اچھالی۔

"مم مجھے تو نہیں کہا آپ نے۔۔۔" وہ گھبرا گئی، ویسے بھی یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ برہان کا کہا ہوا کوئی کام بھول جاتی۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں، بکواس کر رہا ہوں۔۔" وہ ایکدم بھڑک اٹھا تو وہ چاہتے ہوئے بھی اس سے نہیں کہہ پائی کہ وہ حقیقتاً بھول رہا ہے اور اس نے ایسا کوئی کام نہیں کہا تھا۔

"زندگی عذاب بن کر رہ گئی ہے، پتا نہیں کس گناہ کی سزا ملی ہے مجھے۔۔" اسکی بڑبڑاہٹ اتنی مدھم بھی نہیں تھی کہ اسکے کانوں تک نہ پہنچ پاتی۔

"یہ لیں شرٹ۔۔۔" انابیہ نے بٹن لگا کر شرٹ اسکی طرف بڑھائی۔

"اپنے پاس رکھو اسے، اب نہیں پہننی مجھے۔۔۔" اسکا مزاج اچھا خاصا برہم تھا۔

انابیہ کی آنکھیں گرم پانیوں سے بھر گئیں۔ اسی وقت تاجدار بیگم نڈھال انداز کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کا چہرہ زرد اور ماتھا پسینے کی ننھی ننھی بوندوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ دھڑام کر کے اس کے بیڈ پر گر گئیں۔

"امّی کیا ہوا۔۔؟ طبعیت تو ٹھیک ہے آپکی۔۔۔؟" برہان کے ساتھ ساتھ انابیہ بھی ان کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔

"بلڈ پریشر بہت زیادہ ہائی ہے بیٹا۔۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر دبانے لگیں، انابیہ کو ان پر ترس آیا۔

"تائی امّی، آپ لیٹ جائیں، میں سر دبا دیتی ہوں آپکا۔۔" انابیہ نے آہستگی سے ان کا کندھا پکڑ کر انہیں لٹایا اور نرمی سے ان کا سر دبانے لگی۔

"آپ نے میڈیسن نہیں لی کیا۔۔۔؟" برہان ماں کی حالت دیکھ کر فکر مند ہوا۔

"میڈیسن کیا خاک اثر کرے گی، ہر کوئی بندوق اٹھائے میرے پیچھے گھوم رہا ہے جیسے میں نے درشہوار کو گھر سے بھگایا ہو اور وہاج کو چھپانے میں بھی میرا ہاتھ ہو۔۔۔" وہ جذباتی انداز میں رونے لگیں۔

"وہ اولاد جس کا ساری زندگی مان رہا مجھے، جسے میں اپنا غرور سمجھتی تھی، اسی نے میرا سر جھکا دیا۔۔۔" وہ شدید ڈیپریشن میں تھیں۔

ان دونوں نے تاسف بھری نگاہوں سے تاجدار بیگم کی طرف دیکھا۔

"آپ کیوں ٹینشن لے رہی ہیں۔۔؟" وہاج نے ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

''درشہوار نے کیا کم کلیجہ جلایا تھا میرا، رہی سہی کسر تمہارے بھائی نے پوری کر دی۔۔'' وہ جذباتی انداز میں گویا ہوئیں۔

''یہ سب کچھ پروپیگنڈا ہے مخالف پارٹی کا، آپ وہاج بھائی کی فکر مت کریں۔۔'' برہان نے ہلکا سا جھنجھلا کر انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''یہ بات مجھے نہیں اپنے باپ اور دادا کو سمجھاؤ، انہیں لگتا ہے یقیناً اس قصّے میں وہاج کا کوئی نہ کوئی قصور ہے تبھی وہ چھپ کر بیٹھ گیا ہے۔ میرے بیٹے کے ساتھ کوئی حادثہ بھی تو ہو سکتا ہے، یہ لوگ اس طرف کیوں نہیں سوچتے۔۔'' تاجدار بیگم کا لہجہ آنسوؤں سے بھرا گیا۔

''امّی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، آپ پلیز خود کو سنبھالیں، میں آپکے ساتھ ہوں۔'' برہان نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر دلاسہ دیا، تو انابیہ نے گلہ آمیز نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا، ایسا لب و لہجہ ان کا چند لوگوں کے لیے مخصوص تھا اس کے حصّے میں تو ہمیشہ تلخ اور زہر آلود جملے ہی آتے تھے۔

''جاؤ بیا، امی کے کمرے سے ان کی میڈیسن لے کر آؤ۔۔'' برہان کے خلاف توقع نرم لہجے پر انابیہ کا دل بے اختیار دھڑکا۔

وہ جلدی سے کمرے سے نکلی، کوریڈور سے نکل کر وہ جیسے ہی سیٹنگ روم میں پہنچی، سامنے صوفے پر بیٹھی ہوئیں فارحہ بھابھی پر اسے کسی زندہ لاش کا گمان ہوا، وہ ایک اخبار گود میں رکھے ہوئے خالی نظروں سے اسے گھورے جا رہی تھیں، صندل والی بات کے بعد ان کو چپ سی لگ گئی تھی، گھر کی خواتین نے شروع شروع میں انہیں کریدنے کی کافی کوشش کی، لیکن ان کے سرد رویئے کے بعد سبھی لوگ پیچھے ہٹ گئے تھے۔

☆......☆......☆

شہرزاد کافی کا مگ پکڑے کسی گہری سوچ میں مگن تھی۔

''کیا ہوا شیری، کیا سوچ رہی ہو۔۔؟'' رومی نے بے چینی سے پہلو بدل کر اس کو مخاطب کیا۔

وہ دونوں بہنیں اس وقت ٹینا ہاؤس کے خوبصورت لان میں موجود تھیں، اور شہرزاد نے بطور خاص رومیصہ کو اسکے کمرے سے بلوایا تھا۔ رومی کو اگرچہ اسکی کھوجتی ہوئی نظروں سے گھبراہٹ ہو رہی تھی لیکن اب اسے خود کو سنبھالنا آ گیا تھا اور اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ شیری نے اسے کسی خاص بات کے لیے ہی بلوایا ہے، لیکن بلی ابھی تک تھیلے سے باہر نہیں آئی تھی۔

'خیریت سے بلوایا تھا تم نے مجھے یہاں۔۔۔؟'' اس نے تنگ آ کر خود ہی پوچھ لیا۔

''ہاں تمہیں گڈ نیوز سنانی تھی، انشاء اللہ، نیکسٹ پیشی میں کیس کا فیصلہ تمہارے حق میں ہو جائے گا۔۔۔'' شہرزاد کی بات پر وہ ایکدم خوش ہوئی۔

''کیا جسٹس محمود سے مذاکرات کامیاب ہو گئے۔۔؟'' رومیصہ نے بے تابی سے پوچھا۔

''ہاں وہ مان گئے، وہ کسی بھی قیمت پر اپنے بھتیجے کے مستقبل سے نہیں کھیلنا چاہتے۔۔'' شہرزاد نے ہاتھ میں پکڑا ہوا مگ میز پر رکھا۔

''لیکن کیا فائدہ ہوا، وہ بیچارہ صارم خان تو اپنی جان سے ہاتھ کھو بیٹھا، اسکی قربانی تو رائیگاں گئی'' وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

''بعض دفعہ کسی کی قربانی، کسی اور کے حق میں بہتر ہوتی ہے اور مجھے ذاتی طور پر خود بھی اسکی موت کا دلی افسوس ہے۔۔''

''کیا صارم خان کی فیملی معاف کر دے گی اس کے قاتل کو۔۔؟'' رومیصہ کو ابھی ابھی خیال آیا۔

''سنا ہے ان کے ساتھ بھی مذاکرات چل رہے ہیں ان لوگوں کے۔ یقیناً کوئی نہ کوئی پوزیٹو رزلٹ نکل آئے گا کیونکہ جسٹس محمود کو لوگوں کو رام کرنا آتا ہے۔۔'' شہرزاد نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اچانک موضوع گفتگو بدلا۔

''رومی، یہ ارسل کون ہے۔۔؟'' شہرزاد کی بات پر رومیصہ کو ٹھیک ٹھاک جھٹکا لگا۔

''صارم خان کا دوست تھا، لیکن تم کیسے جانتی ہو اسے۔۔؟'' اس نے بوکھلا کر اپنی بہن کا متحمل چہرہ دیکھا۔ یہ شہرزاد کی بہترین کوالٹی تھی اسکے اندر چاہے جیسا بھی طوفان برپا ہوتا، وہ باہر سے ہمیشہ کسی پرسکون جھیل کی مانند ہی نظر آتی۔۔

''کیا اس کے کہنے پر صارم نے تمہارے حق میں گواہی دی تھی۔۔؟'' شہرزاد کے درست اندازے پر وہ کچھ لمحوں کے لیے ہکا بکا ہوئی۔ اسے یقین آ گیا تھا اسکی بہن اپنی فیلڈ میں کیوں اتنی کامیاب ہے۔

''ہاں ارسل کا بہت قریبی دوست تھا صارم۔۔'' رومیصہ نے ادھورا سچ بتایا۔

''تمہارا کیا تعلق ہے اس کے ساتھ، اور تم کیسے جانتی ہو اسے۔۔؟'' شہرزاد نے سرسری انداز میں پوچھا، جیسے اسکے نزدیک یہ کوئی اہم بات نہ ہو۔

''یونیورسٹی فیلو ہے میرا۔۔'' اس نے جھوٹ بولا۔۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن تمہیں کیوں اتنی زیادہ فیور دے رہا ہے وہ۔۔؟'' اس نے محتاط انداز میں پوچھا۔

''پسند کرتا ہے وہ مجھے، اور شادی کرنا چاہتا ہے میرے ساتھ۔۔'' رومیصہ کا خیال تھا یہ بات سنتے ہی شہرزاد اچھل پڑے گی یا کم از کم حیرانگی کا مظاہرہ ضرور کرے گی لیکن دوسری جانب ہنوز وہی ازلی سکون برپا تھا۔ وہ اپنے سیل فون پر آنے والے کسی ٹیکسٹ کا جواب بھی ساتھ ساتھ لکھ رہی تھی۔ رومی کو اس کے سرد رویے پر اچھی خاصی مایوسی ہوئی وہ اب اپنے اور ارسل کے قصّے کو جلد از جلد نبٹانا چاہتی تھی کیونکہ اس کے پاس زیادہ ٹائم نہیں تھا۔

''کس فیملی سے تعلق ہے اسکا۔۔؟ آئی مین کیا بیک گراؤنڈ ہے اسکا۔۔؟'' اس کی نظریں ابھی بھی اپنے سیل فون پر جمی ہوئی تھیں۔

''آئی ڈونٹ نو، میں نے کبھی نہیں پوچھا۔۔'' اس کی بات پر شہرزاد بے ساختہ مسکرائی تو رومیصہ کو عجیب سا احساس ہوا۔

''اس میں مسکرانے والی کیا بات ہے شیری۔۔؟'' اسکے لہجے میں موجود ناگواری بھانپ کر شہرزاد تھوڑا سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''آئی ایم سوری، یونہی میرے ذہن میں ممی کا خیال آ گیا تھا اگر تم یہ جواب ان کے سامنے دیتیں تو وہ کم از کم تمہارا سر تو ضرور پھاڑ دیتیں۔''اس کے ہلکے پھلکے انداز پر رومیصہ کا موڈ کچھ بہتر ہوا۔ورنہ اسے لگا تھا جیسے وہ اسکا مذاق اڑا رہی ہو۔

''ممی کو چھوڑو، تم اس موقعے پر کیا کہو گی۔۔۔؟''اسکے طنزیہ لہجے کو شہرزاد نے دانستہ نظر انداز کیا۔

''کچھ بھی نہیں، کیونکہ میرے نزدیک فیملی بیک گراؤنڈ اور اسٹیٹس وغیرہ کی کوئی اہمیت نہیں، میں سامنے کھڑے شخص کو امپورٹینس دیتی ہوں کہ وہ انسان کیسا ہے اور سب سے بڑی بات کہ اسکا میرے ساتھ تعلق کیسا ہے۔۔۔''اسکی بات پر رومیصہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''وہ ایم ایس کر رہا ہے اور جہاں تک اس کا لائف اسٹائل ہے تو اس سے تو یہی لگتا ہے کہ اسکا تعلق ایک ویل سیٹلڈ فیملی سے ہے۔''

''تمہیں یہ ساری باتیں ڈیٹیل سے پوچھ لینی چاہیے اس سے۔۔''شہرزاد نے مشورہ دیا۔

''میں یہ ضروری نہیں سمجھتی۔۔''اس نے بے نیازی سے کندھے اچکا کر کہا۔

''لیکن ضروری نہیں، ممی بھی ایسا ہی سمجھیں، اس لیے بہتر ہو گا تم یہ ساری باتیں اور چیزیں ارسل کے ساتھ کلیئر کر لو اور ہو سکے تو اسے کہو، وہ جلد از جلد اپنے پیرنٹس کو بھجوائے ممی کے پاس۔۔۔''

''اس کے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو چکی ہے اور وہ اپنی ایک بہن کے ساتھ اپنی ننھیال میں رہتا ہے۔''رومیصہ کی بات پر وہ ہلکا سا چونکی، اسے یہ سوچ کر تسلی ہوئی وہ اس کے بارے میں اتنی بھی بے خبر نہیں جتنا خود کو ظاہر کر رہی تھی۔

''وہ جس کے ساتھ بھی رہتا ہو، تم اسے کہو، وہ اپنے گھر کے کسی بھی بڑے کو بھیجے، تا کہ اس معاملے کو نبٹایا جا سکے۔''شہرزاد نے سنجیدگی سے کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے، ممی مان جائیں گی۔۔۔؟''رومیصہ نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔۔

''آئی ڈونٹ نو، ممی کا چیزوں کو دیکھنے کا اپنا ہی ایک اسٹائل ہے، اس لیے ان کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔''اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''اور تم کیا کہتی ہو۔۔؟''

''میں ہر صورت میں تمہیں ہی اسپورٹ کروں گی۔۔۔''شہرزاد کے محبت بھرے انداز پر اس بار وہ کھل کر مسکرائی، اور اس کے دل میں اطمینان اور سرشاری کی لہریں اٹھنے لگیں، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ شیری کو ممی کو کنوینس کرنا آتا ہے، اور یقیناً اب اس کا اور ارسل کا معاملہ حل ہو جائے گا۔

☆......☆......☆

مسز قریشی پچھلے دو دن سے چیمبر نہیں آ رہی تھیں۔۔

شہزاد اس دن اپنے آفس میں صندل کیس میں خاصی بزی تھی اور آج تو اسکی کورٹ میں بھی ایک ہیرنگ تھی، جیسے ہی وہ عدالت سے واپس آئی تو اپنے آفس میں آ کر پھر بزی ہو گئی اسے پتا ہی نہیں چلا کب ارتضی حیدر خاموشی سے اسکے کمرے میں آیا اور اسکے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

وہ بال پوائنٹ سے تیزی کے ساتھ کسی فائل پر کچھ نوٹس لکھنے میں بزی تھی، اور اسکے ماتھے کی لٹ اسے بار بار ڈسٹرب کر رہی تھی، وہ کام کرتے کرتے بے دھیانی میں اس لٹ کو کانوں کے پیچھے اڑیس لیتی اور پھر مصروف ہو جاتی، ارتضی یہ منظر بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور اسی وقت شہزاد کو خود پر کسی کی گرم نظروں کا احساس ہوا۔

''ارے ارتضی، آپ کب آئے۔۔۔؟'' اس نے خوشگوار حیرت سے اسکی طرف دیکھا۔

''آپکی دنیا میں تو بہت پہلے آ چکا ہوں، لیکن کمرے میں ابھی ابھی آیا ہوں۔۔'' اسکے معنی خیز جملے پر وہ ہلکا سا چونکی اور اگلے ہی لمحے اس نے دانستہ اسے نظر انداز کر کے پوچھا۔ ''کندھے کا زخم کیسا ہے۔۔؟''

''کندھے کا زخم تو بہتر ہے لیکن دوسرا گھاؤ خاصا گہرا ہے۔۔'' وہ ہنوز سابقہ لہجے میں بولا تو شہزاد کو الجھن کا احساس ہوا۔

''کس گھاؤ کی بات کر رہے ہیں آپ۔۔۔؟''

''ارے چھوڑیں آپ، یہ بتائیں میجر حمزہ کا کیا حال ہے۔۔؟'' اسکی اگلی بات سے شہزاد کو فوراً ہی اندازہ ہوا کہ وہ کس گھاؤ کی بات کر رہا ہے۔

''ٹھیک ہونگے۔ میرا دو دن سے کوئی رابطہ نہیں۔۔'' اس نے کمال بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔

''بائی داوے آپ کیسے جانتی ہیں انہیں۔۔؟'' ارتضی کا لہجہ اتنا سرسری بھی نہیں تھا، جتنا وہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یہ بات پوچھنے کے لیے آپ ہوسپٹل سے سیدھے میرے چیمبر میں آئے ہیں۔؟۔'' اس کے طنز پر ارتضی قہقہ لگا کر ہنسا۔

''ہوسپٹل سے تو میں رات ہی گھر شفٹ ہو گیا تھا، سوچا کہ کام پر جانے سے پہلے آپکے دربار میں حاضری دے آؤں۔'' اسکی بھی غیر سنجیدگی عروج پر تھی۔

''فی الحال تو آپ میرے ساتھ مسز قریشی کے ہاں حاضری دینے چلیں، ایک دو چیزوں پر ضروری ڈسکشن کرنا ہے۔'' وہ بڑی ذہانت کے ساتھ حمزہ والے سوال کا جواب گول کر گئی ۔

''سنا ہے مسز قریشی کا فشار خون خاصا بلند چل رہا ہے آجکل، خدانخواستہ کوئی ٹینشن تو نہیں کسی کیس کے سلسلے میں۔۔؟''

''آپکو کس نے بتایا ان کی طبعیت کی خرابی کا۔۔۔؟'' شہزاد چونک گئی۔

''کل ہوسپٹل میں عبداللہ صاحب سے ملاقات ہوئی تھی، وہ انہی کا چیک اپ کروانے آئے ہوئے تھےلیکن میں اتفاق سے نہیں مل سکا مسز قریشی سے، وہ ڈاکٹر کے پاس تھیں۔۔۔''ارتضی کی بات پر وہ ان کے لیے فکر مند ہوئی۔اس نے میز پر رکھی فائلز اٹھائیں اور کھڑی ہوگئی، ارتضی نے بھی اسکی پیروی کی۔

''میں بھی حیران تھی وہ تو کبھی چیمبر سے چھٹی نہیں کرتیں۔چاہے ایک گھنٹے کے لیے ہی سہی لیکن آتی ضرور ہیں۔۔''

''یہ فائلز مجھے دے دیں، میں اٹھالیتا ہوں۔۔''

''کم آن ارتضی، آپ کے کندھے پر ابھی بھی بینڈ یج ہے اور آپکو کسی قسم کا بوجھ نہیں اٹھانا چاہیے۔''

''لیکن آپکا بوجھ میں ہر کنڈیشن میں اٹھا سکتا ہوں۔۔''اسکے معنی خیز انداز پر وہ الجھی اور مزید بحث کرنے کی بجائے فائلز انہیں پکڑا دیں۔دونوں آفس سے باہر نکل آئے، ایک دو عام سی باتوں کے بعد ارتضی نے ایک دفعہ پھر اسے یاد دلایا۔

''آپ نے بتایا نہیں میجر حمزہ کو کیسے جانتی ہیں آپ۔۔''ارتضی کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''مجھ سے ایک سال سنیئر تھے وہ کونوینٹ میں۔اچھے دوستوں میں شمار ہوتا ہے ان کا۔''شہرزاد کی بات پر ارتضی کا چہرہ ہلکا سا بجھ گیا، وہ دونوں جیسے ہی پارکنگ میں پہنچے، شہرزاد کا سیکورٹی گارڈ رضا بڑی سرعت سے اسکی جانب آیا۔

''رضا آپ گھر جائیں، میں مسز قریشی کی طرف سے ہو کر آتی ہوں، ارتضی مجھے ڈراپ کر دیں گے۔۔''

''سوری میم، میجر حمزہ کے بہت سختی سے آرڈرز ہیں کہ آپکے ساتھ رہوں۔۔''رضا نے ہلکا سا جھجک کر کہا تو ارتضی حیدر کی تیوری کا بل گہرا ہوا۔

''حمزہ صاحب کو بتا دیجئے گا، شیری میرے ساتھ ہیں، اور میری موجودگی میں کسی سیکورٹی گارڈ کی ضرورت نہیں ہوتی ان کو۔۔۔''ارتضی کا لہجہ ہلکی سی ناگواری میں ڈوبا ہوا تھا لیکن رضا کی بھی ڈیوٹی کا معاملہ تھا اس نے پریشانی سے شہرزاد کی طرف دیکھا۔

''ڈونٹ ووری میں ان سے بات کر لوں گی، آپ گھر جائیں۔۔''شہرزاد کی بات پر رضا زبردستی مسکرایا اور پارکنگ کی دوسری سائیڈ پر کھڑی اسکی گاڑی کی طرف بڑھ گیا، جبکہ ارتضی کے اعصاب تن چکے تھے۔

☆......☆......☆

محمد ہادی مری سے گاڑی اڑاتا ہوا اسلام آباد پہنچا۔۔۔

اس ویک اینڈ پر درشہوار کی وجہ سے اسکا گھر آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن جیسے ہی اسے مسز قریشی کی خرابی طبعیت کا علم ہوا تو اس سے رہا نہیں گیا وہ دل ہی دل میں اس منحوس لڑکی سے سامنا نہ ہونے کی دعائیں کرتا ہوا گھر آ رہا تھا لیکن شاید آجکل اسکی دعاؤں کی قبولیت کا در بند تھا۔

جیسے ہی اسکی گاڑی قریشی ہاؤس میں داخل ہوئی اس کی نظر داخلی دروازے کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی درشہوار پر پڑی، اسکے حلق میں کڑواہٹ گھلنے لگی۔ اسکا ایک دفعہ تو دل چاہا وہ گاڑی کو واپس موڑ کر مری لے جائے لیکن ایسا ہونا اب ممکن نہیں تھا۔

دوسری طرف درشہوار کو یہاں آئے ہوئے چار دن ہو چکے تھے اور ان چار دنوں میں وہ کوئی سینکڑوں بار سعد کو دل ہی دل میں کوس چکی تھی جس نے اچھی خاصی جیتی ہوئی بازی اسکے ہاتھ سے نکال دی تھی۔ وہ اگر اس دن وہاں نہ آتا تو یقیناً اسکا اور ہادی کا نکاح ہو جاتا۔

درشہوار کو یہاں آ کر احساس ہوا، ہادی کے والدین کی زندگی خاصی مصروف تھی، وہ صبح نو بجے کے نکلے ہوئے مغرب کے بعد ہی واپس لوٹتے تھے اور کھانا کھانے کے بعد واک پر نکل جاتے، ان کا زندگی گذارنے کا ایک لگا بندھا سا شیڈول تھا، جس سے درشہوار تین ہی دنوں میں اکتا گئی تھی، دوسری طرف مسز قریشی بھی اسے کوئی خاص لفٹ نہیں کروا رہی تھیں شاید انہیں بھی درشہوار کی باتوں پر شک ہو چکا تھا۔

گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر درشہوار نے جیسے ہی سر اٹھایا، ہادی کو سامنے دیکھ کر کوفت اور بیزاری کا سارا احساس، بھاپ کی مانند فضاؤں میں تحلیل ہو گیا، اسکے دل کی دھڑکنوں نے اس دشمن جان کو دیکھ کر ایک الگ ہی راگ الاپنا شروع کر دیا تھا، وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی، اسکی پرشوق نظریں بلیک جینز پر وائٹ ٹی شرٹ پہنے ہوئے ہادی پر جمی ہوئی تھیں جس کے چہرے پر بیزاری دور ہی سے دیکھائی دے رہی تھی۔۔

وہ سیل فون پر کوئی ٹیکسٹ کرتا ہوا اسے نظر انداز کر کے جیسے ہی سیڑھیوں پر پہنچا۔ درشہوار نے بے ساختہ اسکا بازو پکڑا، اسکی اس حرکت پر ہادی کے اندر طیش کی ایک لہر بیدار ہوئی اور اس نے بلا ارادہ گھما کر ایک زوردار تھپڑ اسکے منہ پر دے مارا۔ وہ ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس سے ہو گیا۔ درشہوار کا پورا بدن ایسے لرزا جیسے آندھی کی زد میں آیا ہوا کوئی خشک گھاس کا تنکا لرزتا ہے۔

''دوبارہ میرے راستے میں آنے کی کوشش کی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔'' اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

ہادی کے جبڑے سختی سے بھنچے ہوئے تھے جبکہ درشہوار ہونٹ کچلتے ہوئے آنکھوں پر تنی دھند کی چادر کو ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی، اسکا چہرہ ضبط کی کوشش میں لال ہو چکا تھا۔ وہ سخت بے یقینی سے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ رہی تھی جسکی آنکھوں میں اس کے لیے سوائے نفرت اور بیزاری کے کچھ نہیں تھا۔

ہادی غصّے سے تیز تیز چلتا ہوا اندر کی طرف جا چکا تھا اور درشہوار یوں ساکت کھڑی تھی جیسے اس کے تن سے روح نکل گئی ہو۔

مسز قریشی اسے دیکھ کر ایکدم خوش ہو گئیں ان سے پندرہ منٹ کی گفتگو سے ہی ہادی کو اندازہ ہو گیا وہ درشہوار کی وجہ سے سخت ٹینشن میں تھیں کیونکہ وہ ان سب کے لیے ایسا نوالہ بن چکی تھی جسے وہ نہ تو نگل سکتے تھے اور نہ ہی اگل۔ اسی وجہ سے مسز عالیہ قریشی کا بلڈ پریشر نارمل ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں اس سے بڑے بڑے کیس ہینڈل کر چکی تھیں لیکن اس لڑکی نے تو چار دن میں انکا دماغ گھما دیا تھا۔

''ممی۔۔۔ میں آپ سے کہہ رہا ہوں، اسکے باپ سے بات کر کے اسے یہاں سے بجھوائیں۔'' ہادی کا ضبط جواب دے چکا تھا۔

''تم اس لڑکی کو نہیں جانتے ہو بیٹا، یہ ہماری پشتوں کی عزت کو خاک میں ملا دے گی۔۔۔''مسز قریشی کو اسکے باغیانہ مزاج کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ اپنی ضد اور خواہش کی خاطر کسی بھی حد تک جا سکتی تھی۔

''تو کیا اس بات کی وجہ سے ساری زندگی اسکے ہاتھوں بلیک میل ہوتے رہیں گے ہم۔۔؟''وہ سلگ کر گویا ہوا۔

''ایسا نہیں ہے میں نے ایک ترپ کا پتا پھینکا تو ہے اور یقیناً اسکا خاندان مجھ سے یا شہرزاد سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گا تب میں اس معاملے کو بھی ٹھکانے لگانے کی کوشش کروں گی۔۔۔''مسز قریشی کا اشارہ صندل کیس کی طرف تھا۔

''کچھ بھی ہو ممی، آپ صندل کی لاش پر کوئی مذاکرات نہیں کریں گی۔ میں آپکو یہ زیادتی کرنے نہیں دوں گا۔۔''ہادی ان کی بات سمجھ چکا تھا۔

اس سے پہلے مسز قریشی اسکی بات پر اپنی رائے کا اظہار کرتیں، ملازمہ نے اندر آ کر میجر حمزہ کے آنے کی اطلاع دی، جسے سنتے ہی ہادی کے چہرے کے تاثرات میں تغیر رونما ہوا۔ وہ اسکا بیسٹ فرینڈ تھا۔ دونوں کی فیس ٹو فیس ملاقات کافی ماہ بعد ہو رہی تھی، ویسے تو فون اور واٹس ایپ پر ہمیشہ رابطہ رہتا۔ حمزہ کا نام سنتے ہی وہ بے چینی سے کھڑا ہوا۔ اسکا موڈ بہتر ہو چکا تھا۔

''ممی، آپ ریسٹ کریں میں اس ڈفر سے مل کر آتا ہوں۔۔''وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

ہادی بے تاب انداز میں کمرے سے باہر نکلا، جیسے ہی وہ کوریڈور سے نکل کر سیٹنگ روم میں آیا، سامنے درشہوار ایک موی مجسمے کی مانند صوفے پر براجمان تھی، اور اسکا پورا وجود صدمے کی سی کیفیت میں تھا، وہ اسے نظرانداز کر کے لان کی طرف بڑھا جہاں حمزہ بے چینی سے بیٹھا ہوا اسکا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی طرف دیکھتے ہی وہ شرارتی انداز میں دونوں بازو پھیلا کر کھڑا ہوا۔

''بائے گاڈ، دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک بے وفا، بے مروت اور کمینہ بندہ دیکھا، میں نے لیکن آفرین ہے تجھ پر میرے یار، سب تمہارے پیروں کی دھول نکلے، تو اپنے نام کا بس ایک ہی مینٹل پیس ہے۔۔۔''ہادی نے لان میں پہنچتے ہی حمزہ کو گرم جوشی سے گلے لگایا۔ اس سے کافی عرصے بعد ملنے کی خوشی اس کے پورے وجود سے نمایاں ہو رہی تھی۔

''خبیث انسان تم نے جو وفا اور خلوص کی مثالیں قائم کر رکھی ہیں اس پر تو کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ باتیں کروا لو تم سے جتنی مرضی بڑی بڑی۔۔''حمزہ بھی کون سا کسی سے کم تھا۔ اس نے بے تکلفی سے ایک مکہ اسکے کندھے پر رسید کیا۔

''صرف باتیں ہی نہیں، کام بھی بہت بڑے بڑے کیے ہیں۔ بیرسٹر شیری کو پتا چل جائے تو سر پھاڑ دے گی وہ میرا۔ ساری دنیا میں ایک میں ہی تو جانتا تھا

''ہم زاد'' کے برقعے میں حمزہ خالد ہے۔۔۔''ہادی کی بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا، اس لڑکی کا ذکر ہمیشہ حمزہ کا موڈ خوشگوار کر دیتا تھا۔

''بے فکر رہو، اس کے ساتھ مذاکرات کامیاب ہو چکے ہیں میرے۔۔۔''حمزہ نے ہنس کر اسے خوشگوار حیرت میں مبتلا کیا۔

''کاش تم سے پہلے میرے مذاکرات کامیاب ہو جاتے، تو اس وقت میں تم پر قہقہے لگا رہا ہوتا۔'' ہادی کے شرارتی انداز پر حمزہ ایک بار پھر دل کھول کر ہنسا۔ دونوں کی دوستی بے مثالی تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کی زندگی کے ہر گوشے سے واقف تھے۔ سوائے ایک راز کے جو ہادی نے اپنے دل کے گہرے کنویں میں پھینک کر اپنے ہونٹوں پر ہمیشہ کے لیے مہر لگالی تھی، وہ کسی کی دوستی کا مان ختم کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''ہمیشہ اسی چیز پر غلط نگاہ رکھنا جو مجھے پسند ہو۔ زندگی میں میری نقل مارنے کے علاوہ تم نے کیا ہی کیا ہے۔'' حمزہ اب مسکراتے ہوئے اسکی کلاس لے رہا تھا۔

''کاش میں تمہیں بتا سکتا کہ میں نے کیا کیا ہے۔۔'' ہادی چاہتے ہوئے بھی یہ جملہ اس سے نہیں کہہ سکا۔

''چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ، کیا حال ہے تمہارے رقیب روسیاہ ارتضی حیدر کا۔۔'' ہادی نے دانستہ موضوع گفتگو بدلا۔

''وہ خبیث کسی دن واقعی میرے ہاتھوں شہید ہو جائے گا۔۔'' اس نے قہقہہ لگا کر اسے اطلاع دی۔

''مبارک ہو، اللہ نے اسے شہادت کا درجہ دینے کے لیے بجھوا دیا ہے ہمارے گھر۔ بس بسم اللہ کرو۔'' ہادی کی نگاہیں گیٹ سے اندر داخل ہوتی ہوئی ارتضی کی گاڑی پر تھیں اور اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر موجود شہرزاد کو دیکھ کر حمزہ کے چہرے سے مسکراہٹ ایک پل میں غائب ہوئی۔ وہ اسکی محبت کے معاملے میں بہت شدت پسند تھا، اسکا بس چلتا تو وہ اسکے سائے کو بھی اس سے الگ کر دیتا۔

ہادی نے مسکرا کر شہرزاد کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ وہ بڑی دلچسپی سے ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ رہی تھی۔ ارتضی کے ہاتھ میں اسکی فائلز کا ڈھیر تھا، جو ہادی نے ملازم کو پکڑنے کا اشارہ کیا۔ وہ ارتضی کی کسی بات کے جواب میں مسکراتے ہوئے حمزہ کے دل پر چھریاں چلا گئی۔

''کیسے ہیں ہادی آپ۔۔؟ کیا ہوا مسز قریشی کو۔۔؟'' وہ حمزہ کو دانستہ نظر انداز کر کے ہادی سے مخاطب ہوئی، جبکہ ارتضی ان دونوں سے ہاتھ ملا رہا تھا اور حمزہ نے اسکے ساتھ انتہائی بے دلی سے مصافحہ کیا تھا۔

''کولیسٹرول بڑھا ہوا ہے ان کا اور بی پی بھی کچھ پرابلم کری ایٹ کر رہا ہے۔'' ہادی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کہاں ہیں وہ۔۔؟ ملنا تھا مجھے ان سے۔۔'' وہ حمزہ کو جان بوجھ کر نظر انداز کر کے ہادی سے مخاطب ہوئی۔

اس کے اس انداز پر حمزہ کوفت کا شکار ہوا اور اس نے شکایتی نظروں سے شہرزاد کی طرف دیکھا، جو ایسے انجان بن کر کھڑی تھی جیسے اسے جانتی ہی نہ ہو اور دل ہی دل میں شہرزاد کو بھی حمزہ کی حالت کا بخوبی اندازہ تھا، لیکن وہ دنیا کے کسی بھی شخص کو اپنے اور اسکے حوالے سے مشکوک کرنا نہیں چاہتی تھی، اس کے لیے سب سے اہم چیز اسکی ریپوٹیشن تھی۔ جس پر وہ مر کر بھی کمپرومائز نہیں کر سکتی تھی۔

''آئی تھنک شیری، آپ مسز قریشی سے مل آئیں میں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھتا ہوں۔۔'' ارتضی کا اشارہ حمزہ اور ہادی کی طرف تھا اور اسکی اس بات پر حمزہ کے چہرے کے زاویے بگڑے، اور ہادی نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کا گلا بمشکل گھونٹا۔

''آپ بیٹھیں، میں شیری کو چھوڑ کر آتا ہوں ممی کے روم میں۔۔۔'' ہادی، اسے اپنے ساتھ لیے اندر کی طرف بڑھا۔
فرسٹ فلور پر اپنے بیڈروم کی کھڑکی کے پاس کھڑی درشہوار نے یہ منظر بڑی اذیت سے دیکھا، ہادی اور شہزاد دونوں اس سے کافی فاصلے پر تھے، ہادی کے چہرے پر پھیلی ہوئی چمک نے اتنی دور کھڑی درشہوار کے اندر تاریکی اور مایوسی کا ایک جہاں بھر دیا۔ ایک تو ہادی کے نفرت سے بھرپور طمانچے نے اسکا دماغ خراب کر رکھا تھا اور رہی سہی کسر اس منظر نے پوری کر دی۔ درشہوار کو اپنا دماغ ابلتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے غصّے سے اسٹیل کا گلدان اٹھایا اور ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر مار کر اپنے اندر کے غصّے کو کم کرنے کی کوشش کی۔ پورے گھر میں ٹھاہ کر کے شیشہ ٹوٹنے کی آواز گونجی۔
اس کے اندر کا ابال پھر بھی کم نہ ہوا، اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی خالی رہ جانے کا احساس اسکے اندر کی ضدی لڑکی کو جگا چکا تھا۔ وہ جذباتیت کی انتہاء پر تھی اور اس نے انتہائی غصّے سے ڈریسنگ کا ایک ٹوٹا ہوا نوکیلا شیشہ اٹھایا، فیصلہ کن انداز میں اسے دیکھا اور انتہائی جنونی کیفیت میں اپنے بائیں بازو کی رگ پر پھیر دیا، درشہوار کے حلق سے نکلنے والی بلند و بالا چیخ نے قریشی ہاؤس کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دیا۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

قریشی ہاؤس میں تو گویا ایمر جنسی نافذ ہوگئی۔۔۔!!!

درشہوار کی اس بچگانہ حرکت نے ایک لمحے کو ہادی کو بھی ہلا کر رکھ دیا۔۔۔!!!

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا یہ لڑکی جذباتی ہونے کے ساتھ ساتھ اتنی بے وقوف بھی ہو سکتی ہے کہ خود کو ہی نقصان پہنچالے، لیکن اس نے اس موقعے پر اپنے حواس برقرار رکھے، درشہوار کی چیخ کی آواز تو شہزاد نے بھی سنی تھی اور پریشانی سے ہادی کی طرف دیکھا جو اسے مسز قریشی کے روم کی طرف لے جا رہا تھا۔ وہ دونوں ٹھٹک کر رکے اور ہادی نے چیخ کی آواز سے فوری طور پر اندازہ لگا لیا کہ یہ اوپر کے پورشن سے آئی ہے۔

''میرا خیال ہے کسی ملازمہ کو چوٹ لگی ہے، آپ سامنے ممی کے روم میں چلی جائیں، میں دیکھ کر آتا ہوں۔''

شہزاد اد جیسے ہی ان کے کمرے کی طرف بڑھی، ہادی بڑی بجلی کی سی تیزی کے ساتھ سیٹنگ روم میں موجود سیڑھیوں کی جانب بڑھا، جہاں فرسٹ فلور پر درشہوار نے مناہل کے کمرے میں ڈیرے ڈال رکھے تھے۔

جیسے ہی وہ درشہوار کے کمرے میں پہنچا، فرش سے بہتی ہوئی خون کی لکیر کو دیکھ کر اسے دھچکا پہنچا، وہ تکلیف کے گہرے احساس سے دہری ہوئی جا رہی تھی۔ ہادی کو فوراً ہی اسکی بے وقوفی کا ادراک ہوا، فرش پر شیشے کی بکھری ہوئی کرچیاں اسے ساری ان کہی داستان سنا چکی تھیں۔

''پاگل ہوگئی ہو کیا۔؟ دماغ کام نہیں کرتا تمہارا۔؟ اگر مرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو اپنے گھر جاؤ، ہمیں کیوں عذاب میں ڈال رکھا ہے تم نے۔''

اس نے غصّے سے بیڈ پر رکھا ہوا اسکا دوپٹہ اٹھا کر بیدردی سے پھاڑا اور غصّے سے اسکی کلائی پر باندھ کر خون روکنے کی کوشش کی۔ وہ بہت قریب سے ہادی کے چہرے کے بگڑے ہوئے نقوش دیکھ رہی تھی۔

''بہت ٹارزن بنی ہوئیں تھیں ناں، اب برداشت کرو۔۔'' وہ پٹی کرتے ہوئے مسلسل غصّے سے بول رہا تھا۔

درشہوار کا ایک آنسو ہونٹوں سے پھسل کر ٹھوڑی تک آیا اور ہادی کے ہاتھ پر جا گرا۔ ہادی نے ہاتھ کو یوں جھٹکا دیا جیسے خدانخواستہ وہ آنسو کوئی جلتا ہوا انگارہ ہو اس کا رنگ چند ہی لمحوں میں نچڑ گیا، وہ اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا کر تکلیف کو برداشت کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

''مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔۔۔'' اس نے آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ اٹھایا اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''دل تو چاہتا ہے اٹھا کر میر ہاؤس میں پھینک آؤں تاکہ ہمارے سروں سے تو یہ عذاب ٹلے۔۔'' اسکی بات سن کر وہ اب ہچکیوں

سے رو رہی تھی۔

"پتا نہیں کس گناہ کی سزا ملی ہے۔؟" وہ بڑبڑاتے ہوئے حمزہ کا نمبر ملانے لگا، اسکی آواز میں ایسی تلخی رچی ہوئی تھی جسے محسوس کر کے درشہوار کے آنسوؤں میں اور زیادہ تیزی آ گئی، وہ جذباتی ہو کر یہ قدم اٹھا تو بیٹھی تھی لیکن اب اس سے ضبط کرنا محال ہو رہا تھا۔

محمد ہادی نے مختصرا الفاظ میں میجر حمزہ کو فون پر سارا قصّہ سنایا، جو ان کے لان میں موجود تھے۔ ان لمحات میں وہ حمزہ کے علاوہ کسی اور پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے بات کرنے کے بعد اس نے مسز قریشی کو بھی کال کر دی، جو اس وقت اپنے بیڈ روم میں شہزاد کے ساتھ موجود تھیں۔

"مام پلیز آپ ارتضی کو بھی بلوا لیں اپنے روم میں، مجھے حمزہ کے ساتھ جانا ہوگا۔" اس نے انہیں محتاط انداز میں بتا کر فون بند کیا، ارتضی اس وقت حمزہ کے ساتھ ان کے گھر کے لان میں موجود تھا اور دونوں کے درمیان سرد مہری کی فضا قائم ہو چکی تھی۔

حمزہ اور ہادی دونوں درشہوار کو لے کر ایک پرائیوٹ ہوسپٹل میں پہنچے، جو حمزہ کے بہت اچھے دوست کا تھا۔

رات گئے تک درشہوار کی ایک چھوٹی سی سرجری ہوئی جس میں اسکی کٹی ہوئی رگ کو ڈاکٹر نے مہارت سے جوڑ دیا تھا، جبکہ وہ دونوں ویٹنگ روم میں تھے حمزہ کافی ریلکس اور ہادی کے چہرے پر پریشانی کا تاثر نمایاں تھا۔

"تم اس لڑکی کو پہلی فرصت میں کسی سائیکاٹرسٹ دیکھاؤ، مجھے یہ نارمل نہیں لگتی۔۔۔" حمزہ نے سارا قصّہ سننے کے بعد اسے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"پورا خاندان ہی پاگلوں سے بھرا ہوا ہے، کس کس کو دیکھاؤں۔۔؟" وہ تپ کر بولا۔

"کچھ بھی کہو ہادی، لڑکی جی دار ہے، محبت کرتی ہے تم سے۔۔۔" اس نے معاملے کی سنگینی کو محسوس کر کے اسے تھوڑا ریلکس کرنے کی کوشش کی۔

"بھاڑ میں جائے اسکی محبت، مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے اس میں اور نہ اس کے خاندان میں۔۔۔" وہ بیزاری سے گویا ہوا۔

"تو پھر کس میں انٹرسٹ ہے میرے یار کو۔۔" حمزہ نے اسے چھیڑا۔

"کسی میں بھی نہیں، میں یہ محبت وحبت کے چکروں میں پڑنے والا نہیں ہوں، لیکن یہ تو عذاب بن کر نازل ہو گئی ہے ہم سب کے سروں پر۔ ممی، پاپا سب کو اپ سیٹ کر رکھا ہے اس نے۔۔" وہ پریشان لہجے میں بول رہا تھا۔

"میری مانو جان چھڑاؤ اس لڑکی سے، تم جانتے نہیں ہو اس کے باپ دادا کو، یہ لوگ اقتدار اور پیسے کے لیے آخری حد تک جا سکتے ہیں۔" حمزہ نے خلوص دل سے اسے مشورہ دیا۔

"مجھ سے زیادہ ان کے خاندان کی گندی سیاست کو کون جان سکتا ہے، لیکن سمجھ نہیں آتی اس مصیبت سے کیسے جان چھڑائیں۔"

وہ تپ کر بولا۔

"بے فکر رہو، شہزاد ان کے خاندان کے پیچھے ہے اور ان کو ان کے انجام تک پہنچا کر ہی دم لے گی۔۔" حمزہ نے جیسے شہزاد کا نام لیا اسکی کال آ گئی۔

"محبتیں چیک کرو ہماری، ادھر نام لیا اور ادھر محترمہ کی کال آ گئی۔۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنے سیل فون کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ابھی ابھی مسز قریشی کے گھر سے آئی تھی اور نہ جانے کیوں اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی، وہاں ان کے گھر میں کوئی غیر معمولی واقعہ ہوا ہے، جس طرح مسز قریشی کچھ پریشان سی دیکھائی دے رہی تھیں اور سونے پہ سہاگہ ارتضیٰ نے بتایا کہ حمزہ اور ہادی بھی اچانک غائب ہو گئے تھے۔

اس نے گھر واپس پہنچتے ہی سب سے پہلے حمزہ کا نمبر ملایا تا کہ اس سے خیر خیریت پوچھ سکے۔ دوسری طرف وہ، ہادی کے گھر میں خود کو نظر انداز کیے جانے پر جلا بیٹھا تھا۔

"جی فرمایئے محترمہ، یاداشت بحال ہو گئی آپ کی۔۔؟" حمزہ نے کال اٹینڈ کرتے ہی طنزیہ انداز میں کہا۔

"آئی ایم سوری، ارتضیٰ اور ہادی کی وجہ سے میں نے مخاطب نہیں کیا تھا آپکو۔۔" دوسری طرف وہ شرمندگی سے گویا ہوئی۔

"کیوں ان دونوں نے مجھ سے بات کرنے پر کوئی جرمانہ کر دینا تھا آپکو۔۔" اس کے طنز پر وہ مزید خفت کا شکار ہوئی۔

"ناٹ ایٹ آل، ایکچوئلی تھوڑا عجیب لگتا ہے مجھے دوسروں کے سامنے۔۔" شہزاد کو سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ اپنی بات کا اظہار کیسے کرے۔

"یقین مانیں شہزاد، جب آپ جیسی ویل ایجوکیٹڈ، اور کونفیڈنٹ لڑکی ایسی امیچورڈ باتیں کرتی ہے تو مجھ جیسے انسان کو بہت غصّہ آتا ہے۔" حمزہ آج اسے معاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"اور جب آپ جیسا کیئرنگ اور سینس ایبل شخص کسی کی ریپوٹیشن والے معاملے کو اتنا ایزی لینے لگے تو مجھ جیسے انسان کو بھی بہت غصہ آتا ہے۔" وہ بھی کون سا کسی سے کم تھی، اس نے بھی دوبدو جواب دیا۔

"شہزاد کم از کم تم میرے معاملے میں ایسی کوئی بات نہیں کر سکتی ہو۔ میں نے ہمیشہ اپنے سے زیادہ تمہاری عزت کا خیال کیا ہے، ورنہ جتنی شدت سے میں نے تمہیں چاہا ہے، ایسی کیفیت میں تو انسان ویسے ہی اپنے حواسوں میں نہیں رہتا۔۔"

حمزہ کی ضرورت سے زیادہ سنجیدگی پر اسکے سامنے بیٹھے ہادی نے بغور اسے دیکھا، حمزہ کے چہرے کی برہمی اس سے چھپی نہیں رہ سکی۔ ویسے بھی دونوں کی ہر چیز ایک دوسرے کے لیے اوپن تھی۔ اس لیے وہ، اسکی موجودگی میں بھی کھل کر فون پر بات کر رہا تھا۔

"میں نے یونہی ایک بات کی ہے حمزہ، آپ کیوں اتنا سیریس ہو رہے ہیں۔۔؟" وہ پریشان ہوئی۔

''اوکے لیو اٹ، بولو، خیریت سے کال کی تھی تم نے۔۔۔؟ حمزہ نے دانستہ ہلکا پھلکا انداز اپنایا، اسکا مقصد اسے اپ سیٹ کرنا نہیں تھا۔

''ہاں تھوڑی پریشانی ہو رہی تھی مجھے، کیا مسز قریشی کے ہاں کوئی پرابلم ہوا ہے۔۔؟ اس نے محتاط انداز میں پوچھا۔

''تمہیں کس نے کہا۔۔؟ حمزہ چونکا۔

''بس ایسے ہی محسوس ہوا تھا مجھے، اور مسز قریشی بھی اپ سیٹ لگ رہی تھیں۔۔۔'' شہزاد نے کھل کر بتایا۔

''ہاں ایک ایشو چل تو رہا ہے، کل تمہارے آفس کا چکر لگاؤں گا تو وہاں بیٹھ کر بات کرتے ہیں، ابھی تھوڑا ہادی کے ساتھ بزی ہوں اس وقت۔''

حمزہ نے جان بوجھ کر ہادی کا نام لیا تا کہ فون کے دوسری طرف وہ سمجھ جائے اور شہزاد نے بھی سیکنڈوں میں معاملہ بھانپ لیا اس لیے اصرار نہیں کیا اور سلام دعا کے بعد کے بعد کال کاٹ دی۔۔

☆......☆......☆

نور محل میں آجکل ناامیدی اور مایوسی کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔

میر حاکم کی صدارت میں ہونے والے اس گھریلو اجلاس میں سب کے چہروں پر تشویش اور پریشانی کے رنگ صاف پڑھے جا رہے تھے۔

حاکم علی کی صندل اور وہاج کے سلسلے میں ہونے والی کانفرنس زیادہ کامیاب نہیں ہوئی، ان کے مخالفین نے ان پر کھل کر تنقید کی، جسے بظاہر تو انہوں نے بڑے تحمل سے سنا لیکن ان کے اندر ابال اٹھ رہے تھے۔ اس کانفرنس کے بعد وہ سیدھے اپنے اسلام آباد والے گھر میں آ گئے جہاں میر ہاؤس کے سب بڑوں نے ڈیرہ جما رکھا تھا، کئی کئی گھنٹے وہاں بحث چلتی اور صندل کیس نے ان سب کو حقیقت میں بوکھلا رکھا تھا۔

''مجھے تو ملتان والی سیٹ صاف نکلتی نظر آ رہی ہے اپنے ہاتھوں سے۔۔'' میر حاکم کو وہاج کی گمشدگی سے زیادہ الیکشن کی فکر تھی۔

''حالات بھی تو سازگار نظر نہیں آ رہے۔۔'' خاقان کا لہجہ بھی پریشانی میں ڈوبا ہوا تھا۔

سیٹنگ روم کے ایک کونے میں فارحہ بھابھی بھی موجود تھیں اور اندرونی فشار کے تحت اپنے انگوٹھے کا ناخن بار بار چبا رہی تھیں اور تاجدار بیگم کو ان کی اس حرکت پر کراہت محسوس ہو رہی تھی لیکن یہ موقع فارحہ کی جھاڑ پٹی کرنے کا نہیں تھا۔

''اب تو مجھے بھی لگتا ہے، وہاج کے ساتھ کوئی حادثہ ہو چکا ہے، ورنہ وہ کسی نہ کسی کے ساتھ تو رابطہ ضرور کرتا۔'' محتشم علی ہلکا سا جھجک کر بولے۔ اپنی اولاد کے لیے ان کا فکر مند ہونا فطری تھا۔

''اللہ نہ کرے۔ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔'' تاجدار بیگم نے دہل کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور ناراضگی سے اپنے شوہر کی طرف

دیکھا۔ جبکہ حاکم علی کا ذہن ابھی تک اس کانفرنس میں الجھا ہوا تھا۔ جہاں صحافیوں نے ان کا اپنے تلخ سوالات کے ذریعے اچھا خاصا موڈ خراب کر دیا تھا۔ اسی وقت حاکم علی کے سیل فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف کسی پولیٹیکل شو کا کوئی مشہور و معروف اینکر تھا، جو شاید اپنے پروگرام کے لیے ان کا موقف ریکارڈ کرنا چاہتا تھا۔

''میرا تو دماغ ہی خراب کر دیا ان دو ٹکے کے صحافیوں نے۔۔'' انہوں نے بیزاری سے کال کاٹ دی۔

''وہ تھرڈ کلاس جرنلسٹ نعیم مرتضیٰ کہہ رہا تھا یہ اغوا کا ٹوپی ڈرامہ ہم نے محض وہاج کا جرم چھپانے کے لیے کیا ہے۔'' خاقان علی کو بھی یاد آیا۔

''ہاں تو کون سا غلط کہا ہے اس نے۔۔'' حاکم علی بھڑک کر بولے تو ان کے دونوں بیٹوں نے یوں دیکھا جیسے ان کی خرابی دماغ کا یقین ہو گیا ہو۔

''اس بے غیرت کے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ہی تو کیا ہے ہم نے یہ ڈرامہ۔ آج لفافے بھجواؤ ان سب دو ٹکے صحافیوں کو، پھر دیکھنا کیسے ہمارے حق میں دھڑا دھڑ بولتے ہیں۔ ان سب کی اوقات ہی کیا ہوتی ہے۔۔'' میر حاکم کے نزدیک ہر مسئلے کا حل صرف پیسہ تھا۔

''لفافے اس مسئلے کا حل نہیں ہیں بابا جان، وہاج کا سامنے آنا ضروری ہے، گنتی کے کچھ ہی تو دن رہ گئے ہیں الیکشن میں۔۔'' خاقان نے محتاط انداز اپنایا۔

''تم مانو یا نہ مانو لیکن مجھے یقین ہو گیا ہے وہاج نے کوئی گھٹیا حرکت کی ضرور ہے اور میرے سورسز بتاتے ہیں، بیرسٹر عالیہ قریشی کے پاس باقاعدہ ثبوت ہے اس چیز کا۔۔''

''کیسا ثبوت بابا جان۔۔؟'' محتشم علی کا رنگ اڑا۔

''لمبی چوڑی میڈیکل رپورٹ ہے صندل کی، اور تو اور پوسٹ مارٹم تک کروا ڈالا۔ کاش وہ نمک حرام بہادر علی مجھ سے رابطہ کر لیتا، میں کچھ دے دلا کر یہ معاملہ ہی ختم کروا دیتا۔'' حاکم علی نے بے بس انداز میں ہاتھ ملے۔۔

''پتا نہیں کیوں، اباجی مجھے یقین نہیں آ رہا، وہاج ایسی حرکت کر سکتا ہے۔۔'' تاجدار بیگم جذباتی ہوئیں۔

''تمہارا تو بالکل ہی دماغ خراب ہو گیا ہے تاجدار بیگم۔۔'' وہ غصّے کی شدت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی ہاتھ کی چھڑی پر زور ڈال کر مزید گویا ہوئے۔ ''کیا میڈیکل رپورٹ غلط کہہ رہی ہے؟ صندل کا خاندان جھوٹ بول رہا ہے، کوئی ماننے والی بات تو کیا کرو تاجدار، تم تو اپنی اولاد کی محبت میں بالکل ہی اندھی ہو جاتی ہو۔۔'' میر حاکم ایک دم بھڑکے تو کونے میں بیٹھی ہوئیں فارحہ بھابھی کے بے جان وجود میں بھی ہلکی سی جنبش پیدا ہوئی۔

''امّی جان ٹھیک کہہ رہی ہیں ۔۔'' فارحہ نے ہلکا سا جھجک کر اپنی ساس کی طرفداری کی تو سب چونک گئے۔

''لو، ان کی کمی رہ گئی تھی، یہ بھی شوہر کی محبت میں میدان میں اتر آئیں۔۔'' میر حاکم علی نے طنزیہ انداز میں ہنکارہ بھرا۔

''بابا جان، وہ میڈیکل رپورٹ غلط ہے، اور اگر وہ رپورٹ درست ہے تو کم از کم وہ بندہ وہاج نہیں ہے۔'' فارحہ نے کافی ہمت کا مظاہرہ کیا۔

فارحہ بھابھی کی بات پر کمرے میں ایک چھوٹا سا بلاسٹ ہوا، سب نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا، گہرے سیاہ رنگ کے سوٹ میں وہ سوگواریت کی ایک جیتی جاگتی تصویر بنی بیٹھی تھیں اور ان کے چہرے پر موجود تلخی کا تاثر اتنا گہرا تھا، سب سے پہلے حاکم علی نے ہی اس بات کی گہرائی کو سمجھا اور ساتھ ہی ان کے تنے ہوئے اعصاب کچھ پرسکون ہوئے لیکن انکی ساس کو یہ بات سمجھ نہیں آئی تھی۔۔

''رپورٹ غلط ہے، تم کیسے کہہ سکتی ہو یہ بات۔۔؟'' تاجدار بیگم کے انداز میں بے تابی کا عنصر واضح تھا۔

''سارا خاندان جانتا ہے، اولاد نہ ہونے کی قصور وار میں نہیں ہوں، اگر صندل کے والدین اپنی بیٹی کے حوالے سے ایسا کوئی دعویٰ کر رہے ہیں تو کم از کم یہ دعویٰ غلط ہے، باقی صندل کے ساتھ جو کچھ ہوا، اسکے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتی۔'' فارحہ تلخ لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے سیٹنگ روم سے نکل گئیں۔

''اوہ میرے خدایا، یہ تو سامنے کی بات تھی، میری سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔۔'' تاجدار بیگم بلند آواز میں بڑبڑائیں۔

اگرچہ فارحہ کے جملے خاصے تلخ اور کاٹ دار تھے لیکن اسے سننے کے بعد کمرے میں موجود سب مکینوں کے اندر گویا زندگی کی حرارت دوڑ گئی، اس پوائنٹ کی طرف تو انہوں نے سوچا ہی نہیں تھا، حالانکہ یہ سامنے کی بات تھی۔ صندل کیس میں وہاج کی زندگی کی یہ سب سے بڑی کمی ان کے حق میں بہت بڑا پلس پوائنٹ بن چکی تھی اور میر حاکم علی اپنی اگلی چال اسی مہرے کے ساتھ کھیلنے کو تیار تھے۔

☆......☆......☆

شمال مغرب سمت سے آنے والی آندھی اپنے ساتھ گرد و غبار کا ایک طوفان لائی تھی۔۔

ذوالکفل اور مونیکا نے جیسے ہی ملتان کے ریلوے اسٹیشن پر قدم رکھا، گرم ہواؤں نے ان کا استقبال کیا۔ ساٹھ کلو میٹر فی گھنٹہ سے آنے والی اس آندھی نے پورے شہر کے اشتہاری بورڈز تک گرا دیئے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہر طرف بس گرد ہی گرد ہو۔

ایسی ہی بدگمانی کی گرد، ان دونوں کے خاندان کے دلوں پر بھی چھائی ہوئی تھی جس سے انہیں جا کر نبٹنا تھا، وہ دونوں بظاہر اپنے چہروں سے پرسکون دیکھائی دے رہے تھے لیکن آنے والے وقت کا خوف ان کی آنکھوں سے صاف چھلک رہا تھا۔

انہیں علم نہیں تھا، اس سے بھی بڑا طوفان بڑی حویلی میں ان کا منتظر ہے۔ جہاں ذوالکفل کی کرسچن لڑکی کے ساتھ شادی نے اس کے والدین کو آگ بگولہ کر رکھا تھا۔ اس کے والد کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنے سب سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے کو اس خودسری پر عبرت کا نشان بنا دیں تا کہ ان کے خالصتاً سادات گھرانے میں کسی اور خون کی ملاوٹ کا جرم آئندہ نسلوں میں کوئی بھی نہ کر سکے۔

بڑی حویلی میں رہنے والوں کے اپنے اصول وضابطے تھے جن سے انحراف کرنا ان کے لیے بہت بڑا گناہ تھا اور وہ اس سے ہٹ کر کچھ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے لیکن آگے بھی ذوالکفل تھا، اپنے سب بہن بھائیوں سے بہت مختلف۔۔

وہ باپ سے چھپ کر اپنے خاندانی ملازمین کی مدد کرتا اور انہیں اپنی طرح کا ہی انسان سمجھا کرتا تھا، اور اسکی یہ انسانیت کی خدمت اسکے والد کو سخت ناگوار گذرتی تھی اور اس وجہ سے اسے کئی دفعہ وارننگ بھی مل چکی تھی ایک دفعہ تو انہوں نے اسکی ٹھیک ٹھاک ٹھکائی بھی کی تھی لیکن وہ پھر بھی باز نہیں آیا۔ نیکی اور نرمی اس کی سرشت میں شامل تھی اور وہ اپنی فطرت سے ہٹ کر زندگی کیسے بسر کر سکتا تھا۔

جب ذوالکفل نے این سی اے میں داخلہ لینے کا اعلان کیا تو تب بھی حویلی میں ایک طوفان آیا تھا لیکن اس بار بی جان ڈٹ گئیں اور وہ واحد خاتون تھیں جن کے سامنے کبھی کبھار بابا جان کی ایک نہیں چلتی تھی، اور پورا خاندان جانتا تھا وہ بی جان کا چہیتا تھا۔

''اور بھجواؤ اسے لاہور، چاند چڑھا دیا ناں اس نے۔۔''

''پسند کی شادی ہی تو کی ہے بیچارے نے۔۔'' بی جان کے دل میں ابھی بھی اس کے لیے نرم گوشہ تھا۔

''اور وہ بھی ایک عیسائی لڑکی کے ساتھ، لعنت ہو ایسی اولاد پر۔۔'' انہوں نے غصّے سے زمین پر تھوکا تو انکی بیوی سہم کر چپ کر گئیں۔

ذوالکفل کی پسند کی شادی کی خبر نے حویلی کے در و بام کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور اب تو بی جان بھی سب سے نظریں چرائے پھرتی تھیں کیونکہ ان کی بہوؤں کی طنزیہ نگاہیں اور خاندان کے لوگوں کی باتوں نے ان کی بولتی بھی بند کر دی تھی۔ پسند کی شادی کو تو جیسے تیسے کر کے ہضم کر ہی لیا جاتا لیکن ایک غیر مسلم لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے کا گناہ تو شاید ساری زندگی وہ لوگ معاف نہ کرتے، ذوالکفل کے والد کو جیسے ہی پتا چلا انہوں نے لاہور میں اپنے بندے بھجوائے تو انہیں علم ہوا، وہ دونوں عمرہ کرنے سعودیہ جا چکے ہیں۔

اس کے والد تب سے انگاروں پر لوٹ رہے تھے اور یہ بھڑاس نکالنے کا موقع ذوالکفل نہیں انہیں خود حویلی آ کر دے دیا تھا۔

ٹیکسی جیسے ہی بڑی حویلی کے باہر رکی، مونیکا نے سر اٹھا کر اس وسیع و عریض حویلی کو دیکھا جس کے دلان میں سو سے زائد چارپائیاں بڑے آرام سے بچھائی جا سکتی تھیں۔ اس حویلی کی عمارت خاصی کشادہ تھی اور اس میں بڑے بڑے دلان، تہہ خانے اور بالا خانے بھی بنے ہوئے تھے۔ مونیکا کو اندازہ نہیں تھا۔

کہ ذوالکفل کا تعلق اچھے خاصے امیر گھرانے سے ہوگا۔

ان دونوں کی آمد کی اطلاع جیسے ہی اندر پہنچی، کمروں میں ایک ہلچل اور بے چینی سی مچ گئی، بی جان نے بے ساختہ دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا اور انکی بہوئیں تجسس کے مارے دروازے کی اوٹ میں آن کھڑی ہوئیں۔ ملازمین کی آنکھوں میں بھی اشتیاق ٹھاٹیں مار رہا تھا، جس عیسائی لڑکی کو دن رات گھر میں غائبانہ کوسا جاتا تھا وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ اس گھر میں قدم رکھ چکی تھی۔

سیاہ رنگ کے عبایہ میں پرنٹڈ اسکارف میں اسکا پرنور چہرہ خاصا چمک رہا تھا۔ ایمان کی روشنی نے اسکے چہرے پر ایک دل کو چھو

لینے والی دلکشی کا احساس بھر دیا تھا، اسکا دل شیشے کی طرح صاف شفاف اور اسکے اچھے مزاج کا عکس اسکے پورے وجود سے نمایاں تھا۔ بی جان کو وہ پہلی ہی نظر میں اچھی لگی، وہ ان کے بیٹے کے ساتھ کھڑی ہوئی خوب جچ رہی تھی اور بلاشبہ ان کی سب بہوؤں سے زیادہ پیاری اور معصوم دیکھائی دے رہی تھی۔

ان دونوں کی آمد کی اطلاع ذولکفل کے والد تک بھی پہنچ چکی تھی اور انہوں نے اپنے چٹختے ہوئے اعصاب کو سنبھالا اور غصّے سے اپنے کمرے سے باہر قدم رکھا، وہ جہاں جہاں سے گذر رہے تھے، حویلی کے ملازمین فوراداِئیں بائیں ہوجاتے، انہوں نے جیسے ہی دلان میں قدم رکھا، اپنے بیٹے کے ساتھ اندر آتی لڑکی کو دیکھ کر انہیں اپنے ناگواری کی ایک لہر اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''یہیں پر رک جاؤ تم دونوں۔ ایک قدم بھی آگے مت بڑھانا۔'' ان کی آواز دبی دبی غراہٹ سے مشابہہ تھی۔

''السلام علیکم بابا جان۔۔'' ذوالکفل نے گھبرا کر اپنے والد کو سلام کیا، جس کا جواب نہیں ملا۔

''اپنی بیوی سے کہو، اپنے ناپاک قدموں کے ساتھ میرے گھر کی دہلیز کو گندا مت کرے، جیسے آئے ہو، ویسے ہی پلٹ جاؤ ذولکفل، ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔'' ان کی پاٹ دار آواز پوری حویلی میں گونجی اور جیسے پورے ماحول پر کسی نے منتر پھونک دیا ہو۔ پورا گھر ایک محسوس کیے جانے والے سناٹے کی لپیٹ میں آ گیا۔ ان کی بھابھیاں تو اب غیر ارادی طور پر باہر نکل آئیں اور بڑے مزے سے باہر کا منظر دیکھا۔

''بابا جان آپ میری بات تو سنیں۔'' ذوالکفل نے بولنے کی کوشش کی۔

''ایک لفظ بھی مت کہنا، تم نے اس عیسائی لڑکی سے شادی کر کے جو ہمارے خاندان کی عزت پر داغ لگایا ہے اس پر میں تمہیں ساری زندگی معاف نہیں کروں گا'' وہ نخوت زدہ انداز میں گویا ہوئے۔

''میں اسلام قبول کر چکی ہوں بابا جان۔'' مونیکا نے انکے چہرے پر موجود تنفر سے نظریں چرا کر بڑے ہموار لہجے میں کہا تو انہیں کرنٹ لگا۔

''تم جیسی لڑکیاں، ہمارے جیسے اونچے خاندان کے مردوں سے شادی کرنے کے لیے اپنا مذہب تو کیا اپنا خاندان، اور سب کچھ داؤ پر لگا سکتی ہیں، اپنا اسٹیٹس اور اپنی اوقات بدلنے کا موقع بھی تو کبھی کبھی ہی ملتا ہے۔'' ان کا جواب مونیکا کے لیے کسی طمانچے سے کم نہیں تھا، اسے سنبھلنے میں چند سیکنڈ لگے۔ تذلیل کے احساس سے اسکی آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئیں۔

''بابا جان آپ مونیکا سے اور کچھ نہیں کہیں گے۔'' اپنی بیوی کی انسلٹ ذولکفل سے برداشت نہیں ہوئی اور وہ کھل کر سامنے آ گیا۔

''ٹھیک ہے تم چھوڑ دو اس لڑکی کو، اور اللہ سے اپنی اس گمراہی پر توبہ کرو۔'' انہوں نے سختی سے کہا۔

''پہلی بات تو یہ ہے میں نے کوئی گمراہی نہیں کی، اہل کتاب کے ساتھ نکاح جائز ہے اور جہاں تک بات اس لڑکی کی ہے اس

نے مجھ سے شادی کے لیے اسلام قبول نہیں کیا، اللہ نے اسے خود ایمان کی روشنی سے نوازا تھا۔'' ذوالکفل نے بیزار لہجے میں جواب دیا۔

''جہاں کروڑوں کی جائیداد اور ہائی فائی خاندان نظر آ رہا ہو، وہاں ایسی دو ٹکے کی لڑکیاں سب سے پہلے اپنے ایمان کا ہی سودا کرتی ہیں۔'' انہوں نے بھی طیش سے مغلوب آواز میں چیخ کر کہا تو مونیکا کا چہرہ ذلت کے احساس سے سرخ ہو گیا۔

''بابا جان، اِٹس اِینف۔۔۔ اب آپ مزید زیادتی نہیں کریں گے میری بیوی کے ساتھ۔'' اس نے بمشکل خود پر قابو پا کے کہا۔

''تو ٹھیک ہے، دفع جاؤ میری حویلی سے اور دوبارہ اس منحوس لڑکی کے ساتھ یہاں قدم مت رکھنا۔''

''میں بھی آپ ہی کا بیٹا ہوں اگر میری بیوی کے لیے اس گھر کے دروازے بند ہیں تو میں بھی اس دہلیز پر کبھی تھوکنا بھی پسند نہیں کروں گا۔'' ذوالکفل کا ضبط بھی جواب دے گیا۔

اپنے بیٹے کی یہ بات انہیں مشتعل کر گئی، اس سے پہلے کہ وہ آپے سے باہر ہوتے، ذوالکفل نے مونیکا کا ہاتھ پکڑا اور تیز تیز قدموں کے ساتھ حویلی سے ہی نہیں ان سب کی زندگیوں سے بھی نکل گیا۔

☆......☆......☆

میر وہاج علی کو اپنے دوست اسد چیمہ کے خفیہ ٹھکانے میں چھپے ہوئے پورا ہفتہ ہو چکا تھا۔

وہ مسلسل کئی راتوں سے بے خوابی کا شکار تھے، ہر وقت دل کو دھڑکا لگا رہتا، خواب میں کبھی پولیس تو کبھی جیل دیکھائی دیتی، اس دن حیدر کے ڈیرے سے نکل کر وہ اپنی گاڑی دوڑاتے ہوئے راتوں رات ملتان جا پہنچے، اور وہاں سے اپنے دوست اسد چیمہ کے پاس چلے آئے کیونکہ اس وقت ساری دنیا میں وہی ان کا ساتھ دے سکتا تھا جو ان کا شریک جرم بھی تھا۔

اسد لودھراں کے ایک نامور سیاسی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور انکے ہاں بھی پیسے کی خوب ریل پیل تھی۔ وہ اپنے باپ کا اکلوتا سپوت تھا اور کوئی روک ٹوک نہ ہونے کی وجہ سے دنیا جہان کی برائیوں میں مبتلا ہو چکا تھا، مہینے میں پندرہ دن اسکے اسلام آباد میں نور محل کی انیکسی میں ہی گذرتے اور ساری دنیا جانتی تھی وہ وہاج کا گہرا دوست ہے۔

محتشم علی نے انکی گمشدگی پر سب سے پہلی کال اسد کو ہی کی تھی، جس نے فوراً ہی لاعلمی کا اظہار کر کے اپنی جان چھڑائی۔

وہاج جب اپنے دوست حیدر سے مایوس ہو گیا تو اسکے ذہن میں فوراً اسد کا نام آیا جو اس سارے قصے میں اسکا پارٹنر تھا اور یہ بات ان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ صندل کے ساتھ ایک دفعہ زیادتی کرنے کے بعد میر وہاج کے حوصلے کافی بلند ہو گئے تھے اور اگلے ہی دن وہ اپنے بہترین دوست اسد کو بھی لے آیا اور ایسا کوئی اگلے تین دن تک چلتا رہا، صندل بُری طرح سے خوفزدہ ہو چکی تھی اور جب اسکی حالت بگڑی تو میر وہاج نے بہانے سے اسے میر ہاؤس واپس بجھوا دیا، اور ان کا خیال تھا کہ انکا یہ گناہ وقت کی گرد میں دب جائے گا، لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

میڈیا پر صندل کے حوالے سے آنے والی خبروں نے اگر وہاج کو پریشان کر رکھا تھا تو سکون میں اسد چیمہ بھی نہیں تھا، کیونکہ اسے

بھی علم تھا، جب بھی یہ قصّہ کھلے گا تو اس میں اس کا نام بھی آئے گا۔اس لیے دونوں کی ہی جان پر بنی ہوئی تھی ،جبکہ اسد دل ہی دل میں خوب کھول رہا تھا اور اسے اس بات کی ٹینشن تھی کہ کہیں وہاج کی موجودگی کا کسی کو علم نہ ہو جائے۔

اسد چیمہ کا یہ فلیٹ لودھراں کے ایک کمرشل پلازے کی چوتھی منزل پر تھا اور یہاں سے نکلنا آسان نہیں تھا کیونکہ وہاج کی گمشدگی اور اسکے بعد میر حاکم کی پریس کانفرنس نے ان کے سارے دروازے بند کر دیئے تھے۔وہاج کی تصویر بار بار ٹی وی اسکرین پر دیکھائی دے رہی تھی اور جیسے ہی وہ باہر نکلتا تو کسی نہ کسی کی نظروں میں آ جاتا۔اس لیے اس نے فلیٹ میں ہی دبک کر بیٹھنے میں عافیت جانی۔

''یار تم کیوں آ گئے یہاں۔۔؟اپنے ساتھ مجھے بھی مروانے کا ارادہ ہے کیا۔۔؟''اسد انہیں دیکھ کر گھبرا گیا۔

''تو اور کہاں جاتا، حیدر نے تو صاف انکار کر دیا تھا میری مدد کرنے سے۔۔''وہاج نے اپنی مجبوری بتائی۔

''تم نے کہیں حیدر کے سامنے میرا نام تو نہیں لے لیا۔۔؟'' اسد کو ایک اور پریشانی نے آن گھیرا۔۔

''اتنا بے وقوف نہیں ہوں میں، اسے بتایا تھا میں نے کہ مجھ سے ہی غلطی ہوئی ہے اور وہ بے وقوف مجھے اوٹ پٹانگ مشورے دے رہا تھا۔۔''وہاج کی بات پر اسد نے تھوڑا سکون کا سانس لیا۔

''ویسے تو تمہارے داجی بڑے سیاستدان بنے پھرتے ہیں،لیکن یہ آخیر چول ماری ہے انہوں نے۔۔''اسد نے بیزاری سے ٹی وی اسکرین کی طرف اشارہ کیا جہاں وہ کچھ صحافیوں کے وہاج کے اغوا کیس کے حوالے سے سوالوں کے جوابات دے رہے تھے۔

''اس میں چول مارنے والی کیا بات ہے۔۔؟''وہاج بُرا منا گیا۔

''کیا ضرورت تھی تمہارے اغوا کا ڈرامہ رچانے کی۔اب کہیں باہر بھی نہیں نکل سکتے ہو تم۔۔''

اسد اکتا کر اسکے ساتھ صوفے پر آن بیٹھا،تو اس نے ریموٹ کنٹرول کے ساتھ ٹی وی کا بٹن آف کر دیا، کیونکہ بار بار ایک ہی چیز دیکھ کر دونوں کو ڈیپریشن ہو رہا تھا اور وہ مسلسل ایکدوسرے سے الجھ رہے تھے۔وہاج کا خیال تھا کہ یہ سب کچھ اسد کی وجہ سے ہوا ہے اور اسد کو دل ہی دل میں لگ رہا تھا، وہاج کے خاندان نے سارے معاملے کو انتہائی بچگانہ طریقے سے ہینڈل کر کے معاملہ بگاڑا ہے۔

''داجی اور کیا کرتے، کیا جواب دیتے لوگوں کو۔؟'وہاج نے غصّے سے اپنے دوست کی طرف دیکھا، جس کی وجہ سے معاملہ زیادہ بگڑا تھا، کیونکہ صندل کی میڈیکل رپورٹ ہی ان کے گلے کا پھندا بن رہی تھی اور اسی وجہ سے اس نے خودکشی کی تھی۔

''دو چار لاکھ دے دلا کر سارا معاملہ سیٹ کر لیتے۔ایسے ملازموں کی اوقات ہی کیا ہوتی ہے۔''اسد بُرا سا منہ بنا کر بولا کیونکہ اسے علم تھا اگر اس قصے میں اسکا نام بھی سامنے آیا تو اسکے باپ کی بھی قومی اسمبلی کی سیٹ ہاتھ سے نکل جائے گی۔

''تم اسکی اوقات چھوڑو اور اپنی فکر کرو، کیونکہ اس معاملے میں مجھ سے زیادہ تمہارا ہاتھ ہے۔۔''وہاج کی بات پر وہ تلملا اٹھا۔

''مطلب کیا ہے تمہارا۔؟اور تم ایک ہی بات کیوں بار بار جتا رہے ہو۔۔؟اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سیل فون زور سے میز پر پٹخا۔

''جتا نہیں رہا، بتا رہا ہوں اگر یہ معاملہ کھل گیا تو کہیں تم بھی ساتھ میں لپیٹے نہ جاؤ،اور ویسے بھی میں نے تمہیں اس وقت بہت منع کیا تھا۔وہ لڑکی بہت زیادہ خوفزدہ ہوگئی تھی تم سے۔۔''

''مجھ سے خوفزدہ ہوگئی تھی تو کون سا تم سے خوش تھی۔؟ یاد نہیں کتنی منتیں کیں تھیں اس نے تمہاری کہ ایسا نہ کرو۔ہاتھ جوڑے تھے ،گڑگڑائی تھی،اور میں نے تو ویسے ہی بہتی گنگا سے ہاتھ دھوئے تھے،کیا پتا تھا سارا الزام تم میرے سر پر رکھ دو گے۔۔''اسد نے تپ کر اسے یاد دلایا تو وہ بھی غصّے میں آگئے۔

''تم کچھ بھی کہو،اسکی میڈیکل رپورٹ والے معاملے سے میں تو صاف بچ جاؤں گا اس لیے تم بھی سوچو کیسے نبٹنا ہے۔۔''

اسکی بات پر اسد چیمہ نے اپنے بہترین دوست وہاج کو شاکڈ نظروں سے دیکھا،کچھ لمحے کے لیے سوچا اور جھٹکے سے کھڑا ہوا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا فلیٹ سے نکل گیا،وہ سوچ چکا تھا،اس نے اس معاملے سے اب کیسے نبٹنا ہے۔۔

☆......☆......☆

''دیکھو ارسل صاف صاف بتا دو،تم اپنے پیرنٹس کو کیوں نہیں بھجوانا چاہ رہے۔؟؟؟''

رومیصہ آج ارسل کے ساتھ ''گلوریا جینز کافی شاپ'' میں موجود تھی اور شیری کے بار بار کہنے پر اس نے آج ارسل سے صاف صاف بات کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔وہ جو در شہوار اور وہاج والے معاملے کی وجہ سے بہت زیادہ الجھا ہوا تھا اس کی ضد پر جھنجلا اٹھا۔۔

''پاگل ہوگئی ہو رومیصہ میں نے کب ایسا کہا ہے؟ میں انہیں نہیں بھجوانا چاہتا۔۔؟''

''تو پھر بہانے کیوں بنا رہے ہو۔۔؟ صاف صاف بات کیوں نہیں کرتے۔۔؟'' اسکی آواز میں خفگی تھی۔

''بے وقوف لڑکی،ہمارے گھر میں آجکل بہت زیادہ ٹینشن پھیلی ہوئی ہے،ایسے موقعے پر اپنی شادی یا پرپوزل لے جانے کی بات کرنا اپنے پیروں پر خود کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کررہی ہو۔'' رومیصہ نے اسکی بات پر بیزاری سے سر جھٹکا۔

''بھاڑ میں جائے ساری ٹینشن،تمہیں میری کنڈیشن کا اندازہ نہیں ہے کیا۔؟ جیسے جیسے وقت گذر رہا ہے،بتاؤ میں اس چیز کو کیسے چھپاؤں گی۔؟'' رومیصہ بھی جذبات کی رو میں بہہ کر کچھ زیادہ ہی اونچا بول گئی۔دائیں بائیں بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تو دونوں ہی خفت کا شکار ہوئے۔

''فار گاڈ سیک رومی،آہستہ بولو،کیا ساری دنیا کو بتاؤ گی کہ ہمارے درمیان کیا چل رہا ہے۔۔'' وہ خفا ہوا۔

''میں چپ بھی رہوں گی تو تمہاری اولاد چیخ چیخ کر بتا دے گی۔۔'' وہ واقعی سخت ٹینشن کا شکار تھی۔

''پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ،میں جلد ہی اپنے ماموں،ممانی سے بات کرلوں گا۔تم بھی تھوڑا تحمل سے کام لو۔۔''ارسل نے بھی موقعے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے نرمی سے اسکا ہاتھ پکڑا جسے رومیصہ نے ناراضگی سے چھڑانے کی کوشش کی تو اس نے اور زیادہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''آپ کو اندازہ نہیں ہے جس دن یہ بات ڈس کلوز ہو گئی، میری سچوئیشن بہت اووڈ ہو جائے گی۔۔''وہ جھنجھلا کر گویا ہوئی۔

''میری جان، میرے مسائل کو بھی سمجھنے کی کوشش کرو، میرے بڑے ماموں کی بیٹی گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے ہم سب اسکی وجہ سے بہت اپ سیٹ ہیں۔''ارسل کی بات پر رومی تھوڑا ڈھیلی پڑ گئی اور اس نے الجھن بھری نظروں سے اسکی طرف دیکھا۔

''کہاں چلی گئی۔۔؟''

''آئی ڈونٹ نو، اسکی شادی اسکی پسند کے خلاف ہو رہی تھی اور وہ غصّے سے گھر ہی چھوڑ کر چلی گئی۔''اس نے گھما پھرا کر مختصرا بتایا کیونکہ اتنا تو اسے بھی علم تھا، اصل بات بتائے بغیر رومیصہ کو رام نہیں کیا جا سکتا۔

''اوہ مائی گاڈ، تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے۔۔؟رومیصہ کا سارا غصّہ بھاپ بن کے اڑ گیا، اور ارسل کو اسکی سادگی اور معصومیت پر بے ساختہ پیار آیا، اس نے نرمی سے اسکا ہاتھ پکڑ کر سہلایا، اس سے پہلے وہ اسکی بات کا جواب دیتا، اسکا سانس حلق میں ہی اٹک گیا کیونکہ میر برہان اپنے کسی فرینڈ کے ساتھ اسی ریسٹورنٹ میں نہ صرف داخل ہو چکے تھے بلکہ اسکے ہاتھوں میں موجود رومیصہ کا ہاتھ بھی دیکھ چکے تھے، وہ گھبرا کر تھوڑا پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔

میر برہان اپنے دوست سے ایکسکیوز کر کے سیدھے اسکی طرف چلے آئے، ارسل بوکھلا کر کھڑا ہوا تو رومیصہ نے پریشانی سے اسکی نظروں کے تعاقب میں دیکھا، برہان ان دونوں کے سر پر پہنچ چکے تھے۔رومیصہ بھی گھبرا گئی۔۔

''السلام علیکم برہان بھائی۔۔۔''ارسل نے اپنے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ لاشعوری انداز میں صاف کیا۔

''وعلیکم السلام، تم گئے نہیں مری۔۔؟ آج تو ویک اینڈ تھا۔۔''برہان کی جانچتی ہوئی نگاہیں ان دونوں پر جمی ہوئی تھیں۔

''بس نکلنے ہی والا تھا، ان سے ملیں، یہ رومی ہے میری بہت اچھی دوست اور یونیورسٹی فیلو۔۔۔''اس نے گھبرا کر رومیصہ کا تعارف کروایا تو انہوں نے ہلکا سا سر خم کر کے اسے سلام کیا۔

''رومی، یہ میرے بڑے ماموں کے بیٹے ہیں برہان بھائی، جن کی پچھلے دنوں شادی ہوئی تھی، شاید میں نے تمہارے سامنے ذکر بھی کیا تھا۔''ارسل نے اپنا خشک حلق تر کرتے ہوئے ان کو بھی رومی سے متعارف کروایا تو وہ بھی زبردستی مسکرا دی۔

''کس ڈیپارٹمنٹ میں ہوتی ہیں آپ۔۔۔؟''برہان نے اس بار ڈائریکٹ اس سے پوچھا تو وہ گڑبڑا کو بولی۔

''اکنامکس۔۔۔!!!''رومیصہ نے جھوٹ بولا تو ارسل بے ساختہ سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

''اکنامکس ڈیپارٹمنٹ میں، میں نے تو نہیں دیکھا آپ کو کبھی۔۔؟''برہان کی بات پر رومیصہ ہلکا سا بوکھلائی۔اس نے مدد طلب نگاہوں سے ارسل کی طرف دیکھا، جو خود بھی اس بات پر پریشان ہو گیا تھا کہ اب اس معاملے کو کیسے سنبھالے۔

''کیا آپ بھی وہیں پڑھتے ہیں۔۔۔''رومیصہ کی اگلی بے وقوفی، ارسل کو خاصی مہنگی پڑی، برہان نے جتاتی ہوئی نظروں سے

ارسل کی طرف دیکھا تو وہ فوراً نظریں چرا کر گویا ہوا۔

''رومی، برہان بھائی اکنامکس ڈیپارٹمنٹ میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔'' ارسل کے خفت زدہ انداز پر وہ رومیصہ کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا لیکن اس وقت تک تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ وہ بھی شرمندہ سی ہوگئی۔

''اینی ہاؤ، آپ لوگ انجوائے کریں، میرا دوست انتظار کر رہا ہوگا میرا۔'' برہان اپنی بات مکمل کر کے آگے بڑھ گئے تو رومیصہ نے جھنجلا کر اسکی طرف دیکھا۔ ''پہلے نہیں بتا سکتے تھے کہ یہ اکنامکس ڈیپارٹمنٹ میں ہی ہوتے ہیں۔'' اس نے اپنا سارا غصّہ ارسل پر اتارا۔

''تمہیں بھی بس یہ ہی سبجیکٹ ملا تھا بتانے کے لیے۔۔''؟ اسکو بھی غصّہ آیا۔

''مجھے الہام تھوڑی ہوا تھا کہ یہ بھی وہیں ہوتے ہونگے۔ اب خود ہی سنبھال لیجئے گا سارا معاملہ۔ پتا نہیں کیا سوچ رہے ہونگے وہ میرے بارے میں۔'' رومی کو اب نئی پریشانی نے گھیر لیا۔ زندگی میں پہلی بار ارسل کی فیملی کے کسی ممبر سے اس طرح اچانک سامنا ہوا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی سچوئشن خاصی اوڈ ہوگئی تھی اور رومیصہ کو اب کئی دن تک اسی شرمندگی کے حصار میں رہنا تھا۔

''اوکے لیوا ٹ۔ برہان بھائی خاصے براڈ مائنڈڈ ہیں، میں ان کو خود ہی ہینڈل کر لوں گا۔'' ارسل نے میز پر رکھا ہوا کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے اسے تسلی دی۔

اسی رات کو جب وہ میر ہاؤس پہنچا تو رات کے کھانے کے بعد برہان نے اسے آنکھ کے اشارے سے اپنے کمرے میں آنے کا کہا، وہ گھڑی آ چکی تھی جس سے ارسل دل ہی دل میں گھبرا رہا تھا۔

''اب سچ سچ بتاؤ، کون تھی وہ لڑکی، اور کیا چل رہا ہے تم دونوں کے بیچ۔۔۔؟'' کمرے میں پہنچتے ہی انہوں نے پہلا سوال کیا، اور اسے کاؤچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ تھوڑا محتاط انداز میں بیٹھ کر آہستگی سے گویا ہوا۔ ''دوست ہے وہ میری۔۔۔''

''صرف دوست ہے یا کچھ اور بھی ہے درمیان میں۔۔؟'' برہان کی سنجیدگی نے اسے پریشان کیا۔

''شادی کرنا چاہتا ہوں میں اس کے ساتھ۔۔۔'' اس نے بھی ہمت کر کے سچ بول دیا، برہان کو دھچکہ سا لگا۔

''اس خاندان میں کس کی شادی ہوئی ہے پسند سے۔؟ جو تم اتنی بڑی جرائت کا مظاہرہ کر بیٹھے۔؟'' برہان کے طنزیہ انداز پر اس نے الجھ کر انکی طرف دیکھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ برہان بھائی کو اس بات پر غصّہ کیوں آ رہا ہے۔

''میرے پیرنٹس کی لو میرج تھی برہان بھائی۔۔'' اس نے یاد دلایا۔

''اس لیے کہ تمہارے والد ہمارے سیکنڈ کزن تھے، اس کے علاوہ کوئی ایک مثال دے دو مجھے پورے خاندان سے۔۔''

''ضروری تھوڑا ہے جو کام پہلے کسی نے نہ کیا ہو، وہ کوئی اور بھی نہ کرے۔۔۔'' اسکے لہجے میں موجود خودسری برہان کو چونکا گئی۔

''کیا درشہوار کو بھی اس بات کا علم تھا۔۔۔؟'' برہان کے اس سوال پر ارسل نے بوکھلا کر انکی طرف دیکھا، انہیں برہان کی ناراضی

کی کچھ کچھ سمجھ آ رہی تھی۔

''ہرگز نہیں، درشہوار ایسا کچھ نہیں جانتی تھی اور ویسے بھی سب کو علم ہے میں نے اس سے شادی سے انکار نہیں کیا تھا۔'' اسکے لہجے کی سچائی ہی اسکی سب سے بڑی گواہ تھی، برہان نے ایک لمبا سانس لیا۔ وہ اب تھوڑے مطمعن نظر آ رہے تھے، ورنہ اس لڑکی کے ساتھ دیکھتے ہی انہیں سب سے پہلے درشہوار کا ہی خیال آیا تھا کہ کہیں وہ ارسل کی پسندیدگی کی وجہ سے تو گھر چھوڑ کر نہیں گئی۔

''آپ جو سوچ رہے ہیں، ایسا کچھ نہیں ہے برہان بھائی۔۔۔'' ارسل نے ان کو سوچ کو الفاظ دیئے تو وہ ہلکی سی خفت کا شکار ہوئے۔

''میں جانتا ہوں ارسل، ہمارے خاندان کے لڑکوں کو ایسی قربانیاں دینے کی عادت ہے، وہ محبت کسی اور کے ساتھ کرتے ہیں اور ان کی زندگیاں کسی اور کے ساتھ گذرتی ہیں، یہی ہمارا سب سے بڑا المیہ ہے۔۔۔''

کمرے میں داخل ہوتی ہوئی انابیہ نے اپنے شریک حیات کا یہ جملہ پورے ہوش وحواس سے سنا تھا اور اس کا چہرہ ایک لمحے کو تاریک پڑ گیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی چائے کی ٹرے ارسل کے سامنے کی، تو اس نے فوراً بھاپ اڑاتا ہوا کپ اٹھالیا۔

''بہتر ہوگا کہ تم ابھی اس بات کا ذکر کسی سے مت کرنا، ایسا نہ ہو الٹی آنتیں گلے پڑ جائیں، یہاں کے بڑوں کو بے تکے فیصلے کرنے کی عادت ہے۔'' برہان نے انابیہ کی موجودگی میں ڈھکے چھپے الفاظ کے ساتھ اسے سمجھانے کی کوشش کی تو ارسل نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا، وہ جانتا تھا وہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ایسی سچوئشن میں رومیصہ کے ساتھ شادی کی بات کرنا بالکل بھی مناسب نہیں تھا اور اسے اب شدت سے اس مناسب وقت کا انتظار کرنا تھا۔

☆......☆......☆

صندل کیس کی پہلی ہی پیشی مسز عالیہ قریشی اور شہزاد کو خاصی بھاری پڑی۔۔۔

مسز قریشی نے اپنے سورسز استعمال کر کے یہ کیس ترجیحی بنیادوں پر عدالت میں لگوالیا تھا اور انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ میر حاکم کی طرف سے آنے والا وکیل اپنے ساتھ ایک ایسا ہتھیار لا رہا ہے جو ان کے سارے دلائل پر بھاری پڑ جائے گا۔

وہ دونوں اپنی طرف سے بھرپور تیاری کر کے آئیں اور اسی وجہ سے خاصی پراعتماد تھیں لیکن پہلی ہی پیشی میں جب مخالف پارٹی کے وکیل نے میر وہاج کی میڈیکل رپورٹ عدالت کے سامنے پیش کی تو ایک لمحے کو مسز قریشی بھی گڑ بڑا گئیں۔ انہیں پہلی دفعہ اندازہ ہوا یہ کیس اتنا بھی سیدھا نہیں، جتنا وہ سمجھ رہی ہیں، انہوں نے اس موقعے پر سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً کیس کی نیکسٹ پیشی کی تاریخ لے لی۔ مخالف پارٹی کے چہرے پر موجود استہزائیہ مسکراہٹ ان دونوں کو بُری طرح سے محسوس ہوئی اور اسی لیے انہوں نے نئے سرے سے اس پر ورکنگ اسٹارٹ کرنے کا ارادہ کرلیا۔

''آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن یہ رپورٹ فیک لگی ہے مجھے۔'' اپنے چیمبر میں آتے ہی شہزاد نے کھل کر تبصرہ کیا۔

''رپورٹ جس لیب کی ہے، وہ فیک نہیں بنا سکتے۔۔'' مسز قریشی نے فوراً اس کی بات کو رد کیا۔

''اگر وہاج کی رپورٹ ٹھیک ہے تو پھر کیا صندل کی ڈاکٹر کی رپورٹ غلط ہے۔۔؟'' شہزاد الجھ گئی۔

''صندل کی ڈاکٹر بھی غلط نہیں کہہ رہی وہ واقعی پریگننٹ تھی۔۔'' مسز قریشی نے ہاتھ میں پکڑا پیپر ویٹ اپنی فائل پر رکھا۔ ان کا دماغ بہت تیزی کے ساتھ کڑیاں جوڑ رہا تھا جبکہ پہلی ہی پیشی پر مخالف پارٹی کے وکیل نے ان پر خاصا بھاری وار کیا تھا اور اب انہیں اسکا توڑ کرنا تھا۔

''تم خود سوچو شیری، اگر دونوں رپورٹس درست ہیں تو پھر بیچ میں کیا مسئلہ ہوسکتا ہے۔۔۔؟ انہوں نے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی کو مزید سوچنے پر اکسایا۔

''اس بات کا تو پھر ایک ہی مطلب نکلتا ہے میم، اس جرم میں یقیناً وہاج کے ساتھ کوئی اور بھی شامل ہے۔۔'' شہزاد کا تجزیہ سو فیصد درست تھا، تبھی مسز قریشی نے مسکرا کر بال پوائنٹ کے ساتھ فائل پر کچھ کمنٹس لکھے۔

''تم اب بالکل ٹھیک پوائنٹ پر سوچ رہی ہو شیری۔۔'' وہ ہاتھ میں پکڑا بال پوائنٹ میز پر رکھ کر مسکرائیں۔

''اگر ایسا ہی ہے تو صندل نے ان سب کا اپنے خط میں ذکر کیوں نہیں کیا۔۔؟'' شہزاد کو اگلی سوچ نے آن گھیرا۔

''تم صندل کی جگہ خود کو رکھ کر سوچو شیری، اگر خدانخواستہ تمہارے ساتھ ایسا کوئی ظلم ہو جس میں تمہارے گھر کا بندہ انوالو ہو تو تم زیادہ ہرٹ اسی کی طرف سے ہونگیں اور صندل نے جس ذہنی اذیت کے ساتھ اپنے رقعے میں یہ چند لائینیں لکھی ہیں کہ وہاج صاحب نے اسکے ساتھ اچھا نہیں کیا تو اس سے ہمیں خود اندازہ لگا لینا چاہیے، کہ یقیناً اس کے ساتھ جتنا ظلم ہوا، وہ اسے تفصیل سے نہیں لکھ پائی۔۔'' مسز قریشی نے کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا تو شہزاد کو ان کی ساری باتیں درست لگیں اور اس کے دل میں میر فیملی کے لیے نفرت میں دوگنا اضافہ ہوگیا۔

''ہمیں اس کیس پر مزید ورکنگ کرنا ہوگی۔ تم اسے دوبارہ اسٹڈی کر کے اپنے پوائنٹس بنا کر لاؤ۔۔''

''ڈونٹ ووری میم، انشاء اللہ کچھ نہ کچھ ضرور نکل آئے گا، جو ہمارے لیے ہیلپ فل ہوگا، میں ذرا اپنے آفس میں بیٹھ کر اسے نئے سرے سے دیکھتی ہوں۔'' وہ اپنے کام کے معاملے میں انتہائی جنونی تھی اور یہ بات مسز قریشی سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس لیے انہوں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

شہزاد کے دماغ میں اس کیس کے حوالے سے کئی چیزیں ایک ساتھ چل رہی تھیں، وہ اپنی دھن میں تیزی کے ساتھ آفس میں داخل ہوئی تو پہلے ہی قدم پر ٹھٹک کر رک گئی۔

میجر حمزہ اسکی نشست کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بڑی بے تکلفی سے بیٹھا ہوا کافی پی رہا تھا۔ شہزاد نے گردن موڑ کر سائیڈ میز

پر رکھی الیکٹرک کیٹل کو دیکھا، اسے اندازہ ہو گیا کافی بنانے کا عمل بھی اسی کے آفس میں سرانجام دیا گیا ہے۔

"آپ کو اپنے آفس میں کوئی کام نہیں ہوتا کیا۔۔؟" وہ اسکی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"محترمہ میری آجکل آفیشل چھٹیاں چل رہی ہیں، اگر اتنا ہی بُرا لگتا ہوں تو چلا جاتا ہوں۔۔" وہ کافی کا مگ میز پر رکھ کر مصنوعی سنجیدگی سے کھڑا ہوا۔

"یہ اوور ایکٹینگ کرنا بند کریں اور بیٹھ جائیں سکون سے، میں ویسے ہی تھکی ہوئی ہوں۔۔"

حمزہ مسکراتے ہوئے دوبارہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا اور کہنی کو میز پر ٹکا کر اسے بڑی فرصت سے دیکھنے لگا، وہ واقعی تھکی سی تھی اسے۔ نہ جانے کیوں اس لڑکی کی ہر ادا ہی اسے بھاتی تھی، اس نے بہت سال اس سے یکطرفہ محبت بڑی شدت کے ساتھ کی تھی اور اب جا کر اس کی زندگی میں تھوڑا ٹھہراؤ آیا تھا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں آپ۔۔" وہ کوفت کا شکار ہوئی۔

"اگر تھکنا شروع ہو گئی ہو تو اس پروفیشن کو پہلی فرصت میں چھوڑ دو تم۔۔" اسکا خلوص دل سے دیا گیا مشورہ شہزاد کو بالکل اچھا نہیں لگا۔

"میں نے کب کہا، اس پروفیشن سے تھک گئی ہوں میں، آپ کو غلط اندازے لگانے پر کوئی ایوارڈ ملنا چاہیے۔۔" وہ ہلکا سا چڑ گئی۔

"ایوارڈ تو نہیں، کسی اچھی سی جگہ لنچ کر کے آتے ہیں، چلو اٹھو۔۔" وہ مسکراتے ہوئے فوراً کھڑا ہوا۔

"آئی ایم سوری حمزہ، اس وقت تھوڑا کام نبٹانا ہے مجھے، لنچ کا سلسلہ کسی اور دن کے لیے رکھ لیں پلیز۔" شہزاد کا دماغ ابھی تک اسی کیس میں الجھا ہوا تھا اس لیے اسے فی الحال کوئی بھی چیز اچھی نہیں لگ رہی تھی، وہ جلد از جلد کوئی نیا پوائنٹ نکال کر مسز قریشی کے سامنے لانا چاہتی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں، ایک ضروری بات ڈسکس کرنی ہے مجھے تم سے آج، یہ کام تو ساری زندگی چلتے ہی رہیں گے، بس تم اٹھو۔۔" اس نے بے تکلفی سے اسکے سامنے رکھی ہوئی فائل بند کی تو وہ چڑ گئی۔

"کہا ناں یار نہیں جا سکتی، کیوں ضد کر رہے ہیں آپ۔۔؟" اسکے جھنجلائے ہوئے انداز پر حمزہ کا چہرہ ہلکا سا تاریک ہوا۔

اسی وقت ارتضی حیدر بڑے عجلت بھرے انداز میں اسکے آفس میں داخل ہوا، ارتضی کو علم نہیں تھا، آگے میجر حمزہ سے ملاقات ہو جائے گی، اس لیے اس کو بھی جھٹکا لگا، لیکن اس نے جلد ہی خود کو سنبھال کر سرسری انداز میں دونوں کو مشترکہ سلام کیا۔

"شیری، ہمیں ابھی اور اسی وقت مری جانا ہوگا، ہادی نے ایک دو ضروری میٹنگز ارینج کروائی ہیں صندل کیس کے سلسلے میں۔۔"

"آپ اپنے آفس کا کام کب کرتے ہیں ارتضی۔۔۔؟" حمزہ نے طنزیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا، جو اس بات پر اچھی

خاصی خفت کا شکار ہوا۔

''آفس میں ہی تھا، مسز قریشی نے کال کر کے بلوایا ہے مجھے، اور میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں ان کو انکار نہیں کر سکتا، وہ استاد ہیں میری۔'' ارتضی نے بڑے تحمل سے جواب دے کر شہزاد کی طرف دیکھا، جو اس وقت حمزہ کے چہرے کے بگڑتے ہوئے زاویوں کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

''شیری، لیٹس موو، میری شام میں ایک میٹنگ بھی ہے۔ مجھے واپس بھی آنا ہوگا۔'' ارتضی کی بات پر شہزاد نے جلدی نے میز پر رکھی ہوئی اپنی فائلوں کو سمیٹا۔

''آئی ایم سوری حمزہ، لنچ کا پروگرام کل پر رکھ لیتے ہیں، ابھی جانا ہوگا مجھے۔'' شہزاد نے ہمت کر کے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو مخاطب کیا، جو بہت مان بھری نظروں سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر نہیں جائے گی، لیکن آگے بھی شہزاد تھی جس کے لیے اسکا پروفیشن اسکا جنون تھا اور وہ اس پر کسی بھی قسم کا کوئی کمپرومائز کرنے کو تیار نہیں ہوتی تھی۔

''اٹس اوکے۔۔۔!!!'' حمزہ کا چہرہ سرخ ہوا، وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا، ایک سرد نگاہ ان دونوں پر ڈالی اور آفس سے نکل گیا۔ وہ آج زندگی میں پہلی بار اس سے دل سے خفا ہوا تھا۔

شہزاد کو نہ جانے کیوں اسکا انداز کچھ غیر معمولی سا لگا، اس نے چند لمحے سوچا کہ وہ ارتضی کو انکار کر کے اس شخص کو کال کرے جس کے لیے اسکی ذات ساری دنیا سے اہم تھی لیکن اسی وقت مسز قریشی آفس میں چلی آئیں۔

''شیری پلیز آپ لوگ جلدی نکلیں، ہادی ویٹ کر رہا ہے وہاں۔۔۔'' مسز قریشی کی بات سنتے ہی اس نے تمام چیزوں کو ایک جھٹکے سے اپنے ذہن سے نکالا اور میز پر رکھی ہوئی اپنی ضروری چیزیں اٹھائیں اور ارتضی حیدر کے ساتھ مری جانے کے لیے نکل پڑی۔

☆......☆......☆

سارے دن کا تھکا ماندہ آفتاب مغرب کی آغوش میں چھپ گیا۔۔۔

درشہوار کے ہاتھ پر بینڈ یج ہوئی تھی اور وہ آج پورے دو دن بعد اپنے کمرے سے نکلی اور لان کی طرف چلی آئی۔ وہ افسردہ انداز سے لان چئیر پر بیٹھے سورج کی سنہری دھوپ کو شام کے قرمزی رنگ میں مدغم ہوتے دیکھنے لگی۔

اس کی خودکشی کی حرکت نے مسز قریشی کے ساتھ ساتھ عبداللہ صاحب کو بھی خوفزدہ کر دیا تھا اور وہ جلد از جلد اس آفت کی پڑیا سے جان چھڑانا چاہ رہے تھے، لیکن انہیں کوئی بہترین راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔۔

درشہوار کی آنکھوں میں ہادی کو دیکھ کر عجیب سی حسرتیں سسکتی ہوئی نظر آتیں، اس سے بات کرنے کی تمنا چٹکیاں لیتی لیکن اس دشمن جان کی آنکھوں میں اسے اپنے لیے سوائے بیزاری، تنفر اور کوفت کے کچھ نہیں ملتا تھا اور یہ بات اسے دن بہ دن اور زیادہ مایوس کر رہی تھی۔

اب تو مسز قریشی کو بھی کھل کر اس کا مسئلہ سمجھ میں آ گیا تھا اور اس شام وہ اسے سمجھانے کی غرض سے اپنا چائے کا کپ اٹھائے اسکے پاس چلی آئیں، درشہوار نے ایک نظر اٹھا کر انکی طرف افسردہ انداز میں دیکھا، اسکا چہرہ بجھا ہوا اور آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے تھے ،مسز قریشی کو اسکی حالت دیکھ کر رحم آیا۔ وہ لڑکی، ان کے بیٹے کی محبت میں خود کر برباد کر رہی تھی۔

''بیٹا، کیوں اپنے آپ کو اذیت دے رہی ہو آپ۔۔؟''مسز قریشی نے پہلی دفعہ اس سے کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

''تو اور کیا کروں آنٹی۔۔؟''اس نے بے بس انداز میں اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھا۔اسکی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں اور وہ آنسو روکنے کے چکر میں اپنے ہونٹوں کو کاٹتی ہوئی مسز قریشی کو پہلی دفعہ معصوم لگی۔

''میں مانتی ہوں مجھے محبت کرنے کا سلیقہ نہیں آتا، میرے دل میں جو ہوتا ہے میں بلا جھجک بول دیتی ہوں، میں اپنی ضد کی غلام ہوں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ لڑکیوں کی یہ عادتیں ان کو نقصان کے علاوہ کچھ نہیں دیتی لیکن محبت کرنا کیا اتنا بڑا جرم ہے کہ اگلا انسان آپ کو اس طرح سے دھتکار دے کہ آپ کو خود سے نفرت ہونے لگے۔۔۔''درشہوار کے لہجے میں اذیت کا ایک جہان آباد ہوا۔

''محبت کرنا جرم نہیں، لیکن اپنے والدین اور گھر والوں کے اعتماد کو توڑ کر کسی انجان شخص کے لیے اپنی ساری زندگی کو داؤ پر لگا دینا ایسا جرم ہے جسے ہمارا معاشرہ کبھی معاف نہیں کرتا، اور جہاں تک بات ہادی کی ہے، میں جانتی ہوں اسکا مزاج تم سے بہت مختلف ہے اور خدا کی قسم وہ ایک دفعہ بھی تم میں اپنا انٹرسٹ شو کرتا تو میں فوراً تم دونوں کی شادی کروا دیتی۔۔۔''مسز قریشی کی بات پر وہ بے ساختہ رو پڑی۔

''میں اسکے مزاج کے مطابق خود کو ڈھال بھی تو سکتی ہوں، وہ جیسا کہے گا، میں کرنے کو تیار ہوں، وہ ایک دفعہ مجھ سے بات تو کرے میں اتنی بھی بُری نہیں ہوں، جتنا وہ مجھے سمجھتا ہے۔۔''وہ جذبات سے مغلوب آواز میں بولی۔

''زندگی میں ہر چیز ہر انسان کے لیے نہیں ہوتی، تم بھی اپنے اندر لچک پیدا کرو۔۔''مسز قریشی نے اسے نصیحت کی۔

''میں نے زندگی میں جو چاہا، وہی حاصل کیا، تین بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی، بچپن میں امّی نے میری ضدی طبعیت کو بدلنے کی بجائے ہمیشہ میری خواہش پوری کی، مجھے لگتا تھا، میں جس کی بھی خواہش کروں گی، وہ میری دسترس میں آ جائے گی، لیکن پہلی بار مجھے احساس ہوا ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔''اسکی آنکھوں سے آنسو ایک لڑی کی صورت میں بہہ رہے تھے۔

''دیکھو بیٹا، ہادی کی زندگی میں تمہاری کوئی گنجائش نہیں نکلتی، میری مانو تو واپس چلی جاؤ، میں خود تمہارے پیرنٹس سے جا کر بات کرلوں گی۔ وہ کچھ نہیں کہیں گے تمہیں۔۔۔''مسز قریشی نے نرمی سے اسکا ہاتھ پکڑ کر سمجھانے کی کوشش کی۔۔

''آئی ایم سوری آنٹی، میں واپسی کی ساری کشتیاں جلا کر آئی ہوں، اب میرے لیے میر ہاؤس میں صرف ایک قبر کی ہی گنجائش نکل سکتی ہے اس کے علاوہ نہیں، آپ میرے خاندان والوں کو نہیں جانتی، وہ مار دیں گے مجھے۔۔۔''درشہوار کی بات پر مسز قریشی نے دہل کر اسکی طرف دیکھا۔ اس کے لہجے کی سچائی گواہ تھی کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔

''ایک بات تو بتاؤ درِشہوار۔۔'' مسز قریشی کے انداز میں کچھ تھا، درشہوار کا دل بُری طرح سے دھڑکا۔

''میر وہاج کے ساتھ تمہارا کیا رشتہ ہے۔؟ آئی مین تم کیا لگتی ہو انکی۔۔؟'' مسز قریشی ان کے خاندان میں برہان کے علاوہ کسی کو نہیں جانتی تھیں۔

''سگے بھائی ہیں وہ میرے، لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں ان کے بارے میں۔۔'' درشہوار کے اس انکشاف پر مسز قریشی بُری طرح سے چونکیں۔

''اچھا تو تم میر وہاج کی بہن اور میر محتشم کی بیٹی ہو۔۔'' ان کا انداز اگرچہ سرسری تھا لیکن درشہوار ان کا چونکنا محسوس کر چکی تھی۔

''آپ کیوں وہاج بھائی کے بارے میں پوچھ رہی ہیں۔؟ سب ٹھیک تو ہے ناں۔۔؟'' درشہوار کا باہر کی دنیا سے رابطہ کٹا ہوا تھا اور کچھ وہ ٹی وی دیکھنے کی بھی خاص شوقین نہیں تھی، اس لیے اس کے تو فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں تھی کہ اسکا خاندان آجکل کس قیامت سے گذر رہا ہے۔

''تمہیں شاید علم نہیں، تمہارے بھائی پر اپنے گھر کی ملازمہ صندل کے ساتھ زیادتی کا کیس چل رہا ہے اور اسی وجہ سے صندل نے خودکشی کی تھی۔'' مسز قریشی نے درشہوار کی سماعتوں میں بم پھوڑا، وہ کچھ لمحوں کے لیے گنگ سی کیفیت میں انکی طرف دیکھتی رہ گئی۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، میرے بھائی ایسا نہیں کر سکتے۔۔'' کچھ لمحوں کے بعد اسکے حلق سے آواز برآمد ہوئی۔

''ہمارے پاس اس چیز کے کئی ثبوت ہیں درشہوار، اور تم چاہو تو میں تمہیں دکھا بھی سکتی ہوں۔۔'' مسز قریشی بڑے متحمل انداز میں اسے تفصیل سے بتاتی چلی گئیں جسے سنتے ہوئے اس کے چہرے پر کئی رنگ آئے، شرمندگی کے، ملامت کے، غصّے کے اور بے بسی کے۔

''اب تم بتاؤ کیا غلط کہہ رہی ہوں میں۔؟'' مسز قریشی نے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا، وہ کافی دیر تک تو بول ہی نہیں پائی اسے لگا اسکی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی ہو۔ مسز قریشی نے اسکا ہاتھ ہلکا سا دبا کر اسے بولنے کے لیے راضی کیا۔ ''بتاؤ ناں درشہوار۔؟ تمہارے بھائی نے ایسا کیوں کیا۔؟؟؟''

''بہت بُرا کیا وہاج بھائی نے، انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔'' وہ صدمے بھرے انداز میں بس اتنا ہی بول پائی۔

''اب بتاؤ، تم اس سارے قصّے میں ہماری کوئی ہیلپ کر سکتی ہو۔۔؟ مسز قریشی کی بات پر وہ الجھن کا شکار ہوئی۔

''کیسی ہیلپ۔۔۔؟''

''کوئی ایسی بات یا کوئی ایسی چیز جو اس کیس میں ہماری مدد کر سکے۔۔'' وہ چائے کا کپ پکڑے اسکے چہرے کے بدلتے تاثرات کو بڑی جانچتی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

درشہوار کو انہوں نے ایک عجیب سی سچوئشن میں پھنسا دیا تھا۔ ایک طرف اسکا خاندان تھا تو دوسری طرف ہادی کی ماں، اور ایسے

موقعے پر اسکا پلڑا کس طرف بھاری ہونا چاہیے تھا، وہ فوری طور پر یہ فیصلہ نہیں کر پائی۔

''ممی ایسے لوگ بیٹھ کر بس دوسروں کی بے بسی کا تماشا دیکھ سکتے ہیں، اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے۔۔''

ہادی ابھی ابھی مری سے واپس آیا تھا، اور اس نے اپنی ماں کی آخری بات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس سے صندل کیس کے سلسلے میں بات کر رہی ہیں۔

''تم کب آئے واپس۔۔؟ شہزاد اور ارتضیٰ سے میٹنگ ہوئی تمہاری۔۔؟''

''ہاں میٹنگ ہو گئی اور انشاء اللہ کچھ نہ کچھ نئی چیز نکل آئے گی۔۔'' وہ خاصا پر امید تھا۔

''آنٹی، آپ کو میری جس قسم کی بھی ہیلپ کی ضرورت ہوگی، میں دینے کو تیار ہوں۔۔'' درشہوار ا یکدم بولی تو ہادی نے چونک کر اسکی طرف دیکھا، جبکہ مسز قریشی بھی خوشگوار قسم کی حیرت کا شکار ہوئیں۔

''تھینک یو بیٹا۔ اللہ تمہیں اس کا اجر دے۔۔'' انہوں نے خلوص دل سے کہا اور ا یکدم ان کی نظر اسکے ہاتھ پر پڑی تو انہیں یاد آیا۔

''ہاں ہادی ایک کام تو کرو بیٹا، ذرا درشہوار کو ڈاکٹر طاہر کے کلینک پر لے جاؤ اسکی بینڈیج تبدیل ہو گی آج۔۔''

''ٹھیک ہے ممی، لیکن پہلے اچھی سی کافی تو پلائیں، رات میں ڈنر ہے میر احمزہ کے ساتھ۔۔'' وہ خلاف توقع کوئی بھی بحث کیے بغیر اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار ہو گیا تو درشہوار کے ساتھ ساتھ مسز قریشی کو بھی خاصی حیرانگی ہوئی۔

شام کو وہ اس کے ساتھ کلینک جانے کے لیے نکلی تو اس نے بڑی ساری چادر میں خود کو اچھی طرح سے ڈھانپا ہوا تھا، وہ خاموشی سے اسکی برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی، ہادی کا خیال تھا وہ بیٹھتے ہی ہمیشہ کی طرح اوٹ پٹانگ باتیں کرنا شروع کر دے گی، لیکن درشہوار کا دماغ وہاج والے قصّے میں بُری طرح سے الجھا ہوا تھا، وہ ابھی تک اس شاک سے باہر نہیں نکل پائی تھی۔

اسے دل ہی دل میں وہاج پر سخت غصّہ آ رہا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اسکا بھائی پستی کی اس حد تک بھی گر سکتا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسے مسز قریشی اور ہادی سے بہت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی جو اسکے بھائی کی اس مکروہ حرکت کے بارے میں جان گئے تھے۔

اس نے کلینک جا کر بڑے سکون سے بینڈیج تبدیل کروائی اور پہلے کی طرح چپ چاپ ہادی کی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔ کلینک سے گھر تک کے راستے میں اس نے ہادی کو مخاطب کرنا تو دُور کی بات اسکی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا نہیں تھا اور یہ بات اب ہادی کو تعجب میں مبتلا کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

اس رات ایک بار پھر دونوں کے درمیان خوب جھگڑا ہوا۔

اسد چیمہ کا خیال تھا، وہاج کو پہلی فرصت میں اسکا فلیٹ چھوڑ کر ایک اور دوست کے پاس کراچی چلے جانا چاہیے، اور وہاج باہر نکلنے سے بہت زیادہ خوفزدہ تھے یہ ممکن ہی نہیں تھا، وہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر وہاں پہنچ جاتے۔

''تم مجھے اپنے فلیٹ سے نکالنا چاہتے ہو۔۔؟'' وہاج نے بغیر کسی لگی لپٹی کے اسد کو کہا، جس کے چہرے پر بیزاری ہی بیزاری تھی۔

''ہزار دفعہ بتا چکا ہوں، بابا کے کچھ فرینڈز آ رہے ہیں سندھ سے اور اس لیے انہوں نے کہا ہے مجھے۔'' وہ اکتا کر بولا۔

''دیکھو اسد بہانے مت بناؤ، کیا مجھے علم نہیں، تم لوگوں کی حویلی اور بے شمار گھر ہیں اب مہمانوں کو ٹھہرانے کے لیے یہ ہی فلیٹ رہ گیا ہے کیا۔؟'' وہاج کو غصہ آیا، ویسے بھی دوستی کے رشتے میں دراڑ تو پڑ ہی چکی تھی۔

''یار تم کچھ بھی کہو، الیکشن کے موقعے پر میں ایسا کوئی اسکینڈل افورڈ نہیں کر سکتا۔'' وہ بھی بدلحاظ ہوا۔

''اسکینڈل تو اس وقت بھی بنے گا جب میری گرفتاری ہوگی۔۔'' وہاج نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے دھمکانے کی کوشش کی۔

''ایسا کرو، تم ابھی فون کر کے پولیس کو بتا دو، تاکہ بات آج ہی ختم ہو جائے۔'' اسد نے غصّے سے اپنا سیل فون اسکی طرف پھینکا۔

''میں ایسی کوئی گھٹیا حرکت نہیں کروں گا لیکن یاد رکھنا اگر میں پھنسا تو پھر چھوڑوں گا میں بھی نہیں کسی کو۔''

''فار گاڈ سیک وجی، میں تمہیں صرف چند دن کے لیے یہاں سے جانے کا کہہ رہا ہوں، یہ الیکشن کا ہنگامہ نبٹ جائے، نئی گورنمنٹ کے آتے ہی ہم لوگ اس معاملے کو نبٹا لیں گے۔'' اسد نے تھوڑی مصلحت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے نرم لہجہ اختیار کیا لیکن وہاج کا دل اس کی طرف سے کھٹا ہو چکا تھا اور وہ دل ہی دل میں ان تمام ممکنہ دوستوں کے نام دہرا رہے تھے جو اس موقعے پر ان کا ساتھ دے سکتے تھے۔

''میں تم سے بات کر رہا ہوں وہاج، اب چپ کر کے کیوں بیٹھ گئے ہو۔'' وہ ہلکا سا چڑ گیا۔

''بے فکر رہو، کل شام تک چلا جاؤں گا میں یہاں سے۔'' وہاج ناراضگی سے سیٹنگ روم سے نکل کر اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گئے، وہ اب سنجیدگی سے اکیلے بیٹھ کر اس مسئلے کا کوئی حل نکالنا چاہتے تھے۔

ان کے اس اعلان پر اسد چیمہ نے تھوڑا سکون کا سانس لیا۔ انہیں یقین تھا کہ وہاج نام کی بلا جلد ہی اس کے سر سے ٹلنے والی ہے۔

☆......☆......☆

وہ ایک حبس زدہ سی شام تھی۔۔۔

حمزہ اس وقت ہادی کے ساتھ اسلام آباد کلب پولو گراونڈ میں موجود تھا۔۔

وہ دونوں سرسبز میدان میں سبک رفتار گھوڑوں پر بیٹھے ہوئے اپنی ٹیم کی طرف سے بڑی مہارت کے ساتھ گیند کو گول میں پھینکنے کی کوشش کر رہے تھے اور کچھ منٹوں کی جدوجہد کے بعد ہادی فائنل گول کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ پھیلی۔ وہ حمزہ کو ہرا چکا تھا، جسکا موڈ صبح سے خراب تھا اور وہ مارے بندھے ہی کھیل رہا تھا۔ شہزاد کے رویئے نے اسے بُری طرح سے ہرٹ کیا تھا۔ بار بار اسکا دھیان اسی بات کی طرف جا رہا تھا۔

حمزہ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی اسٹک جھنجھلا کر زمین پر پھینکی اور اچھل کر اپنے گھوڑے سے نیچے اترا، ہادی چونکہ ویک اینڈ کی وجہ سے گھر آیا ہوا تھا، وہ حمزہ کو زبردستی کلب لے آیا، یہاں آ کر بھی اس پر مایوسی اور قنوطیت چھائی رہی، ہارنے کے بعد تو وہ مزید بدمزا ہو گیا۔

''بادشاہوں کے کھیل کو اگر غلاموں کے انداز میں کھیلا جائے تو ہار ہی انسان کا مقدر بنتی ہے۔'' ہادی نے پولو گراؤنڈ سے نکلتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''ہار تو چکا ہوں میں بہت سال پہلے، اب کسی سے جیتنے کی تمنا نہیں ہے مجھے۔۔'' اسکا لہجہ اداسی کے حصار میں لپٹا ہوا تھا۔

''سچ سچ بتاؤ، آج تمہارا دھیان کہاں تھا۔؟ ورنہ میں جیت جاؤں تم سے، یہ بھلا کیسے ممکن ہے۔۔؟'' ہادی پولو اسنیک بار کی طرف جاتے ہوئے ہنسا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو، بادشاہوں کے کھیل کو غلاموں کے انداز میں نہیں کھیلنا چاہیے لیکن سچ بتاؤں محبت کی غلامی کے بعد انسان دنیا کا کوئی بھی کھیل کھیلنے کے قابل نہیں رہتا۔۔'' تلخی اسکے ہر انداز سے نمایاں تھی۔

''لگتا ہے میم شیری نے پھر کوئی ایموشنل ڈیزی کٹر مار دیا ہے میرے دوست پر۔۔'' ہادی نے شرارتی نظروں سے اسکی طرف دیکھا۔

''میں ہی بے وقوف ہوں جو اتنے سالوں سے اس کے پیچھے جھک مار رہا ہوں۔'' وہ بیزاری سے پولو اسنیک بار میں داخل ہوا۔

ہادی نے جانچتی نگاہوں سے اسکا جائزہ لیا، دنیا بھر کی بیزاری اسکے پورے وجود پر چھائی ہوئی تھی، ایسا لگتا تھا جیسے اس بار وہ شہزاد کے ساتھ ساتھ خود سے بھی خفا ہو، ہادی نے اسنیک بار میں پہنچتے ہی سموکڈ چکن اور پاستا سیلڈ کا آرڈر کیا۔ وہ اسے لے کر نسبتا ایک سنسان گوشے کی طرف چلا آیا۔

''ہاں بھئی، اب شروع ہو جاؤ، اس بار جھگڑا کس بات پر ہوا ہے۔۔؟'' ہادی نے غیر سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں نے اسکے سامنے آ کر اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے، مجھے اس کے ساتھ بس بلی اور چوہے والا کھیل ہی کھیلنا چاہیے تھا، کم از کم اس وقت اسے میری ذات سے کوئی دلچسپی تو تھی۔۔'' وہ ایکدم پھٹ پڑا۔

''تمہارا کیا خیال ہے شہزاد کی تم میں دلچسپی کم ہو گئی ہے۔۔؟'' اس نے ہلکے پھلکے انداز میں دریافت کیا۔

''اسکی میری ذات میں دلچسپی ''کم'' نہیں ہوئی بلکہ سرے سے ''ختم'' ہی ہو گئی ہے، میں اپنی اتنی ٹف روٹین سے ٹائم نکال کر پاگلوں کی طرح اسکے پیچھے بھاگتا ہوا آتا ہوں اور وہ مجھے ایک تنکے سے بھی زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں۔۔'' حمزہ کو اس سے بے تحاشا گلے تھے۔

''آخر ہوا کیا ہے۔؟ کچھ بتاؤ گے تو پتا چلے گا۔۔؟'' ہادی کو بالآخر سنجیدہ ہونا ہی پڑا۔

''تم گواہ ہو میں نے اس لڑکی کو ٹوٹ کر چاہا، اسکے سوا کسی کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا، اسکے لیے کہاں کہاں خوار نہیں ہوا، اس کی خاطر کئی راتوں کے رتجگے کاٹے لیکن وہ اپنی پرسنل اور پروفیشنل لائف میں میری ذات کو سب سے آخر میں رکھتی ہے، بس یہی اوقات ہے

میری۔کل اس بات کا بہت اچھی طرح سے احساس ہو گیا ہے مجھے۔۔'' وہ ناراضگی، غصّے اور رنجیدگی کے ملے جلے جذبات کا شکار تھا۔

ہادی کو پہلی بار احساس ہوا، معاملہ اتنا سیدھا نہیں جتنا وہ سمجھ رہا ہے۔

''میں اسے گڑیا سے ملوانے کے لیے گھر لے جانا چاہتا تھا، اسے سرپرائز دینا چاہتا تھا اور وہ صندل کیس کے لیے اس تھرڈ کلاس پولیس آفیسر ارتضی حیدر کے ساتھ میٹنگ کرنے چلی گئی۔حد ہوتی ہے یار ہر بات کی۔اسے ذرا بھی میرے جذبات کی پرواہ نہیں۔۔''

حمزہ کا ایک ایک لفظ اس بات کا گواہ تھا وہ اس بار شہزاد کے ہاتھوں بُری طرح سے ہرٹ ہوا ہے، اس سے پہلے ہادی اسکی بات پر غور کرتا، حمزہ کے منہ سے بے ساختگی میں نکلنے والی اطلاع نے اسکا دل بُری طرح سے دھڑکا دیا۔۔

''حریم کب آئی پاکستان۔۔؟ تم نے بتایا ہی نہیں۔۔؟'' وہ نظریں چرا کر گویا ہوا۔حمزہ کی بہن حریم کو گھر میں پیار سے گڑیا کہا جاتا تھا۔

''رات ہی پہنچی تھی امریکہ سے اور ملنا چاہتی تھی شہزاد سہگل صاحبہ سے۔لیکن ان کے پاس عوام الناس کے لیے ٹائم کہاں ہے۔؟''

حمزہ کے چہرے پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ دوڑی، جیسے وہ اپنا خود ہی مذاق اڑا رہا ہو۔

''یار وہ واقعی کل بہت ٹینشن میں تھی اور تمہیں پتا تو ہے وہ ضرورت سے زیادہ اپنے کام کو خود پر حاوی کر لیتی ہے، تمہیں اسکی پوزیشن کو سمجھنا چاہیے۔'' ہادی نے شہزاد کی طرف سے اسکا دل صاف کرنے کی کوشش کی۔

''بات کام کی نہیں ہے یار۔۔'' وہ جھنجھلایا۔''بات زندگی کی ترجیحات کی ہوتی ہے، وہ جس منظر میں میرے سامنے ہوتی ہے، مجھے اس کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا، ہر چیز پس منظر میں چلی جاتی ہے، لیکن اسے میرے سوا ہر چیز اہم لگتی ہے۔'' وہ جذباتی ہوا۔

''میرا خیال ہے تم دونوں کو بیٹھ کر اس موضوع پر کھل کر بات کر لینی چاہیے۔۔'' ہادی نے اسے مشورہ دیا۔

''نہیں یار اب نہیں۔میری انا مجروح ہوئی ہے، اور میں اس چیز کو بار بار دہرانا نہیں چاہتا۔۔''

''تو کیا چھوڑ دو گے شہزاد کو۔۔؟'' ہادی نے ہنس کر اسے چھیڑا۔

''دل سے نہیں نکال سکتا لیکن زندگی سے تو خارج کر سکتا ہوں، کم از کم روز روز مرنے سے تو بہتر ہے۔'' وہ تلخی سے گویا ہوا۔

''کم آن یار وہ بات کرو، جو تم کر سکتے ہو۔۔'' وہ اسکی بات پر مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسا تھا۔

''تم اچھی طرح سے جانتے ہو، میں جو ٹھان لیتا ہوں اس سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹتا۔۔'' اسکی بات پر ہادی کچھ پریشان ہوا۔

''اچھا بے وقوفوں جیسی باتیں مت کرو، ابھی اسے کچھ ٹائم دو اور اٹھو کوئی اچھی سی موی دیکھ کر آتے ہیں۔'' ہادی نے اس کا موڈ بہتر کرنے کی کوشش کی۔

''سوری، میرا دل نہیں چاہ رہا، گھر چلتے ہیں اور حریم کے ہاتھوں کی کافی پیتے ہیں۔۔'' حمزہ اپنی بات مکمل کر کے فوراً کھڑا ہوا۔

''حریم کی کافی تو کوئی پاگل ہی چھوڑ سکتا ہے، چلو اس بہانے اس سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔'' ہادی کا موڈ ایک دم خوشگوار ہوا۔

''اس کے سامنے میری اور شہزاد کی لڑائی کا ذکر مت کرنا۔ اپ سیٹ ہو جائے گی وہ۔'' اسنیک بار سے باہر نکلتے ہوئے اس نے ہادی سے سرسری انداز میں کہا تو وہ مسکرا دیا، اس سے بہتر کون جان سکتا تھا کہ حریم خالد کو دنیا میں سب سے زیادہ اپنے بھائی سے محبت تھی، اور اس کے لیے تو وہ ساری دنیا سے لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جاتی تھی۔

☆......☆......☆

''میں حمزہ کی فیملی کو ڈنر پر انوائیٹ کرنا چاہتی ہوں۔۔''

ٹینا بیگم کی اس اطلاع پر شہزاد کا رشین سیلڈ کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ فضا میں ہی معلق ہوا، اس نے حیرانگی سے انکی طرف دیکھا، جو چھری کانٹے کے ساتھ بڑی مہارت سے فش کھا رہی تھیں۔ اس وقت ڈائننگ روم میں وہ دونوں ماں بیٹی ہی موجود تھیں۔

''حمزہ کی فیملی کو کس خوشی میں انوائیٹ کرنا چاہ رہی ہیں آپ۔۔؟'' ہلکی سی ناگواری اسکے لہجے میں در آئی۔

''وہ جنرل خالد کا بیٹا ہے اور تمہیں پتا ہے میں ہمیشہ سے ہائی فائی فیملیز کے ساتھ اپنا سوشل سرکل مینٹین رکھتی ہوں۔۔۔''

''آئی ایم سوری مام، فی الحال آپ اپنا سوشل سرکل تھوڑا محدود ہی رکھیں، دو چار دن میں رومیصہ کا معاملہ نبٹ جائے پھر دیکھیں گے۔'' اس نے ٹینا بیگم کو صاف ٹالا۔

''رومی کا کیس ختم ہونے پر تو میں ایک گرینڈ پارٹی کا اہتمام کروں گی۔۔'' ٹینا بیگم کی اس اگلی اطلاع نے شہزاد کو مزید کوفت میں مبتلا کیا۔

''مام، رومی نے کوئی گولڈ میڈل نہیں لیا اور نہ ہی وہ ابراڈ سے کوئی ڈگری لے کر آئی ہے، جس کی سیلبریشن آپ اتنے بڑے پیمانے پر کرنا چاہتی ہیں۔'' اس نے بُرا سا منہ بنا کر اپنی ماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''واٹ دا ہیل شیری، پرابلم کیا ہے تمہارے ساتھ۔۔'' وہ چڑ گئیں۔

''مام ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ، لوگ مذاق اڑائیں گے، کیس کے متعلق عجیب و غریب سوالات کر کے رومیصہ کو پریشان کرنے کی کوشش کریں گے، اس لیے اس حوالے سے ایسی کوئی گیدرنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔۔'' شہزاد نے اپنے مخصوص دوٹوک انداز میں کہا۔

اس سے پہلے ٹینا بیگم اس بات کا کوئی اور کڑوا جواب دیتیں، رومیصہ بڑا سا دوپٹہ پھیلائے، شلوار قمیض میں ڈائننگ روم میں داخل ہوئی، ٹینا بیگم نے اس کے اس حلیے کو ناگوار نظروں سے دیکھتے ہوئے بیزاری سے پہلو بدلا۔

''رومی یہ تم کیا اوٹ پٹانگ حلیہ بنائے گھومتی ہو۔۔؟''

''کیوں، کیا ہوا ہے میرے حلیے کو۔۔؟ مام کی بات پر رومیصہ ہلکا سا گڑبڑا کر جلدی سے ڈائننگ چیئر پر بیٹھ گئی، اس کے دل

میں چور تھا اس لیے اس نے لاشعوری طور پر اپنا دوپٹہ مزید پھیلا لیا۔

"شلوار قمیض اور یہ ڈھائی گز کا دوپٹہ تو ساری زندگی تم نے نہیں لیا۔ اب کون سی بوڑھوں والی روح بیدار ہوگئی ہے تم میں۔؟" ٹینا بیگم کی طنزیہ نگاہیں رومی پر جمی ہوئی تھیں جو دل ہی دل میں کافی خوفزدہ ہو چکی تھی۔

"مام، آپکو کیا ایشو ہے رومیصہ کی ڈریسنگ سے۔؟ وہ جو پہننا چاہتی ہے اسے پہننے دیں۔۔" شہزاد کی بات پر رومیصہ نے مشکور نگاہوں سے اپنی بہن کی طرف دیکھا جو اکثر ہی اس کے آگے ڈھال بن کر کھڑی ہو جاتی۔

"شیری تم نے شاید غور سے اسے دیکھا نہیں ہے دیکھو کتنا ویٹ گین کرتی جا رہی ہے۔۔" ٹینا بیگم کی کھوجتی نگاہیں اور طنزیہ انداز پر رومی جھنجلا کر بولی۔

"مام پلیز کھانا کھانے دیں مجھے، یہ فضول بحث کسی اور دن کر لیجئے گا۔۔" وہ منہ بنا کر پلیٹ میں کھانا نکالنے لگی۔

"کم آن مام، سارا دن تو گھر پر ہوتی ہے وہ، نہ کوئی یونیورسٹی، نہ کوئی اور فزیکل ایکٹویٹی، ایسی سچوئشن میں ویٹ تو گین ہوگا۔۔" شہزاد کا انداز سرسری تھا۔

"میں کل ہی جم میں اسکی رجسٹریشن کرواتی ہوں، اسے فوراً ہی کوئی ورک آؤٹ کرنا چاہیے، لڑکیاں ایسے بے ڈھنگی تھوڑا اچھی لگتی ہیں۔۔" اس سے پہلے ٹینا بیگم فٹنس پر مزید ایک لمبا لیکچر دیتیں، انکے سیل فون پر آنے والی کال نے انہیں متوجہ کر لیا۔

وہ اپنا فون اٹھا کر ڈائننگ روم سے نکل گئیں تو رومیصہ نے کھل کر سانس لیا، اسی وقت شہزاد کی اس پر نظر پڑی، وہ ہلکا سا چونکی اور پھر مسکرا دی۔

"ویسے مام ٹھیک کہہ رہی ہیں رومی، تمہیں پہلی فرصت میں کوئی جم جوائن کر لینا چاہیے۔۔"

"کیا مصیبت ہے شیری، تم بھی اسی ایک بات کے پیچھے پڑ گئی ہو۔۔" اس نے جھنجلا کر ہاتھ میں پکڑا کانٹا میز پر پٹخا اور ناراضی سے کھڑی ہوگئی۔

"آئی ایم سوری یار، میں نے تو یونہی ایک بات کی تھی، تم کھانا تو کھاؤ۔۔" شیری کو افسوس ہوا۔

"مجھے نہیں کھانا، موڈ نہیں ہے اب میرا۔۔" رومیصہ جان بوجھ کر خفا ہو کر ڈائننگ روم سے نکل گئی، وہ تو پہلے ہی بہانہ ڈھونڈ رہی تھی، جو شیری نے اسے فراہم کر دیا تھا اس لیے وہ کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھاتی۔

"رومی بات تو سنو میری، یار میں مذاق کر رہی تھی۔ آئی ایم سوری۔۔" شہزاد نے پریشانی سے اسے پکارا، لیکن رومیصہ کو اپنی سراسیمگی پر قابو پانے کے لیے تنہائی درکار تھی، اس لیے وہ رکی نہیں اور بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

شہزاد کو گہرے تاسف نے آن گھیرا، وہ اس احساس کو کم کرنے کے لیے لان کی طرف چلی آئی، تازہ ہوا بڑی خوشگوار اور فرحت

بخش تھی۔ پچھلے دو دن سے اسے سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں مل رہی تھی، جیسے ہی وہ لان چیئر پر بیٹھی اسکا دھیان حمزہ کی طرف گیا تو اسے ایکدم شرمندگی کا احساس ہوا۔

''یقیناً وہ مجھ سے خفا ہوگا، تبھی تو دو دن سے کوئی کال اور ٹیکسٹ نہیں کیا، مجھے خود اس سے بات کرنی چاہیے۔''

شہزاد نے کچھ سوچ کر حمزہ کا نمبر ملایا جو تیسری بیل پر کاٹ دیا گیا تو وہ مسکرا دی۔ اس نے کچھ سوچ کر نئے سرے سے کال ملائی جو اس بار پانچویں بیل پر کاٹ دی گئی تو شہزاد کو یقین ہو گیا وہ خفا ہے۔

''حمزہ مجھے آپ سے بات کرنی ہے، پلیز میری کال اٹینڈ کریں۔۔'' اس نے کچھ سوچ کر اسے ٹیکسٹ میسج کیا۔

''آئی ایم بزی۔۔۔'' پانچ منٹ بعد اسکا ناراضگی سے بھرپور جواب آیا تو وہ مسکرا دی، وہ جانتی تھی کہ چاہے کتنی ہی بڑی بات کیوں نہ ہو وہ اس سے زیادہ دن تک خفا نہیں رہ سکتا۔ اس نے زیر لب مسکراتے ہوئے اسے اگلا میسج کیا۔

''کیا آپ مجھ سے خفا ہیں۔۔؟''

''ڈونٹ ڈسٹرب می۔۔۔!!!'' اس کے اگلے میسج پر وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

اسے معلوم تھا وہ ہمیشہ بچوں کی طرح جتنی جلدی ناراض ہوتا اتنی ہی آسانی سے مان جاتا تھا۔ شہزاد کو اپنی زیادتی کا احساس ہوا۔

''آپ جتنے بھی خفا سہی، لیکن ایک دفعہ بات تو کر لیں مجھ سے۔'' اس نے اگلا میسج کیا اور ٹھیک پندرہ سیکنڈ بعد حمزہ کی کال آ گئی۔ جو اس نے بڑے خوشگوار موڈ میں اٹینڈ کی، وہ جانتی تھی، چند گلے شکوے کرنے کے بعد وہ سیٹ ہو جائے گا۔

''جی جناب کیسے ہیں آپ حمزہ خالد صاحب۔۔؟''

''تم میری خیریت کو چھوڑو۔۔'' اسکا سرد لہجہ شہزاد کی سماعتوں سے ٹکرایا۔

''کیا مطلب۔۔۔؟'' اسے حمزہ کا انداز کچھ غیر معمولی سا محسوس ہوا۔

''ایک بات غور سے سنو شہزاد، میں زندگی میں ہر چیز برداشت کر سکتا ہوں لیکن اپنا نظر انداز کرنا نہیں، تم مجھ سے محبت کرو یا نہ کرو، مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن تم مجھ پر کسی اور کو ترجیح دو، میں یہ چیز کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں جان چکا ہوں، تمہارے نزدیک تمہارا پروفیشن مجھ سے زیادہ زیادہ اہم ہے اس لیے تمہیں وہی مبارک ہو، میں دوبارہ تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گا، اور چاہوں گا کہ تم بھی ایسا نہ کرو۔'' حمزہ اپنی بات مکمل کر کے کال کاٹ چکا تھا۔

شہزاد کو یوں لگا جیسے کسی نے اسے اٹھا کر جلتی ہوئی بھٹی میں پھینک دیا ہو۔ اس نے خود پر کس طرح سے قابو پایا یہ اسکا دل جانتا تھا۔ اسے اپنے اعصاب سخت کشیدہ محسوس ہوئے اور وہ کافی دیر تک سن کیفیت میں بیٹھی رہی۔ اسکا چہرہ کسی بلب کی مانند فیوز ہو گیا تھا اسکا دماغ اس بات کو تسلیم کرنے سے انکاری تھا کہ حمزہ خالد اس سے اتنے زہر آلود لہجے میں بھی بات کر سکتا ہے۔

اس نے صدمے بھری کیفیت کے ساتھ اسکا نمبر دوبارہ ملایا، وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس نے ایسا جان بوجھ کر نہیں کیا اور وہ اس کے بارے میں غلط سوچ رہا ہے، لیکن دوسری طرف موجود شخص کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھا، شہزاد کی کال اس بار بھی کاٹ دی گئی۔اس کے ساتھ ہی اسے حمزہ کا اپنے سیل فون پر ٹیکسٹ موصول ہوا۔

''شیری مجھے دوبارہ کال مت کرنا، ورنہ میں تمہارا نمبر بلاک لسٹ میں ڈال دوں گا۔۔''

یہ میسج نہیں ایک جلتا ہوا انگارہ تھا، اس نے گھبرا کر سیل فون گود میں رکھ لیا، حمزہ خالد نے اسے زندگی میں پہلی بار اس کے مکمل نام سے نہیں پکارا تھا۔ وہ شہزاد کی بجائے شیری نام میں چھپی ہوئی اسکی اجنبیت کو کسی بوجھ کی طرح اپنے دل پر گرتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

آسمان پر موجود ستاروں کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی نے ماحول کو خاصا پراسرار بنا رکھا تھا۔۔۔

انابیہ اپنے بیڈروم میں اکیلی تھی، اسکی آنکھوں میں افسردگی کی ایک گہری تہہ تھی۔ کاتب تقدیر نے جانے اسکی قسمت میں کیا لکھ دیا تھا، ایک تو اسکی شادی اتنے عجیب ماحول میں ہوئی اور اسکے بعد ہونے والے یکے بعد دیگرے واقعات نے اس گھر کے سب مکینوں کی زندگیوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا، جبکہ انابیہ کے اوپر تو دوہری قیامت ٹوٹی تھی، ایک طرف برہان کا سرد رویہ اسکے اندر آگ جلاتا اور دوسری طرف گھر میں کسی کو احساس ہی نہیں تھا کہ ان دونوں کی نئی نئی شادی ہوئی ہے اور ہر کوئی درشہوار اور رواج کے مسئلوں میں الجھا ہوا تھا۔

وہ امید بھری نگاہوں سے برہان کی طرف دیکھتی، انکی جھڑکیاں سنتی اور وقتی طور پر ان سے تھوڑا دور ہو جاتی اور پھر چند ہی گھنٹوں بعد ڈھیٹ بن کر واپس پلٹ آتی، کیونکہ اسے برہان سے محبت تھی اور اس محبت کا خراج شاید اسے ساری زندگی دینا تھا۔

''آخر آپ دونوں کے درمیان چل کیا رہا ہے۔۔؟'' ایک دن طوبیٰ نے اپنی بڑی بہن کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''کچھ چلنے کی نوبت ہی کہاں آئی ہے، مجھے تو لگتا ہے بس اس گھر میں میرا کمرہ تبدیل ہوا ہے۔'' انابیہ نے سرد آہ بھر کر کہا۔

''شوہر ہیں وہ آپکے، نکاح ہوا ہے ان کے ساتھ، آپ کو اپنے ہونے کا احساس دلانا چاہیے برہان بھائی کو۔

''اسی احساس سے تو چڑتے ہیں وہ۔۔۔'' وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

''اتنی ہی نفرت تھی آپ سے تو شادی کیوں کی انہوں نے۔۔؟'' طوبیٰ کو غصّہ آیا۔

''برہان نے اپنی رضامندی سے شادی تھوڑا ہے مجھے تو زبردستی مسلط کیا گیا ہے ان پر۔۔'' انابیہ کو اب صرف اپنی قسمت سے گلہ تھا۔

''پتا نہیں کس دنیا میں رہتی ہیں آپ۔؟ لڑکیاں تو اچھے خاصے مردوں کو قابو کر لیتی ہیں۔۔'' طوبیٰ نے بیزاری سے اپنی بہن کا سادہ چہرہ دیکھا۔

''جو شخص پہلے ہی سے کسی کی چاہت کے حصار میں ہو، اس پر کسی اور کی محبت کا جادو نہیں چلتا۔۔'' وہ مکمل طور پر مایوس ہو چکی

تھی، طوبی نے ناراضگی سے اسکی طرف دیکھا اور واک آؤٹ کر گئی۔

میر وہاج والے قصّے کے بعد تو میر ہاؤس کے سبھی مکین مصروف تھے، ہر وقت گھر میں مہمانوں کی آمد و رفت جاری رہتی۔

میر حاکم نے خاقان علی کو ملتان الیکشن کمپین کے لیے بجھوا دیا تھا جہاں وہ سیاسی جلسوں میں اپنے بھتیجے کی بے گناہی اور مخالفین کے جھوٹے مظالم کی کہانیاں بڑے جوش و خروش کے ساتھ سنا رہے تھے یہ الگ بات تھی کہ لوگ اس پر یقین ذرا کم ہی کر رہے تھے، کیونکہ انہوں نے پچھلے پانچ سالوں میں اپنے حلقے میں کوئی کام نہیں کروایا تھا۔ حاکم علی اور محتشم علی نے اسلام آباد کی سرگرمیوں کو سنبھال رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ درشہوار کی بھی تلاش جاری تھی۔

وال کلاک پر اس وقت رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔۔۔

انابیہ کو اپنے بیڈروم میں گھٹن کا احساس ہوا تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی، پورا گھر سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا، وہ کچھ دیر تو یونہی دائیں بائیں ٹہلتی رہی اور پھر کچھ سوچ کر پچھلے صحن کی طرف نکل آئی۔

آسمان پر چند ٹمٹماتے ہوئے ستارے تھے اور باہر بھی ہو کا عالم تھا، درختوں کے پتے بالکل ساکت تھے، جیسے کسی نے ہوا کا گلا گھونٹ دیا ہو۔ ہر طرف حبس اور گھٹن کا احساس تھا۔ وہ برآمدے میں رکھے ہوئے لکڑی کے جھولے پر بیٹھ گئی، جو اس گھر کی لڑکیوں کی پسندیدہ ترین جگہ تھی، اور اس پر بیٹھنے کے لیے باقاعدہ جھگڑا ہوا کرتا تھا، حالانکہ جھولا اتنا بڑا تھا کہ اس پر ایک وقت میں تین لوگ آسانی سے بیٹھ سکتے تھے۔

انابیہ نے جھولے کے ساتھ ٹیک لگائی اور پاؤں کی نوک سے اسے ہلکا ہلکا جھلانے لگی۔ اسکا ذہن بُری طرح سے برہان کے رویئے میں الجھا ہوا تھا، جو اسے بالکل بھی لفٹ نہیں کروا رہے تھے، وہ ان کے بیڈروم میں تو آچکی تھی لیکن دل میں اپنی جگہ بنانے میں ابھی ناکام تھی۔

وہ دونوں ایک کمرے میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے صدیوں کے فاصلے پر تھے، بلکہ برہان نے تو اپنا بیڈ بھی اسکے ساتھ شئیر کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور اسکا ٹھکانہ بیڈروم میں رکھا ہوا کاؤچ تھا۔

''کیا ہم دونوں کی ساری زندگی یونہی اجنبی بن کے گذرے گی۔۔'' وہ لکڑی کے جھولے پر بیٹھی ہوئی مستقبل کی سوچوں میں غلطاں تھی۔

اسے وہاں بیٹھے بمشکل دس منٹ گذرے تھے جب پچھلی گیلری کی طرف اسے ہلکی سی سرسراہٹ کا احساس ہوا، اس نے چونک کر اپنی دائیں طرف دیکھا، پڑوس میں موجود ہادی کا گھر مکمل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ ویسے بھی رات کے اس پہر کون بھلا مانس بندہ جاگ سکتا تھا۔

رات کے سناٹے میں اچانک ایک الو کی تیز آواز گونجی اور انابیہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، اس نے گھبرا کر دیکھا، ایک خوفناک آنکھوں والا الو پر پھڑاتا ہوا ہادی کے گھر کی طرف سے ان کے برآمدے کی طرف آ رہا تھا۔

الو کی آنکھوں میں موجود ڈراونی سی چمک دیکھ انابیہ کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی، اور وہ ننگے پاؤں اندر کی طرف بھاگی اور سامنے کوریڈور سے آتے ہوئے برہان سے بُری طرح ٹکرائی، اس کے پورے جسم پر لرزا طاری تھا۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا، آدھی رات کو یہاں کیا کر رہی ہو۔'' میر وہاج نے ہلکا سا جھنجلا کر اسے خود سے الگ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اس قدر سہمی ہوئی تھی کہ کسی بھی قیمت پر ان سے الگ ہونے کی تیار نہیں تھی، وہ ان کے ساتھ چپک کر اونچی آواز میں رونے لگی۔ وہاج جو ابھی ابھی اسلام آباد سے واپس آئے تھے اور بیڈ روم میں اسے نہ پا کر اسکی تلاش میں باہر نکلے تھے، اسے یوں روتا دیکھ کر جھنجلا گئے۔

''بے وقوف لڑکی، کچھ نہیں ہوا، چلو اندر۔'' اسکے رونے پر برہان کا دل تھوڑا نرم ہوا۔

''باہر خوفناک آنکھوں والا الو ہے، وہ مجھ پر حملہ کرنے لگا تھا۔'' انابیہ کے حلق سے پھنسی ہوئی آواز نکلی۔

''تمہیں کس نے کہا تھا آدھی رات کو باہر نکلو۔'' وہ اسے اپنے ساتھ لگائے کمرے میں لے آئے۔ انابیہ نے ان کا بازو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

الو کی تیز چمکدار آنکھیں یاد کر کے اسے بار بار جھرجھری سی محسوس ہو رہی تھی، اپنے بیڈ روم میں داخل ہو کر اس نے سب سے پہلے دروازہ مضبوطی سے بند کیا، اسکا جسم ابھی بھی کانپ رہا تھا۔ برہان نے تاسف بھری نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا اور بازو سے پکڑ کر اسے بیڈ پر بیٹھا دیا۔ وہ اب سائیڈ میز پر رکھے ہوئے جگ سے پانی کا گلاس بھر رہے تھے انہوں نے جیسے ہی گلاس اسکی طرف بڑھایا، وہ ایک ہی سانس میں پی گئی۔

اسکا پورا چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا اور آنکھوں سے خوف چھلک رہا تھا، وہ بار بار بازو کی پشت سے اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔

''تمہیں اچھی طرح سے علم ہے باہر والے صحن کے پیچھے گھنا جنگل ہے، بھلا رات کے اس پہر وہاں جانے کی کیا تک بنتی تھی۔'' برہان کا دل تھوڑا پسیج گیا، کیونکہ سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی کی حالت واقعی خراب تھی۔

''کمرے میں گھٹن کا احساس ہو رہا تھا مجھے۔'' وہ اپنی آواز میں موجود کپکپاہٹ کو چھپا نہیں پا رہی تھی۔

''انسانوں کے اندر کی گھٹن گھر کے صحن میں جانے سے بھی کم نہیں ہوتی۔ تمہیں اتنی سی بات سمجھ لینی چاہیے۔'' وہ افسردگی سے گویا ہوئے۔

''میرا دل ابھی بھی بُری طرح سے دھڑک رہا ہے۔'' انابیہ نے لاشعوری انداز میں برہان کا گرم ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے سے لگایا۔ وہ انہیں دل کی دھڑکن سنانا چاہتی تھی لیکن برہان کو ایسا لگا جیسے ان کا ہاتھ کسی برقی رو سے ٹکرا گیا ہوا، وہ گھبرا کر ایک دم پیچھے ہٹے۔

''پتا ہے مجھے، تھوڑی دیر بعد خود بخود ٹھیک ہو جاؤ گی۔'' وہ نظریں چرا کر آہستگی سے گویا ہوئے۔

''لیکن مجھے ابھی بھی ڈر لگ رہا ہے۔'' اسکے لہجے میں خوف ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

''کچھ نہیں ہوتا، میں تمہارے ساتھ ہوں، بس خاموشی سے آنکھیں بند کر کے یہیں سو جاؤ۔'' وہ جو پچھلی کئی راتوں سے انکے تنفر

کی عادی ہو چکی تھی، اس التفات پر تو دل اور ہی لے میں دھڑکنے لگا۔ وہ اپنی تکیہ ٹھیک کر کے رکھ رہے تھے۔ وہ بھی ہلکا سا جھجک کر ان کے برابر میں لیٹ گئی۔ کمرے میں زیرو واٹ کا بلب روشن تھا اور دونوں کے درمیان معنی خیز خاموشی کے لمحے ٹھہر گئے۔ برہان بھی شاید اس سے دُور بھاگ بھاگ کر تھک گئے تھے۔

''اب ڈر تو نہیں لگ رہا تمہیں۔۔''ان کا لہجہ سادہ تھا۔

''نہیں۔۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''کیوں۔۔۔؟''برہان نے انجان بن کر پوچھا، زندگی میں پہلی بار اس سے بات کرنا انہیں بُرا نہیں لگ رہا تھا۔

''اب آپ جو ہیں میرے پاس۔۔'' اس کے لہجے میں کچھ تھا، برہان پر ڈھیروں خفت کا حملہ ہوا۔ انہیں پوری شدت سے اپنی کوتاہی کا احساس ہوا۔

''آئی ایم سوری۔۔۔!!!''برہان کی بڑبڑاہٹ پر اس کے کان کھڑے ہوئے۔

''کس بات پر۔۔؟''اب انجان بننے کی باری انابیہ کی تھی۔۔

''میں تمہیں وہ سب کچھ نہیں دے سکا جو تمہارا حق تھا۔۔''ان پر آج سچ بولنے کا دورہ پڑا ہوا تھا۔

''ابھی ہماری نئی زندگی کے آغاز کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔۔''اس نے کھلے دل کے ساتھ ان کو مارجن دیا تو ایک افسردہ سی مسکراہٹ برہان کے لبوں پر دم توڑ گئی۔ انہیں شدت سے آج اپنی زیادتیوں کا احساس ہو رہا تھا۔ انہوں نے آہستگی سے اپنا بازو انابیہ کے ہاتھ پر رکھا، وہ ان کے لمس میں موجود نرمی کو محسوس کر کے مسکرائی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ بہار کو اب اسکی زندگی میں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

☆......☆......☆

آسمان کی ملگجی سیاہی، چمکدار اجلی نیلاہٹ میں تبدیل ہو چکی تھی۔۔۔

شہزاد نے ساری رات ٹیرس پر جاگ کر گزاری، اس کی کرسی کے پاس چھوٹا میز رکھا ہوا تھا، جس پر پر اسکی فائلوں کا ڈھیر تھا، اور اس میز کے چاروں طرف فرش پر بے شمار کاغذ، کچھ ادھ لکھے ہوئے اور کچھ مسلے ہوئے بکھرے ہوئے تھے۔ جو اسکے اندرونی فشار کی بھرپور عکاسی کر رہے تھے۔

اس کی سوجن زدہ آنکھیں رتجگے کی غماز تھیں، ساری رات حمزہ کا سرد لہجہ اسکی سماعتوں میں انگارے برساتا رہا، اور وہ چاہ کر بھی اپنا کوئی آفیشل کام نہیں نبٹا سکی۔ شہزاد، جس کی زندگی کی پہلی ترجیح اسکا پروفیشن تھا اور وہ اس پر کبھی کمپرومائز کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی لیکن پہلی بار اسے ہر چیز سے اکتاہٹ

محسوس ہوئی۔اس کی فائلیں اسکی منتظر تھیں،اسے کچھ نوٹس بھی بنانے تھےلیکن دل ودماغ آج اسکے اختیار میں نہیں تھے۔

اسے اب حمزہ خالد کا رویئہ انتہائی امیچورڈ اور بچگانہ لگ رہا تھا،وہ مانتی تھی،کچھ غلطی اسکی بھی تھی لیکن کم ازکم وہ اس سے اس قدر شدید ردعمل کی توقع نہیں رکھتی تھی۔وہ اس سے خفا ہوتا تو شاید وہ منا لیتی لیکن اس نے تو ایک جھٹکے سے اسے خود سے الگ کر کے پھینک دیا تھا۔

شہزاد کو پہلے اسکی باتوں پر صدمہ پہنچا اور جیسے جیسے وہ ان باتوں کی گہرائی پر غور کرتی گئی،اب صدمے کی کیفیت کی جگہ اپنی ناقدری نے لی تھی۔

ایک گھنٹہ شاور لینے کے بعد بھی اسکے اندر کی کھولن کم نہیں ہوئی،وہ حمزہ کے کہے ہوئے تلخ جملوں کو سینکڑوں بار اپنے ذہن میں دہرا چکی تھی،اسکی باتیں اتنی سخت نہیں تھیں لیکن اسکا لہجہ کسی کو بھی زندہ زمین میں گاڑ دینے کے مترادف تھا۔

اسے پہلی بار احساس ہوا،لفظ انسان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اگر لہجے زہر آلود نہ ہوں تو انسان کڑوا گھونٹ بھی کسی نہ کسی طرح پی ہی لیتا ہے،جیسے وہ اس کی باتوں کو ہضم کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کوشش میں بُری طرح سے ناکام تھی۔وہ ایسی تھکن محسوس کر رہی تھی جیسے کئی صدیوں کی مسافت طے کر آئی ہو۔

اس دن وہ ناشتہ کیے بغیر گھر سے نکل آئی،باہر آ کر ایک اور صدمہ اسکا منتظر تھا،گیٹ پر موجود سیکورٹی گارڈ نے بتایا اسکا پرسنل گارڈ رضا رات ہی واپس جا چکا ہے اور اسے اپنی کمپنی کی طرف سے واپسی کے آرڈرز ملے تھے۔

رضا کی واپسی،یقیناً حمزہ کے حکم کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی اور اس سوچ کے آتے ہی شہزاد کی رنجیدگی،ناراضگی میں تبدیل ہو گئی،وہ جان گئی تھی رضا کے واپس جانے کا صاف مطلب یہ تھا کہ حمزہ کو اب حقیقت میں اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا،وہ مرے یا جیئے اس سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اس سوچ نے اس کے

اندر کی انا پرست لڑکی کو ایک جھٹکے میں بیدار کر دیا۔

''گو ٹو دا ہیل۔۔۔''اس نے غصے سے اپنی گاڑی کا دروازہ بند کیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

آج اسے مسز قریشی کو آفس جاتے ہوئے پک کرنا تھا،کیونکہ دونوں کی ڈی پی او کے ساتھ ایک ضروری میٹنگ تھی،اس کا آج کا سارا دن مصروف گذرنے والا تھا۔شہزاد نے اپنی گاڑی مسز قریشی کے گھر کی جانب موڑ لی،وہ ان سے اگلے ہی سیکٹر میں رہتی تھیں،دس منٹ بعد اسکی گاڑی ہادی کے خوبصورت بنگلے میں داخل ہو رہی تھی۔مالی اس وقت لان کے پودوں کو پانی دے رہا تھا۔

وہ جیسے ہی اپنی گاڑی سے باہر نکلی،گھر کے اندرونی دروازے سے ہادی عجلت بھرے انداز میں اپنا لیپ ٹاپ کا بیگ اٹھائے نکل رہا تھا،اسے آج مری کے لیے دیر ہو گئی تھی،اسے دیکھ کر وہ ہلکا سا ٹھٹکا اور اسکی رتجگے کی عکاسی کرتی آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے اس نے سلام کیا۔

''کیسے ہیں ہادی آپ۔۔؟''وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

''میں تو ٹھیک ہوں، لیکن شاید آپ ٹھیک نہیں۔۔'' اسکے لہجے میں فکرمندی چھلکی۔

''کیوں، کیا ہوا۔۔؟'' شہزاد نے حیرانگی سے اسکی طرف دیکھا۔ ڈارک براون کلر کی پینٹ کے ساتھ فان کلر کی شرٹ میں وہ خاصا اسمارٹ لگ رہا تھا۔

''آئی تھنک ساری رات کام کرتی رہی ہیں آپ، تبھی آنکھیں اتنی زیادہ سرخ ہو ہی ہیں۔'' ہادی کی بات پر وہ ہلکا سا گڑبڑائی۔

''اندازے اچھے لگا لیتے ہیں آپ، بس کچھ ایسا ہی سلسلہ رہا رات بھر۔'' وہ زبردستی مسکرا کر مزید گویا ہوئی۔'' آپ شاید مری کے لیے نکل رہے ہیں۔؟''

''تھینکس گاڈ، آپ نے یاد دلا دیا میں آل ریڈی لیٹ ہو چکا ہوں، انشاء اللہ نیکسٹ ویک اینڈ پر ملاقات ہوتی ہے۔'' وہ تیزی سے پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھا اور چلتے چلتے رکا اور پھر مڑ کر اسے مخاطب کیا۔۔

''ایک بات کہوں شہزاد۔۔؟؟؟''

اس کے انداز میں کچھ تھا شیری کے دل کی دھڑکن بے ربط ہوئی۔ وہ جان گئی تھی وہ اس وقت حمزہ کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کرے گا، وہ دونوں بیسٹ فرینڈز تھے اور یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ اسکے اور حمزہ کے بیچ کی ناراضگی کے بارے میں جانتا نہ ہو۔

''مرد کی انا پر جب چوٹ پڑتی ہے تو وہ ساری محبت لپیٹ کر ایک سائیڈ پر رکھ دیتا ہے، کوشش کیجیے گا اپنی زندگی میں ایسا کوئی موقع نہ آنے دیں۔'' ہادی کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گیا۔ شہزاد نے چونک کر اسکی طرف دیکھا اور استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

''جب عورت کی انا پر چوٹ پڑتی ہے تو وہ انتہائی محبت کے ساتھ سر پر بیٹھائے ہوئے مرد کو بُری طرح سے زمین پر لا پٹختی ہے اور پھر ساری زندگی اس کی طرف مڑ کر نہیں دیکھتی۔۔۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے رکی نہیں اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''لو جی حمزہ خالد ساری زندگی کی خواری آپ کی قسمت میں لکھی جا چکی ہے۔۔'' وہ دل ہی دل میں سوچتا ہوا اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔

وہ اچھی طرح سے جانتا تھا، وہ شہزاد تھی، جو محبت میں صرف دل دینے کی قائل تھی، وہ اپنی عزت اور انا کا سودا کسی بھی قیمت پر نہیں کر سکتی تھی، وہ مر سکتی تھی لیکن

کسی کے سامنے جا کر یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔

شہزاد اپنی دھن میں چلتی ہوئی جیسے ہی مسز قریشی کے سیٹنگ روم میں داخل ہوئی، اسکی نظر صوفے پر بیٹھی ہوئی درشہوار پر پڑی۔ شہزاد کو دیکھتے ہی درشہوار کے

چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، جبکہ شہزاد نے بھی ہلکا سا ٹھٹک کر اس لڑکی کو دیکھا، جسکا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا، لیکن وہ اسے اتنی نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کہ شہزاد کو الجھن کا احساس ہوا۔

''السلام علیکم۔۔۔!!!''شہزاد کے سلام کرنے پر اسکے ہونٹوں پر ایک زہرناک تبسم نے کروٹ لی۔

''پلیز مسز قریشی کو بتادیں، بیرسٹر شیری آئی ہیں۔۔''اس نے اسکی خاموشی سے گھبرا کر اسے کہا۔

''میں اس گھر کی سرونٹ نہیں ہوں۔۔۔''درشہوار بولی تو اسکے لہجے میں سختی کے ساتھ محسوس کیا جانے والا تنفر بھی نمایاں تھا۔

''آئی ایم سوری، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔۔''وہ شرمندہ ہوگئی۔

وہ شہزاد کی مذید کسی بھی بات کا جواب دیئے بغیر پاؤں پٹختی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی، شہزاد کو عجیب سا احساس ہوا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس کے بارے میں سوچتی، ایک ملازمہ گھومتی ہوئی ادھر آگئی تھی۔اس نے اپنا پیغام اسے دیا اور خاموشی سے صوفے پر بیٹھ کر مسز قریشی کا انتظار کرنے لگی۔

وہ سارا دن اس نے مسز قریشی کے ساتھ خاصا مصروف گذارا، لیکن دھیان کی بند کھڑکیاں بار بار حمزہ کی طرف کھل رہی تھیں۔جسے وہ پوری شدت سے بند کر کے دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو جاتی، لیکن آج اسکی کارکردگی تھوڑی سست رہی اور اس بات کو مسز قریشی نے بھی کئی بار محسوس کیا۔

دوپہر میں وہ مسز قریشی اور اپنے ایک کلائنٹ کے ساتھ لنچ کرنے ''سرینہ'' ہوٹل پہنچی تو اسکا موڈ کافی بہتر ہو چکا تھا، ان کی لنچ کے دوران بھی ایک میٹنگ تھی لیکن آج شاید اسکے ستارے گردش میں تھے۔

بوفے لنچ کے لیے ہال میں داخل ہوتے ہوئے اسکی نظریں سب سے پہلی میز پر موجود حمزہ خالد کے ساتھ ایک اسٹائلش سی لڑکی پر پڑیں۔اس کے ساتھ ہی

اسے محسوس ہوا جیسے کسی نے اسکا دل اپنی مٹھی میں بند کر کے مسل دیا ہو۔

زمین نے اس کے پیروں کو مضبوطی سے جکڑ لیا تھا۔حمزہ خالد کو بھی خود پر کسی کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس ہوا تو اس نے بھی چونک کر سامنے کی طرف دیکھا، شہزاد براہ راست اسکی آنکھوں میں جھانک رہی تھی، جہاں اسکے لیے محض اجنبیت کے گہرے سائے تھے۔اس نے شہزاد پر یوں ایک سرسری سی نظر ڈالی تھی جیسے ان کے درمیان شناسائی کا کوئی لمحہ آیا ہی نہ ہو۔

وہ اب مسکراتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی کی پلیٹ میں فرائیڈ رائس ڈال رہا تھا، جو ہنستے ہوئے اسے بار بار منع کر رہی تھی۔شہزاد کو یہ منظر دیکھ کر اپنی

آنکھوں میں مرچیں بھرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

مسز قریشی سیل فون پر بات کرتے ہوئے اپنے کلائنٹ کے ساتھ ایک خالی میز کی طرف بڑھ گئیں، اسے بھی مجبوراً ان کی پیروی کرنا پڑی، ویسے بھی راستے میں یوں کھڑے ہونا اوّوڈ لگ رہا تھا۔مسز قریشی نے شاید حمزہ کی طرف نہیں دیکھا تھا ورنہ وہ اس سے سلام دعا

کر کے لیے ضرور رکتیں۔

شہزاد کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا۔وہ خاموشی سے جا کر بیٹھ تو گئی لیکن اسکی ساری بھوک پیاس اڑ چکی تھی۔اس نے ایک رات میں اس شخص کو گرگٹ کی

طرح رنگ بدلتے دیکھا تھا اور اس چیز کو قبول کرنے کے لیے اسے کم از کم بھی کئی سال درکار تھے،اس نے گلے میں لگنے والے پھندے کو ختم کرنے کے

لیے ٹھنڈے یخ پانی کے گلاس کو منہ لگا لیا،لیکن اندر جلتا ہوا آلاؤ،ایک گلاس پانی سے کہاں ختم ہو سکتا تھا۔

☆......☆......☆

ساری رات مونیکا نے ملتان کے ہالی ڈے ان ہوٹل میں رو رو کر گذاری تھی۔

بڑی حویلی سے دھتکارے جانے کے بعد ذوالکفل اسے لے کر کسی دوست یا رشتے دار کے گھر جانے کی بجائے ہوٹل میں لے آیا

۔وہ دونوں اس وقت شدید صدمے کی کیفیت کا شکار تھے لیکن مونیکا کو اپنی تذلیل کا احساس بار بار کچو کے لگا رہا تھا۔

''کیا آپکو بھی لگتا ہے میں نے آپ کے ساتھ شادی آپکی دولت کی وجہ سے کی ہے۔''اس نے ٹشو سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے رنجیدگی سے پوچھا۔

''یار پاگل ہوگئی ہو کیا۔؟ کیوں بے وقوفوں جیسی باتیں کرتی ہو،جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے تمہیں کبھی بھی اپنے بیک گراؤنڈ کے بارے میں نہیں بتایا اور نہ ہی تم نے کبھی اس معاملے میں کوئی دلچسپی لینے کی کوشش کی۔۔''ذوالکفل نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگا کر تسلی دی۔

''پھر آپ کے بابا ایسا کیوں سوچ رہے ہیں۔۔؟''مونیکا کو اسکے والد کا زہر آلو لہجہ یاد آیا تو اسکی آنکھیں نمکیں پانیوں سے بھر گئیں۔

''ظاہر ہے ان کی سوچ یہیں تک جا سکتی ہے،ویسے بھی جس شخص کو اپنے حسب نسب اور خاندانی دولت پر غرور ہو،وہ ایسی ہی باتیں کرتا ہے۔''ذوالکفل اپنے والد سے دل ہی دل میں کافی خفا ہو چکا تھا۔

''مجھے تو لگتا ہے یہ لوگ ساری زندگی ہمیں معاف نہیں کریں گے۔۔''مونیکا کو اگلی پریشانی نے گھیر لیا۔

''ایسا نہیں ہوگا،وہ لوگ تمہیں اہمیت دیں یا نہ دیں لیکن میری اولاد کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔۔''ذوالکفل کے لہجے میں آنے والے دنوں کے لیے خاصی روشن امید تھی۔

''مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ لوگ مجھے اس طرح سے دھتکاریں گے۔۔''مونیکا افسردہ ہوئی۔

''توقع تو مجھے بھی نہیں تھی لیکن تم ٹینشن مت لو،انشاء اللہ بی جان کوئی نہ کوئی مسئلے کا حل نکال لیں گی۔وہ مجھ سے بہت محبت کرتی

ہیں اور میرے بغیر نہیں رہ سکتیں۔۔" ذوالکفل کو اپنی ماں کی محبت پر بھرپور یقین تھا۔

"میرا خیال ہے ہمیں کل ہی واپس لاہور چلے جانا چاہیے۔۔"

"تم اپنے والدین سے نہیں ملو گی کیا۔۔۔؟" ذوالکفل حیران ہوا۔

"مجھے اب ان سے بھی کوئی اچھی امید نہیں، ایسا نہ ہو وہ اس سے بھی بُرا سلوک کریں۔۔" مونیکا سبھی سے مایوس ہو چکی تھی۔

"وہ جتنا بھی بُرا سلوک کر لیں لیکن کم از کم ایسے تذلیل نہیں کریں گے جیسے میرے والد صاحب نے تمہاری کی، اور مجھے اس بات کا بہت دکھ ہے، ہو سکے تو تم مجھے معاف کر دینا، کیونکہ یہ سب میری وجہ سے تمہیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔" ذوالکفل واقعی دل سے شرمندہ تھا اسکی اس بات پر مونیکا بھی خفت کا شکار ہوئی۔

"اس میں آپ کا تو کوئی قصور نہیں، اس لیے آپ پلیز معافی مت مانگیں۔۔" وہ اپنی نم آنکھوں کے ساتھ اسے مطعمن کرنے کے لیے زبردستی مسکرائی۔

"بس فیصلہ ہو گیا، کل تمہارے پیرنٹس سے ملنے کے بعد ہم لاہور کے لیے نکل جائیں گے۔۔" ذوالکفل نے اپنی شریک حیات کو محبت کے ساتھ اپنے کندھے سے لگایا اور نرمی سے اسکے آنسو پونچھتے ہوئے اپنا اگلا پلان بتایا۔

"اگر ان لوگوں کو ہماری ضرورت نہیں ہے تو ہمیں بھی کسی کا ساتھ نہیں چاہیے، ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے کافی ہیں۔۔" وہ مونیکا کی دلجوئی کر رہا تھا جس کا دل ان چند باتوں کو سننے کے بعد ہی ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

شام ہی سے لودھراں شہر کی فضا گرد و غبار سے اٹی ہوئی تھی۔۔۔

ایک تو بے تحاشا گرمی اور اوپر سے ماحول میں سانس بند کر دینے والا حبس طاری تھا۔ وہاج فلیٹ سے اپنی ضروری چیزیں سمیٹ رہے تھے، انہیں آج اپنی گاڑی سے کراچی کے لیے نکلنا تھا۔ جہاں ان کا دوست خاور ان کا منتظر تھا۔

اسد چیمہ صوفے پر بیٹھا ہوا بار بار بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا اور اسکی نظریں بار بار بھٹک کر وال کلاک کی طرف جا رہی تھیں۔ وہاج نے اسکی بے چینی کو محسوس کیا اور ایک دل جلانے والی مسکراہٹ اسکے لبوں پر آ گئی۔

"کیوں ٹینشن لے رہے ہو، آج جان چھوڑ رہا ہوں تمہاری۔۔۔" وہاج کی بات پر اسد کھسیا سا گیا۔

"ارے نہیں نہیں، تم غلط سمجھ رہے ہو مجھے اصل میں شزا سے ملنے جانا تھا۔" اسد نے گھبرا کر اپنی گرل فرینڈ کا نام لیا جس کے ساتھ اسکی آجکل خوب دوستی تھی اور وہاج بھی اس سے مل چکا تھا۔

"تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں۔۔" وہاج کو اسکی بات کا یقین نہیں آیا، اس نے بیگ میں اپنے کپڑے رکھ کر زپ بند کی، اسکی یہ

ساری شاپنگ اسد نے کی تھی کیونکہ وہ اس دن مری سے خالی ہاتھ ہی نکلا تھا اور اسے اپنے کپڑے وغیرہ بھی اٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

''وہاج، تم مجھ سے خفا ہو کر تو نہیں جا رہے ہو۔۔؟'' اسد نے فلیٹ کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے ہلکا سا جھجک کر پوچھا تو وہ مسکرا دیا۔

''ارے نہیں یار، میں تمہاری مجبوری سمجھتا ہوں، اصل میں اقتدار چیز ہی ایسی ہے، جس کے لیے انسان اپنی سگی اولاد تک کا خون بہا دیتا ہے، اور الیکشن کے دن ہیں، میں نہیں چاہتا تم لوگ بھی اسی سچوئشن سے گذرو جس سے میرے خاندان گذر رہا ہے۔'' وہاج کی بات پر اسد کو کچھ شرمندگی ہوئی۔

''جیسے ہی حالات ٹھیک ہونگے میں تمہیں بلا لوں گا۔'' اسد نے یونہی اسے دلاسہ دینے کو کہا لیکن وہاج اس سچوئش میں جان چکا تھا، بُرے وقت اور مصیبت میں کوئی کسی کا دوست نہیں ہوتا، اپنے اپنے حصّے کا جہنم انسان کو خود ہی بھگتنا پڑتا ہے۔

وہاج جب اسد کے فلیٹ سے نکلا، اس وقت رات کے دس بج رہے تھے اور پورا شہر ایک سرخ آندھی کی لپیٹ میں تھا، وہ گرد اور مٹی کے اس طوفان میں بمشکل گاڑی چلاتا ہوا ہائی وے کی طرف جا رہا تھا۔

ایک سنسنان سڑک پر اچانک اسکی گاڑی کا ٹائر برسٹ ہوا۔ وہاج اس اچانک حملے سے سنبھل نہیں سکا، اسکی گاڑی غیر متوازن ہوئی اس نے پوری قوت سے بریک لگائی اور ارد گرد کی فضا ٹائروں کے چرچرانے کی آواز سے گونج اٹھی۔

اس سے پہلے وہ سنبھل کر صورتحال کا جائزہ لیتا۔ تین چار لمبے تڑنگے مرد رات کے سیاہ اندھیرے میں اسکی گاڑی کی طرف بڑھے، غصّے سے اسکی گاڑی کا دروازہ کھولا اور سب سے آگے موجود شخص نے وہاج کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر ہاتھ میں پکڑی کلاشنکوف کا پورا برسٹ اسکے سینے پر خالی کر دیا۔ فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ پھیل گئی اور دور کہیں اجل نے بھی میر وہاج علی کے مردہ وجود کو استہزائیہ نظروں سے دیکھا۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

وہاج کے قتل کی خبر پورے پاکستان میں آگ کی طرح پھیلی اور بہت سے لوگوں کو بیک وقت خوشی اور دکھ کا احساس بخش گئی۔۔۔!!!

وہ سارے لوگ جو اس خاندان کے حوالے سے کسی نہ کسی ظلم یا زیادتی کا شکار ہوئے تھے، انہیں اطمینان ہوا خدا کی بے آواز لاٹھی جب کسی کو آ کر لگتی ہے تو انہیں ایسے ہی ہلا کر رکھ دیتی ہے۔

میر ہاؤس کے مکینوں کی تو گویا کسی نے کمر ہی توڑ دی۔۔۔!!!

راتوں رات سارا خاندان اپنے آبائی شہر ملتان پہنچا اور سب کے چہروں پر چھائی ہوئی سراسیمگی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ لوگ اس حادثے کے لیے قطعاً بھی تیار نہیں تھے، میر حاکم کے خاندان کی سیکورٹی میں ایک دم اضافہ کر دیا گیا۔ ان کی آبائی حویلی، اور مختلف گھروں کے باہر پولیس کی نفری بڑھا دی گئی، کچھ بھی تھا وہ اس وقت حکومت وقت میں تھے۔

میر وہاج کی لاش، پیٹرولنگ پولیس کو ملی اور ان کے والٹ سے نکلنے والے کارڈز نے تصدیق کر دی، اور ساتھ ہی مختلف حکومتی ادارے متحرک ہو گئے، میر ہاؤس میں تو گویا قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

فارحہ بھابھی کی حالت سب سے زیادہ خراب تھی اور ان کا ذہن بالکل بھی اس چیز کو بالکل بھی قبول نہیں کر رہا تھا اس لیے ان کو مسلسل ٹرینکولائزر دے کر سلایا جا رہا تھا جبکہ تاجدار بیگم خود بھی اپنے حواسوں میں نہیں تھیں۔ وہ انکی ماں تھیں اور ویسے بھی وہ پچھلے کافی دنوں سے اپنی اس اولاد کے حوالے سے شدید ذہنی اذیت کا شکار تھیں۔ وہاج کی ناگہانی موت کو قبول کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

ابھی تو سفاک میڈیا ان کی آنکھوں میں جوتوں سمیت گھسنے کی کوشش کر رہا تھا اور پورے اہتمام کے ساتھ ان کے زخموں پر نمک چھڑک رہا تھا۔۔

وہاج میر، محتشم صاحب اور تاجدار بیگم کی سب سے لاڈلی اور پہلی اولاد تھی جس کی پیدائش پر پورے تین دن حویلی میں جشن منایا گیا تھا، وہ سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوا تھا، وہ اگر میر حاکم کا چہیتا تھا تو اپنی ماں کی آنکھوں کا تارہ۔۔

اس نے زندگی میں جو چاہا، وہی حاصل کیا، اسے اپنے گھر کے بڑوں کو خوش رکھنے کا ہنر آتا تھا، اور جو سچ بات تھی تو میر حاکم کو سب سے زیادہ اپنے اسی پوتے سے امیدیں تھیں جو سیاست کے میدان میں ان کا جانشین بننے کی مکمل اہلیت رکھتا تھا۔

اسی میر وہاج کی لاش پر بیدردی سے گولیاں برسائی گئی تھیں ان کا سارا وجود چھلنی تھا اور چہرے کو شناخت کے قابل نہ چھوڑنے کے لیے اسے بُری طرح سے مسخ کر دیا گیا تھا، اسکی لاش پر ایک نظر ڈالنا بھی دشوار تھا۔

وہ اس وقت عبرت کی جیتی جاگتی تصویر بنا ہوا میڈیا کی اسکرینوں پر چھایا ہوا تھا، اس کے ماضی کے قصے دبے دبے انداز میں ہیڈ

لائن کی سرخیوں کا مرکز بنے ہوئے تھے میر فیملی کے لیے تو گویا یہ ہی یوم حشر تھا، جہاں ان کے اعمال ٹی وی اسکرین پر ان کے سامنے دیکھائے جا رہے تھے۔

میر وہاج کے ساتھ ساتھ اس بار میر خاقان کی خفیہ شادیاں بھی موضوع گفتگو تھیں، میڈیا ایک دم سے پینترا بدل چکا تھا، اور یہ بات میر حاکم کے لیے زیادہ تشویش کا باعث تھی، انہیں اس وقت اپنے پوتے وہاج کی تدفین سے زیادہ کچھ اینکرز تک لفافے پہنچانے کی فکر تھی، جو الیکشن کے دنوں میں ان کے لیے ہمدردی کا ووٹ حاصل کرنے میں ان کی بھرپور مدد کر سکتے تھے۔۔۔

ان کا دماغ ایسی سچویشن میں بھی متحرک تھا، اور ان جیسا حوصلہ، ضبط اور ہمت ان کی کسی بھی اولاد میں نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت وہی سب کے سوالات کے جوابات دے رہے تھے۔

''میر صاحب کیا آپ بتا سکتے ہیں اس قتل کے پیچھے کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔۔۔؟''

''کیا یہ آپ کے سیاسی مخالفین کی کوئی چال تو نہیں تا کہ الیکشن میں آپ کا مورال ڈاون کیا جا سکے۔۔۔؟''

''کیا اس قتل کیس کی کڑیاں صندل کیس کے ساتھ ملائی جا سکتی ہیں۔۔۔؟''

''اب میر وہاج کی سیٹ پر آپ کے خاندان کا کون سا شخص الیکشن لڑے گا۔۔''؟

''آپ لوگ ان سب حالات سے نبٹنے کے لیے کیا حکمت عملی طے کریں گے۔۔؟''

یہ سارے وہ سوالات تھے جو میڈیا کے نمائندے بڑی حویلی سے نکلنے والے ہر فرد سے پوچھ رہے تھے، لیکن اس موقعے پر صرف میر حاکم کا ضبط دیدنی تھا، وہ انتہائی سنجیدگی کے ساتھ صبر و تحمل کا پیکر بنے ہوئے بہت تفصیل سے اپنے جذبات اور خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔

بڑی حویلی میں لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا اور وہاج کی تدفین کے مراحل ٹی وی پر لائیو دیکھائے جا رہے تھے، محتشم صاحب کی آنکھیں ضبط کی کوشش میں لال ہو رہی تھیں، کچھ بھی تھا وہاج ان کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور زندگی میں پہلی بار انہیں اپنے اس بیٹے سے کچھ مسئلہ ہوا تھا اور نہ وہ تو باپ کا ہمیشہ سے ہم نوا ہوتا اور سیاست میں گہری دلچسپی کی وجہ سے وہ اس گھر کے سب مردوں کا فیورٹ تھا، ورنہ برہان ، ارسل اور شاہ میر نے ان سب کو مایوس کرنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

حویلی کے زنان خانے میں اس وقت بیشمار عورتیں اکٹھی تھیں اور کچھ دبے دبے لفظوں میں درشہوار کے بارے میں بھی پوچھ چکیں تھیں کیونکہ اس خبر کو ابھی تک پورے خاندان سے چھپایا جا رہا تھا۔ طوبیٰ، انابیہ اور ندرت بیگم تینوں کا ایک ہی بیان تھا کہ اسکی طبعیت ٹھیک نہیں اور ڈاکٹرز نے اسے کسی سے بھی ملنے سے منع کیا ہے، چونکہ اس وقت فارحہ بھابھی اور تاجدار بیگم کے سلسلے میں ڈاکٹرز کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا، اس لیے کسی کو اس بیان پر شک بھی نہیں ہوا۔ شاہ میر تاجدار بیگم کے کمرے سے نکلا تو سامنے سے آتی ہوئی طوبیٰ ٹھٹک گئی۔

سفید رنگ کے شلوار کرتے میں اس کا اچھا خاصا رنگ، مدھم اور آنکھیں ضبط کی کوشش میں سرخ لگ رہی تھیں۔

''میرو کیا کہا ہے ڈاکٹر نے۔۔۔؟؟؟''

''کیا کہہ سکتے ہیں وہ ان حالات میں، یہی کہ شدید ڈپریشن کا شکار ہیں وہ۔۔۔'' وہ افسردگی سے بولتا ہوا اس کے ساتھ بڑی حویلی کی پچھلی سائیڈ پر چلا آیا، طوبیٰ کی آنکھیں شدت گریہ کی وجہ سے سوجی ہوئی تھیں۔

''صدمہ بھی تو چھوٹا نہیں ہے میرو۔۔۔'' طوبیٰ کی آنکھوں سے آنسو پھسلے۔۔۔

''ہاں صدمہ چھوٹا نہیں ہے لیکن صندل کی آہ لگی ہے انہیں۔۔۔'' شاہ میر کا زہریلا لہجہ اسے چونکا گیا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی، سگے بھائی کی موت اور ایسی صورت میں جب میت بھی گھر میں موجود تھی، کم از کم اس قسم کی بات کرنے کا حوصلہ کوئی کر سکتا ہے، لیکن وہ شاہ میر تھا، جو اپنے مخصوص بے دھڑک انداز میں غلط بات کو غلط کہنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ اسی لیے اپنے بڑوں کی نظروں میں کھٹکتا تھا۔

''کیا ہوا۔۔؟ ایسے بے یقینی سے کیوں دیکھ رہی ہو۔۔۔؟'' اس نے بھی اسکی حیرانگی کو نوٹ کیا۔

''مجھے توقع نہیں تھی کہ تم ایسی بات کرو گے۔۔۔'' وہ صاف گوئی سے گویا ہوئی۔

''ذرا باہر جا کے مردانے میں بیٹھو اور لوگوں کی سرگوشیاں سنو، خدا کی قسم دل کرتا ہے انسان خودکشی کر لے۔۔'' وہ ایک دم پھٹ پڑا۔

''پتا نہیں ہم دوسروں کے ساتھ زیادتی کرتے ہوئے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اوپر بھی کوئی ذات ہے، جو صرف ان کی نہیں تمام کائنات کی مالک ہے اور جسکا یہ کہنا ہے کہ کوئی ذرا برابر بھی کسی کے ساتھ زیادتی کرے گا تو اسے دنیا میں ہی اسے بھگتنا پڑے گا۔'' وہ جذباتی انداز میں بولتا چلا گیا۔

''کیا کہہ رہے ہیں لوگ۔۔۔؟'' اس نے نظریں چرا کر پوچھا۔

''لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مکافات عمل ہے اور میر خاندان کے زوال کا آغاز ہو چکا ہے، اس لیے انہیں اپنے گناہوں پر توبہ کرنی چاہیے۔۔'' شاہ میر کی اس بات پر طوبیٰ کو ایکدم چپ لگی۔۔

''اور داجی اس موقعے پر بھی اپنی سیاست چمکانے سے باز نہیں آ رہے، تم جا کر دیکھو، لگتا ہی نہیں ان کے سامنے ان کے سب سے لاڈلے پوتے کی میت پڑی ہوئی ہے۔۔۔'' اس کے گلے میں بے شمار آنسو آن بیٹھے اور اسکی آواز کانپنے لگی۔

''ٹیک اٹ ایزی شاہ میر۔۔۔'' اس نے شاہ میر کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کیسے ایزی لوں، وہ گناہ گار سہی، انہوں نے جو صندل کے ساتھ کیا، بہت غلط کیا لیکن یار وہ میرا بھائی بھی تھا، وہ محتشم کی اولاد بھی تھا، وہ کسی کا شوہر بھی تھا لیکن وہ داجی کے لیے محض ایک لاش ہے جسکی قیمت وہ لگا رہے ہیں۔'' اس نے بازو کی پشت سے بیدردی کے ساتھ اپنے آنسوؤں کو واپس دھکیلا۔۔

''پلیز شاہ میر۔۔۔!!!'' وہ پریشان ہوئی۔

''وہ بابا سے اور چچا سے بھی کہہ رہے ہیں کہ اس ایونٹ کو بھی ہمدردی کا ووٹ لینے کے لیے استعمال کرو، میں ایسی گندی سیاست پر اور ایسی حکمرانی پر سو بار لعنت بھیجتا ہوں۔۔'' وہ مزید جذباتی ہوا۔

طوبیٰ نے اسکے کندھے سے بازو ہٹا کر اسکے ہاتھوں کو نرمی سے پکڑا اور اسے سہلانے لگی، وہ اسکی کیفیت کو سمجھ سکتی تھی، وہ جان سکتی تھی کہ وہ اس وقت کس اذیت کے پل صراط سے گذر رہا ہے، وہ اس گھر میں سب سے مختلف تھا اور اس لیے اس کے حصّے میں آنے والا درد بھی زیادہ ہوتا۔

''یار لوگ کیسے کر لیتے ہیں اپنے پیاروں کی لاشوں پر سیاست۔؟ ان کا دل نہیں کانپتا کہ موت کا فرشتہ ان کے گھر کی دہلیز کو چھو کر گذرا ہے، کل کو ان کی بھی باری آ سکتی ہے۔؟ کیا یہ دنیاوی عیش وعشرت، یہ عہدے، یہ منصب، کسی جان سے زیادہ قیمتی ہیں۔۔'' وہ بُری طرح سے ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کے یہ سارے جملے ارسل نے اپنے ہوش وحواس میں سنے، جو اسی کی تلاش میں ادھر آیا تھا۔

''پاگل ہو گئے ہو شاہ میر، آہستہ بولو، کوئی سن لے گا۔۔'' وہ بوکھلا گیا۔ طوبیٰ نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا، پورا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔

''سن لے میں کسی سے ڈرتا نہیں ہوں میں۔۔۔'' بغاوت اسکے لہجے میں عیاں تھی۔

''تم چلو باہر محتشم ماموں پوچھ رہے ہیں تمہارا۔۔۔'' ارسل زبردستی اسکا بازو پکڑ کر اسے باہر کی طرف لے گیا، طوبیٰ جانتی تھی وہ اس وقت جس قیامت سے گذر رہا ہے ان دونوں کے علاوہ پورا خاندان یہی سمجھتا تھا وہاج کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور اسے کسی سیاسی دشمنی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

☆......☆......☆

درشہوار کا چہرہ لٹھے کی مانند سپید ہوا۔۔۔!!!

اس نے دھڑکن محسوس کی، وہ تھم چکی تھی۔۔۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں آنٹی۔۔۔؟؟'' درشہوار کو اپنی پھٹی ہوئی آواز اجنبی لگی۔

''یہ سچ ہے بیٹا، میر وہاج کا مرڈر ہو چکا ہے اور اس وقت سب نیوز چینلز پر ایک ہی خبر چل رہی ہے۔ تمہیں اس موقعے پر بہت حوصلے سے کام لینا ہوگا، میں جانتی ہوں یہ کوئی آسان مرحلہ نہیں۔'' مسز قریشی براہ راست اسکی آنکھوں میں جھانک رہی تھیں۔

درشہوار کا رنگ فق ہوا، اسکی آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں کو بہہ نکلنے کا راستہ ملا، اسکے پورے وجود میں ہلکی سی لرزش تھی۔ اسے لگا جیسے یہ ایک جملہ نہیں کوئی نشتر ہے جو مسز قریشی نے اسکے سینے میں لگایا ہو۔

''آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔۔'' اسکے لبوں سے لفظ پھسلے تو مسز قریشی کو اسکی ذہنی کیفیت کا بخوبی اندازہ ہوا۔۔

''یہ ایک تلخ حقیقت ہے بیٹا، تم جا کر ٹی وی اسکرین پر اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی ہو۔۔'' مسز قریشی کی بات پر اسکا دل گہری کھائی میں ڈوبا۔اس نے چند لمحے بے یقینی سے انکی طرف دیکھا اور پھر دوپٹے سے بے نیاز، ننگے پاؤں، پاگلوں کی طرح دوڑتی ہوئی ٹی وی لاؤنج میں پہنچی۔

اس حادثے کی اطلاع ملتے ہی محمد ہادی بھی فوراً مری سے نکل آیا تھا، وہ ابھی ابھی گھر پہنچا تھا اور اس وقت ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں پکڑے ٹی وی کے مختلف چینلز بدل بدل کر دیکھ رہا تھا، جہاں ایک ہی حادثے کی تصویریں دیکھائی جا رہی تھیں۔اس نے زندگی میں پہلی بار پلک جھپکائے بغیر درشہوار کو دیکھا۔اس وقت اسکے چہرے اور سرد خانے میں پڑی کسی لاش میں اسے کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوا۔

وہ رو رہی تھی، ہادی کو کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی، درشہوار کو لگا جیسے اسکے پورے جسم کو دہکتے ہوئے شعلوں پر لا کھڑا کیا ہوا۔

ٹی وی اسکرین پر وہاج کا چہرہ نمودار ہوا، جسے دیکھتے ہی وہ بلکنے لگی، اسے سانس لینے میں تکلیف ہو رہی تھی، وہ دھندلی آنکھوں کے ساتھ دیوار پر لگی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں میر ہاؤس پر ٹوٹنے والی قیامت کے مناظر دیکھائے جا رہے تھے۔

سامنے اسکا باپ تھا جسے میر برہان اور ارسل نے اپنے بازوؤں کے ذریعے سہارا دے رکھا تھا۔ان سے ایک قدم بھی اٹھانا دشوار تھا۔

اسکے چچا میر خاقان کے چہرے پر پھیلا درد اور کرب، درشہوار کو اپنے دل پر اترتا ہوا محسوس ہوا۔۔

کیمرہ اب اسکے بھائی شاہ میر کو فوکس کیے ہوا تھا، جو اس وقت ضبط کی جیتی جاگتی تصویر بنا ہوا تھا، وہ اس سارے ہنگامے میں ایک سائیڈ پر خاموشی سے کھڑا تھا۔

درشہوار کو یہ سارے مناظر خنجر کی طرح اپنے وجود میں اترتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی جیسے یہ کوئی بھیانک خواب ہو اور اسکے دل و دماغ اس بدصورت حقیقت کو قبول کرنے سے انکاری تھے۔۔

''جیسے ہی ٹی وی اسکرین پر وہاج کا پورا وجود دیکھائی دیا، درشہوار کو لگا کسی نے الٹی چھری کے ساتھ اسے ذبح کرنے کی کوشش کی ہو۔ یہ اسکا وہ سگا بھائی تھا جس نے اس کے سب سے زیادہ لاڈ اٹھائے تھے۔جس نے اسے انگلی سے پکڑ کر چلنا سکھایا تھا۔

یہ اسکا وہی بھائی تھا، جو ماں کی گھوریوں سے بے نیاز، اسکا اسکول کا بیگ چاکلیٹ اور اسکی من پسند اشیاء سے بھر دیتا تھا، جو اسکے چہرے پر چھائی ہوئی اداسی کو دُور کرنے کے لیے گھوڑا بن کر اسے اپنی پیٹھ پر سوار کر لیتا اور تاجدار بیگم سے خاموشی سے ڈانٹ کھا لیتا۔

جس نے اس کے وہ تمام شوق پورے کیے تھے جو اس خاندان کی لڑکیوں کے لیے سوچنا بھی گناہ تھے، وہ اس خاندان کی پہلی لڑکی تھی، جسے سب سے زیادہ چاہا گیا، اور جس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ اس کے تینوں بھائیوں کے لیے حرف آخر ہوتا۔اس کی سوچیں بے وزن گالوں کی طرح فضا میں بکھرنے لگیں، ماضی فلیش بیک کی طرح اسکے ذہن میں چلنے لگا۔

درشہوار کے اسی بھائی کا چہرہ پٹیوں میں قید تھا اور اس کے جسم سے روح آزاد ہو چکی تھی، اور وہ اپنے کیے کی سزا دنیا میں ہی بھگت کر اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا، اور اسکی بہن کا بس نہیں چل رہا تھا، وہ اسکرین کو توڑ کر وہاج کو چھو کر دیکھے، اور اتنا زور زور سے روئے کہ اسکا کلیجہ پھٹ جائے۔

وہ جانتی تھی اس وقت اس کا خاندان کرب کی کس بھٹی میں جل رہا ہوگا، وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اسکی ماں کو سنبھالنا اس موقعے پر پورے خاندان کے لیے کس قدر دشوار مرحلہ ہوگا، اور بدقسمتی سے وہ یہ بھی جانتی تھی کہ فارحہ بھابھی اور اسکے خاندان کا ایک ایک بندہ خون کے آنسو رو رہا ہوگا۔

درشہوار کو پہلی دفعہ اپنے وجود سے نفرت محسوس ہوئی، اسکی ایک محبت نے اسے اپنے خاندان بھر کی محبتوں سے محروم کر دیا تھا۔ وہ صدمے کی سی کیفیت سے چلتی ہوئی ٹی وی اسکرین کے پاس پہنچی وہ وہاج کے چہرے کو چھو کر محسوس کرنا چاہتی تھی۔

اسکا بس نہیں چل رہا تھا وہ اپنے ماں جائے کو اس اسکرین سے کھینچ کر نکال لے اور دیوانہ وار اسکے منہ کو ایسے ہی چومے جیسے وہ بچپن میں اس سے پیار کرتا تھا۔ اس کے جسم کا ریشہ ریشہ ایک ہولناک عذاب میں مبتلا ہو چکا تھا۔

ہادی کو یقین ہو گیا وہ اپنے حواسوں میں نہیں ہے، مسز قریشی بھی اس کے پیچھے ٹی وی لاؤنج میں پہنچ گئیں، وہ اسکی حالت کا بخوبی اندازہ لگا سکتی تھیں، بے شک اسکا بھائی صندل کا گناہ گار تھا لیکن خون کے رشتے اپنے پیاروں کے گناہوں سے دانستہ نظریں چرانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔۔۔

درشہوار کا جسم اب لرز رہا تھا، وہ پاگلوں کی طرح روتی ہوئی اپنے دونوں بازو پھیلا کر اسکرین سے لپٹ گئی، اس کے منہ سے نکلنے والی چیخوں نے ہادی کے گھر کے در و بام ہلا دیئے۔ ایک لمحے کو تو ہادی کو بھی اپنا دل پھٹتا ہوا محسوس ہوا۔

"بھائی۔۔۔۔!!!!" اس کی آواز پست اور درد آلود تھی، اسکا رنگ نچڑ گیا تھا۔

ہادی کا دل زندگی میں پہلی بار دکھ کے احساس سے بھرا، اس نے مسز قریشی کی طرف دیکھا، جن کی اپنی آنکھیں نم تھیں، بے شک وہاج کی موت سے وہ ایک جیتی ہوئی بازی ہار چکی تھیں لیکن اس سے پہلے وہ ایک انسان بھی تھیں اور ایک ماں بھی۔

"بیٹا، خود کو سنبھالو، اس طرح رونے سے مرنے والے کی روح کو تکلیف ہوگی۔۔" انہوں نے بمشکل اسے ٹی وی کی اسکرین سے الگ کیا۔

"میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی آنٹی۔۔" وہ روتے ہوئے بے ربط بول رہی تھی۔

"مجھے اپنے گھر جانا ہے، مجھے اپنی ماں سے ملنا ہے۔۔۔"

"خدا کے لیے مجھے آپ ملتان بھجوا دیں۔۔۔" مسز قریشی نے پریشانی سے ہادی کو دیکھا، اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ماں کو کچھ سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں آج کی فلائیٹ سے بکنگ کروا کے ارسل کو فون کر دیتا ہوں۔۔'' ہادی کے منہ سے نکلنے والے جملے نے مسز قریشی کو پریشان کیا۔

''آر یو ان یور سینسز، اس موقعے پر اس کا جانا پورے خاندان کو ایک نیا تماشا دیکھا دے گا۔۔''

''ممی وہ اسکا سگا بھائی ہے، اس موقعے پر اسے جانا چاہیے۔۔'' ہادی جلد از جلد اس سے جان چھڑا لینا چاہتا تھا اور اس سے بہتر کوئی موقع نہیں تھا۔

''میں تمہیں اس قدر احمقانہ فیصلہ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔۔۔'' مسز قریشی خفا ہوئیں۔

''ممی، اس موقعے پر درشہوار کے وہاں پہنچنے سے بہت سے لوگوں کے سوالات ختم ہو جائیں گے اور مجھے پتا ہے میر فیملی نے ابھی تک اس بات کی کسی کو بھی کانوں کان خبر ہونے نہیں دی۔۔'' ہادی نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''وہ اسے مار دیں گے بیٹا۔۔'' مسز قریشی کو اس وقت درشہوار سے دلی ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

''وہ اپنے خاندان کی ہر لڑکی کو مار سکتے ہیں لیکن اسے نہیں۔۔'' ہادی گھر میں اسکی اہمیت سے آگاہ تھا۔

''آپ پلیز اسے جانے دیں، میں ملتان جانے والی اگلی ہی فلائیٹ میں اسکی بکنگ کروا دیتا ہوں۔۔'' ہادی نے اسکے بلکتے ہوئے وجود سے دانستہ نظریں چرا کر بمشکل اپنی ماں کو رضامند کیا۔ اسی وقت جب دونوں ماں بیٹا اس الجھن میں مبتلا تھے، مناہل نے اپنے بریف کیس کے ساتھ گھر کے لاؤنج میں قدم رکھا، وہ کسی کو بھی بتائے بغیر واپس پاکستان آ چکی تھی اور اب پھٹی پھٹی نگاہوں سے برہان کی بہن درشہوار کو دیکھ رہی تھی، وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جس دشمن جان کو بھلانے میں اسے اتنا ٹائم لگا ہے، گھر جاتے ہی اسکی بہن سے سب سے پہلے اسکا سامنا ہو جائے گا۔

جیسے ہی اسے ساری حقیقت کا علم ہوا، اسکا تو دماغ ہی کھول اٹھا، وہ دل ہی دل میں اپنی ممانی اور ہادی دونوں سے ہی خفا ہو چکی تھی اور اسکی آمد کے بعد ہادی کو ایک اسپورٹر اور مل گیا تھا، اور دونوں نے بھاگ دوڑ کر کے پہلی فلائیٹ میں درشہوار کو بیٹھایا، انہیں علم تھا وہ جنازے تک وہاں پہنچ جائے گی لیکن جیسے ہی وہ اسے ائیر پورٹ ڈراپ کر کے واپس آئے تو مسز قریشی کی حالت خاصی خراب تھی اور ان کا بلڈ پریشر شوٹ کر گیا تھا، ہادی اور مناہل دونوں کے حقیقتاً ہاتھ پیر پھول گئے، وہ جانتے تھے کہ انہوں نے کس چیز کی ٹینشن لی ہے، وہ دل سے قطعاً بھی اس بات کے لیے راضی نہیں تھیں کہ درشہوار اس سچوئشن میں اکیلی اپنے گھر واپس جائے کیونکہ اس خاندان کی سفاکی کی داستانیں وہ کافی لوگوں سے سن چکی تھیں۔

☆......☆......☆

''بہت اچھا ہوا میر حاکم کے خاندان کے ساتھ۔۔'' ٹینا بیگم کا زہر آلود جملہ سیٹنگ روم میں گونجا۔

''مام۔۔۔!!!!'' شہزاد نے تاسف بھری نگاہوں سے انکی طرف دیکھا اور چپ رہی، اسے ان کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔

''انشاءاللہ کتے کی موت مریں گے یہ سب۔۔۔'' وہ بیزاری سے سر جھٹک کر مزید گویا ہوئیں۔''یہ لوگ سمجھتے تھے پیسے اور اختیارات کے ذریعے پوری دنیا کو اپنے آگے لگا لیں گے لیکن یہ بھول گئے تھے خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔۔۔''

مسز ٹینا بیگم نے سائیڈ میز پر رکھا اپنا پرس اٹھاتے ہوئے استہزائیہ انداز میں قہقہہ لگایا، ان کے سامنے بیٹھیں ہوئیں شہزاد اور رومیصہ نے ہلکی سی ناگواری کے ساتھ ان کی طرف دیکھا، جو بلیک کلر کی شیفون کی ساڑھی میں قیامت ڈھا رہی تھیں۔

''وہ گناہ گار سہی لیکن ایسی موت ڈیزورنہیں کرتا مام، آپ دیکھیں، اس کے چہرے پر بُری طرح سے گولیاں برسائی گئی ہیں۔'' ایسی بات کہنے کی جرائت شہزاد ہی کر سکتی تھی لیکن رومیصہ تو اس وقت ساکت پلکوں کے ساتھ سانس روکے اسکرین پر ارسل کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

وہ تو مر کر بھی یقین نہیں کر سکتی تھی کہ اس کا تعلق اس خاندان سے نکل سکتا ہے جس سے اسکی سگی بہن اور ماں کو شدید نفرت تھی، جس نے اسکی بہن کو ناکوں چنے چبوانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا تھا۔

''میرا بس چلے تو اس خاندان کے ایک ایک بندے کو پکڑ کر گولیوں سے اڑا دوں۔۔۔''ٹینا بیگم کے چہرے پر پھیلا شدید تنفر شہزاد اور رومیصہ کو چونکا گیا، رومیصہ اپنی پریشانی بھول کر ماں کو دیکھنے لگی جنکی متنفر نگاہیں اس وقت اسکرین پر میر حاکم پر جمی ہوئی تھیں۔۔

''ایسا کیا نقصان کر دیا ہے انہوں نے آپ کا، جو ایسا سوچ رہی ہیں آپ۔۔'' رومیصہ ایکدم جل کر بولی۔

''کبھی موقع ملا تو بتاؤں گی، ان لوگوں کے بہت قرض واجب ہیں، بہت سے لوگوں کی طرف۔۔'' وہ اپنا سیل فون اٹھا کر کمرے سے نکل گئیں، انہیں سیف الرحمٰن کے ساتھ ایک ڈنر پر جانا تھا۔

''ازشی میڈ۔۔۔؟؟؟'' رومیصہ نے شہزاد کی طرف دیکھ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

''لیو اٹ رومی۔ٹیک اٹ ایزی میری جان۔۔!!!'' شہزاد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''انسانیت بھی کسی چڑیا کا نام ہے، یوں کسی کی موت پر ایسے خوش ہوتا ہے کوئی۔؟'' رومیصہ کے تو ویسے ہی اعصاب تنے ہوئے تھے اس لیے سارا غصّہ ٹینا بیگم پر آ رہا تھا۔۔

''تم ان کو چھوڑو، اپنا خیال رکھو، آنکھوں کے نیچے حلقے کتنے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔۔'' شہزاد نے دانستہ اسکی توجہ دوسری جانب کرنے کی کوشش کی۔لیکن رومیصہ اس وقت شدید قسم کی کھولن کا شکار تھی۔

ٹی وی اسکرین پر میر فیملی کے افراد میں ارسل کا نام ان کے نواسے کی حثیت سے بار بار آ رہا تھا اور اس وقت ان کے گھر کے باہر کے لائیو مناظر دیکھائے جا رہے تھے جب اس نے ارسل کو میر برہان کے پاس کھڑے دیکھا اور فوراً ہی اسکا نمبر ملایا۔وہ اسکی آنکھوں کے سامنے تھا، اس نے خود ارسل کو اپنا سیل فون جیب سے نکال کر اپنی کال کاٹتے ہوئے دیکھا، وہ اس وقت اچھے خاصے اضطراب کا شکار لگ رہا تھا۔

''مجھے مسز قریشی کی طرف جانا ہے رومی۔۔'' شہزاد اپنا سیل فون اٹھا کر کھڑی ہوئی، اسکے چہرے پر ہلکی سی تشویش تھی۔

''خیریت۔۔۔؟''

''آئی ڈونٹ نو، وہاں جا کر ہی پتا چلے گا۔۔'' اسکی نظریں سیل فون پر آئے ہوئے ہادی کے ٹیکسٹ پر جمی ہوئیں تھیں، اس نے اسے فوراً اپنے گھر آنے کی ریکوئسٹ کی تھی، وہ ہادی کے اس اچانک میسج پر دل ہی دل میں پریشان ہوتی ہوئی گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل آئی۔۔

آدھے گھنٹے بعد اسکی گاڑی جیسے ہی مسز قریشی کے گھر میں داخل ہوئی، سامنے حمزہ کی گاڑی دیکھ کر اسکے قدم رکے، اسکا مطلب تھا وہ بھی اس وقت یہاں موجود تھا۔ شہزاد نے جب سے اسے ایک لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا تب اسکی اپنی نیندیں حرام ہو چکی تھیں لیکن اس کے لیے اس لڑکی سے زیادہ پریشانی کی بات حمزہ کی نظروں میں موجود اجنبیت اور بیگانی تھی، اسے علم تھا کہ وہ اسکی کوئی کولیگ یا دوست بھی ہو سکتی ہے اور شہزاد اس معاملے میں قطعاً بھی نیرو مائنڈڈ نہیں تھی لیکن وہ اس طرح اسے نظرانداز کرے یہ بات اس کے لیے تکلیف دہ تھی۔

وہ اپنی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے سیٹنگ روم میں داخل ہوئی۔ سامنے کا منظر دیکھتے ہی اسے حیرت کا دھچکہ لگا ،مسز قریشی ہاتھ میں ٹشو پکڑے اپنے آنسو صاف کر رہی تھیں ان کے بالکل برابر میں میں کچھ خفا خفا سی مناہل اور سامنے والے صوفے پر ہادی اور حمزہ براجمان تھے۔ اسے دیکھتے ہی حمزہ نے اپنا سائیڈ پر رکھا سیل فون اٹھا کر خود کو مصروف دیکھائی دینے کی ایکٹینگ شروع کر دی تھی۔

''تھینکس گاڈ آپ آ گئیں شیری، آپ ہی سمجھائیں مام کو۔۔۔'' ہادی اسے دیکھ کر بے اختیار کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر فکرمندی کا عنصر غالب تھا۔

''مسز قریشی سب ٹھیک ہے ناں۔۔؟'' شہزاد کے لیے ان جیسی مضبوط اعصاب کی حامل عورت کی آنکھوں میں آنسوؤں کا دیکھنا انتہائی اچھنبے کی بات تھی۔ اس لیے وہ پریشانی سے مناہل سے ملی، جو خود بھی افسردہ دیکھائی دے رہی تھی۔

''ذرا سی بات کو حواسوں پر سوار کر رکھا ہے انہوں نے۔۔'' ہادی کے لہجے میں ماں کے لیے محبت ہی محبت تھی۔

''یہ ذرا سی بات نہیں ہے ہادی۔۔۔'' وہ ایک دم بھڑک اٹھیں۔

''مام یہ اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے، جس کو اپنے حواسوں پر سوار کیا جائے۔۔'' اس نے دوبدو جواب دیا۔

''یاد رکھنا، اگر درشہوار کو کچھ ہوا تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔'' وہ اپنے آنسوؤں پر کچھ خجل سی ہوتی ہوئی ناگواری سے بولیں جبکہ شہزاد یہ سارا قصہ سمجھنے سے قاصر تھی۔۔

''ممی، سمجھا کر بھیجا ہے اسے اور ویسے بھی وہ مر جائے گی لیکن میرا نام نہیں لے گی اپنے خاندان کے سامنے۔۔'' ہادی کی بات پر مناہل نے بُرا سا منہ بنایا۔

''بے فکر رہیں یہ ساری خاک میرے ہی سر میں ڈلے گی۔۔'' وہ بیزاری سے گویا ہوئی۔

''لیں اب یہ محترمہ خفا ہوگئیں، شام سے یہی سلسلہ چل رہا ہے، ایک کا قبلہ درست ہوتا ہے تو دوسرا رخ موڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔''
وہ ہلکا سا جھنجھلا گیا۔

''میرا خیال ہے، تم ان خواتین کو بیٹھ کرا کیلے میں بات کرنے دو۔۔''

حمزہ اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ دے کر کھڑا ہوا، اس نے ایک دفعہ بھی نگاہ اٹھا کر شہزاد کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ دانستہ اس کو نظرانداز کر رہا تھا۔ شہزاد کے اندر چھن کر کے کچھ ٹوٹا۔ وہ اپنے سیل فون پر آنے والی کال کی طرف متوجہ ہو گیا اور بات کرتے ہوئے لونگ روم سے نکل گیا۔

شہزاد کو تھوڑی ہی دیر بعد مسز قریشی کی پریشانی کا مکمل پتا چل چکا تھا اور ایک گھنٹے کے بعد جب وہ انہیں اچھی طرح سے تسلی دے کر ان کے پاس سے اٹھی تو وہ کافی ریلیکس ہو چکی تھیں اور اس بات پر شرمندہ ہو رہی تھیں کہ ہادی نے اسے رات کے اس وقت خوامخواہ سے زحمت دی، شہزاد نے جیسے ہی لان میں قدم رکھا، سامنے حمزہ اور ہادی دونوں وہاں موجود کافی پی رہے تھے۔ حمزہ نے صرف ایک نگاہ اٹھا کر اسکی طرف دیکھا لیکن اس ایک نظر میں اس قدر لاتعلقی تھی کہ شہزاد کو اپنا دل کھائی میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

''آپ جا رہی ہیں۔۔؟ ممی کچھ ریلیکس ہوئیں کہ نہیں۔۔؟'' ہادی اسے دیکھتے ہی فکرمند انداز میں کھڑا ہوا۔

''ڈونٹ ووری، ایسے ہی تھوڑا اسٹریس لے گئی تھیں، لیکن اب کافی ریلیکس ہیں وہ۔۔'' شہزاد نے بھی اس بار حمزہ کو مکمل اگنور کیا۔

''تھینک یو سو مچ شیری، مجھے پتا تھا آپ انہیں کنوینس کر لیں گی، اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کو ٹیکسٹ کر بیٹھا۔۔'' وہ ہلکا سا شرمندہ ہوا۔

''اٹس او کے ہادی، مسز قریشی کے لیے تو میں ہر وقت موجود ہوں۔۔''

وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی اور اسکی اس بات پر حمزہ نے بڑی جتاتی ہوئی نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا ، عین اسی لمحے شہزاد کی نگاہیں اس سے ملیں، وہ اس کی نگاہ کے سبھی زاویوں کو سمجھتی تھی اور یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس وقت اس میں موجود طنز کی آمیزش کو محسوس نہ کر پاتی۔

''او کے، ہادی میں بھی نکلتا ہوں، انشاء اللہ کل ملتے ہیں۔۔''

حمزہ بھی ہاتھ میں پکڑا کافی کا خالی کپ میز پر رکھ کر ایک دم اٹھا، تو شہزاد کے ساتھ ساتھ ہادی نے بھی تعجب بھری نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا، وہ کندھے اچکا کر انہیں خدا حافظ کہہ کر اپنی گاڑی لیے باہر نکل آئی۔

وہ اپنی سوچوں میں گم ڈرائیو کر رہی تھی جب اسے حمزہ کی گاڑی اپنے گاڑی سے تھوڑا فاصلے پر محسوس ہوئی، وہ اسے فالو کر رہا تھا اور شہزاد کے چہرے پر بے ساختہ ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، اگرچہ وہ کافی مہارت کے ساتھ اسکے پیچھے تھا لیکن اسکی گاڑی کو اگر شہزاد ہی نہ پہچان پاتی تو ان کے درمیان موجود محبت کی سچائی پر انگلی اٹھائی جا سکتی تھی۔

اسکا گھر شہزاد کے گھر سے مختلف سیکٹر میں تھا اور وہ مسلسل اسکے پیچھے تھے، اسلام آباد کی روڈز پر رات کو ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتی تھی اس لیے حمزہ کے لیے خود کو اس کی نظروں سے اوجھل رکھنا خاصا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بیک مرر سے اب با قاعدہ اسکی اس حرکت کو انجوائے کر رہی تھی، اسے پہلی دفعہ اپنا ذہن تھوڑا ریلیکس محسوس ہوا، یقیناً اس کے دل میں اسکے لیے کچھ تھا تبھی تو رات کے اس پہر وہ اسکے پیچھے تھا، اور اسے یقین تھا کہ وہ اسے گھر تک پہنچائے بغیر واپس نہیں جائے گا۔ جیسے ہی وہ اپنی گلی میں داخل ہوئی، حمزہ کی گاڑی تیزی سے اسے اوورٹیک کر کے آگے نکل گئی۔ اس کے ساتھ ہی شہزاد کے دل میں اس کے لیے موجود بدگمانی کے رنگ بھی خاصے ماند پڑ گئے، آج اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔

☆......☆......☆

بڑی حویلی میں قیامت صغریٰ کا منظر تھا۔۔۔

ایسا لگتا تھا جیسے پورا شہر یہاں اُمڈ آیا ہو، جوان موت پر کچھ لوگ تو حقیقتاً افسردہ تھے تو کچھ مخالفین ایسے موقعے پر بھی دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے کہ اس خاندان کے ساتھ بہت اچھا ہوا۔ میر محتشم کے کندھے جھکے ہوئے لیکن حاکم صاحب کا طنطنہ ابھی بھی برقرار تھا۔ ان کا سیاسی حلقہ احباب تو تھا ہی لیکن اس وقت ان کے اسپورٹرز، رشتے دار، اور ملنے ملانے والوں کی بھی بہت بڑی تعداد یہاں موجود تھی۔

وہاں موجود لوگ میر وہاج کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے اور حاکم صاحب کے کچھ سیاسی حریف تو دبے دبے لفظوں میں یہاں تک کہہ رہے تھے کہ اس خاندان نے محض ہمدردی کا ووٹ حاصل کرنے کے لیے اپنے گھرانے کے ایک فرد کی قربانی دی ہے، کیونکہ گھٹیا قسم کی سیاست میں کوئی رشتہ انسان کا اپنا نہیں ہوتا، جب دماغوں پر اقتدار کی ہوس ہو تو انسان سب سے پہلے اپنے بُرے بھلے کی تمیز ہی کھوتا ہے اور انسانی تاریخ گواہ ہے کہ اکثر خونی رشتے اپنے قریبی رشتوں کے خون کا خراج دے کر ہی اس مقام تک پہنچے تھے۔

جنازے سے ایک گھنٹہ پہلے درشہوار پیلے رنگ کی ٹیکسی میں بڑی حویلی پہنچی تو اسے گیٹ پر سیکورٹی گارڈز نے روک لیا، وہاج میر کے قتل کے بعد تو ویسے ہی پولیس خاصی الرٹ تھی اوا حاکم صاحب کا اپنی ذاتی اثر ورسوخ کون سا کم تھا، اس لیے چند ہی گھنٹوں میں ان کے گھرانے کے کئی افراد کی سیکورٹی بڑھا دی گئی تھی۔ حویلی کے لان میں جہاں میت رکھی تھی وہاں صرف خاص خاص لوگوں کو جانے دیا جا رہا تھا جبکہ عوام الناس کے لیے سامنے خالی پلاٹ میں شامیانے لگا کر انتظامات کیے گئے تھے، حویلی کے سامنے والی روڈ پر ہر طرف گاڑیاں ہی گاڑیاں تھیں۔

ایک طرف مختلف چینلز کے نمائندے کھڑے تھے جو وہاں پہنچنے والی ہر اہم شخصیت سے اس واقعے پر ان کا موقف جاننے کے لیے بے چین تھے تو دوسری طرف لائیو کوریج دیکھائی جا رہی تھی۔

درشہوار کو اس بات کا قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ اپنے ہی گھر میں جانے کے لیے اسے وہاں موجود لیڈیز پولیس کو اپنی شناخت کروانا ہو گی، اس نے سیاہ رنگ کی بڑی ساری چادر کے ساتھ خود کو سر سے لے کر پاؤں تک لپیٹا ہوا تھا اور چہرے پر بھی نقاب تھا، لیکن اسکی آنکھوں

سے گھر کا کوئی بھی فرد اسے آسانی سے پہچان سکتا تھا، اسی لیے وہ نظریں جھکائے، گیٹ کی طرف بڑھی تھی، اسے اسلام آباد سے ملتان اور ایئر پورٹ سے حویلی پہنچنے میں تین گھنٹے لگے تھے، ہادی نے اپنے تمام سورسز کا استعمال کر کے اسے پہلی فلائیٹ سے بجھوا دیا تھا۔

وہ اس وقت لیڈیز پولیس کے ساتھ اندر جانے کے لیے بحث کر رہی تھی اور یہ منظر ارسل نے قدرے فاصلے سے حیرانگی سے دیکھا اور سامنے موجود لڑکی کو دیکھ کر اسکا ماتھا ٹھٹکا، وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ادھر آیا اسے ایکدم اپنے سامنے دیکھ کر درشہوار ہلکا سا سپٹائی لیکن اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔

دوسری طرف ارسل کی نظریں جیسے ہی اسکے ساتھ ملیں، اسکا دماغ بھک کر کے اڑا اور چند لمحے تو اسے سمجھ ہی نہیں آئی کہ وہ اس سچوئشن پر کیسا ری ایکٹ کرے لیکن جلد ہی اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"پاگل ہوگئی ہو درشہوار کیا کرنے آئی ہو تم یہاں۔۔۔" اسکی رگ رگ میں قہر سما گیا۔ اس نے چند گہری سانسیں بھر کر خود کو پرسکون کیا۔

اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس سچوئشن میں درشہوار کا آنا ایک اور قیامت برپا کر سکتا تھا لیکن آگے بھی درشہوار تھی، جس کی آنکھیں اگرچہ شدت گریہ کی وجہ سے متورم تھیں لیکن ان میں موجود بغاوت اور اعتماد جوں کا توں تھا۔

"مجھے حویلی کے اندر لے چلو ارسل، وہاج بھائی کو آخری دفعہ دیکھنا ہے مجھے۔۔۔" اپنی بات مکمل کرتے ہوئے جذبات پر قابو نہ پا سکی۔ پرحدت قطرے اسکی گالوں پر لڑھک گئے۔

لیڈیز پولیس کو شاید اندازہ ہو گیا تھا، اس خاتون کا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے، اس لیے وہ تھوڑا ہٹ کر کھڑی ہو گئیں، اب تجسس بھرے انداز میں ان دونوں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔۔

"تم ایک ایسا عذاب ہو جو ہمارے اوپر مسلط کر دیا گیا ہے، کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی۔۔" وہ غضب ناک نگاہوں سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرا سگا بھائی مرا ہے ارسل، کوئی مجھے یہاں آنے سے روک سکتا ہے۔؟" درشہوار رو پڑی اور اسکا دل تھوڑا نرم پڑا۔

"اب چلو میرے ساتھ اور خبردار کسی کے سامنے کوئی بکواس کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ کسی کو علم نہیں تم کیا کارنامہ سرانجام دے چکی ہو۔" وہ غصّے سے اسکا بازو پکڑ کر حویلی کے پچھلی سائیڈ والے دروازے کی طرف بڑھا۔

"خدا کے لیے ارسل مجھ پر رحم کرو، ورنہ میں مر جاؤں گی، مجھے وہاج بھائی کو دیکھنا ہے۔۔" وہ اسکے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھی۔

"ساری زندگی تمہارے یہی الٹے سیدھے کاموں نے ہمیں ذلیل کروایا ہے۔۔" وہ سلگ اٹھا۔

شاہ میر اور برہان دونوں بے شمار لوگوں کے ساتھ لان میں کھڑے تھے، انہوں نے تعجب سے ارسل کے ساتھ موجود مکمل پردے

میں کسی خاتون کو دیکھا جسکا بازو غصے سے پکڑے ہوئے وہ تقریباً گھسیٹتے ہوئے حویلی کی پچھلی سائیڈ سے اندر کی طرف لے جا رہا تھا، شاہ میر نے اسکی پیروی کی اور برہان کچھ لمحوں کے لیے وہیں سوچ میں گم ہوئے اور پھر خود بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔

ارسل انتہائی مشتعل انداز میں اسے لے کر تاجدار بیگم کے کمرے میں داخل ہوا، جہاں انکی خراب حالت کے پیش نظر خاندان بھر کی خواتین کا داخلہ ممنوع تھا ان کے پاس اس وقت انابیہ تھی، جو ارسل کے ساتھ کمرے میں داخل ہوتی درشہوار کو دیکھ کر حواس باختہ ہوئی۔ اسکی ٹانگیں سن ہو گئیں۔

''لو دیکھ لو ہمارا تماشا، یہی دیکھنے آئی ہوناں۔۔؟'' ارسل نے غصّے کی انتہاء کو چھوتے ہوئے اسے دھکا دینے کے انداز میں اندر کیا تھا، جبکہ درشہوار اس وقت کسی بھی ذلت یا بے عزتی کو خاطر میں نہیں لا رہی تھی، اسے اچھی طرح سے اندازہ تھا کہ اس گھر میں اسکا استقبال بدترین انداز میں کیا جائے گا، اس کی نظریں تاجدار بیگم پر پڑیں اور اسکے دل پر گویا گھونسا پڑا۔

''امّی۔۔۔!!!!'' درشہوار جذباتی انداز میں تاجدار بیگم کی طرف بڑھی، جو اس وقت نیند کے انجکشن کے زیر اثر سو رہی تھیں لیکن ان کے چہرے پر پھیلی زردی اور صدمے کی کیفیت اتنی نمایاں تھی کہ درشہوار کو اپنا دل پھٹتا ہوا محسوس ہوا۔

ارسل کے پیچھے کمرے میں داخل ہوتا شاہ میر بھی سامنے کا منظر دیکھ کر بھونچکا رہ گیا، درشہوار، تاجدار بیگم کا ہاتھ پکڑے بُری طرح سے رو رہی تھی، شاہ میر کے اندر طیش کی لہر نمودار ہوئی، وہ مشتعل انداز میں اسکی طرف بڑھا، اور انتہائی غیض کی کیفیت میں درشہوار کا گلا پکڑ لیا، وہ جو اس حملے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھی، اسکی آنکھیں ابل کر باہر آئیں اور گلے سے ایک بھینچی ہوئی آواز نکلی۔

''کس کے ساتھ منہ کالا کر کے آئی ہو گھٹیا لڑکی، تمہاری جرائت کیسے ہوئی یہاں آنے کی۔۔۔؟'' شاہ میر اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔

''پاگل ہو گئے ہو شاہ میر، کیا گھر میں ایک نیا تماشا شروع کرو گے۔۔۔''

ارسل نے بھاگ کر اسکی گردن شاہ میر کے ہاتھوں سے چھڑائی، درشہوار کا منہ سرخ ہو چکا تھا اور وہ اب بُری طرح سے کھانس رہی تھی، انابیہ نے خوفزدہ انداز میں یہ منظر دیکھا اور رہی سہی کسر برہان کی آمد نے پوری کر دی، وہ خود شاکڈ نظروں سے سامنے کا منظر دیکھ رہے تھے، جبکہ شاہ میر اندرونی کیفیت کے زیر اثر اپنی مٹھیاں بھینچ رہا تھا اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ وہاج کے ساتھ ساتھ درشہوار کو بھی زندہ ہی دفن کر دے۔ اس پر اپنے غصّے پر قابو رکھنا ناممکن ہو رہا تھا۔

''میں چھوڑوں گا نہیں اس منحوس کو، اس نے ہمیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔۔'' شاہ میر ایک دفعہ پھر اسے مارنے کے لیے لپکا، تو ارسل بیچ میں آ گیا، برہان ساری بات سمجھ چلے تھے، اور دماغ ان کا بھی کھول رہا تھا۔۔

''برہان بھائی، پلیز اس بے وقوف کو سمجھائیں کیوں ایک نئی مصیبت کھڑی کر رہا ہے ہمارے لیے۔۔'' ارسل جھنجھلا گیا۔

''کہاں سے آئی ہو تم۔۔۔؟'' برہان نے ذرا سختی سے شاہ میر کا بازو پکڑ کر سائیڈ پر کیا اور درشہوار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

غصے سے پوچھا۔وہ خود بھی اس وقت شدید طیش کے عالم میں تھے لیکن شاہ میر سے زیادہ موقعے کی نزاکت کو سمجھتے تھے۔

''کوئی غلط کام نہیں کیا میں نے، مناہل کے پاس تھی میں۔۔۔'' درشہوار نے برہان کی سماعتوں میں بم پھوڑا۔

برہان کا رنگ اڑا، اور انہوں نے سخت بے یقینی اور صدمے کی سی کیفیت کے ساتھ اپنی بہن کو دیکھا، جس نے انکی نبض پر ہاتھ رکھ دیا تھا، وہ کچھ لمحے سانس روکے اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھتے رہے، وہ ایک انچ بھی نہیں ہلی تھی۔

برہان کے دماغ میں عجیب سے خیالات کی یلغار ایک ساتھ ہی ہوئی کہ کیا یہ مناہل کی سازش تھی اس نے اپنا بدلہ لینے کے لیے اس کے خاندان کی عزت کو داؤ پر لگا دیا تھا۔من میں کوئی پھانس تھی جس کی چبھن ایسی شدید تھی کہ سانس لینا دشوار ہو گیا۔

''کون ہے یہ مناہل۔۔۔؟'' شاہ میر نے زہر آلود لہجے میں پوچھا۔

''برہان بھائی بہت اچھی طرح سے جانتے ہیں۔۔'' اس کی آواز میں ایسی تلخی تھی کہ برہان کے ساتھ ساتھ انابیہ بھی اسے دیکھتی رہ گئی۔

''میں اب بھی کہتی ہوں، خدا کی قسم میں نے کوئی غلط حرکت نہیں کی۔۔۔'' اسکے لہجے کا بوجھل پن سبھی کو بُرا لگا۔

''میں مانتی ہوں میں نے آپ سب کے ساتھ بہت بُرا کیا، لیکن میں اپنی غلطی پر سخت شرمندہ ہوں، مجھے ماردیں لیکن یہاں سے جانے کا مت کہیں۔'' وہ بہت بُری طرح سے رو رہی تھی۔

''شاہ میر تم اور ارسل، جنازہ تیار ہے اور تم لوگ اسے آخری دفعہ وہاج بھائی کا چہرہ دیکھا، باقی حساب کتاب بعد میں ہونگے۔'' برہان نے نظریں چرا کر کہا اور درشہوار سوکھی لکڑی کی طرح چٹخی، وہ اب بلند آواز میں سسکیاں لے رہی تھی۔

''لیکن برہان بھائی، داجی اور بابا۔۔۔'' شاہ میر ہکلایا۔۔

''میں سب کو ہینڈل کر لوں گا، لیکن تم میں سے کوئی بھی اب اوورری ایکٹ نہیں کرے گا، ویسے بھی خواتین بار بار اس کا پوچھ رہی ہیں۔۔'' برہان نے اپنی بات مکمل کی اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

شاہ میر بے یقینی سے ارسل کا چہرہ دیکھنے لگا، وہ دونوں مناہل نام کی کسی بھی خاتون سے واقف نہیں تھے، صرف انابیہ اسے اچھی طرح سے جانتی تھی، اور وہ یہ نام سننے کے بعد سر جھکائے مسلسل اپنے پاؤں کے انگوٹھے کو گھور رہی تھی، اور ایک لمحے کو بھی اسکی نگاہوں کا ارتکاز نہیں ٹوٹا تھا، کیونکہ وہ اچھی طرح سے جانتی تھی مناہل کے نام پر برہان کے جلتے وجود پر ایک دم سے برف کیوں آن گری تھی۔

☆......☆......☆

مارتھا اور جارج کی سرد نگاہیں، مونیکا اور ذولکفل پر جمی ہوئیں تھیں۔۔۔

اگرچہ دونوں کا استقبال یہاں بھی خوشدلی سے نہیں ہوا تھا لیکن کم از کم انہیں اس ذلت اور اذیت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا جو بڑی حویلی والوں نے ان کے نصیب میں لکھ دی تھی۔دونوں دل سے ان سے شرمندہ تھے اور اس وقت نگاہیں جھکائے بیٹھے تھے۔

''آپ مجھے دھکے دے کر گھر سے نکال دیں لیکن میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گی، جب تک آپ مجھے معاف نہیں کریں گی۔'' مونیکا کا لہجہ ندامت سے پر تھا۔

''تم نے ایک بار بھی نہیں سوچا ہم اپنی کمیونٹی کے لوگوں کو کیا جواب دیں گے۔۔'' مارتھا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کا منہ تھپڑوں سے لال کر دیں۔ وہ آج بغیر بتائے اپنے شوہر کے ساتھ ان کے گھر آ چکی تھی۔

''میں اس چیز کے لیے بہت زیادہ شرمندہ ہوں آپ سے۔۔'' مونیکا کا سر مزید جھک گیا۔

''پورے خاندان نے ہمارا بائیکاٹ کر رکھا ہے اور تمہارے باپ کے پہلے مسائل کم تھے جو تم مزید ان میں اضافہ کرنے چلی آئی ہو۔'' کافی دیر سے خاموش بیٹھے جارج نے بھی ناراضگی سے گفتگو میں حصہ لیا۔

''آئی ایم سوری بابا، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے، اگر میں ذوالکفل سے شادی نہ بھی کرتی تو اپنی کمیونٹی کے کسی لڑکے سے شادی کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی تھی کم از کم میری زندگی میں۔۔'' اس نے ہلکا سا جھجک کر کہا اسکی بات پر اسکے والدین چونکے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔۔؟'' انہوں نے ناگواری سے پوچھا۔۔

''میں نے ان سے شادی کے لیے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اسلام قبول کرنے کے بعد ذوالکفل نے میری درخواست پر مجھے اپنی زندگی میں شامل کیا ہے اور اس بات پر ان کا بھی پورا خاندان ان سے خفا ہے۔۔'' مونیکا نے اصل بات بتائی تو کچھ لمحے تک اسکے والدین تو گویا قوت گویائی سے محروم ہو گئے۔

''تم یہ کہنا چاہتی کہ تم نے اپنا مذہب کسی لڑکے کے لیے نہیں چھوڑا۔۔؟'' جارج نے جانچتی نگاہوں سے بیٹی کو پرسکون چہرہ دیکھا۔

''ہرگز نہیں، مجھے اسلام قبول کرنا ہی تھا، اسکے بعد کسی بھی مسلم لڑکے کو اپنی زندگی کا ساتھی بناتی، وہ کوئی بھی ہو سکتا تھا۔۔'' اسکے دو ٹوک انداز پر مارتھا اور اسکے شوہر کو چپ لگ گئی، کیونکہ مونیکا کا لہجہ اس کی سچائی کی گواہی دے رہا تھا۔

''میں بھی آپ لوگوں سے بہت شرمندہ ہوں اور مجھے خوشی ہوگی، اگر آپ ہمیں کھلے دل سے معاف کر دیں گے۔۔'' ذوالکفل نے نرم لہجے میں ان دونوں کو مخاطب کیا تو انہوں نے چونک کر اس نوجوان کا چہرہ دیکھا۔ ذوالکفل کی گفتگو اور رکھ رکھاؤ سے انہیں اندازہ ہو چکا تھا کہ اسکا تعلق کسی ٹھیک ٹھاک گھرانے سے ہے، ان کی بیٹی نے سوائے مذہب کے کوئی گھاٹے کا سودا نہیں کیا تھا۔

''ظاہر ہے اب ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔۔۔'' جارج نے سب سے پہلے ہتھیار ڈالے۔۔۔

''لیکن میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں اسے ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کروں گا۔۔'' ذوالکفل نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

''اب یہ خوش رہے یا نہ رہے اسکی قسمت، اب اس کے لیے واپسی کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔'' جارج نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

''لیکن میری دلی خواہش ہے کہ آپ لوگ مجھے دل سے معاف کر دیں۔۔'' مونیکا نے جذباتی انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

''خداوند سے ہماری دلی دعا ہے کہ تم جہاں رہو، خوش رہو۔'' جارج نے نظریں چرا کر کہا۔ وہ ان کے دل کا ٹکڑا تھی اور وہ زیادہ دیر تک اس سے خفا نہیں رہ سکتے تھے، اس لیے انہوں نے اسے معاف کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''میں تم دونوں کے لیے کمرہ سیٹ کرواتی ہوں۔'' مارتھا بھی کچھ سوچ کر کھڑی ہوئیں اور ان کے منہ سے نکلنے والے اس جملے نے دونوں کو پرسکون کیا۔

رات کے وقت جب سرد مہری کی برف کافی حد تک پگھل چکی تھی، مونیکا، باورچی خانے میں اپنی ماں کے پاس چلی آئی، اسے ایک ہی گھنٹے میں اندازہ ہو گیا تھا کہ اسکا یہ فیصلہ حقیقتاً اسکے خاندان کو خاصا مہنگا پڑا ہے۔

''اس گھر کا کیا بنا، وہ لوگ جو دھمکیاں دے رہے تھے۔۔؟'' مونیکا کو ایکدم یاد آیا کہ جب وہ یہ گھر چھوڑ کر گئی تھی تو اس وقت یہ مسئلہ خاصے زور و شور سے چل رہا تھا۔

''اس مولوی کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ پچھلے ایک ماہ سے اپنے گاؤں گیا ہوا ہے، لیکن ہمیں اب پتا چلا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی اور ہے۔'' مونیکا نے روٹی توے پر ڈالتے ہوئے اسکی معلومات میں اضافہ کیا۔

''کیا مطلب میں سمجھی نہیں، کون لوگ ہیں اس کے پیچھے۔۔۔؟؟؟'' وہ حیران ہوئی۔

''ہمارے گھر پر بڑی حویلی والوں کی نظر ہے، اور وہ یہاں پر کوئی پلازہ کھڑا کرنا چاہتے ہیں، مولوی تو صرف مڈل مین ہے اور اسکو ہر قیمت پر یہ کمرشل جگہ خالی کروانے کے آرڈرز ملے ہوئے ہیں، کیونکہ وہ لوگ ہر قیمت پر اسے بنانا چاہتے ہیں۔۔۔'' مارتھا نے پریشانی سے بتایا۔

''وہ بڑی حویلی کے شاہ صاحب۔۔۔؟؟؟'' مونیکا کا دل ایکدم دھڑکا، کیونکہ وہ جانتی تھی، اس حویلی میں اسکا سسرال آباد ہے اور اس بات سے ابھی اسکے والدین آگاہ نہیں تھے کہ ذوالکفل کا تعلق اسی شہر کے ایک نامور خاندان سے ہے۔

''اس شہر میں ان کے علاوہ کون اتنا لالچی اور خود غرض ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کمزور اور غریب لوگوں کا جینا حرام کر رکھا ہے، خداوند انہیں ذلیل و خوار کرے۔'' مارتھا کی رائے ان کے بارے میں خاصی منفی تھی۔

''آپ کو کس نے بتایا۔۔؟'' وہ نظریں چرا کر بولی۔

''اس علاقے کا بچہ بچہ جانتا ہے، یہاں پر ان کی حکومت چلتی ہے اور انکی مرضی کے بغیر تو یہاں پرندہ بھی نہیں پر مار سکتا۔'' وہ بیزاری سے بولتی ہوئیں مونیکا کی پریشانی میں اضافہ کر گئیں۔

''آپ پریشان مت ہوں، میں ذوالکفل سے بات کر کے یہ مسئلہ سمجھانے کی کوشش کروں گی۔'' کچھ دیر سوچ و بچار کے بعد مونیکا نے ماں کو تسلی دی۔

''وہ بیچارہ کیا کر لے گا۔۔؟ اسے کیا پتا ان حویلی والوں کی گھٹیا حرکتوں کا۔۔؟

''ان سے زیادہ حویلی والوں کو اور کوئی نہیں جان سکتا۔'' مونیکا کی بات پر روٹی بیلتی ہوئی اسکی ماں چونکی۔

''کیا مطلب۔؟ تمہارا شوہر کیسے جانتا ہے ان کو۔۔۔؟'' ان کی فکر مندی فطری تھی۔

''اس لیے کہ یہ حویلی والوں کا ہی خون ہے، میرا مطلب ہے شاہ جی، اسکے سگے والد ہیں۔'' مونیکا کی بات پر مارتھا کا ہاتھ کانپا اور روٹی ہاتھ سے چھوٹ کر شیلف پر جا گری اور ان کا ہاتھ گرم توے سے ٹکرایا اور انہوں نے گھبرا کر اپنا ہاتھ پیچھے کیا، جو اس وقت آگ کی حدت سے سرخ ہو چکا تھا، لیکن یہ حدت اس آگ سے کم تھی جو مونیکا کی بات سن کر ان کے دل میں اٹھی تھی۔۔

☆......☆......☆

کمرے میں ٹہلتے ہوئے شہزاد کو ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔۔

یہ اسکی شروع سے عادت تھی، وہ جب بھی کسی چیز پر غور و فکر کرتی تو اٹھ کر ٹہلنے لگتی اور دماغ میں اس وقت اسی مسئلے سے تعلق رکھنے والی چیزیں چل رہی ہوتیں اور کوئی نہ کوئی حل جب تک نکل نہ آتا، وہ سکون سے نہ بیٹھ پاتی۔ اسے آج حقیقتاً درشہوار کے بارے میں جان کر حیرت ہوئی، اگرچہ وہاج کی موت نے اسے بھی پریشان کیا تھا کیونکہ صندل کیس کا اہم ملزم ہی اگر بیچ سے نکل جاتا تو باقی کیس کی کوئی وقعت ہی نہ رہتی، لیکن اس سے بھی پریشان کن درشہوار کی بغاوت تھی اور وہ مر کر بھی اس بات کا یقین نہیں کر سکتی تھی کہ اس خاندان کی کوئی لڑکی اس حد تک نڈر ہو سکتی ہے۔

اسے اب پہلی بار احساس ہوا تھا کہ مسز قریشی نے اتنے عجلت بھرے انداز میں صندل کیس کو لانے کا فیصلہ کیوں کیا تھا کیونکہ اس موقعے پر میر فیملی کو کسی اور مسئلے میں سلجھانا ضروری تھا اور وہ اپنی حکمت عملی سے اس میں کافی حد تک کامیاب بھی رہی تھیں۔

''یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی لڑکے کی شہہ کے بغیر کوئی لڑکی اتنا بڑا قدم اٹھا لے۔۔؟'' اس سوچ نے اسے الجھا دیا تھا۔

''کہیں ایسا تو نہیں، مسز قریشی اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے اس سے غلط بیانی کر رہی ہوں۔۔'' شہزاد کو اگلی سوچ نے پریشان کیا لیکن اس کے دماغ نے فوراً ہی اس چیز کو رد کر دیا۔۔

''نہیں، ان جیسی اصول پسند خاتون ایسے کیوں کریں گی بھلا۔۔'' اس کے دماغ نے دلیل پیش کی۔

''مجھے حمزہ سے پوچھنا چاہیے، اس سے بہتر کوئی بھی نہیں جانتا ہوگا کہ اصل سچوئشن کیا ہے۔۔۔'' اس نے جیسے ہی سیل فون اٹھایا تو اسے یاد آیا، ان دونوں کی تو آپس میں ناراضگی چل رہی ہے۔ وہ ہلکی سی کوفت کا شکار ہوئی۔ اس نے کچھ لمحے سوچا اور پھر تھک ہار کر حمزہ کا نمبر ملایا۔

تیسری بیل پر اسکی کال کاٹ دی گئی، شہزاد کو اپنی شدید قسم کی ہتک کا احساس ہوا، اس نے غصّے سے کونٹیکٹ لسٹ نکالی اور اس میں سے حمزہ کے سارے نمبر ایک ایک کر کے ڈیلیٹ کر دیئے، وہ اب خود بھی اس سے ناراض ہو چکی تھی۔

اسی وقت ملازمہ ہلکا سا دروازہ ناک کر کے کمرے میں داخل ہوئی، اسکے چہرے پر تشویش اور پریشانی کا عنصر غالب تھا۔ شہزاد اسکا چہرہ دیکھ کر چونکی۔

''کیا ہوا رشیدہ۔۔؟ سب خیریت تو ہے ناں۔۔؟''

''رومیصہ بی بی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، شام سے الٹیاں کر رہی ہیں وہ۔۔۔'' رشیدہ کی اطلاع پر اسے کرنٹ لگا۔

''تم نے مام کو نہیں بتایا۔۔؟ وہ دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی پریشانی سے بولی۔

''وہ ابھی تک گھر واپس نہیں آئیں۔۔''

شہزاد نے کمرے کے دروازے سے پلٹ کر وال کلاک کی طرف دیکھا، اس وقت رات کے سوا بارہ بج رہے تھے، وہ لاپرواہی سے سر جھٹک کر رومیصہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی، اس وقت اس کے لیے سب سے اہم اسکی بہن تھی اور اتنا تو وہ بھی جانتی تھی، رومی کی کنڈیشن دن بہ دن گر رہی ہے، اور وہ اسکے اور مام کے بار بار کہنے کے باوجود وہ ان کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس نہیں جا رہی۔

شہزاد جس وقت کمرے میں داخل ہوئی، اس وقت رومیصہ واش روم میں تھی اور دروازہ بند تھا، وہ پریشانی سے اسکے بیڈ پر بیٹھ گئی، اسکا سیل فون سائیڈ میز پر رکھا ہوا تھا اور اس وقت اس پر ارسل کا نام بلنک کر رہا تھا، چونکہ فون سائیلنٹ موڈ پر تھا اس لیے اسکی آواز رومیصہ تک پہنچنے سے قاصر تھی، شہزاد کو یہ نام دیکھ کر تھوڑا عجیب سے احساس ہوا۔ اس کے دماغ میں حمزہ کے کہے ہوئے جملے گونجے۔

کال ایک دفعہ آ کر بند ہو چکی تھی، اور ٹھیک ایک منٹ کے بعد دوبارہ سے وہی نمبر اسکرین پر بلنک کرنے لگا۔ شہزاد نے کال اٹینڈ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے آہستگی سے کال اٹینڈ کر کے سیل فون اپنے کان سے لگا لیا، رشیدہ منتظر نگاہوں سے اسکے سامنے کھڑی تھی، شہزاد نے اسے انگلی کے اشارے سے باہر جانے کو کہا۔۔۔

دوسری طرف موجود ارسل وہاج کی تدفین اور مہمانوں سے نبٹ کر اسے کال کرنے خاص طور پر لان میں آیا تھا، اسے رومی کی صبح سے آنے والی بیس کالز سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ نہ صرف اس کے پریشان تھی بلکہ ہو سکتا ہے اس سے ٹھیک ٹھاک خفا بھی ہو۔

شہزاد نے جیسے ہی کال اٹینڈ کی، وہ منہ سے ایک لفظ نہیں بولی، جبکہ دوسری جانب موجود ارسل اسکی خاموشی کو اسکی ناراضگی سمجھ کر شروع ہو گیا۔

''آئی ایم سوری میری جان، مجھے پتا ہے تم مجھ سے ٹھیک ٹھاک خفا ہو، لیکن بائے گاڈ ایسی سچوئشن میں پھنسا ہوا تھا کہ بالکل بھی تمہاری کوئی کال نہیں لے سکا، ہمارا پورا خاندان اس وقت شدید قسم کے جذباتی دھچکے سے دوچار ہے۔۔۔'' ارسل کے بے تکلفانہ انداز پر شہزاد چونک گئی۔

''پلیز رومی بولو تو سہی، ٹرسٹ می یار، جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا، اچھا تم یہ بتاؤ، گائناکولوجسٹ کے پاس گئیں تھیں، آج ہماری اپائنٹمنٹ بھی تھی۔'' ارسل کی اس بات نے شہزاد کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر سی دوڑا دی۔

اسے لگا وہ اب کبھی نہیں بول پائے گی۔۔

''رومی میرا نہ سہی اپنے ہونے والے بچے کا ہی خیال کر لو، پلیز تھوک دو غصّہ، کچھ تو بولو، میں دو چار دن میں واپس آنے کی

کوشش کرتا ہوں میری جان، پھر بیٹھ کر اس مسئلے کا کوئی سیریس حل نکالیں گے۔۔'' دوسری طرف ارسل اس کے نہ بولنے پر ٹھیک ٹھاک پریشان ہو چکا تھا۔

شہزاد کو لگا جیسے کسی نے خنجر اسکی پیٹھ میں گھونپ دیا ہو، یا کسی نے چھری کے ساتھ اسے ذبح کر دیا ہو، اسے رومیصہ کی خراب حالت کی اصل وجہ جان کر ایسے لگا وہ کسی دہکتی ہوئی بھٹی میں آن گری تھی۔

اسی وقت رومیصہ واش روم کر دروازہ کھول کر باہر نکلی اور سامنے بیڈ پر بیٹھی شہزاد کے ہاتھ میں اپنا سیل فون ہاتھ دیکھ کر اسکے پاؤں زمین پر جم گئے، اسے لگا جیسے وہ قیامت تک اپنی پلکوں کو جنبش نہیں دے پائے گی کیونکہ شہزاد کی آنکھوں میں اس وقت تنفر، بدگمانی اور ناراضگی کا ایک جہان آباد تھا۔ اس کے ہونٹ سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے، اور اسکی سرد نظریں رومیصہ کے وجود پر گڑی ہوئیں تھیں۔۔



صائمہ اکرم چوہدری کا خوبصورت ناول **شہزاد** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلے ماہ پڑھیے۔

بہترین نئے اُردو ناول پڑھنے کیلئے وزٹ کرتے رہیں ۔۔۔ http://kitaabghar.com